آخری چٹان

تاریخ لودھی پٹھان

(شاہان لودھی، لودھی قبیلے اور ہندوستان کے سیاسی، سماجی و معاشی حالات)

ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

غزنوی پبلشرز سوئس پلازہ نزد زحری مسجد جناح روڈ کوئٹہ کینٹ

فون نمبر: 0092(0)812005872 موبائل نمبر: 03214879704

2010 © جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب : تاریخ لودھی پٹھان
نام مصنف : ڈاکٹر مسعود الحسن خان روہیلہ
سن تصنیف : 2010ء
سن اشاعت : 2012ء جولائی
بار اشاعت : اوّل
تعداد : 500
کمپوزر : راز کمپوزر، نابھہ روڈ انار کلی لاہور
صفحات : 1063
قیمت : 1000 ایک ہزار روپے
اہتمام اشاعت : روز الدین غزنوی
پبلشرز : غزنوی پبلشرز سوئیس پلازہ نزد زھری مسجد جناح روڈ کوئٹہ کینٹ
فون نمبر: 0092(0)812005872 موبائل نمبر: 03214879704
ای میل: ghaznavikitabtoon@yahoo.com
ویب سائٹ www.ghaznavipublishers.co.cc

اطلاع

لودھی قبیلے میں نسلی طور پر سوری، نیاز، جلوانی وغیرہ بھی آتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان ذیلی قبائل نے اپنی الگ شناخت قائم کی ہے لہذا اس تحقیق میں صرف ان لودھیوں کا ذکر ہے جنہوں نے خود کو صرف لودھی کہلوایا ہے۔ دیگر قبائل کی تاریخ انشاء اللہ الگ سے تحریر کی جائے گی خصوصا قبیلہ سوری کی۔

maablib.org

انتساب

کتاب ھذا کا انتساب اُردو ادب کے درخشندہ ستارے
جناب اظہر عنایتی صاحب رام پوری
کے نام جن کا تعلق بھی لودھی قبیلے سے ہے۔

ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

maablib.org

پیش لفظ

لودھی قبیلے نے ہندوستان پر 75 سال مسلسل حکومت کی۔حکومت سے قبل اوراس کے بعد بھی لودھی سیاسی افق پر نمودار رہے۔ہندوستان میں انکی سیاسی سرگذشت کے علاوہ دیگر شعبہ ہائے زندگی میں انکی خدمات قبل ذکر اور قابل قدر ہیں۔تعمیرات،علم وادب ،مذہب،نظام اراضی ومالگواری وغیرہ وغیرہ ہر جگہ ان کے نشانات آج بھی نظر آتے ہیں۔لودھیوں نے تخت حاصل کرنے میں جتنی محنت کی ،تخت چھوڑنے میں اتنی مزاحمت نہیں کی۔ شروع میں انہوں نے تلوار سے کام لیا مگر بعد میں قلم پکڑلیا۔ایسا ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے۔تاریخ لودھی ایک بڑے قبیلے کے تاریخی کردار پر روشنی ڈالتی ہے ۔ایک ایسا کردار جس کے اثرات آج بھی ملتے ہیں۔اس کتاب کی تیاری میں پانچ سال سے زائد کا عرصہ لگا ہے۔جس کی بنا پر کامیابی کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا مگر کوشش کا دعویٰ ضرور کیا جاسکتا ہے۔اس لیے میں نے کوشش کی ہے کہ سلطان ابرہیم کی اصل تصویر کو پیش کروں جس پر ہمیشہ ظلم وزیادتی کا الزام رہا ہے۔اسی طرح سے سلطان سکندر پر مذہبی تعصب کا الزام ہے۔اور سلطان بہلول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک کمزور حکومت کا بادشاہ تھا۔یہ سب باتیں تعصب پر مبنی ہیں اور مغل مورخین کی تصنیفات کا نتیجہ ہیں۔اسطرح کی بہت سی غلط باتون کی تاریخی دلائل کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں جن حضرات نے مواد کی فراہمی میں تعاون کیا ان میں سے

ڈاکٹر حسین خان (پشاور) سرفہرست ہیں۔ان کے بعد ڈاکٹر شعائر اللہ خان (رام پور) کا نام آتا ہے۔میں ان دونوں حضرات کا شکر گزار ہوں جن کے تعاون سے تحقیق کے کئی مراحل طے ہوئے۔نیز جناب عابد خان لودھی (مردان) اور حبیب الرحمٰن خان لودھی (مردان) کا بھی شکر گزار ہوں۔جنہوں نے مردان کے لودھیوں کے حالات فراہم کیے۔

خیر اندیش

ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

مکان نمبر 69/B صابری اسٹریٹ نمبر 12

صداقت پارک سانده خورد لاہور۔

EMAIL:saudulhassankhan@yahoo.co.in

0092-0300-4573727,
0092-0346-4058805,
0092-0321-4235438.

maablib.org

فہرست

باب نمبر		صفحہ نمبر
باب نمبر 1	بنیادی اور ثانوی مآخذات	55
	لودھی حکمرانوں کی تاریخیں کیوں تحریر نہیں کی گئیں؟	55
	تاریخ مبارک شاہی	57
	واقعات مشتاقی	58
	تواریخ دولت شیر شاہی	59
	افسانہ شاہان	60
	طبقات اکبری	61
	مخزن افغانی	62
	تاریخ داؤدی	64
	تاریخ سلاطین افاغنہ (تاریخ شاہی)	64
	خلاصۃ التواریخ	65
	تاریخ فرشتہ	65
	آئین اکبری	66
	منتخب التواریخ	66
	مراۃ الافاغنہ	67
	تزک جہانگیری	67

maablib.org

	تذکرۃ الواقعات	68
	اقبال نامہ جہانگیری	68
	ماثر الامراء	68
	عمل صالح (شاہجہاں نامہ)	69
	تاریخ شیر شاہی	69
	شوکت افغانی المعروف حیات لودھی	70
	اے ہسٹری آف دی لودھی سلطانز ان انڈیا	70
	اے ہسٹری آف دی افغانز رول ان انڈیا	70
	افغان نوبیلیٹی اینڈ دی مغلو	71
	افغان ڈسپوٹ ازم ان انڈیا	71
	لودھی پشتانہ	72
	حواشی	73
باب نمبر 2	پس منظر	74
	افغانوں کا آبائی وطن	74
	لودھی کا نسب	78
	لودھی کی وجہ تسمیہ	91
	لودھی کا تلفظ	95
	حواشی	96

باب نمبر 3	ابتدائی اسلامی حملے اور افغان	97
	لودھی اور محمد بن قاسم	97
	محمد بن قاسم کے بعد	100
	شیخ حمید لودھی	105
	لودھی اور محمود غزنوی	107
	ملک سلیمان لودھی	120
	لودھی اور محمد غوری	121
	ملک محمود لودھی	133
	لودھیوں اور افغانوں کی آبادکاری	134
	حواشی	140
اب نمبر 4	ابتدائی سلاطین ہند اور افغان	142
	قطب الدین ایبک	143
	بلبن	144
	خلجی	147
	تغلق	147
	ملک شاہو کی بغاوت	149
	افغان حاکم راپڑی	152
	قاضی جلال کی بغاوت	153

maablib.org

	امیران صدہ کی بغاوت	159
	تجزیہ	169
	حواشی	171
باب نمبر 5	دولت خان لودھی (حاکم دہلی)	173
	دولت خان لودھی کا خاندان	173
	سیاسی حالات	174
	دولت خان لودھی کا عروج	177
	دولت خان لودھی کی بادشاہی	181
	تجزیہ	184
	دولت خان لودھی اور ملک شاہو کا تقابلی مطالعہ	184
	دولت خان لودھی اور سلطان بہلول کا تقابلی مطالعہ	185
	حواشی	186
باب نمبر 6	حکومت خاندانِ سادات اور لودھی پٹھان	187
	اسلام خان لودھی	188
	تجزیہ	200
	ملک سلیمان لودھی	201
	ملک الہ داد لودھی	201
	اسلام خان لودھی	206

	دریا خان لودھی	206
	ملک بہلول لودھی	207
	حسین خان افغان	207
	تجزیہ	207
	لودھیوں کے حالات کا تجزیہ	207
	حواشی	210
باب نمبر 7	آزاد ہندوستانی ریاستوں کے مختصر حالات	212
	ریاست دکن	212
	سلطنت گلبرگہ و بیجاپور	213
	گجرات	214
	بنگال	215
	جونپور	216
	مالوہ	218
	کشمیر	219
	ملتان	219
	حواشی	220
باب نمبر 8	سلطان بہلول لودھی: حالات زندگی اور سیاسی کارنامے	221
	نسب نامہ	221

maablib.org

جائے پیدائش	222
والدہ کی وفات	222
تاریخ پیدائش	222
بہلول کی پرورش	223
بچپن کا ایک قصہ	223
بہلول کی عرفیت بلو	224
پیشہ سوداگری	224
بہلول کی شادی	227
سامانہ میں درویش سے ملاقات	228
سوداگری سے سپہ گری تک	230
اسلام خان کی زندگی میں بہلول خان کا درجہ	232
روہ سے پٹھانوں کی آمد	232
اے حلیم کا موقف اور اسکی تردید	233
اسلام خان لودھی کی وفات کی تاریخ کا تعین	234
بہلول خان کی جانشینی	237
اسلام خان کے گروہ کی تقسیم	238
بہلول کی طاقت	238
جیرت کھوکھر سے جنگ	238

جنگ گڑھ	241
حسام خان وزیر الممالک کا قتل اور حمید خان کی وزارت	241
بادشاہ کے دربار میں بہلول کی حاضری	242
سلطان محمود خلجی سے جنگ	242
خان خانان کا خطاب	243
جنگ جیرت کھوکھر	243
بہلول لودھی کا وسعت سلطنت کرنا	244
بہلول لودھی کا دہلی پر پہلا ناکام حملہ	244
سلطان محمد شاہ کی وفات اور سلطان علاء الدین شاہ عالم کی تخت نشینی	244
بہلول لودھی کا دہلی پر دوسرا ناکام حملہ	245
سلطان علاء الدین کے دور کی طوائف الملوکی	245
دہلی پر وزیر حمید خان کا قبضہ	246
حمید خان کا پروگرام اور بہلول کی دہلی آمد	248
سلطان بہلول کی تخت نشینی	248
حمید خان وزیر کا زوال	249
خزانے کی تقسیم	252
امراء	252

انتظام سلطنت پر توجہ	253
سلطان محمود شرقی کا حملہ	253
سلطان بہلول کا مشورہ	253
روہ سے پٹھانوں کی آمد	254
احمد خان جلوانی کی آمد	255
شہر دہلی کا انتظام	255
سید شمس الدین اور دریا خان لودھی کی گفتگو	256
جنگ نریلہ	257
ہم قومیت کی دیگر مثال	258
دہلی کا نقارہ فتح اور محاصرے کا خاتمہ	258
افاغنہ روہ کی خاطر و مدارت	259
احساس وسعت سلطنت	260
فتح میوات	261
فتح برن	261
فتح کول	261
فتح سکیتہ	262
فتح بھون گاؤں	262
فتح راپڑی	262

فتح اٹاوہ	262
جنگ اٹاوہ 1456 اور صلح	263
فتح شمس آباد	263
جنگ شمس آباد 1456 اور قطب خان لودھی کی گرفتاری	264
سلطان محمود شرقی کی وفات 1457 اور سلطان محمد شرقی کی تخت نشینی	264
صلح نامہ جونپور 1457	265
شمس خاتون کا طعنہ اور سلطان بہلول کی جونپور واپسی	265
سلطان محمد شرقی کی پیش قدمی	266
حسن خان شرقی کا قتل	266
جلال خان کی گرفتاری	267
سلطان محمد شرقی کی جونپور واپسی	268
سلطان بہلول کا گنگا کناروں پر قبضہ	268
سلطان حسین شرقی کی تخت نشینی اور سلطان محمد شرقی کا قتل	268
صلح نامہ ہریہ	269
رائے کرن پرتاپ کی اطاعت	269
نظام خان کی پیدائش	269
قطب خان افغان اور دریا خان لودھی کی بے وفائی	270

بغاوت ملتان 271
سلطان حسین شرقی کی آمد اور جنگ چندوار 271
فتح میوات 271
فتح بیانہ 272
سلطان حسین شرقی کا حملہ اور صلح 272
جنگ سرائے لشکر میان اور صلح 272
بی بی راجی کی وفات اور قطب خان لودھی کی تعزیت 273
سلطان علاء الدین شاہ عالم کی وفات اور بدایوں پر 273
سلطان حسین کا قبضہ
جنگ کھچہ اور صلح نامہ 274
سلطان بہلول کا عقبی حملہ اور وزیر قتلو خان کی گرفتاری 274
افسانہ شاہان کا بیان اور حملے کی تفصیل 275
فتح کنپلہ، پٹیالی، سکیت، کول و جلالی 277
صلح رام پنجو 278
سلطان حسین شرقی کا آخری حملہ اور شکست 278
خواجہ بایزید کا قتل 279
وفات خان جہان لودھی اول 280
جنگ راپڑی 280

فتح اٹاوہ	280
جنگ رائے گانوں	281
سلطان حسین شرقی کا فرار	281
فتح جونپور 1483	281
سلطان حسین شرقی کی فتح جونپور	282
باربک شاہ کی پیش قدمی	282
قطب خان لودھی کی وفات	282
فتح جونپور ثانی 1484	282
فتح کالپی	283
سرہند کی ترقی	283
دیگر علاقوں کی فتوحات	283
فتح دھولپور	283
فتح باری	283
فتح الاپور	284
فتح ریاست اودے پور	284
فتح نیم کہار	285
ملتان پر حملہ 1464	285
مالوہ سے تعلقات	286

	فتح سندھ	287
	تقسیم سلطنت مابین سرداران	289
	تاتار خان لودھی کی بغاوت	290
	اقتدار کی مضبوطی	293
	راجہ گوالیار کی اطاعت	293
	اٹاوہ کے حاکم کی تبدیلی	293
	سلطان بہلول کی وفات	294
	سلطان سکندر کی ولی عہدی	294
	سلطان بہلول کی وصیتیں	295
	سلطان بہلول کا مقبرہ	296
	سلطان بہلول کی مدت حکومت	296
	سلطان بہلول کی شادیاں اور اولادیں	297
	حواشی	297
اب نمبر9	افغان عصبیت اور سلطان بہلول کے خاص امراء	306
	قطب خان لودھی	306
	خان جہان لودھی اول	307
	خواجہ بایزید خان	307
	افغان عصبیت اور بہلول لودھی	307

maablib.org

	حواشی	310
باب نمبر 10	سلطان بہلول کے اپنے امراء سے تعلقات	311
	آزاد قبائلی افغان، سلطان بہلول کو بادشاہ بنانے پر کیوں تیار ہوئے؟	316
	حواشی	318
باب نمبر 11	سلطان بہلول کی شخصیت اور ذاتی کردار	319
	برادرانہ سلوک	319
	سخاوت	319
	عیادت و تعزیت	320
	رسم سوئم کا خاتمہ	320
	سادگی	320
	مساوات	321
	دلبندی	321
	صبر و تحمل	321
	دل آزادی سے پرہیز	322
	مذہب کی پابندی	322
	علماء کی قدر دانی	323
	صوفیاء سے عقیدت	323

	سلطان بہلول اور غیر مسلم	324
	عورتوں کا احترام اور ایفائے عہد	324
	سلطان بہلول اور تیر اندازی و کمان گری	325
	حواشی	326
نمبر 12	سلطان بہلول کا نظام حکومت	328
	مرکزی نظام حکومت	328
	بادشاہ	328
	شاہی مجلس	328
	وکیل یا نائب	329
	عہدیداران مرکزی حکومت	329
	وزیر اور اسکے فرائض	331
	سپہ سالار	331
	عدلیہ	331
	صوبائی نظام حکومت	332
	سرکار	332
	نائب	332
	دیوان اور خزانہ	333
	دیگر عہدیدارن	333

maablib.org

پرگنہ اور اس کا نظام	333
شقدار	333
پرگنہ نظام کے دیگر عہدیدار	334
دیہاتی نظام	334
نظام پولیس	334
کوتوال	334
تھانیدار	335
خطرناک علاقہ	335
فوجی نظام	335
باقاعدہ فوج	335
بے قاعدہ فوج	336
فوج کے حصے	336
متحرک دستے	337
پٹھان فوجی	337
شب خون	337
قیدی	337
جنگ اور عورتیں	338
طریقہ کوچ	338

	سلطان کی جنگی صلاحیت	339
	حواشی	340
باب نمبر 13	سلطان بہلول کے آثار	342
	عہد بہلول کے سکہ جات	342
	عہد بہلول کے کتبات	344
	حواشی	345
باب نمبر 14	سلطان سکندر کا پس منظر	346
	تعارف	346
باب نمبر 15	سکندر لودھی کے ابتدائی حالات	349
	پیدائش	349
	ننھیال	351
	پرورش	352
	ذہنی نشوونما	353
	تاتار خان کا مقابلہ	357
	حواشی	362
باب نمبر 16	سلطان سکندر کی بادشاہت اور سیاسی کارنامے	364
	سلطان بہلول کی جانشینی کا تنازعہ	364
	نظام خان کی دہلی سے روانگی	365

نظام خان کی تخت نشینی	366
عیسیٰ خان لودھی پر فوج کشی	366
سلطان کے بیٹے	366
سلطان سکندر کے اہم امراء	367
امراء کی دل جمعی	368
فتح راپڑی	368
عالم خان سے صلح	368
فتح پٹیالی	369
باربک شاہ سے جنگ اور فتح	369
مبارک خان نوحانی سے حسن سلوک	369
انتظامی تبدیلیاں	370
بیانہ آمد	371
فتح بیانہ	371
بیانہ کے نواحی علاقے کے راجپوتوں کی گوشمالی	372
ٹھٹھہ کی مہم اور اس کی تردید	373
فتح جون پور دوئم	373
فتح جون پور سوئم	376
محاصرہ چنار	377

فتح کنخت	377
فتح اریل	377
کنخت کا انتظام	378
شیر خان نوحانی کی بیوہ سے نکاح	378
فتح بدیوتا کل	378
جنگ بھٹہ	378
جنگ بنارس	379
راجہ ترہٹ کی اطاعت	380
خان جہان لودھی کی وفات	380
پٹنہ کا دورہ	380
بنگال پر حملہ	380
بہار پر دریا خان نوحانی کی تعیناتی	381
غلے کی کمی 1497 اور زکوۃ معافی کا اعلان	381
سارن کا انتظام	381
قیام جونپور	381
جنگ پٹنہ دوم	382
قلعہ باندھو پر حملہ	382
مبارک خان لودھی سے حساب طلبی	382

حاکم ملتان سے تعلقات	383
ہندوؤں کی فارسی دانی	383
پردہ سرا اور حجابت کا اہتمام	384
22 امراء کی بغاوت اور اس کا سدِ باب	385
بزم تحصیل	385
حکام کی تبدیلیاں	385
فتح دھولپور	386
فتح گوالیار	387
قیام بیانہ و آگرہ	387
فتح مندرایل 1504ء	387
جنگ ترہٹ دوئم	388
آگرہ کی آبادکاری	388
حاکم دھولپور کی تبدیلی	390
زلزلہ	391
جنگ گوالیار دوئم	391
داؤد خان کو ملک کا خطاب ملنا	392
قیام آگرہ	392
محمود خان لودھی کی وفات	392

فتح اونگر 393

مجاہد خان کی گرفتاری 394

پانی کی قلت اور سپاہیوں کی موت 394

فتح نرور 394

شہزادہ شہاب الدین کی آمد 395

نرور کے پاس ایک اور قلعہ کی تعمیر 396

جلال خان سے عداوت اور صلح 396

محکات میں امن وامان 397

حاکم لکھنو کی تبدیلی 397

شہزادہ محمد خان کی آمد 397

چندیری کے حالات 397

تعمیرات پر توجہ 398

سلطان ناگور کی اطاعت 398

بزم آگرہ 399

میاں سلیمان فرملی کی معزولی 399

میاں حسین فرملی کی ناراضگی 399

امراء اور حکام کا تبادلہ 400

مغربی سرحدوں کے حالات 401

	سلطان سکندر کی بیماری اور وفات	402
	مقبرہ	403
	شادیاں اور بچے	403
	حواشی	403
باب نمبر 17	بادشاہ اور امراء کے تعلقات	408
	سلطان سکندر اور افغان عصبیت	408
	سلطان سکندر کے اپنے امراء سے تعلقات	409
	حواشی	415
باب نمبر 18	سلطان سکندر کا ذاتی کردار	418
	اشیاء کی ارزانی اور بہبود رعایا اور خبر گیری	419
	سخاوت	421
	علم و ادب سے دلچسپی	421
	فہم و فراست	421
	نظام عدل	424
	ظلم کا خاتمہ	426
	علماء سے ملاقاتیں	426
	پیر سے عقیدت	427
	علماء کی حدود کا تعین	427

maablib.org

	فرمان شاہی کی حیثیت	428
	بدعات کا خاتمہ	428
	عبادات و معمولات	429
	داڑھی سے پرہیز	429
	شراب خوری	429
	شرم و ننگ	430
	شکار سے شغف	430
	تعمیرات کا شوق	430
	سلطان سکندر پر تعصب کا الزام اور اس کی حقیقت	430
	حواشی	435
باب نمبر 19	سلطان سکندر اور سلطان ابراہیم کا نظام حکومت	437
	مرکزی نظام حکومت	437
	بادشاہ	437
	شاہی مجلس	437
	وکیل یا نائب	438
	عہدیداران مرکزی حکومت	438
	وزیر اور اسکے فرائض	440
	صدر	440

عریض الممالک	441
سپہ سالار	441
دبیر	441
عدلیہ	442
نظام ڈاک	443
حاجب	443
باربک	443
جندر	444
محتسب	444
امیدکوہی	444
دیگر شعبہ جات	444
صوبائی نظام حکومت	445
نائب	446
دیوان اور خزانہ	446
دیگر عہدیداران	446
پرگنہ اور اس کا نظام	447
شقدار	447
پرگنہ نظام کے دیگر عہدیدار	447

دیہاتی نظام 447

نظام پولیس 448

کوتوال 448

تھانیدار 448

خطرناک علاقہ 448

فوجی تنظیم 449

باقاعدہ فوج 449

بے قاعدہ فوج 449

فوج کے حصے 450

متحرک دستے 450

پٹھان فوجی 451

شب خون 451

قیدی 451

جنگ اور عورتیں 451

نظام عدلیہ 452

ذرائع آمدن 452

جاگیریں اور ان کا نظام 452

لگان 453

	عامل	454
	گز سکندری	455
	مختلف ٹیکس	455
	آمدنی	455
	ارزانی	456
	حواشی	456
باب نمبر 20	سکندر لودھی کے آثار	460
	سکندر لودھی کے سکہ جات	460
	دہلی میں سکندر لودھی کے کتبات	461
	سکندر لودھی کا معین کردہ گز	462
	حواشی	462
باب نمبر 21	سلطان ابراہیم لودھی کے سیاسی حالات	463
	نسب نامہ	463
	تاریخ پیدائش	463
	والدہ	465
	جائے پیدائش	465
	بہن بھائی	466
	پرورش وتربیت وتعلیم	466

maablib.org

صحبت 466

سلطان سکندر کی پالیسی اور ابراہیم لودھی 467

شہزادہ ابراہیم لودھی کے اوصاف 468

لودھی امراء کی چالاکی اور سلطنت لودھی کی تقسیم 468

سلطان ابراہیم کی تخت نشینی 469

سلطان جلال خان کی جونپور روانگی 469

سلطان ابراہیم کا جشن تخت نشینی 469

سلطان جلال خان کا سفر جونپور 470

سلطان ابراہیم کے امراء 470

خان جہان لودھی کی آمد 470

جلال خان کی طلبی 471

ہیبت خان گرگ انداز کی روانگی 471

جلال خان کی دوبارہ طلبی 471

دوسرا وفد 471

امراء اور جاگیرداروں کے نام حکم 472

مشرقی ممالک کے گورنروں کو انعامات 472

جشن تخت نشینی دوم 472

سلطان جلال الدین کا اعلان تخت نشینی 473

سلطان جلال الدین کی جنگی تیاریاں	474
سلطان جلال الدین کی اعظم ہمایوں کو درخواست	474
گوالیار کے محاصرے کا خاتمہ	474
جونپور اور لکھنو پر سلطان جلال الدین کا قبضہ	475
سلطان ابراہیم کی جنگی تیاریاں	475
سلطان ابراہیم کا بھائیوں کو قید کرنا	475
سلطان ابراہیم کا کوچ اور اعظم ہمایوں کا اعلان اطاعت	476
کول میں امن وامان کا قیام	476
ملک قاسم کی سلطان ابراہیم کے پاس حاضری	476
دیگر امرائے جلالی سلطان ابراہیم سے وابستگی	476
فتح کالپی	477
محاصرہ آگرہ	477
آگرہ کو سلطانی امداد کی آمد	477
سلطان جلال الدین کا اعلان اطاعت	478
آگرہ کے انتظامات	478
میاں بھووہ کا قید کیا جانا	479
افسانہ شاہان کا بیان	480
دلاور خان پر میاں بھووہ کی تقریری	481

گوالیار پر حملے کا ارادہ اور اسکے اسباب	481
گوالیار کے راجہ کے مختصر حالات اور تبصرہ	482
اعظم ہمایوں کا گولیار کا محاصرہ	483
شہزادہ جلال الدین عرف سلطان جلال الدین کا قتل	484
تبصرہ	484
جنگ گوالیار اور فتح بادل گر	484
جنگ گوالیار کی سیاسی چال	485
اعظم ہمایوں سروانی کی طلبی	485
اعظم ہمایوں کی قید و قتل	485
افسانہ شاہان کا بیان	487
تبصرہ	488
محمود خان سرینی اور حسام خان شاہو خیل کا قتل	488
اسلام خان سروانی کا اعلان بغاوت	488
اعظم ہمایوں لودھی اور سعید خان لودھی کی بغاوت	489
باغیوں کی مشاورت	489
باغیوں کے خلاف امراء کی روانگی	489
جنگ بانگرمئو	489
مزید کمک کی روانگی	490

شیخ راجو بخاری کا مصالحت کرانا	490
گورنر بہار کو حملے کا حکم	490
جنگ	491
جشن فتح	491
بابر کا ہندوستان پر پہلا حملہ	491
بابر کا ہندوستان پر دوسرا حملہ	491
بابر کا تیسرا حملہ	492
جنگ سید پور	492
تبصرہ	492
خواجہ اسمعیل جلوانی سے سلطان ابراہیم کی گفتگو	492
رانا سانگا اور میاں حسین خان فرملی کے معاملات	494
میاں حسین خان فرملی کا قتل	504
بہار میں بغاوت	510
دولت خان لودھی کا پس منظر	512
دولت خان کے بیٹوں کی تعداد	514
سلطان ابرہیم کی دولت خان کو طلبی اور ناراضگی	514
افسانہ شاہان کا بیان	516
دولت خان کا بابر بادشاہ کو دعوت دینا	518

تبصرہ	519
دلاور خان کابل میں	520
دولت خان اور بابر کے تعلقات	521
تبصرہ	521
بابر بادشاہ کا چوتھا حملہ	522
دولت خان کی طاقت کا خاتمہ	526
سلطان ابراہیم کا دولت خان کو خط	526
دولت خان کا ابراہیم لودھی کو خط	526
عالم خان کا دہلی پر حملہ اور شکست	527
بابر کا پانچواں حملہ	529
بابر کی پیش قدمی	530
محمد کالا پہاڑ کی بابر سے جنگ اور شکست	530
جنگ حصار فیروزہ	531
سلطان ابراہیم کی پیش قدمی	531
سلطان ابراہیم لودھی اور نجومی	531
سلطان ابراہیم لودھی کا اپنے فوجیوں سے خطاب	531
بابر کا تھانیسر پر قبضہ	532
ہاشم خان کی شکست	532

	پانی پت میں صف بندی	532
	پانی پت کی پہلی لڑائی	533
	سلطان ابراہیم کو محمود خان کا مشورہ	535
	ابراہیم لودھی کا جواب	536
	سلطان ابراہیم کی ثابت قدمی	536
	سلطان ابراہیم لودھی کی شہادت	537
	افسانہ شاہان کا بیان	537
	سلطان ابراہیم کے بیٹے کا قتل	538
	افسانہ شاہان کا تبصرہ	538
	طبقات بابری کی مبالغہ آرائی	539
	فریقین کی فوجوں کی تعداد کا تعین	539
	سلطان ابراہیم لودھی کی شکست کے اسباب	540
	شادی اور اولاد	542
	عمر و مدت حکومت	542
	مدفن	542
	حواشی	544
باب نمبر 22	سلطان ابراہیم کے دور میں بادشاہ اور امراء کے تعلقات	554
	سلطان سکندر کی پالیسی کا تسلسل	554

maablib.org

	مضبوط عصبیت کا دور	554
	حکمران قبائل میں عصبیت کا خاتمہ	555
	امراء سے حسن سلوک	555
	سپاہیوں سے حسن سلوک	556
	مشکوک ومخالف امراء کے خلاف اقدامات	556
	کرپشن اور امراء سے سلطان کا اختلاف	558
	با اثر اور طاقتور امراء کی برطرفی	559
	سلطان ابراہیم کا نظریۂ بادشاہت	560
	امراء کے خیالات	561
	امراء کے مقابلے میں سلطان ابراہیم کی کمزوری کے اسباب	562
	سلطان ابراہیم کے زیر عتاب رہنے والے امراء	563
	عہد سکندری کے امراء کی قدر ومنزلت	564
	ادنیٰ افسروں کی ترقی اور اس کا اثر	564
	غیر افغان امراء	565
	حواشی	566
ب نمبر 23	سلطان ابراہیم کی شخصیت اور ذاتی کردار	570
	بھائیوں سے حسن سلوک	570

	عام سپاہیوں سے حسن سلوک	572
	امراء سے حسن سلوک	572
	پڑوسی ریاستوں سے تعلقات	572
	فلاح عوام کرنا اور بدعنوانیوں کی مخالفت	573
	اخلاق حمیدہ اور شجاعت	574
	درجہ شہادت	575
	علم و ادب سے دلچسپی	575
	رفاہ عامہ کے کام	575
	مذہبی امور سے دلچسپی	575
	شکار	576
	شراب نوشی	576
	قوت فیصلہ کی کمی	576
	ہندوؤں سے سلوک	576
	حواشی	577
باب نمبر 24	سلطان ابراہیم لودھی کے آثار	579
	حواشی	580
باب نمبر 25	سلطان سکندر لودھی اور سلطان ابراہیم لودھی کے دور میں امراء کے معاشی حالات	581

حسین خان عرف خان جہاں لودھی دوم 581
میاں زین الدین 582
میاں زبر الدین 583
مجاہد خان 583
خواص خان 584
میاں بھووہ 584
دولت خان لودھی 585
میاں سلیمان فرملی 586
جلال خان لودھی، خان خانان نوحانی اور دلاور خان 587
پسر میاں بھووہ
میاں گدائی فرملی 587
سعید خان یوسف خیل لودھی 588
مسند اعلیٰ اعظم ہمایوں 588
احمد خان لودھی 589
خان اعظم لاد خان 589
مسند عالی میاں محمد فرملی 590
میاں حسین فرملی 590
مسند عالی دریا خان نوحانی 591

	تاتار خان	592
	ہیبت خان گرگ انداز	592
	احمد خان	593
	قطب خان	593
	تبصرہ	594
	حواشی	595
باب نمبر 26	لودھی دور میں عوام کے حالات زندگی	597
	دیہاتی زندگی	597
	شہری زندگی	597
	طبقہ امراء	598
	عام لوگ	601
	عورتوں کی حالت	603
	لباس	604
	خورد و نوش	605
	زبان	608
	کرپشن	608
	قیدی	610
	سپاہی	610

		610
	امن وامان	610
	صنعت وتجارت وآمد ورفت	613
	حواشی	617
باب نمبر 27	عہد لودھی کی ثقافتی سرگرمیاں	617
	تعمیرات	628
	موسیقی	630
	علم وادب کی سرپرستی	633
	سکندر لودھی کے دور میں سنبھل کا علمی وادبی ماحول	635
	مولانا جمالی کی ناراضگی	637
	فارسی ادب	638
	سکندر کی شاعری	640
	عربی زبان وادب	641
	سنسکرت ادب	641
	ہندی اور اردو زبان کا فروغ	642
	اردو ادب	647
	ہندی ادب	649
	حواشی	652
باب نمبر 28	صوفیانہ سلسلے	652
	سلطنت دہلی کے باہر صوفیاء کے اثرات	

maablib.org

	سلطان بہلول کے صوفیاء سے تعلقات	653
	سلطان سکندر کے صوفیاء سے تعلقات	653
	سلطان ابراہیم کے صوفیاء سے تعلقات	654
	شیخ مخدوم محمد گیلانی	655
	شیخ عبدالقادر ثانی	655
	شیخ عبدالقدوس گنگوہی	655
	تحریک مہدویت	657
	حواشی	658
باب نمبر 29	بھگتی تحریک	659
	بھگتی تحریک پندرھویں صدی میں ہی کیوں پیدا ہوئی؟	659
	کتب تواریخ مین بھگتی اور صوفیانہ تحریک کے اثرات کے اشارے	663
	رامانند	666
	بھگت کبیر	667
	دھنا بھگت اور دیگر مبلغین	669
	گرونانک	669
	ولبھ چاریہ	671
	چیتنیہ	671

	حواشی	672
باب نمبر 30	سلطان محمود لودھی	673
	محمود لودھی	674
	جنگ کنواہہ	675
	بابر کی فوج میں موجود لودھی	675
	سلطان محمود لودھی کی تخت نشینی	675
	سلطان محمود کی لشکر کشی	676
	سلطان محمود کا فرار	676
	بنگال میں	677
	جلاوطنی	677
	وفات	677
	سلطان محمود کا تجزیہ	677
	حواشی	679
باب نمبر 31	بابر اور لودھی	680
	تجزیہ	686
	حواشی	688
باب نمبر 32	ہمایوں اور لودھی	689
	حواشی	701

maablib.org

باب نمبر 33	سوری عہد حکومت میں لودھی	702
	حواشی	715
باب نمبر 34	اکبر اور دولت خان لودھی	716
	دولت خان لودھی	720
	دولت خان لودھی کا کردار	725
	حواشی	729
باب نمبر 35	خان جہان لودھی (1): عہد جہانگیری	730
	بنگال آمد	731
	مغل دربار سے وابستگی	732
	جہانگیر سے وابستگی	733
	خان جہان کا خطاب	738
	امراء کا دفاع	740
	دکن کی مہمات	742
	امراء کا نفاق	753
	صوبہ برار و ایلچ پور کی گورنری	765
	خان جہان لودھی کی دیگر مقامات پر تعیناتی	767
	جہانگیر کے دربار میں: 1024ھ	767
	دکن کا مسئلہ اور شہزادہ خرم سے تکرار	772

	گھوڑے کا انعام	779
	شراب نوشی	781
	ملتان کی گورنری	782
	قندھار کی مہم	782
	افغان قبائل سے تعلق	786
	شاہ جہان کی بغاوت	787
	آگرہ کی حکومت	788
	گجرات کی حکومت	789
	شہزادہ پرویز سے وابستگی اور اس کی وفات	790
	دکن کا مسئلہ	792
	جہانگیر کے آخری دن	795
	شہباز خان لودھی	797
	حواشی	798
باب نمبر 36	خان جہان لودھی (2): آخری ایام	801
	شاہ جہان کی اطاعت	802
	ججھار بندیلہ کی سرکوبی	803
	شاہ جہان سے بدگمانی	810
	گوشہ نشینی	811

مغلوں کا ناکام تعاقب 815

بہلول میانہ اور سکندر دوتانی کی شرکت 821

شاہ جہان کی خان جہان لودھی کے خلاف روانگی 822

خان جہان لودھی کی فتح 827

خان جہان لودھی کا علاقہ روہ میں بغاوت کروانا 829

خان جہان لودھی کی شکست 833

خان جہان کی سرحد کی جانب روانگی 842

دریا خان کی شہادت 846

خان جہان لودھی کا فرار 848

خان جہان لودھی کی شہادت 852

خان جہان لودھی کا سر 856

لودھی سیاست کا خاتمہ 858

خان جہان لودھی پر ایک نظر 859

جہانگیر سے تعلقات 859

شاہ جہان سے تعلقات 861

افغانوں سے تعلقات 865

حواشی 867

باب نمبر 37 لودھی پٹھان: 1640ء تا 2010ء 868

لودھی اور متاخرین مغل بادشاہ 868

maablib.org

	شاہ جہان	868
	اورنگزیب	868
	دیگر مغل بادشاہ	869
	دیگر حالات	869
	U.P میں 1891ء میں لودھی پٹھانوں کی آبادی	870
	روہیکھنڈ	873
	1857 اور لودھی	876
	علی گڑھ	881
	ضلع ہوشیار پور	891
	ضلع جالندھر	905
	مردان وصوابی کے لودھی	925
	حواشی	931
باب نمبر38	شخصیات	933
	شیخ احمد لودھی	933
	شیخ علی سرور لودھی	934
	شیر علی خان لودھی	937
	حکیم ثناءاللہ خان فراق	937
	نصراللہ خان وصال	939

ہدایت اللہ خان ہدایت	939
ڈاکٹر عبادت بریلوی	941
کلب علی خان فائق	946
اظہر عنایتی	950
شیدا علی خان	951
محمد علی خان حسرت	951
سعید اللہ خان عیش	951
عزیز اللہ خان عزیز	952
مظہر علی خان شمس	952
احمد علی خان ضابط	952
نیاز علی خان ضبط	953
ماسٹر نور الٰہی خان	953
میجر خورشید احمد خان لودھی	954
محمد ارشد خان لودھی	955
عبد الرشید خان لودھی	955
فرخ شہید لودھی	955
صاحبزادہ عبد القیوم خان	955
مولانا غلام ربانی لودھی	959

عابد حسین خان لودھی 960

میر بہادر خان 961

پاھو بن لودھی 961

دربار علی لودھی 962

شاہنواز لودھی 962

حبیب الرحمٰن خان لودھی 962

اسلام الدین لودھی 962

اختر خان لودھی 963

ظاہر شاہ خان لودھی 963

عارف خان لودھی 963

عاطف خان لودھی 963

اشتیاق احمد خان لودھی 964

صاحبزادہ امتیاز خان لودھی 964

ارشد خان لودھی 964

شاہد خان لودھی 964

خالد خان لودھی 964

ڈاکٹر ملیحہ لودھی 965

عبدالحفیظ جالندھری 965

نواب فخر الدین خان فخر یار جنگ بہادر 966

نواب مشتاق احمد خان 967

عابد علی اکبر خان 967

شمشیر بہادر خان محمد اکبر علی خان 969

نواب سعادت خان اور انکی اولاد 970

ارشاد حسین خان 971

محمد اسلم خان 972

خان محمد ارشد خان 972

مولانا فتح محمد خان جالندھری 973

غلام محی الدین خان 974

ساحر لودھی 974

شفیق احمد خان لودھی 975

شبیر احمد خان لودھی 975

حواشی 976

باب نمبر 39 نسب نامے 979

لودھیوں کے نسب نامے (ماخوذ از مخزن افغانی) 979

خان جہان لودی کا شجرہ نسب 993

نسب نامہ اولاد خان جہان لودھی 996

	بغدادہ مردان کے لودھی	997
	گوجر گڑھی کے لودھی	1000
	ٹوپی صوابی کے لودھی	1003
	رشکئی اور نوشہرہ کے لودھی	1007
	انتباہ	1008
	مراد آباد کا لودھی خاندان	1008
	بریلی کا لودھی خاندان	1009
	رام پور کا لودھی خاندان	1011
	علی گڑھ کے لودھی	1013
	بہاول پور کے لودھی	1014
	ہوشیار پور کے لودھی	1014
	جالندھر کے لودھی	1023
	حواشی	1033
باب نمبر 40	لودھی اور تاریخ نویسی	1035
	ضمیمہ اول ہندوستان کے سماجی وسیاسی حالات از بابر بادشاہ	1038
	کتابیات	1053

باب نمبر 1

بنیادی اور ثانوی مآخذات

لودھی خاندان کے تین نامور بادشاہ گزرے ہیں۔ اول بہلول لودھی دوم سکندر لودھی اور سوم ابراہیم لودھی۔ ان تینوں بادشاہوں کے حالات کے مطالعہ اور تحقیق میں سب سے بڑی مشکل یہ درپیش آتی ہے کہ ان کا بنیادی یا ہم عصر مآخذ کوئی بھی نہیں ہے۔ کوئی ایسی تاریخی کتاب نہیں ہے جو ان تین بادشاہوں کے دور میں ان کی حکومتوں کے حوالے سے لکھی گئی ہو۔ ابراہیم لودھی کے دور کے تو پھر کچھ بیرونی ہم عصر مآخذ مل جاتے ہیں۔ مگر پہلے دو بادشاہوں کے ہم عصر مآخذ ملنا مشکل ہے۔ آیا ان کے دور میں کوئی تاریخ کتاب تحریر ہی نہیں کی گئی؟ ایسا شاید بالکل نہیں ہے۔ سلطان ابراہیم لودھی کے دور میں ایک کتاب تاریخ ابراہیم شاہی کا تحریر کیا جانا بیان کیا جاتا ہے مگر اب اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہے۔ (1) لہٰذا سلطان بہلول لودھی اور سلطان سکندر لودھی کے بارے میں کوئی بنیادی مآخذ بالکل دستیاب نہیں ہے۔ سلطان ابراہیم کے بارے میں بھی کوئی افغان ہم عصر مآخذ نہیں ہے۔ البتہ غیر افغان ہم عصر مآخذات موجود ہیں۔ (2) ان بادشاہوں کے بارے میں اب ہمارے پاس تمام افغان مآخذ ثانوی رہ جاتے ہیں جن کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

لودھی حکمرانوں کی تاریخیں کیوں تحریر نہ کی گئیں؟

سید خاندان کے آخری بادشاہوں تک ہمیں تاریخ نویسی کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن بہلول لودھی اور سکندر لودھی کی کوئی تاریخ نہیں ملتی۔ آخر کیوں؟ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ لودھی

حکمران قبائلی ماحول کی پیداوار تھے۔ بہلول لودھی تو سراسر دیہی پہاڑی ماحول سے تعلق رکھتا تھا۔ دہلی میں آرام پسند زندگی کا اگرچہ وہ قریب سے مشاہدہ کر چکا تھا لیکن وہ اسے ناپسند کرتا تھا۔ وہ اس بات کو بھی ناپسند کرتا تھا کہ بادشاہ تخت پر بیٹھا رہے اور باقی لوگ دربار میں کھڑے رہیں۔(3) اس ماحول میں بادشاہی گروہ یعنی لودھیوں کا علم و ادب کی جانب رجحان کم رہا۔ دیہی ماحول نے ان کو علم و ادب سے دور رکھا اور اسی وجہ سے بہلول لودھی اپنے دور کی کوئی تاریخ نہ لکھوا سکا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا اکثر وقت جونپور ریاست سے جنگوں میں گزرا۔ اس وجہ سے بھی وہ اس جانب توجہ نہ دے سکا۔

سکندر لودھی کا تعلق بھی قبائلی ماحول سے رہا۔ اگرچہ اس کے دور میں دولت کی بہت ریل پیل ہوئی اور لودھی آرام پسند ہو گئے اور خود سکندر لودھی نے بھی علم و ادب کی سرپرستی کی مگر وہ شہری ماحول میں اتنا نہ ڈھلا تھا جتنا کہ اس سے پہلے کے سلاطین دہلی یا بعد کے مغلیہ حکمران ڈھل گئے تھے۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے دور کی تاریخ مرتب کروانے پر بھی توجہ نہ دی۔

سلاطین لودھی کی ابتداء میں مسلسل جنگیں ریاست جونپور سے رہیں۔ سکندر لودھی کے دور میں امن وامان رہا اور علم و ادب کی خوب ترقی ہوئی۔ اس دور کی کئی کتب ملتی ہیں گو کہ ان میں تاریخ کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ پھر ابراہیم لودھی کے دور میں تاریخ کی بھی ایک کتاب تحریر کی گئی یعنی تاریخ ابراہیم شاہی۔ اس کے علاوہ بھی کافی کتب تحریر کی گئی ہوں گیں مگر اس کا دور خانہ جنگی کا دور تھا۔ پھر بابر بادشاہ نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ بابر اور ہمایوں کے دور میں افغانوں اور مغلوں کے درمیان مسلسل رسہ کشی رہی۔ ہمایوں ایران جاتے وقت اپنا کتب خانہ بھی ساتھ لے گیا جو یقیناً دہلی کے سابقہ سلاطین بشمول لودھی سلاطین کی کتب پر مشتمل تھا۔ شیر شاہ نے اقتدار پر قبضہ کیا۔ پھر اسلام شاہ آیا۔ اس کے بعد مسلسل 5 سال خانہ جنگی میں رہے۔ ہمایوں واپس آیا۔ پھر اکبر کا ابتدائی دور بھی ہیجان خیز رہا اور جنگیں رہیں۔ اب

کے بعد اکبر نے امن کی حالت میں کتب تواریخ کی تحریر پر خصوصی توجہ دی۔ غرض سکندر لودھی کی وفات (1517) سے اکبر کی تخت نشینی کے وقت تک مسلسل جنگوں نے سابقہ سلاطین دہلی کے کتب خانوں کو بہت نقصان پہنچا۔ افغان امراء مغلوں کے غلبے کے بعد ہجرت کر کے بہار، بنگال، اڑیسہ بھاگے، ہمایوں بھی ایران بھاگا۔ اس دوران کتب کا زبردست نقصان ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں بہت سا ذخیرہ کتب استدادِ زمانہ سے تلف ہو گیا اور بہت سے لوگ تحریر کرنے کی جانب توجہ نہ دے پائے۔ لودھیوں کے دور کی بھی اکثر کتب اس میں ضائع ہو گئیں۔ جو بچیں وہ 1857ء کی جنگ میں کتب خانہ دہلی و لکھنؤ کی تباہی میں یا اس سے قبل نادر شاہ درانی و احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے حملوں میں تباہ ہو گئیں۔ ان سے بھی جو کتب بچ گئیں۔ ان میں سے اکثر انگریز برطانیہ لے گئے اور یوں اب ہماری دسترس سے باہر ہیں۔

تاریخ مبارک شاہی:

تاریخ مبارک شاہی یحییٰ بن احمد بن عبداللہ کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب سید خاندان کے بادشاہ مبارک شاہ سے منسوب ہے۔ اس میں سلاطین غوری سے لے کر سادات خاندان کے حکمران محمد شاہ تک کا ذکر ہے۔ خاندان سادات پر یہ مستند اور ہم عصر ماخذ ہے۔ اس میں لودھی خاندان کے امراء بالخصوص اسلام خان لودھی کا ذکر بھی ملتا ہے جس سے ہمیں لودھی خاندان کے پس منظر کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کتاب کے تمام نسخے 1434ء پر ختم ہو جاتے ہیں۔ ایک نسخہ وہ ہے جو ایلیٹ نے اپنی History of India کے لیے استعمال کیا ہے۔ دوسرا نسخہ جادو ناتھ سرکار کا 1629ء کا نقل کردہ ہے۔ تیسرا نسخہ بوڈلین لائبریری کا ہے۔ جو 1550ء کا نقل کردہ ہے۔ ایس بیوریج نے ان سب کا تقابلی مطالعہ کر کے کتاب انگریزی میں ترجمہ کی ہے اور اختلافات کی نشاندہی کی ہے۔ بیوریج کا انتقال

1929ء میں ہوا۔ دہلی سے لو پرائس پبلی کیشنز نے اسے دوبارہ ری پرنٹ کیا ہے۔ میرے زیر استعمال وہی تقابل شدہ انگریزی نسخہ رہا ہے۔ ڈاکٹر آفتاب اصغر صاحب نے اس کتاب کا فارسی سے اردو ترجمہ کیا جو اردو سائنس بورڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔ میں نے بوقت ضرورت اس سے بھی استفادہ کیا ہے۔

واقعات مشتاقی

سب سے قدیم کتاب جو افغانوں پر ہمیں ملتی ہے وہ واقعات مشتاقی ہے۔ اس کے مصنف شیخ رزق اللہ مشتاقی ہیں۔ شیخ رزق اللہ کا تعلق ترک قوم سے تھا۔ ان کے اجداد میں آغا محمد ترک ہندوستان آئے۔ یہ دور سلطان علاء الدین خلجی کا تھا۔ ان کی وفات 1338ء میں ہوئی۔ ان کے بیٹے ملک معز الدین سلطان فیروز شاہ کے امراء میں تھے۔ ان کے بیٹے ملک فیروز خاندانِ سادات اور سلطان بہلول لودھی کے عہد میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے سلطان بہلول اور سلطان حسین شرقی کے درمیان 1469ء کی جنگ پر ایک نظم بھی تحریر کی تھی۔ ملک فیروز کے بیٹے شیخ سعد اللہ تھے۔ جو ایک مذہبی شخص تھے۔ وہ سلطان سکندر کے دور میں بدایوں کے حاکم مسند اعلیٰ ضیاء الدین کے ہاں ایک مسجد کے امام تھے۔ ان شیخ سعد اللہ کے بیٹے رزق اللہ مشتاقی تھے۔ مشتاقی 1495-6ء میں سلطان سکندر کے دور میں پیدا ہوئے۔ یہ بدایوں کے شطاری سلسلے کے بزرگان سے وابستہ رہے۔ کئی مقامات کے سفر کیے اور بزرگوں کی درگاہوں پر حاضری دی۔ فارسی اور ہندی میں اشعار رہے۔ فارسی میں ان کا تخلص مشتاقی جبکہ ہندی میں ''راجن'' تھا۔ رزق اللہ مشتاقی نے سلطان سکندر لودھی کے عہد (1489-1517) میں پرورش پائی۔ سکندر لودھی کی وفات کے وقت وہ تقریباً 22 سال کے جوان تھے۔ ابراہیم لودھی کا دور پورے ہوش وحواس میں دیکھا تھا۔ رزق اللہ مشتاقی نے اپنی کتاب کب تحریر کرنا شروع کی اس کا علم نہیں لیکن کتاب

1572ء میں مکمل ہوگئی۔انہوں نے پورے انصاف سے افغان بادشاہوں کے بارے میں لکھا۔حالانکہ وہ دور اکبر بادشاہ کا تھا جو افغانوں سے تعصب رکھتا تھا۔مگر شیخ رزق اللہ نے یہ کتاب غیر جانداری سے تحریر کی ہے۔(4)

ان کی کتاب میں سنین کے اندراج کی کمی ہے لیکن اس کمی کو دیگر کتب سے پورا کیا جاسکتا ہے۔ان کی تصنیف کی خاصیت یہ ہے کے وہ افغان ہندوستانی بادشاہوں کے دور کے نہ صرف سیاسی حالات بلکہ معاشرتی، معاشی اور ثقافتی حالات بھی بیان کرتے ہیں۔

رزق اللہ کی تصنیف اگرچہ لودھی خاندان کے خاتمے سے تقریباً 50 سال بعد تحریر کی گئی لیکن مصنف نے آخری دو بادشاہوں کے حالات خود مشاہدہ کیے ہیں۔اس کے علاوہ اپنے والد، پیر اور دیگر ایسے بزرگان سے بھی استفادہ کیا ہے جن سے ان بادشاہوں کی ملاقات ہوئی اور یہ وہ دور تھا جب بہلول لودھی کے دور کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا۔

"واقعات مشتاقی" کے دو نسخے برٹش لائبریری میں ہیں جبکہ ایک نامکمل نسخہ ٹیگور لائبریری لکھنو میں ہے۔ایک مکمل نسخہ 1850ء کا کتابت کردہ ہے جبکہ دوسرا مکمل نسخہ سترہویں صدی کا ہے۔ان اصل فارسی نسخوں کو پرو فیسر اقتدار حسین صدیقی اور ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی نے مرتب کر کے 2002ء میں رام پور رضا لائبریری سے شائع کیا ہے۔میرے زیر استعمال یہی طبع نسخہ رہا ہے۔

تواریخ دولت شیر شاہی

یہ حسن علی خان کی تصنیف ہے جو شیر شاہ سوری کا صدر الصدور تھا۔اس نے یہ کتاب 955ھ/1548ء میں مکمل کرلی۔یعنی شیر شاہ کی وفات کے صرف 3 سال کے بعد

یہ کتاب چونکہ پٹھانوں کی حمایت میں تھی لہذا زیر عتاب رہی اور اسے ضائع کر دیا گیا۔ البتہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ابوالفضل نے اپنے اکبرنامے اور آئین اکبری میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب 1850ء کے لگ بھگ موجود تھی۔ مگر اس کے بعد ضائع ہوگئی۔ اسکا صرف ایک مکمل باب اور ایک نامکمل باب کا متن اور مکمل باب کا انگریزی ترجمہ Medieval India Quaterly میں شائع ہوا۔ جس کے بعد اس کتاب پر ایک بحث شروع ہوگی۔ محققین کی تحقیق کے مطابق اس کتاب کے اجزاء کو "تواریخ دولت شیر شاہی" کا غلط نام دیا گیا۔ ڈاکٹر حسین خان نے اپنے مقالے میں لکھتے ہیں کہ اس کا نام تواریخ دولت شیر شاہی "غلط ہے۔ جبکہ اصل نام تاریخ افاغنہ ہے۔ مگر یہ رائے غلط ہے۔ حقیقت میں تواریخ دولت شیر شاہی اور تاریخ افاغنہ دو الگ الگ کتابیں ہیں۔ میں نے Medival India Quarterly کے شماروں سے اس کے فارسی متن اور انگریزی ترجمہ سے استفادہ کیا ہے۔ اور ان کو مرتب بھی کیا ہے جو جلد شائع ہوگا۔

افسانہ شاہان:

افسانہ شاہان کا دوسرا نام تاریخ افغانی ہے۔ یہ شیخ محمد کبیر بن شیخ اسمعیل حزینی کی تصنیف ہے جو بٹنی قبیلے کے پٹھان تھے۔ یہ کتاب 114 حکایات کا مجموعہ ہے جو صرف لودھی اور سوری افغانوں تک محدود ہے۔ مصنف کے دادا اور نانا شیخ حزینی اور شیخ خلیل حقانی مشہور بزرگ تھے۔ اس کے نانا شیخ خلیل حقانی شیر شاہ سوری کی فوج میں بھی ملازم رہے تھے۔ مصنف نے جو کچھ تحریر کیا وہ اپنے بزرگوں اور دیگر قابل اعتماد اشخاص سے سنا۔ یہ کتاب سراسر زبانی

روایات پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف کسی علمی مآخذ کا حوالہ بھی نہیں دیتا۔ اسی وجہ سے مصنف نے بہت سے مختلف واقعات کو سہواً یکجا کر کے بھی بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ مصنف کئی جگہ ناموں کی غلطی بھی کرتا ہے اور سنین اور مدت وعرصے میں بھی چوک جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس کی تصنیف میں سیاسی واقعات کے علاوہ معاشرتی اور ثقافتی حالات کی تفصیل بھی ملتی ہے جو اس کی کتاب کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ اس کتاب سے لودھیوں اور سوریوں کے تہذیبی حالات اور ان کے طرز حکمرانی سے بھی آگہی ہوتی ہے اور بہت سے عقدے کھلتے ہیں۔ یہ کتاب 1605ء کی تصنیف کہی جا سکتی ہے کیونکہ اس میں ضمناً جہانگیر بادشاہ کا تذکرہ آیا ہے۔ اس کے دو نسخے ہیں۔ ایک انڈیا آفس لائبریری کا جو 1136ھ 1724ء کا نقل کردہ ہے۔ دوسرا برٹش میوزیم لائبریری کا جو 1189ء 1775ء کا نقل کردہ ہے۔

2005ء میں ڈاکٹر حسین خان صاحب نے ہر دو نسخہ جات کا تقابلی مطالعہ کر کے اصل فارسی متن کو تحقیقی حواشی کے ساتھ مرتب کیا اور پشاور سے شائع کرایا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ اشاعت شدہ نسخہ مجھے بھی پیش کیا۔ جس سے میں نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ البتہ واقعات کی صحت کی جانچ پڑتال ضروری ہے۔

طبقات اکبری:

'طبقات اکبری' جسے تاریخ نظامی اور طبقات اکبر شاہی بھی کہتے ہیں نظام الدین احمد بخشی کی تصنیف ہے۔ جو 4-1593ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں مصنف نے لودھیوں اور سوریوں کے حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ فرشتہ، بدایونی، نعمت اللہ ہروی، عبداللہ وغیرہ سب نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ اس کے مختلف فارسی متن شائع ہوتے رہے ہیں جن سے 1982ء میں ڈاکٹر ایوب قادری نے اس کتاب کو اردو کا جامہ پہنایا

ہے۔ میرے زیر استعمال یہ اردو ترجمہ ہی رہا ہے۔

مصنف نے لودھی حکمرانوں کے حالات بہت تفصیل سے درج کیے ہیں۔ اس نے اپنے مآخذات میں تاریخ ابراہیم شاہی کا بھی حوالہ دیا ہے اور واقعات مشتاقی کا بھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ افغانوں کے دو ہم عصر مآخذات سے استفادہ کرتا رہا ہے۔ چونکہ تاریخ ابراہیم شاہی اب ناپید ہے لہٰذا طبقات اکبری کا لودھیوں کے بارے میں بیان اس کی تلخیص شمار کیا جا سکتا ہے۔

مخزن افغانی:

مخزن افغانی یا تاریخ خان جہانی دراصل خواجہ نعمت اللہ ہروی کی تصنیف ہے مگر اس کے بعض نسخوں میں ایک اور پٹھان ہیبت خان کاکڑ نے کچھ ابواب کا اضافہ کیا جبکہ اس کتاب کے قلمی نسخوں میں بعدازاں مزید ضمیموں کے اضافے کیے گئے۔ مصنف نعمت اللہ ہروی نے یہ کتاب 1021ھ/1612ء مکمل کر دی تھی۔ لیکن پھر اس میں 1024ھ/1615ء تک کے حالات کا اضافہ کر دیا۔ مختلف نسخے جو بعد میں نقل کیے گئے ان میں 1067ھ/1657ء تک کے حالات کا اضافہ ملتا ہے جو دراصل نعمت اللہ کے بعد کیا گیا ہے۔

نعمت اللہ ہروی خود بھی افغان تھا۔ نعمت اللہ ہروی کو لودھیوں سے بہت قربت رہی تھی۔ خان جہاں لودھی اور میاں دولت خان لودھی ے خاندان سے اس کا تعلق خاص تھا۔ بہت سے افغان اولیاء سے اس کی ذاتی ملاقات بھی رہی۔ نعمت اللہ ہروی 993ھ/1585ء میں ایک کے سپہ سالار عبدالرحیم خان خانان کے کتب خانے کا ناظم تھا۔ 1006ھ/8-1597ء میں وہ شہزادہ سلیم (جہانگیر) کی ملازمت میں آ گیا اور جہانگیر کے دور میں اس کا درباری وقائع نویس بن گیا۔ 1017ھ/1608ء میں وہ خان جہان لودھی کی ملازمت سے وابستہ ہو گیا۔ مصنف کو ہیبت خان کاکڑ سے بھی تعلق رہا جس سے

اسے بہت سی معلومات ملیں۔ اس نے یہ تصنیف 1020ھ میں شروع کی اور 1021ھ/1612ء میں مکمل کر لی۔(6)

اگرچہ مصنف مغلوں کے دربار سے وابستہ رہا اور اسی وجہ سے بعض جگہ مغلوں کی خوشامد پسندی بھی کر گیا۔ شیر شاہ سوری پر طنز و طعن بھی کر گیا مگر اس کے باوجود مصنف کی کتاب افغانوں کی تاریخ پر اتھارٹی ہے۔ مصنف نے لودھیوں کے تفصیلی حالات یقیناً خود ان لودھیوں سے سنے ہیں جن سے اس کا قریبی تعلق رہا ہے۔ البتہ تاریخ نظامی (طبقات اکبری) اور معدن اخبار احمدی اور تاریخ ابراہیم شاہی سے استفادے کا وہ اعتراف کرتا ہے۔

اس کتاب کی سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ اس میں افغانوں کے نسب ناموں اور قبائلی تقسیم پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے جس سے ہمیں لودھی قبیلے کے لوگوں کی عصبیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف لودھی امراء کے حالات بھی نظر سے گزرتے ہیں اور بنگال میں آخری افغان بادشاہ تک کے حالات بہت تفصیل سے درج ہیں۔ یوں لودھی قبیلے کی تاریخ پر نعمت اللہ کی معلومات ثانوی ہونے کے علاوہ بنیادی بھی بن جاتی ہے۔

1960ء میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے سید محمد امام الدین صاحب نے اس کے پانچ نسخوں (رام پور نسخہ، بانکی پور نسخہ، ایشیاٹک سوسائٹی نسخہ اول، و نسخہ دوم اور سر جادو ناتھ سرکار کا نسخہ) کا تقابلی مطالعہ کر کے تحقیقی حواشی و موازنے کے ساتھ اس کا اصل فارسی متن شائع کیا۔ میرے زیر نظر وہی فارسی متن رہا ہے۔

اس فارسی متن سے ڈاکٹر محمد بشیر حسین صاحب نے اردو ترجمہ کیا ہے۔ جو 1978ء میں اردو سائنس بورڈ نے شائع کیا۔ اس اردو ترجمے کے علاوہ ایلیٹ کا انگریزی ترجمہ اور ڈورن کا انگریزی ترجمہ بھی میرے زیر استعمال رہا ہے۔ اور اصل فارسی متن سے مقابلہ کر کے ڈاکٹر بشیر کے اردو ترجمے کو استعمال کیا گیا ہے۔

تاریخ داؤدی:

تاریخ داؤدی کا مصنف عبداللہ ہے۔اس کے نام کے علاوہ اور کچھ پتہ نہیں ہے۔ یہ کتاب بنگال کے آخری پٹھان بادشاہ داؤد شاہ (6-1572) سے منسوب ہے۔ مصنف نے زیادہ تر طبقات اکبری اور گلشن ابراہیمی (تاریخ فرشتہ) سے استفادہ کیا ہے۔اس میں کچھ افسانے اور کہانیاں بھی شامل ہے۔اس کا مصنف پٹھان قوم سے تھا کیونکہ وہ بعض پشتو الفاظ بجائے فارسی کے استعمال کر جاتا ہے۔ مثلاً سانپ کو "مارے" تحریر کرتا ہے جو پشتو لفظ ہے۔ یہ کتاب جہانگیر کے دور (1605 تا 1627) میں تحریر کی گئی ہے۔اس کا ایک نسخہ بانکی پور لائبریری میں ہے جبکہ دوسرا انڈیا آفس لائبریری لندن میں ہے۔ 1954ء میں شیخ عبدالرشید صاحب نے دونوں نسخوں کا موازنہ کر کے اس کا فارسی متن مرتب کیا اور شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جانب سے شائع کیا۔ میرے زیر استعمال یہی فارسی متن اور ایلیٹ کا انگریزی ترجمہ رہے ہیں۔

تاریخ سلاطین افاغنہ:

تاریخ شاہی یا تاریخ سلاطین افاغنہ ایک پٹھان احمد یادگار کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب بنگال کے پٹھان بادشاہ داؤد شاہ (1572 سے 1576ء) کے حکم سے تحریر کی گئی ہے۔اس کتاب میں بھی سنین کا تذکرہ بہت کم ہے۔اور بہت سے واقعات افسانوی ہیں۔ مصنف نے طبقات اکبری مصنف نظام الدین ہروی (تصنیف 1593ء) سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اگرچہ داؤد شاہ کی خواہش پر تحریر کی گئی مگر لکھی بہت بعد میں گئی ہے۔اس کا فارسی متن ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے شائع کیا ہے۔ سید نذیر نیازی صاحب نے اس کے کچھ نسخہ جات کا تقابلی مطالعہ کر کے اسے اردو میں ترجمہ کیا ہے جو

1939ء میں شائع ہوا اور پھر اسے لاہور سے اردو سائنس بورڈ نے دوبارہ شائع کیا ہے۔ میرے زیر نظر فارسی متن اور یہ اردو ترجمہ رہا ہے۔ ایلیٹ کے انگریزی ترجمے سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے۔

"خلاصۃ التواریخ"

'خلاصۃ التواریخ' سجان رائے بھنڈاری کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب 1696ء کی تصنیف ہے۔ اگرچہ یہ لودھیوں کے اقتدار کے پونے دوسو سال کے بعد تحریر کی گئی ہے لیکن اس میں مصنف نے شیر شاہ سوری کے ایک صدر الصدور حسین علی خان کی تصنیف تاریخ افاغنہ سے استفادہ کیا ہے۔ اس لیے میں نے اس کتاب کے لودھی خاندان کے حصے کو تاریخ افاغنہ کی تلخیص خیال کر کے اس سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ سجان رائے نے مغلوں کو پالیسی کے زیر اثر افغانوں سے جگہ جگہ تعصب کا مظاہرہ کیا ہے۔ اردو سائنس بورڈ نے 1966ء میں اس کا اردو ترجمہ ناظر حسن زیدی صاحب سے کرا کر شائع کیا۔ میں نے اس ترجمے سے استفادہ کیا ہے۔

تاریخ فرشتہ:

تاریخ فرشتہ کو گلشن ابراہیمی بھی کہتے ہیں۔

اس کا مصنف محمد قاسم ہندو شاہ ولد مولانا غلام علی ہندو شاہ تھا۔ وہ استر آباد میں 1552ء میں پیدا ہوا۔ گجرات میں پرورش پائی اور پھر ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ فرشتہ نے سلطان ابراہیم کے اصرار پر یہ کتاب تحریر کر کے اسے اس کے نام سے منسوب کیا۔ اس نے 1606ء میں یہ کتاب تحریر کرنا شروع کی اور 1611ء میں مکمل کی۔ لودھیوں کے حالات کے ضمن میں اس نے تاریخ مبارک شاہی اور طبقات اکبری سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس لیے اس کی تصنیف لودھیوں کے ضمن میں ثانوی اہمیت کی حامل

ہو جاتی ہے۔ وہ بعض جگہ افغانوں سے تعصب کا مظاہرہ بھی کرتا ہے۔

آئین اکبری

آئین اکبری مغل وزیر ابوالفضل کی تصنیف ہے۔ جو 1597ء میں مکمل ہوئی۔ مصنف ایک درباری شخص تھا اور اکثر مقامات پر بادشاہ اکبر کی بے جا خوشامد کرتا نظر آتا ہے۔ اس نے آئین میں ضمناً لودھی خاندان کا ذکر کیا ہے اور اکثر جگہ پر تعصب کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ افغانوں سے اس کی عداوت اس کتاب کے اکثر صفحات سے ٹپکتی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالبؔ نے کیا ہے جس سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ البتہ یہ کتاب لودھیوں کے حوالے سے کارآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔

منتخب التواریخ:

یہ کتاب ملا عبدالقدیر بدایونی کی گراں قدر تصنیف ہے۔ جو 947ھ/1540ء یا 949ھ/1542ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ مصنف کو شاعری، موسیقی، تاریخ اور علم الفلکیات میں عالم کا درجہ حاصل تھا۔ مصنف اکبر بادشاہ کے دربار سے بھی وابستہ رہا تھا۔ بدایونی نے 1024ھ/1615ء میں انتقال کیا۔ اس کی کتاب منتخب التواریخ عرف عامیں تاریخ بدایونی کر کے مشہور ہے۔ یہ کتاب 1004ھ میں مکمل ہوئی ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ 1898ء میں جارج اے رینکنگ نے کیا ہے جو تین جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ مصنف نے اکبر بادشاہ پر تنقید بھی کی ہے جس کی وجہ سے اس نے اس کتاب کی اشاعت جہانگیر کے دور میں کی جہانگیر نے اس تنقید کی وجہ سے اس کتاب کے نسخے جلوائے اور ملا بدایونی کی سرزنش کی مگر اس کے باوجود یہ کتاب عوام میں بہت مقبول ہوئی۔ 1898ء کی اشاعت 1976ء میں پاکستان میں ری پرنٹ ہوئی جس سے میں نے استفادہ کیا ہے۔

مراۃ الافاغنہ

یہ کتاب خان جہان لودھی کی اپنی تصنیف ہے اور تاریخ خان جہانی ومخزن کے بعد تحریر کی گئی ہے جو اسی شخص کے حکم سے نعمت اللہ ہروی نے تحریر کی تھی یہ کتاب افغانی اس حوالے سے اہم ہے کہ مصنف جہانگیری دور کا ایک اہم امیر تھا اور خود بھی ہمت سرگرم سیاستدان تھا وہ خود عالم و فاضل تھا اور اسکے اجداد لودھی اور سوری حکمرانوں کے بہت قریبی ساتھی رہے تھے اسی لئے اس کو بہت سی باتیں ایسی پتہ تھیں جو کسی اور کو پتہ نہ تھیں اور اس نے تفصیل سے تحریر کی ہیں بہت سی شخصیات کے نام بھی منظر عام پر آتے ہیں مصنف نے بہت سی نئی معلومات بھی درج کیں ہیں جو ہمیں مخزن سمیت کسی اور کتاب میں نہیں ملتیں۔ اگرچہ مصنف مغلوں کا ایک وفادار ملازم / امیر تھا مگر اس نے بلا خوف وخطر مغلوں پر بھی تنقید کی ہے۔ یہ کتاب مصنف نے جہانگیر کے دور میں تحریر کی ہے البتہ اس کے سنہ کا تعین نہیں کیا سکتا۔

تزک جہانگیری

یہ کتاب جہانگیر بادشاہ کی اپنی تحریر ہے جو اس نے اپنے ہوش میں تحریر کی ہے اسکے شروع میں چند صفحات اور آخر میں چند صفحات محمد شاہ بادشاہ کے ایک درباری مرزا محمد ہادی کے اضافہ ہیں اس کا انگریزی میں ترجمہ شائع ہو گیا ہے اور ایک اردو ترجمہ سید احمد علی رام پوری کا کیا ہوا جو ناقص ہے البتہ میں نے دونوں ترجموں سے استفادہ کیا ہے اور اردو ترجمہ کی تصحیح بھی کی ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی ایک نسخے کا فارسی عکس پٹنہ لائبریری سے بھی شائع ہوا ہے جو خود جہانگیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے

میں نے اس سے بھی استفادہ کیا ہے۔یہ کتاب خان جہان لودھی کے حالات پر سب سے زیادہ مستند کتاب ہے جہانگیر نے جگہ جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے اور اسکی سرگرمیوں کو بہت اچھی طرح بیان کیا ہے۔اسے ہر جگہ میرا فرزند کہہ کر مخاطب کیا ہے۔مخزن افغانی جو خان جہان لودھی کے حکم سے تحریر کی گئی ہے اسکی اکثر باتوں کی تزک جہانگیری سے تصدیق ہوتی ہے۔خان جہان لودھی کے حالات کا یہ بنیادی مآخذ ہے۔

تذکرۃ الواقعات

یہ کتاب جوہر آفتاب چی کی تحریر کردہ ہے۔جو ہمایوں بادشاہ کا درباری تھا۔ دلاور خان لودھی خان خاناں ابن دولت خان لودھی گورنر پنجاب کا اسمیں تذکرہ ہے۔ اس حوالے سے اسکے عہد کا یہ بنیادی مآخذ ہے۔اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ جس سے میں نے استفادہ کیا ہے۔

اقبال نامہ جہانگیری

یہ کتاب مرزا معتمد خان کی تصنیف ہے اور شاہ جہان کے ابتدائی دور میں تحریر کی گئی ہے مصنف جہانگیر اور شاہجہان کے ابتدائی دور کا چشم دید گواہ ہے اس لحاظ سے یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے جس سے میں نے استفادہ کیا ہے۔

مآثر الامراء

یہ کتاب شاہنواز کی تصنیف ہے اور اس کے بیٹے نے اسمیں اضافے بھی

کیے ہیں جن کی نشاندہی بھی کر دی ہے کتاب تقریباً 1740ء میں مکمل کی گئی اور تقریباً 1780ء میں اسکے اضافے مکمل ہوئے۔ مصنفین کے مغل عہد کے امراء سے اچھے تعلقات تھے عہد اکبری سے لیکر عہد شاہ عالم ثانی تک کے امراء کا تذکرہ ہے اسمیں لودھی امراء اور شخصیات کا بھی ذکر ہے خصوصاً خان جہان لودھی کا تذکرہ قابل مطالعہ ہے۔ اسکی موت کے بعد اسکے کسی خاندانی شخص یا دوست کی تصنیف ہمیں نہیں ملتی مغل کتب میں اسکے خلاف ہرزہ سرائی کی گئی ہے جس پر مآثر الامراء میں بھی تنقید کی گئی ہے اور اس اسکے اصل کردار کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف نے کسی قسم کے تعصب کا مظاہرہ نہ کیا ہے متاخر لودھیوں کے حالات پر یہ ایک اہم مآخذ ہے۔

عمل صالح (شاہجہان نامہ)

عمل صالح محمد صالح کنبوہ لاہوری کی تحریر کردہ ہے جو دربار شاہجہان سے وابستہ تھا۔ یہ کتاب 1070ھ یعنی 1660ء میں تحریر کی گئی اس کتاب میں خان جہان لودھی کی بغاوت کا تفصیلی تذکرہ ہے مصنف نے الفاظ کے استعمال میں تعصب کا مظاہرہ کیا ہے مگر اسکے باوجود وہ خان جہان لودھی کی بغاوت کو محض ایک غلط فہمی قرار دیتا ہے۔ خان جہان لودھی کی بغاوت کے حالات میں یہ بنیادی مآخذ ہے اس کا فارسی متن اور اردو ترجمہ دونوں شائع ہوئے ہیں اور میں نے دونوں سے استفادہ کیا ہے کتاب کے آخر میں موجود شاہجہانی امراء کی فہرست بہت کارآمد ہے۔

تاریخ شیر شاہی

یہ کتاب اکبر کے حکم سے عباس خان سروانی نے 1572ھ میں تحریر کی تھی

اسمیں شیر شاہ سوری کے حالات بہت تفصیل سے درج ہیں عباس خان شروانی نے خان خانان یوسف خیل کے جو حالات درج کیے ہیں وہ عہد ہمایونی وشیر شاہی میں بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتے ہیں اس کتاب کا فارسی متن اور مظہر علی خان لاء کا کیا ہوا اردو ترجمہ شائع ہو چکے ہیں اور میں نے دونوں سے استفادہ کیا ہے۔

شوکت افغانی المعروف حیات لودھی:

یہ کتاب عبدالحکیم خان لودھی کی تصنیف ہے مصنف نے کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلے حصے میں پٹھانوں کے نسب پر بحث کی گئی ہے دوسرے میں افغانی قبائل کے نسب اور قبائل کی تاریخ اور شجروں کی تفصیل دی گئی ہے تیسرے حصے میں لودھی اور سوری شاہان کے حالات درج ہیں اور مصنف اپنے خاندان کے حالات بھی درج کیے ہیں کتاب اردو میں ہے اور 1910 میں لکھی گئی ہے۔

اے ہسٹری آف دی لودھی سلطانز آف دہلی:

ڈاکٹر عبدالحلیم کی یہ کتاب لودھی تاریخ پر پہلا تحقیق کام ہے اور قابل ستائش ہے اسمیں سلطان بہلول لودھی سے سلطان محمود لودھی تک کے حالات تفصیل سے درج ہیں اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ لودھی نظام حکومت اور اداروں کے حوالے سے اور بادشاہوں کے کردار کے حوالے سے اس پر بہت محنت سے کام کیا گیا ہے جس سے میں نے بھی استفادہ کیا ہے یہ کتاب انگریزی میں ہے۔اور 1974 میں شائع ہوئی.

اے ہسٹری آف دی افغانز رول ان انڈیا:

یہ کتاب ڈاکٹر محمد عبدالرحیم کا تحقیقی کام ہے اور قابل تعریف ہے اسمیں اسلام

شاہ کے دور سے لیکر شاہجہان کے دور تک ہندوستانی سیاست میں افغانوں کے کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور لودھیوں کے حالات پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے یہ کتاب بھی انگریزی میں ہے۔ 1980 میں لکھی گئی ہے۔

افغان نوبیلیٹی اینڈ دی مغلز:

ڈاکٹر ریتا جوشی کا یہ Ph.D مقالہ بہت محنت سے تیار کیا گیا ہے اور انہوں نے بنیادی مآخذ استعمال کئے ہیں انکے تجزیے قابل تعریف ہیں کتاب کی پلاننگ اور Presentation بہت اچھی ہے اور بابر سے لیکر اورنگ زیب کے دور تک تمام درباری اور غیر درباری افغانوں کے مغلوں سے تعلقات پر بڑی تفصیل سے بحث کی گئی ہے شروع کے ایک باب میں سلاطین کے دور میں بھی افغانوں کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے افغانوں کے ضمن میں لودھی پٹھانوں کے حالات بھی آئے ہیں مقالہ انگریزی میں ہے۔ 1985ء میں شائع ہوا۔

افغان ڈسپوٹ ازم ان انڈیا:

یہ کتاب اقتدار حسین صدیقی کی تحقیقی کاوش ہے اسمیں لودھی اور سوری افغانوں کے دور میں انکی حکومت اور بادشاہ اور امراء کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بادشاہت کے افغان نظریے پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ لودھی حکمرانوں کے نظریہ بادشاہت پر یہ اچھی کتاب ہے کتاب انگریزی میں ہے۔ 1986ء کی تصنیف ہے۔

لودھی پشتانہ:

یہ کتاب عبدالشکور رشاد کی تحقیقی کاوش ہے اور پشتو زبان میں ہے اسمیں مصنف نے اصل مآخذ کا استعمال کیا ہے اور بہت محنت کی ہے البتہ اس کی ایک خامی یہ ہے کہ اسمیں بہلول لودھی سے پہلے کے بعض ترک امراء کو بھی لودھی پٹھان بیان کیا گیا ہے جو سراسر غلط ہے ان میں سارنگ خان ملو خان اقبال خان وغیرہ وغیرہ ہیں مصنف نے کوشش کی ہے کہ جس کسی امیر کا نسب نہیں ملا اسے لودھی ثابت کر دیا جائے حالانکہ بہلول لودھی سے قبل ایک دولت خان لودھی ہی لودھی پٹھان تھا جو نامور ہوا ہے اسکے ہم عصر سارنگ خان اقبال خان خضر خان وغیرہ ترک تھے اور لودھی پٹھان ہرگز نہیں تھے۔

maablib.org

حواشی

(1) تاریخ ابراہیم شاہی مولانا محمود خلف ابراہیم کتوانی کی تصنیف ہے۔ جو ابراہیم لودھی کے دور (26-1517) میں تحریر کی گئی۔ اب اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہے۔

(2) ابراہیم لودھی کے ہم عصر غیر افغان ماخذوں میں سب سے اہم بابرنامہ، تاریخ رشیدی اور واقعات بابری شامل ہیں۔

(3) واقعات مشتاقی ص 10

(4) تفصیل کے لیے دیکھیے واقعات مشتاقی پر ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی کا بنایا ہوا تعارف (Intraduction) بزبان انگریزی۔

(5) شیر شاہ سوری از ڈاکٹر حسین خان ص xxvi - xxvii

(6) دیکھیے مخزن افغانی، پیش گفتار از مترجم ڈاکٹر بشیر حسین ص 11، 12، و 14

maablib.org

باب نمبر 2

پس منظر

سلطان بہلول لودھی نے سلطنت دہلی کی کمزور ساکھ کو سنبھالا اور امیر تیمور کے حملے کے بعد جو خراب حالات پیدا ہوئے کہ جن کی وجہ سے بنگال، مالوہ، گجرات وغیرہ کے حاکم نہ صرف خود مختار بن گئے بلکہ دہلی پر چڑھائی بھی کرنے لگے، ان کو سلطان بہلول نے سنبھالا۔ بہلول لودھی نے سلطنت دہلی کے دوبارہ قیام پر زور دیا اور اسے کافی وسعت دی۔ وہ ایک قبائلی فوج کا سربراہ تھا۔ اس نے صلح اور جنگ دونوں ذرائع سے اپنی سلطنت وسیع کی اور اس کی قبائلی فوج اس کام میں اس کے لیے بہت مددگار ثابت ہوئی۔ سلطان بہلول نے ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جس پر نہ صرف اس کا بیٹا اور پوتا حاکم رہے بلکہ آئندہ سو سال تک سوری افغان اور مغل حکمران بھی اس پر حاکم رہے۔ اکبر بادشاہ کے ابتدائی دور تک سلطنت دہلی کا نقشہ تقریباً ایسا ہی قائم رہا جیسا کہ سلطان بہلول نے چھوڑا تھا۔ اس لیے سے سلطان بہلول کے حالات کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

افغانوں کا آبائی وطن:

افغانوں کے اکثر قبائل کا تعلق بنی اسرائیل کی باقیات سے ہے۔ البتہ اس کتاب میں ہم اس موضوع پر بالکل بحث نہ کریں گے اور لودھیوں کے پس منظر کا آغاز وہاں سے کریں گے جہاں سے کہ تمام مورخین افغانوں کے آغاز پر متفق ہیں۔ افسانہ شاہان میں ان کے آغاز کے بارے میں یوں درج ہے:

''شروع میں افغان گھوڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے اور ولایت سے گھوڑے لاتے تھے اور بجواڑہ میں ان کی پرورش کر کے ان کو موٹا تگڑا کرتے تھے۔ کیونکہ بجواڑہ میں ہر چیز سستی تھی خواہ وہ غلہ اور ریشمی کپڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اور پھر ہندوستان میں پھیل جاتے اور ان کو فروخت کرتے تھے۔ اور ان کا وطن روہ تھا۔ اس جگہ افغانوں کا روزگار یہی تھا اور وہ اپنی زمین بھائیوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ وہ اس زمین پر کاشت کر کے (رزق) کھایا کرتے تھے اور کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر زیادتی نہیں کرتا تھا۔ اور نہ ہی وہ کسی اور کی رعایا تھا اور نہ ہی کسی کی بادشاہی میں تھے۔ ابھی تک ان کی روش یہی ہے ...... اس طرح سے وقت گزارتے تھے اور ان کے قبیلے پر ایک شخص بڑا ہوتا تھا کہ اسکی بات کے مطابق کام کرتے اور تجارت کیا کرتے تھے۔ اور ان پر کوئی شخص مالک نہ تھا اور نہ کسی کی حکومت تھی۔ وہ اپنے وطن میں اسی طرح سے رہتے تھے۔ چنانچہ گھوڑوں کو ہند میں لا کر فروخت کر کے واپس اپنے وطن چلے جاتے تھے اور بہت پرانے وقتوں میں روہ میں دریائے گمل (گومل) کے کنارے افغاناں کے بیٹے تینوں بھائی بتنی، سربنی اور غرغشتی سکونت پذیر تھے۔''(1)

اخوند درویزہ نے روہ میں افغانوں کی حالت کے بارے میں یوں درج کیا ہے:

''ان افغان لوگوں میں شروع سے رسم و دستور رہا ہے کہ وہ جہالت کے زیر اثر اور صلابت دل سے ایک دوسرے کے درمیان کسی کی بادشاہی کو اپنے اوپر جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان میں اتنا تکبر اور خود بینی تھی کہ وہ اپنے رشتہ داروں میں سے کسی ایک کے روبرو خود کو کس طرح سے عاجز و کم تر کر لیں کہ خود کو تو نوکر جبکہ اس دوسرے کو بادشاہ کہتے؟ بلکہ وہ سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ ان کے درمیان یہ (بات) بھی ہے کہ افغانوں کو ملک کہتے ہیں جو ہمارے وطن میں عرف ہے۔ اس

لیے کہ وہ ان کو ملک (سردار) بنا لیتے ہیں اور بادشاہ کم ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کا ہر چھوٹا بڑا خود کو ملک کہتا ہے۔ چونکہ وہ تمام ملک نا اتفاقی کا شکار ہوتے ہیں لہٰذا پوری قوم کوئی کام نہیں کر سکتی۔ پس ان میں ہر کوئی اپنے نزدیک ملک ہے۔ چنانچہ افغانوں کی یہ قوم کوہ سلیمان میں سکونت پذیر تھی۔" (2)

افغانوں کا آبائی وطن جس کی کتب تواریخ میں وضاحت ہے اور آج بھی وہ وہاں پر آباد ہیں روہ کہلاتا تھا۔ یہ علاقہ آج کے پاکستانی صوبہ سرحد، پاکستانی صوبہ بلوچستان کا شمالی حصہ اور افغانستان کے تمام شرقی علاقوں کے علاوہ وسطی و شمالی افغانستان کے بھی اکثر حصوں پر مشتمل تھا۔ یعنی دریائے اٹک سے لے کر بدخشان اور پھر وہاں سے غزنی، غور، قندھار اور زرنج کا تمام علاقہ اور پھر وہاں سے جنوب کی جانب نوشکی، سبی، لورالائی، تخت سلیمان، ڈیری غازیخان اور دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ اوپر واپس مقام اٹک تک۔ یہ تمام علاقہ روہ کہلاتا تھا۔ آج بھی پٹھانوں کا وطن یہی ہے۔ ماضی میں تمام افغان ان ہی علاقوں سے اٹھ کر ہندوستان جاتے رہے ہیں۔

افغانوں کے تین بڑے قبائلی گروہ ہیں۔ سربنی، غورغشتی اور بتنی۔ ان کی تقسیم کی وضاحت تاریخ افاغنہ میں حسین علی خان نے کی تھی۔ مخزن افغانی میں ان کی قبائلی تقسیم بڑی تفصیل سے درج ہے۔ لیکن ہم قدیم ماخذ تاریخ افاغنہ سے ان کی تقسیم بیان کرتے ہیں جو سبحان رائے بھنڈاری نے اور پھر آئین اکبری میں ابوالفضل نے نقل کی ہے:

"اس صوبے میں ہزارہ اور افغان قوم کی آبادی زیادہ ہے۔ ہزارہ اپنے تئیں مغل یعنی چغتائی خاں ابن چنگیز خاں کی نسل سے بتاتے ہیں۔ پرگنہ میدان (منڈان) سے بلخ کی سرحد تک سنگلاخ گھاٹیوں اور پرپیچ پہاڑوں میں ان کی سکونت ہے۔ اکثر مقامات کے باشندے اور قبیلے آزاد ہیں۔ کسی کو حاکم نہیں مانتے۔ بنی اسرائیل یعنی حضرت یوسف کے بھائیوں کی نسل سے ہونے کا ادعا کرتے ہیں۔

مورث اعلیٰ کا نام افغان تھا۔ اس کے تین بیٹے ہوئے، سربن، غرغشت اور بٹن۔ ان تینوں کی نسل پھیلی۔ ہر قبیلہ اپنے بزرگ کے نام سے موسوم ہوا۔ چنانچہ بریچ، میانہ، خرشین، شیرانی اور مڑ، کاسی، جمند، خویشگی، کنانی، خلیل، مہمند، صافی، محمد زئی، یوسف زئی، داؤد زئی، کلپانی، ترکلانی کا سلسلہ سربن سے ملتا ہے۔ قبائل سورانی جیلم، اورک زئی، آفریدی، جکتانی خٹک، عبدالرحمانی، کزرانی، کاکر، عریانی، مسوانی، پنی اور تارن کا نسب غرغشت تک پہنچتا ہے۔ شیرزاد، خضر خیل، لزی، لودھی، نیازی، لوحانی، سوری، سروانی اور ککھوری قبیلوں کا شجرہ بٹن پر ختم ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ اور قبائل بھی ہیں۔ غرض دریائے سندھ سے کابل تک کہ سو کوس کا فاصلہ ہے، اور قندھار و ملتان سے کافرستان و کاشغر کی حدود تک کا علاقہ کہ تین سو کوس سے کچھ زیادہ ہے، ان قبیلوں کا مسکن ہے۔ پر پیچ اوگھٹ پہاڑوں کے زور پر امرائے شاہی سے نہیں دبتے بلکہ شاہراہ انہی کے علاقوں سے جو گزری ہے اس لیے صوبے دار سے کچھ سالانہ رقم بطور انعام لے مرتے ہیں۔ مسافروں سے بھی گھوڑے، اونٹ، بیل فی راس کے حساب سے راہداری وصول کرتے ہیں اور کبھی کبھی راہ گیروں بلکہ کارواتوں کو لوٹ لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مسافروں کو زبردستی اغوا کر کے غلام بنا لیتے ہیں اور فروخت کر دیتے ہیں۔ آدمیوں کے اغوا کی وارداتیں دوسرے علاقوں میں شاذ و نادر ہوتی ہیں لیکن پٹھانوں کا مشغلہ ہی یہی ہے۔" (3)

لودھی کا نسب:

افغان تاریخی روایات کے مطابق لودھی قبیلہ خالصتاً پٹھان ہے اور پٹھانوں کے طبقہ بیٹنی سے تعلق رکھتا ہے۔اس حوالے سے قدیم ترین روایت افسانہ شاہان کی ہے:

"افغان اپنے وطن میں اسی طرح سے رہتے تھے چنانچہ گھوڑے ہند میں لاتے تھے۔انکو فروخت کر کے وطن واپس چلے جاتے تھے اور پہلے ابتدائی زمانے میں روہ میں (دریائے) گمل کے کنارے تین بھائی بتنی اور سربنی اور غرشتی سکونت پذیر تھے۔ان میں سب سے بڑا بتنی تھا اور اپنے بھائیوں پر حاکم بھی تھا اور دریائے گمل کے کنارے ایک بازار ہے جس کی آمدنی ایک لاکھ روپے تھی یا پھر اس بازار میں اس سے بھی زیادہ تھی اور ابھی بھی ہے۔اور بتنی کے چند بیٹے اور ایک لڑکی بی بی متو نام کی تھی اور بیٹی کی اولاد بہت ہو گئی اور انکو متی کہتے ہیں جیسا کہ انکی تفصیل بیان کی جائے گی اور اس دور میں بتنی کے بیٹے پر ولایت سے ایک بڑے لشکر نے حملہ کر دیا اور بتنی کا لڑکا اپنے لشکر کے ساتھ جو کہ تمیان تھے وہ بھی اس لشکر سے جنگ کے لیے روانہ ہوا

بہت بڑی جنگ ہوئی اور اللہ کی مرضی سے بتنی کا وہ لڑکا اس جنگ
میں مارا گیا اور بتنی کا لڑکا نوحانیوں کا بھانجا تھا اور نوحانیوں کے
گھر میں شادی ہوئی تھی اور اس کا ایک چھوٹا بچہ ابھی ماں کی گود
میں ہی تھا۔'' (4)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ متی گروہ پٹھانوں کے بٹنی گروہ کے ایک شاخ ہے اسکے آگے درج ہے کہ۔

''افغانوں میں سب سے پہلے جس شخص نے شہرت حاصل کی وہ
لودھی تھا اگرچہ تین بھائی تھے بڑا بھائی غازی (غلوی) تھا اسکے
بعد لودھی اور اسکے بعد سروانی پھر نیازی وشہو خیل اور سور ارو
نوحانی اور پنی اور سیرک یہ سب لودھی کی اولاد ہیں۔'' (5)

اس طرح سے پتہ چلتا ہے کہ لودھی قبیلہ متی سے ہیں اور متی یا متو شیخ بیتنی کی بیٹی تھی تاریخ فرشتہ میں ہے کہ۔

''خالد (عربی النسل) نے اپنی بیٹی کی شادی ایک شریف افغانی
کے ساتھ کردی جو کہ مذہب اسلام اختیار کر چکا تھا اس لڑکی کے
بطن سے بہت سے لڑکے پیدا ہوئے جن میں دو لودھی اور سور
بہت مشہور اور ممتاز تھے افغانیوں کے گروہ میں دو مشہور فرقے
لودھی اور سوری انہیں کی اولاد سے ہیں۔'' (6)

ان باتوں سے علم ہوتا ہے کہ لودھی افغانوں کے ابتدائی قبیلوں میں سے ایک ہیں اور وہ لوگ خالصتاً افغان ہیں پہلی روایت کے مطابق ایک افغان سردار بتنی کی بیٹی کی اولاد

ہیں مگر انکے والد کا پتہ نہیں ہے یعنی اسکے بارے میں کوئی معلومات نہیں لکھی گئی دوسری روایت کے مطابق انکی ماں عربی النسل تھی مگر باپ افغانی تھا مخزن افغانی اور اس کے بعد تحریر کی جانے والی تمام کتب میں بی بی متو کے شوہر کے بھی حالات درج ہیں ذیل میں ہم وہاں سے تفصیل سے نقل کرتے ہیں۔

''بی بی متو کی اولادیں متی قوم کے نام سے مشہور ہیں۔واضح رہے کہ بی بی متو کے بارے میں جس کی قوم متی کے نام سے مشہور ہے مورخین میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تاریخ خانجہانی یا مخزن افغانی کے اس کمترین مصنف نے اس کے متعلق فن تاریخ مستند و معتبر کتابوں سے اپنی طرف سے پوری پوری تحقیق و جستجو کر کے متی قوم کا سلسلہ نسب اس طرح معین کیا ہے امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔مجمع الانساب کے مصنف نے متی قوم کا شجرہ نسب یوں بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک بن مروان کی خلافت کے زمانے میں اس کے سپہ سالار حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک بہت بڑا لشکر خراسان اور غورستان کو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔جب حجاج کی فوجیں غور کے علاقے میں داخل ہوئی تو سارے ملک میں بڑی افراتفری اور بدنظمی پھیل گئی۔ان حالات سے تنگ آکر وہاں کے سرفاء کی اولادوں میں سے ایک جوان جس کا نام شاہ حسین تھا اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوا اور سفر کی مصیبتیں جھیلتا ہوا

اتفاق سے شیخ بیت کے قبیلے اور علاقے میں آنکلا جو غور کے قریب ہی واقع تھا صاحب مجمع الانساب اس کا شجرہ نسب یوں لکھتا ہے۔شاہ حسین ولد شاہ معزالدین محمود بن جمال الدین حسن بن سلطان بہرام جو غورستان کا حاکم تھا وہ امیر المومنین اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ان دنوں کوفہ دارالخلافہ تھا حضرت امیر نے اپنے دستخط خاص سے ایک فرمان تحریر فرما کر اسے عطا کیا جس کی رو سے غورستان کی حکومت اس کے سپرد کی گئی تھی۔سلطان بہرام کے دو بیٹے تھے بڑی کا نام جلال الدین تھا اور سلطان معزالدین محمد بن سام غوری کے تین پشتیں اوپر کے دادا محمد سوری کا سلسلہ نسب اسی جلال الدین تک پہنچتا ہے سلطان معزالدین محمد جو عموماً سلطان شہاب الدین غوری کے نام سے مشہور ہے اس نے ہندوستان میں اسلم کی تبلیغ و ترویج کے لیے قابل قدر خدمات انجام دیں سیالکوٹ کا قلعہ اسی نے تعمیر کیا تھا اور راجہ پتھورا کے کو ایک جنگ میں اسی نے قتل کیا تھا سلطان بہرام کے چھوٹے بیٹے کا نام جمال الدین حسن تھا جو اس شاہ حسین مذکور کا دادا تھا حکومت و سلطنت کے تمام بڑے بیٹے یعنی جلال الدین کی اولادوں کے ہاتھ میں رہے غوری سلاطین کا شجرہ نسب عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ

السلام کے بھتیجے ضحاک تک پہنچتا ہے جو عرب کا باشندہ تھا یہ وہی
ضحاک ہے جو جمشید کے بعد ملک فارس کے تخت سلطنت پر بیٹھا
تھا۔ تاریخ خراسان میں غوری بادشاہوں کے سلسلہ نسب کو اس
طرح ضحاک تک پہنچایا گیا ہے سلطان بہرام بن بہام بن
سلطان جلال الدین بن سلطان معزالدین بن سلطان بہرام بن
فریدون بن سلطان بہمن بن سلطان طغرل بن سلطان بزرگ
بن جمشید تگین حسن بن بہمن افراسیاب بن بہاسپ بن فریدون
بن جمشید اسفندیار بن ظفر تگین بن داراب بن منہال بن تور بن
سکندر بن گرشاسپ بن حسرو بن مندر بن کاؤس بن زہراب بن
کامیاب بن کودر بن فراماں بن سلامان بن جمشید بن ہرمز بن
قباد بن بہرام بن تناسب بن تورخ بن فریبرز بن ارزدشت بن
ارسلان بن ضحاک (عربی) بن ماران بن رس بن ارم بن سام
بن نوح علیہ السلام۔ اس سب کا ماحصل یہ کہ شاہ حسین مذکور کا
دادا سلطان بہرام کا نسب انچاس واسطوں سے ضحاک عربی تک
پہنچتا ہے البتہ ایک دوسرے قول کے مطابق پچاس واسطوں سے
وہ اس طرح کہ جب فریدون نے ضحاک پر غلبہ حاصل کر لیا اور
اسے کوہ دماوند کے ایک کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا تو اس نے ضحاک
کی تمام اولادوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا ضحاک کی اولادوں
نے جب دیکھا کہ ہم فریدوں کے ہاتھ سے کسی طرح بھی بچ نہی

سکتے تو اصطخر سے جو فارس کا دارالحکومت اور ایرانی بادشاہوں صدر مقام تھا بھاگ کھڑے ہوئے اور غورستان کے پہاڑوں میں آکر پناہ گزین ہو گئے یہ پہاڑ بہت اونچے اور بڑے بڑے ہیں اور ان کے لیے یہ محفوظ ترین جگہ تھی۔ یہاں آکر انھوں نے مستقل رہائش اختیار کر لی اور اسی علاقے کو اپنا وطن بنالیا ان سے پہلے غور کے علاقے میں کوئی قوم یا قبیلہ آباد نہ تھا البتہ اس کے گرد و نواح میں بنی اسرائیل اور افغانوں کے بعض قبیلے آباد تھے۔ فریدون نے اپنے بیٹوں سلم اور تور کو ایک بہت بھاری لشکر دے ان کے تعاقب میں بھیجا لیکن وہ ان کچھ نہ بگاڑ سکے اور ناکام واپس لوٹے۔ ان کے لوٹ جانے کے بعد ضحاک کی اولادیں بڑے اطمینان سے غور کے پہاڑوں میں رہنے لگیں۔ ظہور اسلام کے بعد جب حجاج بن یوسف کی فوجوں نے غور پر چڑھائی کر کے سارے علاقے کا محاصرہ کیا اور بڑی خوں ریز جنگوں کے بعد فریقین میں صلح ہو گئی جس کے مطابق غوریوں نے جلال الدین حسن کے بیٹے کمال الدین محمود کو ولید کے دارالخلافہ بھیج دیا تو غور کے اکثر بڑے بڑے سردار اپنے اہل وعیال سمیت وہاں سے ہجرت کر کے ادھر ادھر جا بسے۔ چنانچہ شاہ حسین مذکور کا باپ شاہ معزالدین بھی اپنے سارے خویش و اقربا کے بکھر جانے کی وجہ سے بہت پریشان ہوا اور اسی پریشانی

کے عالم میں بیت الحرام کی طرف نکل گیا باپ سے بچھڑ کر جب شاہ حسین بھی وہاں اکیلا رہ گیا شیخ بتنی قبیلے کے سردار شیخ بیت کے محلے میں چلا گیا اور وہاں جا کر شیخ کے ملازمین اور عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا شیخ بیت بے حد نیک اور صالح آدمی تھا صبح شام خدا تعالیٰ کی عبادت میں لگا رہتا دن کو روزہ رکھتا اور رات کو مصلیٰ پر کھڑا ہو جاتا اور ساری ساری رات عبادت الٰہی میں گذار دیتا اس طرح وہ ایک بزرگ اور ولی اللہ کی حیثیت سے مشہور تھے۔ شیخ بیت نے جب شاہ حسین کی پیشانی پر عالی نسبی اور پاک فطرتی کے آثار دیکھے تو اسے اپنے گھر مہمان ٹھہرا لیا بلکہ جلد ہی اسے اپنا محرم راز بھی بنا لیا۔ شیخ بیت اسے بالکل اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتا تھا اور اس نے اپنے اکثر کام شاہ حسین ہی کے سپرد کر دیئے اس کے بعد گھر بار کے سارے کام شاہ حسین کی نگرانی میں اسی کے صوابدید پر انجام پانے لگے اور خود شیخ بیت ان دنیاوی معاملات کی طرف کم ہی توجہ دیتے تھے۔ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو خدا کی عبادت میں کھڑے رہتے تھے چونکہ پہاڑی علاقے کے ان باشندوں میں پردے کا رواج نہ تھا اور یوں بھی شیخ بیت نے شاہ حسین کو اپنی اولاد میں شامل کر رکھا تھا۔ اور ان کے صاحب زادگان اشپون اور کجین اسے اپنا بھائی ہی تصور کرتے تھے اور یہ ایک دوسرے

کے ساتھ بے حد خلوص و محبت سے پیش آتے تھے شاہ حسین کو سارے گھر والوں نے اپنا محرم بنالیا اب وہ بلا روک ٹوک وقت بے وقت گھر کے اندر بھی آنے جانے لگا۔ چونکہ پردہ غیب سے ایک خاص واقعہ پیش آنے والا تھا اور خدا تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا شاہ حسین کو جوانی کے نشہ اور ناپختہ کاری کی وجہ سے شیخ بیت کی لڑکی متو سے محبت پیدا ہوگئی۔ ہوتے ہوتے بات یہاں تک پہنچی کہ انھوں نے ماں باپ کی مرضی اور اجازت کے بغیر تنہائی میں ملنا جلنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں بی بی متو کو حمل ہو گیا۔ اس نے اس بوت کو چھپانے کی بہتیری کوشش کی لیکن جب اس کے جسم اور شہرے سے حمل کے آثار نمودار ہونے لگے تو بی بی متو کی والدہ پر یہ راز کھل گیا اس نے اپنی بیٹی کو مارا پیٹا اور بہت لعن طعن کی لیکن پانی سر سے اونچا نکل چکا تھا سوائے اس کے کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ اس کا نکاح کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے بی بی متو کے باپ شیخ بیت کو صورت حال سے آگاہ کر دیا اور ساتھ ہی مشورہ بھی دیا کہ پیشتر اس کے کہ یہ راز فاش ہو جائے اور خویش و اقربا پر یہ بھید ظاہر ہو جائے مناسب یہ ہے کہ ہم اپنی لڑکی کا نکاح اس جوان شاہ حسین سے کر دیں اس پر شیخ نے جواب دیا کہ یہ نوجوان تو ہماری قوم اور قبیلے کا نہیں نیز اس کے حسب و نسب کے بارے میں بھی ہمیں کچھ معلوم نہیں میں اپنی لڑکی کا بیاہ اس

سے کیسے کر دوں۔ اس کی اہلیہ نے کہا کہ ظاہری طور طریقوں اور چہرے مہرے سے تو خاندانی لگتا ہے اور سردست ہم مجبور بھی ہیں کہ کسی جوان سے اس لڑکی کا جلد از جلد نکاح کر دیں لیکن شیخ اس کے باوجود رضامند نہ ہوا۔ متو کی والدہ نے شاہ حسین سے اس کا حسب نسب دریافت کیا شاہ حسین نے کہا کہ اس کے آباء واجداد غور کی ولایت کے شرفا اور بڑے اونچے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ بلکہ ان میں سے بعض تو وہاں کے حاکم بھی رہے ہیں۔ اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو کسی قابل اعتماد آدمی کو وہاں بھیج کر تصدیق کرا لیں وہ آدمی وہاں جائے اور میرے بارے میں جس طرح چاہے تحقیق کر لے شیخ بیت اور اس کی اہلیہ اس تجویز کو پسند کرتے ہوئے کاغ دور نامی اپنے ایک میراثی کو جو ان کا محرم راز بھی تھا شاہ حسین کے حالات دریافت کرنے کے لیے غور بھیجا۔ شاہ حسین نے بھی ایک خفیہ خط غور میں اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے نام بھیج دیا بعض کا قول ہے کہ شاہ حسین کا یہ خط کاغ دور ہی کے ہاتھ بھیج گیا تھا بہر صورت میراثی غور کو روانہ ہو گیا اور اس نے وہاں پہنچ کر شاہ حسین کے حسب ونسب چال چلن سوجھ بوجھ اور پچھلے حالات وغیرہ پوچھ کر ہر طرح سے تحقیق کی اور جب پوری طرح سے اطمینان ہو گیا تو وہاں سے واپس روانہ ہوا۔ شاہ حسین جو بڑی بے صبری سے اسکا منتظر رہتا

تھا ہر روز اپنے دوست احباب کے ساتھ اسی سمت کو شکار کے لیے نکل جاتا جس طرف سے کاغ دور کو آنا تھا۔ چند روز کے بعد اچانک ایک دن کاغ دور آن پہنچا اور شاہ حسین سے بڑے ادب واحترام سے ملا شاہ حسین نے پوچھا کہ کیا خبریں لائے ہو تو اس نے کہا کہ تمھارے حسب نسب کے متعلق میں نے پوری طرح تحقیق کی ہے۔ وہ تو ماشاء اللہ آپ کی پیشانی ہی سے ظاہر ہے کہ اشراف کی اولاد بلکہ شہزادے لگتے ہو البتہ غور کے سرداروں کا خط بھی ساتھ لایا ہوں جو انھوں نے آپ کے خط کے جواب میں لکھا ہے لیکن وہ خط میں اس شرط پر آپ کو دوں گا کہ پہلے آپ میری ایک عرض قبول کر لیں۔ شاہ حسین نے پکا وعدہ کر لیا کہ تمھاری جو بھی حاجب ہو گی میں اسے پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا اور ذرہ برابر کوتاہی نہ کروں گا۔ کاغ نے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے جس کا نام مہی ہے میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں آپ اُسے اپنے نکاح میں قبول فرمائیں۔ شاہ حسین یہ خوش خبری سن کر اچھل پڑا کہنے لگا اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں اور ساتھ ہی اس نے یہ مصرع پڑھا۔"

از دوست یک اشارت واز ما بسر دویدن

یعنی دوست کا محبوب کا بس ایک اشارہ پاتے ہیں ہم سر کے بل اس کی طرف دوڑنے لگتے ہیں۔

کاغ یہ وعدہ لے کر خوشی خوشی اپنے قبیلے میں آیا اور متو کی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اپنی لڑکی حالت کے پیش نظر شاہ حسین کے متعلق پریشان تھی کہ جانے غور سے کیسا جواب آئے لیکن جب کاغ نے اس کی عالی نسبی اور شرافت کی تصدیق کی تو اسے ایک گونہ اطمینان ہوا۔ متو کی والدہ نے یہ سارے حالات شیخ بیت کو سنائے جنھیں سن کر وہ بھی بہت خوش ہوا۔ اس کے چند ہی روز بعد ایک سعد گھڑی کا انتخاب کر کے بی بی متو کا شاہ حسین کے ساتھ نکاح پڑھ دیا گیا۔ نکاح کے تین چار ہی مہینے بعد متو کے ہاں لڑکا پیدا ہوا شیخ بیت کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو کہنے لگا چونکہ متو نے یہ لڑکا اپنے ماں باپ کی رضا مندی کے بغیر حاصل کر کے چوری کمائی ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ اس بچے کا نام غل زوی رکھ دیا جائے افغانی زبان میں غل چوری کو کہتے ہیں اور زوی کے معنی ہیں لڑکا یعنی چوری کا لڑکا۔ چنانچہ وہ لڑکا اسی نام سے مشہور ہوا۔ کچھ عرصہ بعد شاہ حسین نے قول وقرار کے مطابق کاغ دور کی لڑکی مہی سے بھی شادی کر لی البتہ یہ نکاح اس نے شیخ صاحب کی اجازت سے کیا مہی کے بطن سے بھی اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا بعض کا قول ہے کہ شیخ بیت نے مہی کے بیٹے کا نام سروانی رکھا تھا لیکن بعض دوسری روایات کے مطابق سروانی بھی بی بی متو ہی کا

بیٹا تھا اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ کچھ عرصے کے بعد خدا تعالٰی
نے بی بی متو کو ایک اور بیٹا عطا کیا شیخ بیت نے اپنے اس نواسے
کا نام ابراہیم رکھا۔ (7)

مگر اس بیان کی کہیں اور سے تصدیق نہیں ہوتی لگتا ہے کہ شاہ حسین بھی افغان قبیلے کا ایک عام رکن تھا جس کا رشتہ سلطان محمد غوری سے جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے اسکی روایت کی تردید کے لیے اتنا کافی ہے کہ قیس عبدالرشید (شیخ بیت کے والد) حضرت محمد رسول اللہؐ کے ہم عصر تھے شیخ بیت حضرت علیؓ سے ہم عصر تھے یوں بی بی متو کا دور خلیفہ عبدالملک کے لگ بھگ 80ھ سے زیادہ آگے نہیں تھا جبکہ سلطان محمد غوری 500ھ میں گزرا ہے۔ یوں بی بی متو اور سلطان محمد غوری کے درمیان 9 پشتوں کا فرق ہے جبکہ شجرے کے مطابق شاہ حسین اور سلطان بہرام کے درمیان صرف 4 پشتیں ہیں۔ سلطان بہرام حضرت علیؓ کا ہم عصر بیان کیا گیا جبکہ اسی کا لڑکا جلال الدین سلطان محمد غوری کا پردادا بیان کیا گیا ہے یوں 400 برس میں 4 پشتوں کا گزرنا ناممکن ہے۔ لودھی چونکہ حکمران تھے مگر افغان بھی تھے جو خانہ بدوش قبیلے تھے اس لیئے نوابان لودھی افغان ہونے کی تردید تو نہ کر سکے مگر ایک دوسری جانب سے اپنا نسب ترک اور ایرانی بادشاہوں سے ملانے لگے۔ ایک لودھی افغان نے تو لودھیوں کو سید بنانے کی بھی کوشش کی مخزن میں یہ واقع یوں درج ہے۔

اہل علم و فضل حضرات سے پوشیدہ نہ رہے کہ نوحانی قوم اپنے
آپ کو سید کہلواتی ہے یہی نہیں بلکہ متی قوم ساری کی ساری اپنے
آپ کو سید جانتی ہے اور یہ بات سچی ارو مستند دلائل سے پایہ

ثبوت کو پہنچ چکی ہے چنانچہ مرحوم و مغفور محبت خان تو حانی بن شیر
شاہ جنھیں کئی پشتوں سے تمام افغانی قوموں اور قبیلوں پر سرداری
اور حکومت کا شرف نوحانیون کو حاصل ہے اور اس ملک کی ساری
دھرتی کو انھی کے دم قدم سے عزت و تمکین میسر ہے بڑے
اختصار کے ساتھ ان کے نسب نامہ کو اس تاریخ میں بیان کیا جاتا
ہے۔ محبت کان بن شیر شاہ بن شہباز خان بن دولت خان بن
موسیٰ خان بن کی خان بن جلال خان بن لقمان خان بن عیسٰی
خاں بن دولت خاں بن یٹین خان بن مہا بن لودھی بن نوحانی
بن اسمٰعیل بن سیانی بن ابراہیم ملقب بہ لودھی بن سید سرمست علی
ملقب بہ شاہ حسین بن سید سلطان شاہ بازید بن سید معین الدین
بن سید محمد شاہ بن سید جلال الدین بن سید شاہ اجمل سامانی بن
سید شاہ ابوالقاسم بن سید عبداللہ بن شاہ حسن الامراء بن امام سید
اسحاق بن امام حق ناطق جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام
حضرت زین العابدین بن حضرت امام حسین بن حضرت
امیر المومنین علی مرتضٰی و حضرت فاطمۃ الزہرا بنت حضرت محمد
الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (8)

آپ اب خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ بعد کے لودھیوں کی یہ کیسی بیہودہ حرکت
تھی چونکہ تمام افغان اور غیر افغان جانتے تھے کہ لودھی افغان ہیں لہذا انوابان لودھی
اسکی تردید نہ کر سکے مگر کسی نہ کسی واسطے سے اپنا سلسلہ دوسرے شاہی خاندانوں یا پھر

سادات سے ملانے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ بہر حال ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ لودھی خالصتاً افغان ہیں اور عہد قدیم میں قبائلی تھے۔

لودھی کی وجہ تسمیہ:

مخزن افغانی میں لودھی کی وجہ تسمیہ اسطرح سے بیان کی گئی ہے۔

کچھ عرصے کے بعد خدا تعالیٰ نے بی بی متو کو ایک اور بیٹا عطا کیا۔ شیخ بیت نے اپنے اس نواسے کا نام ابراہیم رکھا جب یہ بچہ تین سال کا ہوا تو بعض اوقات وہ ایسی ذہانت اور عقل مندی کی بات کرتا کہ شیخ بیت نے اس کی پیشانی پر بزرگی و سرداری کے آثار دیکھے اس بنا پر شیخ نے اسے لودھی کا لقب دیا۔ لودھی کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ ایک سال ان پہاڑوں پر جہاں وہ رہتے تھے غیر معمولی طور پر زیادہ برف پڑی جس کی وجہ سے سردی اتنی بڑھی کہ رہنا مشکل ہوگیا۔ اس لیے شیخ کا سارا قبیلہ ان اونچے پہاڑوں سے اتر کر چھوٹی پہاڑیوں پر آبسا جہاں معمولی برف پڑتی تھی جب سردیاں ختم ہوئیں اور بہار کا موسم آن پہنچا اور نو روز قریب آیا تو پھر وہ سارے لوگ اپنے اصلی وطن کی جانب چل پڑے کچھ دن سفر کرنے کے بعد جب وہ اپنے پرانے گھر پہنچے اور سامان سفر کھول کر اپنی اپنی جگہ رکھا تو شیخ بیت نے بی بی متو کی والدہ سے کہا کہ تیرے نواسے اور پوتے لمبا سفر کر کے

آ ئے ہیں جا ان کے لیے کچھ گرم گرم روٹی پکا کے لا تا کہ اسے کھا کر ان کی تکان دور ہو اور پھر خوشی سے کھیلیں یا آرام سے سو جائیں گے اس نیک بی بی نے عرض کی کہ میرے سرتاج ابھی تو ہم لوگ اتنا دور دراز کا سفر کر کے تھکے ہارے آئے ہی ہیں اور ابھی تو کسی گھر میں آگ جلتی دکھائی نہیں دیتی گھنٹہ آدھا گھنٹہ بعد جب کہیں سے آگ مل جائے گی تو ان بچوں کے لیے روٹی پکا کر لاؤں گی شیخ بیت نے کہا کہ تم ذرا اٹھو اور اللہ کا نام لے کر اسی پرانے تنور سے جس میں روٹی پکایا کرتی تھی ہاتھ ڈال کر آگ نکال لاؤ وہ خاتون کہنے لگی کہ آپ مذاق کر رہے ہیں۔ ہمیں یہاں سے گئے چھ ماہ ہو رہے ہیں اور اس عرصے میں یہاں اس قدر برف اور بارش پڑی ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں لہذا اب تک تنور میں آگ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ تو ناممکن ہے کہ وہاں سے آگ ملے۔ شیخ نے کہا کہ تو اس میں زیادہ بحث نہ کر بس جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کر اگر وہاں سے آگ مل گئی تو فبہا ورنہ خیر۔ دیکھ لینے میں کیا حرج ہے اور تمہارا کوئی نقصان تھوڑا ہی ہوگا۔ اس پر وہ نیک سیرت خاتون اٹھی اور اس نے بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ تنور میں ڈال دیا اس نے کچھ راکھ باہر نکال کر دیکھا کہ اس میں چند کوئلے دہک رہے ہیں جیسے ابھی ابھی جلائے گئے ہوں یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی لیکن

بہر حال اس نے تھیلی سے آٹا نکال کر اسے گوندھا اور روٹی پکانے
لگی شیخ نے کہا کہ جب پہلی روٹی پک جائے تو میرے پاس لے
آنا تا کہ اسے بچوں میں تقسیم کروں اس سے مجھے پتہ بھی چل
جائے گا کہ ان بچوں میں کون زیادہ خوش بخت ہے اور بڑا آدمی
بنے گا جب وہ پاک دامن بی بی تنور میں روٹیاں لگانے لگی تو جیسا
کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے اس کے تینوں نواسے تنور کے گرد
کھڑے ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ جب پہلی روٹی پکے گی تو
وہ اپنے نانا ابا کے پاس لے جائیں گے اتنے مین ان کی نانی
اماں نے وہ روٹی جو پہلے پک گئی تھی تنور سے نکال کر اپنے پاس
رکھی لیکن تی متو کے چھوٹے بیٹے ابراہیم نے پھرتی دکھائی اور
جلدی سے آگے بڑھ کر وہ روٹی اٹھائی اور شیخ بیت کے پاس لے آیا
اور دوسرے بھائیوں کو کہ وہ بھی اسی روٹی کے انتظار میں کھڑے
تھے اس کا موقع ہی نہ دیا روٹی شیخ بیت کے پاس رکھ کر وہ بڑے
ادب سے کھڑا ہو گیا شیخ بیت نے جب اس بچے میں یہ بہادری
پھرتی اور ذہانت دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور اسی خوشی میں اس
ولی اللہ کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا ابراہیم لودھی
پشتو زبان میں لوی بڑے کو کہتے ہیں اور دی کے معنی ہے یعنی
ابراہیم بڑا ہے یعنی بڑا ہو کر بڑا آدمی بنے گا شیخ بیت نے بچے کو
گود میں اٹھا لیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے اس روٹی

سے ایک لقمہ توڑ کر اس بچے کے منہ میں ڈال دیا۔ جب دوسرے
بچوں نے بھی شیخ سے روٹی مانگی تو انھوں نے کہا کہ روٹی تو
ابراہیم لے گیا ہے تم دونوں اس سے مانگو وہ تمھیں روٹی دے گا
پھر شیخ نے ابراہیم کے حق میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اس روز سے
ابراہیم لودھی کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ اس کے بعد جو بزرگی و
بڑائی اسے نصیب ہوئی وہ سب اس لقمے کی برکت تھی جو حضرت
شیخ نے اس کے منہ میں ڈالا تھا۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ
اس لڑکے کا اصلی نام لوگوں کے ذہنوں مین اترتا گیا اور اس کا
لقب (لودھی) مشہور ہو گیا وہ اپنے نانا کی دعاؤں کی برکت سے
جب پل بڑھ کر جوان ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سی آل
اولاد عطا کی نیز خدا تعالیٰ نے اس کی اولادوں کو باقی سارے
قبیلوں پر بزرگی اور سرداری بھی بخشی۔ اس کے بعد تمام ادوار
میں لودھی قبیلے کے لوگ بادشاہوں کے درباروں میں اکرام و
احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے اور انھیں ہر طرح سے
عزت و آبرو حاصل رہی۔ بڑے اونچے اونچے مرتبوں پر فائز
رہے بلکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے لودھیوں کو ملکوں کی بادشاہی بھی
عطا کی اور فرمانروائی کا شرف بھی بخشا شاہ حسین چونکہ بنیادی طور
پر لودھی خاندان کا فرزند تھا اس کے حسب نسب کی تفصیل اس
کتاب میں بیان نہیں کی گئی البتہ ان تینوں لڑکوں یعنی غلوی

لودھی اور سروانی کی اولادیں ان کی والدہ ماجدہ (بی بی متو) کے
نام پر متی کہلائیں۔" (9)

یہ افغان روایت ہے افغان چونکہ بنی اسرئیل کی باقیات ہیں لہذا ذرا سی تحقیق کے بعد پتہ چلتا ہے کہ لود نام بنی اسرائیل میں پہلے سے استعمال ہورہا تھا بنی اسرائیل میں اس نام کے قبیلوں کا ذکر ملتا ہے۔

"بنی لود، ہدید اور انو سات سو اور پچیس" (10)

ایک اور کتاب میں ہے کہ:

"بنی لود، ہدید اور انو سات سو اور اکیس" (11)

ہم یقین سے تو نہیں کہہ سکتے کہ موجودہ قبیلہ لودھی یا لودی انہیں بنی لود کی باقیات ہے مگر اتنا ضرور یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ لفظ لود عبرانی اور اسرائیلی نام ہے ۔اس کے علاوہ اور کسی قوم میں یا زبان میں ہمیں لفظ لود نہیں ملتا۔

لودھی کا تلفظ

لودھی کا مخزن لود ہے جیسا کہ ہم نے اوپر دیکھا پشتو زبان اور فارسی زبان میں اس کو لودی لکھا جاتا ہے تمام پرانی تواریخ میں لودی تحریر کیا گیا ہے مگر ہندوستان کی تہذیب کے زیر اثر اردو زبان میں لودی کو لودھی کہا اور لکھا جاتا ہے۔

maablib.org

حواشی

(1) افسانہ شاہاں ص8

(2) تذکرۃ الابرار و اشرار ص83

(3) خلاصۃ التواریخ ص121-22

(4) افسانہ شاہاں ص8-9

(5) ایضاً10

(6) فرشتہ ا ص46

(7) مخزن ص442-435

(8) ایضاً ص450-449

(9) ایضاً ص440-442

(10) بائبل کتاب عذرا (2:33)

(11) ایضاً کتاب نحمیاہ (7:37)

maablib.org

باب نمبر 3

ابتدائی اسلامی حملے اور افغان

لودھی اور محمد بن قاسم:

لودھیوں کی محمد بن قاسم کے ساتھ آمد ایک اہم واقعہ ہے۔ اس سے قبل عرب فوجیں بنوں اور سندھ کی سرحد پر رک گئیں تھیں۔ حضرت معاویہ کے دور میں بھی سندھ پر کچھ حملے ہوئے مگر وہ جھڑپوں سے زیادہ کچھ نہیں تھے اور وہ بھی عربوں کے باہمی تنازعات کی وجہ سے ہوئے تھے۔ سندھ پر حملے کی ہمت عربوں نے اب تک اس وجہ سے نہیں کی تھی۔ کہ مکران کا راستہ پر خطر تھا۔ اب جبکہ عربوں اور سندھیوں میں جھگڑا شروع ہوگیا تھا لہذا کسی بھی طرح سے عربوں کا آگے بڑھنا ضروری تھا۔ ہندوستان کی سرحد پر جتنے قبائل تھے (افغانوں کے علاوہ) وہ سب غیر مسلم تھے۔ پنجاب اور سندھ کے قبائل کی مقامی روایات سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ لوگ سب غیر مسلم تھے۔ ان حالات میں افغان واحد قبیلہ تھا جو مسلمان تھا اور کسی وجہ سے وہ مسلمانوں کی مدد کر سکتا تھا۔ اس قبیلے کے بزرگوں کے تاریخ اسلام کی ابتدائی شخصیات سے تعلقات و روابط بھی تھے۔ افغانوں نے محمد بن قاسم کا ساتھ دیکر ایک پر خطر کام میں حصہ لیا۔ اس پہلے حملے کا نتیجہ کچھ بھی نکل سکتا تھا۔ شکست کی صورت میں عربوں کی ساری فوج تباہ ہوسکتی تھی۔ اور افغانوں کا بھی زبردست نقصان ہوسکتا تھا۔ اسی خدشے کے پیش نظر اس جنگ کی خاص تیاریاں کی گئیں تھیں۔

عرب فوجیں سندھ اور پنجاب کے راستوں سے ناواقف ہیں۔ انکو ایک

ایسے مددگار کی ضرورت تھی ۔ جو سندھ اور پنجاب سے واقف ہو۔ انکے شہروں، دیہاتوں، قصبوں، ندی نالوں، دریاؤں، پہاڑوں، یہاں کے باشندوں، وحشی قبائل، انکے طریقہ جنگ وجدل سے پوری طرح سے واقف ہوں۔ افغانوں کی شکل میں انکو یہ راہ نما میسر آ گئے تھے۔ افغانوں تاجر پیشہ تھے۔ اور ہندوستان میں بھی انکی تجارت قائم تھی۔ وہ گھوڑوں کی ؛ ت کرتے تھے۔ جو "جنگ وجدل" کا ایک اہم حصہ تھا۔ چونکہ وہ مسلمان بھی تھے لہذا عربوں کیلیے وہ زیادہ قابل اعتماد تھے۔ محمد بن قاسم کی فتح سندھ و فتح ملتان میں ان لوگوں نے اس حوالے سے بہت اہم کردار ادا کیا۔

ہندوستان میں لودھیوں کی آمد افغانوں کی ابتدائی آمد سے جڑی ہوئی ہے۔ یہ ان ابتدائی افغان قبائل میں سے ایک ہے جو ہندوستان میں وارد ہوئے۔ ان لوگوں نے محمد بن قاسم کی مدد کی اور ہندوستان کی فتح میں حصہ لیا لودھی قبیلہ چونکہ قدیم قبائل میں سے ایک ہے لہذا اس کا افغانوں کی فتوحات میں شامل رہنا یقینی ہے مخزن افغانی میں لکھا ہے کہ

> ”حجاج بن یوسف کو جب یہ خبر ملی تو اس نے سنہ اسی میں عمادالدین محمد قاسم کو جو اس کا بھانجا اور داماد بھی تھا محمد ہارون کا قائم مقام بنا کر مکران کی طرف روانہ کیا منزلیں طے کرتا ہوا جب محمد بن قاسم غور کے نواح میں پہنچا تو اس نے افغان قبیلے کا ایک دستہ اپنے ساتھ لیا ان پر طرح طرح کے انعام واکرام کی بارش کی اور آٹھ سال تک مکران کے علاقے میں مقیم رہا محمد بن قاسم نے سیوستان کو فتح کیا اور وہاں کے راجہ کو قتل کر ڈالا بہت سا

غنیمت کا مال لشکر اسلام کے ہاتھ لگا سنہ ترانوے ہجری میں
جب عماد الدین محمد بن قاسم حجاج بن یوسف کے حکم سے
دارالخلافہ کو واپس ہوا تو اس نے افغانوں کی اس جماعت کو فاخرہ
لباس عمدہ خنجر مرصع تلواریں اور دیگر انعام و اکرام کے ساتھ ان
کے وطن روانہ کیا" (1)

اس بیان سے ہمیں ایک نئی چیز پتہ چلتی ہے کہ محمد بن قاسم کی فوج جو خشکی کے راستے آئی وہ غور کی جانب سے آئی تھی عرب تواریخ میں بھی ہے کہ حجاج بن یوسف نے خشکی اور سمندر کے راستے دو الگ الگ فوجیں بھیجیں تھیں۔ مورخین کہتے ہیں کہ ایک فوج سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ سمندر میں آئی تھی اور دوسری فوج ساحل سمندر کے ساتھ خشکی پر آئی تھی مگر یہ طریقہ کار درست نظر نہیں آتا۔ اگر دونوں افواج ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں تو دونوں ہی خشکی یا دونوں ہی سمندر میں ہونی چاہیں تھیں۔ نیز جب ابتدائی ناکام حملوں کے بعد حجاج بن یوسف کو پتہ چل گیا تھا کہ مکران کا راستہ خطرناک ہے اور وہاں رسد کی فراہمی بھی مشکل ہے تو اب اس کو ایسے راستے کی تلاش تھی کہ جو محفوظ ہو اور رسد ممکن ہو وہ راستہ یہی غور کا بن سکتا تھا جو کافی عرصے سے عربوں کے زیر اقتدار تھا۔ غور کے راستے محمد بن قاسم کی آمد اور افغانوں کا اسکو امداد دینا کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ اسوقت افغان قبائل مسلمان ہو چکے تھے۔ اور غیر افغان مورخین بھی اسکی تصدیق کر تے ہیں۔ چنانچہ فرشتہ تحریر کرتا ہے کہ۔

"مختصر یہ کہ مسلمان افغان کھیتی باڑی اور معاش کی طرف متوجہ
ہوئے اور بے شمار گھوڑوں گائے اور بکریوں وغیرہ کے مالک بن
گئے ان افغانوں نے ان مسلمانوں کے ساتھ جو محمد بن قاسم کے
ساتھ ہندوستان آئے تھے بڑے دوستانہ مراسم پیدا کیے" (2)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم کے زمانے سے افغانوں کے عرب حملہ آوروں کے ساتھ ہندوستان آمد یقینی تھی۔

محمد بن قاسم کے بعد:

محمد بن قاسم کے بعد عربوں نے پنجاب کے جنوبی حصے اور سندھ میں اپنی حکومت قائم کر لی جبکہ افغان سپاہی واپس روہ چلے گئے۔ جب خلافت اسلامیہ کمزور ہوئی تو مختلف علاقوں میں مختلف سردار و امراء خود مختیار ہو گئے۔ افغان قبائل جس علاقے میں آباد تھے وہاں پر پہلے سے انکی خود مختاری قائم تھی۔ یہ لوگ تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ بلکہ صرف مسلمان تھے۔ یعنی انکو جو کسی مولوی نے بتایا کہ یہ اسلام ہے انہوں نے اسکو مان لیا۔ اب ان لوگوں نے 'جہاد' کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ لوگ نواحی ہندوستانی علاقوں پر یلغار کرنے لگے۔ حملہ کرتے اور واپس آجاتے۔ لوٹ مار کر کے جو کچھ حاصل کرتے اس پر گذر اوقات کرتے۔ یہ سلسلہ ان کا صدیوں چلتا رہا۔ یہاں تک کہ محمود غزنوی کے اجداد کا زمانہ آیا تو یہ فوجوں میں شامل ہو گئے۔ اس سے قبل افغانوں نے ہندوستان کے سرحدی علاقوں پر گوریلہ جنگ جاری رکھی۔ پہلے یہ حملے چھوٹی نوعیت کے تھے۔ لہذا کسی ہندو راجہ نے اس پر خاص توجہ نہیں دی۔ مگر جب

افغانوں کے حملے بڑھ گئے تو لاہور کے راجہ کو انکے خلاف کاروائی کرنی پڑی۔ افسوس کے ہندوؤں کے ریکارڈ محفوظ نہیں ہیں۔ لہذا ان جنگوں کی تفصیل کیلئے صرف فرشتہ پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے۔

''مسلمان افغان کھیتی باڑی اور معاش کی طرف متوجہ ہوئے اور بے شمار گھوڑوں گائے اور بکریوں وغیرہ کے مالک بن گئے ان افغانوں نے ان مسلمانوں کے ساتھ جو محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان آئے تھے بڑے دوستانہ مراسم پیدا کیے جب ان کی نسل کثرت سے پھیلی تو یہ ۱۴۳ء میں کوہستان کے علاقے سے نکل کر ہندوستان کے مختلف شہروں کرماج پشاور اور شنوران وغیرہ پر قابض ہو گئے راجہ اجمیر کے ایک رشتہ دار نے جو لاہور کا راجہ تھا ان افغانوں کے فتنے کو دبانے کا ارادہ کیا اور اپنے ایک امیر کو مع ہزار سواروں کے ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ افغان اس لشکر کے مقابلے پر نکلے اور انہوں نے بیشتر ہندو سواروں کو قتل کر کے اس لشکر کو شکست دی اس واقعہ کے بعد لاہور کے راجہ نے اپنے بھتیجے کو دو ہزار سواروں پانچ ہزار پیادہ سپاہیوں کے ساتھ افغانوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ اس بار خلیج غور اور کابل کے مسلمانوں نے افغانوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھا اور چار ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر تیار کر کے ان کی مدد کے لیے بھیجا افغانوں کو اس مدد کے ملنے سے بڑی تقویت پہنچی۔

انھوں نے قتل وغارت گری کا بازار گرم کردیا اہل ہند سے پانچ مہینے میں ستر لڑائیاں لڑیں اور اکثر لڑائیوں میں فتح حاصل کی۔ لڑائی کے دوران میں ہی سردی کا موسم شروع ہوگیا جاڑے نے اہل ہند کو بالکل مجبور اور عاجز کردیا لہذا وہ لڑائی بند کرکے واپس اپنے وطن چلے گئے لیکن جب جاڑوں کا زمانہ ختم ہوگیا تو لاہور کے راجہ نے پھر ایک نئے لشکر کے ساتھ حملہ کیا اس دفعہ بھی کابل اور خلج کے باشندوں نے افغانوں کی مدد کی اور کرماج اور پشاور کے درمیان دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اس جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ کبھی تو اہل ہند افغانوں پر غالب آکر انہیں پہاڑوں تک بھگا دیتے اور کبھی افغان تیروں کی بوچھاڑ سے اہل ہند کو پسپا کرتے اور انہیں ان کے خیموں اور قیام گاہوں سے باہر نکال دیتے۔

جب برسات کا زمانہ آیا تو دریائے نیلاب (نیلاب سے مراد دریائے اٹک یا سندھ ہے) کا سیلاب دیکھ کر اہل ہند لڑائی کے نتیجے کا خیال کیے بغیر اپنے ملک کی طرف لوٹ گئے اور اسی طرح کابل اور خلج کے مسلمانوں نے بھی اپنے وطنوں کو مراجعت کی کابل اور خلج کے باشندوں سے جب کبھی ان کا کوئی ہم وطن یہ پوچھتا کہ کوہستان کے مسلمانوں پر کیا گزری تو وہ جواب دیتے کہ ان کے ملک کو کوہستان نہ کہو افغانستان کہو کیونکہ اب وہاں

فغان غوغہ یعنی شور اور فریاد کے سوا کچھ اور سنائی نہیں دیتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی بناء پر کوہستان کے مسلمانوں کو افغان اور ان کے وطن کو افغانستان کہا جانے لگا لیکن اہل ہند ان کوہستانی مسلمانوں کو پٹھان کہتے ہیں اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہو سکی۔ لیکن خیال یہ ہے کہ اسلامی بادشاہوں کے عہد میں جب پہلی بار یہ قوم ہندوستان میں آئی تو پٹنے میں آباد ہوئی اس لیے اہل ہند ان کو پٹھان کہنے لگے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس دوران میں ہندو کھکڑوں اور لاہور کے راجہ کے درمیان بجائے دوستی کے رنجش پیدا ہو گئی اس وجہ سے کھکڑ قوم نے قوم افغان سے دوستی اور میل ملاپ پیدا کر لیا۔ اس پر راجہ لاہور نے بھی افغانوں سے لڑائی بند کر دی اور ان سے صلح کر کے ملتان کے چند گاؤں ان کو دیئے خلجیوں کو جو افغانوں کی مدد سے اسی جنگل میں آباد تھے اس شرط پر افغانوں کی سی مراعات دیں کہ وہ افغانوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابلے میں سرحد کی حفاظت کریں۔ افغانوں نے پشاور کے کوہستان میں ایک حصار کھینچا اور اس کا نام "خیبر" رکھا اور "روہ" کے ملک پر ایسے قابض ہوئے کہ آل سامان کے عہد حکومت میں سامانی لشکر کو کبھی انہوں نے لاہور تک نہ پہنچنے دیا اسی بنا پر سامانی لشکر کی لوٹ مار آخر تک ہمیشہ سندھ اور بھاطنہ کی طرف رہی ہے روہ سے وہ مخصوص

کوہستانی سلسلہ مراد ہے جو لمبائی میں بجور ("بجور" سے چترال اور دریائے کاب کا درمانی علاقہ مراد ہے) سے سیوی (سیوی سے مراد ریاست قلات کا علاقہ ہے) تک جو بکر کا علاقہ ہے اور چوڑائی میں حسن ابدال اور کابل تک پھیلا ہوا ہے جب غزنی کی حکومت الپتگین کے ہاتھ میں آئی تو اس نے کئی بار لمغان اور ملتان میں لوٹ مچائی اور بہت سے لونڈی اور غلام قید کر کے لے گیا۔"(3)

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کے درمیانی عرصے میں بھی افغان قبائل مسلمان تھے اور اسی طرح سے آزاد تھے جسطرح سے آج ہیں اور وہ پہاڑی دروں میں چھپے ہوئے تھے انکی اپنی حکومت میں ہندو مسلمان دونوں مذاہب کے لوگ ان سے تعلقات کے خواہاں تھے بعض مورخین انکی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ افغان اسوقت غیر مسلم تھے لہذا انکو مسلمانوں سے الگ الگ گروہ بیان کیا گیا ہے حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ بعض افغان قبائل ہنوز یہودی ہوں مگر انکی اکثریت مسلمان تھی اور انکو الگ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فرشتہ نے "افغان" کے زیر عنوان صرف افغان قوم کے حالات بیان کرنا شروع کیے ہیں اسلیے اس نے خصوصیت کے ساتھ افغانوں کا تذکرہ کیا ہے اور خاص طور پر لفظ "افغان" کا بار بار استعمال کیا ہے۔

شیخ حمید لودھی:

مورخین اس حوالے سے متفق ہیں کہ شیخ حمید پہلا افغان حکمران تھا جو لودھی قبیلے کا تھا۔ شیخ حمید لودھی کے برسر اقتدار آنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لودھی قوم کے بہت سے لوگ افراد ان تمام کاروائیوں میں شامل رہے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اگرچہ مذکورہ بالا اقتباسات میں صرف لفظ افغان استعمال ہوا ہے مگر شیخ حمید کا عروج اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان افغانوں میں کثرت سے لودھی قبیلے کے لوگ شامل تھے جن کی عصبیت نے سربراہی کے لیے شیخ حمید کا انتخاب کیا۔

شیخ حمید کے بارے میں ہمیں معلومات صرف تاریخ فرشتہ سے ملتی ہیں۔ مخزن افغانی میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ شیخ حمید کے بارے میں ''لودھی پشتانہ'' میں جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ زیادہ تر ثانوی ماخذ کے ہیں لہذا ان پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ:

''جب افغانوں نے یہ دیکھا کہ الپتگین سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں تو انہوں نے راجہ جے پال سے الپتگین کا مقابلہ کرنے کے لیے مدد چاہی جے پال نے اس خیال کے پیش نظر کہ ہندوستان کی فوج سردی کی وجہ سے سرحدی مقامات پر ہمیشہ قیام نہیں کر سکتی اس سلسلے میں بھاطنہ کے راجہ سے مشورہ کیا اس نے جو رائے دی اس کے مطابق ایک ایسے شخص کو جو

افغانوں میں سے معتبر اور قابل اعتماد شخص تھا اور جس کا نام شیخ حمید تھا اس ملک کا امیر مقرر کیا شیخ حمید نے لمغان اور ملتان کو اپنے قبضے میں کیا اور ہر مقام پر ایک ایک حاکم بطور اپنے نائب کے مقرر کیا اور اسی زمانے سے افغانوں میں حکومت اور سلطنت کا سلسلہ شروع ہوا۔

الپتگین کی وفات کے بعد اس کا جانشین سبکتگین ہوا۔ شیخ حمید نے سبکتگین کی مخالفت کو مناسب نہ سمجھا اور اسے یہ پیغام بھیجا کہ ہم مسلمان مذہب اسلام کے پیرو ہونے کی وجہ سے ایک ہیں۔ اس لیے بادشاہ کو چاہیے کہ اس طبقے (یعنی افغانوں) کو اپنا سمجھے اور جب (کبھی) مسلمانوں کی فوج ہندوستان پر چڑھائی کرے تو اس کا لشکر (یعنی سبکتگین کا) کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرے اور اس جماعت کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ سبکتگین نے بھی مصلحت وقت کے پیش نظر شیخ حمید کی درخواست قبول کر لی اور جب راجہ جے پال پر فتح پائی تو افغانوں کی بہت خاطر تواضع کی اور ملتان کے اکثر حصے ان کو عطا کیے"۔(4)

صرف یہی وہ اصل معلومات ہے جو شیخ حمید لودھی کے حوالے سے Authentic ہے۔ اس سے ہمیں اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ شیخ حمید الپتگین اور سبکتگین کا ہم عصر تھا اور ان سے اسکے اچھے تعلقات تھے۔ علاوہ ازیں ہندو راجاؤں

سے بھی اس کے تعلقات اچھے تھے ہندو راجاؤں سے اسکے اچھے تعلقات اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس دور میں افغانوں میں شدت پسندی بالکل نہیں تھی اور اس دور کے مورخین جو تاریخ کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ سراسر غلط ہے۔

یہی فرشتہ آگے ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ:

''ہندوؤں کی فوج سامنے کی طرف بھاگ نکلی مسلمانوں نے نیلاب کے کنارے تک ان کا پیچھا کیا اور وسیع پیمانے پر قتل وغارت گری کی اس معرکے میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور لمغان و پشاور کے ملک دریائے نیلاب کے کنارے تک مسلمانوں کے ہاتھ آگئے۔ان مفتوحہ علاقوں میں قانون اسلامی مروج ہوا اور امیر ناصر الدین کے نام کا خطبہ وسکہ جاری ہوا۔اس فتح کے بعد امیر ناصر الدین نے اپنے ایک سردار کو دو ہزار سواروں کے ساتھ پشاور میں چھوڑا اور اس علاقے کے آس پاس کے افغانی اور خلیجی صحرانشینوں کو بھی مطیع کرتا ہوا واپس غزنی پہنچا۔(5)

لودھی اور محمود غزنوی:

محمود غزنوی کے دور کے اس بارے میں متضاد بیانات ملتے ہیں کہ اس کے افغانوں سے کیسے تعلقات تھے فرشتہ نے تحریر کیا ہے کہ اس نے افغانوں کی سرکوبی کی خصوصاً لودھیوں کی:

"لیکن سبکتگین کے بیٹے سلطان محمود نے اپنے باپ کے برعکس عمل کیا اس نے ہمیشہ افغانوں کو سرنگوں اور مغلوب رکھا ان میں سے جو سرکش تھے۔ انہیں قتل کیا اور جو اطاعت شعار تھے۔ ان سے ملازموں کا سا سلوک کیا۔"(6)

یہ چیز دراصل ملتان کے لودھی حکمرانوں کے خلاف محمود غزنوی کی کارروائی کا حصہ تھی۔ جس کا تفصیلی ذکر فرشتہ نے ایک جگہ یوں کیا ہے۔

"اس مہم کے بعد سلطان محمود غزنوی میں واپس آیا۔ ۳۹۶ھ میں اس نے پھر ملتان پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا ملتان کا مرحوم حاکم شیخ حمید لودھی امیر سبکتگین مرحوم کے بہی خواہوں میں سے تھا اور ہر طرح سے امیر مرحوم کی اطاعت اور فرمانبرداری بجالاتا تھا۔ شیخ حمید کے بعد اس کا بے دین پوتا ابوالفتح ملتان کا حاکم مقرر ہوا۔ کچھ عرصے تک تو ابوالفتح نے اپنے اسلاف کی پیروی کی اور محمود کے حلقہ بگوشوں میں شامل رہا لیکن بعدازاں مذہب کے ساتھ حقوق خدمت سے بھی منہ پھیر بیٹھا اور جب سلطان محمود نے بھاطنہ کا محاصرہ کیا تو ابوالفتح نے اپنی نمک حرامی کا عملی ثبوت دینا شروع کیا اور اس سے بہت سی ناشائستہ حرکتیں سرزد ہوئیں جنکے کے پیش نظر سلطان محمود نے اسے جلد از جلد تنبیہہ کرنا مناسب سمجھا۔ اس سال تو محمود نے

مصلحتاً ابوالفتح سے کچھ نہ کہا البتہ اس کے دوسرے سال اس نے یہ پکا ارادہ کرلیا کہ اس بدکردار انسان کو اس کی بداعمالیوں کی سزادی جائے۔ ''زین الاخبار'' کی روایت کے مطابق سلطان محمود نے غیر معمولی راستے سے سفراختیار کیا اور فوراً ابوالفتح پر حملہ کردیا راجہ انند پال راستے کا روڑہ بن کر سلطان محمود کی کامیابی کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگا لیکن اسلامی فوج کا مقابلہ نہ کرسکا اور شکست کھا کر کشمیر کی طرف بھاگ گیا مورخ الفی بیان کرتا ہے کہ جب ابوالفتح کو محمود کی روانگی کی خبر ہوئی تو اس نے گھبرا کر راجہ انند پال کو محمود کے عزائم سے باخبر کیا اور مدد کی درخواست کی انند پال نے اسد بار بھی جاہلانہ دلیری سے کام لیتے ہوئے لاہور سے پشاور پہنچ کر اپنے لشکر کو اسلامی فوج کے روکنے کے لیے روانہ کیا انند پال کی اس حرکت سے سلطان محمود بہت غضبناک ہوا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ پہلے اسی عاقبت نااندیش کا مقابلہ کیا جائے اور اس کے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجائی جائے۔ سلطان کے لشکر کے بہادروں نے اس حکم کی تعمیل کی اور بڑی بہادری سے انند پال کے مقابلے پر آئے اور ایسی ہمت اور سرفروشی سے لڑے کہ دشمن کی فوج کو بدحواس اور منتشر کردیا انند پال نے اپنی فوج کا جو یہ حال دیکھا تو جان بچا کر فرار ہوگیا۔

سلطان نے اپنے لشکر کا ایک دستہ اس کے تعاقب میں روانہ کیا

جب اسلامی لشکر اس کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے چناب کے
کنارے سودرہ کے مضافات میں پہنچ گیا تو انند پال کی ہمت
نے جواب دے دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ گھبرا
کر کشمیر کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ سلطان نے بھی اب زیادہ
پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے اصل مقصد یعنی ملتان کی فتح
کے پیش نظر پہندہ ہوتا ہوا ملتان کی طرف بڑھا۔ جب ابوالفتح
نے یہ دیکھا کہ محمود کا مقابلہ کرنے میں ہندوستان کے سب سے
بڑے راجہ انند پال کا یہ حشر ہوا ہے تو اس نے اپنی خیریت اسی
میں دیکھی کہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ لہذا اس نے اسی پر عمل کیا
اور سلطان کی خدمت میں اپنے قصوروں کی معافی کی درخواست
پیش کی اور اس بات کا وعدہ کیا کہ ہر سال دس ہزار اشرفیاں
سلطان کی خدمت میں پیش کریگا۔ سلطان نے ابوالفتح کی
درخواست کو قبول کر لیا اور محاصرے کے آٹھ روز بعد مندرجہ بالا
شرط پر صلح کر کے واپسی کا ارادہ کیا۔" (7)

پشتو شعراء کے تذکرے "پٹہ خزانہ" میں بھی شیخ حمید لودھی اور اسکے بیٹے شیخ نصر لودھی کا تذکرہ ہے مگر کتاب پٹہ خزانہ کی حقیقت مشکوک ہے لہذا یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ جو کچھ اسمیں درج ہے وہ درست ہے یا غلط ہے۔ بہر حال ذیل میں پٹہ خزانہ کا اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

"جان جائیے کہ: کامران خان، ابن سدو خان، نے شہر صفا، میں سال 1038 ء ھجری، قدسی علی صاحبہا التحیہ والصلوٰۃ والسلام، میں ایک کتاب لکھی کہ جس کا نام" کلید کامرانی رکھا۔ اس کتاب میں کامران نے شیخ احمد بن سعید اللودی، کی کتاب "الاعلام اللوذعی فی اخبار اللودی" مولفہ 686 ء ھجری، کے حوالے سے تحریر کیا ہے اور یوں نقل کیا ہے کہ شیخ رضا لودھی، شیخ حمید، کے بھتیجے تھے۔ جب شیخ حمید ملتان میں بادشاہ ہوگئے تو اپنے بھتیجے کو پشتونخوا بھیجا تا کہ اس پہاڑی علاقوں کے لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیں۔ شیخ رضا گئے اور دو سال تک قسی کے پہاڑوں میں رہے اور وہاں پر بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔

یوں بیان کرتے ہیں کہ شیخ حمید ملتان میں ملحدوں کے رسولوں کے ساتھ بیٹھا تھا اور ان سے ہی فرقہ اسماعیلی کا الحاد و عقائد سیکھ لیے اور انکے عقیدوں کا گرویدہ ہوگیا اور ملحد ہوگیا۔ جب شیخ حمید رحمۃ اللہ نے وفات پائی تو نصر انکی جگہ پر بیٹھا اور الحاد کی ترویج کرنے لگا اور قرامطہ کو لے گیا شیخ رضا علیہ جو پاکیزہ مسلمان تھے نے اپنے چچازاد نصر کو یہ اشعار تحریر کر کے ارسال کیے۔

قطعه

والحاد بہ لوردی ترپلل — کر دہ دی زموروکوراوہ

موورویلی بہ زیارتہ — تا پہ تو روتو راوہ

لرغون ولی گور ہد لیکی — چہ دی گوتئی اراوہ

ہغہ گروہ دی اوس آرہ کر — چہ پلر و دی رناوہ

(رتو الحاد کی طرف دوڑ پڑا) — (اور ہماری جماعت کو چھوڑ گیا)

(ہم نے کوششوں سے جسے اُجالا تھا) — (تو نے اُس پہ کالک مل دی)

(پہلے کیوں ادھر مائل ہوا تھا) — (جواب اس سے لوٹ رہا ہے)

(اس گروہ کو تو چھوڑ گیا) — (جسے تیرے باپ دادا نے روشن کیا تھا)

(لودھی تیری وجہ سے بے عزت ہوئے) — (ہر چند کہ ہم نے اُن کو معزز کیا)

(انصر! تو ہمارے خاندان سے نہیں ہے) — (نہ عمل کے لحاظ سے تو لودی ہے)

(ہم بیزار ہیں تیرے گروہ سے) — (روز قیامت میں)

شیخ احمد لودھی یوں نقل کرتے ہیں کہ نصر لودھی نے شیخ رضا رحمتہ اللہ علیہ کا

جواب اسطرح دیا۔

والحاد بہ تو رتو رن سوم — زہ لرغون خو ملحد نہ یم

زہ مادنہ ہسی تو را کری — کہ ملحد یم دو جنہ یم

لہ اسلامہ نہ ترپلہ — تو رانو شخہ پہ ترپلہ یم

گروہ می ہغہ لرغونی — اوس ہم گرود پہ لرغونہ یم

د لودی زدی سختی یم — د ہمید لہ لور کہالہ ہم

تورانی دښمن چه وایي	زه له ګروهه په آره یم
وائی تورناسی درد هو یق	زه مومن ستاسی په تله یم
وو بښو وینا وی مغره	زه لودیي یه خوزه یم
(الحاد کی تہمت سے بدنام ہو گیا ہوں	(میں پہلے سے تو ملحد نہیں ہوں)
(میرے دشمن مجھے متہم کرتے ہیں)	(اگر منکر ہوں تو دشمنوں کا ہوں)
(اسلام سے میں نہیں بھاگتا)	(بدنام کرنے والوں سے میں علیحدہ ہوتا ہوں)
(میری جماعت وہی پہلے والی ہے)	(اب بھی میں اپنے سابق (مذہب) پر مضبوطی سے قائم ہوا
(میں تو اسلام کے آسمان پر چمکوں گا)	(البتہ بدنام کرنے والوں کے لیے تاریکی ہوں)
(لودی کا بیٹا سنی ہوں)	(حمید کے معزز خاندان سے ہوں)
(بدنام کرنے والے دشمن جو یہ کہتے ہیں)	(کہ میں اپنی جماعت سے جدا ہو رہا ہوں)
(یہ تو حاسد آپ لوگوں کو دھوکا دیتا ہے)	(میں وہ مومن ہوں آپ لوگوں کے نقش قدم پر چل رہا ہوں)
(دشمنوں کی باتیں مت سنو)	(میں وہ لودی ہوں جب تک کہ میں ہوں)

اللہ تعالیٰ پرانے لوگوں کو معاف فرمائے۔ اور ان لوگوں پر اللہ کی رحمت جو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھتے ہیں۔ (8)

لیکن لگتا ہے کہ یہ فتح دیر پا ثابت نہیں ہوئی اور محمود غزنوی کو ایکبار پھر سے ملتان کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔

"سلطان محمود اسی سال پھر غزنی سے ملتان آیا اور بڑے قہر و غضب سے ملتان کو فتح کر لیا بہت سے قرمطیوں اور کافروں کو موت کے گھاٹ اتارا اور اکثر کے پاؤں اور ہاتھ کاٹے۔ داؤد

بن نصیر کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا اسے وہاں کے قلعے میں نظر بند کر دیا داؤد نے اسی قلعے میں داعی اجل کو لبیک کہا''۔(9)

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ محمود غزنوی افغانوں کے یکسر خلاف تھا نہیں بلکہ اسکی فوج میں افغان بھی کثرت سے شامل تھے مخزن میں ہے کہ:

''اس کے ایک عرصہ بعد سنہ چار سو ہجری میں جب خدا تعالیٰ نے نوح بن منصور سامانی کے غلام الپتگین کے پوتے سلطان محمود غازی بن سبکتگین کو سلطنت کا اعزاز بخشا اور عراق، عجم، خراسان، ماوراء النہر سے کابل و غزنی کی حدود تک بلکہ دریائے سندھ کا علاقہ بھی اس کے زیر نگین ہو گیا تو افغان قوم کے سرداروں میں سے نو آدمی جن کے نام کتب تاریخ میں اس طرح مسطور ہیں: ملک خانوی، ملک عاموں، ملک داؤد، ملک یحیٰی، ملک احمد، ملک محمود، ملک محمد، ملک عارف اور ملک غازی، سلطان محمود کی خدمت میں باریاب ہو کر اس کے ملازمین میں شامل ہو گئے ان کی پیشانیوں سے چونکہ بزرگی و سعادت کے آثار ظاہر ہوتے تھے اس لیے سلطان نے انہیں ہر طرح کے انعام و اعزاز سے نوازا۔ فاخرہ لباس کے علاقہ کثیر مقدار میں نقدی اور غلہ بھی انہیں عطا کیا ان میں سے ہر ایک کو مرصع خنجر اور

تلواریں اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور خاص قسم کی خلعتیں یعنی قیمتی لباس بھی دیئے اور اپنے ساتھ لے کر ہندوستان اور سومنات فتح کرنے کے ارادے سے نکلا۔

"رائے داپشلیم جسے بعض مورخین نے داپشلیم اور داپشلم بھی لکھا ہے اس ملک کا بہت بڑا راجہ تھا سلطان نے اس راجہ کو شکست فاش دے کر وہاں کے بت خانوں کو مسمار و خراب کر ڈالا اور اس کفرستان کو خوب پامال کیا جہاں کہیں کوئی مشکل مہم پیش آتی سلطان محمود افغان ملکوں کی اس جماعت کو فوجی دستوں اور دیگر افغان سپاہیوں کا سردار بنا کر محاذ پر بھیج دیتا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کو ہر ایسی مہم میں شان دار کامیابی نصیب ہوئی۔ سلطان محمود تین سال تک سومنات میں رہا جب محمود نے ان کو اپنی شایان شان اور قابل قدر خدمات انجام دیتے دیکھا تو ہر ایک کو اس کی قابلیت استعداد اور وفاداری کے مطابق مناصب و مدارج عطا کیے اور ہر ایک کی بہت قدر منزلت کی تھوڑے ہی عرصے میں انھوں نے اس قدر ترقی کی کہ محمود نے انھیں حکومت و سلطنت کے کاموں میں شریک کر لیا اکثر و بیشتر کام ان کی صواب دید کے مطابق انجام پاتے تھے حکومت کے نظم و نسق میں انھیں ہر طرح کا عمل دخل حاصل ہوا اور وہ سارے سلطان محمود کے معتمد علیہ بن گئے اور تا حیات سلطان انتالیس سال تک عزت و آبرو

اور شان و شوکت سے بسر کرتے رہے۔ سلطان محمود نے سات ربیع الآخر سنہ ۴۲۱ھ چار سو اکیس بروز جمعرات اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا اس کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں سلطان محمد اور سلطان مسعود نے بھی ان افغانوں کی قدر و منزلت کو برقرار رکھا اور ہر طرح سے ان کا لحاظ رکھتے تھے"۔(10)

اس کی تصدیق فرشتہ بھی کرتا ہے کہ انند پال سے 399ھ سنہ کی جنگ میں اسکے ساتھ بہت سے افغان سپاہی تھے:

"اچانک انند پال کا ہاتھی گولہ اور بارود وغیرہ کی آوازوں سے بھڑک کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا ہندو لشکری یہ سمجھے مسلمانوں کی بہادری اور تیغ زنی سے ڈر کر انند پال میدان جنگ سے بھاگا ہے ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ کو اس عالم میں دیکھ کر ہندو لشکریوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ خود بھی راہ فرار تلاش کرنے لگے (ان بھاگنے والوں کا پیچھا کیا گیا) پانچ چھ ہزار عربی سواروں کے ساتھ عبداللہ طائی نے اور دو ہزار ترکی افغانی اور خلجی بہادروں کے ساتھ ارسلان جاذب نے دو دن اور دو رات تک ان ہندو فراریوں کا تعاقب کیا اور آٹھ ہزار دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا تیس ہاتھی اور بے شمار قیمتی مال و اسباب

حاصل کیا اور سلطان محمود کے سامنے جا کر رکھا۔(11)

اسرار الافاغنہ میں بھی غزنویوں سے افغانوں کے اچھے تعلقات کا ذکر ہے۔

''غزنہ کے سلطان محمود کے عہد میں خالد ابن ولید کے گھرانے سے آٹھ افراد اس کے پاس آئے جن کے نام قالون، عالون، داؤد، یالوا، احمد، آون، اور غازی تھے۔سلطان ان سے بہت خوش ہوا اور ہر ایک کو اپنی فوج میں سپہ سالار مقرر کیا۔اس نے ان کو وزارت اور وکیل مطلق یا نائب السلطنت، کے عہدے بھی عطا کیے۔

وہ لوگ جہاں کہیں بھی جاتے وہاں کا قبضہ حاصل کر لیتے مسجد تعمیر کرتے اور بتوں کے منادر تباہ کر دیتے۔وہ تعداد میں اتنے زیادہ بڑھ گئے کہ محمود کی فوج زیادہ تر افغانوں پر ہی مشتمل تھی۔جب ہر نند جو ہندوستان کا طاقتور حکمران تھا نے غزنہ پر حملہ کیا تو سلطان محمود نے اس کے خلاف خالد کی اولاد کو بیس ہزار سواروں کے ساتھ بھیجا۔گھمسان کا رن پڑا افغانوں نے حملہ کیا اور سخت مقابلے کے بعد جو سحر کے وقت سے دوپہر تک چلتا رہا ہر ہند کو شکست دی بہت سے کافر قتل کر دیئے اور کچھ کو مسلمان کر لیا۔

اب افغانوں نے اپنے قدم پہاڑوں میں جمانے

شروع کر دیئے اور کچھ سلطان محمود کی اجازت سے شہروں میں بھی بس گئے انہوں نے خود کو چار طبقوں میں تقسیم کرتے ہوئے ضوابط وضع کیے جن کا متفقہ ذکر یوں ہے۔

"اول خالص طبقہ ہے جو ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کے باپ اور مائیں دونوں ہی افغان تھے دوم طبقہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کے باپ افغان تھے اور مائیں دوسری قوم سے تھیں سوم طبقہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کی مائیں افغان تھیں لیکن ان کے باپ دوسری قوم کے تھے۔ چہارم طبقہ ان عورتوں کی اولادوں پر مشتمل ہے کہ جن عورتوں کی مائیں افغان تھیں لیکن ان کے باپ یا شوہر کسی دوسری قوم سے ہیں۔ جو لوگ ان چاروں میں سے کسی بھی طبقے سے تعلق نہیں رکھتے وہ افغان نہیں کہلاتے۔"(12)

سلطان محمود کی وفات کے بعد انہوں نے پہاڑوں میں پھر سے سکونت اختیار کر لی۔ بعد ازاں غزنہ کا ایک اور سلطان شہاب الدین غوری دوبار ہندوستان سے ناکام واپس لوٹا۔ اس کے وزیر نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ کیا خالد کی اولاد سے کوئی زندہ ہے انہوں نے جواب دیا۔" ان میں سے بہت سے پہاڑوں میں آزادانہ زندگی بسر کر رہے ہیں وہاں ان کے

پاس معقول فوج ہے۔" وزیر نے ان سے درخواست کی وہ پہاڑوں پر جائیں اور معاہدے کر کے افغانوں کو یہاں آمد پر راضی کریں کیونکہ وہ نبیؐ کے اصحاب کی نسل ہیں۔

غزنہ کے باشندوں نے ایک سفارت تیار کی اور تحفہ و تحائف کے ساتھ افغانوں کے ذہن تیار کیے افغانوں نے سلطان کی ملازمت میں داخل ہونے کا وعدہ کر لیا بشرطیکہ سلطان خود ان کے پاس آئے اور ان کے ساتھ معاہدہ کرے۔ سلطان ان سے ملنے ان کے پہاڑوں میں گیا ان کی عزت افزائی کی اور ان کو پارچہ جات اور دیگر تحائف دیے۔ انہوں نے سلطان کو بارہ ہزار سوار اور اس کے علاوہ پیادہ فوج کی معقول تعداد فراہم کی۔ سلطان کی فوج کے ہراول کے طور پر انہوں نے دہلی پر قبضہ لیا رائے پتھورا بادشاہ اس کے وزراء اور امراء کو قتل کیا شہر کو تباہ کیا اور کافروں کو قیدی بنالیا بعد ازاں انہوں نے تقریباً یہی کچھ قنوج میں کیا۔

سلطان ان شہروں کی فتح سے بہت خوش ہوا اور افغانوں کو اعزازات دیے۔ کہا جاتا ہے کہ تب ہی اس نے ان کو پٹان اور خان کے خطابات دیے۔ لفظ پٹھان ہندی کے فعل پہٹنا یعنی اچانک حملہ کر دینا سے نکلا ہے جو کہ دشمن پر ان کے حملوں میں ان کی پھرتی کی جانب کنایہ ہے پٹھانوں نے ہندوستان کی تاریخ

میں خود کو زبردست طریقے سے ممتاز کیا ہوا ہے اور بہت سے
گروہوں میں تقسیم ہیں''(12)

ملک سلیمان لودھی:

مخزن افغانی میں ایک دوسری جگہ واضح طور پر درج کیا گیا ہے کہ محمود غزنوی نے جن افغان سرداروں کو بلایا تھا اور جو سومنات کے حملے میں اسکے ساتھ شامل تھے ان میں ایک سردار ملک سلیمان کا تعلق لودھی قبیلے سے تھا۔

''سنہ ۳۹۱ ہجری میں جب سلطان محمود غازی نے سومنات پر لشکر کشی کی تو اس نے افغان قبیلوں کے بارہ سرداروں کو بلا کر مدد مانگی جن میں ملک سلیمان لودھی ملک خانون ملک داؤد ملک احمد ملک یحیٰ ملک محمود ملک غازی ملک عامون ملک کمال ملک بہرام اور ملک ساہو اور کچھ دوسرے سردار شامل تھے بادشاہ نے ان سب سرداروں کا بہت اعزاز و اکرام کیا انھیں طرح طرح کے انعامات سے نوازا یہ سارے سردار ایک ایک ہزار بہادر اور جری سوار اور کچھ پیادہ جوان جو شمشیر زنی اور تیر اندازی میں پوری مہارت رکھتے تھے ساتھ لے کر بادشاہ کے ساتھ ہو لیے اور تین سال تک برابر سومنات اور اس کے نواح میں کفار سے جہاد کرتے رہے ان کی مدد سے محمود نے وہاں کے راجہ رائے داشلیم کو بھی شکست فاش دی ان سارے معرکوں میں ملک

سلیمان لودھی نے بہادری و شجاعت کے جوہر دکھائے اور کارہائے نمایاں انجام دیئے غزنیں واپس آکر سلطان نے ملک سلیمان کی جاں نثاریوں کی بڑی قدر دانی کی اور اُسے خلعت خاص خنجر اور مرصع تلوار وغیرہ دے کر اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کے آبائی وطن کوہستان رخصت کیا جو غور کے نواح میں واقع ہے لودھیوں کا یہ قبیلہ ہر زمانے میں ہر ملک کے ذیشان بادشاہوں کی نظر میں بڑا معزز اور مکرم رہا ہے"۔(13)

لودھی قبیلہ چونکہ قدیم افغان قبائل میں سے ایک ہے لہذا اس کی ابتدائی افغان جنگوں میں شرکت اور ابتدائی افغان تاریخ میں اس کا کردار نا قابل فراموش ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ لودھی اس وقت افغانوں کے سرداروں میں شامل تھے۔

لودھی اور محمد غوری:

غوری دور حکومت کے حوالے سے مورخین میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ اکی فوج کا ایک تہائی حصہ افغانوں پر مشتمل تھا۔ان میں افغان امراء بھی شامل تھے اور افغان سپاہی بھی شامل تھے۔ افغان امراء میں در اصل قبائلی سرداران تھے۔ غوری دور حکومت افغانوں کیلئے بہت اہم ہے۔ مسلمانوں نے اب سنبھل بھی آگے تک اور جنوب میں اجمیر شریف تک قبضہ کرلیا۔ انکی حکومت کو استقلال حاصل ہوا۔ ہندوستان میں غوریوں کا نائب مقرر تھا جو ہر لحاظ سے خودمختیار تھا صرف کہلاتا نائیب تھا۔محمد غوری کو وفات کے بعد سے وہ باقدہ سلطان بن گیا۔

غوری دور میں افغان سپاہی اور عوام دہلی کے گردنواح میں اور علاقہ کٹھیر (جواب اوہیلکھنڈ کہلاتا ہے) میں کثرت سے آباد ہوگئے۔ یہ لوگ حکمرانوں کے لیئے قابل اعتماد تھے۔ ترک اور خلجی اشرافیہ کے رکن تھے مگر افغان عام سپاہی تھے۔ انکی تعداد زیادہ تھی۔ یہ عوام میں سے تھے۔ اور ہندوستان عوام سے ان کا تعلق زیادہ قریبی تھا۔

محمد غوری کے دور سے لودھیوں کی آبادکاری ملتان سے بھی آگے بڑھ گئی مخزن میں درج ہے کہ محمد غوری نے افغانوں کی مدد سے ہندوستان پر حملے کیے۔

"ایک سونو (۱۰۹) سال حکومت کرنے کے بعد جب غزنوی خاندان کا چراغ سلطنت فنا کی آندھی نے گل کیا اور سلطنت غوری خاندان کے ہاتھ آئی اور سلطان شہاب الدین غوری جو سلطان معزالدین محمد بن سام غوری کے نام سے مشہور ہے مسند حکومت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے ارادہ کیا کہ اپنی شاہانہ طاقت کے بل بوتے پر ہندوستان کو فتح کرے چنانچہ اسی غرض سے اس نے کئی مرتبہ غزنیں سے اٹھ کر ہندوستان پر چڑھائی بھی کی پہلی بارہ لاہور کی حدود سے واپس ہوا دوسری مرتبہ نہر والدا تک پہنچ کر ناکام پھرا تیسری مرتبہ جب وہ افغان قبیلوں کے بارہزار مسلح اور جری سوار جو فنون سپہ گری میں ماہر بہت چابک دست اور مردان کارزار تھے اپنے ہمراہ لایا تو حق سبحانہ وتعالی نے اسے فتح و نصرت عطا کی اس کی فوجوں نے راجہ پتھورا چوہان کو جو ہندوستان کا حکمران تھا قتل کر ڈالا اور بہت سا مال و اسباب عربی

نسل کے سندھی گھوڑے کوہ پیکر ہاتھی خوب صورت ہندو غلام پریوں جیسی حسین کنیزیں اور بہت بھاری مقدار میں نقدی اور غلہ غنیمت میں اسلامی لشکر کے ہاتھ آیا۔ واپس ہوتے ہوئے خود سلطان شہاب الدین نے حکم دیا کہ ان افغان قبیلوں کو کوہستان روہ کوہ سلیمان اشغنر یا کاشغر باجور کے گردونواح میں کابل سے لے کر دریائے نیلاب یعنی اٹک کے شمالی علاقے میں اور قندھار کے نواح سے لے کر ملتان کی سرحدوں تک کے علاقوں میں آباد کر دیا جائے اور ملک معزالدین غوری کو بیس ہزار کارندے دے کر اس کام پر متعین کیا کہ وہ ان قبیلوں کو کوہستان غور سے نقل مکانی کرا کے مذکورہ پہاڑی علاقوں میں آباد کرنے کے انتظامات کرے اس حکم کی تعمیل کی گئی روہ ایک خاص پہاڑی سلسلے کا نام ہے جو لمبائی میں باجور سے لے کر بھکر کے نزدیک قصبہ سیوی تک چلا گیا ہے اور چوڑائی میں حسن ابدال سے شروع ہو کر کابل و قندھار تک پھیلا ہوا ہے کوہ سلیمان اور کوہ اشغنر ان پہاڑی سلسلوں کے درمیان واقع ہیں ان پہاڑی علاقوں میں آ کر سب سے پہلا شہر جو ان لوگوں نے بنایا اور بسایا وہ اشغنر تھا۔

ملک معزالدین ان افغانوں کی آبادی کا کام مکمل کر کے سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں باریاب ہوا اور عرض کی کہ

آپ کے حکم کی بجا م وکمال تعمیل کر دی گئی ہے سلطان یہ سن کر بے حد خوش ہوا کیونکہ وہ ان علاقوں میں افغانوں کے آباد ہو جانے کو ہندوستان کی فتح کا پیش خیمہ سمجھتا تھا اور فی الحقیقت تھا بھی ایسا ہی اس کے بعد سلطان نے ان کو طرح طرح کے اعزاز واکرام سے نوازا اور ہر قبیلے کو دریائے نیلاب اور دریائے سندھ کی وادیوں میں جاگیریں بھی عطا کیں جب یہ قبیلے ان علاقوں میں پوری طرح آباد ہو گئے اور انھیں ہر طرح کا اطمینان حاصل ہو گیا تو وہ دن بدن طاقتور ہوتے گئے یہاں تک کہ باقی ہندوستانی قبیلوں پر غالب آگئے ان کا معمول تھا کہ ہر سال لاہور اور قصور کے گرد نواح میں بسنے والے کفار سے جنگ کرتے اور رفتہ رفتہ ان سارے پہاڑی علاقوں سے کفار کا صفایا کر کے اس خطے کو کفر و شرک سے پاک کر دیا تیسری مرتبہ جب سلطان شہاب الدین غوری نے دھلی کی طرف لشکر کشی کی تو اس نے ملک محمود لودھی کو جس کے قبیلے کی تعداد سب قبیلوں سے زیادہ تھی اور جسے سلطان نے سارے افغان قبیلوں میں سے چنا تھا اپنے لشکر کا سپہ سالار بنایا اور بہت سے انعام واکرام اور اختیارات دے کر بارہ ہزار سواروں کے ساتھ مقدمے کے طور پر روانہ کیا یہ مقدمہ شاہی لشکر سے دو منزلیں آگے آگے چلتا رہا۔

لاہور پہنچ کر اس لشکر نے غزنوی خاندان کے آخری سلطان خسرو

ملک کو قلعے ہی میں محصور کرلیا کئی دن تک محاصرہ جاری رہا۔اس کے بعد خسرو ملک جان بخشی کے قول وقرار پر سلطان کے قدموں میں آگرا سلطان نے اسے قیدی بنا کر اپنے بھائی کے پاس غزنیں بھیج دیا اور لاہور کے گردنواح کا بہت وسیع علاقہ فتح ہوگیا اگرچہ کفار کے ساتھ کئی بار بڑی سخت جنگیں ہوئیں اور وہ بہت جان توڑ کر لڑے حق تعالی نے اپنے فضل وکرم سے لشکر اسلام کو کفار پر فتح دی واپسی پر سلطان نے سیالکوٹ کے قلعے کی بنیاد رکھی اور علی کرماخ کو لاہور سے بلا کر وہاں کا حاکم مقرر کیا ملک محمود کے بھائیوں میں سے ایک شخص ملک شاہو کو قلعے کی تعمیر اور شہر کی آبادی کے لیے متعین کر کے خود غزنیں واپس آگیا۔دارالخلافہ واپس پہنچ کر سلطان نے ملک محمود پر انعام و اکرام کی بارش کر دی اس کے منصب میں اضافہ کر کے وسیع اختیارات اس کے سپرد کیے اور سارے سرکاری کاموں کا حل و عقد اور بسط وکشانہ اس کے حوالے کر کے اسے گویا مطلق العنان اور سیاہ وسفید کا مالک بنادیا اس روز سے لودھی خاندان کا ستارہ چمکا۔(14)

مخزن میں ہی ایک دوسری جگہ درج ہے کہ:

غوریوں کے زمانہ اقتدار میں جب غزنی کی حکومت سلطان

معزالدین محمد بن سام جو سلطان شہاب الدین غوری کے نام
سے مشہور تھا کے ہاتھ آئی تو اس نے بھی ہند کے کفار سے جہاد
اور اس ملک کو فتح کرنے کی مہم کا آغاز کیا اور لودھیوں کے ایک
دستے کو اپنی فوجوں کا پیش رو بنایا اور انھیں ہر طرح کے انعام
واکرام سے نوازا۔اس وقت سے لے کر اس افغان قبیلے کے
لیے ہندوستان آنے جانے کا راستہ کھل گیا جیسا کہ اوپر بیان کیا
جاچکا۔(15)

اسکی تصدیق اسرار الافاغنہ سے بھی ہوتی ہے۔(16)

فرشتہ بیان کرتا ہے کہ محمد غوری کے دور حکومت کے آغاز میں لاہور میں
غزنوی گورنر خسرو ملک تھا اور افغان اسکے خلاف شورش کر رہے تھے:

"۵۷۵ھ میں شہاب الدین نے پشاور کے ان مقامات کو بھی فتح
کرلیا جو تاریخ میں بکرام پرشور اور فرسور کے نام سے مشہور تھے
اس کے دوسرے سال اس نے لاہور پر لشکر کشی کی لاہور کی
حکومت اس وقت غزنوی خاندان کے آخری تاجدار خسرو ملک
کے ہاتھ میں تھی خسرو ملک کی حکومت کی بنیادیں راجہ دہلی اور
دوسرے مقامات ہند کے راجاؤں کی دشمنی نیز افغانوں کی
یورشوں کے سبب سے بہت کمزور ہو چکی تھی۔لہذا خسرو شہاب
الدین کے مقابلے پر تیار نہ ہوا اور مجبوراً قلعہ بند ہو کر بیٹھ

رہا"۔(17)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغان قبیلے غوری حکمرانوں سے ہاتھ ملا رہے تھے اور انکی فوج میں شامل ہونے لگے تھے۔ جب نرائن کی پہلی جنگ ہوئی تب بھی بہت سے افغان قبیلے محمد غوری کی فوج میں شامل تھے۔

"شہاب الدین کے ایک امیر نے اسکو بتایا ہماری فوج کے میمنہ اور میسرہ کے دونوں امیر جو کہ غوری خاندان کے پروردہ و پرداختہ تھے۔ خوفزدہ اور بدحواس ہو کر میدان جنگ سے فرار کا راستہ اختیار کر چکے ہیں مقدمہ الجیش کے افغانی اور خلجی سردار بھی جو ہمیشہ بڑھ بڑھ کر باتیں کیا کرتے تھے اس وقت میدان جنگ سے غائب ہیں"۔(18)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ افغان اتنے شجاع اور طاقتور تھے کہ وہ محمد غوری کی Front Line میں ہوا کرتے تھے۔ ان افغانوں نے جم کر دشمن کا مقابلہ کیا اور جب غوری کو شکست ہوئی اور وہ انکی فوج بھاگی تو یہ افغان بھی بھاگنے پر مجبور ہو گئے یہی وہ وجہ ہے کہ محمد غوری نے اپنے امراء کو سزائیں دیں مگر بھاگنے والے افغان سرداروں کو کچھ نہ کہا کیونکہ انکی اسمیں کوئی غلطی نہ تھی۔

"غورستان واپس پہنچ کر شہاب الدین نے میدان جنگ سے بھاگنے والے افغانی امیروں سے تو کچھ نہ کہا لیکن خلجی اور غوری امیروں کو سخت سزا دی۔ اس نے توبروں میں کچے جو بھروا کر ان

امیروں کی گردن میں لٹکا دیئے اور اسی عالم میں ان کو سارے شہر
میں پھیرایا۔شہاب الدین نے یہ حکم دیا کہ جو امیر اپنے توبرے
کے کچے جو نہ کھائے اس قتل کر دیا جائے۔امیروں نے اپنی
جانوں کی سلامتی کو غنیمت سمجھا اور توبروں کے کچے جو کھا لیے اور
اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کیا''۔(19)

اسکی وجہ غالباً یہ تھی کہ خلجی اور غوری امراء نے محمد غوری کو میدان میں اکیلا چھوڑ دیا تھا جبکہ افغانوں نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔اور اگر افغان میدان جنگ سے بھاگے بھی تھے تو حالات کی مجبوری کی وجہ سے بھاگے اور حالات خراب کرنے والے خلجی اور غوری امراء تھے افغان نہ تھے یہی وجہ ہے کہ جب ترائن کی دوسری لڑائی کے موقع پر ایک بوڑھے امیر نے محمد غوری سے سوال کیا تو جواب میں محمد غوری نے صرف خلجی اور غوری امیروں کو شکست کا الزام دیا جبکہ افغانوں پر کوئی الزام عائد نہ کیا:

''جب یہ عظیم الشان لشکر پشاور کے قریب پہنچا تو ایک بوڑھے
امیر نے جسے بادشاہ کی خدمت میں اثر و رسوخ حاصل تھا یہ
درخواست کی کہ''جب تک آپ کے جاں نثاروں کو یہ علم نہیں ہو
سکا کہ جہاں پناہ کا ارادہ کیا ہے اور کس دشمن کی تباہی و بربادی
کے لیے اتنا عظیم الشان لشکر ساتھ لے کر سفر کی زحمت گوارا فرمائی
ہے۔''شہاب الدین نے جواب دیا۔''کیا تجھے معلوم نہیں ہے
کہ جس دن سے میں نے ہندوؤں سے شکست کھائی ہے اس

دن میں نے اپنی بیوی کا منہ نہیں دیکھا اور نہ ہی لباس تبدیل کیا ہے یہ سارا سال میں نے انتہائی رنج وغم میں بسر کیا ہے جن خلجی اور غوری امیروں نے میرے حقوق خدمت کو نظر انداز کر کے مجھے تنہا میدان جنگ میں چھوڑ دیا تھا میں نے ان سے سلام دعا تک کو روا نہیں رکھا ان نمک حرام امیروں سے مجھے کوئی امید نہیں ہے لیکن خداوند تعالی کے بھروسے پر میں اس لشکر کو لے کر ہندوستان پر حملہ کرنے جا رہا ہوں۔" بوڑھے امیر نے بادشاہ کی بات سن کر بڑے ادب سے کہا۔"

خداوند تعالی آپ کو کامیاب وکامران اور دشمنوں کو ناکام ونامراد کرے مجھے امید ہے امیر اپنی پچھلی غفلت کی تلافی اس بار خوب اچھی طرح کریں گے اور لشکر کے سردار اپنے دامنوں سے بزدلی کے دھبے کو اپنے خون سے دھو کر ہمیشہ کے لیے اپنا نیک نام دنیا میں یادگار چھوڑ جائیں گے۔ اس قدیم نمک خوار کی یہ درخواست ہے کہ آپ اپنے امیروں کا قصور معاف کریں اور انہیں شرف باریابی عطا کریں۔" آپ کا یہ سلوک امیروں کو خود بخود راہ راست پر لے آئے گا اور وہ دل وجان سے اس امر کی کوشش کریں گے کہ گذشتہ بدنامی کو نیک نامی سے بدل کر اپنے آقا کا حق ادا کریں۔" شہاب الدین کو بوڑھے امیر کی یہ بات بہت پسند آئی اور اس نے اسی وقت دربار عام منعقد کیا معتوب

امیروں کو گراں قیمت خلعت اور مرصع خنجر عنایت کیے اور ان کی گذشتہ غفلت کو معاف کر کے آئندہ احتیاط سے کام لینے کی تلقین کی۔(20)

مخزن میں ہے کہ محمد غوری کے ہندوستان پر پہلے دو حملے ناکام رہے اور تیسرا حملہ جو ترائن کی دوسری لڑائی کہلاتی ہے کامیاب رہا:

"ایک سو نو (۱۰۹) سال حکومت کرنے کے بعد جب غزنوی خاندان کا چراغ سلطنت فنا کی آندھی نے گل کیا اور سلطنت غوری خاندان کے ہاتھ آئی اور سلطان شہاب الدین غوری جو سلطان معزالدین محمد بن سام غوری کے نام سے مشہور ہے مسند حکومت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے ارادہ کیا کہ اپنی شاہانہ طاقت کے بل بوتے پر ہندوستان کو فتح کرے۔ چنانچہ اسی غرض سے اس نے کئی مرتبہ غزنیں سے اٹھ کر ہندوستان پر چڑھائی بھی کی۔ پہلی بار لاہور کی حدود سے واپس ہوا دوسری مرتبہ نہر والہ تک پہنچ کر ناکام پھرا۔ تیسری مرتبہ جب وہ افغان قبیلوں کے بارہ ہزار مسلح اور جری سوار جو فنون سپہ گری میں ماہر بہت چابک دست اور مردان کارزار تھے اپنے ہمراہ لایا تو حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسے فتح ونصرت عطا کی اس کی فوجوں نے راجہ پتھورا چوہان کو جو ہندوستان کا حکمران تھا قتل کر ڈالا اور بہت سا مال و

اسباب عربی نسل کے سندھی گھوڑے کوہ پیکر ہاتھی خوب صورت ہندو غلام پریوں جیسی حسین کنیزیں اور بہت بھاری مقدار میں نقدی اور غلہ غنیمت میں اسلامی لشکر کے ہاتھ آیا۔

ملک معزالدین ان افغانوں کی آبادی کا کام مکمل کر کے سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں باریاب ہوا اور عرض کی کہ آپ کے حکم کی اہتمام وکمال تعمیل کر دی گئی ہے۔ سلطان یہ سن کر بے حد خوش ہوا کیونکہ وہ ان علاقوں میں افغانوں کے آباد ہو جانے کو ہندوستان کی فتح کا پیش خیمہ سمجھتا تھا اور فی الحقیقت تھا بھی ایسا ہی۔ اس کے بعد سلطان نے ان کو طرح طرح کے اعزاز واکرام سے نوازا اور ہر قبیلے کو دریائے نیلاب اور دریائے سندھ کی وادیوں میں جاگیریں بھی عطا کیں۔ جب یہ قبیلے ان علاقوں میں پوری طرح آباد ہو گئے اور انھیں ہر طرح کا اطمینان حاصل ہو گیا تو وہ دن بدن طاقتور ہوتے گئے یہاں تک کہ باقی ہندوستانی قبیلوں پر غالب آ گئے ان کا معمول تھا کہ ہر سال لاہور اور قصور کے گرد ونواح میں بسنے والے کفار سے جنگ کرتے اور رفتہ رفتہ ان سارے پہاڑی علاقوں سے کفار کا صفایا کر کے اس خطے کو کفر وشرک سے پاک کر دیا۔ تیسری مرتبہ جب سلطان شہاب الدین غوری نے دہلی کی طرف لشکر کشی کی تو اس نے ملک محمود لودھی کو جس کے قبیلے کی تعداد سب قبیلوں سے زیادہ تھی اور

جسے سلطان نے سارے افغان قبیلوں میں سے چنا تھا اپنے لشکر کا سپہ سالار بنایا اور بہت سے انعام واکرام اور اختیارات دے کر بارہ ہزار سواروں کے ساتھ مقدمے کے طور پر روانہ کیا یہ مقدمہ شاہی لشکر سے دو منزلیں آگے آگے چلتا رہا۔ لاہور پہنچ کر اس لشکر نے غزنوی خاندان کے آخری سلطان خسرو ملک کو قلعے ہی میں محصور کر لیا۔ کئی دن تک محاصرہ جاری رہا۔ اس کے بعد خسرو ملک جاں بخشی کے قول وقرار پر سلطان کے قدموں میں آ گرا۔ سلطان نے اسے قیدی بنا کر اپنے بھائی کے پاس غزنیں بھیج دیا اور لاہور کے گرد ونواح کا بہت وسیع علاقہ فتح ہو گیا اگرچہ کفار کے ساتھ کئی بار بڑی سخت جنگیں ہوئیں اور وہ بہت جان توڑ کر لڑے حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے لشکر اسلام کو کفار پر فتح دی۔ واپسی پر سلطان نے سیالکوٹ کے قلعے کی بنیاد رکھی اور علی کرماخ کو لاہور سے بلا کر وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ ملک محمود کے بھائیوں میں سے ایک شخص ملک شاہو کو قلعے کی تعمیر اور شہر کی آبادی کے لیے متعین کر کے خود غزنیں واپس آ گیا۔ دارالخلافہ واپس پہنچ کر سلطان نے ملک محمود پر انعام واکرام کی بارش کر دی اس کے منصب میں اضافہ کر کے وسیع اختیارات اس کے سپرد کیے اور سارے سرکاری کاموں کا حل و عقد اور بسط وکشاد اس کے حوالے کر کے اسے گویا مطلق العنان

اور سیاہ وسفید کا مالک بنادیا اس روز سے لودھی خاندان کا ستارہ چمکا۔"

مخزن کے بیان کی تصدیق فرشتہ بھی کرتا ہے کہ ترائن کی دوسری لڑائی کے وقت محمد غزنوی کی فوج میں کثرت سے افغان شامل تھے۔

"شہاب الدین غور پہنچنے کے بعد غزنی روانہ ہوا وہاں اس نے اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے ایک زبردست فوج تیار کرنی شروع کی مشغولیت میں اس نے دن کا چین اور رات کا آرام اپنے اوپر حرام کرلیا شکست کے دوسرے ہی سال وہ ایک لاکھ سات ہزار (۱۰۷۰۰۰) ترکی خلجی اور افغانی سرداروں اور سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا چونکہ اپنے سرداروں سے شہاب الدین کا دل صاف نہ تھا اس لیے اس بار اس نے حملے کے بارے میں کسی سے کوئی مشورہ نہ کیا شہاب الدین کی اس فوج کا یہ عالم تھا کہ بہت سے فوجی سردار اپنی مرصع ٹوپیوں اور جنگی سامان کی وجہ سے شکل وصورت سے بادشاہ نظر آتے تھے"۔(22)

ملک محمود لودھی

مخزن کا بیان ہے کہ محمد غوری نے ملک محمود لودھی کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنایا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے البتہ اس کی تصدیق کہیں اور سے نہیں ہوتی۔ مگر یہ

بات بھی قابل ذکر ہے کہ محمد غوری کے اور کسی خاص سپہ سالار کا نام بھی کہیں اور نہیں ملتا۔ لگتا ہے کہ ملک محمود لودھی افغانوں کے دستوں کا سردار تھا اور مخزن افغانی کے اس بیان میں مجھے کچھ مبالغہ آرائی نظر آتی ہے کیونکہ تاریخ کی دیگر کتب میں کسی جگہ سے اتنے بڑے عہدے پر کسی افغان سردار کی ترقی کی تصدیق نہیں ہوتی۔ افغان سرداروں کو مراعات دی گئی تھیں مگر انہیں بہت اونچے عہدے نہیں دیئے گئے تھے۔

لودھیوں اور افغانوں کی آبادکاری:

مخزن کا بیان ہے کہ اس کے بعد محمد غوری نے افغانوں کو سلسلہ کوہ سلیمان کے پہاڑ میں آباد کیا اور حسب ضرورت ان سے مدد لیتا تھا۔

> ''واپس ہوتے ہوئے خود سلطان شہاب الدین نے حکم دیا کہ ان افغان قبیلوں کو کوہستان روہ کوہ سلیمان اشغر یا کاشغر باجور کے گردونواح میں کابل سے لے کر دریائے نیلاب یعنی اٹک کے شمالی علاقے میں اور قندھار کے نواح سے لے کر ملتان کی سرحدوں تک کے علاقوں میں آباد کر دیا جائے اور ملک معزالدین غوری کو بیس ہزار کارندے دے کر اس کام پر متعین کیا کہ وہ ان قبیلوں کو کوہستان غور سے نقل مکانی کرا کے مذکورہ پہاڑی علاقوں میں آباد کرنے کے انتظامات کرے۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی روہ ایک خاص پہاڑی سلسلے کا نام ہے جو لمبائی میں

باجور سے لے کر بھکر کے نزدیک قصبہ سیوی تک چلا گیا ہے اور چوڑائی میں حسن ابدال سے شروع ہو کر کابل و قندہار تک پھیلا ہوا ہے۔ کوہ سلیمان اور کوہ اشنغر ان پہاڑی سلسلوں کے درمیان واقع ہیں ان پہاڑی علاقوں میں آ کر سب سے پہلا شہر جو ان لوگوں نے بنایا اور بسایا وہ اشنغر تھا۔"

مگر فرشتہ کہتا ہے کہ افغان محمود غزنوی کی حکومت سے بھی بہت پہلے اس پہاڑی سلسلے میں آباد ہو گئے تھے۔

"مختصر یہ کہ مسلمان افغان کھیتی باڑی اور معاش کی طرف متوجہ ہوئے اور بے شمار گھوڑوں گائے اور بکریوں وغیرہ کے مالک بن گئے ان افغانوں نے ان مسلمانوں کے ساتھ جو محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان آئے تھے بڑے دوستانہ مراسم پیدا کیے۔ جب ان کی نسل کثرت سے پھیلی تو ۱۴۳ء میں کوہستان کے علاقے سے نکل کر ہندوستان کے مختلف شہروں کرماج پشاور اور شنوران وغیرہ پر قابض ہو گئے۔ راجہ اجمیر کے ایک رشتہ دار نے جو لاہور کا راجہ تھا ان افغانوں کے فتنے کو دبانے کا ارادہ کیا اور اپنے ایک امیر کو مع ہزار سواروں کے ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا افغان اس لشکر کے مقابلے پر نکلے اور انہوں نے بیشتر ہندو سواروں کو قتل کر کے اس لشکر کو شکست دی۔ اس واقعہ کے بعد لاہور کے راجہ نے اپنے بھتیجے کو دو ہزار سواروں اور پانچ ہزار پیادہ سپاہیوں

کے ساتھ افغانوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا اس بار خلج غور اور کابل کے مسلمانوں نے افغانوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھا اور چار ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر تیار کر کے ان کی مدد کے لیے بھیجا افغانوں کو اس مدد کے ملنے سے بڑی تقویت پہنچی۔ انہوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اہل ہند سے پانچ مہینے میں ستر لڑائیاں لڑیں اور اکثر لڑائیوں میں فتح حاصل کی لڑائی کے دوران میں ہی سردی کا موسم شروع ہو گیا جاڑے نے اہل ہند کو بالکل مجبور اور عاجز کر دیا لہٰذا وہ لڑائی بند کر کے واپس اپنے وطن چلے گئے لیکن جب جاڑوں کا زمانہ ختم ہو گیا تو لاہور کے راجہ نے پھر ایک نئے لشکر کے ساتھ حملہ کیا اس دفعہ بھی کابل اور خلج کے باشندوں نے افغانوں کی مدد کی اور کرماج اور پشاور کے درمیان دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اس جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ کبھی تو اہل ہند افغانوں پر غالب آ کر انہیں پہاڑوں تک بھگا دیتے اور کبھی افغان تیروں کی بوچھاڑ سے اہل ہند کو پسپا کرتے اور انہیں ان کے خیموں اور قیام گاہوں سے باہر نکال دیتے۔

جب برسات کا زمانہ آیا تو دریائے نیلاب کا سیلاب دیکھ کر اہل ہند لڑائی کے نتیجے کا خیال کیے بغیر اپنے ملک کی طرف لوٹ گئے اور اسی طرح کابل اور خلج کے مسلمانوں نے بھی اپنے وطنوں کو مراجعت کی کابل اور خلج کے باشندوں سے جب کبھی ان کا کوئی

ہم وطن یہ پوچھتا کہ کوہستان کے مسلمانوں پر کیا گزری تو وہ جواب دیتے کہ ان کے ملک کو کوہستان نہ کہو افغانستان کہو کیونکہ اب وہاں افغان دغوغہ یعنی شور اور فریاد کے سوا کچھ اور سنائی نہیں دیتا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی بناء پر کوہستان کے مسلمانوں کو افغان اور ان کے وطن کو افغانستان کہا جانے لگا لیکن اہل ہند ان کوہستانی مسلمانوں کو پٹھان کہتے ہیں اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہو سکی لیکن خیال یہ ہے کہ اسلامی بادشاہوں کے عہد میں جب پہلی بار یہ قوم ہندوستان میں آئی تو پٹنے میں آباد ہوئی۔اس لیے اہل ہند ان کو پٹھان کہنے لگے۔واللہ اعلم بالصواب۔

اس دوران میں ہندو کھکروں اور لاہور کے راجہ کے درمیان بجائے دوستی کے رنجش پیدا ہوگئی اس وجہ سے کھکر قوم نے قوم افغان سے دوستی اور میل ملاپ پیدا کر لیا۔اس پر راجہ لاہور نے بھی افغانوں سے لڑائی بند کر دی اور ان سے صلح کر کے ملتان کے چند گاؤں ان کو دیئے۔خلجیوں کو جو افغانوں کی مدد سے اسی جنگل میں آباد تھے اس شرط پر افغانوں کی سی مراعات دیں کہ وہ افغانوں کیساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابلے میں سرحد کی حفاظت کریں افغانوں نے پشاور کے کوہستان میں ایک حصار کھینچا اور اس کا نام خیبر رکھا اور روہ کے ملک پر ایسے قابض ہوئے کہ آل سامان کے عہد حکومت میں سامانی لشکر کو بھی انہوں نے لاہور

تک نہ پہنچنے دیا۔ اسی بنا پر سامانی لشکر کی لوٹ مار اخر تک ہمیشہ سندھ اور بھاطنہ کی طرف رہی ہے روہ سے وہ مخوص کوہستانی سلسلہ مراد ہے جو لمبائی میں بجور، بجور سے چترال اور دریائے کابل کا درمیانی علاقہ مراد ہے، سے سیوی، سیوی سے مراد ریاست قلات کا علاقہ ہے، تک جو بکر کا علاقہ ہے اور چوڑائی میں حسن ابدال اور کابل تک پھیلا ہوا ہے جب غزنی کی حکومت الپتگین کے ہاتھ آئی تو اس نے کئی بار لغمان افغانستان کے مشرقی اضلاع جو پشاور کے قریب تک پاکستان کی حدود میں پھیلے ہوئے تھے ان کا نام لمغان تھا اور ملتان میں لوٹ مچائی اور بہت سے لونڈی اور غلام قید کر کے لے گیا۔

اگر ہم غور سے جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ محمد غوری سے کوہستانی سلسلے میں افغانوں کی آبادکاری منسوب کرنا محض افسانے ہیں۔ 645ء میں جب چینی سیاح یہاں سے گزرا تب بھی افغان یہاں آباد تھے۔

''یہ ملک پہاڑوں اور جنگلوں سے بھرا پڑا ہے اور یہاں پر باقاعدہ فصل ہوتی ہے لیکن موسم سخت ٹھنڈا ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگ بہت سخت جفاکش لیکن کم فہم ہیں ان کی زبان اندرون ہند کی زبان سے بہت کم مماثلت رکھتی ہے ان کا مذہب دقیانوسی اور بدعتی ہے اور انکو علم حاصل کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں اسی سیاح نے خالان کے جنوب میں ایک اور علاقے کا ذکر کیا ہے

اسکو وہ اپوکان کا نام دیتا ہے۔

"قدیم افغان بزرگان کی جو روایات مخزن میں ہی درج ہیں ان سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے کہ افغان عہدی نبوی سے قبل ہی یہاں پر آباد تھے فطری طور پر بھی یہ ناممکن ہے کہ میدانوں میں آباد ایک بڑی قوم وقبائل کو سنگلاخ پہاڑوں میں سے لے جا کر آباد کیا جائے بلکہ پہاڑوں کے لوگ میدانوں میں جا کر آباد ہوتے ہیں کیونکہ وہاں انہیں سہولیات او تعیشات دستیاب ہوتی ہیں افغان جو بنی اسرائیل ہیں وہ محمد غوری سے تقریباً 1000 سال قبل ان علاقوں میں آباد تھے البتہ یہ بات یقینی ہے کہ محمد غوری نے ان علاقوں میں اپنے مضبوط تھانے بنائے جیسے کہ اس نے سیالکوٹ میں بھی قلعچہ بنوایا اور ملک شاہو لودھی کو دیا جس نے وہاں اپنی فوج رکھی اسطرح سے افغانوں کو تخت سلیمان کے علاقوں سے نکل کر بنوں اور کوہاٹ وپشاور کی جانب پھیلنے اور آباد ہونے کی ترغیب دی گئی جہاں سے تجارتی قافلے گزرتے تھے تجارتی منڈیاں تھیں اور اس اسکیم سے افغانوں کو فائدہ ہوا اور انکے معاشی حالات بہتر ہوئے۔ علاوہ ازیں محمد غوری اپنے جن امراء اور فوجیوں کو ہندوستان چھوڑ گیا انکے ساتھ بھی کثرت سے افغان تھے جو سپاہیوں کے اندر کثرت سے تھے انہی افغانوں نے پھر سلاطین دہلی کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے ان افغانوں میں سر کردہ لوگ لودھی قبیلے کے ہی تھے جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے۔

حواشی

1 مخزن ص121

2 فرشتہ ا ص47

3 ایضاً

4 ایضاً ص48

5 ایضاً ص53-54

6 ایضاً ص48

7 ایضاً ص63-64

8 پٹہ خزانہ (حبیبی) ص 68 تا 74 :پشتون تاریخ کے آئینے میں ص 343-345

9 فرشتہ ا ص68

10 مخزن ص121-122

11 فرشتہ ا ص66

12 اسرار الافغنہ ص16-18

13 مخزن ص326

14 مخزن ص122-3

15 ایضاً ص327

16 ؟

17 فرشتہ 144I

18 ایضاً ص145

19 ایضاً

20 ایضاً ص146

21 مخزن ص124-122

22 فرشتہ ا ص146

23 مخزن ص124-123

24 فرشتہ ا ص47

25 سفرنامہ یوان شوانگ ص265-262

26 مخزن ص125

باب نمبر 4

ابتدائی سلاطین ہند اور افغان

ہندوستان میں قطب الدین ایبک نے آزاد اور خود مختار حکومت قائم کی۔
جب محمد غوری کے جانشینوں نے ہندوستان پر اپنا حق جمانا چاہا تو ایبک نے ان کا مقابلہ
کیا اور انکی روک تھام کی۔ اس کے بعد اس کے جانشینوں نے غیر ملکی محلہ آوروں کی
روکا خصوصا مغلوں کے حملے پسپا کیے۔ تاریخ ہند میں یہ ایک بہت بڑی تبدیلی ہے۔
اب باہر سے حملہ آور آنا بند ہو گئے۔ مسلمان جو کبھی خود بیرونی حملہ آور بن کر آئے تھے
اب وہ ہندوستان بن گئے اور غیر ملکی حملہ آوروں سے ہندوستان کا دفاع کرنے
لگے۔ بقول علامہ اقبال

کعبہ کو پاسبان مل گئے صنم خانے سے

افغانوں میں بھی تبدیلی آئی۔ اب وہ حملہ آوروں کے ساتھ کبھی نہیں آئے۔
اب وہ تجارت کیلئے ہندوستان آتے تھے یا پھر تلاش معاش میں فوج میں سپاہی بھرتی
ہو جاتے تھے۔ جو جنگجو قبیلے تھے وہ آتے ہی سپاہ گری کی نیت سے تھے۔ وہ بادشاہ،
امراء گورنروں اور نوابوں کی فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ لودھی پٹھان بھی اسی طرح
کرتے تھے۔ وہ فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔

سلاطین ہند کا آغاز لودھیوں کیلئے ایک نئی صبح کا آغاز تھا۔ چونکہ وہ سرحدی
قبیلے سے تعلق رکھتے تھے لہذا دیگر اقوام کی نسبت وہ زیادہ جلدی اور زیادہ تعداد میں
ہندوستان آنے لگے اور جلد ہی ان کی عددی قوت نے ان کی امراء کے درجے تک پہنچا

دیا۔

قطب الدین ایبک:

سلطان قطب الدین ایبک کو بھی افغانوں کی طاقت کا اندازہ تھا لہذا اس نے محمد غوری سے بڑھ کر افغانوں پر نوازشیں کیں اور افغانوں کے لیے ہندوستان آنے کی راہیں کھل گئیں۔

مخزن میں درج ہے کہ:

> "جب سلطان شہاب الدین نے داعی اجل کو لبیک کہا تو سلطان قطب الدین ایبک جو اس کے چالیس نہایت معتمد غلاموں میں سے ایک تھا دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور جو نوازشیں اور مہربانیاں سلطان شہاب الدین ان افغانوں کے حق میں کرتا تھا۔ قطب الدین ایبک نے اس سے بھی کئی گنا زیادہ ان کے حق میں بھلائیاں کیں یہاں تک کہ اس کے زمانے میں اس قبیلے کے متعدد آدمی مختلف علاقوں اور صوبوں کے حاکم بھی بنائے گئے اس کے بعد سے اب تک کہ تقریباً چھ سو سال گذر رہے ہیں اس قوم کے لوگ ہندوستان آتے جاتے ہیں اور سلاطین دہلی کے دربار میں اعلیٰ مقامات پر بھی فائز ہوتے رہے ہیں۔"

مگر اس بیان میں کچھ مبالغہ آرائی ہے یہ درست ہے کہ افغان اس کی فوج کا

بڑا حصہ تھے مگر اشرافیہ مکمل طور پر ترک تھی اسی لیے تمام بڑے عہدے اہم امراء اور مختلف علاقوں کے گورنروں میں ہمیں کسی افغان کا نام نہیں ملتا لگتا ہے کہ افغانوں کو صرف جاگیریں دی گئیں یا پھر نچلے درجے کے عہدوں پر دکھا گیا چونکہ لودھی اکثریت کے حامل تھے لہٰذا ان نوازشوں میں انکو زیادہ فائدہ رہا۔ مراۃ الافاغنہ میں لکھا ہے کہ سلطان قطب الدین ایبک نے ملک بی متی کو خان عالم کا خطاب دیا اور اسے منصب وزارت عطاء کیا۔ جبکہ ملک قادر داد متی کو خان خاناں کا خطاب دیا اور اسے لشکر کا سپہ سالار بنایا۔ (2) لیکن اسباب کی کسی اور ماخذ سے تصدیق نہیں ہوتی کہ اتنے اہم اور اعلیٰ عہدوں پر افغان فائز رہے ہوں۔ سلطان التمش کے دور میں افغانوں کی اہمیت اسوقت بڑھ گئی جب سلطان نے ترک امراء کی بغاوت دبانے کی غرض سے افغانوں کی مدد حاصل کی (3) البتہ اس کے دور کے کسی اہم افغان امیر یا سردار کا نام نہیں ملتا۔

بلبن:

سلطان بلبن کے عہد حکومت میں افغان سرداروں کو اور اہمیت مل گئی اسکی فوج میں تقریباً 3000 افغان سپاہی تھے انہوں نے کوہ پایہ کی جنگ میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ کئی قلعوں پر افغانوں کو تعینات کیا گیا دہلی کے گرد تھانے بنائے گئے جہاں پر افغان سپاہی تعینات کیے گئے پھر جلالی پٹیالی کمپیلہ اور بھوج پور کے ہر گنے بھی انکے سپرد کیے گئے۔

تاریخ فیروز شاہی میں درج ہے کہ میواتی دہلی شہر کے اندر گھس آتے تھے اور انکی ہمت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ شاہی کنیزوں کو برہنہ کر کے انکے کپڑے لے جاتے تھے

انکے انسداد کے لیے سلطان بلبن نے افغانوں کو تھانوں پر مقرر کیا:

''اکثر میواتی نماز عصر کے وقت حوض پر آجاتے اور سقوں اور پانی بھرنے والی کنیزوں کو پریشان کرتے ان کو برہنہ کردیتے اور ان کے کپڑے لے جاتے حوالی شہر میں میواتیوں کے فساد کی وجہ سے لوگ نالہ وفریاد کرتے تھے۔ بہر حال اپنے سن جلوس میں بلبن نے میواتیوں کے ختم کرنے کو دوسری سب مہموں پر مقدم رکھا چنانچہ ایک سال تک میواتیوں کے استیصال اور جنگلوں کو کٹوانے میں مصروف رہا تمام جنگلوں کو صاف کرا دیا اور بہت سے میواتیوں کو تہ تیغ کیا۔ گوپال گیر میں اس نے ایک قلعہ تعمیر کرایا اور شہر کے چاروں طرف متعدد مقامات پر تھانے قائم کیے اور افغانوں کے سپرد کر دیے۔ تھانوں کی زمینیں علیحدہ کر دی گئیں اس جنگ میں سلطان بلبن کا خاص غلام ملک یک لکھی میواتیوں کے ہاتھ سے شہید ہوا بہر حال تلوار کے ذریعے سلطان بلبن نے بہت سے بندگان خدا کو میواتیوں کی مزاحمت اور ان کے غلبے سے چھٹکارا دلایا اور اسی دن سے شہر کی مخلوق نے میواتیوں کے فتنے سے نجات پائی۔'' (4)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغان قابل اعتماد لڑاکا اور شریف لوگ تھے جو لوگوں کی عزت نفس کا احترام کرنا جانتے تھے لہذا یہ ذمہ داری انکے سپرد کی گئی۔ اسی طرح سے دوآبہ اور کیتھر کے علاقوں میں افغانوں کو آباد کیا گیا۔

"کنبیل پٹیالی اور بھوج پور میں جن کو ہندوستان کے راستے پر رہزنوں نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا تھا قلعے ۵۸ اور بلند اور وسیع مساجد بنوائیں اور یہ تینوں قلعے افغان سرداروں کے سپرد کیے اور ان سے متعلق اراضی کو علیحدہ کر دیا ان قصبوں کو افغانوں اور دوسرے مسلمانوں نے جن کو یہ زمینیں دی گئی تھیں ایسا مضبوط کر دیا کہ رہزنوں کی رہزنی اور لٹیروں کا فتنہ ہندوستان کے راستے سے ختم ہو گیا اور آج تک کہ قلعوں کی تعمیر اور تھانوں کے قیام کو تقریباً تین قرن گزر گئے ہیں ہندوستان کا راستہ جاری یعنی پر امن ہے اور رہزنی قطعی طور پر ختم ہو گئی ہے اور اسی طرف جلالی کا قلعہ بنوایا اور افغانوں کے سپرد کیا اسی طرح راہزنوں کے ٹھکانوں پر تھانے بنوا دیے اور جلالی کی زمین بھی علیحدہ (مفروز) کر دی چنانچہ وہ جلالی جو ڈاکوؤں کا مسکن تھا اور جہاں ہندوستان جانے والے مسافروں کو لوٹ لیا جاتا تھا مسلمانوں اور راستے کے محافظوں کا وطن بن گیا اور آج تک قائم ہے۔

افغانوں کی کھیڑ (موجودہ روہیکھنڈ) میں آباد کاری اسی وقت سے شروع ہو گئی اور جلالی، کنپل، پٹیالی اور بھوج پورا افغانوں کے مضبوط گڑھ بن گئے جلالی میں لودھیوں کی بڑی تعداد تھی۔ چنانچہ صدیوں بعد سلطان بہلول لودھی فوت ہوا تو اسوقت وہ جلالی میں ہی قیام پذیر تھا۔

خلجی:

خلجی برسر اقتدار آئے تو افغانوں نے سلطان جلال الدین خلجی کا ساتھ دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا پشتہ مضبوط نظر آرہا تھا۔ خلجی عہد حکومت میں مغلوں کے حملے مغربی سرحد پر بڑھ گئے تھے لہذا ان سے ہندوستان کے دفاع کے لیے افغانوں کی اہمیت میں اضافہ ہوگیا تھا علاوہ ازیں ترک لوگ تہذیب کے زیر اثر اپنی حربی صلاحیتوں سے محروم ہورہے تھے جبکہ افغان جو تعیشات سے دور تھے وہ آج بھی جنگی صلاحیتوں کے مالک تھے لہذا مقامی بغاوتوں کے انسداد نئی فتوحات اور مغلوں سے دفاع کے لیے انکی اہمیت میں اضافہ ہورہا تھا خلجیوں کے دور میں پہلی بار افغانوں کو باقاعدہ امراء میں شامل کیا گیا ان میں ملک اختیار الدین مل افغان اور ملک تخ افغان قابل ذکر ہیں۔

تغلق:

عہد تغلق میں بھی افغانوں کو امرائی میں حصہ مل گیا تھا سلطان غیاث الدین تغلق کے دور میں ملک اختیار الدین مل یا ملک اختیار الدین بل افغان اہم عہدے پر فائز تھا اس کے بیٹے محمد بن تغلق کے دور میں بھی وہ اسی دور پر رہا۔

سلطان غیاث الدین تغلق نے ملک اختیار الدین افغان کے بھائی ملک تخ افغان کو وارنگل فتح کرنے روانہ کیا تھا۔ (7) البتہ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ ملک تخ فتنہ پردازوں میں شامل ہوگیا تھا اور بعدازاں اسے قید کرکے دیوگیر بھیج دیا گیا تھا۔

''سلطان محمد دیوگیر پہنچ گیا اور وہیں سارا لشکر بھی جمع ہو گیا ملک تمر نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ جھائن کا راستہ لیا اور ہندوانہ پہنچ گیا اور وہیں وہ مر گیا۔ ملک تکین امیر اودھ کو ہندوؤں نے قتل کر دیا اور اس کی کھال سلطان محمد کے پاس دیوگیر بھجوا دی۔ ملک مل افغان عبید شاعر اور دوسرے فتنہ پروروں کو انھوں نے دیوگیر بھجوا دیا سلطان محمد نے سب کو زندہ اپنے باپ کے پاس بھیج دیا ان باغیوں کے بیوی بچوں کو پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ سلطان غیاث الدین نے سیری کی سیر گاہ میں ایک دربار عام منعقد کیا اور عبید شاعر کافور مہردار اور دوسرے فتنہ پروروں کو سولی پر چڑھوا دیا اور چند کو مع ان کے بیوی بچوں کے ہاتھیوں کے پیروں کے نیچے کچلوا دیا اس روز سیری کی سیر گاہ میں ایسی سزائیں دی گئی کہ ایک عرصے تک لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت باقی رہی۔ سلطان تغلق شاہ نے لوگوں کے بیوی بچوں کو ہاتھیوں کے پیروں سے کچلوا کر جو سزائے موت دی اس سے سارا شہر لرز گیا۔(8)

''غیاث الدین تغلق کے دور میں افغان اتنے طاقتور تھے کہ ایک شہر انکے نام سے آباد تھا(9) یہی وہ شہر ہے جہاں غیاث الدین تغلق فوت ہوا۔ لیکن بعد ازاں ملک فتح افغان کو معافی مل گئی اور جب سلطان محمد (شہزادہ الغ خان) بن تغلق بادشاہ بنا تو وہ بھی سلطان کے اہم امراء میں شامل ہو گیا۔ سلطان محمد بن تغلق کے دور کے افغان

امراء میں درج ذیل نام ملتے ہیں۔

1۔ ملک شیخ افغان (جس کا نام تاریخ مبارک شاہی میں اسمٰعیل شیخ درج ہے)۔(10)

2۔ ملک اختیار الدین افغان۔

3۔ ملک شاہو لودھی افغان۔

4۔ ملک خطاب افغان۔

5۔ ملک خان افغان۔(11)

6۔ جلھو افغان۔

7۔ تغان الافغان۔

8۔ بہرام افغان۔(12)

ملک شاہو کی بغاوت:

ان امراء میں ہمیں ملک شاہو لودھی کا نام ملتا ہے جو سلطان بہلول کے جدامجد میں تھا وہ ملتان میں نائب حاکم تھا۔اس فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ اب افغان فوج کے علاوہ بیوروکریسی میں بھی غالب آرہے تھے اور ان میں لودھی کثرت سے تھے۔مذکورہ بالا افغانوں میں صرف ایک ملک شاہو لودھی کے قبیلے کا نام ملتا ہے جبکہ باقی افغانوں کے قبائل کے نام نہیں ملتے ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی اور بھی لودھی پٹھان ہو مگر چونکہ نام کے ساتھ قبیلے کا نام جڑا ہوا نہیں ہے لہذا انکے قبائل کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

1341-42ء، 742ھ میں ملک شاہو لودھی نے بغاوت کی اور ملتان اور آس پاس کے علاقے پر قبضہ کرلیا:

"ابھی سلطان محمد زراعت کو دوبارہ فروغ دینے اور سوندھار تقسیم کرنے میں مشغول تھا کہ ملتان سے خبر آئی کہ شاہو افغان نے بغاوت کر دی ہے اور ملتان کے نائب بہزاد کو قتل کر دیا۔ ملک نوا ملتان سے دہلی کی طرف بھاگ گیا شاہو نے افغانوں کو جمع کیا اور ملتان پر قبضہ کرلیا سلطان نے دہلی میں تیاری کی اور شاہو افغان کے خلاف ملتان کی طرف روانہ ہوگیا ابھی سلطان چند منزلیں بھی سفر کرنے نہ پایا تھا کہ اس کی والدہ مخدومہ جہاں کا دہلی میں انتقال ہوگیا۔ اس شریف النفس ملکہ کے انتقال سے سلطان تغلق شاہ کے خاندان کی کمر ٹوٹ گئی جو فراہمی وانتظام اور خیرات وحسنات لوگوں کے لیے مخدومہ جہان کی ذات سے دیکھنے میں آئے وہ دوسروں کی طرف سے کبھی نہیں دیکھے گئے شہر دہلی میں مخدومہ جہاں کی روح پر ثواب پہنچانے کے لیے بہت سے کھانے اور صدقات تقسیم کیے گئے۔ سلطان نے ملتان جاتے ہوئے مخدومہ جہاں کی وفات کی خبر سنی تو اس کو بہت صدمہ اور رنج ہوا بہت سے خاندان مخدومہ جہاں کی پرورش اور نوازش کی بدولت قائم تھے اور بہت سے مرد اور عورتیں اس پاک دامن کی وجہ سے جو معدن عفت اور منبع عصمت تھی آسائش وراحت اور

امن وامان کی زندگی گزار رہے تھے۔

سلطان محمد آگے کی طرف روانہ ہوا ابھی وہ ملتان سے کئی منزل دور تھا کہ شاہو کی ایک عرض داشت اطاعت گزاری کے لیے آئی اس نے بغاوت سے ہاتھ کھینچ لیا اور توبہ کر لی وہ ملتان کو چھوڑ کر اپنے افغانوں کے ہمراہ افغانستان چلا گیا اس پر سلطان راستے ہی سے واپس ہو گیا اور سنام آ گیا۔(13)

''ملک شاہو کی بغاوت کا تذکرہ ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے جو اس وقت ہندوستان میں سلطان محمد بن تغلق کے دربار سے وابستہ تھا۔

''شاہو افغان نے ملتان کے ملک میں بغاوت کی اور وہاں کے امیر بہزاد کو مار ڈالا اور خود سلطنت کا دعویٰ کیا بادشاہ نے اس کے قتل کا ارادہ کیا لیکن وہ بھاگ کر اپنی قوم کے پٹھانوں میں جو دشوار گزار پہاڑوں میں رہتے ہیں چلا گیا بادشاہ کو نہایت غصہ آیا اور اس نے اپنے اہلکاروں کو لکھا کہ اس کے ملک میں جس جگہ کوئی پٹھان ہو پکڑ لیا جائے اور یہی قاضی جلال الدین کی بغاوت کا سبب ہوا۔

''ملک شاہو کی بغاوت بہت زبردست تھی وہ افغانوں کے آبائی وطن روہ کے بالکل قریب واقع شہر ملتان پر قابض ہو گیا تھا اسکے حالات سے کئی باتیں سامنے آتی ہیں اول یہ کہ لودھی قبیلے کے لوگ ہندوستان میں بہت کثرت سے تھے دوم یہ کہ ملک شاہو اور دیگر لودھیوں کے روہ سے مضبوط تعلقات تھے یہی وجہ ہے کہ فرار کے

وقت انہوں نے آبائی وطن کا ہی رخ کیا سوم یہ کہ اس ہی دور میں لودھی قبیلے کے لوگ ہندوستان میں بہت مضبوط اور طاقتور ہو گئے تھے۔

افغان حاکم راپڑی:

اسی دور میں ایک ہندو راجہ نے راپڑی کے افغان حاکم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ابن بطوطہ نے اس کا ذکر کیا ہے مگر بادشاہ نے اپنی مقرر کردہ افغان حاکم کی امداد میں دیر کی کیونکہ اسے اس پر اعتبار نہ تھا۔

"اس راجہ نے راپڑی کا بھی محاصرہ کیا تھا وہاں کا حاکم خطاب افغان تھا یہ شخص بڑے بہادروں میں شمار ہوتا ہے اس نے بادشاہ سے مدد طلب کی اور راجہ کشم نے راجہ لرجو سے مدد طلب کی جس کی راجہ دھانی سلطان پور میں ہے دونوں نے مل کر رابڑی کا محاصرہ کیا بادشاہ نے مدد بھیجنے میں دیر کی کیونکہ یہ جگہ دارالخلافہ سے 40 منزل ہے خطاب افغان نے خوف کیا کہ کہیں ہندو غالب نہ ہو جائیں۔ اس نے 300 پٹھان اور 300 غلام اور 400 کے قریب اور لوگ جمع کیے اور سب نے اپنے عمامے گھوڑوں کے گلوں میں باندھ دیئے اس ملک کا دستور ہے کہ جب مرنا مارنا منظور ہوتا ہے تو ایسا کرتے ہیں اور اپنے لوگوں کو لے کر شہر سے باہر نکلا اور ہندوؤں پر حملہ کر کے پندرہ ہزار آدمیوں کو شکست دی اور دونوں راجہ بھی مارے گئے اور ان کے

> سر سلطان کے پاس دہلی بھیجے گئے ہندوؤں کے لشکر میں وہی بچا جو بھاگ گیا۔(15)

''اس بغاوت کے شبہ میں ملک افغان کو بھی سلطان نے قید کر دیا مگر بعد ازاں اسے آزاد کر دیا۔سلطان محمد کی وفات کے بعد ملک افغان نے پہلے تو خواجہ جہاں ایاز کی حمایت کی اسکے بعد فیروز شاہ کا طرف دار ہو گیا اسی طرح سے قاضی جلال افغان نے بھی بغاوت کی مگر مارا گیا۔

قاضی جلال کی بغاوت:

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ:

> قاضی جلال اور پٹھانوں کی ایک جماعت شہر کھمبایت اور بلوزرہ کے پاس رہتی تھی جبکہ بادشاہ نے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ پٹھانوں کو پکڑ لو تو ملک مقبل کے نام بھی جو وزیر کی طرف سے گجرات اور نہر والہ میں نائب تھا یہ حکم بھیجا کہ کسی حیلہ سے قاضی جلال اور اس کے ہمرائیوں کو گرفتار کر لیا جائے بلوزرہ کا علاقہ ملک الحکما کی جاگیر میں تھا اور ملک الحکما کی شادی بادشاہ کے باپ کی بیوہ کی بیٹی سے ہوئی تھی جس کو بادشاہ نے پرورش کیا تھا اس عورت کے ایک دوسری بیٹی بادشاہ کے باپ کے نطفہ سے ہوئی تھی اس کا نکاح بادشاہ نے امیر ذذا کے ساتھ کیا یہ ملک الحکام ان دنوں ملک مقبل کے ہمراہ تھا کیونکہ اس کی جاگیر ملک

مقبل کے علاقہ میں تھی جب یہ گجرات کے ملک میں پہنچے تو ملک
مقبل نے ملک الحکما کو حکم دیا کہ وہ قاضی جلال اور اس کے
ہمرائیوں کو اس کے پاس لے آئے جب ملک الحکما ان کے
علاقہ میں پہنچا تو پوشیدہ طور سے ان کو خبر کردی کیونکہ وہ اس کے ہم
وطن تھے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ ملک مقبل نے تمہیں گرفتار کرنے
کے واسطے بلایا ہے سو اس کے پاس تم ہتھیار باندھ کر جانا قاضی
جلال تین سو زرہ پوش جوانوں کو لے کر آیا اور کہا کہ ہم سب ایک
ہی دفعہ اندر آئیں گے ملک مقبل سمجھ گیا کہ ان کا گرفتار کرنا مشکل
ہے اور ان سے ڈر کر حکم دیا کہ تم واپس چلے جاؤ اور یہ بھی کہا کہ
تمہیں کچھ ڈر نہیں انہوں نے بغاوت کی اور شہر کھمبایت میں
داخل ہو کر بادشاہ کا خزانہ اور لوگوں کے مال لوٹ لیے اور ابن
الکولمی تاجر کا مال بھی لوٹ لیا یہ وہ شخص تھا جس نے سکندریہ میں
ایک بہت اچھا مدرسہ بنایا ہے جس کا ذکر اب میں آگے چل کر
بیان کروں گا ملک مقبل ان کے مقابلہ کے لیے آیا اس کو انہوں
نے شکست دی۔ اس کے بعد ملک عزیز خمار اور ملک جہاں منبل
سات ہزار فوج لے کر آیا اس کو بھی شکست دی مفسد اور جرائم
پیشہ لوگوں نے سن کر ان کے پاس آنا شروع کیا قاضی جلال نے
سلطنت کا دعویٰ کیا اور اس کے ہمرائیوں نے اس کی بیعت کی
بادشاہ نے اس کی طرف کئی لشکر بھیجے ان کو بھی شکست دی دولت

آباد میں پٹھانوں کا ایک گروہ رہتا تھا انہوں نے بھی بغاوت کی ملک مل دولت آباد میں ان پٹھانوں کے درمیان رہتا تھا بادشاہ نے اپنے نائب نظام الدین کو جو اس کے استاد قتلو خاں کا بھائی تھا ان کے گرفتار کرنے کے لیے بھیجا اور اس کے ساتھ بیڑیاں اور زنجیریں بھی بھیجیں اور موسم سرما کے خلعت بھی روانہ کیے ہندوستان کا دستور ہے کہ بادشاہ جاڑے میں ہر ایک شہر کے حاکم کے پاس اور فوج کے افسروں کے لیے سال میں دو دفعہ خلعت بھیجتا ہے ایک گرمی کا اور ایک جاڑے کا اور جب خلعت آتا ہے تو وہ حاکم اور کل لشکر اس کے استقبال کے لیے باہر آتا ہے اور جب وہ خلعت لانے والے کے قریب پہنچتے ہیں تو اپنی سواریوں سے اتر پڑتے ہیں ان میں سے ہر ایک اپنا اپنا خلعت لے لیتا ہے اور کندھے پر رکھ لیتا ہے اور بادشاہ کی طرف منہ کر کے تعظیم کرتا ہے۔ بادشاہ نے نظام الدین کو یہ لکھا تھا کہ جب پٹھان شہر سے باہر آئیں اور خلعت لینے کے لیے سواریوں سے اتر پڑیں تو اس وقت ان کو گرفتار کر لیا جائے۔ خلعت لانے والوں میں ایک سوار تھا اس نے یہ خبر پٹھانوں کو بھی دے دی اور اس لیے نظام الدین کو تدبیر الٹی پڑ گئی جب وہ اور پٹھان سوار ہو کر شہر سے باہر آئے اور خلعت لانے والوں کے قریب پہنچے تو نظام الدین اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ پٹھانوں نے اس پر حملہ کیا اور اس کو

گرفتار کرلیا اور اس کے ہمراہیوں میں سے بہت سے آدمی قتل کر ڈالے اور شہر میں داخل ہو کر خزانوں پر قبضہ کرلیا اور ناصر الدین ملک مل کے بیٹے کو اپنا حاکم مقرر کیا اور ان کے ساتھ اور بھی مفسد آملے اور ان کی بھیڑ بھاڑ اور بھی زیادہ ہوئی جب بادشاہ کو کھمبایت کی اور دوسرے پٹھانوں کی بغاوت کی خبر پہنچی تو اس نے خود کھمبایت کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور ملک اعظم بایزیدی کو جو بادشاہ کا داماد تھا چار ہزار سوار دے کر اپنے آگے بھیجا قاضی جلال کے لشکر میں ایک شخص جلول نام تھا وہ بڑا بہادر تھا وہ لشکر پر حملہ کر کے بہت سے آدمیوں کو قتل کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھ سے مقابلہ کرنے والا اگر کوئی شخص ہو تو باہر آئے کوئی شخص اس کے مقابلہ کی جرات نہ کرتا تھا ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ اس نے اپنے گھوڑے کو دوڑایا وہ اس کو لیکر ایک غار میں جا پڑا اور جلول گھوڑے سے نیچے سے گر پڑا اور اس کو کسی نے قتل کر ڈالا۔ اس کے بدن پر معلوم ہوا دو زرہیں تھیں اس کا سر بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور بدن کو شہر بلوذرہ کی فصیل پر لٹکا دیا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں اور علاقوں میں بھیج دیے اتنے میں بادشاہ بھی اپنا لشکر لے کر آگیا۔ قاضی جلال کا پاؤں نہ جم سکا اور وہ مع اپنے ہمراہیوں کے اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا لشکر نے ان سب کو لوٹ لیا اور شہر میں داخل ہوئے بادشاہ وہاں کئی دن تک

ٹھہرا اور پھر وہاں سے کوچ کر کے اپنے داماد شرف الملک امیر بخت کو۔ جس کا ذکر ہم پیچھے کر آئے ہیں وہاں چھوڑ گیا اور اس کو حکم دیا کہ جس جس آدمی نے قاضی جلال کی بیعت کی تھی ان کو تلاش کرے اور کئی فقیہ بھی اس کے پاس چھوڑے کہ ان کے فتوے کے مطابق عمل کرے شیخ علی حیدری کا قتل جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں اسی موقع پر واقع ہوا تھا قاضی جلال بھاگ کر ناصر الدین بن ملک مل کے پاس دولت آباد میں آ گیا اور اس کے ہمرائیوں میں داخل ہو گیا بادشاہ خود وہاں پہنچا باغیوں نے چالیس ہزار افغان اور ترک اور ہندو اور غلاموں کا لشکر جمع کیا اور سب نے حلف اٹھایا کہ ہم بھاگیں گے نہیں اور بادشاہ کا مقابلہ کریں گے۔ جب بادشاہ ان کے مقابلہ کے لیے آیا تو پہلے اپنے اوپر چھتر نہ لگایا وہ سمجھے کہ بادشاہ موجود نہیں جب لڑائی کا ہنگامہ گرم ہوا تو یکایک چھتر اٹھایا گیا وہ چھتر کر دیکھ کر متحیر ہو گئے اور بھاگ گئے۔ ناصر الدین اور قاضی جلال اور چار سو آدمی جو ان کے خواصوں میں سے تھے قلعہ دیو گیر میں چلے گئے یہ قلعہ دنیا کے نہایت مضبوط قلعوں سے گنا جاتا ہے بادشاہ دولت آباد کے شہر میں جا ٹھہرا دیو گیر قلعہ کا نام ہے اور دولت آباد شہر کا۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ تم قلعہ سے باہر چلے آؤ انہوں نے کہا کہ جب تک ہمیں جان کی امان نہ دی جائے گی ہم قلعہ سے نیچے نہ اتریں گے

بادشاہ نے امان دینے سے انکار کیا لیکن ان کو نرمی دکھلانے کے واسطے کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور آپ وہاں قیام کیا یہاں تک کہ حال میرے سامنے کا ہے۔

مقبل اور ابن الکولمی کی لڑائی یہ لڑائی قاضی جلال الدین کی بغاوت سے پہلے ہوئی تھی تاج الدین ابن الکولمی ایک بڑا سوداگر تھا۔وہ ترکستان سے بہت قیمتی تحفے جن میں غلام اور اونٹ اور کپڑے اور ہتھیار وغیرہ شامل تھے بادشاہ کے لیے لے کر آیا بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس کو بارہ لاکھ دینار عطاء کیے کہتے ہیں کہ اس کے تحفوں کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ نہیں تھی بادشاہ نے اس کو کھمبایت کا حاکم مقرر کیا وہ علاقہ ملک مقبل نائب وزیر کے ماتحت تھا ابن الکولمی کھمبایت میں پہنچا اور وہاں سے معبر اور جزیرہ سیلان میں جہاز بھیجنے شروع کیے اور اس کے پاس عجیب عجیب چیزیں جہازوں میں آتی تھیں وہ بہت مالدار ہو گیا جب اس نے اپنے علاقہ کا سرکاری مال دار الخلافہ میں نہ بھیجا تو ملک مقبل نے اس کو کہلا بھیجا کہ وہ حسب دستور اپنے تحفے اس علاقہ کے مال کے ساتھ دار الخلافہ میں بھیجے۔ابن الکولمی نے انکار کیا اور کہا کہ میں خود لے جاؤں گا یا اپنے نوکروں کے ساتھ بھیجوں گا اور یہ بھی کہا کہ میں نائب وزیر یا وزیر کا ماتحت نہیں ہوں اور بادشاہ کی عنایت پر مغرور ہو گیا مقبل نے وزیر کو لکھا وزیر نے اس

کے خط کی پشت پر لکھ دیا کہ اگر تجھ سے میرے علاقہ کا بندوبست نہیں ہوسکتا تو چھوڑ کر چلا آ اس نے اسی وقت سے لڑائی کا سامان کیا اور اپنے غلام اور لشکر جمع کر کے ابن الکولمی کے ساتھ مقابلہ کیا ابن الکولمی کو شکست ہوئی اور فریقین میں سے بہت سے آدمی مارے گئے ابن الکولمی کے لشکر کے امیروں کو مروا ڈالا اور اس کو کہلا بھیجا کہ اگر بادشاہ کا خراج اور تحفے بھیج دے تو میں تجھے امان دیتا ہوں اس نے منظور کر لیا قبل نے یہ کل مال بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور ابن الکولمی کی شکایت لکھی ابن الکولمی نے بھی اس کی شکایت کا خط بادشاہ کے پاس لکھا بادشاہ نے ملک الحکماء کو بھیجا کہ ان کے تنازعہ کا فیصلہ کر دے اس کے بعد قاضی جلال کی بغاوت ہوگئی اور اس نے ابن الکولمی کا مال لوٹ لیا ابن الکولمی اپنے علاقہ میں بھاگ گیا اور وہاں سے بادشاہ کے پاس پہنچا۔(17)

''اسکے بعد 1345ء میں ملک مخ افغان نے گجرات میں زبردست بغاوت کی۔

امیران صدہ کی بغاوت:

تاریخ فیروز شاہی میں درج ہے کہ امیران صدہ جن میں اکثریت افغانوں کی تھی انکے اور سلطان کے درمیان اختلافات ہوگئے اور سلطان نے کچھ امیران صدہ کو قتل کرادیا جس کے بعد افغانوں نے بغاوت کر دی:

''اس سال کے آخر میں جس میں قتلغ خاں کو دیوگیر سے دہلی لایا گیا تھا سلطان محمد نے عزیز خمار بد اصل کو دھار کی ولایت دی اور تمام مالوہ اس کے سپرد کر دیا اس کو باقوت و شوکت بنانے کے لیے کئی لاکھ تنکے مرحمت کیے اس بدبخت اور بے سعادت کی روانگی کے وقت اس ولایت کے معاملات کے متعلق کہ انتہائی وسیع و عریض علاقہ ہے نصیحت کرنے کے سلسلے میں سلطان نے بھی اس کو ایک حد تک بدراہ کیا احکامات دیتے ہوئے اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ اے عزیز تو دیکھتا ہے کہ ہر طرف کس طرح بغاوتیں اور فتنے پھیلتے جا رہے ہیں میں نے سنا ہے کہ جو شخص بھی بغاوت کرتا ہے وہ امیران صدہ کے بل پر کرتا ہے اور امیران صدہ لوٹ مار کے لیے اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے بغاوت کرنے والے کے لیے بغاوت کرنا ممکن ہو جاتا ہے تو تو سمجھتا ہے دھار کے امیران صدہ میں جس کو تو سمجھے کہ شریر اور فتنہ پرور ہے اس کو جس طرح بہتر سمجھے اور جس طرح ممکن ہو سکے ختم کر دینا اس بدراہ علاقے کے معاملات کو نہایت اطمینان خاطر کے ساتھ جیسے بھی ممکن ہو سکے سرانجام دینا چنانچہ یہ کمینہ انتہائی غرور تمشیت کے ساتھ ان چند رذیلوں کے ہمراہ جو اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے تھے اور اس کے کارکن بن گئے تھے دھار کے لیے روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر مادر زاد شریر جاہلوں کے ساتھ دھار کے معاملات سرانجام دینے میں مصروف ہو گیا ایک روز اس بد اصل زانیہ کی اولاد کے دل میں آیا اور اس نے اسی ۸۰ سے زیادہ ہشناوواند امیران صدہ اور لشکر دھار کے دوسرے سرداروں معارف کو پکڑوایا اور ان سے کہا کہ ہر فتنہ جو اطراف میں اٹھتا ہے وہ دیوگیر کے امیران صدہ کی وجہ سے اٹھتا ہے اس کو ان کے قتل کی علت قرار دے کر سب کی یک بارگی محل کے سامنے

گردنیں اڑوادیں۔اس بدنصیب کمینے کے دل میں یہ نہ آیا کہ اگر امیر صدہ ہونے ہی کو قتل کا سبب بنایا جائے گا تو دیو گیر گجرات اور دیگر اطراف میں جہاں جہاں بھی امیران صدہ موجود ہیں سب سلطان سے متنفر ہو جائیں گے اور بغاوت کر دیں گے اور امیران صدہ کی بغاوت اور ان کے تنفر کے بعد لشکر کی استقامت کس طرح قائم رہ سکے گی۔

> یہ خبر کہ دھار کے امیران صدہ اس لیے قتل کیے گئے ہیں کہ وہ امیران صدہ تھے دیو گیر اور گجرات میں پہنچی تو ان علاقوں جہاں میں جہاں جہاں بھی امیران صدہ موجود تھے وہ ہوشیار ہو گئے اور انھوں نے اپنی قوتیں یک جا کیں اور بغاوتیں کر دیں۔چنانچہ اس نابکارزادہ کی اس تباہ کن حرکت سے ایک عظیم فتنہ مملکت میں بپا ہو گیا۔عزیز خمار نے دھار کے امیران صدہ کو یک بارگی اس طرح قتل کرا دینے کا حال تخت کو لکھ کر بھیجا تو سلطان نے اس کو اپنے فرمان کے ساتھ خلعت خاص روانہ کیا چوں کہ حکومت کا زوال قریب آ گیا تھا سلطان کے مقربوں اور بزرگوں کو حکم دیا گیا کہ ہر شخص عزیز خمار کو شفقت آمیز خط لکھے اور اس تباہ زادہ کے تباہ کرنے والے فعل کی تعریف کرے اور اس کے علاوہ اس کو خلعتیں اور تنگ بست گھوڑے بھیجیں۔(18)

امیران صدہ کی بغاوت کا آغاز اسی زمانے میں جب کہ ملک عزیز خمار سے یہ خبیث فعل سرزد ہوا تھا یعنی اس نے دھار کے

تو اسی امیران صدہ کی گردنیں ایک ہی بار میں صرف اس لیے اڑوادی تھیں کہ وہ امیران صدہ تھے گجرات کا نائب وزیر مقبل اصطبل کے گھوڑے اور وہ خزانہ جو گجرات میں جمع کیا گیا تھا دیہوئی اور بروده کے راستے سے دہلی لا رہا تھا جب وہ دیہوئی اور بروده کے حدود میں پہنچا تو دیہوئی اور بروده کے امیران صدہ نے جو عزیز خمار کے (امیران صدہ کو) قتل کرانے سے خوف زدہ ہو گئے تھے اور بغاوت اور فتنے کی فکر میں تھے یکا یک مقبل نائب وزیر گجرات پر حملہ کر دیا اور سب گھوڑے اور خزانہ جو وہ لا رہا تھا اس سے چھین لیے۔ اس کے ساتھ گجرات کے سوداگر جو کپڑا اور دوسری قیمتی اشیاء لا رہے تھے وہ سب لوٹ لیا وہ واپس نہروالا لوٹ گیا اور اس کی تمام جمعیت منتشر ہو گئی دیہوئی اور بروده کے امیران صدہ ان گھوڑوں اور مال و اسباب کی وجہ سے طاقتور اور باشوکت ہو گئے چنانچہ انھوں نے علم بغاوت بلند کر دیا اور فتنے کی آگ بھڑکا دی وہ سب متحد ہو گئے اور کھنبایت کے عقب کا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا دیہوئی اور بروده کے امیران صدہ کی

- بغاوت و رفساد سارے گجرات میں شورش اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ علاقہ تہ و بالا ہو گیا۔

دیہوئی اور بروده کے امیران صدہ کی بغاوت و فتنہ مقبل نائب وزیر گجرات سے ان کی چپقلش گھوڑوں اور خزانے کے لٹ

جانے اور مقبل کی شکست کی خبر دہلی میں رمضان ۷۴۵ھ کے آخر میں پہنچی۔ اس خبر سے کہ عظیم فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے سلطان محمد فکر مند ہو گیا وہ چاہتا تھا کہ اس فتنہ و بغاوت کو دفع کرنے کے لیے وہ خود گجرات کی طرف جائے قتلغ خاں نے جو سلطان پر استادی کا حق رکھتا تھا تاریخ فیروز شاہی کے مولف یعنی ضیاء برنی کے ذریعے سلطان کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا اور عرض کیا کہ دیہوئی اور بروده کے امیران صدہ کیا ہیں اور ان کا کیا مقام ہے کہ بادشاہ جہاں پناہ ان کا فتنہ فرو کرنے کے لیے خود جا رہے ہیں اور چوں کہ ان کا تنفر عزیز خمار کی سیاست قتل کرانے اور اس کے بے ڈھنگے پن کی وجہ سے بھڑکا ہے اس لیے اگر وہ سنیں گے کہ خود رایات اعلیٰ یعنی سلطان اپنے لشکر کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہوا ہے تو ان کا تنفر اور بڑھ جائے گا وہ بھاگ جائیں گے اور ہندوؤں کے دور دراز علاقوں میں جا کر چھپ جائیں گے بادشاہ کے اس طرف روانہ ہونے اور اس کی سیاست کے خوف سے دوسری ولایتوں کے امیران صدہ بھی متنفر ہو جائیں گے اور جہاں چاہیں گے چلے جائیں گے۔ لہٰذا اگر مجھے کہ اس درگاہ کا قدیم غلام اور دعا گو ہوں حکم دے دیا جائے تو ان مخصوص انعامات سے جو بادشاہ نے مرحمت فرمائے ہیں میرے پاس جو کچھ موجود ہے اس سے ایک لشکر مرتب کر کے دیہوئی اور بروده

کی طرف جا کر ان لوگوں کی بغاوت اور فتنہ کو فرو کروں اور باغیوں کی گردنیں باندھ کر اسی طرح تخت کے سامنے بھجوا دوں جیسے شہاب سلطانی اور علی شاہ کرہ برادر زادہ ظفر خاں علائی کو بدر سے بھیجا تھا اور اس علاقے میں امن قائم کر دوں۔

اس کتاب کے مولف نے قتلغ خاں کی عرض داشت سلطان کے کانوں تک پہنچا دی لیکن قتلغ خان کی عرض داشت جو امور جہاں بائی کی درستی پر متضمن تھی سلطان کے مزاج کے موافق نہ آئی اور اس نے اس کی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا اس نے فرمان جاری کر دیا کہ روانگی کی تیاری جلد کی جائے اور لشکر میں اضافہ کیا جائے۔ بغاوت مذکور کی خبر پہنچنے سے پہلے سلطان نے شیخ معزالدین پسر شیخ علاءالدین اجودھنی کو گجرات کی نیابت دے دی تھی اب اپنی روانگی کے موقع پر سلطان نے فرمان صادر کیا کہ شیخ معزالدین کو تین لاکھ تنکے نقد دے دیے جائیں تاکہ وہ ایک ہزار سوار مرتب کر لیں اور سلطانی لشکر کے ساتھ ہو جائیں سلطان نے نیابت غیبت کی ذمہ داری بادشاہ عہد یعنی سلطان فیروز شاہ ملک کبیر اور احمد ایاز کے سپرد کی اور خود کوشک ہیایوں سے باہر آ کر روانہ ہوا اور سلطان پور کے قصبے میں جو دہلی سے پندرہ کوس کے فاصلے پر واقع ہے نزول فرمایا اور رمضان کے جو تین چار روز باقی تھے وہ وہیں گزارے یہیں سلطان پور میں عزیز خمار کی دھار

سے بھیجی ہوئی عرض داشت پہنچی جس میں کہا گیا تھا کہ دیہوئی اور بڑودہ کے امیران صدہ نے فتنہ کھڑا کر دیا ہے اور بغاوت کر دی ہے اور چوں کہ ان سے سب سے زیادہ قریب میں ہی تھا اس لیے دھار کے لشکر کو تیار کر کے اس فتنے کی آگ بجھانے کی غرض سے میں ادھر جا رہا ہوں۔ سلطان کو عزیز خمار کا دیہوئی اور بڑودہ کی طرف جانا بہت زیادہ پسند نہیں آیا سلطان کی فکر مندی اور بڑھ گئی اس نے کہا کہ عزیز جنگ کے فن سے واقف نہیں اور کچھ تعجب نہیں کہ ان باغیوں کے ہاتھ سے ہلاک ہو جائے۔ اس کے فوراً بعد خبر آئی کہ عزیز خمار وہاں پہنچ کر ان کے مقابلے میں آیا جنگ کے دوران اس کے ہاتھ پیروں میں دم نہ رہا وہ گھوڑے پر سے گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا باغیوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور بدترین طریقے سے اس کو قتل کر دیا۔ اب فتنہ پر فتنہ اٹھتا چلا گیا۔(19)

''اس زمانے میں جب کہ سلطان بھروچ میں مقیم تھا اس نے زین بندہ اور رکن تھانیسری کے منجھلے بیٹے کو جس اس عہد کے شریروں کے پیشوا تھے دیوگیر کے شریروں کی تلاش و تفتیش کے لیے روانہ کیا تھانیسری کا بیٹا جو خبیث ترین شخص تھا دیوگیر میں پہنچ گیا لیکن زین بندہ کہ اس جیسے بدبخت کا فرصفت کو مجد الملک کہتے تھے ابھی راستے ہی میں تھا کہ دیوگیر کے مسلمانوں میں یہ

سرگوشیاں ہونے لگیں کہ دو خبیث بدبخت انسانوں کو یہاں کے
لوگوں کی تحقیق و تفتیش اور بدخواہوں کے قتل کے لیے بھیجا گیا ہے
ایک کو انھوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور دوسرے کی
بابت سنا کہ دھار تک پہنچ گیا ہے اتفاق سے ان ہی دنوں میں
سلطان محمد نے دو معروف امیروں کو دیوگیر بھیجا اور قتلغ خان کے
بھائی کو فرمان لکھا کہ دیوگیر کے لشکر سے پندرہ سو سوار معروف
امیران صدہ کے ہمراہ تیار کرکے بھروچ بھیج دے یہ دونوں امیر
درگاہ دیوگیر پہنچ گئے قتلغ خان کے بھائی مولانا نظام الدین نے
فرمان سلطانی کے مطابق پندرہ سو سواروں کو تیاری کے لیے خرچ
دیا اور تیار کر دیا اور معروف امیران صدہ کے ہمراہ ان دونوں
امیروں کے ساتھ ۵۱۴ جوان کو لینے آئے تھے بھروچ روانہ کر دیا
دیوگیر کے امیران صدہ بدبخت قسمت تبہ سواروں کے ساتھ
بھروچ کی طرف روانہ ہو گئے۔راستے میں وہ پہلی ہی منزل پر
پہنچے تھے کہ ان کو خیال پیدا ہوا کہ ان کو تخت کے سامنے اس لیے
بلایا گیا ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور اگر ہم وہاں پہنچ گئے تو ہم
میں سے ایک بھی واپس نہ آئے گا اور سب امیران صدہ کو
سزائے موت دی جائے گی۔انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور
بغاوت کر دی اور دونوں امیروں کو جو تخت کے پاس سے آئے
تھے یہاں پہلی ہی منزل پر قتل کر دیا شور و شغب مچانے کے بعد وہ

واپس لوٹ گئے اور دیوگیر کے شاہی محل میں جا کر انھوں نے مولانا نظام الدین کارفرما کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور ان کارکنوں کو جو بطور امانت تخت کی طرف سے بھیجے اور متعین کیے گئے تھے گرفتار کر لیا اور ان کی گردنیں اڑا دیں۔ تھانیسری کے بیٹے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے وہ دھار سے خزانہ لے آئے اور مخ افغان کو جو مل افغان کا بھائی تھا اور لشکر دیوگیر کے امیران صدہ میں تھا اپنا سردار بنا لیا اور تخت پر بٹھلا دیا وہاں کا مال اور خزانہ وہیں کے سوار اور پیادوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ سارا مرہٹی علاقہ امیران صدہ میں سے ہر ایک کے نام کر دیا گیا کچھ باغی اور فتنہ پروران افغانوں کے ساتھ ہو گئے دیبوئی اور برودہ کے امیران صدہ بھی مان دیو کے پاس سے دیوگیر آ گئے اس طرح دیوگیر میں بہت بڑا فتنہ بپا ہو گیا اور وہاں کے لوگ ان باغیوں کے ساتھ ہو گئے۔

دیوگیر بغاوت کی خبر جب سلطان کی پہنچی تو اس نے بہت بڑا لشکر تیار کیا اور بھروچ سے دیوگیر پر لشکر کشی کی سلطانی لشکر متواتر کوچ کرتا ہوا دیوگیر میں پہنچا دیوگیر کے باغیوں اور حرام خواروں نے مقابلہ کیا اور جنگ لڑی سلطان محمد نے ان پر حملہ کیا اور شکست دے دی ان کے زیادہ تر سوار جنگ ہی میں مارے گئے مخ افغان جوان کا سردار بن گیا تھا اور چتر لگا کر خود کو سلطان کہلواتا تھا ان باغیوں کے ساتھ جو اس کے اعوان و انصار ہو گئے تھے

بال بچوں سمیت دھارا گیر کے اوپر چلے گئے یعنی شکست خوردہ
باغی قلعہ میں چھپ گئے حسن کانگو بدر کے باغی اور مخ افغان کے
بھائی سلطانی لشکر کے سامنے سے بھاگ گئے اور مختلف علاقوں
ولایت ہا میں چلے گئے دیو گیر کے باشندے مسلمان اور ہندو اور
سپاہی وسوداگر سب لٹ گئے اور تباہ ہو گئے۔

سلطان نے عماالملک سرتیز سلطانی کو چند امراء اور لشکر کے ساتھ
گلبر گہ بھیجا اور حکم دیا کہ وہ وہیں مقیم رہے اور ان اطراف کی
ولایتوں کو منضبط کرے اور ان لوگوں کو جو لشکر کے سامنے سے
بھاگ گئے تھے تلاش کر کر کے پکڑے اور ان کے شر کو دفع کرے
سلطان دیو گیر ہی میں مقیم رہا اور کوشک خاص میں نزول فرمایا اس
نے ان سب مسلمانوں کو جو دیو گیر میں موجود تھے نو روز کر کن
کے ساتھ دہلی شہر بھیج دیا دیو گیر کا فتح نامہ سلطان عہد یعنی فیروز شاہ
ملک کبیر اور احمد ایاز کے نام روانہ کیا گیا اس کے پہنچنے پر دہلی میں
خوشی کے شادیانے بجائے گئے سلطان کی عدم موجودگی میں یہی
لوگ حکومت کے معاملات چلا رہے تھے اور لوگ ان کی موجودگی
کی وجہ سے بہت مطمئن تھے۔

طغی کی بغاوت سلطان محمد خود دیو گیر اور مرہٹی علاقوں کے انتظامات میں مصروف ہو گیا اس نے امراء میں اقطاعات تقسیم کیے ابھی اس نے لشکر اور ولایت کے معاملات کی فراہمی سے فراغت نہ پائی تھی کہ گجرات سے طغی کا فرنعت کی بغاوت کی خبر دیو گیر میں

آئی کہ اس چہار کفن دوز غلام نے جو صفدر ملک سلطانی کا غلام تھا گجرات کے امیران صدہ کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور علم بغاوت بلند کر دیا ہے گجرات کے بعض مقدم بھی اس کے ساتھ ہو گئے وہ حرام خور نہروالہ میں پہنچا اور ملک مظفر کو جن کو شیخ معزالدین کا مددگار بنایا گیا تھا قتل کر دیا اور خود شیخ معزالدین کو مع ان کے دیگر کارکنوں کے گرفتار کر لیا اور قید کر دیا طغی حرام زادہ حرام خوار اس کے بعد کھمبایت پہنچا اور اس کو لٹوایا کھمبایت سے ہندو اور مسلمانوں کی ایک جمعیت کے ہمراہ بھروچ کے قلعے کے قریب آ گیا اور قلعے کے لوگوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا وہ ان لوگوں درونیاں سے ہر روز جنگ کرتا تھا۔"

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اس دور میں افغانوں کی اتنی اہمیت تھی کہ ان بغاوتوں کے باوجود غیر افغان امراء اور حکام افغانوں کو فوج میں بھرتی کیا کرتے تھے۔(21)

مراۃ الافاغنہ میں ہے کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور میں خان جہاں لودھی وزیر اعظم بنایا گیا تھا اور سرم خان متی سپہ سالار افواج مقرر تھا(22) مگر ان بیانات کی بھی کہیں اور سے تصدیق نہیں ہوتی۔

تجزیہ:

اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ ترکوں کے 150 سالہ دور میں ترک مکمل طور پر مقامی ہندوستانی تہذیب میں ضم ہو گئے تھے وہ چونکہ سلطانی امرائی اور دیگر اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے تھے لہٰذا وہ تعیش کا شکار ہو گئے تھے انکے باہمی اختلاف اور لڑائی جھگڑوں نے بھی انکو کمزور کر دیا تھا انکے پاس اسباب

عیش کی فراوانی تھی لہذا اب انکی جنگی صلاحیتیں ختم ہوگئی تھی ترک اور سلاطین دہلی اب خود سپاہی ہونے میں عار محسوس کرتے تھے اور انہوں نے دوسروں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا تھا۔

ہندوؤں پر وہ اعتبار نہ کرتے تھے پھر ان سے انکار مذہبی اختلاف بھی تھا۔ مسلمانوں میں ایک افغان قوم ہی ایسی تھی جو انکے لیے قابل اعتبار تھی۔ یہ قوم پہاڑی تھی فوج میں پہلے سے بھی شامل تھی۔ سختی جفاکشی اور شجاعت اسکے خواص میں شامل تھے۔ لہذا انہیں کو فوج میں بھرتی کیا جانے لگا۔ انکی عددی قوت نے چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں سلاطین دہلی کو مجبور کیا کہ انکو بھی امراء میں شامل کیا جائے۔ جب یہ امراء میں شامل ہو گئے تو انکے سر میں بھی حکمرانی کا خیال آیا اور انہوں نے بعض جگہ بغاوت بھی کی جن کا ہم نے اوپر جائزہ لیا ہے۔ مگر نو آموز افغان امراء ابھی حکمرانی کے قابل نہ ہوئے تھے لہذا وہ کسی نہ کسی وجہ سے ناکام ہو گئے۔ البتہ ان بغاوتوں نے یہ ثابت کر دیا کہ افغان بادشاہت کی جانب اپنا پہلا قدم اٹھا چکے ہیں اسکے بعد دولت خان لودھی کی شکل میں انکو عارضی بادشاہی میسر ہو گئی جیسا کہ ہم آگے دیکھنے والے ہیں۔ ملک شاہو لودھی اور دولت خان لودھی کی کارگزاریاں اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہیں کہ باغی افغانوں میں لودھی قبیلے کے پٹھان کثرت سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ باغی افغان امراء میں بھی لودھی امراء ہی زیادہ ملتے ہیں دیگر باغی امراء کے قبیلے معلوم نہیں ہو سکے ممکن ہے کہ ان میں سے بھی کوئی لودھی ہو البتہ اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا قبیلہ کیا تھا۔

حواشی

1 مخزن ص125

2 مراۃ الافاغنہ قلمی ص66

3 ریٹا جوشی ص22

4 مخزن ص118-119

5 تاریخ فیروز شاہی ص119-120

6 ایضاً ص363

7 ایضاً ص642

8 ایضاً ص642

9 تاریخ مبارک شاہی ص179

10 ایضاً ص197

11 تاریخ فیروز شاہی ص525

12 ریٹا جوشی ص23

13 تاریخ فیروز شاہی ص687-688

14 سفر نامہ ابن بطوطہ 194

15 ایضاً ص266

16 تاریخ محمدی بحوالہ ریٹا جوشی ص23

17 سفر نامہ ابن بطوطہ ص194-6

18 تاریخ فیروز شاہی ص714-5

19 ایضاً ص718-721

20 ایضاً ص726-729

21 سفرنامہ ابن بطوطہ بحوالہ ریتا جوشی ص24

22 مراۃ الافاغنہ قلمی ص66

maablib.org

باب نمبر 5

دولت خان لودھی

دولت خان لودھی پہلا لودھی پٹھان تھا جو تخت دہلی پر بیٹھا اور تقریباً دو سال اس نے حکومت کی ہے اگرچہ اسکے بعد ایک لمبے عرصے تک کوئی لودھی حکمران برسر اقتدار نہ آیا۔ مگر دولت خان کی حکومت اس بات کا ثبوت ہے کہ لودھی پٹھان ہندوستانی سیاست میں کافی مضبوط ہو چکے تھے اور اب وہ تخت پر چھلانگ لگانے کی تیاری کر رہے تھے۔

دولت خان لودھی کا خاندان

دولت خان لودھی پٹھان تھا تاریخ مبارک شاہی میں اسکی ذیلی شاخ درج نہیں ہے فرشتہ نے سلطان ابراہیم لودھی کے ہم عصر دولت خان لودھی گورنر پنجاب کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دولت خان لودھی اس دولت خان لودھی کی اولاد سے ہے جو جس نے کچھ سال دہلی پر حکمرانی کی تھی۔

"میں نے وطن کے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ دولت خان لودھی
اسی دولت خان لودھی کی نسل سے تھا جس نے دہلی پر چند دنوں
816ھ میں اپنی حکومت کا سکہ جمایا تھا۔" (1)

اگر یہ بات درست ہے تو اس کا مطلب ہے کہ دولت خان لودھی یوسف خیل لودھی تھا۔

سیاسی حالات:

دولت خان لودھی سلطان محمد شاہ بن تغلق کے دور سے امراء میں شامل تھا جب سلطان ناصر الدین محمود شاہ بن سلطان محمد شاہ بادشاہ بنا تو اسوقت دولت خان دبیر کے عہدے پر فائز تھا اور اسے ملک دولت یار دبیر کہا جاتا تھا 20 جمادی الاول 796ھ 14 مارچ 1394ء کو سلطان ناصر الدین محمود شاہ نے جب تخت پر قدم رکھا تو مختلف امراء کے ساتھ ملک دولت یار دبیر کو دولت خان اور عماد الملک کے خطابات دیئے گئے اور اسے عارض ممالک مقرر کیا گیا۔ اسی موقع پر ملک سارنگ خان کو بھی سارنگ خان کا خطاب دیا گیا اور دیپالپور کا گورنر مقرر کیا اس سارنگ خان نے بھی سیاست دہلی میں اہم کردار ادا کیا تھا:

> "چنانچہ مذکورہ سال ۷۹۶ھ کے ماہ جمادی الاول کی بیس تاریخ کو وہ تمام امراء وملوک ائمہ وسادات اور علماء ومشائخ کے اتفاق رائے سے سلطان ناصر الدین محمود شاہ کے لقب سے قصیر ہمایون میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا عہدہ وزارت بدستور خواجہ جہان ہی کے پاس رہا مقرب الملک کو مقرب خان کا خطاب اور نائب السلطنت کا عہدہ عطا ہوا عبدالرشید سلطانی کو سعادت خان کا خطاب اور باربک کا عہدہ دیا گیا ملک سارنگ کو سارنگ خان کا خطاب اور دیپالپور کا علاقہ ملا اور ملک دولت یار دبیر دولت خان اور عماد الملک کے خطاب اور عارض ممالک کے

عہدے سے سرافراز ہوا۔"

عبدالشکور رشاد نے سارنگ خان کو بھی لودھی پٹھان بیان کیا ہے (3) مگر ان کا بیان بالکل غلط ہے کتب تواریخ سے سارنگ خان کا لودھی یا پھر پٹھان یا افغان ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہوتا اشاد صاحب چونکہ خود لودھی ہیں لہذا اپنی کتاب لودھی پنجانہ میں انہوں نے بہت سی ایسی نامور شخصیات کو لودھی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جن کا لودھی ہونا تو دور افغان ہونے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

بہرحال سلطان ناصرالدین محمود شاہ ایک کمزور بادشاہ ثابت ہوا اس کے دور میں سارنگ خان نے اسکے حکم سے شیخا کھوکھر کی بغاوت فرو کی۔ 796ھ میں سلطان اوراس کے امیر مقرب خان میں اختلاف ہوگیا سعادت خان جو سلطان کا خاص امیر تھا۔ اسے مقرب خان نے مروانے کی کوشش کی جس میں ملوخان بھی شامل تھا جو سارنگ خان کا بھائی تھا یہ سازش ناکام ہوگئی اور مقرب خان نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ سعادت خان نے ایک اور شہزادے نصرت شاہ کو ناصرالدین نصرت شاہ کے نام سے بادشاہ بنالیا نصرت شاہ خود مختار رہوا تو سعادت خان گھبرا کر مقرب خان کے پاس ہی آگیا جسے مقرب خان نے مروادیا۔ مقرب خان نے ملوخان کو اقبال خان کا خطاب دیا دہلی اور فیروز آباد میں الگ الگ بادشاہ ہوگئے جن میں 3 سال تک برابر جنگ چلتی رہی۔ (4) 798ھ میں امیر دیپالپور سارنگ خان اور امیر ملتان خضر خان میں مخاصمت شروع ہوگئی سارنگ خان نے ملتان پر قبضہ کر لیا مگر سلطان نصرت شاہ کی جوابی کارروائی سے سارنگ خان گھبرا دیا اسی دوران 800ھ میں پیر محمد نبیرہ امیر تیمور

نے ملتان پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور سارنگ خان کو قیدی بنا لیا۔ اسی سال میں سارنگ خان کا بھائی اقبال خان ملو سلطان محمود سے الگ ہو کر نصرت شاہ سے جا ملا مگر پھر خود ہی نصرت شاہ کے لشکر پر غلبہ حاصل کر کے نصرت شاہ کو لشکر سے بیدخل کر دیا اور فیروز آباد پر قبضہ کر لیا۔ اب اقبال خان فیروز آباد کا بادشاہ تھا جبکہ مقرب خان سلطان محمود کے ساتھ دہلی پر قابض تھا۔ کچھ دنوں بعد اقبال خان ملو نے دہلی پر قبضہ کر کے مقرب خان کو قتل کر دیا اور سلطان محمود اب اقبال خان ملو کے زیر اثر آ گیا۔ ادھر امیر تیمور اپنے پوتے پیر محمد کے پاس آیا ملتان پر قبضہ کر لیا اور پھر دہلی کی جانب بڑھا ماہ جمادی الاول 801ھ میں امیر تیمور نے دہلی کا محاصرہ کر لیا اور اقبال خان ملو پہلے تو محصور ہو گیا پھر سلطان محمود کے ساتھ رات کو شہر دہلی سے بھاگ نکلا امیر تیمور نے دہلی پر قبضہ کر کے شہر برباد کر دیا اسی دوران خضر خان جو تیمور کے ڈر سے کوہ میوات میں چھپ گیا تھا وہ تیمور کے پاس آیا تیمور نے اس پر مہربانی کی اور دہلی کا تخت اسے دینے کا اعلان کر کے واپس ہو گیا۔ واپسی پر اس نے ملتان دیپالپور بھی خضر خان کو دے دیے۔ (5)

تیمور کے جانے کے بعد 801ھ میں ہی اقبال خان ملو نے دہلی پر پھر سے قبضہ کر لیا اور سلطان نصرت شاہ کو کاغذی بادشاہ بنا کر رکھا۔ بہر حال اقبال خان نے مختلف علاقے فتح کیے اور اپنی سلطنت کو وسعت دی 808ھ میں اس نے خضر خان کے علاقوں پر حملہ کیا اور ملتان پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر اس جنگ میں اقبال خان کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا اس کے مرنے کے بعد سلطان محمود نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ (6)

دولت خان لودھی کا عروج

اس تمام عرصے میں جو تقریباً 12 سال پر محیط ہے دولت خان لودھی دہلی کے امراء میں شامل تھا اور سلطان محمود کا وفادار تھا اقبال خان ملو کے 808ھ میں مارے جانے کے بعد اس نے اختیار خان اور دیگر امراء کے ساتھ مل کر سلطان ناصرالدین محمود شاہ کو دوبارہ بلوایا اور تخت پر بیٹھایا سلطان ناصرالدین محمود نے اسکو دو آبہ کی فوجداری دی:

> ''مختصر یہ کہ دولت خان اختیار خان اور دیگر امراء نے دہلی سے کچھ لوگوں کو سلطان محمود کی خدمت میں بھیجا اور اس سے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالنے کی درخواست کی چنانچہ وہ مذکورہ سال ۸۰۸ھ کے ماہ جمادی الثانی میں مختصری فوج کے ساتھ قنوج سے پایہ تخت میں آیا اور سلطنت پر قابض ہو گیا۔ اگرچہ دہلی پہنچ کر اس نے اقبال خان کے افراد خاندان کو دہلی سے باہر نکال کر خطہ کول میں بھیج دیا لیکن اس نیک سیرت بادشاہ نے اس کے افراد خاندان میں سے کسی فرد کو کوئی نقصان نہ پہنچایا اس نے دوآب کی فوجداری دولت خان کو تفویض کی اور قصر فیروز آباد اختیار خان کو عطا کیا اقلیم خان بہادر ناہر نے دو عدد ہاتھی بطور نذرانہ پیش کر کے اس کے قدم بوسی کی۔'' (7)

809ھ میں سلطان محمود نے دولت خان لودھی سامانہ کی جانب روانہ کیا اور

خود قنوج کی طرف روانہ ہوا سلطان ابراہیم شرقی میں قنوج کی جانب آیا کچھ عرصے بعد دونوں نے واپسی کی راہ لی مگر سلطان ابراہیم شرقی نے پلٹ کر فوراً قنوج پر قبضہ کر لیا 810ھ میں سارنگ خان کا بیٹا تاتار خان اقبال خان ملو کا غلام ملک مرحبا اور نصرت خان گرگ انداز سلطان محمود سے الگ ہو کر سلطان ابراہیم سے جا ملے۔" (8)

اس وقت سنبھل پر اسد خان لودھی گورنر مقرر تھا۔ سلطان ابراہیم نے سنبھل پر حملہ کیا تو وہ قلعہ سنبھل میں محصور ہو گیا مگر دوسرے روز قلعہ فتح ہو گیا اور اسد خان لودھی قید ہو کر تاتار خان کے سپرد کر دیا گیا۔ (9) اس کے بعد سلطان ابراہیم نے دہلی پر حملہ کیا مگر جب اسے خبر ملی کہ ظفر خان حاکم گجرات سلطنت شرقی دار الحکومت جونپور جانا چاہتا ہے تو سلطان ابراہیم گھبرا کر واپس چلا گیا اور برن میں اپنے ساتھی ملک مرحبا کو چھوڑ گیا سلطان محمود تغلق نے کچھ دن بعد برن اور سنبھل پر قبضہ کر کے سنبھل کی حکومت پھر سے اسد خان لودھی کے سپرد کر دی۔"

> وہاں سے سلطان نے سنبھل کا رخ کیا ابھی وہ دریائے گنگا کے کنارے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ تاتار خان حصار کو خالی کر کے قنوج کی طرف چلا گیا سلطان نے سنبھل کو اسد خان لودھی کے حوالے کرنے کے بعد پایہ تخت کی طرف مراجعت فرمائی۔" (10)

اس کے بعد دولت خان لودھی کی بیرم خان سے جنگ ہوئی جس میں دولت خان کو فتح ہوئی اسپر خضر خان حاکم ملتان نے دولت خان پر حملہ کیا یہ واقعہ 811ھ کا ہے اسکے بعد خضر خان اور دولت خان میں طویل کشمکش کا آغاز ہو گیا ان واقعات کی

تفصیل تاریخ مبارک شاہی سے نقل کی جاتی ہے۔''

دولت خان جو کہ سلطان محمود تغلق کی طرف سے سامانہ کی طرف جانے کے لیے مامور کیا گیا تھا جب سامانہ کے قریب پہنچا تو ترک غلام بیرم خان نے جو کہ بہرام خان کی شہادت کے بعد شق سامانہ ہیر قبض ہوگیا تھا اس کی مخالفت شروع کر دی چنانچہ ۱۱ رجب قدرہ ۸۰۹ھ میں سامانہ سے دو کوس کے فاصلے پر جنگ ہوئی جس میں خداوند تعالیٰ نے دولت خان کو فتح بخشی اور بیرم خان شکست کھا کر سر بند چلا گیا لیکن بعدازاں جان کی امان حاصل کر کے اور مطیع ہو کر دولت خان سے آملا۔ لیکن چونکہ اس سے پیشتر اس بیرم کان نے مسند عالی خضر خان کی بیعت کر رکھی تھی اور وہ ان کی اطاعت کا دم بھرتا تھا اس لیے جب مذکروہ خبر ان کے کانوں تک پہنچی تو انھوں نے افواج قاہرہ کے ساتھ دولت خان کو سزا دینے کے ارادے سے اس کی طرف کوچ کیا۔ جب وہ مسند عالی فتح آباد پہنچے تو وہ بھاگ کر دریائے جمنا کے پار چلا گیا اور ان تمام امراء ملوک نے جو کہ اس کے ساتھ مل گئے تھے بندگی مسند عالی کی اطاعت قبول کر لی جنھوں نے ضلع حصار فیروزہ قوام خان کو تفویض کیا سامانہ اور سنام کے علاقے بیرم خان سے لے کر مجلس عالی زیرک خان کے حوالے کیے اقطاع سر بند اور چند اور پرگنے بیرم خان کو عطا کیے اور خود فتح پور

کی طرف مراجعت فرمائی۔

سلطان کے قبضے میں دوآب اور اقطاع رہتک کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا ۸۱۱ھ کے ماہ رجب میں اس نے حصار فیروز پر چڑھائی کی جہاں قوام خان قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا لیکن بعد ازاں اس نے حاضر خدمت ہو کر اطاعت قبول کر لی اور اپنے بیٹے کو نذرانہ دے کر بطور یرغمال اس کے ساتھ کر دیا اس کے بعد وہ وہاں سے چل کر دھارترہٹ سے ہوتا ہوا دہلی کی طرف لوٹ آیا۔ جب مذکورہ خبر مسند عالی خضر خان کے کان تک پہنچی تو وہ مسلسل کوچ کرتے ہوئے ملتان سے فتح آباد میں آئے جہاں انھوں نے ان لوگوں کی جو کہ سلطان سے مل گئے تھے گوشمالی کی۔

انھوں نے ۱۵ رمضان المبارک ۸۱۱ھ کو سلطان الشرق ملک تحفہ کو دوآب پر حملہ کرنے کے لیے دھارتربت میں متعین کیا جہاں سے فتح خان اپنے افراد خاندان کے ساتھ بھاگ کر دوآب میں چلا گیا اور کچھ لوگ جو کہ وہاں تھے لوٹ مار کا نشانہ بنے اور گرفتار کر لیے گئے۔

بندگی مسند عالی رہتک سے ہوتے ہوئے دہلی میں آئے جہاں سلطان محمود تغلق حصار سیری اور اختیار خان قصر فیروز آباد میں محصور ہو گئے۔ اسی دوران میں سامان رسد کی کمی واقع ہو گئی جس

کی بناپر مسند عالی دریاے جمنا کو عبور کر کے دوآب میں آ گئے اور وہاں سے اندری کے سامنے سے دریا پار کر کے یلغار کرتے ہوئے فتح پور چلے گئے۔

ترک غلام بیرم خان نے ۸۱۲ھ میں مسند عالی خضر خان سے باغی ہو کر دولت خان کی اطاعت قبول کر لی مذکورہ خبر سنتے ہی جب بندگی مسند عالی نے سرہند کی طرف کوچ فرمایا تو بیرم خان نے اپنے افراد خاندان کو تو پہاڑوں میں بھیج دیا اور خود اپنے لشکر کے ہمراہ دریائے جمنا کو عبور کر کے دولت خان سے جا ملا ادھر مسند عالی نے بھی اس کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے جمنا کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا جب بیرم خان نے کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو عاجز آ کر اور گھبرا کر پھر مسند عالی کی خدمت میں حاضر ہو گیا جنھوں نے وہ پرگنے جو اس کے پاس تھے بدستور اسی کے پاس رہنے دیے اور خود مسلسل کوچ کرتے ہوئے فتح پور کی طرف مراجعت فرمائی۔ اس سال ۸۱۲ھ کے دوران سلطان محمود پایہ تخت ہی میں رہا اور اُس نے کسی طرف چڑھائی نہ کی۔" (11)

دولت خان لودھی کی بادشاہی

جمادی اول 815ھ میں سلطان ناصر الدین محمود فوت ہو گیا اور اہل دہلی نے دولت خان لودھی کو بادشاہ بنالیا تاریخ مبارک شاہی میں اسکی بادشاہی کی تفصیل

یوں ہے:

دولت خان نے دو سال بادشاہی کی مگر وہ کچھ کر نہیں سکا۔اس کا تمام دور ایک ناکام بادشاہ کا دور تھا۔اس کے دور مُں لودھیوں کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

''مذکورہ سال ۸۱۵ھ کے ماہ جمادی الاول میں سلطان محمود تغلق نے کٹھیر کا رخ کیا جب وہ چند روز تک شکار کھیلنے کے بعد وہاں سے واپس آرہا تھا تو دوران راہ ماہ رجب میں اس کو کوئی عارضہ لاحق ہوگیا جس کے نتیجے میں اس نے دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ کیا۔

''بقا بقائی خدا ایست (و) ملک ملک خدائی''

اس تمام عدم استحکام اور اتار چڑھاؤ کے باوجود اس کی مستدت سلطنت بیس سال اور دو ماہ تھی۔واللہ اعلم۔

سلطان کی وفات کے بعد امراء و ملوک اور بندگان سلطانی نے دولت خان کی بیعت کرلی مبارز خان اور ملک ادریس مسند عالی سے باغی ہوکر اس کے ساتھ مل گئے اس سال بندگی مسند عالی بھی فتح پور بی میں رہے اور انھوں نے دہلی کا رخ نہ کیا محرم ۸۱۶ھ میں انھوں نے کٹھیر کی طرف کوچ کیا جہاں رائے ہر سنگھ اور دیگر رایان نے ان کی اطاعت قبول کرلی جب وہ قصبہ پٹیالی میں پہنچے تو امیر بدایوں مہابت خان بھی ان سے آن ملا۔

اسی دوران میں دولت خان کو اطلاع ملی کہ سلطان ابراہیم شرقی نے محمود خان کے بیٹے قادر خان کو محصور کر لیا ہے اور ان کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے لیکن اس کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ سلطان ابراہیم کے مقابلے پر آسکتا چنانچہ وہ مذکورہ سال ۸۱۶ھ کے ماہ جمادی الاول میں واپس دہلی چلا گیا۔

مسند عالی نے مذکورہ سال ۸۱۶ھ کے ماہ رمضان میں دہلی پر لشکر کشی کی جب وہ حصار فیروز پہنچے تو وہاں کے تمام امراء ملوک ان کے ساتھ آن ملے ملک ادریس حصار رہتک میں محصور ہو گیا۔ مسند عالی اس کے قریب پہنچ کر میوات کی طرف چلے گئے جہاں اقلام خان بہادر ناہر نے اپنے بھتیجے جلال خان کے ساتھ ان کی اطاعت قبول کر لی وہاں سے انھوں نے واپس جا کر قصبہ سنبھل کو تاخت و تاراج کیا اور مذکورہ سال ۸۱۶ھ کے ماہ ذی الحجہ میں دوبارہ دہلی آکر دروازہ سیری کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا دولت خان چار ماہ تک محصور رہا آخر کار ملک لونا بندگان سلطانی اور سلطان کے ہوا خواہوں نے اندر ہی اندر سازش کر کے نقا خانے والے صدر دروازے پر قبضہ کر لیا جب سلطان دولت خان نے دیکھا کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے تو اس نے جان کی امان حاصل کر کے مسند عالی کی اطاعت قبول کر لی جنھوں نے اس کو گرفتار کر کے تخت سے الگ کر دیا اور قوام خان

کی نگرانی میں حصار فیروز میں نظر بند کر دیا۔" (12)

تجزیہ

دولت خان لودھی کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ اسکے پاس لودھیوں کی بڑی تعداد موجود تھی

اس کا ایک قابل اعتماد دوست اسد خان لودھی اسکی جانب سے سنبھل کا گورنر بھی تھا مگر دولت خان لودھی کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس کی بادشاہت کا اعلان سلطان محمود کی وفات کی وجہ سے کیا گیا۔ اپنی بادشاہی کے دوران وہ کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہ دے سکا۔ اسکے پاس وسائل کی کمی تھی لہذا نہ تو وہ فتوحات کر سکا اور نہ ہی خضر خان کے خلاف دہلی کو بچا سکا البتہ اس نے چار ماہ تک محصور ہو کر دہلی کا جو دفاع کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکے اندر زبردست قوت مزاحمت موجود تھی مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے وہ ناکام رہا۔ دوسری جانب جب ہم خضر خان کے حالات پڑھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسکی فوج میں بھی کثرت سے لودھی تھے جن میں سب سے اہم سلطان شہ عرف اسلام خان لودھی تھا جو سلطان بہلول کا چچا تھا۔

دولت خان لودھی اور ملک شاہو لودھی کا مقابلی مطالعہ

ملک شاہو لودھی کے مقابلے میں دولت خان لودھی زیادہ طاقتور نظر آتا تھا ملک شاہو لودھی ایک قبائلی سردار تھا اور دولت خان لودھی ایک باا ثر درباری تھا۔ دولت خان کے ولایت روہ سے رابطے نہ تھے جبکہ ملک شاہو کے روہ سے مضبوط رابطے تھے دولت خان نے دہلی پر دو سال حکومت کی اور یوں سلاطین میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

ملک شاہو نے صرف ملتان پر کچھ عرصے قبضہ رکھا پھر واپس وطن چلا گیا۔ دولت خان نے بغاوت کر کے اقتدار حاصل نہ کیا بلکہ امراء کی حمایت سے تخت نشین ہوا ملک شاہو نے بغاوت کی مگر ناکام رہا۔ دولت خان کے امراء تغلق سے مضبوط رابطے تھے مگر ملک شاہو کے امراء تغلق سے رابطے نہ ہونے کے برابر تھے اسے صرف اپنے قبائیلیوں پر غرور تھا دولت خان ایک مستقل مزاج بادشاہ تھا اس نے کئی جنگیں لڑیں اور 4 ماہ تک دہلی کا دفاع کیا ملک شاہو نے محمد تغلق کی آمد سے قبل ہی راہ فرار اختیار کی دولت خان قیدی کی حیثیت سے فوت ہوا ملک شاہو آزاد آدمی کی حیثیت سے فوت ہوا۔

دولت خان لودھی اور سلطان بہلول کا تقابلی مطالعہ

دولت خان کے مقابلے میں سلطان بہلول ہمیں زیادہ طاقتور نظر آتا ہے سلطان بہلول نے بتدریج دہلی میں اپنا اثر ورسوخ پیدا کیا وہ غیر درباری شخص تھا دولت خان درباری تھا سلطان بہلول امراء کی مخالفت کے باوجود اوران سے ٹکر لے کر تخت نشین ہوا۔ دولت خان امراء کی حمایت سے تخت نشین ہوا سلطان بہلول کے روہ سے رابطے تھے جن سے اسے تقویت ملی دولت خان ان رابطوں سے محروم تھا۔ سلطان بہلول نے افغانوں کی حکومت کی باقاعدہ بنیاد رکھی ۔دولت خان افغان سلطنت قائم کرنے میں ناکام رہا۔ سلطان بہلول نے دہلی کا کامیاب دفاع کیا دولت خان نے دہلی مخالفین کے حوالے کر دیا۔ سلطان بہلول بادشاہ کے طور پر فوت ہوا دولت خان قیدی کے طور پر فوت ہوا سلطان بہلول نے سلطنت کو کامیابی کے ساتھ وسعت دی دولت خان ایسا کرنے میں ناکام رہا اور دہلی تک محدود رہا۔ سلطان

بہلول قبائلی تھا۔ اور تعیشات سے دور تھا۔ دولت خان آرام طلب شخص تھا سلطان بہلول کو افغانوں کی عصبیت حاصل تھی دولت خان کو افغان عصبیت بالکل حاصل نہ تھی۔

حواشی

1 فرشتہ ا ص 431

2 تاریخ فیروز شاہی ص 251

3 لودھی پٹھانے ص 33-31

4 تاریخ مبارک شاہی ص 6-351

5 ایضاً ص 264-256

6 ایضاً ص 272-264

7 ایضاً ص 272

8 ایضاً ص 3-272

9 ایضاً ص 273

10 ایضاً ص 274

11 ایضاً ص 278-275

12 ایضاً ص 279-278

maablib.org

باب نمبر 6

حکومت خاندان سادات اور لودھی پٹھان

دولت خان لودھی کی شکست اور خضر کان کی کامیابی سے بظاہر لگتا ہے کہ لودھی ناکام ہو گئے مگر حقیقت یہ ہے کہ خضر خان کی کامیابی ہی لودھیوں کو تخت دہلی کے قریب لے آئی۔ خضر خان عرصے سے ملتان اور دیپالپور پر حاکم تھا اور یہی وہ علاقہ تھا جہاں کبھی ملک شاہو لودھی حکمران رہا تھا لودھیوں اور خصوصاً شاہو خیل لودھیوں کا وطن اس علاقے سے قریب تھا اور یہاں انکی آمدورفت جاری تھی ملک شاہو تو واپس چلا گیا تھا مگر اس کی اولاد یہاں آتی رہی۔ جب امیر تیمور نے حملہ کیا تو بہت سے لودھی اور دیگر پٹھان اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔

سنہ ۸۰۱ھ میں جب امیر تیمور صاحب قران نے ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ فرما کر اس ملک پر لشکر کشی کی تو اس نے ملک خضر لودھی ملک بہا الدین جلوانی ملک یوسف سروانی ملک حبیب نیازی ملک احمد شیرانی اور ملک یاسین اور مرکو کوہ سلیمان اور اس کے گردونواح کی بستیوں سے بلا کر ان پر انعام و کرام کی بارش کی اور ان کے بارہ ہزار ساتھیوں میں سے ہر ایک کو جنگی گھوڑے خاص قسم کی وردیاں اور مرصع خنجر و شمشیریں دے کر اپنے ہمراہ لیا اور کھول جلالی کے راستے دہلی کا رک کیا جب ملتان پہنچا تو ایک لائق افغان سردار مرزا پیر محمد کو جسے زمینداروں نے

قلعے میں قید کر رکھا تھا اور جس کی رہائی کا کوئی امکان نہ تھا آزاد
کر دیا اور اسے بھی انعام و کرام کے علاوہ ضروری سامان جنگ
دے کر اپنے ساتھ لیا۔(1)

سلطان خضر خان اسلام خان لودھی:

سلطان خضر خان کا ایک خاص صاحب ملک شاہ بہرام عرف سلطان شاہ لودھی تھا جو بعد ازاں اسلام خان لودھی کہلایا۔ 1417ھ میں اسے سرہند کا علاقہ تفویض کیا گیا اور اس نے نعلی سارنگ خان کی بغاوت کو کچلا۔ اسلام خان لودھی عرصے سے خضر خان کے ساتھ وابستہ تھا کہتے ہیں کہ جب اقبال خان ملو نے خضر خان سے ملتان کے پاس جنگ کی تو اقبال خان سلطان شاہ لودھی کے ہاتھوں ہی قتل ہوا تھا۔ اسلام خان لودھی کے خضر خان کے خاندان سے تعلقات کی بابت فرشتہ لکھتا ہے کہ:

"اس خاندان کی اصلیت یہ ہے کہ لودھی فرقے کی بہت سے افغانی گروہ کے گروہ ہندوستان میں تجارت کرنے آتے تھے اسی افغانی گروہ میں ایک شخص جس کا نام ملک بہرام تھا اور یہ بہرام لودھی کا دادا تھا وہ اپنے بھائی سے ناراض ہو کر ملتان چلا آیا اور سلطان فیروز شاہ باربک کے زمانہ میں وہی رہ پڑا۔ ملک بہرام نے ملک مردان دولت جو ملتان کا حاکم تھا کی ملازمت کر لی بہرام کو خدا نے پانچ بیٹے دیئے جن کے نام یہ ہیں ملک سلطان

شاہ، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد، ملک خواجہ، یہ پانچوں بھائی باپ کے بعد بھی ملتان ہی میں رہے سلطان فیروز شاہ کے دور میں خضر خاں ملتان کا حکمران بن گیا اور ملک سلطان شہ خضر خاں کی ملازمت کر کے افغانوں کے ایک گروہ کا سردار ہوگیا۔ سلطان شہ کی قسمت اچھی تھی خضر خاں اور اقبال ملو کی جنگ میں ملو اقبال اور سلطان شہ کا مقابلہ ہوگیا اقبال کا زوال شروع ہو چکا تھا لہٰذا وہ سلطان شہ کے ہاتھوں مارا گیا سلطان شہ خضر خاں کے مقربین خاص میں شامل ہوگیا اور اسلام خاں کے لقب سے سرفراز ہوا۔ سرہند کا حاکم بنا دیا گیا بہرام لودھی کے باقی چاروں بیٹے بھی اپنے بھائی کے پاس رہنے لگے ملک کالا بہلول کا باپ اپنے بھائی کی خاص توجہ سے دورالہ کا حاکم مقرر ہوا۔ (2)

''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام خان لودھی اور خضر خان میں باہمی اعتماد بہت پختہ تھا مذکورہ بیان سے ظاہر ہے کہ اسلام خان لودھی کے پاس اس کے پورے کنبے کے لوگ تھے۔ جس میں اس کے بھائی، رشتہ دار، ملازم، غلام وغیرہ سب شامل تھے۔ واقعات مشتاقی سے بھی ظاہر ہے کہ وہ سے بہت سے لوگ اسلام خان کے پاس آنے لگے تھے جیسا کہ ہم بہلول لودھی کے باب میں تفصیل سے پڑھیں گے۔ غرض کہ اسلام خان کے پاس عددی قوت تھی اور یہی عددی قوت اتنی بڑھی کہ بہلول لودھی کے اقتدار کی بنیادیں گئی۔ 1417ھ میں اسلام خان لودھی کو سرہند کی جاگیر ملی اور اس

نے نقلی سارنگ خان سے مقابلہ کیا جس کی تفصیل تاریخ مبارک شاہی میں یوں درج ہے۔

''اسی دوران میں نقلی سارنگ کے ظہور کے بارے میں یہ خبر بندگی رایات اعلیٰ کے سمع مبارک تک پہنچائی گئی کہ جالندھر کے مضافات میں واقع کوہستان باجوارہ میں ایک شخص منظر عام پر آیا ہے جو خود کو سارنگ کہلواتا ہے اور بعض نادان کوتاہ اندیش اور جاہل لوگ اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔
چنانچہ اس نے ملک سلطان شاہ بہرام لودھی کو اقطاع سرہند تفویض کر کے نقلی سارنگ کی آتش فتنہ کو بجھانے اور اس کا قلع قمع کرنے کے لیے مامور کیا جو مذکورہ سال ۸۲۲ھ کے ماہ رجب رجب قدرہ میں اپنے مخصوص لشکر کے ساتھ سرہند گیا ادھر سارنگ مذکور بھی دیہاتی لوگوں اور کرائے کے قصباتی سپاہیوں کے ساتھ جنگ کے قصد سے باجوارہ سے روانہ ہوا جب وہ دریائے ستلج کے کنارے پہنچا تو قصبہ اروپر کے لوگ بھی اس کے ساتھ آن ملے۔ مذکورہ سال ۸۲۲ھ کے ماہ شعبان میں وہ سرہند کے قریب خیمہ زن ہوا اگلے روز فریقین میں جنگ ہوئی جس میں خداوند تعالیٰ نے ملک سلطان شاہ لودھی کو فتح بخشی لیکن وہ مذکورہ سارنگ کو کوئی خاص نقصان نہ پہنچا سکا اور وہ شکست سے دوچار ہو کر خطہ سرہند کے نواحی قصبے لھوری کی طرف فرار ہو گیا''

جہاں قصبہ جہت کا حاکم خواجہ علی مازندرانی بھی اپنے لشکر کے ہمراہ اس کے ساتھ آن ملا اور اسی دوران میں سامانہ کا امیر زیرک خان ترکی غلاموں کا سردار اور جالندھر کا حاکم طوغان ملک سلطان شاہ لودھی کی مدد کے لیے سرہند میں آئے۔

جب مذکورہ سارنگ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ کر اروبر کی طرف چلا گیا اس پر مذکورہ خواجہ علی سارنگ سے روگردانی کر کے زیرک خان کے ساتھ آن ملا۔ اگلے روز لشکر منصور نے نقلی سارنگ کے تعاقب میں قصبہ اروبر تک فوج کشی کی چنانچہ وہ اروبر سے بھاگ کر پہاڑوں میں جا گھسا اور لشکر منصور نے وہیں پر پڑاؤ ڈال دیا اسی دوران میں اس خضر خان نے ملک خیرالدین خانی کو افواج کے ساتھ مذکورہ سارنگ کے فتنہ وفساد کا قلع قمع کرنے کے لیے متعین کیا جو مذکورہ سال ۸۲۲ھ کے ماہ رمضان میں یلغار کرتا ہوا قصبہ اروبر میں جا پہنچا اور وہاں سے تمام افواج کو مجتمع کر کے اس سارنگ کے پیچھے پہاڑوں میں در آیا چونکہ مذکورہ سارنگ کا زور ٹوٹ چکا تھا اور وہ بے سروسامان ہو چکا تھا اور پہاڑ بھی قابل تسخیر نہ تھا اور اس لیے چاروناچار فوجیں واپس آگئیں ملک خیرالدین خانی پایہ تخت کی طرف لوٹ گیا زیرک خان سامانہ کی طرف سدھارا اور ملک سلطان شاہ لودھی کو ایک اور لشکر دے کر اروبر کی چھاؤنی میں چھوڑ دیا گیا جب لشکر منتشر

ہو گیا تو مذکورہ سارنگ نے محرم ۸۲۳ھ میں ترک سردار طوغان
سے ملاقات کی جس نے اس کو دھوکے سے قابو کر کے قید اور پھر
قتل کر دیا۔(3)''

نقلی سارنگ کان کی شکست اسلام خان کا اہم کارنامہ تھا۔ اس نے اپنی حربی صلاحیت ثابت کر دی تھی۔ بادشاہ کو اس کی طاقت کا احساس ہو گیا۔ وہ بادشاہ کے اور قریب ہو گیا اور جب اسلام خان نے جسرت کھوکھر سے مقابلہ کیا تو پھر تو وہ مقربین میں شمار ہونے لگا۔ 824ھ میں خضر خان کی وفات کے بعد ابوالفتح مبارک شاہ بن خضر خان بادشاہ بنا اس نے بھی اسلام خان لودھی کو سرہند کی حکومت پر قائم رکھا جب جسرتھ کھوکھر نے بغاوت کی اور سرہند پر حملہ کیا تو اسلام خان نے بہت بہادری سے سرہند کا دفاع کیا اور بادشاہ مبارک شاہ خود اسکی مدد کو آیا اور جسرتھ کھوکھر کو شکست دی:

''اس جسرت کھوکھر نے دریائے ستلج کے کنارے کنارے اروپر
کی حدود تک لوٹ مار مچائی اس کے چند روز بعد اس نے دوبارہ
دریائے ستلج کو عبور کر کے جالندھر کی طرف لشکر کشی کی جہاں
زیرک خان حصار جالندھر میں محصور ہو گیا جسرتھ نے دریائے
بیس کے کنارے پر واقع قصبے سے تین کوس کے فاصلے پر پڑاؤ
ڈالا اور صلح کی گفتگو چھیڑ دی آخر فریقین میں ان شرائط پر صلح ہو گئی
کہ مجلس عالی زیرک خان حصار جالندھر کو خالی کر کے طوغان کے
حوالے کر دے اس کے بدلے میں اس کے ایک بیٹے کو بطور
یرغمالی اپنے ہمراہ دریا میں لے جائے اور خود جسرتھ بھی سلطان

مبارک شاہ کے حضور میں نذرانہ بھیج کر واپس چلا جائے۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق جمادی الآخر ۸۲۴ھ کو زیرک خان حصار جالندھر سے نکل کر دریائے بیسی کے کنارے جسرتھ مذکور کے لشکر سے تقریباً تین کوس کے فاصلے پر خیمہ زن ہوا لیکن جسرتھ کھوکھر اس کے دوسرے ہی روز قول و قرار سے پھر گیا اپنی تمام جمعیت کے ساتھ آمادہ پیکار ہو کر زیرک خان کے سراپردہ کے دروازے پر آدھمکا اس کو مکمل پہرے میں اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوا اور دریائے ستلج کو عبور کر کے دوبارہ قصبہ لدھیانہ میں فروکش ہو گیا۔

جب وہ ۲۰ جمادی الآخر ۸۲۴ھ کو وہاں سے مسلسل کوچ کر کے عین برسات کے موسم میں سرہند پہنچا تو امیر سرہند ملک سلطان شاہ لودھی کے حصار میں محصور ہو گیا جسرتھ مذکور نے قلعہ فتح کرنے کی بہت کوشش کی لیکن خداوند تعالیٰ نے قلعہ اور اہل قلعہ کی حفاظت کی اور وہ حصار سرہند کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔ جب ملک سلطان شاہ لودھی کے فریاد نامہ سے اس کا حال بادشاہ عالم پناہ پر ظاہر و آشکار ہوا تو وہ مذکورہ سال ۸۲۴ھ کے ماہ رجب میں عین برسات کے دوران پایہ تخت سے نکلے اور جسرتھ کی سرکوبی کے لیے سرہند کی طرف روانہ ہوئے اور یلغار کرتے ہوئے سامانہ کے گرد و نواح میں واقع قصبہ کوہلہ میں جا پہنچے جب

جسرتھ مذکور نے لشکر منصور کی آمد کی خبر سنی تو وہ ماہ مذکور رجب کی
ستائیس تاریخ کو حصار سرہند سے محاصرہ اٹھا کر لدھیانہ کی طرف
کوچ کر گیا اس نے جاتے جاتے مجلس عالی زیرک خان کو واپس
کر دیا جس خطہ سامانہ میں پہنچ کر بادشاہ عالم پناہ کی قدمبوسی
کی۔(4)"

اس شکست کے باوجود جسرتھ کھوکھر کے حوصلے بلند رہے اور اس نے کئی بار لاہور پر حملہ کیا مگر شکست کھائی اس دوران سلطان شاہ لودھی خان اسلام خان لودھی شاہی فوجوں کی معاونت کرتے رہے اور ثابت قدمی سے اس کے خلاف قائم رہے بادشاہ کو اسلام خان اہمیت کا احساس تھا کہ جسرت جیسے خطرناک طاقتور دشمن سے اسلام خان جیسا شخص ہی مقابلہ کر سکتا ہے۔

"اسی دوران میں ملک سکندر تحفہ جو کہ ایک لشکر گراں کے ساتھ
ملک محمود حسن کی کمک کے لیے بادشاہ کی طرف سے مامور ہوا تھا
دھوبی گھاٹ پر آن پہنچا چونکہ جسرتھ مذکور میں تاب مقاومت نہ
تھی اس لیے وہ اپنے آدمیوں کو دریائے راوی اور جانہاؤ کو عبور
کر کے اپنے ہمراہ کوہ تیکھر میں لے گیا۔ ملک الشرق سکندر نے
بوہی گھاٹ سے دریائے بیاس کو عبور کیا اور مذکورہ سال ۸۲۵ھ
کی ۱۲ شوال کو شہر میمون مبارک آباد لاہور میں خیمہ زن ہوا جہاں
ملک محمود حسن نے قلعہ سے تین کوس باہر آ کر اس سے ملاقات کی
اس سے پہلے ملک رجب امیر دیپالپور ملک سلطان شاہ لودھی

امیر سرہند اور رائے فیروز مین ملک سکندر سے ملحق ہو چکے تھے۔
لشکر مذکور دریائے راوی کے کنارے کنارے کلانور کی طرف روانہ ہوا اور قصبہ بھووہ کے قریب دریا کو عبور کر کے جموں کی حدود میں در آیا جہاں رائے بھیم بھی اپنے لشکروں کے ہمراہ ان متحدہ لشکروں کے ساتھ آن ملا۔اس کے بعد یہ لشکر بعض ان کھو کھروں کو جو کہ دریائے جانہاؤ چناب کے کنارے جسرتھ سے کٹ کر رہ گئے تھے تاخت وتاراج کا نشانہ بنا کر شہر میمون مبارک آباد لاہور کی طرف واپس چلے گئے''(5)

اسکے بعد جب مبارک شاہ اور سلطان ابراہیم شرقی میں جنگیں شروع ہوئیں تو بھی اسلام خان لودھی بادشاہ کا بازو بنا رہا اور جنگوں میں اہم کردار ادا کیا۔اس نے ہر موقع پر ہمت سے کام لیا اور اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا:

''آخر کار جمادی الآخر ۸۳۱ھ کو سلطان ابراہیم شرقی اپنے پورے جاہ وحشم پیادوں سواروں اور فیل بانوں کے ساتھ جنگ کے لیے مستعد ہو گیا ادھر بندگی رایات اعلیٰ مبارک شاہ بذات خود ملک الشرق سرور الملک وزیر سید السادات سید سالم اور اکثر بڑے بڑے امراء خیمہ سراپردہ شاہی ہی میں رہے اور انھوں نے ملک الشرق ملک محمود حسن خان اعظم فتح خان بن سلطان مظفر گجراتی مجلس عالی زیرک خان ملک الشرق ملک سلطان شاہ جو کہ اسلام خان کے خطاب سے مشترف ہوا تھا خان جہان مرحوم

کے پوتے ملک چمن ملک کالو خان داروغہ فیل خانہ ملک احمد تحفہ
اور ملک مقبل خان کو آمادہ پیکار کر کے سلطان ابراہیم شرقی کے
مقابلے پر میدان کارزار میں بھیجا فریقین میں دوپہر سے شام
تک کشت و کشتار کا بازار گرم رہا۔"(6)

831ھ سنہ میں جسرتھ کھوکھر اور حاکم لاہور ملک سکندر میں لڑائیاں ہوئیں تو اسلام خان لودھی مبارک شاہ کے حکم سے حاکم لاہور کی مدد کی۔

"جسرتھ مذکور دوبارہ کلانور سے ہوتا ہوا جالندھر کی حدود میں
دریائے بیاس کو عبور کر کے حصار جالندھر پر حملہ آور ہوا لیکن
چونکہ وہ بہت مستحکم تھا اس لیے اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا اور
محض اُس کے گردونواح کے لوگوں کو اسیر و دستگیر کر کے کلانور کی
طرف لوٹ گیا۔ یہ خبر سنتے ہی بندگی رایات اعلیٰ مبارک شاہ نے
امیر سامانہ مجلس عالی زیرک خان اور امیر سرہند اسلام خان کی
طرف فرمان بھیجا کہ اپنی فوجوں کو آمادہ کارزار کر کے امیر لاہور
ملک الشرق ملک سکندر کی مدد کریں۔"(7)

جب امروہہ کے علاقے میں ایک ترک غلام پولاد نے بغاوت کی تو اسلام خان بھی مبارک شاہ کے ساتھ اسکی سرکوبی کو گیا یہ 833ھ شوال کا واقعہ ہے:

"بندگی رایات اعلیٰ مبارک شاہ کو یہ خبر سن کر بہت تشویش ہوئی
انھوں نے بنفس نفیس بھٹنڈہ کا قصد کیا اور یلغار کرتے ہوئے
خطہ سرستی میں جا پہنچے جہاں کے امراء و ملوک ان کے لشکر منصور

سے آن ملے پولاد مذکور کے پاس قلعہ داری کے لیے بہت ساز وسامان موجود تھا جس کے بل بوتے پر وہ قلعہ بھٹنڈہ میں محصور ہو کر بیٹھ گیا ادھر مجلس عالی زیرک خان ملک کالو داروغہ فیل خانہ اسلام خان اور کمال خان بھی قلعہ بھٹنڈہ کا محاصرہ کر کے خیمہ زن ہو گئے۔ اسی دوران میں ملک الشرق عماد الملک محمود حسن امیر سلطان کو پولاد مذکور کے فتنہ وفساد کی آگ بجھانے کی تدبیر کرنے کی غرض سے ملتان سے طلب کیا گیا چنانچہ وہ مذکورہ سال ۸۳۳ھ کے ماہ ذی الحجہ میں اپنی افواج کو ملتان ہی میں چھوڑ کر چند منتخب سواروں کے ساتھ خطہ سرتی میں آیا اور شرف قدم بوسی سے مشترف ہوا۔

اس کے آنے سے پہلے مذکورہ پولاد کہتا تھا کہ مجھے راست باز دوست ملک عماد الملک کی بات پر اعتماد ہے اور اگر وہ میرا ہاتھ تھام کر لے جائے تو میں اطاعت قبول کر لوں گا اور اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے شرف سے مشترف ہوں گا۔ چنانچہ رایات اعلیٰ مبارک شاہ نے اس کو سمجھانے بجھانے کے لیے عماد الملک کو بھٹنڈہ بھیجا جہاں پولاد نے حصار سے باہر نکل کر اس کے دروازے پر ملک عماد الملک اور ملک کالو سے ملاقات کی اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ کل قلعے سے باہر آ کر بندی برایات اعلیٰ مبارک شاہ کی قدم بوسی کرے گا لیکن آخر کار لشکر میں سے بھی کسی

نے اس کو ڈرا دیا کہ تیرے ساتھ دھوکہ ہونے والا ہے چنانچہ اس
نے دوبارہ محصور ہو کر جنگ و جدال کی طرح ڈال دی اور ملک
الشرق ملک عماد الملک ناکام ہو کر رایات اعلیٰ مبارک شاہ کے
حضور میں واپس چلا گیا۔

بندگی رایات اعلیٰ مبارک شاہ نے ۸۳۴ھ کے ماہ صفر میں ملک
الشرق ملک عماد الملک کو رخصت کر کے ملتان کی طرف روانہ کیا
اور خود بخیر و عافیت پایہ تخت کی طرف مراجعت فرمائی البتہ انھوں
نے واپس جاتے وقت خان اعظم اسلام خان کمال خان اور
رائے فیروز کمال کو فرمایا کہ حصار بھٹنڈہ کا محاصرہ کر کے وہیں
خیمہ زن ہو جائیں۔"(8)

مگر جب پولاد کی درخواست پر شیخ علی مغل نے بھٹنڈہ کا رخ کیا تو اسلام
کان وغیرہ نے محاصرہ اٹھالیا اور اپنے اپنے علاقوں کا دفاع کرنے چلے گئے۔"

اس کامیابی سے شیخ علی مذکور اور زیادہ مغرور ہو گیا جو وہ بھٹنڈہ
سے دس کوس کے فاصلے پر پہنچا تو اسلام خان کمال خان اور تمام
دیگر امراء محاصرہ اٹھا کر اپنے اپنے علاقوں کی طرف چلے
گئے۔"(9)

شعبان <u>834</u>ھ میں عماد الملک ملک اشرف شیخ علی سے مقابلہ کرنے ملتان
کی طرف روانہ ہوا ملک سلطان شاہ لودھی ہراول کے طور پر عماد الملک سے آگے روانہ
ہوا اور شیخ علی مغل سے جنگ شروع کر دی اور اس لڑائی میں شہید ہو گیا۔ شعبان

834ھ کا واقعہ ہے۔

"ملک الشرق عماد الملک نے ملک سلطان شاہ لودھی کو ہراول کے طور پر آگے روانہ کیا ہوا تھا ادھر شیخ علی مغل اپنے تمام لشکر کے ہمراہ کوچ کرتا ہوا بڑھتا چلا آ رہا تھا آخر کار دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا اور فریقین میں جنگ چھڑ گئی جس میں آخر کار ملک سلطان شاہ لودھی کی قضا آ پہنچی اور اس نے شہادت پائی اس کے لشکریوں میں سے بعض تہ تیغ ہوئے اور بعض ملتان کی طرف واپس چلے گئے۔" (10)

لیکن تاریخ مبارک شاہی کے ایک دوسرے نسخے میں ہے کہ جو شخص اس لڑائی میں مارا گیا اس کا نام ملک سلیمان لودھی تھا اور یہ غالباً درست ہے کیونکہ اسلام خان لودھی کا نام ہمیں اس کے بعد بھی دو تین مواقع پر ملتا ہے۔ وہ کافی عرصہ بعد طبعی موت مرا میں نے اس پر تفصیلی بحث سلطان بہلول لودھی کے باب میں کی ہے۔

اسلام خان لودھی کے حوالے سے تاریخ فرشتہ وغیرہ میں درج ہے کہ اس نے وفات سے قبل بہلول کو اپنا جانشین بنانے کی وصیت کی تھی تاریخ فرشتہ میں ہے کہ "اسلام خاں نے دھیرے دھیرے ایسا اقتدار حاصل کر لیا کہ بارہ ہزار افغانی جس میں اس کے رشتہ دار بھی شامل تھے اس کے اطاعت گزار ہو گئے اگرچہ اسلام خاں کے اپنے بیٹے موجود تھے مگر اس نے انتقال کے وقت یہی وصیت کی تھی کہ اس کا جانشین ملک بہلول لودھی مقرر

کیا جائے اسلام خاں نے محمد شاہ کے زمانہ ہی میں انتقال کیا۔"(11)

تجزیہ:

اسلام خان لودھی ایک زبردست شخص تھا۔ اس نے بادشاہ کا اعتماد حاصل کیا اور ہر جگہ اس نے بادشاہ کے ساتھ وفاداری قائم رکھی اسلام خان لودھی تعیشات سے دور تھا۔ اس کے اندر قبائلی خو موجود تھی۔ ابتدائی دور میں وہ ملتان میں رہا اور اسی وجہ سے اس کے گروہ کے افغانوں سے رابطے رہے۔ اس کے پاس وہاں سے سپاہی آ کر بھرتی ہوئے تھے۔ اسلام خان نے اپنی ساری زندگی جدوجہد اور محنت میں گزاری ہے۔ اس کو افغانوں کی عصبیت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ شاہی اعتماد بھی حاصل تھا۔ اس نے ہر موقع پر بہادری کے جوہر دکھائے۔ اس کے عددی قوت بہت زیادہ تھی جن میں کثرت سے افغان شامل تھے۔ فنون حرب سے وہ اچھی طرح آگاہ تھا۔ بہلول لودھی نے اس کے زیر سایہ تربیت حاصل کی تھی۔ بہلول کے عروج میں اس کو بہت بڑا دخل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مرنے کے حرف چھ سال کے اندر بہلول لودھی شاہی افواج کا سپہ سالار بن گیا۔ اسلام خان لودھی میں تعصب نام کو نہیں تھا۔ اس کے آبائی وطن گروہ سے رابطے بہت مضبوط تھے۔ مگر اس نے شادی ہندوستانیوں میں کی تھی۔ اس کی بیوی راجپوت قوم سے تھی جن سے قطب خان لودھی پیدا ہوا تھا۔ اس نے ہمیشہ صلاحیت کی بات کی یہی وجہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے گروہ پر اپنے بیٹے قطب خان کی جگہ بھتیجے بہلول لودھی کو حاکم بن گیا۔

ملک سلیمان لودھی

خاندان سادات کے دور میں اسلام خان لودھی کے بعد ملک سلیمان لودھی کا نام آتا ہے ملک سلیمان شاہ لودھی کے بارے میں تاریخ مبارک شاہی کے ایک نسخے میں درج ہے کہ شیخ علی سے جنگ میں ملک سلیمان شاہ لودھی مارا گیا تھا (12)

ملک الہ داد خان لودھی

ملک الہ داد خان لودھی بھی مبارک شاہ کے دور کا ایک اہم امیر تھا یہ بہت طاقتور تھا اور اسے سرہند کا علاقہ تفویض کیا گیا تھا مگر پھر جسرتھ کھکھر نے اسے وہاں سے بے دخل کر دیا۔

''بادشاہ جہاں پناہ نے اس سامانہ کی طرف لشکر کشی کا ارادہ فسخ کر دیا اور اقطاع لاہور و جالندھر نصرت خان سے واپس لے کر ملک الہداد کا کا لودھی کے سپرد کر دیے جب ملک الہداد ولایت جالندھر میں آیا تو جسرتھ جو کہ جنگ کے لیے آمادہ اور مستعد تھا دریائے بیاس کو عبور کر کے باجواڑہ کی حدود میں داخل ہو گیا جہاں اس کے اور الہداد کے درمیان جنگ ہوئی جس میں خداوند تعالیٰ نے جسرتھ کو فتح بخشی اور ملک الہداد شکست سے دوچار ہو کر وادی کوتھی کی طرف فرار ہو گیا۔'' (13)

یہ واقعہ 836ھ سنہ کا ہے اسکے بعد الہداد خان لودھی کو سنبھل کا حاکم بنادیا گیا۔ (14) اسکے بعد بھی الہداد خان لودھی دربار میں کافی بااثر رہا اور جب

سرور الملک نے سلطان مبارک شاہ کو قتل کرایا تو الہداد خان نے نئے بادشاہ سلطان محمد شاہ بن سلطان مبارک شاہ کا ساتھ دیا اور سرور الملک کو برباد کرنے میں اسکی مدد کی۔

مختصر یہ کہ جب سرور الملک مذکور کی ناہنجاری اور کافران مقہور کی بد کرداری کی شہرت تمام ملک میں پھیل گئی تو اکثر امراء وملوک نے جو کہ رایات اعلیٰ خضر خان مرحوم کے پروردہ اور برآوردہ تھے اس بنا پر اس سے بغاوت کرنے پر اتر آئے۔ ابھی سرور الملک بے تدبیران سے عہدہ براہونے کی تدبیر ہی سوچ رہا تھا کہ امیر سنبھل واھار ملک الہ داد کا کا لودھی حاکم بدایوں خان جہان مرحوم کے پوتے میاں جین امیر علی گجراتی اور ترک امیر کیک کی مخالفت کی خبر اس کے کانوں تک پہنچی چنانچہ اس کی طرف سے ملک الشرق کہال الملک اور خان اعظم سید خان بن سید سالم مذکورہ فتنہ کو فرو کرنے کے لیے مغرور ہوئے اور ملک یوسف بن سرور الملک اور سدھارن گنگو بھی ان کے ہمراہ جانے کے لیے مامور ہوئے اس ملک الشرق کہال الملک نے ماہر مبارک رمضان عمت برکاتہ میں مکمل طور پر حاضر و آمادہ ہو کر خوض رانی کے قریب پڑاؤ ڈالا اور چند روز محمود اور مسدت معہود کے بعد وہاں سے کوچ کر کے دریائے جمنا کے کنارے خیمہ زن ہوا اور پھر کیچھ گھاٹ سے گزر کر یلغار کرتا ہوا بلا خوف وخطر خطہ برن میں جا پہنچا جہاں اس نے سرور الملک سے انتقام لینے کی تدبیر

سوچنے کی غرض سے توقف کیا۔

جب ملک الہ داد نے لشکر منصور کی آمد کی خبر سنی تو اس نے چاہا کہ جنگ کیے بغیر دریائے گنگ کو عبور کر کے کہیں چلا جائے لیکن چونکہ اس پر یہ بات اچھی طرح سے واضح ہو چکی تھی کہ ملک الشرق کہال الملک نے سرور الملک سے مبارک شاہ کے خون کا انتقام لینے کے لیے اہتمام کر رکھا ہے اس لیے اس بھروسے پر اس نے قصبہ اھار میں ڈیرہ ڈال دیا جب سرور الملک کو اس صورت حال کا پتا چلا تو اس نے اپنے غلام ملک ہشیار کو مدد پہنچانے کے بہانے ملک الشرق کہال الملک کے پاس بھیجا اس دوران میں عنقریب الایام ملک جین بھی خطہ بدایوں سے پیش قدمی کا اہتمام کر کے قصبہ اھار میں ملک الہ داد سے آن ملا اس سے ملک یوسف ہوشیار اور سدھارن جو کہ پہلے ہی کہال الملک سے خائف تھے اور زیادہ خائف ہو گئے جب انھوں نے میدان مقاومت تنگ پایا تو گوئے سرگشتہ کی طرح بے قرار ہو گئے اور چوگان شجاعت کو ہاتھ سے پھینک کر لشکر منصور کے خوف سے پایہ تخت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ مذکورہ ماہ رمضان ۸۳۷ھ کے آخری روز ملک الہ داد میاں جیمن اور دیگر امراء جو کہ ان کے یار و مددگار تھے ملک الشرق کہال الملک سے آن ملے اور جب ایک جمعیت انبوہ اور لشکر باشکوہ اس کے

گرد جمع ہو گیا تو وہ یلغار کرتا ہوا شوال کو کچھ گھاٹ پر پہنچا۔ جب سرور الملک کو اس صورت حال کا پتا چلا تو اگرچہ وہ بے حال ہو چکا تھا اس کے باوجود اس نے بہر حال قلعہ بند ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جب ملک کمال الملک نے اگلے روز اپنے باغات سے کوچ کر کے حصار سیری کے قریب پڑاؤ ڈالا تو گردونواح کے اکثر امراء و ملوک اس کے ساتھ آن ملے جنھوں نے اس کے ساتھ مل کر مذکورہ سال ۸۳۷ھ کے ماہ شوال میں حصار سیری کا اتنی سختی سے محاصرہ کیا کہ کسی کو اندر سے باہر آنے کی ہمت نہ پڑتی تھی البتہ قلعے کی مضبوطی کی وجہ سے اگرچہ لشکر منصور کے جیالے ہر روز اس پر حملہ آور ہوتے رہے اور انھوں نے اس کی فصیلوں میں کئی جگہوں پر شگاف بھی ڈال دیے تاہم تین ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ مختصر یہ کہ بادشاہ عالم جو کہ قلعہ کے اندر بظاہر ان سرور الملک اور اس کے ساتھیوں کے یار و مددگار تھے باطن چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح سے ان سے خان شہید مبارک شاہ کے خون کا بدلہ لیں لیکن ان کا بس نہیں چلتا تھا ادھر وہ بھی خائف بادشاہ کے خوف سے اس فکر میں تھے کہ بوقت فرصت اور ہنگام خلوت بادشاہ سے دغا کریں چنانچہ دونوں ایک دوسرے سے چوکس اور چوکنے رہتے تھے۔ سرور الملک حرام خوار اور میران

صدر مکار کے بیٹے ۸ محرم ۸۳۸ھ کو خاطر پر مکر اور اندیشہ غدر کے ساتھ اچانک سراپردہ شاہی میں در آئے ۲۲۳ ادھر بادشاہ عالم پناہ بھی ان سے عہدہ برا ہونے کے لیے آمادہ و مستعد تھے جب معاملہ حد غایت اور فرط نہایت سے آگے بڑھ گیا تو انھوں نے چاہا کہ سیاست سزا کی تلوار ان خاکساروں پست فطرتوں کے حلق میں اتار دیں اور ان کی یاد غرور کی گرد کو اپنی آتش قہر سے بٹھا دیں چنانچہ انھوں نے سرور الملک حرام خوار کو تلوار اور کٹار کے وار سے وہیں پر قتل کروا دیا اور میران صدر کے بیٹوں کو گرفتار کر کے دربار کے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا۔" (15)

اسکے بعد ملک الہداد خان لودھی نے بادشاہ کی خدمات کے صلہ میں خود کوئی خطاب نہ لیا مگر اپنے بھائی کو دریا خان کا خطاب دلوادیا یہ واقعہ 838ھ محرم سنہ کا ہے" مختصر یہ کہ اگلے روز ملک الشرق کمال الملک اور ان سب امراء ملوک نے جو کہ پہلی بار تخت نشینی کے وقت پایہ تخت سے باہر تھے بادشاہ عالم پناہ کی دوبارہ بیعت کی اور اپنی اور عام لوگوں کے اتفاق رائے سے ان کو سریر آرائے سلطنت کیا ملک الشرق کمال الملک کو عہدہ وزارت اور خطاب کمال خان عطا ہوا ملک جین کو شازی الملک کے خطاب کے ساتھ حسب سابق اقطاع امروھہ و بدایوں تفویض کئے گئے ملک الہ داد لودھی نے کسی قسم کا خطاب خانی لینا ضروری نہ

سمجھا البتہ اس نے اپنے بھائی کو دریا خان کا خطاب دلوایا۔''(16)

الہ داد لودھی کے بقایا حالات دستیاب نہیں ہیں۔

اسلام خان لودھی

یہ سلطان شاہ لودھی عرف اسلام خان لودھی کا ہم نام تھا مگر اس سے الگ ایک امیر تھا اس کا سلطان محمد بن مبارک شاہ کے امراء میں صرف نام ملتا ہے مگر حالات دستیاب نہیں ہیں۔(17)

دریا خان لودھی

دریا خان لودھی سلطان محمد بن مبارک شاہ کے امراء میں تھا اور الہداد لودھی کا بھائی تھا جو سنبھل کا حاکم تھا سلطان علاء الدین بن محمد شاہ کے دور میں دریا خان سنبھل کے حاکم بن گیا(18) لگتا ہے کہ اس وقت الہداد لودھی انتقال کر چکا تھا یاد رہے کہ اسکو دریا خان کا خطاب 838ھ میں ملا تھا جبکہ سلطان محمد 849ھ میں فوت ہوا اور سلطان علاء الدین تخت نشین ہوا جب سلطان بہلول تخت نشین ہوا 851ھ تو دریا خان اس سے کھچا رہا اور جب سلطان شرقی نے بہلول پر حملہ کیا تو دریا خان لودھی سلطان شرقی سے مل گیا مگر پھر بر بنائے عصبیت اور قطب خان لودھی کے سمجھانے سے اس سے الگ ہوگیا اور پھر سلطان بہلول سے مل گیا بعد ازاں اس نے سلطان بہلول کی حمایت میں سلطان شرقی سے جنگ بھی کی۔(19)

ملک بہلول لودھی

یہ اسلام خان لودھی سلطان شاہ لودھی کا بھتیجا تھا اسکے مرنے کے بعد یہ اس کا جانشین ہوا اور سرہند کا منصب حاصل کر لیا اس نے ولایت روہ سے افغان خصوصاً لودھی بلائے اور اپنی پوزیشن مضبوط کی جلد ہی سپہ سالار شاہی افواج بن گیا اور چند برس کے اندر اقتدار پر قبضہ کر کے لودھی خاندان کی بنیاد رکھی 840ھ کی جنگوں میں ملک بہلول ہمیں سپہ سالار افواج نظر آتا ہے جبکہ اسلام خان لودھی 834ھ میں شہید ہوا تھا اس سے ظاہر ہے کہ ملک بہلول خان نے اس عہدے تک پہنچنے کے لیے بڑی سخت محنت کی ہے ملک بہلول کے تفصیلی حالات ہم آگے ابواب میں بیان کرینگے۔

حسین خان افغان

یہ افغان تھا اور سلطان مبارک شاہ نے اسے راپڑی کا اقطاع دیا تھا اس کے قبیلے کے بارے میں کچھ علم نہیں اسکے بعد اسکے بیٹے قطب خان افغان کو سلطان مبارک شاہ کی جانب سے ہی راپڑی عطاء کیا گیا۔(20)

تجزیہ

سید خاندان کے عہد دوران میں افغانوں کی برتری خصوصاً لودھیوں کی برتری سے ثابت ہوتا ہے کہ سادات کے مختصر دور میں افغان ہی غالب رہے جبکہ سلطان محمد شاہ اور علاء الدین شاہ کے دور میں تو برائے نام انکی حکومت تھی۔ان ادوار میں لودھی غالب رہے اور افغانوں کا ہر جگہ چرچا ہوا۔

لودھیوں کے حالات کا تجزیہ

اگر غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ لودھیوں نے حکومت حاصل کرنے کے لیے بہت سخت محنت کی تھی پہلے دور میں جو محمد بن قاسم سے لیکر خلجی حکمرانوں تک پر محیط ہے لودھی صرف سپاہی دکھائی دیتے ہیں۔ اس دور میں لودھی عام سپاہی تھا یا قبائلی فوج کے سردار تھے۔ وہ ہندوستان آئے جنگوں میں حصہ لیا۔ پہاڑی ہونے کی وجہ سے جنگوں میں بہتر کارکردگی دکھائی۔ اس دور میں انکے اندر حکومت حاصل کرنے کا تصور بھی نہیں تھا وہ جاگیردار سے آگے ترقی نہ کر سکے۔ اشرافیہ پر مکمل طور پر ترک چھائے ہوئے تھے۔ لودھیوں نے اس دور میں اپنی معاشی بقا کی جنگ لڑی تھی اور اپنی حربی ساکھ قائم کرلی۔ جس کے بعد بطور سپاہی انکی بھرتیوں میں اضافہ ہوا۔ دوسرا دور تغلق عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے جب بطور سپاہی افغانوں کی عددی قوت نے انکی اہمیت بڑھادی اور اب امراء میں انکی شمولیت کا آغاز ہوا پہلے وہ ایک دو کی تعداد میں تھے پھر وہ آٹھ دس کی تعداد میں دربار میں آگئے اس دور میں جب بھی انکو موقع ملا انہوں نے بغاوت کی مگر یہ بغاوت مقامی سطح کی تھی۔ لودھیوں اور افغانوں کا خیال تھا کہ جہاں پر وہ گورنر ہیں یا اکثریت میں ہیں وہاں پر ہی اعلان آزادی کیا جائے تغلق خاندان کے دور میں ان کا یہی رویہ رہا انہوں نے تخت دہلی حاصل کرنے کا کبھی نہ سوچا۔

افغانوں کے اس رویے میں تبدیلی امیر تیمور کے حملے کے بعد آئی جب دہلی میں ہی دو بادشاہ بن گئے اور باقی تمام علاقے خودمختار ہو گئے اب انھوں نے تخت دہلی پر قبضے کا سوچنا شروع کر دیا اس سلسلے کی پہلی کڑی 815ھ میں تخت دہلی پر دولت خان لودھی کا قبضہ تھا 817ھ/1414ء میں وہ معزول ہو گیا مگر لودھیوں کے سر سے تخت کا

نشو نہیں گیا۔ٹھیک 33 سال کے بعد آرمی چیف کا تقرر لودھیوں میں سے ہوتا ہے اور ملک بہلول سپہ سالار بن جاتا ہے اسکے بعد وہ دہلی پر کئی بار قبضے کی ناکام کوشش کرتا ہے مگر 855ھ / 1451ء میں وہ تخت دہلی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ سلاطین دہلی کے 250 سالہ دور میں افغانوں نے بہت صبر کیا اور بہت سخت محنت کی۔ اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا اور انکو منوایا اپنی اہمیت کو منوایا اپنا وطن چھوڑ کر ہندوستان میں آباد ہوئے۔یہیں کی زمین سے اپنا تعلق جوڑا مگر وطن سے بھی رشتہ قائم رکھا۔مختلف جنگوں میں شریک رہے۔خصوصاً مغلوں کے خلاف ہندوستان کا دفاع کیا ہزاروں کی تعداد میں افغان / پٹھان ان جنگوں میں مارے گئے۔ہزاروں زخمی ہوئے۔بہت سے معذور ہو گئے۔کئی بار نقل مکانی کی ہندوستان کے طول و عرض میں جگہ جگہ نوکریاں کیں۔سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔آخر کار اپنی منزل تک پہنچ ہی گئے۔

maablib.org

حواشی

1 مخزن ص126-125

2 فرشتہ II 325

3 تاریخ مبارک شاہی ص291-289

4 ایضاً ص297-95

5 ایضاً ص301

6 ایضاً ص312

7 ایضاً ص317

8 ایضاً ص320-22

9 ایضاً ص322

10 ایضاً ص324

11 فرشتہ ص385

12 تاریخ مبارک شاہی (انگریزی) ص227

13 تاریخ مبارک شاہی ص332-333

14 ایضاً ص346

15 ایضاً ص346-49

16 ایضاً ص350

17 فرشتہ II380

18 ایضاً ص383

19 ایضاً ص388-389

20 تاریخ مبارک شاہی (انگریزی) ص234

maablib.org

باب نمبر 7

آزاد ہندوستانی ریاستوں کے مختصر حالات

جب سلطان بہلول تخت نشین ہوا تو اس وقت ہندوستان میں درج ذیل خود مختار ریاستیں موجود تھیں۔ ان کے مختصر حالات طبقات اکبری سے درج کیے جاتے ہیں۔

(1) ریاست دکن:

سلطان محمد تغلق 725ھ تا 752ھ کے دور میں حسن کانگو نے سلطنت دہلی کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دکن میں اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ 748ھ/8-1347ء میں دولت آباد کے مقام پر تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنا لقب سلطان علاء الدین رکھا۔ گیارہ سال حکومت

کرنے کے بعد وہ 759ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کا لڑکا محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے دور میں بہت خوشحالی ہوئی۔ اس نے 18 سال 7 ماہ حکومت کی اور 778ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا مجاہد شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے ایک سال ایک ماہ حکومت کی اور 779ھ میں قتل ہو گیا۔ اس کے بعد مجاہد شاہ کا چچا زاد بھائی داؤد شاہ تخت نشین ہوا اس نے ایک ماہ حکومت کی۔ اس کے بعد محمد شاہ بن محمود تخت نشین ہوا۔ وہ 19 سال 9 ماہ تخت نشین رہ کر 799ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین ایک ماہ تخت نشین رہا۔ اس کے بعد اس کی جگہ اس کے بھائی شمس الدین کو تخت نشین کیا گیا۔ وہ 2 ماہ تخت نشین رہا۔ پھر سلطان فیروز شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کا دور پر امن دور تھا۔ وہ 825ھ میں 25 سال تخت نشین رہ کر فوت ہوا۔ اس کی جگہ اس کا لڑکا احمد شاہ تخت نشین ہو۔ وہ 838ھ/1435ء میں فوت ہوا۔ پھر اس کا بیٹا سلطان علاؤ الدین تخت نشین ہوا۔ وہ 23 سال 9 ماہ برسر اقتدار رہ کر 862ھ/1457ء کو فوت ہو گیا۔ اس کا لڑکا ہمایوں شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے 3 سال حکومت کی اور بہت ظلم کیے۔ 865ھ/1461ء میں فوت ہوا۔ اس کا لڑکا نظام شاہ سات سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس نے 19 سال 4 ماہ حکومت کی اور 887ھ/1482ء میں فوت ہوا۔ پھر اس کا لڑکا شہاب الدین محمود شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے 40 سال حکومت کی اور 927ھ/1521ء میں فوت ہوا۔ پھر اس کا لڑکا احمد شاہ دو سال ایک ماہ حکومت کر کے 929ھ/1523ء میں فوت ہوا۔ پھر علاء الدین بن محمود شاہ 2 سال حکومت کر کے 931ھ/525ھ میں فوت ہوا۔ یہ سلاطین دکن، سید اور لودھی حکمرانوں کے ہم عصر تھے۔

(2) سلطنت گلبرگہ و بیجاپور:

اس کا پہلا سلطان یوسف عادل خان تھا جو چرکس غلام تھا۔ اس نے 806ھ/1393ء

سے 813ھ/1411ء تک حکومت کی۔ اسکے بعد اس کا بیٹا اسماعیل عادل خان تخت نشین ہوا۔ اس نے 25 سال حکومت کی۔ اور 830ھ/7-1426ء میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا ابراہیم عادل خان سلطان ہوا۔ اس نے 25 سال تک یعنی 855ھ/1451ء تک حکومت کی۔ پھر علی عادل خان اس کا بیٹا حکمران ہوا۔ اس نے بھی 25 سال حکومت کی اور وہ 880ھ/1474ء تک حاکم رہا۔

(3) گجرات:

سلطان محمد شاہ بن سلطان فیروز شاہ نے گجرات پر 793ھ/1391ء میں اعظم ہمایوں ظفر خان کو حاکم مقرر کیا تھا۔ جب سلطان محمد شاہ 1393ء میں فوت ہو گیا اور مختلف علاقے خود مختار ہو گئے۔ تو اعظم ہمایوں نے بھی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ 1403ء میں اس کے لڑکے تاتار خان نے اس کی زندگی میں ہی حکومت حاصل کر لی۔ اور محمد شاہ کا خطاب اختیار کیا۔ مگر یہ 2 ماہ ہی حکومت کر سکا۔ اس کے بعد اعظم ہمایوں پھر سے حکمران ہو گیا۔ اور اس نے سلطان مظفر کا لقب اختیار کیا۔ اس نے اب 3 سال 8 ماہ حکومت کی اور 814ھ/1411ء میں فوت ہوا۔ اس کا لڑکا احمد شاہ بن سلطان محمد بن سلطان مظفر تخت نشین ہوا۔ 846ھ/1442ء تک 32 سال حکومت کر کے فوت ہوا۔ اس کا لڑکا محمد شاہ سلطان بنا اور 7 سال حکومت کر کے 855ھ/1451ء میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا قطب الدین احمد شاہ 855ھ/1451ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کی مالوہ کے حکمرانوں سے جنگیں رہیں۔ 7 سال 6 ماہ حکومت کر کے 863ھ/1459ء کو فوت ہوا اور داؤد شاہ پسر احمد شاہ (قطب الدین احمد شاہ کا چچازاد بھائی) تخت نشین ہوا۔ 7 روز تک حکومت رہی۔ اس کے بعد محمود شاہ بن محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کی بھی مالوہ کے حکمرانوں سے جنگیں رہیں۔ اس نے 55 سال حکومت کی اور 917ھ/1511ء میں فوت ہوا۔ اس کا لڑکا سلطان مظفر شاہ تخت نشین

ہوا۔ اس نے بھی حاکم مالوہ اور راجپوتوں سے جنگیں کیں۔ اس نے 14 سال 9 ماہ 932ھ /1525-6ء تک حکومت کی۔ اسی کے دور میں بابر بادشاہ نے تخت دہلی پر قبضہ کیا۔

بنگال:

سلطان محمد بن تغلق شاہ کے دور میں ہی بنگال آزاد ہو گیا تھا۔ اس کا پہلا حکمران سلطان فخر الدین تھا جس نے اپنے حاکم قدر خان کو قتل کر کے خود تخت سنبھالا۔ اس نے 741ھ /1340-1ء تک 2 سال چند ماہ حکومت کی۔ اس کو قتل کر کے ملک علی مبارک، سلطان علاء الدین کے نام سے تخت نشین ہوا اور ایک سال چند ماہ حکومت کی۔ علاء الدین کو حاجی الیاس شمس الدین نے قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ 16 سال حکومت کر کے 757ھ /1356ء میں فوت ہوا۔ پھر اس کا بیٹا سلطان سکندر تخت نشین ہوا۔ 766ھ /1365ء میں فوت ہوا۔ 766ھ /1365ء میں سلطان غیاث الدین بن سلطان سکندر تخت نشین ہوا۔ وہ 8 سال حکومت کر کے 775ھ /1374ء میں فوت ہوا۔ اس کا لڑکا سلطان السلاطین 10 سال حکمران رہا اور 785ھ /1384ء میں فوت ہوا۔ پھر اس کا لڑکا سلطان شمس الدین حکمران 3 سال رہا اور 788ھ /1386ء میں فوت ہوا۔ اس کی وفات پر ایک ہندو زمیندار راجا کانس نے 7 سال حکومت کی۔ اس راجا کا لڑکا مسلمان ہو گیا اور اس کی وفات پر سلطان جلال الدین کے نام سے 17 سال حکومت کی اور 812ھ /1410ء میں فوت ہوا۔ پھر اس کا لڑکا سلطان احمد 16 سال تک حکمران رہا اور 830ھ /7-1426ء میں فوت ہوا۔ اس کے بعد ایک غلام، ناصر 7 روز حکمران رہا۔ پھر سلطان شمس الدین اول کی اولاد میں سے ایک شخص کو ناصر شاہ کے نام سے حکمران کیا گیا۔ وہ 862ھ /1458ء میں 32 سال حکومت کر کے فوت ہوا۔ پھر باربک شاہ نے 17 سال حکومت کی اور 879ھ /1475ء میں فوت ہوا۔ پھر یوسف شاہ حاکم بنگال ہوا اور 887ھ /1482ء

میں فوت ہوا۔اس کی وفات پر سکندر شاہ نصف دن کے لیے حاکم بنا۔ پھر امراء نے فتح شاہ کو سلطان بنالیا۔وہ سات سال 5 ماہ حاکم رہا اور 896ھ/1490ء میں قتل ہو گیا۔

اس کا غلام باربک شاہ 2½ ماہ حاکم بنگال رہا۔ پھر اس کو مروا کر امراء نے فیروز شاہ کو حاکم بنایا۔ وہ 3 سال حکومت کر کے 899ھ/4-1493ء میں فوت ہوا۔ پھر اس کا لڑکا محمود شاہ ایک سال حکمران رہا۔ اسے مظفر شاہ حبشی غلام نے قتل کرادیا اور خود 3 سال 5 ماہ حکمران رہا۔ اسے ایک سپاہی نے قتل کیا اور 903ھ/8-1497ء میں سلطان علاء الدین کے نام سے تخت نشین ہو گیا۔ وہ 929ھ/3-1522ء ختم 27 سال حکومت کر کے فوت ہوا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا نصیب شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے گیارہ سال حکومت کی۔ 939ھ 3-1532ء میں اس کا اقتدار ختم ہو گیا۔ سلطان علاء الدین اور نصیب شاہ کے لودھی حکمرانوں سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ جب بابر نے تخت دہلی پر قبضہ کا تو بہت سے پٹھان خصوصاً سلطان ابراہیم لودھی کا بھائی سلطان محمود لودھی بھی نصیب شاہ کے ہاں پناہ گزین ہوئے۔ نصیب شاہ کے بعد حالات کتب میں درج نہیں ہیں۔ اس کے بعد شیر شاہ سوری نے بنگال پر قبضہ کر لیا۔

جونپور

سلطان محمود بن سلطان محمد بن سلطان فیروز شاہ نے ملک سرور نامی خواجہ سرا کو سلطان شرق کا خطاب دے کر جونپور کی حکومت پر روانہ کیا۔ سلطان الشرق نے وہاں امن وامان قائم کیا۔ کول، راپڑی، اٹاوہ، کنپلہ اور بھڑائچ کے علاقے دبا لیے۔ اور سلطان محمود کی حکومت کو کمزور دیکھ کر خود مختار بن گیا۔ اس نے 16 سال حکومت کی اور 802ھ/1399ء میں فوت ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا لے پالک لڑکا سلطان مبارک شاہ شرقی تخت نشین ہوا۔ دلی سے اقبال خان ملو نے اس کی خود مختاری ختم کرنے کی غرض سے فوج کشی کی

مگر بغیر لڑے واپس آ گیا۔ پھر اس نے سلطان محمود گجراتی سے مل کر جونپور کی جانب پیش قدمی کی۔ اتنے میں 804ھ/2-1401ء میں مبارک شاہ شرقی فوت ہو گیا۔ امرائے جونپور نے سلطان کے بھائی ابراہیم کو سلطان ابراہیم شرقی کے نام سے تخت نشین کیا۔ اس کے دور میں بہت ترقی ہوئی۔ علماء وفضلاء کی محفلیں سجیں اور جونپور میں عیش وعشرت سے زندگی بسر ہونے لگی۔ سلطان ابراہیم نے سب سے پہلے اقبال ملوخان کے مقابلے کی تیاری کی۔ اور اس کو دور کیا۔ اس کی سلاطین دہلی سے کئی جنگیں ہوئی۔ یہ 40 سال حکومت کر کے 840ھ/7-1436ء میں فوت ہو گیا۔ اس کا بڑا لڑکا سلطان محمود شرقی تخت نشین ہوا۔ اس کے دور میں سلطنت جونپور میں بہت ترقی ہوئی اور عوام وخواص خوشحال ہو گئے۔ اس کے دور میں مالوہ کے حاکم سلطان محمود خلجی سے اس کی چپقلش رہی۔ اس نے دوبار دہلی کا محاصرہ بھی کیا کیونکہ اس کے دور میں بہلول لودھی دہلی پر قابض ہو گیا تھا۔ یہ 21 سال اور چند ماہ حکومت کر کے 862ھ/1457ء میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا بھیکن خان عرف محمود شاہ یا محمد شاہ 5 ماہ حاکم رہا۔ اس کے ظلم کی وجہ سے اسے برطرف کر سلطان حسین اس کے بھائی کو حاکم جونپور بنایا گیا اور محمد شاہ جنگ میں مارا گیا۔ سلطان حسین شرقی کی ساری زندگی سلطان بہلول اور سلطان سکندر لودھی سے جنگوں میں گزری۔ اس کے دور میں سلطنت جونپور بہت خوشحال ہوئی مگر سلطان بہلول سے پے در پے شکستوں کے بعد جونپور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور 888ھ/1483ء میں جونپور پر سلطان بہلول کا باقاعدہ قبضہ ہو گیا۔ سلطان حسین ملک کے صرف ایک حصے پر جس کی آمدنی 5 کروڑ روپے تھی قناعت کر بیٹھا۔ سلطان بہلول نے مروت دکھائی اور اسے اس حصے پر چھوڑ دیا۔ اس نے 25 سال حکومت کی۔ سلطان بہلول کی وفات کے بعد سلطان سکندر کے خلاف اس کے بھائی باربک شاہ حاکم جونپور کو سلطان حسین نے ورغلایا۔ آخر سلطان سکندر نے جونپور پر خود قبضہ کر لیا اور سلطان حسین پر حملہ کیا۔ سلطان حسین کی بچی کھچی سلطنت بھی ختم ہو گئی۔ وہ مذ

کے لیے حاکم بنگال کے پاس گیا۔ چند سال اور زندہ رہا اور آخر 911ھ/1505ء میں فوت ہو گیا۔

مالوہ:

مالوہ کے حکمرانوں نے 809ھ/4-1403ء میں خودمختاری کا اعلان کیا۔ سلطان محمد بن فیروز شاہ کے دور میں سلطنت دہلی میں ضعف ہوا تو دلاور خان غوری وہاں کا خودمختار حاکم بن گیا۔ اس نے 20 سال حکومت کی اور 829ھ/6-1425ء میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا الپ خان سلطان ہوشنگ کا لقب اختیار کر کے سلطان بنا۔ اس کی شاہان گجرات سے جنگیں رہیں۔ اس کے علاوہ جونپور کے حکمرانوں سے بھی بعض علاقوں پر اس کا تنازعہ رہا۔ 838ھ/1435ء کو وہ فوت ہو گیا تو اس کا لڑکا محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے دور میں اس کے ایک امیر محمود خان خلجی نے زور پکڑا جو اس کا سالا بھی تھا۔ سلطان محمد تقریباً ڈیڑھ سال حکومت کر کے زہر سے ہلاک ہوا اور محمود خلجی نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے 839ھ/1436ء میں حکومت شروع کی۔ اس کے دور میں مالوہ میں بہت ترقی ہوئی اور تہذیب کے آثار بہت نمایاں ہو گئے۔ اس کی سلاطین گجرات، سلاطین دہلی سے جنگیں رہیں۔ ان میں مشہور جنگ دہلی کے سلطان محمد شاہ سے 1442ء (بعض کے مطابق 1440ء) میں ہوئی جس میں سلطان محمود خلجی کو شکست ہوئی۔ سلطان محمود نے 873ء/1469ء میں 34 سال حکومت کر کے وفات پائی اور اس کا بڑا بیٹا سلطان غیاث الدین حکمران بنا اور 32 سال حکومت کر کے 906ھ/1505ء میں فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا سلطان ناصر الدین حکمران بنا۔ اس کے دور میں بھی مالوہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ گیارہ سال 4 ماہ حکومت کر کے 917ھ/1511ء میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا محمود شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے 20 سال چھ ماہ حکومت کی اور 937ھ/1531ء میں قتل ہو گیا اور ایک دوسرے سردار

سلطان بہادر نے سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ اس سلطان محمود شاہ کے دور میں بابر بادشاہ نے تخت دہلی پر قبضہ کرلیا۔

کشمیر:

کشمیر میں مسلمانوں کی حکومت کی ابتداء 747ھ/1346ء سے ہوئی۔ پہلا حکمران سلطان شمس الدین تھا۔ کشمیر شروع سے ایک خودمختار ریاست رہی ہے اور اکبر کے دور میں یہ سلطنت مغلیہ میں شامل ہوئی۔ اس دوران میں یہاں مختلف بادشاہ گزرے۔ لودھی حکمرانوں کے ہم عصر بادشاہ درج ذیل تھے۔

سلطان زین العابدین: مدت حکومت 52 سال

سلطان حیدر شاہ: مدت حکومت ایک سال دو ماہ

سلطان حسن: مدت حکومت نامعلوم

سلطان محمد شاہ: 884ھ/1479ء تا 894ھ/1489ء

سلطان فتح شاہ: 894ھ/1489ء تا 902ھ/1496-7ء

سلطان محمد شاہ: 902ھ/1496-7ء تا 903ھ/1497/8ء

سلطان فتح شاہ: 903ھ/1497-8ء تا 904ھ/1498-9ء

سلطان محمد شاہ: 904ھ/1498-9ء تا 915ھ/1509ھ

سلطان ابراہیم شاہ: 915ھ/1509ء (8ماہ)

سلطان نازک شاہ: 915ھ/1509ء تا نامعلوم

ملتان

جب سلطان محمد شاہ بن فرید شاہ بن مبارک شاہ بن خضر خان (سید حاکم دہلی) کے دور

میں سلطنت دہلی کی کمزوری ظاہر ہوئی تو ملتان میں شیخ یوسف ملتان کے حاکم بنے جو شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی کی درگاہ کے سجادہ نشین تھے۔ ان کی حکومت 2 سال رہی ان کو قطب الدین لنگاہ نے قید کرلیا۔ وہ سولہ سال حاکم رہا اور 865ھ/1-1460ء میں فوت ہوا۔ پھر اس کا لڑکا سلطان حسین لنگاہ حاکم ہوا۔ اس کے دور میں ملتان میں بڑی ترقی ہوئی۔ اسی کے دور میں سلطان بہلول کی جانب سے تاتارخان حاکم پنجاب اور باربک شاہ پسر سلطان بہلول ملتان آئے اور مختلف علاقوں پر یلغار کی۔ سلطان حسین نے بعدازاں سلطان سکندر لودھی سے صلح کرلی۔ اس نے اپنے بڑھاپے میں اپنے بیٹے سلطان فیروز شاہ کو تخت نشین کیا مگر وہ جلد ہی فوت ہوگیا۔ 908ھ/1502ء میں سلطان حسین بھی فوت ہوگیا اور فیروز شاہ کے لڑکے سلطان محمود کو تخت نشین کیا گیا۔ اس نے 27 سال حکومت کی اور 931ھ/5-1524ء میں فوت ہوا۔ اسی کے دور میں بابر بادشاہ نے تخت دہلی پر قبضہ کرلیا۔

maablib.org

باب نمبر 8

سلطان بہلول لودھی کے حالات
زندگی اور سیاسی کارنامے

نسب نامہ:

''بہلول لودھی ابن ملک کالا ابن ملک بہرام ابن ملک احمد بن ملک شاہو بن عمر بن خواجہ بن اسحاق بن ابراہیم بن پرنگی بن سانی بن لودھی۔''(1)

بہلول کے والد ملک کالا کی شادی اس کی چچازاد بہن سے ہوئی تھی جو بہلول کی ماں تھی۔(2)

مخزن میں بہلول کے دادا ملک بہرام کے دو اور بھائیوں کے نام درج ہیں ملک محمود اور ملک موجی۔ اس بارے میں کچھ علم نہیں ہے کہ بہلول کی ماں ملک محمود کی بیٹی تھی یا ملک موجی کی بیٹی تھی۔ ان دونوں کی اولادیں محمود خیل اور موجی خیل کے نام سے بلوت میں سکونت پذیر تھیں۔(3) یوں بہلول لودھی دھدیال اور ننھیال دونوں جانب سے شاہو خیل لودھی تھا۔ اغلب امکان ہے کہ وہ موجی خیل تھی۔ کیونکہ اس شاخ کے لوگ بعدازاں ہندوستان بھی آئے تھے۔

بہلول کا باپ ملک کالا نیازی افغانوں کے ساتھ ایک جھگڑے میں مارا گیا تھا۔ فرشتہ نے یہ واقعہ اس کی پیدائش کے بعد درج کیا ہے۔(4) جبکہ سجان رائے نے اس کی والدہ کی

وفات سے قبل درج کیا ہے۔(5) دونوں صورتوں سے یہ بات یقینی ہے کہ ملک بہلول کو باپ کا سایہ نصیب نہیں ہوا۔ غالباً ماں اور باپ دونوں کی وفات کے واقعات اتنے قریب قریب ہوئے تھے کہ ان میں اولیت کا انتخاب کرنا مشکل ہے اور ان میں غالباً چند ماہ کا ہی فاصلہ ہے۔ چونکہ اس وقت کسی کو علم نہیں تھا کہ یہ لڑکا بادشاہ بنے گا۔ لہٰذا اس کے والدین کی وفات کی تفصیل محفوظ نہ رہ سکی۔

جائے پیدائش:

اے حلیم کی تحقیق کے مطابق بہلول لودھی ملتان میں پیدا ہوا۔ حیات افغانی کے مطابق اس کی پیدائش ملتان شہر میں محلہ کمان گران (کمان بنانے والوں کا محلہ) میں ہوئی۔(6)

والدہ کی وفات:

بہلول کی والدہ اس کی پیدائش سے قبل فوت ہوگئی تھی۔ فرشتہ نے تحریر کیا ہے کہ جب بہلول ماں کے پیٹ میں تھا اور اس کی والدہ کا غالباً نواں مہینہ چل رہا تھا تو اس کی ماں پر مکان گر پڑا اور وہ اس کے نیچے دب کر فوت ہوگئی۔ چونکہ وضع حمل کا وقت قریب تھا لہٰذا متوفیہ کا پیٹ چاک کر کے بچہ باہر نکال لیا گیا۔(7) سجان رائے نے بھی حمل کی مدت آٹھ ماہ سے زائد بیان کی ہے اور تحریر کیا ہے کہ ایک ماہ بعد وہ قدرے توانا ہوا۔(8)

تاریخ پیدائش:

اے حلیم نے بہلول لودھی کا سن پیدائش 814ھ بمطابق 1411ء درج کیا ہے۔(9) سرسید احمد خان نے تاریخ افاغنہ کے حوالے سے اس کا سن پیدائش ذی قعدہ 824ھ / نومبر 1421ء درج کیا ہے۔(9-A)

بہلول کی پرورش:

بہلول لودھی کی پرورش اب اس کے چچا شہ سلطان لودھی کے ذمہ ہوئی۔ یہ بعدازاں اسلام خان کے نام سے موسوم ہوا۔ شہ سلطان ان دنوں سرہند میں حاکم تھا اور بہلول نے بھی وہیں پرورش پائی۔ بہلول لودھی بچپن سے ہی عبادت کی جانب راغب رہتا تھا لیکن اسے کھیل کود سے بھی دلچسپی تھی۔(10)

بچپن کا ایک قصہ:

ایک روز اسلام خان نماز پڑھ رہا تھا کہ بہلول دیگر بچوں کے ساتھ گیند کھیل رہا تھا۔ اچانک گیند اسلام خان کے مصلے پر جا گری۔ تمام بچے ڈر گئے مگر بہلول لودھی نے گیند آگے بڑھ کر اٹھالی۔ اس پر اسلام خان کی بیوی (واقعات مشتاقی کے مطابق اسلام خان کے ملازمین = ص 3) نے بہلول کو سرزش کی کہ "بلو! کھیل کود اور تکبر بازی کی جگہ اور ہوتی ہے۔" مگر اسلام خان نے اپنی بیوی کو فوراً ٹوک دیا کہ آئندہ اسے سرزش نہ کرنا کیونکہ اس کی پیشانی سے بلند مرتبہ اور مقام ارجمند کے آثار نظر آرہے ہیں۔(11) تاریخ داؤدی اور واقعات مشتاقی میں یوں بھی درج ہے کہ بہلول کو سرزش کی گئی تھی کہ "اے بچے! کھیلنے کی جگہ دوسری ہے۔ خان کے مصلے پر بے ادبی سے پیر مت رکھو" اس پر اسلام خانے کہا "بچہ ہے۔ اگر میرے سر پر بھی پیر رکھ دے تو خوب سجے گا۔" جب گھر والوں نے حیرانگی ظاہر کی تو اسلام خان نے مذکورہ بالا جواب دیا۔(12)

اس وقت بہلول کی عمر سات سال بیان کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس طرح کے واقعات عموماً اعلیٰ شخصیات سے منسوب کردیے جاتے ہیں لیکن اس روایت سے بہلول کی بلند حوصلگی کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ اس کے اندر قدم اٹھانے کا حوصلہ بچپن سے موجود تھا۔ یہی بات

اس کے لیے فائدہ مند ہوئی اور اسے آگے چل کے اہل خانہ نے سردار تسلیم کرلیا۔

بہلول کی عرفیت "بلو":

کتب تواریخ میں درج ہے کہ بہلول کو بچپن میں "بلو" کہا جاتا تھا۔(13) سجان رائے تحریر کرتا ہے کہ پٹھان اسے حقارت سے بلو کہتے تھے۔(14) جس کی وجہ غالباً اس کی یتیمی تھی۔ لیکن ایسا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ ہر قوم میں بچوں کو مخفف ناموں سے بھی بلایا جاتا ہے۔ جو عموماً پیار میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ پشتو اسپیکنگ پٹھانوں کے لہجوں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ وہ ا، ح، ہ کو آج بھی عموماً ہلکے لہجے میں بولتے ہیں یا تیزی میں اڑا دیتے ہیں۔ چنانچہ بہلول کو بلو کہنا دراصل بہلول کی تخفیف ہے نہ کہ تحقیر۔

پیشہ سوداگری:

جب بہلول لودھی جوان ہوا تو اس نے کون سا پیشہ اختیار کیا؟ تاریخ داؤدی میں درج ہے کہ "چون بلو بہ سن رشد و تمیز رسید بکسب تجارت اسپان مشغول شد ہمیشہ بہ ولایت میرفت و از اں جا اسپاں آوردہ بہ ہندوستان می فروخت۔ عمرے دریں کار بسر برد" (جب بلو سن رشد و تمیز کو پہنچا تو گھوڑوں کی تجارت کے پیشے سے وابستہ ہو گیا۔ وہ ہمیشہ ولایت جاتا تھا اور اس جگہ سے گھوڑے لا کر ہندوستان میں فروخت کرتا تھا۔ اس کی عمر کا ایک حصہ اسی کام میں گزرا(15) واقعات مشتاقی میں ہے کہ "چون بہ بلوغ رسید بہ سوداگری مشغول گردید۔" جب بالغ ہوا تو سوداگری میں مشغول ہو گیا)۔(16)

"القصہ مدتی بہ سوداگری مشغول می بود تا وقتی ہمراہ عم خود اسلام خان در دہلی پیش سلطان محمد نبیرہ خضر خان بادشاہ بہ سوداگری آمدہ بود و بدو اسپانی فروختہ بودند و مبلغ ایشاں را بر محلی ت کردند" (مختصر یہ کہ ایک عرصے تک سوداگری میں مشغول رہا یہاں تک کہ ایک بار

اپنے چچا اسلام خان کے ساتھ دہلی میں سلطان محمد نبیرہ خضر خان بادشاہ کے روبرو سوداگری کے لیے آیا اور اس کو گھوڑے فروخت کیے اور ان کی قیمت کو جاگیر (حاصل کرنے) پر چھوڑ دیا۔(17) ان دونوں کتب کے بیانات ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔افسانہ شاہان میں بھی جگہ جگہ اسبات پر زور دیا گیا ہے کہ افغان گھوڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے۔

لیکن کے بعد مورخین بہلول کے پیشہ تجارت سے وابستہ ہونے کی تردید کرتے ہیں۔ مثلاً مخزن میں صراحتاً یوں درج ہے:

"تاریخ داؤدی جیسی بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ ملک بہلول تجارت کیا کرتا تھا جس کی تصدیق کسی دوسرے ماخذ سے نہیں ہوتی۔البتہ اس کے آباء و اجداد تاجر تھے اور اس غرض سے ہندوستان آتے جاتے تھے"(18)

اے حلیم نے بھی مخزن کے بیان کو درست تسلیم کیا(19) لیکن اس روایت کی تردید کے ٹھوس ثبوت موجود نہیں ہیں بلکہ بعض شواہد ایسے ہیں کہ جن سے اس کی تصدیق ہی ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ سلطان بہلول کی ننھیال ابھی تک ولایت روہ میں تھی جہاں سے اس کا تجارت کرنا بیان کیا جاتا ہے۔ہمیں اس کی پرورش میں اس کے ننھیال والوں کا کوئی کردار نظر نہیں آتا۔غالباً اس کی ننھیال میں سے کوئی شخص اس وقت تک ہندوستان نہیں آیا تھا۔ چنانچہ مخزن میں درج ہے:

"احمد ولد ملک شاہو کے گھر تین لڑکے پیدا ہوئے۔ایک کا نام ملک بہرام دوسرے کا ملک محمود اور تیسرے کو ملک موجی کہتے تھے......ملک محمود بن احمد کی اولادیں قصبہ بلوت میں مقیم ہیں، اور انہیں محمود خیل کہتے ہیں اور موجی کی اولادوں کو موجی خیل کے نام سے شہرت حاصل ہے۔"(20)

اس سے ظاہر ہے بہلول کی ننھیال جہانگیر کے دور تک بھی بلوت میں ہی تھی۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ بہلول اپنے ننھیالی خانوادے کے ساتھ تجارت وابستہ ہو۔ وہاں سے

گھوڑے لاتا ہو اور یہاں امراء کو فروخت کر دیتا ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جب سلطان شرقی نے دہلی کا محاصرہ کیا تو بہلول نے فوراً ولایت روہ سے افغان بلا لیے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس کا رابطہ ولایت روہ سے پہلے سے قائم تھا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ سامانہ میں جس درویش سے بہلول ملا اس نے بہلول سے سلطنت کی خرید و فروخت کی بات کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس درویش کو پتہ تھا کہ یہ شخص تاجر ہے۔ اس واقعے کا ہم آگے ذکر کریں گے۔

درویش کے واقعہ کے حوالے سے تاریخ داؤدی اور واقعات مشتاقی میں صراحت ہے کہ بہلول اپنے ساتھیوں کے ساتھ تجارتی سفر میں درویش کو ملا۔ مگر جو لوگ اس کے پیشہ تجارت کی تردید کرتے ہیں وہ اس واقعہ کو تو من و عن تسلیم کرتے ہیں۔ (21) مگر اس کے پس منظر کو بلاوجہ رد کر دیتے ہیں۔ (22) اور اسباب کی کوئی دیگر وضاحت نہیں کر پاتے کہ بہلول سامانہ کیوں گیا تھا؟

بظاہر یوں نظر آتا ہے کہ بدلتے ماحول میں مورخین نے اس کے تجارت کرنے کی تردید کی ہے۔ یعنی مغلوں کے دور میں سپہ گری ایک اعلیٰ پیشہ شمار ہوتا تھا جس میں سپاہی اپنے زور بازو سے سب کچھ حاصل کرتا تھا۔ اس کے برعکس تجارت کو ایک ادنی پیشہ تصور کیا جانے لگا تھا جس میں چند روپوں کے جوڑ توڑ کی بات ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے مخزن کے مصنف نے (جو افغانوں سے ہی وابستہ تھا) بہلول کے تاجر ہونے کی تردید کی ہے تاکہ مرحوم بادشاہ کو لوگوں کی نظروں میں ذلیل پیشہ اختیار کرنے سے محفوظ رکھا جا سکے۔ مخزن کا مصنف بہلول کے تقریباً 150 سال کے بعد اپنی کتاب لکھتا ہے تو وہ اپنے ماحول کے مطابق سوچتا ہے۔

بہر حال ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شروع میں بہلول لودھی تجارت سے ہی وابستہ رہا تھا۔

بہلول کی شادی:

اس موقع پر بہلول کی شادی کا تذکرہ ضروری ہے۔ مورخین اسبات پر متفق ہیں کہ بہلول کی شادی اپنی چچازاد بہن یعنی اسلام خان (شہ سلطان خان) کی بیٹی سے ہوئی:

"جب اس کی بہادری کے جوہر کھلے تو چچا نے اپنی بیٹی اس کے ساتھ بیاہ دی اور اپنے داماد کی تعلیم وتربیت کا بہت خیال رکھنے لگا۔" (23)

"اسلام خان نے اس کی ہوشمندی وفراست دیکھ کر بیٹا بنالیا اور اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی۔ (24)

افسانہ شاہان میں اس لڑکی کا نام فردوس درج ہے:

"بعد از وفات سلطان کالا، جلال الدین محمد خان (برادر خورد کالا) بادشاہ شد۔ آخر جلال الدین راہ دو عورت بودند یکی افغان ودیگری راجپوتی۔ واز افغانی یک دختر پیدا شد نام او فردوس نہادند واز (عورت) دوم پسری پیدا شد نام او قطب خان نہادند وکالا یک پسر داشت، نام او بہلول پس دختر کہ (از) افغان بود بہ بہلول دادند۔" (25)

(سلطان کالا کی وفات کے بعد (کالا کا چھوٹا بھائی) جلال الدین محمد خان بادشاہ ہوا۔ آخر جلال الدین کی دو عورتیں تھیں۔ ایک افغانی اور دوسری راجپوتی۔ افغانی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اس کا نام فردوس رکھا گیا۔ اور دوسری (عورت) سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام قطب خان رکھا گیا۔ اور کالا کا ایک لڑکا تھا۔ اس کا نام بہلول تھا۔ چنانچہ لڑکی جو افغانی (سے) تھی بہلول کو دے دی گئی۔"

لیکن مخزن میں اس عورت کا نام اور درج ہے:

"قطب خان کی بہن شمس خاتون نے جو سلطان بہلول کی بیوی اور ملکہ تھی، پیغام

بھیجا۔"(26)

ممکن ہے کہ اس لڑکی کے ہی دو نام ہوں جس سے بہلول کی شادی ہوئی۔

یہ شادی اس وقت ہوئی کہ جب بہلول تجارت سے وابستہ تھا۔ سجان رائے نے اور فرشتہ دونوں نے شادی کا ذکر بہلول کے سیاسی کیریئر کے آغاز سے قبل کیا ہے۔

سامانہ میں درویش سے ملاقات:

اب ہم بہلول لودھی کے سامانہ میں درویش سے ملاقات کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ بہلول لودھی تجارت کے سلسلے میں سامانہ گیا یا سامانہ سے گزرا تھا۔

"ایک روز بلو خان سوداگروں کی جماعت کے ساتھ گھوڑے خریدنے ولایت کو روانہ تھا کہ سامانہ پہنچا۔ وہاں پر ابن سید نامی ایک مجذوب صاحب کشف زندہ موجود تھے۔ بلو خان چونکہ قافلے کا سربراہ تھا لہٰذا اس کے پاس دو ساتھی بھی تھے کہ ان میں سے ایک کا نام قطب خان تھا اور دوسرا فیروز خان تھا۔ وہ ان دوستوں کے ساتھ اس بزرگ کی خدمت میں آ کر بڑے ادب سے بیٹھ گیا۔ اس یگانۂ خدا مجذوب نے ان تینوں افغانوں کو تنہا بیٹھا دیکھ کر کہا کہ "تم میں سے کوئی ہے کہ دہلی کی بادشاہی دو ہزار تنکے میں خرید لے اور یہ سودا کر لے۔ قطب خان اور فیروز خان دونوں خاموش ہو گئے۔ بلو خان نے ایک ہزار چھ سو تنکے جو اس کے پاس تھے اس عزیز کے آگے رکھ کر کہا "میرے پاس اس سے زیادہ نہیں ہے۔" اس بزرگ نے یہ رقم وصول کر لی اور کہا کہ "دہلی کی بادشاہی مبارک ہو۔ اور یہ دونوں شخص جو تیرے ساتھ ہیں وہ تیری ملازمت کریں گے" اور یہ شعر ان کی زبان پر آیا۔

سالکان رہ ہمت چو ارادت بینند
ملک کاؤس و فریدون بہ گدائے بدہند

"راہِ ہمت کے سالک جب ارادہ کر لیتے ہیں تو ملک کاؤس اور فریدون بادشاہ بھی فقیروں کو دے دیتے ہیں۔"

اس جگہ سے بلو خان دونوں ساتھیوں کے ساتھ اپنی راہ پر روانہ ہوا۔ اس کے ساتھی اس کا مذاق اڑانے لگے۔ بلو نے کہا "اے دوستو! میں نے بہت اچھا کیا ہے۔ اس رقم سے ساری زندگی بسر نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ چند روز میں خرچ ہو جاتے۔ یہ کام جو میں نے کیا ہے اس کا نتیجہ دو باتوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اگر یہ بات ایسی ہی ہوگی جیسے کہ اس بزرگ کی زبان سے نکلی ہے تو میں نے مفت کا سودا کر لیا ہے اور اگر نہیں ہوئی تو سید درویش کی خدمت کرنا بے ثواب نہیں ہوتا۔ میں نے دونوں صورتوں میں غلط نہیں کیا۔" اور یہ شعر اس کی زبان سے جاری ہوا کہ:

نعت ِ من، ہیچ دانی، از کجاست؟
از در دلہا گدائی کردہ ام

(کون جانے کہ میری نعت کہاں لکھی ہے۔ میں تو دلوں کے دروازوں پر فقیری کرتا ہوں) (27)

اس واقعے کو تمام مورخین نے درج کیا ہے۔ درویش کے بادشاہت پر اختیار کی صحت یا عدم صحت کا معاملہ الگ ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ افغان شروع سے پیروں اور بزرگوں پر یقین رکھتے ہیں اور خود افغاں قوم کے بزرگان کی ایک طویل فہرست مخزن میں درج ہے۔ افغان آج بھی اس حوالے سے کافی کچے عقیدے کے حامل ہیں۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ بہلول خان میں اتنی استعداد تھی کہ وہ تجارتی قافلے کی سالاری کر سکے۔ اسلام خان کے بیٹے قطب خان اور اس کے بھائی فیروز خان کی موجودگی کے باوجود اس کا سالارِ قافلہ بننا اس کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

دوسری بات اس واقعہ سے یہ پتہ چلتی ہے کہ بہلول لودھی بزرگوں اور مذہبی شخصیات سے خاص عقیدت رکھتا ہے اور ان پر پیسے بھی نچھاور کر سکتا تھا۔ اب درویش نے یہ بات نیک نیتی سے کہی ہو یا حصول زر کے لیے، دونوں صورتوں میں بہلول نے درویش پر یقین کر لیا۔

تیسری بات یہ پتہ چلتی ہے کہ بہلول کو شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ اور موخر الذکر شعر غالباً اس کا اپنا ہی ہے۔

سوداگری سے سپہ گری تک:

تاریخ داؤدی اور واقعات مشتاقی میں درج ہے کہ بہلول لودھی کو سلطان محمد نبیرہ خضر خان شاہ دہلی کے دور میں ہی ایک علاقے کا حاکم مقرر کر دیا گیا تھا۔ کہتے ہیں ایک روز بہلول لودھی اپنے چچا اسلام خان کے ہمراہ گھوڑے لے کر شاہ دہلی سلطان محمد کے دربار میں گیا اور اسے گھوڑے فروخت کر دیے۔ اس نے البتہ ان گھوڑوں کی رقم لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کے عوض میں اسے کوئی محل یا علاقہ عنایت کر دیا جائے۔ اسلام خان نے سلطان محمد تک یہ بات پہنچائی جو اس نے قبول کر لی۔ سلطان محمد نے کہا کہ "اگر مفسدوں کی گوشمالی کر دی تو تمہارے بھتیجے کو رعایت دے دوں گا اور وہ پرگنہ اسی کو عنایت کر دوں گا۔ وہاں سے جو بھی غلام اور مال غنیمت ملے گا وہ انہیں لوگوں کو بخش دیا جائے گا۔" (28)

اس طرح سے بہلول خان کو ایک پرگنہ میں بھیج دیا گیا۔ وہاں اس نے مفسدوں کی خوب گوشمالی کی۔ امن و امان قائم کیا اور جو بھی مال غنیمت آیا وہ اس کی ہی ملکیت ہو گیا۔ اور وہ اس پرگنہ کا حاکم بن گیا۔

افسوس کے واقعات مشتاقی اور تاریخ داؤدی میں اس پرگنے کا نام درج نہیں ہے۔ البتہ بعد میں درج ہے کہ بہلول کی رہائش سرہند کے علاوہ لودھیانہ میں بھی تھی۔ (28-A) اس

سے ظاہر ہے کہ وہ پرگنہ سرہند کے آس پاس کا ہی تھا۔

یہ وہ اہم موڑ تھا کہ جب بہلول لودھی اور اس کے تجارتی گروہ نے تجارت ترک کر دی اور سپہ گری کی جانب باقاعدہ آ گئے۔ اسلام خان حاکم سرہند کے زیر تربیت بہلول کو سپہ گری کا کافی تجربہ رہا ہوگا کیونکہ سوداگروں کا کسی پرگنہ میں بزور شمشیر امن و امان قائم کرنا مشکل ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حربی تربیت بہلول لودھی کو بچپن سے ملی تھی اور وہ اس میں کافی مہارت رکھتا تھا۔ گھوڑوں کی تجارت بھی فوجی شعبہ سے وابستہ ہے لہٰذا وہ کم از کم اپنے چچا کی جاگیر میں فوجی تربیت سے ضرور آگاہ ہوگا جو اس نے ایک پرگنہ میں امن و امان قائم کیا۔ البتہ ذریعہ آمدنی اس وقت تک گھوڑوں کی تجارت تھی۔ اب پرگنے کی حکومت ملنے کے بعد طویل سفر طے کر کے تجارت کرتے پھرنا ان لوگوں کے لیے خوش کن بات نہیں تھی۔ اپنی حربی صلاحیت کا انہیں اندازہ ہو چکا تھا لہٰذا اسی وقت سے ان لوگوں نے تجارت ترک کر دی اور سپہ گری میں باقاعدہ شامل ہو گئے۔ واقعات مشتاقی میں یوں درج ہے کہ:

"از آن سوداگری گذاشتہ بہ سپہ گری مشغول شدند۔ روز بروز مرتبہ اشیان در ترقی بود و در تمام بادشاہی کس مثل ایشان نبود"

(اس وقت سے انہوں نے تجارت ترک کر دی اور سپہ گری میں مصروف ہو گئے۔ روز بروز ان کے مرتبہ میں ترقی ہوتی گئی اور پوری بادشاہی میں کوئی شخص ان کے مانند نہیں تھا)(29)

اس کی تصدیق تاریخ داؤدی سے بھی ہوتی ہے:

"از حرفت سوداگری برآوردہ در زمرۂ نوکراں و امرائے خود ساخت، چند پرگنہ دیگر در وجہ جاگیرش دادہ ملک بہلول خطاب کرد، از آں باز ملک بہلول بسپاہ گری درآمدہ"(30)

"(بادشاہ نے) اسے سوداگری سے نکال کر اپنے ملازمین و امراء میں شامل کر لیا۔

چند پرگنے اس کی جاگیر میں دے کر ملک بہلول خطاب دیا۔اس کے بعد سے ملک بہلول سپہ گری میں مشغول ہو گیا۔"

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ رزق اللہ مشتاقی نے صیغہ جمع غائب یعنی "ایشان" (وہ) استعمال کیا ہے۔اس سے مراد ہے کہ جو پرگنے بہلول کو دیے گئے وہ صرف اس کی ذات کے لیے نہ تھے بلکہ اس کے اور اس کے گروہ کے لیے تھے۔اور اس گروہ کا سربراہ اسلام خان تھا جو بہلول کا چچا تھا۔ بہلول نے ان پرگنوں پر کام خوب کیا۔نہ صرف ان پر بلکہ اپنے چچا کی جاگیر کا انتظام بھی کرتا تھا۔لیکن دنیا والوں کے روبرو یہ سارا اعزاز اسے اسلام خان کے زیر نگرانی ملا تھا۔

اسلام خان کی زندگی میں بہلول خان کا درجہ:

یہ درست ہے کہ بہلول کو جاگیرداری ملی مگر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب تک اسلام خان زندہ رہا، بہلول کا درجہ کم ہی رہا۔یہی وجہ ہے کہ تاریخ مبارک شاہی میں کہیں بہلول کا نام نہیں ملتا بلکہ صرف اسلام خان کا نام ملتا ہے۔بہلول کو جو جاگیرداری ملی وہ اسلام خان کی زیر نگرانی تھی۔اسلام خان کا شمار برگزیدہ امراء میں ہوتا تھا۔بہلول اس کے بیٹے کے برابر تھا اور اس کا متبنیٰ تھا۔اس کا داماد بھی تھا۔وہ اسلام خان کی اولاد کے مقابلے میں کہیں ہوشیار تھا لیکن اسلام خان کے مرتبے کو وہ اسلام خان کی وفات کے بعد ہی پہنچا۔

روہ سے پٹھانوں کی آمد:

اسی دوران میں ولایت روہ یا افغانستان سے پٹھانوں کی آمد تیز ہو گئی۔واقعات مشتاقی میں درج ہے کہ:

"اس وقت وہ سب سہرند (سرہند) میں تھے اور لدھیانہ میں بسر اوقات گزارتے

تھے اور روہ سے لوگ آتے تھے اور ہر روز اور ہر دن ان کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی تھی اور وہ ہر سال سلطان کو اپنا اسلحہ و سپاہ پیش کیا کرتے تھے اور ان کو خاص انعام و اکرام ملتا تھا۔ ان کی مال و دولت و تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ اکثر ولایت پر ان کا قبضہ ہوگیا۔'' (31)

تاریخ داؤدی سے اس کی تصدیق یوں ہوتی ہے:

''ہر روز اس کے کام میں ترقی ہونے لگی۔ وہ ہر سال فوج تیار کر کے سلطان کی نظر سے گزراتے اور اشیائے خوردنی کی وجہ سے (شاہی) ملازمین کے اس گروہ نے دیگر پرگنے بھی قبضے میں لے لیے۔ بات یہاں تک کہ پہنچی کہ لاہور کے نواح کے بھی اکثر پرگنے ملک بہلول کے قبضے میں آگئے۔ (32)

اے حلیم کا موقف اور اس کی تردید:

اے حلیم اسبات کو تسلیم نہیں کرتے کہ بہلول کی جاگیر پھیلتے پھیلتے لاہور تک ہوگئی۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ لاہور 1433ء تک دہلی کے باقاعدہ کنٹرول میں رہا اور بادشاہ کی جانب سے یکے بعد دیگرے کئی گورنر یعنی ملک الہداد خان کالالودھی، ملک سکندر تحفہ اور عماد الملک مقرر ہوتے رہے ہیں (33) لیکن ان کا یہ اعتراض قابل قبول نہیں ہے کیونکہ تاریخ داؤدی میں یہ درج نہیں کہ لاہور کے شہر پر بہلول کا تصرف ہوا تھا بلکہ اس کے صرف نواحی پرگنات کا ذکر ہے اور 'لاہور' سے مراد ضروری نہیں کہ شہر لاہور ہو بلکہ اس سے مراد صوبہ لاہور بھی ہوسکتا ہے۔ جس کی حد اس وقت دریائے ستلج تک تھی۔ اور لدھیانہ شہر بھی صوبہ لاہور کی حدود میں تھا (34) واقعات مشتاقی میں لدھیانہ کا باقاعدہ نام درج ہے کہ یہاں بہلول کے گروہ کے لوگ ساکن تھے۔ اس کی تصدیق طبقات اکبری کے ایک بیان سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں درج ہے کہ سرہند کے پاس لہوری (لاہوری) نام کا ایک قصبہ تھا (35)

اور سلطان شہ وہاں تک سید خضر خان کے دور میں قابض تھا۔ غالباً تاریخ داؤدی کے مصنف نے لہوری کو لاہور سہواً درج کر دیا ہے۔

لودھیوں نے جیسے جیسے اپنے علاقے کو وسعت دی تو روہ سے پٹھان آ کر ان کی ملازمت اختیار کرنے لگے۔(36) اس طرح سے ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا اور انہوں نے زور پکڑ لیا۔

اسلام خان لودھی کی وفات کی تاریخ کا تعین:

اسلام خان نے وسط 1437ء میں وفات پائی۔

تاریخ مبارک شاہی میں درج ہے کہ سید خضر خان بادشاہ دہلی کے دور میں مئی 1431ء میں ملک سلطان شہ لودھی یعنی اسلام خان کو شیخ علی مغل کے مقابلے کے لیے ملتان کی جانب روانہ کیا۔ وہ اس مقابلے میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کے کئی سپاہی بھی جنگ میں مارے گئے جبکہ باقی ملتان واپس آئے۔ یہ لڑائی غالباً یکم رمضان 823ھ بمطابق 13 مئی 1431ء کو ہوئی اور اسی روز سلطان شہ مارا گیا(37)۔

سلطان شہ نے اپنی وفات سے قبل وصیت کی تھی کہ اس کی وفات کے بعد اس کا جانشین بہلول لودھی ہوگا۔ افسانہ شاہان میں درج ہے کہ:

"جلال الدین کو بیماری لاحق ہو گئی اسے یقین ہو گیا کہ وہ زندہ نہ رہے گا۔ اس کا بھتیجا بہلول تھا اور قطب خان اس کا بیٹا۔ اس نے دونوں کو بلا کر خود نصیحت و مشورہ کرکے آغاز کیا اور کہا کہ میں اس مرض سے زندہ نہیں رہوں گا۔ تم دونوں بھائی ہو اس طرح سے سلوک رکھنا کہ تمہارا گھر خراب نہ ہو۔ عقلمندوں کی رائے پر کام کرنا اور اپنی رائے پر ہرگز نہ چلنا۔ اور قطب خان سے کہا کہ بہلول افغانی کے بطن سے ہے جبکہ تو راجپوتنی کے بطن سے ہے۔ افغان جاہل قوم ہیں۔ وہ تیرے تابع نہیں

ہوں گے۔ یہ کہہ کر اپنی پگڑی سر سے اتاری اور بہلول کے سر پر رکھ دی اور بہلول کی پگڑی قطب خان کے سر پر رکھ دی۔ اور کہا کہ "بہلول تیرا بادشاہ ہے اور تو بہلول کا وزیر ہے۔ اس کے چند روز کے بعد جان دے دی۔" (38)

یہاں ایک بات متنازعہ ہے کہ سلطان شہ یعنی اسلام خان لڑائی میں لڑتا ہوا مارا گیا یا پھر کہ بستر مرض پر فوت ہوا۔ اس کی دوران جنگ موت کی شہادت تاریخ مبارک شاہی میں ہے۔ جبکہ طبعی وفات کا ذکر افسانہ شاہان میں ہے۔ آئین اکبری، طبقات اکبری، تاریخ شاہی اور مخزن کسی میں اس کے جنگ میں لڑ کر مارے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ مخزن کے نسخہ ب میں یہ ضرور درج ہے کہ:

"834ھ (1431ء) میں شیخ علی بیگ کابلی کہ جس نے لاہور اور صوبہ ملتان کو بہت خراب کیا تھا، کی جنگ میں سید خضر خان نے اس کو دفع کرنے کی غرض سے سلطان شہ کو روانہ کیا اور ان کے درمیان شدید جنگیں ہوئیں۔" (39)

اس سے ظاہر ہے کہ سلطان شہ کی شیخ علی سے جنگیں تو ہوئیں مگر وہ اس میں مارا [redacted] گیا۔ تاریخ مبارک شاہی کے ایک نسخہ میں اس شخص کا نام ملک سلیمان شاہ لودھی درج ہے۔ (40) یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تاریخ مبارک شاہی کے تمام نسخوں میں ہی 1433ء میں اسلام خان لودھی کی موجودگی کا ذکر ہے۔ (41) اس کے بعد نومبر دسمبر 1434ء میں بھی اسلام خان کی موجودگی کا ذکر ہے (42) اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص 1431ء میں شیخ علی بیگ کے مقابلے میں مارا گیا وہ [redacted] ملک سلطان شہ لودھی عرف اسلام خان لودھی اس بات کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ واقعات مشتاق اور تاریخ داؤدی کے مطابق سلطان محمد شاہ کے دور میں بہلول، اسلام خان کے ہمراہ دہلی دربار میں آیا اور اسی سلطان محمد شاہ کے دور میں اسلام خان فوت ہوا۔ سلطان محمد شاہ کا دور حکومت طبقات اکبری کے مطابق 9 رجب 837ھ بمطابق 19 فروری 1434ء میں شروع ہوتا ہے اور

847ھ بمطابق 1443ء کو ختم ہوتا ہے۔(43) اس کا مطلب ہے کہ اسلام خان لودھی نے ان تواریخ کے درمیان وفات پائی۔ طبقات اکبری میں اسلام خان کا 1436ء میں ملتان میں موجود ہونا درج ہے۔(44) لیکن 1440ء میں سلطان محمد کی جانب سے ملک بہلول کی فوج کے مقدمہ کا سردار بتایا گیا ہے۔(45) یوں اسلام خان کی وفات 1436 سے 1440ء کے درمیان ہونا طے پاتا ہے۔

834ھ/1431ء میں اسلام خان لودھی کی وفات کی تردید کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ ملک بہلول، 1440ء میں سلطان محمد شاہ کے لشکر کے ہراول کا سردار تھا۔ اتنے اہم عہدے پر اس کی تعیناتی کے لیے اس کے خاص پس منظر کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی بادشاہ اور ملک بہلول کے درمیان ایک ایسا شخص ہونا ضروری ہے جو ان دونوں کے درمیان رابطہ ہو۔ یہ شخص اسلام خان لودھی ہی ہوسکتا ہے۔ اگر اسلام خان لودھی کی وفات 834ھ/1431ء میں مان لی جائے تو پھر دونوں واقعات کے درمیان 10 سال کا وقفہ آتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ رابطہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسکے برعکس تاریخ مبارک شاہی میں کہیں سلطان بہلول کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام خان کی قیادت میں بہلول سرگرم تھا۔ اور اس کی وفات کے فوراً بعد اسے مرحوم اسلام خان لودھی کی قربت شاہی کا فائدہ حاصل ہوا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام خان کو رجب 822ء/اگست 1418ء کو سرہند کا حاکم بنایا گیا تھا۔ بہلول بھی کم سنی بلکہ شیر خوردنی میں اپنے چچا اسلام خان کے پاس سرہند آیا تھا۔ اگر بہلول 1418ء میں بھی پیدا ہوا یعنی جس سال اسلام خان کو سرہند کی حکومت ملی تو اس کی بلوغت 15 سال کی عمر میں 1433ء میں بنتی ہے۔ اس کے بعد اسے گھوڑوں کی تجارت کے لیے بھی کچھ عرصہ چاہیے۔ نیز یہ بھی کہ وہ جب پرگنات کا انتظام کرتا ہے تو ہر سال بادشاہ کے آگے اپنی فوج کا معائنہ کراتا ہے۔ سلطان محمد 1434ء میں تخت نشین ہوا۔ اگر اسی سال سامانہ سے واپسی پر بہلول گھوڑے بیچنے دہلی آیا اور سلطان محمد سے ملا تو اسے کم از کم دو سال

پرگنات کے انتظام کے لیے چاہیے۔تاریخ شاہی میں بھی درج ہے کہ:

''غرض یہ کہ دو سال سہرند میں رہ کر وہ صاحب جاہ و حشمت ہو گیا۔اسی دوران میں اسلام خان نے وفات پائی۔'' (46)

یوں اسلام خان کی وفات 1436ء کے بعد بنتی ہے۔یعنی دو سال اسلام خان کی ماتحتی میں بہلول نے فرائض سرانجام دیئے۔افسانہ شاہان میں درج ہے کہ اسلام خان نے تین سال 6 ماہ حکومت کی:

''تا سہ سال و شش ماہ بادشاہی کردہ بود''

''تین سال اور چھ ماہ تک اس نے حکومت کی'' (47)

یہ اشارہ ہے اسلام خان کے سرہند اور ان کے نواح میں اپنے علاقوں میں توسیع کی جانب۔دراصل اسلام خان کی زندگی میں ہی اس کا دہلی دربار میں اثر و رسوخ ہو گیا تھا اسی وجہ سے اس کا جانشین ملک بہلول اس کے بعد فوج کا سالار بن سکا۔اس مدت کو ہم اگر 19 فروری 1434ء یا سلطان محمد کی تخت نشینی کی تاریخ سے بھی شروع کریں تو ساڑھے تین سال اگست 1437ء میں بنتے ہیں اور یوں ثابت ہوتا ہے کہ اسلام خان نے وسط 1437ء میں وفات پائی۔

اس سے ظاہر ہے کہ تاریخ مبارک شاہی کے ایک نسخے میں سلیمان شہ کو غلطی سے سلطان شہ درج کر دیا گیا۔اور وہ دور سید خضر خان کا بنتا ہے۔اس غلطی کو آگے چل کر سبحان رائے بھی نقل کر دیا (48) اور تاریخ بدایونی میں بھی یہ غلطی شامل ہو گئی۔اے رحیم نے بھی اپنے مقالے میں یہی غلطی دہرا دی۔

بہلول خان کی جانشینی:

وسط 1437ء میں اسلام خان کی وصیت کے مطابق بہلول لودھی اپنے چچا سلطان شاہ

یعنی اسلام خان کا جانشین ہو گیا۔

اسلام خان کے گروہ کی تقسیم:

جب بہلول نے سرہند اور نواح کا انتظام کرنا شروع کیا تو اس وقت وہ بہت طاقتور ہو گیا تھا۔ اس کے برعکس بادشاہ دہلی بہت کمزور تھا۔ اس پر مختلف گروہ حاوی رہتے تھے۔ اور یہی موقع تھا کہ بہلول لودھی اپنا اثر ورسوخ قائم کرے۔ مگر اسلام خان کی وفات کے بعد سرہند کے پٹھان تین گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ اسلام خان کی وصیت کے مطابق بہلول لودھی کے ساتھ رہا اور اسے جانشین مان لیا۔ یہ اکثریتی گروہ تھا۔ دوسرا گروہ قطب خان ولد اسلام خان کے ساتھ تھا۔ قطب خان کا دعویٰ تھا کہ میں اسلام خان کا بیٹا ہوں لہٰذا جاگیر پر میرا حق ہے۔ تیسرا گروہ اسلام خان کے بھائی فیروز خان کے ساتھ تھا اور اسے اسلام خان کا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ (49)

بہلول کی طاقت:

بہلول لودھی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فیروز خان اپنے چچا اور دیگر رشتہ داروں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنی طاقت میں اضافہ کیا (50) بہلول کے پاس اب لشکر خزانہ اور ہاتھی سب کچھ تھا۔ اسلام خان کے 12 ہزار افغانی (51) سپاہیوں کی اکثریت اس کے پاس تھی۔

جسرت کھوکھر سے جنگ:

جب قطب خان نے دیکھا کہ بہلول کا اختیار چل رہا ہے تو وہ ناراض ہو کر 1438ء سلطان محمد کے پاس دہلی چلا آیا اور اس سے شکایت کی کہ جاگیر پر حق میرا ہے مگر بہلول نے قبضہ کر لیا ہے۔ سلطان محمد کو اس کے امراء نے اور بھی بھڑکایا۔ اس واقعے کی تفصیل فرشتہ نے یوں دی ہے:

"اسلام خاں کے بعد اس کے ماننے والے تین گروہوں میں بٹ گئے۔ افغانوں نے تو اسلام خاں کی وصیت کی پوری پوری پابندی کی اور ملک بہلول کے خیر خواہ رہے اور بعض لوگ فیروز خاں (جو اسلام خاں کا بھائی تھا) کی طرفداری کرنے لگے۔ کچھ لوگ قطب خاں جو اسلام خاں کا بیٹا تھا اس کی خیر خواہی کرنے لگے۔ ان تین وارثوں میں سے ملک بہلول ہی کو جانشین بنایا گیا یہ اچھا جانشین ثابت ہوا اور دھیرے دھیرے اس نے پورا اقتدار حاصل کر لیا۔ ملک فیروز نے قطب خاں کو بالکل کمزور کر دیا اور قطب خاں اسی جھگڑے کی وجہ سے سرہند سے سلطان محمد شاہ کے پاس دہلی چلا گیا۔ قطب خاں نے درباری امیروں کے ذریعہ سے محمد شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ سرہند افغانی پٹھانوں کا مرکز ہو کر رہ گیا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہی ہو گا کہ ملک میں شورش اور فساد بپا ہو جائے گا۔

محمد شاہ نے ملک سکندر تحفہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ قطب خاں کی سرکردگی میں سرہند بھیجا تا کہ ملک سکندر افغانوں کو دہلی بھیج دے اگر وہ بغاوت کریں تو انہیں سرہند سے جلاوطن کر دیا جائے۔ محمد شاہ نے جیرت کھکھر کے نام بھی اسی طرح کا ایک حکمنامہ بھیجا۔ افغانوں کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو وہ سب پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ جیرت کھکھر اور ملک تحفہ نے افغانوں سے کہلا دیا کہ تم نے کوئی ایسا قصور نہیں کیا ہے جو ادھر اُدھر خوفزدہ ہو کر پھر و اس پر افغانوں نے عہد نامہ مانگا۔ ملک تحفہ اور جیرت کھکھر نے ایمان کی قسم کھا کر اپنے عہد کو سچا ثابت کیا۔ تب ملک فیروز لودھی اپنے فرزند شاہین خاں اور اپنے بھتیجے ملک بہلول کو اپنے بال بچوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ کر خود قابل اعتبار شاہی امراء جیرت کھکھر اور ملک سکندر کے ہمراہ آ گیا۔ ملک سکندر اور جیرت نے ملک قطب خاں کے بھڑکانے سے اپنا وعدہ توڑ دیا اور ملک فیروز کو قید کر دیا۔ نیز دوسرے افغانوں اور ان کے بال بچوں کو

قتل کرنے کے لیے لشکر بھیجا۔ شاہین خاں نے شاہی فوج کا مقابلہ کیا افغانوں کے بہت سے سپاہی تو شاہین خاں کے ساتھ لڑائی میں مارے گئے۔ اور جو باقی رہے وہ زندہ گرفتار کر لیے گئے جو افغان مارے گئے تھے ان کے سر سرہند لائے گئے۔ ملک فیروز خان، جیرت گکھڑ کو مقتولوں کے سر دکھا کر ان کے نام بتاتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ فیروز کی نگاہیں اپنے بیٹے شاہین خاں پر پڑیں اس نے جیرت پر ظاہر نہ کیا کہ شاہین اس کا بیٹا ہے اور کہہ دیا کہ وہ اسے نہیں پہچانتا۔ جیرت کے ملازموں نے جب کہا کہ یہ نوجوان بہت بہادر تھا اس نے جنگ میں بہت ہمت اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا۔ یہ سن کر فیروز خاں رونے لگا اس پر جیرت نے رونے کا سبب پوچھا۔ تب فیروز خاں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور میں نے اس خیال سے اس کو اپنا فرزند ظاہر نہ کیا کہ شاید اس نے جنگ میں بزدلی دکھائی ہو لہٰذا اب جب یہ پتہ چل گیا کہ اس نے بہت جسارت اور بہادری سے کام لیا ہے تو مجھے اس کو اپنا فرزند کہنے میں کوئی شرمندگی نہیں۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ ملک بہلول اس جنگ میں شامل نہ تھا اور وہ ایک روز ان بے گناہوں کا بدلہ ضرور لے گا۔ جیرت نے سرہند ملک سکندر کو دیا اور خود پنجاب پہنچ کر اسیران جنگ کو دہلی بھیج دیا۔ جیرت کے جانے کے بعد ملک بہلول نے اپنے دوستوں اور خیر خواہوں سے روپیہ قرض لے کر افغانوں میں بانٹ دیا اور خود ایک گروہ کو لے کر لوٹ مار اور رہزنی کرنے لگا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مغلوں اور افغانوں کے بہت سے گروہ بہلول لودھی کے پاس جمع ہو گئے۔ اسی عرصہ میں ملک فیروز بھی دہلی سے بھاگ کر بہلول سے آ کر مل گیا اور قطب شاہ بھی اپنی پرانی حرکتوں پر بہت پشیمان ہوا اور بہلول کا دوست بن گیا۔ بہلول نے دوبارہ سرہند پر اپنا قبضہ جمایا۔" (52)

دیگر مورخین نے اس جنگ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ قطب خان کے دہلی جانے کے نتیجہ میں فوراً ہی "جنگ گڑھ" کا ذکر کرتے ہیں جس کا بیان آگے آتا ہے۔

جنگ گڑھ:

سلطان محمد شاہ سرہند، پانی پت اور دیگر علاقوں پر لودھیوں کے قبضے سے خائف تھا۔ اسے ڈر تھا کہ یہی صورت حال رہی تو تخت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ لہٰذا اس نے وزیر الملک حسام خان کو ایک بڑی فوج کے ہمراہ بہلول لودھی کے خلاف روانہ کیا۔ بہلول لودھی اور حسام خان میں 'گڑھ' کے مقام پر جنگ ہوئی۔ گڑھ ایک موضع کا نام ہے۔ جو خضر آباد اور شاہپور کے درمیان ہے۔(53) مخزن میں اس کا نام 'کرہ' آیا ہے۔(54) تاریخ داؤدی میں شاہپور کی جگہ ساڈھورہ نام درج ہے۔(55) یہ علاقہ ضلع انبالہ میں ہے۔ زبردست معرکے کے بعد حسام خان کو شکست ہوئی اور وہ ناکام دہلی آ گیا۔ بہلول لودھی کو فتح سے بہت حوصلہ ہوا۔ اس نے اپنی طاقت اور مضبوط کر لی۔ یہ جنگ غالباً 1438ء میں ہوئی۔

حسام خان وزیر الممالک کا قتل اور حمید خان کی وزارت:

بہلول لودھی نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے سلطان محمد شاہ کو عرض داشت روانہ کی کہ میں آپ کا تابع دار ہوں لیکن حسام خان جو آپ کا وزیر ہے۔ وہ میرے اور آپ کے درمیان رکاوٹ ہے۔ اگر آپ اس کو قتل کر کے حمید خان کو وزیر بنا دیں تو میں آپ کی خدمت میں آجاؤں گا۔ سلطان محمد شاہ بہلول کی باتوں میں آ گیا علاوہ ازیں وہ بھی حسام خان وزیر کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے خائف ہو گا کیونکہ محض بہلول کے ایما پر حسام خان وزیر الملک کا قتل کیا جانا نا قابل قبول ہے۔ اس کام میں یقیناً حمید خان اور دیگر امراء نے بھی بادشاہ کو راغب کیا ہو گا۔ چونکہ تواریخ میں شہرت بہلول کو حاصل ہوئی اس لیے صرف اس کا نام اس

حوالے سے درج کیا جاتا ہے۔ تمام مورخین اسباب پر متفق ہیں کہ بادشاہ نے حسام وزیر الملک کا قتل کرا دیا۔ اور حمید خان کو وزیر بنا دیا۔ (56)

یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ یہ جو تاریخ شاہی میں درج ہے کہ حسام خان جنگ گڑھ میں مارا گیا وہ غلط ہے۔ (57) تمام مورخین اسباب پر متفق ہیں حسام خان جنگ سے واپس آیا تھا اور بعد ازاں بادشاہ نے بہلول کے ایما پر اسے قتل کرایا۔ خود تاریخ شاہی میں اس کا قتل کرایا جانا درج ہے۔ (58) دوسری بات یہ ہے کہ تاریخ داؤدی میں درج ہے کہ حسام خان پر جنگ گڑھ میں فتح کے نتیجے میں سلطان محمد شاہ نے بہلول کو فتح خان کا خطاب دیا۔ (59) یہ بات بھی غلط ہے۔ اس وقت بہلول باغی تھا جبکہ حسام خان بادشاہ کا نمائندہ تھا۔ بادشاہ باغی کو جنگ میں کامیابی پر 'فتح خان' کا خطاب کیسے دے سکتا ہے؟ یہ خطاب دراصل حسام خان کے قتل کے بعد بادشاہ کے دربار میں پیش ہونے پر اسے ملا۔

بادشاہ کے دربار میں بہلول کی حاضری:

1438ء میں حمید خان کے وزیر بننے کے بعد بہلول لودھی اپنے امراء کے ساتھ بڑے خلوص سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی پوری پوری اطاعت کا یقین دلایا اور اسے فتح خان کا خطاب ملا۔ (60) سرہند اور اس کے علاقوں پر باقاعدہ حکومت کرتا رہا اور اس کے تعلقات وسیع ہوتے چلے گئے۔ یہ واقعہ 1439ء کا ہے۔

سلطان محمود خلجی سے جنگ:

844ھ بمطابق 1440ء میں مالوہ کا حاکم سلطان محمود خلجی دہلی پر حملہ آور ہوا۔ محمد شاہ مقابلے کے لیے نکلا۔ اس نے پہلے اپنے لڑکے کو مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ اور ملک بہلول لودھی کو لشکر کے مقدمے پر تعینات کیا۔ دوسری جانب سے سلطان محمود خلجی نے اپنے دو

بیٹوں سلطان غیاث الدین اور قدر خان کو مقابلے پر روانہ کیا۔ سارا دن زبردست معرکہ رہا اور ملک بہلول لودھی اور قطب خان لودھی نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ دوسرے روز سلطان محمد شاہ نے صلح کی بات کی۔ ادھر سلطان محمود خلجی کو پتہ چلا کہ سلطان احمد گجراتی منڈو (مالوہ) پر حملہ کرنے آ رہا ہے تو اس نے فوراً صلح کر لی اور واپس ہو گیا۔ اس سے سلطان محمود کا رعب لوگوں کی نظروں میں گر گیا۔ جب وہ کوچ کر گیا تو ملک بہلول لودھی نے تعاقب کر کے اس کے لشکر پر حملہ کیا اور بہت سے جانور اور مال و دولت لوٹ کر لے آیا۔ سلطان محمد شاہ اس کی اس کامیابی اور جنگ میں اس کی بہادریوں سے بہت خوش تھا۔(61) اس جنگ میں قطب خان ولد اسلام خان نے بھی بہت بہادری دکھائی تھی۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ قطب خان کو بہلول لودھی سے صلح ہو چکی تھی۔ اس معرکے میں بہلول کی فوج میں بیس ہزار افغان اور مغل شامل تھے۔(62)

'خان خانان' کا خطاب:

اس پر ملک بہلول سے خوش ہو کر بادشاہ نے اسے ''خانِ خانان'' کا خطاب دیا۔(63) ساتھ ہی اسے فرزند کا خطاب بھی عطا کیا۔(64)

جنگ جیرت کھوکھر:

845ھ بمطابق 1441ء میں سلطان محمد شاہ سامانہ کی جانب گیا اور ملک بہلول کو دیپال پور اور لاہور کی بھی حکومت دی۔ اس نے ملک بہلول کو حکم دیا کہ وہ جیرت کھوکھر (جسرت کھوکھر) کی سرکوبی کرے۔ جب ملک بہلول جیرت کھوکھر سے مقابلے پر آیا تو کھوکھر نے اس سے صلح کر لی۔ اس نے ملک بہلول کو دہلی کی بادشاہت پر قبضہ کرنے کی بھی ترغیب دی۔ اب ملک بہلول کو اندازہ ہوا کہ اس کی طاقت تو بہت بڑھ گئی ہے۔ چنانچہ اس

نے دہلی پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔(65)

بہلول لودھی کا وسعتِ سلطنت کرنا:

جیرت کھوکھر سے واپس آ کر ملک بہلول نے بادشاہ کی اجازت کے بغیر ہی لاہور، دیپالپور، سنام، پانی پت وغیرہ بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ نے اس کو خطوط اور فرامین تحریر کیے کہ وہ سرکشی سے باز آ جائے مگر ملک بہلول باز نہ آیا اور آخر کار دہلی پر حملہ آور ہوا۔(66)

بہلول لودھی کا دہلی پر پہلا ناکام حملہ:

دہلی پر ملک بہلول کا پہلا حملہ 846ھ/1445ء میں ہوا جبکہ محمد شاہ بادشاہ زندہ تھا۔ بہلول نے دہلی کا کافی عرصے تک محاصرہ کیا مگر اسے سر نہ کر سکا۔ آخر کار اسے ناکام واپس لوٹنا پڑا۔ اس نے سرہند واپس آ کر اپنی قوت میں مزید اضافہ کیا۔ اس نے 28 ذی الحج 1848 12 اپریل اپنے لیے سلطان بہلول کا لقب اختیار کیا (جیسا کہ افسانہ شاہان کی مدت سے بنتا ہے)۔ مگر خطبہ میں اپنے نام کا استعمال اور اپنے نام کا سکہ ڈھالنے کا منصوبہ دہلی کی فتح تک ملتوی کر دیا۔(67)

سلطان محمد شاہ کی وفات اور سلطان علاء الدین شاہ عالم کی تخت نشینی:

847ھ/1443ء میں سلطان محمد شاہ فوت ہو گیا۔ اس کی جگہ امراء نے اس کے لڑکے سلطان علاء الدین کو بادشاہ بنایا۔ ملک بہلول اور دیگر تمام امراء نے اس کی بیعت کی۔ مگر فرشتہ کہتا ہے کہ بہلول لودھی نے بیعت نہیں کی تھی۔(68) اور غالباً یہ بات درست بھی ہے کیونکہ ملک بہلول خود سلطنت کا مدعی تھا اور اس غرض سے وہ دہلی پر حملہ بھی کر چکا تھا۔ اس لیے محمد شاہ کے جانشین کو بادشاہ تسلیم کرنے کی بیت کرنا بہلول کے رویے اور نیت کے

برعکس ہے۔

بہلول لودھی کا دہلی پر دوسرا ناکام حملہ:

مخزن میں درج ہے کہ علاء الدین کی تخت نشینی کے بعد ملک بہلول نے ایک بار پھر سے دہلی پر حملہ کیا مگر ناکام رہا اور سرہند واپس چلا گیا۔(69) طبقات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔(70) یہ حملہ غالباً 850ھ/1446ء میں ہوا۔

سلطان علاء الدین کے دور کی طوائف الملوکی:

سلطان علاء الدین کے دور میں ہر جگہ بدامنی تھی اور مختلف علاقوں پر مختلف لوگوں کا قبضہ تھا جس کی تفصیل یوں ہے:

(1) لودھی قبیلہ: (بہلول لودھی)	سرہند، لاہور، سامانہ، سنام، حصار فیروزہ، پانی پت
(2) احمد خان میواتی:	مہرولی (دہلی کا جنوب) تالا دوسرائے (دہلی کے جنوب میں ہی ایک دوسرا علاقہ)
(3) دریا خان لودھی:	صوبہ سنبھل
(4) عیسیٰ خان ترکچہ:	کول (موجودہ علی گڑھ کا علاقہ)
(5) قطب خان ولد حسین خان افغان:	راپڑی (موجودہ مین پوری کا علاقہ)
(6) رائے پرتاپ:	قصبہ بھون گاؤں، پٹیالی، کنپلہ (موجودہ قنوج اور مین پوری کا کچھ علاقہ)
(7) داؤد خان اوحدی (لودھی)	بیانہ (آگرہ اور بھرت پور کے درمیان کا علاقہ)

(8) گجرات: سلطان احمد گجراتی۔

(9) مالوہ: سلطان محمود خلجی

(10) جونپور: سلطان محمود شرقی

(11) دہلی شہر: سلطان علاء الدین شاہ عالم

ان حالات میں اس دور میں ایک محاورہ مشہور تھا کہ:

"سلطنت شاہ عالم از دہلی تا پالم"

(شاہ عالم کی حکومت دہلی سے پالم تک ہے۔) (71)

پالم دہلی سے چند میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ یاد رہے کہ یہی قول مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کے بارے میں بھی مشہور تھا جس کی سلطنت بھی سکڑ کر پالم تک محدود ہو گئی تھی۔

دہلی پر وزیر حمید خان کا قبضہ 1450ء:

سلطان علاء الدین ایک عیش پسند شخص تھا۔ وہ ہر وقت بدایوں میں رہتا تھا اور عیش و عشرت میں غرق رہتا۔ حمید خان کو اس نے وزیر مقرر کیا ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد ایک امیر رائے پرتاپ دیو نے بادشاہ کو اکسایا کہ وزیر الملک حمید خان مالوہ کے بادشاہ سلطان محمود خلجی سے سازش کر رہا ہے۔ رائے پرتاپ کے باپ کو حمید خان نے قتل کر دیا تھا۔ اس کی یہ بات اپنے باپ کے قتل کا بدلہ تھی۔ اس نے سلطان کو اکسایا کہ وہ حمید خان کو قتل کر دے۔ حمید خان کو اسباب کی خبر لگ گئی۔ وہ بڑی مشکل سے بدایوں سے نکل کر بھاگا اور سیدھا دہلی آیا۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا امیر دولت خان بھی تھا۔ دہلی آ کر اس نے سلطان علاء الدین کے اہل خانہ کو قلعہ سے نکال باہر کیا۔ سلطان چونکہ کمزور تھا لہٰذا وہ حمید خان کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکا۔ مخزن میں اس واقعے کی تفصیل یوں درج ہے۔

"اسی اثناء میں سلطان علاؤ الدین بھی قطب خاں لودھی اور رائے پرتاب کے ساتھ مشورہ کر کے اپنی طاقت کو بڑھانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ حمید خان کو وزارت سے معزول کر کے قید میں ڈال دیں تو مختلف امراء سے چند پرگنے آزاد کرا کے مرکزی حکومت میں شامل کر دیں گے۔ سلطان علاؤ الدین نے حمید خاں کو گرفتار کر کے قید میں ڈالا اور خود دہلی سے کوچ کر کے برہان آباد کے قریب امروہہ میں جا کر دربار لگایا۔ اس مقام پر قطب خاں، عیسیٰ خاں اور رائے پرتاب نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر وہ اپنے وزیر حمید خاں کو قتل کرا دے تو ہم چالیس پرگنے اس کی حکومت میں شامل کر دیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حمید خاں کے باپ نے رائے پرتاب کے صوبہ پر حملہ کر کے اس کی بیوی کو اُٹھا لیا تھا اور اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ وہ اس کا انتقام اُس کے بیٹے سے لینا چاہتا تھا۔ سلطان علاؤ الدین نے، جو سلطنت کے کاموں کا زیادہ شعور نہ رکھتا تھا، بے سوچے سمجھے حمید خاں کے قتل کا حکم دے دیا۔ لیکن حمید خاں کے بھائیوں کو کسی طرح پیش از وقت اس کی خبر ہو گئی اور انہوں نے جیسے بھی بن پڑا حمید خاں کو قید سے نکال لیا۔ اور اُسے ساتھ لے کر دہلی بھاگ آئے۔ ملک محمد جمال، جس کی وہ سپرداری میں تھا، پیچھے آیا اور دہلی میں حمید خاں کے گھر کا محاصرہ کر کے کام تمام کیا۔ اس دار و گیر پر شہر میں بہت شور و غوغا ہوا اور بہت سے لوگ حمید خاں کی حمایت پر اُٹھ آئے۔ یہ دیکھ کر حمید خاں شاہی قلعے کے اندر داخل ہو کر سلطان کے حرم میں گھس گیا اور سلطان کی بیویوں، لڑکیوں اور لڑکوں کے سر ننگے کر کے قلعے سے باہر نکال دیا اور قلعے کے سارے مال اسباب اور خزانوں پر قابض ہو گیا۔ سلطان علاؤ الدین اپنی زبوں حالی کی وجہ سے اس بدقسمتی کا کوئی مداوا نہ کر سکا اور برسات کا بہانہ بنائے، انتقامی کارروائی کو آج کل پر ٹالتا رہا بلکہ خود دہلی آنے کی بجائے

بداؤن میں قیام پذیر رہا۔" (72)

حمید خاں کا پروگرام اور بہلول کی دہلی آمد:

حمید خاں نے اب یہ پروگرام بنایا کہ سلطان علاء الدین کی جگہ کسی اور کو تخت دہلی پر بٹھائے۔ اس کی نظر میں دو شخص تھے۔ ایک ملک بہلول اور دوسرا قیام خان۔ (73) تاریخ شاہی میں قیام خان کی جگہ سلطان محمود خلجی کا نام درج ہے۔ (74) حمید خان نے ان دونوں کو خط لکھ کر بلایا۔ چونکہ ملک بہلول قریب تھا لہٰذا وہ سرہند سے بڑی سرعت سے دہلی آ گیا۔ اور ہر روز اسے سلام کرنے کی غرض سے حاضر ہونے لگا۔ ایک روز حمید خان نے اس سے کہا کہ "بادشاہت قبول کر لو"۔ بہلول نے جواب دیا کہ "میں سپاہی ہوں۔ مجھ جیسے آدمی کو سلطنت کا کوئی تجربہ نہیں۔ آپ تخت سنبھالیں میں آپ کا سپہ سالار بن کر کام کروں گا۔" حمید خان نے اسے جواب دیا کہ "مجھے بادشاہت کی خواہش نہیں ہے۔ چونکہ سلطان علاؤ الدین احمد سلطنت چلانے کے نااہل ہے اور اس کے عہد میں اسلام کی حالت بھی مخدوش ہے لہٰذا تمہارے سامنے یہی تجویز ہے کہ تم بادشاہ بن جاؤ۔" مگر ملک بہلول نے پھر سے انکار کر دیا۔ البتہ نیت اس کی بادشاہ بننے کی ہی تھی۔ وہ روزانہ حمید خان کو سلام کیا کرتا تھا۔ (75)

سلطان بہلول کی تخت نشینی:

آخر کار ملک بہلول اور حمید خان کے درمیان قول و اقرار ہوا اور 17۔ ربیع الاول 855ھ بمطابق 1451ء کو ملک بہلول کو سلطان کا خطاب دے کر تخت نشین کر دیا گیا۔ (76)

طبقات میں ہے کہ ملک بہلول لودھی نے تخت نشین ہونے کے بعد سلطان علاء الدین کو

خط لکھا کہ میں خود کو آپ کا غلام سمجھتا ہوں۔ سلطان نے جواب دیا کہ چونکہ میرے باپ نے تجھے فرزند کہا ہے لہٰذا مجھے ذرا بھی تردد نہیں ہے۔ میں بدایوں کے پرگنے پر قناعت کر کے سلطنت تجھ کو دیتا ہوں۔ (77) اس کے بعد ملک بہلول کی سلطنت مضبوط ہو گئی۔

تاریخ شاہی میں اس کی تاریخ جلوس 27۔ محرم 855ھ / یکم مارچ 1451ء درج ہے۔ وہاں یوں تحریر ہے کہ:

"جب یہ تحریر بہلول خان کے پاس پہنچی تو اس نے ایک عالی شان جشن ترتیب دے کر زر دوزی سائبان لگایا، اس میں رنگ برنگا قالین بچھایا، اس پر مرصع و مبارک تخت رکھوایا، پھر اس پر ۲۷ ماہ محرم ۸۵۵ھ کو جلوس فرمایا اور ابو المظفر بہلول شاہ کہلایا۔ اس پر شاہانہ انداز میں موتی نچھاور کیے گئے اور مبارک باد کی رسمیں ادا کی گئیں۔ مخالف و موافق، سب حاضر خدمت ہو گئے۔ اس کے ستارۂ بابرکت کی بدولت بڑے بڑے سرکش اس کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور انہوں نے پایۂ سریر کے سامنے سر جھکا دیے۔" (78) اور یہ تخت نشینی حمید خان کی گرفتاری کے بعد درج ہے۔

حمید خان وزیر کا زوال 1451ء:

حقیقت یہ ہے کہ حمید خان وزیر بہت طاقتور ہو گیا تھا۔ اس کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ ملک بہلول چاہتا تھا کہ ابھی حمید خان کو اعتماد میں لے لے اور بعد ازاں اسے ٹھکانے لگا دے۔ اس کا خیال تھا کہ حمید خان کی موجودگی میں وہ آزادانہ بادشاہت نہیں کر سکتا۔ لہٰذ اس نے پہلے حمید خان کو اعتماد میں لیا۔ اس کے بعد اسے گرفتار کیا۔ سب سے پہلی چیز اندرونی خود مختاری تھی جس کے بعد سلطان بہلول اپنی سلطنت کو وسعت دے سکتا تھا۔ خود مختاری کے لیے ضروری تھا کہ امور سلطنت میں کوئی دوسرا شریک کار نہ رہے۔ اسی مقصد

سے حمید خان کو گرفتار کیا گیا۔ مخزن افغانی میں حمید خان کی گرفتاری کا واقعہ بڑے دلچسپ انداز میں درج ہے۔ ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں:

"مصلحت وقت کے پیش نظر ملک بہلول، حمید خاں سے خوردانہ اور نیاز مندانہ ملتا اور بہت انکساری اور نرمی سے پیش آتا۔ ہر روز اُس کے سلام کو حاضر ہوتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ کوہ سلیمان اور روہ کے علاقے سے آتے ہوئے افغانوں کو بھی اپنے ساتھ رکھتا اور انہیں ہر وقت چوکس رہنے کی ہدایت کرتا۔ ہر وقت اس تاک میں رہتا کہ کسی طرح حمید خاں کو معزول کر کے تختِ سلطنت پر قابض ہو جائے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اے دن حمید خاں نے ایک بہت بڑی ضیافت کا انتظام کیا جس میں اکثر امراء کو دعوت دی۔ سلطان بہلول بھی مہمانوں میں شامل تھا۔ بہلول نے اپنے افغان ہمراہیوں کو سکھایا کہ تم حمید خاں کی مجلس میں چند ایسی حرکات کرنا جو پاگلوں اور احمقوں کی سی ہوں اس طرح تمہاری ہیبت اور رعب اُس کے دل سے جاتا رہے گا اور وہ تم پر کڑی نگاہ نہیں رکھے گا۔ جب افغان حمید خان کی ضیافت میں شامل ہوئے تو عجیب عجیب احمقانہ اور مسخروں والی حرکات کرنے لگے۔ بعض نے اپنے جوتے کمر سے باندھ لیے، بعض نے اپنے جوتے حمید خاں کے سر سے اونچے ایک طاق میں رکھ دیئے۔ حمید خاں نے پوچھا کہ یہ کیا حرکتیں کرتے ہو۔ کہنے لگے ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہمارے جوتے کوئی نہ چرا لے۔ اس لیے حفاظت کے طور پر ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ چند لمحوں کے بعد وہ افغان حمید خاں سے کہنے لگے کہ آپ کے قالین بہت خوبصورت ہیں اگر ان میں سے ایک قالین ہمیں عنایت فرما دیں تو ہم اپنے بچوں کے لیے ٹوپیاں اور طاقوں پر ڈالنے کے لیے ٹکڑے بنا کر اپنے وطن روہ بھیج دیں گے۔ اس طرح ہمارے اہل و عیال اور قبیلہ والوں کو معلوم ہوگا کہ حمید خاں کی ملازمت میں ہمیں بڑی عزت و آبرو حاصل ہے۔ اس پر حمید

خاں نے مسکرا کر کہا کہ ہم آپ کو ان قالینوں سے زیادہ خوب صورت کپڑے انعام اور تحفے کے طور پر دیں گے۔ جب حمید خاں کے ملازمین دستر خوانوں پر رکھنے کے لیے گلدستے اور خوشبو وغیرہ لانے لگے تو وہ عطر آگین روئی کے پھویوں کو چاٹتے اور گلدستوں کے پھولوں کو کھاتے تھے اور پان کی گلوریوں کو کھول کر پہلے [۱۴۰] چونے کو کھاتے اور جب منہ جلتا تو پھر پان کے پتوں کو منہ میں رکھتے۔ اس طرح عجیب وغریب حرکات کرنے لگے۔ حمید خاں نے ملک بہلول سے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھی اس قسم کی حرکات کیوں کرتے ہیں تو اُس نے جواب دیا کہ یہ سارے دیہاتی لوگ ہیں شہری بود و باش کو نہیں جانتے۔ کھانے اور مرجانے کے سوا انہیں کوئی کام نہیں آتا۔ معمول یہ تھا کہ جب بھی ملک بہلول حمید خاں کی خدمت میں آتا، چند جاں نثار اس کے ہمراہ اندر آجاتے اور باقی بہت سارے آدمی باہر کھڑے رہتے۔

ایک مرتبہ حمید خان نے ملک بہلول کے اعزاز میں اپنے ہاں کھانے کی ایک دعوت کا انتظام کیا۔ ملک بہلول حسب معمول بہت سارے افغانوں کو ساتھ لایا اور انہیں پہلے سے پٹی پڑھا دی کہ تم لوگ کسی بہانے سے سارے اندر چلے آنا۔ اُنہوں نے حمید خاں کے دربانوں کو زور سے ہٹا دیا اور زبردستی اندر چلے آئے اور کہنے لگے کہ ہم بھی حمید خاں کے ملازم اور رعایا ہیں اس کی زیارت سے کیوں محروم رہیں۔ جب دروازے پر ان کے دربانوں کے ساتھ جھگڑنے سے شور وغوغا ہوا تو حمید خاں نے اس کا سبب پوچھا۔ افغان ملک بہلول کو گالیاں دیتے ہوئے اندر آگئے اور کہنے لگے کہ ملک بہلول کی طرح ہم بھی تو آپ کے چاکر ہیں اور بہی خواہوں میں سے ہیں۔ وہ اگر اندر آسکتا ہے تو ہم کیوں باہر رہیں حمید خاں نے سب کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اس پر افغانوں کا ایک بہت بڑا مجمع اندر آگیا اور حمید

خاں کے ہر ملازم اور محافظ کے پاس دو افغان کھڑے ہو گئے۔ جب کھانا پینا ختم ہوا اور حمید خاں کے ملازمین اور دیگر احباب میں سے اکثر لوگ چلے گئے تو قطب خاں لودھی نے اپنی بغل سے زنجیر نکال کر حمید خاں کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ آپ چند روز تک گوشہ گیری اختیار کریں۔ میں چونکہ آپ کا پرانا نمک خوار ہوں اس لیے آپ کی جان کے درپے نہیں ہوتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے حمید خاں کو گرفتار کر کے اپنے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔"(79)

خزانے کی تقسیم:

اب سب سے پہلا کام سلطان بہلول لودھی نے یہ کیا کہ خزانے کے منہ کھول دیئے۔ اسے حکومت افغانوں کی حمایت سے ملی تھی لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ ان کو بھی صلے میں کچھ ملے۔ نہ صرف افغان ساتھیوں بلکہ غیر افغان ساتھیوں کو بھی اس نے مالا مال کر دیا اور سب کو رام کیا۔ سب لوگ اس سے خوش ہو گئے۔(80)

امراء:

جب سلطان بہلول لودھی نے تخت سنبھالا تو اس کے درج ذیل 9 بیٹے تھے:

(1) خواجہ بایزید خان (2) نظام خان عرف سکندر (3) مبارک خان عرف باربک شاہ (4) عالم خان عرف علاء الدین خان (5) جمال خان (6) میاں یعقوب خان (7) فتح خان (8) میاں موسیٰ خان (9) جلال خان۔(81)

اس کے یہ بیٹے اس کے دربار میں موجود رہتے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ اور قابل اعتماد اشخاص اس کے پاس تھے۔ ان میں ایک تو اس کا چچازاد بھائی قطب خان تھا جو اسلام خان کا بیٹا تھا۔ اسلام خان کی وفات کے بعد یہ کچھ عرصہ اس سے ناراض رہا مگر پھر واپس آن ملا اور

ہمیشہ اس کا وفادار رہا۔ یہ بہت بہادر اور شجاع تھا۔(82)

انتظام سلطنت پر توجہ:

بہلول لودھی نے سب سے پہلے انتظام سلطنت پر توجہ دی۔ دہلی اس کے قبضے میں تھا۔ سرہند اور لاہور وغیرہ پہلے ہی اس کے پاس تھے۔ اب اس نے ملتان اور پنجاب کے امور درست کرنا چاہے اور دیپالپور کی طرف چلا گیا۔ دہلی میں اس نے اپنے بیٹے خواجہ بایزید خان کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔(83)

سلطان محمود شرقی کا حملہ:

856ھ/1452ء میں جب سلطان بہلول دیپالپور پہنچا تو اس کی عدم موجودگی میں اس کے بعض قدیم امراء نے جونپور کے سلطان محمود کو دہلی پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ ان امراء کو سلطنت پر افغانوں کا اقتدار اچھا نہیں لگتا تھا۔ سلطان محمود جونپوری کے لیے یہ اچھا موقع تھا۔ وہ سابق بادشاہ سلطان علاء الدین کا رشتہ دار بھی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دہلی پر علاء الدین یا اس کے کسی رشتہ دار کو ہی بٹھا دے۔ چنانچہ وہ ایک بڑا لشکر لے کر دہلی پر حملہ آور ہوا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔(84)

سلطان بہلول کا مشورہ:

856ھ بمطابق 1452ء میں سلطان محمود شرقی نے جونپور سے آ کر دہلی کا محاصرہ کر لیا۔(85) تاریخ داؤدی میں ہے کہ سلطان محمود کے لشکر میں ایک لاکھ ستر ہزار سوار اور پیادے تھے۔ اس کے علاوہ ایک ہزار چار سو جنگی ہاتھی تھے۔(86) افسانہ شاہان میں درج ہے کہ اس کے پاس ایک لاکھ سوار اور پندرہ سو مست ہاتھی تھے۔(87) خواجہ بایزید خان ابن سلطان بہلول اور دیگر لوگ بھی محصور ہو گئے۔(88) سلطان بہلول دیپالپور

میں تھا۔اس نے اپنے امراء سے مشورہ کیا اور کہا:

"ہندوستان ایک بڑا وسیع ملک ہے۔یہاں کے زمینداروں اور جاگیرداروں کے پاس وسائل بہت زیادہ ہیں اور عوام میں ان کا اثر ورسوخ بھی بہت ہے۔جب کہ میں یہاں بے کس اور غریب الدیار ہوں اور میرے خویش واقربا کی تعداد یہاں اتنی نہیں کہ کسی آڑے وقت میں میری مدد کرسکیں اس لیے اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو میں روہ کے علاقے سے اپنے کچھ عزیز اور رشتہ داروں سے مدد مانگ لوں تاکہ مجھے بھی قدرے قوت حاصل ہو جائے۔"(89)

روہ سے پٹھانوں کی آمد:

سلطان بہلول کی اس تجویز سے اکثر ساتھیوں نے اتفاق کیا۔دیپالپور سے روہ کا علاقہ زیادہ دور نہ تھا۔اور بہلول کی ننھیال کے علاوہ ددھیالی رشتہ دار بھی وہاں پر مقیم تھے۔فوراً خطوط اور زبانی پیغامات روانہ کیے گئے اور وہاں سے ہر قبیلے کے سردار اپنی اپنی افرادی قوت لے کر سرہند کی جانب چل دیئے۔ان کی آمد تک سلطان بہلول دیپالپور میں رہا۔تقریباً دس ہزار سوار اور پندرہ ہزار پیادے اس موقع پر روہ سے آئے(90)۔افسانہ شاہان میں درج ہے کہ سلطان بہلول،سلطان محمود شرقی کی آمد کے وقت دہلی میں تھا۔سلطان شرقی کا لشکر ایک لاکھ افراد پر مشتمل تھا۔سلطان بہلول مقابلہ نہ پا کر دہلی سے نکل گیا۔خود سرہند چلا گیا اور اس کا چچازاد قطب خان پانی پت چلا گیا جہاں اس نے ایک "قلعہ گلی" تعمیر کیا۔اور یوں سلطان بہلول 9 سال تک دہلی سے بے دخل رہا۔(91)مگر اس بیان کی تصدیق کسی اور ذریعے سے نہیں ہوئی۔کتب تواریخ میں درج ہے کہ سلطان شرقی نے کبھی دہلی پر قبضہ نہ کیا بلکہ صرف اس کا محاصرہ کر پایا تھا۔

احمد خان جلوانی کی آمد:

بہر حال اسی موقع پر روہ کے پٹھانوں کے ایک قبیلہ جلوانی کا سردار میاں احمد خان سلطان بہلول کے پاس آیا۔ اس کے پاس مال و دولت کے علاوہ افرادی قوت بھی بہت تھی۔ اس نے آ کر بہلول سے کہا اگر میں تمہارے ساتھ ہو جاؤں تو تم مجھ سے کیا وعدہ اور سلوک کرو گے۔ بہلول نے کہا کہ جو ملک میرے پاس ہوگا اس کا چوتھائی حصہ تم کو دوں گا۔ اس پر دونوں میں اقرار و پیمان ہوا اور احمد خان جلوانی بہلول کے ساتھ شامل ہو گیا۔ (92)

شہر دلی کا انتظام:

ادھر دہلی میں خواجہ بایزید خان وغیرہ محصور تھے۔ ان میں بہلول کے چچا اسلام خان کی بیوہ بی بی مستو بھی تھی۔ بی بی مستو اور دیگر افغان مرد وزن قلعے کی حفاظت کرنے لگے۔ بی بی مستو نے بعض عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر قلعے کے بیرونی حصوں پر روانہ کیا۔ اس طرح سے قلعہ کا انتظام کیا گیا۔ قلعہ سے تمام افغان تیر اندازی کرنے لگے۔ خان جہان لودھی کا داماد شاہ سکندر سروانی فصیل کے کنگرہ (برج) پر جا بیٹھا۔ وہ بہت زبردست تیر انداز تھا۔ واقعات مشتاقی میں درج ہے کہ

"دستور او بود کہ بر پیکان نام خود زر کوفت تمغامی کرد" (93)

تاریخ داؤدی میں درج ہے کہ سکندر شاہ کے تیروں کے پھن پر "سکندر شاہ است" (سکندر شاہ ہے) درج ہوتا تھا۔ اس کا تیر گیارہ ہاتھ لمبا ہوتا تھا اور آٹھ سو قدم تک جاتا تھا۔ (94)

ایک روز سلطان محمود شرقی کا سقہ فصیل کے کنویں سے پانی لے کر سلطان کی جانب روانہ ہوا۔ قلعہ سے لے کر کنویں تک تین چار "تیر پرتاب" کی راہ ہے۔ شاہ سکندر نے

بیرونی کنگرے یا برج سے ایسا تیر مارا کہ دونوں مشکیزوں اور گاؤ سے نکل کر اسی جگہ زمین میں گڑھ گیا۔ سقہ وہ تیر لے کر سلطان شرقی کے پاس آیا اور سارا معاملہ بیان کیا۔ اس کے بعد سے پھر کوئی شخص شہر کے قریب نہ گیا۔ (95)

سید شمس الدین اور دریا خان لودھی کی گفتگو:

جب سلطان بہلول کے آنے میں دیر ہوئی تو دہلی کے اکابرین نے مشورہ کیا۔ سلطان محمد شرقی کے ہمراہ سنبھل کا حاکم مبارک خان لودھی بھی تھا۔ تاریخ داؤدی اور طبقات اکبری میں اس کا نام مبارک خان کی جگہ دریا خان لودھی درج ہے جو اس کا خطاب تھا۔ غرض کہ اس کو بلا کر اس سے بات چیت کی گئی کہ قلعہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

شہر فصیل کے اندر ایک معتبر شخص سید شمس الدین شہر کی چابیاں لے کر مبارک خان لودھی کے پاس گیا اور اس سے علیحدگی میں ملنے کی درخواست کی۔ شمس الدین نے اس سے پوچھا کہ سلطان محمود سے تمہارا کیا تعلق ہے۔ اس نے کہا کہ وہ میرا بادشاہ ہے اور میں اس کا نوکر ہوں۔ پھر پوچھا کہ سلطان بہلول تمہارا کیا ہے اس نے کہا کہ وہ لوگ ہمارے بھائی ہیں۔ وہ بھی لودھی ہیں اور ہم بھی لودھی ہیں۔ شمس الدین نے کہا اس کی ماں بہن تمہاری کیا ہوئی۔ تو مبارک خان بولا کہ میری ماں بہن ہیں۔ شمس الدین نے چابیاں مبارک خان کے سامنے رکھ کر کہا کہ اب تمہارا اختیار ہے کہ ماں بہن کو یا تو پردے میں رکھو یا پھر ذلیل کر دو۔ اس پر مبارک خان بہت شرمندہ ہوا۔ بولا کہ اب میں کیا کروں۔ شمس الدین نے کہا کہ ہم سلطان بہلول کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں قلعے میں تھوڑا وقت اور چاہیے۔ مبارک خان نے کہا اگر یہ بات ہے تو یہ چابیاں اپنے پاس رکھو۔ جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا وہ میں کروں گا۔ (96)

جنگ نریلہ:

مبارک خان لودھی سلطان محمود کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ قلعہ کی چابیاں تو آ گئیں تھیں مگر سلطان بہلول کی آمد کی خبر بھی آ گئی ہے لہٰذا میں نے چابیاں نہیں لیں۔ جب میں اس کو شکست دے دوں گا تو اس کا سارا ملک ہمارا ہو جائے گا۔ سلطان محمود نے کہا کہ اب کیا رائے ہے۔ مبارک خان نے کہا مجھے اور فتح خان ہروی کو مقرر کر دیجیے جبکہ آپ یہیں پر تشریف رکھیے۔ چنانچہ سلطان شرقی وہیں رکا اور مبارک خان و فتح خان ہروی سلطان بہلول کی جانب مقابلے کو بڑھے۔ دوسری طرف سلطان بہلول افغانوں کی تازہ دم فوج لے کر آ رہا تھا۔ موضع نریلہ میں دونوں فوجوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کی خبر ملی۔ دونوں نے وہیں خیمے لگا لیے۔ مبارک خان لودھی کے پاس تیس ہزار سوار تھے جبکہ سلطان بہلول کے پاس 14 ہزار یا بروایت دیگر سات ہزار سوار تھے۔ (97) مخزن میں دس ہزار سواروں کا سلطان بہلول کے ساتھ ہونا درج ہے۔ فتح خان کے پاس 39 جنگی ہاتھی بھی تھے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو قطب خان ولد اسلام خان لودھی نے ایسا تیر مارا کہ فتح خان کا ہاتھی ہی ناکارہ ہو گیا۔ اس جنگ میں پٹھانوں کی تیر اندازی نے سلطان شرقی کی فوج کو ناکارا بنا دیا۔

> "افغانان دست بہ کمان کردند و بہ تیر کاری آمدند۔ مبارک خان با افواج خود تاب ایستادنہ آورد و فتح خان از زخم تیر کشتہ شد۔

(افغانوں نے اپنے ہاتھ کمانوں پر رکھے اور تیر اندازی پر اتر آئے۔ مبارک خان اپنی افواج کے ساتھ مقابلہ پر نہ ٹھہر سکا اور فتح خان تیر کے زخم سے مارا گیا)۔ (98)

طبقات اکبری میں درج ہے کہ سلطان بہلول کے ساتھ رائے کرن بھی تھا۔ اس رائے کرن کے بھائی چھتورا کو فتح خان ہر نے قتل کر دیا تھا۔ لہٰذا رائے کرن نے فتح خان کا

سرکاٹ کر سلطان بہلول کو پیش کیا۔(99) اس موقع پر سلطان بہلول نے فتح خان کے سات ہاتھی بھی چھین لیے تھے۔(100) تاریخ داؤدی میں ہے کہ سلطان بہلول نے بعد ازاں فتح خان کو نریلہ میں ہی دفن کرا دیا تھا۔(101)

دوران جنگ قطب خان نے مبارک خان لودھی کو للکار کر وہی بات دہرائی جو سید شمس الدین نے مبارک خان سے کہی تھی۔ اور اس کی غیرت کا للکارا۔ اس پر مبارک خان نے کہا کہ اچھا میں چلا جاتا ہوں بشرطیکہ تم میرا تعاقب نہ کرو گے۔ قطب خان لودھی نے وعدہ کر لیا اور مبارک چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی فتح خان کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔(102)

ہم قومیت کی دیگر مثال:

ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح سے ہم قومیت کا خیال تاریخ میں اکثر مقامات پر پٹھانوں میں پایا جاتا ہے۔ جب اٹھارہویں صدی کے وسط میں علی محمد خان روہیلہ سرہند سے اپنے گروہ کے ساتھ روہیلکھنڈ آ رہا تھا تب سہارنپور کے گورنر...... قصوری نے ہم قوم ہونے پر ہی اسے راستہ دیا اور شاہی حکم کے باوجود اسے گرفتار نہ کیا۔(103)

دہلی کا نقارہ فتح اور محاصرے کا خاتمہ:

اس شکست کی خبر جب سلطان شرقی کو ہوئی تو اس نے محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ بی بی مستو کو جب سلطان شرقی کی افواج کی آمد کی خبر ملی تو پوچھا کہ فتح یاب آئے ہیں یا شکست خوردہ؟ لوگوں نے کہا کہ پتہ نہیں۔ اس پر اس خاتون نے کہا کہ جا کر دیکھو کہ سپاہی آ کر بادشاہ کے پاس جاتے ہیں یا اپنے اپنے خیموں میں جاتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ اپنے اپنے خیموں میں جاتے ہیں اور سامان اکٹھا کر رہے ہیں۔ اس پر بی بی مستو نے فتح کا نقارہ

بجوادیا۔ جب سلطان شرقی نے نقارہ سنا تو پوچھا کہ نقارہ کیوں بجاتے ہیں۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ قلعہ کے اندر یہ سنا جاتا ہے کہ ہمارے لشکر کو شکست ہوئی ہے۔ اس پر سلطان نے کہا اس خبر کی حقیقت دریافت کرو۔ اسی دوران مبارک خان لودھی آ گیا اور اس نے سلطان شرقی کو فتح خان کے مارے جانے اور لشکر کے شکست کی خبر دی۔ چنانچہ سلطان شرقی نے فوراً محاصرہ ختم کر دیا۔(104)

افاغنہ روہ کی خاطر و مدارت:

سلطان بہلول کو اس بات کا قوی احساس تھا کہ اس کی یہ فتح روہ سے آنے والے پٹھانوں کا نتیجہ ہے۔ یہ پٹھان اس کی قوت تھے اور وہ اب ان پر ہی اپنی سلطنت و حکومت کی بنیاد رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ان پٹھانوں کو خواہ سردار ہو یا عام آدمی ہو ہر طرح سے راضی رکھنے کا فیصلہ کیا اور انہیں نہ صرف انعام و اکرام دیا بلکہ ان سب کے وظیفے مقرر کر دیے جو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ روہ میں بھی ان پٹھانوں کو ملتے رہتے تھے۔ مخزن میں اس کی تفصیل یوں درج ہے:

> ''اس فتح سے سلطان بہلول کا حوصلہ بہت بلند ہو گیا۔ اس کے وقار و اقتدار اور جاہ و جلال کی پورے ہندوستان پر دھاک بیٹھ گئی۔ روہ سے جو افغان اس کی مدد کو آئے تھے انہیں انعام و اکرام سے نوازا۔ ان میں سے جو لوگ ہندوستان رہنا چاہتے تھے انہیں جاگیریں عطا کیں اور جو اپنے وطن روہ واپس جانا چاہتے تھے انہیں بیش قیمت تحفے اور ساز و سامان دے کر رخصت کیا۔ نیز جس کسی کو ان کی آمد کے وقت پہلے روز جو کچھ ملا تھا وہ بھی وظیفہ کے طور پر بحال رکھا جہاں کہیں بھی وہ ہوا اسے وہ وظیفہ پہنچا دیا جاتا تھا۔ سلطان بہلول نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک اس وظیفے کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی اور اپنے امراء کو حکم دے رکھا تھا کہ روہ سے جو شخص بھی

آئے اس کی ہر طرح سے دیکھ بھال کی جائے اور اس کی حیثیت کے مطابق اس کا احترام و اکرام کیا جائے۔ اگر امراء خود ان کے اخراجات برداشت نہ کر سکیں تو اسے سلطان تک پہنچا دیں۔ جب سلطان کی اس سرپرستی کا روہ میں چرچا ہوا تو اکثر و بیشتر افغانوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ جو کوئی وہاں سے آتا اس کی یہاں بہت آؤ بھگت ہوتی جس کی وجہ سے ان لوگوں کی ہندوستان میں آمد و رفت بہت زیادہ ہو گئی۔"(105)

احساسِ وسعت سلطنت:

اس جنگ کے بعد سلطان بہلول کو احساس ہوا کہ اسے اپنی سلطنت کو وسعت دینی ہو گی۔ سلطنت کے استحکام کے لیے وسعت ضروری ہے تا کہ دارالخلافہ تک دشمن کو پہنچنے میں کافی وقت اور فاصلہ درکار ہو۔ سلطان بہلول دیکھ چکا تھا کہ کس طرح سے سنبھل کا حاکم دریا خان لودھی یا مبارک خان لودھی سلطان محمود شرقی سے جا ملا تھا۔ سلطان کو سیاسی مقاصد کے علاوہ معاشی مقاصد کے لیے وسیع سلطنت کی ضرورت تھی۔ ریاست کے اخراجات پورے کرنے تھے۔ نئی فوج بھرتی ہوئی تھی۔ اس کے اخراجات تھے۔ ساتھی پٹھانوں کے وظیفے تھے جو ان کے لیے تاحیات مقرر تھے۔ یہ سب کچھ چھوٹی سی سلطنت کی آمدنی سے پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ اس کے علاوہ کسی بھی وقت کوئی دوسرا حکمران گجرات، مالوہ، دکن یا جونپور سے زیادہ طاقت لے کر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ اپنی طاقت میں اضافہ کیا جائے اور سلطنت کی حدود وسیع کی جائیں۔ اس غرض سے اب سلطان بہلول نے آس پاس کے علاقوں کے حاکموں کو دبانا شروع کر دیا۔

فتح میوات:

اب بہلول لودھی نے اپنی سلطنت کی وسعت کے لیے پہلا قدم اٹھایا اور قریب ترین علاقے میوات پر فوج کشی کی۔ یہاں کا حکمران احمد خان میواتی تھا۔ میوات دہلی کے جنوب میں ہے۔ احمد خان میواتی نے بہلول لودھی کی اطاعت کرلی۔ 7 پرگنے اس نے سلطان بہلول کو دے دیئے۔ سلطان بہلول نے احمد خان کو رعایت دی اور سات کے علاوہ باقی پرگنے اس کے پاس چھوڑ دیئے۔ نیز احمد خان کا چچا مبارک خان میواتی مستقلاً سلطان بہلول کے دربار میں آگیا۔ اس طرح سے ضمانت کے طور پر سلطان بہلول نے اس کے چچا کو اپنے پاس رکھا۔ (106)

فتح برن

اس کے بعد سلطان بہلول نے دہلی کے مشرقی علاقوں کا رخ کیا۔ اس نے برن (موجودہ بلند شہر) کی جانب پیش قدمی کی۔ یہاں کا حاکم دریا خان لودھی یا مبارک خان لودھی تھا۔ یہ وہی ہے جو سلطان محمد جونپورہ کے ہمراہ آیا تھا لیکن ہم قومیت کی بنیاد پر جنگ سے واپس لوٹ گیا تھا۔ سلطان بہلول کی اس نے بھی اطاعت قبول کرلی۔ اس طرح سے سنبھل تک کا تمام علاقہ سلطان بہلول کے پاس آگیا۔ بہلول نے دریا خان کے زیر قبضہ 7 پرگنے لے لیے اور باقی اسے واپس کردیئے۔ (107)

فتح کول:

پھر سلطان بہلول نے دہلی کے جنوب مشرق میں کول (موجودہ علی گڑھ) کا قصد کیا۔ یہاں پر عیسیٰ خان ترکچہ حاکم تھا۔ اس نے بھی سلطان بہلول کی اطاعت قبول کرلی۔ سلطان نے اس کے علاقے اسی کے پاس رہنے دیئے۔ (108)

فتح سکیتہ:

کول کے آگے سکیتہ (موجودہ اٹاوہ اور راپڑی کے درمیان) کی جانب گیا۔ وہاں پر مبارک خان حاکم تھا۔ بہلول کی فتوحات دیکھ کر وہ بھی اطاعت گزار ہو گیا۔ اس کی اطاعت گزاری پر بہلول نے اس کی تمام جاگیر پر اسے ہی حاکم قائم رکھا۔(109)

فتح بھون گاؤں:

سلطان بہلول سکیتہ میں ہی تھا کہ بھون گاؤں کا حاکم رائے پرتاپ اس کی خدمت میں آیا۔ یہ وہی رائے پرتاب ہے جو جنگ نریلہ میں سلطان بہلول کے ساتھ تھا۔ سلطان بہلول نے رائے پرتاب کو اسی جگہ قائم رکھا۔(110)

فتح راپڑی:

پھر سلطان نے قلعہ راپڑی کا رخ کیا۔ یہاں کا حاکم قطب خان ابن حسین خان افغان تھا۔ اس نے قلعہ کا دفاع کیا۔ لیکن چند روز کے بعد قلعہ فتح ہو گیا۔ سلطان بہلول کے سپہ سالار خان جہان لودھی نے قطب خان کو سمجھایا کہ وہ سلطان کی اطاعت کر لے تا کہ اس کی جاگیریں بحال ہو سکیں۔ بات قطب خان کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے اطاعت قبول کر لی۔ سلطان بہلول نے اس کو معاف کر کے اس کی جاگیروں پر بحال کر دیا۔(111)

فتح اٹاوہ:

اسکے بعد سلطان اٹاوہ گیا۔ وہاں کے حاکم نے بھی اطاعت قبول کر لی اور اپنی جاگیر پر بحال رہا۔(112)

جنگ اٹاوہ 1456ء اور صلح:

سلطان محمود شرقی کو اپنی شکست کا بڑا صدمہ تھا۔ اس کی بیوی "ملکہ جہاں" سلطان علاء الدین شاہ عالم کی بیٹی تھی۔ ملکہ جہاں نے سلطان محمود پر زور دیا کہ وہ سلطان علاء الدین شاہ عالم کو تخت پر بحال کرانے کی کوشش کرے لہٰذا سلطان محمود پھر سے ایک بڑا لشکر لے کر دہلی کی جانب بڑھا۔ سلطان بہلول اس وقت اٹاوہ میں تھا۔ سلطان محمود کو سلطان بہلول کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے بھی خطرہ تھا۔ اٹاوہ کے قریب ہی دونوں فوجوں میں آمنا سامنا ہوا۔ پہلے روز فوجوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ دوسرے روز قطب خان ابن حسین خان حاکم راپڑی اور رائے پرتاب حاکم بھون گاؤں نے سلطان محمود شرقی اور سلطان بہلول لودھی میں صلح کرانے کی کوشش کی اور کامیاب ہو گئے۔ صلح کی شرائط درج ذیل تھیں۔

(1) جو علاقہ سلطان مبارک شاہ مرحوم کے پاس تھا وہ سب سلطان بہلول کے پاس ہوگا۔

(2) جو علاقہ سلطان ابراہیم شرقی کے پاس تھا۔ وہ سب سلطان محمود شرقی کا ہوگا۔

(3) سلطان شرقی کے جو سات ہاتھی، سلطان بہلول نے جنگ نریلہ میں قبضے میں لے لیے تھے وہ سلطان بہلول واپس کر دے گا۔

(4) موسم برسات گزرنے کے بعد شمس آباد (موجودہ فرخ آباد کے قریب) کا علاقہ سلطان محمود شرقی کے گورنر جونا خان کے قبضے سے نکل کر سلطان بہلول کے پاس چلا جائے گا۔(113)

اس طرح سے سلطان بہلول لودھی کی سلطنت اور وسیع ہو گئی۔

فتح شمس آباد:

اس صلح کے بعد سلطان محمود شرقی واپس جونپور چلا گیا۔ جب برسات کا موسم گزر گیا تو

سلطان بہلول نے جونا خان کو فرمان بھیجا کہ شمس آباد کا علاقہ ہمیں دیا جائے اور رائے کرن پرتاب حاکم بھون گاؤں کو شمس آباد کا قبضہ سپرد کیا جائے۔ جونا خان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر سلطان بہلول خود شمس آباد گیا اور قلعہ شمس آباد پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور رائے کرن کے حوالے کر دیا۔ (114)

جنگ شمس آباد 1456ء اور قطب خان لودھی کی گرفتاری:

جونا خان نے اس بات کی خبر سلطان محمود شرقی کو دی۔ سلطان شرقی کو جب پتہ چلا کہ سلطان بہلول نے خود شمس آباد پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ غضب آلود ہوا اور صلح نامہ توڑ دیا اور شمس آباد پر چڑھائی کر کے رائے کرن کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان بہلول کو اطلاع ہوئی تو اس نے قطب خان لودھی ولد اسلام خان اور دریا خان (یا مبارک خان) لودھی کو رائے کرن کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ ان دونوں نے وہاں جا کر سلطان محمود کے لشکر پر شب خون مارا۔ دریا خان لودھی تو بچ کر واپس آ گیا مگر قطب خان لودھی گھوڑے سے گر کر گرفتار ہو گیا۔ سلطان محمود نے اسے جونپور میں قید کر دیا۔ قطب خان وہاں پر کافی عرصہ قید رہا۔ (115) سلطان بہلول کو حالات سے آگہی ہوئی تو اس نے فوراً اپنے تین لڑکوں جلال خان، سکندر خان اور عماد الملک کو رائے کرن کی مدد کے لیے چھوڑا اور خود ایک فوج لے کر سلطان محمود پر حملے کی غرض سے جونپور روانہ ہوا۔ (116)

سلطان محمود شرقی کی وفات 1457ء اور سلطان محمد شرقی کی تخت نشینی:

دریں اثناء سلطان محمود شرقی اچانک بیمار ہوا اور دو تین روز کے اندر اندر فوت ہو گیا۔ سلطان محمود کی ماں "بی بی راجی" بہت عقلمند عورت تھی۔ اس نے امراء سے صلح مشورہ کر کے شہزادہ محمد خان عرف بھیکن خان کو تخت نشین کر دیا اور سلطان محمد شاہ شرقی کا خطاب

دیا۔(117)

صلح نامہ جونپور 1457ء:

جب سلطان بہلول جونپور کے پاس آیا تو جونپور کے امراء نے حالات کو سمجھتے ہوئے صلح پر زور دیا۔اور سلطان بہلول اور سلطان محمد شاہ شرقی میں صلح کرا دی۔صلح کی شرائط درج ذیل تھیں:

(1) جو علاقہ سلطان محمود شرقی کے پاس تھا وہ سب سلطان محمد شاہ شرقی کی ملکیت ہوگا۔

(2) جو علاقہ کبھی سلطان علاء الدین خلجی کے پاس تھا وہ سب سلطان بہلول کی ملکیت ہوگا۔(118)

اس طرح سے سلطان بہلول کی سلطنت میں مزید وسعت ہوئی اور اس کا علاقہ پھیل گیا۔یہ دوسرا موقع تھا جو سلطان بہلول کے علاقہ صلح کے ذریعے وسیع ہوئے۔

شمس خاتون کا طعنہ اور سلطان بہلول کی جونپور واپسی:

اس صلح کے بعد سلطان بہلول واپس دہلی آیا۔مگر اس میں وہ قطب خان لودھی کو رہا کرانے کی شرط بھول گیا تھا۔سلطان بہلول کی بیوی شمس خاتون عرف فردوس قطب خان کی حقیقی بہن تھی۔اسے اپنے بھائی کی گرفتاری کا غم تھا۔اس نے سلطان بہلول کی دہلی میں آمد سے قبل ہی پیغام دلوایا کہ جب تک قطب خان لودھی، محمد شاہ شرقی کی قید میں ہے سلطان بہلول پر چین سے بیٹھنا حرام ہے۔قطب خان لودھی نہ صرف بہلول کا چچازاد بھائی اور سالا تھا بلکہ وہ ایک زبردست جنگجو بھی تھا اور ریاست کا قابل اعتماد رکن تھا۔سلطان بہلول کے قابل اعتماد ساتھیوں میں شمار ہوتا تھا۔سلطان بہلول پر اس بات کا بہت اثر ہوا اور وہ راستے سے ہی جونپور واپس لوٹ گیا۔اب یہ سلطان بہلول کی عزت کا مسئلہ بھی تھا۔(119)

سلطان محمد شرقی کی پیش قدمی:

جب سلطان محمد شرقی کو سلطان بہلول کی دوبارہ آمد کی خبر ملی تو اس نے پیش قدمی کی۔ سب سے پہلے اس نے شمس آباد کے قلعے پر حملہ کر کے وہاں قبضہ کیا اور اسے جونا خان کے حوالے کر دیا۔ اس وقت سلطان بہلول کی جانب سے وہاں رائے کرن پرتاب تعینات تھے۔ وہ سلطان محمد شرقی کا غلبہ دیکھ کر اس کا اطاعت گزار ہو گیا اور اس سے مل گیا۔ محمد شاہ شرقی نے مزید پیش قدمی کی اور سرستی کے پاس آ کر ڈیرے ڈالے۔ سلطان بہلول نے راپڑی میں ڈیرے لگائے۔ (120)

حسن خان شرقی کا قتل 1457ء:

اس کے بعد دونوں فوجوں میں جنگ شروع ہوئی اور چند روز جنگ میں گزرے۔ اپنی حالت کمزور دیکھ کر سلطان محمد شرقی نے جونپور کے کوتوال کو حکم جاری کیا کہ وہ قطب خان لودھی اور خود سلطان محمد شرقی کے بھائی حسن خان کو قتل کر دے۔ یہ دونوں قید میں تھے۔ کوتوال نے جواب دیا کہ یہ دونوں بی بی راجی کی حفاظت میں ہیں اس لیے میں اس کی اجازت کے بغیر یہ نہیں کر سکتا۔ محمد شاہ شرقی نے یہ سن کر اپنی دادی بی بی راجی کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی اور اسے پیغام بھیجا کہ حسن خان نے قید میں کافی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ اسے میرے پاس بھیج دیں تاکہ میں اسے راضی کر لوں اور کچھ حصہ سلطنت میں سے دے دوں۔ بی بی راجی اس کے فریب میں آ گئی اور سلطان محمد شرقی و حسن خان میں صلح کرانے کی غرض سے خود سرستی کی جانب روانہ ہوئی تاکہ دونوں بھائیوں میں صلح کرا دے۔ مگر راستے میں ہی کوتوال جونپور نے خفیہ طور پر کارروائی کر کے حسن خان کو قتل کر دیا۔ اس پر بی بی راجی کو بہت صدمہ ہوا۔ اس نے وہیں اس کا سوگ منایا اور واپس جونپور چلی گئی سلطان محمد شاہ کو

پتا چلا کہ بی بی راجی واپس چلی گئی ہے تو اس نے چنداں فکر نہ کی اور اپنی ماں کے ذریعے اپنی دادی بی بی راجی کو پیغام بھجوایا کہ کیا ہوا جو ایک شخص قتل ہو گیا۔ باقی شہزادوں کا بھی یہی انجام ہو گا۔ بی بی راجی کو چاہیے کہ سب کی تعزیت اکٹھی ہی کر لے۔(121)

تاریخ شاہی میں درج ہے حسن خان کی موت کے بعد بی بی راجی نے اپنے ایک بہادر غلام کو دس ہزار سواروں کے ساتھ قطب خان لودھی کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ اس سے قطب خان لودھی ہمیشہ کے لیے بی بی راجی کا احسان مند ہو گیا۔(122)

جلال خان کی گرفتاری 1457ء:

جب سلطان محمد شاہ شرقی سرتی میں خیمہ زن تھا تو اس کے بھائی حسین خان، سلطان شہ اور جلال خان اجودھنی نے محمد شاہ کو خبردار کیا کہ بہلول لودھی کا لشکر ہمارے لشکر پر شب خون مارنے آ رہا ہے اور ان کے پاس تیس ہزار سوار اور 30 جنگی ہاتھی ہیں۔ یہ لوگ اپنے لشکر سے الگ ہو کر دریائے جھرنے پر تیار کھڑے ہیں۔ ہمیں اس شب خون کو روکنا چاہیے۔ محمد شاہ نے ان لوگوں کو کچھ فوج کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ شمس آباد کے باہر حسین خان نے اپنے بھائی جلال خان کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنا لشکر لے کر سلطان بہلول کے مقابلے میں ہماری مدد کو آ جائے۔ اسی دوران سلطان شہ نے حسین خان سے کہا کہ شمس آباد میں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ ہمیں یہاں سے قنوج کی جانب نکلنا چاہیے جبکہ جلال خان کے لیے پیغام چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ پیغام سن کر خود بخود قنوج کی جانب آ جائے گا۔ حسین خان اور سلطان شہ شمس آباد سے بجائے جھرنہ جانے کے قنوج کی جانب چلے گئے کہ پھر وہاں سے اپنی دادی بی بی راجی کے پاس جونپور چلے جائیں گے۔ حسین خان کا پہلا پیغام تو جلال خان کو مل گیا اور وہ جھرنہ کی جانب روانہ ہوا مگر اسے قنوج کی جانب آنے کا پیغام نہیں ملا اور وہ سیدھا جھرنہ جا پہنچا جہاں پر سلطان بہلول کا لشکر تیار کھڑا تھا۔ جلال خان غلطی سے سلطان بہلول

کے لشکر کے اتنے قریب آ گیا کہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ سلطان بہلول نے اسے قطب خان لودھی کے بدلے میں قید کر لیا۔ حسین خان جونپور کی جانب چلا گیا۔(123)

سلطان محمد شرقی کی جونپور واپسی:

جب محمد شاہ شرقی کو پتہ چلا کہ اس کا ایک بھائی جلال خان گرفتار ہو گیا ہے اور دوسر احسین خان جونپور کی جانب چلا گیا تو اسے خطرہ ہوا کہ حسین خان جونپور جا کر اس کی حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ چنانچہ وہ سلطان بہلول سے مقابلہ کیے بغیر ہی جونپور لوٹ گیا۔(124)

سلطان بہلول کا گنگا کناروں پر قبضہ:

سلطان بہلول نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور دریائے گنگا تک سلطان محمد شرقی کا تعاقب کیا۔ اس نے محمد شاہ کی فوج کا گھبراہٹ میں چھوڑا ہوا سامان اور دیگر مال غنیمت لوٹ لیا اور دہلی کی جانب روانہ ہوا۔(125)

سلطان حسین شرقی کی تخت نشینی اور سلطان محمد شرقی کا قتل:

857ھ / 1457ء میں حسین خان جونپور پہنچ گیا۔ بی بی راجی اور دیگر امراء سلطان محمد شاہ شرقی سے ناراض تھے لہٰذا سب نے باہم مشورہ ہو کر حسین خان کو سلطان حسین شرقی کے خطاب سے تخت نشین کر دیا۔ اس کے بعد جونپور کے کئی امراء جن میں ملک مبارک کنگ، ملک علی گجراتی وغیرہ بھی شامل تھے۔ وہ سب سلطان محمد شرقی کے مقابلے کو نکلے جو دریائے گنگا کے کنارے راج گڑھ (ضلع مرزاپور میں ایک قصبہ) کے مقام پر ڈیرے ڈالے بیٹھا تھا۔ حسین خان شرقی کی آمد کا سن کر سلطان محمد شرقی کی فوج کے بہت سے ارکین اور امراء بھی حسین خان سے جا ملے۔ ایک باغ کے قریب زبردست معرکہ ہوا اور سلطان محمد شاہ شرقی

مارا گیا۔(126)

صلح نامہ ہریہ:

1457ء میں اپنی سلطنت کے استحکام کی غرض سے سلطان حسین شرقی نے سلطان بہلول سے صلح کر لی۔ سلطان حسین شرقی نے ایک حوض ہریہ کے پاس خیمہ لگایا اور صلح کی شرائط یہ طے پائیں کہ (1) 4 برس تک سلطان حسین شرقی اور سلطان بہلول دونوں ایک دوسرے پر چڑھائی نہیں کریں گے (2) دونوں سلطان اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں پر قابض رہیں گے۔(127)

اس صلح کے بعد ہریہ حوض سے سلطان حسین شرقی نے قطب خان لودھی کو بلایا۔ اسے ایک ہاتھی، ایک گھوڑا، مرصع خنجر و شمشیر اور شاہی لباس دے کر پورے اعزاز کے ساتھ سلطان بہلول کے پاس روانہ کر دیا۔ سلطان بہلول نے بھی بدلے میں سلطان حسین شرقی کے بھائی شہزادہ جلال خان کو پورے عزت و احترام سے انعامات دے کر جونپور روانہ کر دیا۔(128)

رائے کرن پرتاپ کی اطاعت:

اسی دوران میں قطب خان لودھی کے سمجھانے پر رائے کرن پرتاپ نے پھر سے سلطان بہلول کی اطاعت کر لی اور اس کے گروہ میں شامل ہو گیا۔(129)

نظام خان کی پیدائش:

تاریخ شاہی میں ہے کہ سلطان بہلول کی تخت نشینی کے ساتویں سال اس کے ہاں میاں نظام خان پیدا ہوا۔ تاریخ شاہی میں اس کی تفصیل یوں درج ہے:

"جلوس کے ساتویں برس اس کے ہاں ایک پسر فرخندہ فال اور ہمایوں بخت متولد

ہوا۔ جب یہ اختر ہمایوں طلوع ہوا تو نجومیوں نے سلطان کے حکم سے آسمان اور بروج سماوی کی کیفیت پر نظر ڈالی اور عرض کیا کہ یہ شہزادہ بلند اقبال ایک ایسا ستارہ لیے دنیا میں آیا ہے کہ بادشاہت کا باغ اس (کے وجود مسعود) سے سرسبز اور شاداب ہو جائے گا۔ سلطان بہلول نے اس خوشخبری سے حد درجہ مسرور ہو کر ایک بزم عیش ونشاط آراستہ فرمائی اور اس نیر نورانی کے دیدار سے اپنی آنکھیں مخاطب کیا۔ بچپن ہی میں اسے گھربار سے الگ کرتے ہوئے سنبھل کی سرکار پر تعینات فرمایا اور خان خاناں فرملی خان کے سپرد کرتے ہوئے اسے اس کا اتالیق مقرر کر دیا۔" (130)

لیکن تخت نشینی کے ساتویں سال میں شہزادہ نظام خان کی پیدائش کی بات غلط ہے کیونکہ فرشتہ اور عبداللہ اسبات پر متفق ہیں کہ بہلول کی تخت نشینی کے وقت اس کے 9 بیٹے موجود تھے جن میں نظام بھی تھا۔

قطب خان افغان اور دریا خان لودھی کی بے وفائی:

4 سال کی مدت پوری ہونے کے بعد 861ھ/1461ء میں سلطان بہلول نے شمس آباد پر اپنا دعویٰ دوبارہ قائم کیا اور قلعہ شمس آباد پر چڑھائی کر دی۔ شمس آباد پر قبضہ کر کے جونا خان کو بے دخل کیا اور رائے کرن پرتاپ کو وہاں گورنر مقرر کیا۔ اس نے رائے پرتاپ کے بیٹے رائے برسنگھ (یا نرسنگھ) دیو کو وہ نقارہ اور علم عطاء کیا جو اس نے دریا خان لودھی سے سنبھل پر قبضہ کے وقت چھینا تھا۔ دریا خان لودھی کو یہ بات بری لگی اور اس نے قطب خان ولد حسین خان افغان سے سازش کی۔ قطب خان اور دریا خان نے پہلے تو برسنگھ دیو کو قتل کیا اس کے بعد رائے کرن پرتاپ سے صلح کر لی اور یہ تینوں سلطان حسین شرقی کے طرف دار بن گئے۔ اب دہلی سے مشرق کا علاقہ سلطان بہلول کے ہاتھ سے نکل گیا۔ سلطان بہلول کو

مجبوراً جونپور کی مہم ترک کرنی پڑی اور دہلی واپس آگیا۔ دریں اثناء احمد خان میواتی بھی سلطان حسین کا طرفدار بن گیا۔ (131)

بغاوت ملتان:

اسی دوران میں ملتان میں بغاوت ہوگئی۔ اور سلطان بہلول اسے ختم کرنے کی غرض سے خود پنجاب کی جانب روانہ ہوا۔ دہلی میں اس نے قطب خان لودھی اور خان جہان لودھی کو اپنا نائب مقرر کیا۔ (132)

سلطان حسین شرقی کی آمد اور جنگ چندوار 1461ء:

ابھی سلطان بہلول راستے میں تھا کہ اسے خبر ملی کہ سلطان حسین شرقی دہلی پر حملہ کی غرض سے ہاتھیوں کی فوج لے کر آرہا ہے۔ سلطان بہلول واپس دہلی آیا اور سلطان حسین شرقی کو روکنے کی غرض سے آگے بڑھا۔ پرانی دہلی سے تین میل جنوب مغرب میں چندوار کے مقام پر دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی اور سات روز تک مسلسل مقابلہ رہا۔ دونوں افواج مقابلے میں برابر رہیں۔ آخر کار دونوں طرف کے فریقین کے امراء اور فوجی سربراہان کی کوششوں سے صلح ہوگئی۔ درج ذیل شرائط طے پائیں۔

(1) تین سال تک فریقین ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گے۔

(2) دونوں فریقین اپنے اپنے مقبوضات پر قابض رہیں گے۔

یہ پہلی صلح تھی جس میں سلطان بہلول کو اکثر مقبوضات چھوڑنی پڑیں کیونکہ میوات، سنبھل اور دیگر علاقے کے حکمران سلطان حسین شرقی کے جانبدار ہوگئے تھے۔ (133)

فتح میوات 1464ء:

تین سال کی مدت پوری ہونے پر سلطان بہلول کو پھر سے وسعت سلطنت کا خیال پیدا

ہوا۔اس نے سب سے پہلے میوات پر حملہ کیا۔احمد خان میواتی سلطان حسین شرقی کا طرفدار تھا۔سلطان بہلول کے ایک امیر خان خانان نے احمد خان میواتی کو سمجھایا اور پھر اس نے سلطان بہلول کی اطاعت کرلی۔(134)

فتح بیانہ 1464ء:

اس وقت بیانہ میں یوسف خان جلوانی کا بیٹا احمد خان جلوانی حاکم تھا۔اس نے بھی سلطان حسین شرقی کی حمایت کا اعلان کیا اور نہ صرف سلطان شرقی کے نام کا خطبہ پڑھا بلکہ اس کے نام کا سکہ بھی جاری کردیا۔(135) یوں بیانے کا علاقہ سلطان بہلول کے ہاتھ سے نکل گیا۔اب اس نے بھی اطاعت کرلی۔

سلطان حسین شرقی کا حملہ اور صلح:

873ھ/1468ء میں سلطان حسین شرقی نے دہلی پر ایک لاکھ سواروں اور ایک ہزار ہاتھیوں کے ساتھ چڑھائی کردی۔سلطان بہلول نے دہلی سے نکل کر قصبہ بھنورہ کے مقام پر سلطان حسین کا مقابلہ کیا۔فریقین میں مختصری سی جنگ ہی ہوئی تھی کہ خان جہان لودھی نے دونوں میں صلح کرادی اور سلطان حسین اٹاوہ چلا گیا اور سلطان بہلول دہلی آگیا۔(136)

جنگ سرائے لشکر میان اور صلح:

کچھ عرصے کے بعد سلطان حسین پھر سے سلطان بہلول پر حملہ آور ہوا۔سلطان بہلول نے دہلی سے نکل کر سرائے لشکر میان کے مقام پر مقابلہ کیا۔چند روز تک فریقین میں جنگ رہی پھر بغیر ہار جیت کے صلح ہوگئی۔(137)

بی بی راجی کی وفات اور قطب خان لودھی کی تعزیت:

اسی دوران میں بی بی راجی جو سلطان حسین شرقی کی دادی تھی وفات پا گئی۔ قطب خان لودھی جب جونپور میں قید تھا تو اسی کی حفاظت میں تھا اور اس وجہ سے سلطان محمد شاہ شرقی کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا تھا۔ لہٰذا قطب خان لودھی اور گوالیار کے راجہ رائے کرن سنگھ کا بیٹا رائے کلیان مل اس کی تعزیت کے لیے سلطان حسین شرقی کے پاس جونپور گئے۔ اس ملاقات میں قطب خان نے دیکھا کہ سلطان حسین شرقی سلطان بہلول سے زبردست ناراض ہے اور اس بات کا بھی اسے خدشہ ہوا کہ کہیں وہ قطب خان کو قید ہی نہ کر لے۔ چنانچہ وہ اس کی خوشامد کرنے لگا اور یوں بات بنائی:

> ''بہلول تو آپ کے غلاموں اور نوکروں کی حیثیت رکھتا ہے اس کو آپ کی برابری کا دعویٰ کرنا زیب نہیں دیتا اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک مملکت اور تخت وتاج دہلی پر آپ کا قبضہ نہ کرادوں، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔'' اس طرح بڑی ہوشیاری سے چکنی چپڑی لگا کر سلطان حسین کے دربار سے رخصت لینے میں کامیاب ہو گیا۔ (138)

اس طرح سے قطب خان لودھی بچ کر واپس دہلی آ گیا۔ دہلی آ کر اس نے سلطان بہلول کو سلطان شرقی کے ارادوں سے آگاہ کیا اور اسے سمجھایا کہ ہمیں اپنی حفاظت کا انتظام کرنا چاہیے۔

سلطان علاء الدین شاہ عالم کی وفات اور بدایوں پر سلطان حسین کا قبضہ:

اسی دوران 83ھ/1478ء کو سابق شاہ دہلی سلطان علاء الدین شاہ عالم بدایوں میں فوت ہو گیا۔ سلطان بہلول کی بادشاہت کے بعد وہ بدایوں کی جاگیر پر قناعت کیے بیٹھا

تھا۔ سلطان حسین شرقی نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ بدایوں جا کر اس کے لڑکے سے تعزیت کی اور پھر بدایوں کا علاقہ بھی ضبط کر لیا۔ پھر اس نے مبارک خان (دریا خان) لودھی ولد تاتار خان کو گرفتار کر کے سنبھل کے علاقہ پر باقاعدہ قبضہ کر لیا۔ اور ایک ہزار ہاتھیوں کے ساتھ لشکر لے کر دہلی کی جانب بڑھا۔ (139)

اس عظیم لشکر سے سلطان بہلول بہت گھبرایا۔ ساری رات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ میں عبادت کرتا رہا۔ وہیں اسے فتح کی بشارت ہوئی۔ تو دوسرے روز جنگ پر تیار ہو گیا۔ (140)

جنگ کھیچہ اور صلح نامہ:

ذی الحج 883ھ/1478ء میں سلطان حسین شرقی دریائے جون کے کنارے آیا اور "کھیچہ" میں خیمہ زن ہوا۔ سلطان بہلول ان دنوں سرہند میں تھا۔ وہ فوراً دہلی آیا اور مقابلے کو نکلا۔ کئی روز تک فوجوں میں جنگ رہی اور پھر قطب خان لودھی نے سلطان سے رابطہ کر کے کہا کہ بی بی راجی کے مجھ پر بہت احسانات تھے۔ ان کے واسطے آپ صلح کر لیجیے۔ قطب خان کی کوششوں سے سلطان حسین صلح پر راضی ہو گیا اور دریائے گنگا سے پار کا تمام علاقہ سلطان حسین کا تسلیم کر لیا گیا جبکہ دریائے گنگا سے مغرب کا تمام علاقہ سلطان بہلول کا ہو گیا۔ (141)

سلطان بہلول کا عقبی حملہ اور وزیر قتلو (قتلغ) خان کی گرفتاری:

سلطان حسین نے یہ سوچ کر کہ اب صلح ہو گئی ہے، اپنا پورا لشکر جونپور روانہ کر دیا اور خود امراء کی ایک جماعت اور مختصر فوج کے ساتھ کوچ کیا۔ سلطان بہلول نے موقع غنیمت جان کر اس پر حملہ کیا۔ سلطان حسین تو بمشکل جان بچا کر بھاگا لیکن اس کی بیوی ملکہ جہاں اور

40 امیر اور حکام قید ہو گئے۔ ان میں اس کا وزیر اعظم قاضی سماء الدین قتلغ خان اور اودھو نائب عرض بھی شامل تھے۔ بے شمار خزانہ بھی سلطان بہلول کے ساتھ آیا۔ قتلغ خان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے قطب خان لودھی کے سپرد کر دیا گیا۔ البتہ چند روز کے بعد ملکہ جہاں کو عزت واحترام کے ساتھ سلطان حسین شرقی کے پاس بھیج دیا گیا۔ (142)

افسانہ شاہان کا بیان اور حملے کی تفصیل:

افسانہ شاہان میں درج ہے کہ

''جب سلطان حسین کو فتح نہ ہوئی تو سلطان بہلول کے پاس اپنا وکیل روانہ کیا کہ قطب خان کو بھیج دو تا کہ صلح کی بات ہو۔ قطب خان نے سلطان حسین سے گفتگو صلح کی اور طے پایا کہ قنوج سے مغرب کا تمام علاقہ سلطان حسین کا ہوگا جبکہ قنوج سے مشرق کا تمام علاقہ سلطان بہلول کا ہوگا۔ ان شرائط کو باقاعدہ تحریر کر لیا گیا۔ اس وقت وہاں ایک شیخ زادہ موجود تھا اس نے کہا کہ اس میں یہ بات بھی تحریر کر لو کہ جب ہم جونپور کو جائیں گے تو افغان دھوکہ نہیں کریں گے۔ جب قطب خان نے یہ بات سنی تو اس کے ہاتھ سے عہد نامہ لے کر پھاڑ دیا کہ اگر ہم اتنے ہی بے قول ہیں تو عہد نامہ تحریر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بہر حال معاملہ ٹھنڈا کیا گیا اور دوبارہ سے عہد نامہ تحریر کرنے کا اقرار کیا گیا کہ فلاں روز عہد نامہ لکھا جائے گا۔

اسی دوران میں سلطان حسین کے وزیر قتلغ خان (یا قتلو خان) نے سلطان حسین سے کہا کہ آپ افغانوں کی آنکھ کیوں نہیں پھوڑ دیتے۔ سلطان نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ قطب خان افغانوں کی آنکھ ہے۔ اسے قید کر کے قتل کر دیں تو افغان کانے (بے ہمت) ہو جائیں گے۔ سلطان نے کہا کہ قطب خان تو سفیر ہے اس کو قید وقتل کس طرح سے کر سکتے ہیں؟ قتلو خان نے کہا کہ اسے قید کر دیں اور

کسی کو اس کے پاس نہ آنے دیں۔ آخرکار سلطان حسین نے قتلو خان کے ایماء پر قطب خان کو قید کر لیا۔ قطب خان کو قید خانے میں پتہ چلا کہ ملکہ جہاں کے دو بھائی شکار کے لیے جا رہے ہیں تو اس نے اس سقہ کو جسے سلطان حسین نے اسے پانی پلانے پر مقرر کیا تھا کسی طرح سے راضی کر کے پیغام بھجوایا کہ سلطان بہلول کو بتادے کہ قطب خان کہتا ہے کہ آج شکار پر مت جائیں۔ سقے نے جب یہ پیغام سلطان بہلول کو دیا تو وہ اصل مطلب سمجھ گیا۔ اس نے خوب سامان تیار کیا اور ملکہ جہان کے دونوں بھائیوں کو جو شکار پر نکلے ہوئے تھے گرفتار کر لیا۔ ملکہ جہاں کو اس سے بہت تردد ہوا۔ اس نے قطب خان کو بلا کر کہا کہ اگر تو میرے بھائیوں کو چھوڑ دے تو میں تجھے آزادی دے دوں گی۔ قطب خان راضی ہو گیا مگر شرط یہ رکھی کہ صلح کے درمیان قتلغ خان شامل نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ملکہ جہاں کے بھائی رہا ہو گئے اور قطب خان کو بھی چھوڑ دیا گیا۔ قطب خان نے سلطان حسین اور سلطان بہلول میں پھر سے صلح کرا دی۔ جب صلح ہو گئی تو سلطان حسین بے فکر ہو گیا۔ رات بھر خوب عیش و نشاط کی مجلسیں جمی رہیں۔ قطب خان نے اسے بے وقوف بنایا۔ اس کی خوشامد کر کے اسے بے فکر کر دیا۔ سلطان حسین نے سوچا کہ اب تو صلح ہو گئی ہے لہٰذا سارا لشکر آگے روانہ کر دیا۔ قطب خان نے اس کی اطلاع سلطان بہلول کو پہنچا دی اور اسے مسلح لشکر کے ساتھ حملہ کرنے کا پیغام دے دیا۔ جب سلطان بہلول کے لشکر نے اچانک حملہ کیا تو سلطان حسین کا لشکر گھبرا کر بھاگا۔ قتلو خان نے سلطان حسین سے کہا کہ تم بھاگ جاؤ اور اس کی جگہ ایک عام سپاہی کو بادشاہ کے لباس میں مار کر گرا دیا۔ جب کوئی افغان خیمے میں آتا تو قتلغ خان کہتا کہ دور رہو! یہ بادشاہ سلامت ہیں۔ اس طرح جب سلطان بہلول اور قطب خان آئے تو وہ بھی سمجھے کہ وزیر اور بادشاہ دونوں پکڑے گئے ہیں۔ سلطان حسین مارا گیا ہے جبکہ وزیر

قتلغ خان کھڑا ہے۔ جب قطب خان نے غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ سلطان حسین نہیں ہے۔ اس پر افغان سپاہیوں کو خوب گالیاں دیں کہ تمہاری غلطی سے ساری محنت پر پانی پھر گیا اور سلطان حسین بچ نکلا۔ اس کے بعد قتلو خان کو قید کر لیا گیا مگر اسے قتل نہ کیا گیا۔ جب کوئی کہتا کہ اسے قتل کر دو تو سلطان بہلول اور قطب خان جواب دیتے کہ اسے اس لیے قتل نہیں کرتے کیونکہ پھر کوئی ماں اس جیسا ہوشیار شخص پیدا نہ کر سکے گی۔ جب ان سے پوچھتے کہ پھر قید کیوں کیا ہے؟ اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے تو وہ جواب دیتے کہ اس قتلو خان کی ایک آستین سے دس سلطان حسین باہر آ سکتے ہے۔ قتلو خان جب تک زندہ رہا سلطان کی قید میں رہا اور اسے قید خانے میں ہر طرح کی آسائش میسر رہی۔ سلطان سکندر کو بھی قتلو خان نے تعلیم دی تھی۔ (143)

اگرچہ یہ تفصیل دیگر کتب تواریخ میں درج نہ ہے مگر اس کے بعض اشارے دیگر کتب میں ضرور ملتے ہیں۔ مثلاً سلطان حسین شرقی کے بھائی کا پکڑے جانا، سلطان حسین کا صلح کی وجہ سے بے فکر ہونا۔ جہاں تک قطب خان کی قید کا تعلق ہے تو وہ دو بار قید ہوا۔ اول گھوڑے سے گر کر جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اس وقت وہ جونپور بھیج دیا گیا۔ دوسری بار صرف لشکر کے اندر قید رہا تھا۔ اس کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ دوسری بار جب قتلغ خان کے ایما پر اسے قید کیا گیا تو بعد ازاں قتلغ خان کو قید کر کے بدلے کے طور پر قطب خان کے ہی سپرد کیا گیا جیسا کہ مخزن میں ہے۔

فتح کنپلہ، پٹیالی، سکیٹ، کول و جلالی:

اب سلطان بہلول نے اپنی سلطنت کو پھر سے وسعت دی۔ اس نے مختلف علاقوں پر فوج کشی کی اور انہیں سلطان حسین سے چھین لیا۔ ان میں کنپلہ، پٹیالی، سکیت، کول اور جلالی

بھی شامل تھے۔ وہاں پر اپنے اپنے ناظم مقرر کیے اور خود سلطان حسین کے تعاقب میں روانہ ہوا۔(144)

صلح رام پنجو:

سلطان حسین شرقی اسی دوران اپنی فوج سے جاملا اور سلطان بہلول کے تعاقب کی خبر سن کر مقابلے کو لوٹا۔ صوبہ راپڑی کے نزدیک موضع رام پنجو میں مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ سلطان بہلول نے جب اسے مقابلے کے لیے تیار پایا تو صلح کر لی اور دونوں فریقین میں طے ہوا کہ اپنے اپنے سابقہ علاقوں پر قابض رہیں گے۔(145) اس کے بعد دونوں اپنے اپنے دارالحکومت لوٹ گئے۔

سلطان حسین شرقی کا آخری حملہ اور شکست:

885ھ/1480ء میں ملکہ جہاں نے سلطان حسین کو بدلہ لینے پر اکسایا۔ سلطان حسین کے معتمد خاص ملک شمن کی تجویز یہ تھی کہ اس سال جا کر دہلی کا محاصرہ کر لیں لیکن شہر پر حملہ ایک سال تک محاصرہ کرنے کے بعد کیا جائے۔ اس دوران شہر والے تنگ آ کر ہماری سلطنت میں آجائیں گے اور سلطان بہلول کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ اس پر سلطان حسین کی بیوی نے ملک شمن اور دیگر امراء کو نامردی کا طعنہ دیا۔ ملک شمن نے اسے سمجھایا کہ بی بی یہ باتیں جنگی حکمت عملی اور سیاست کی ہیں مگر وہ فوراً دہلی پر حملے کے لیے بضد رہی۔ سلطان حسین اس کی باتوں میں آگیا۔(146) اس کے علاوہ سلطان حسین شرقی کو وسعت سلطنت کا بھی احساس تھا۔ چنانچہ وہ ایک لشکر جرار لے کر دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ جب سلطان حسین شرقی نے جونپور سے کوچ کیا تو اس وقت جونپور کے ایک بزرگ میاں بدی حقانی سے پوچھا کہ فتح کس کی ہوگی؟ ہماری یا افغانوں کی؟ ان بزرگ نے بتایا کہ فتح

افغانوں کی ہے۔ سلطان نے کہا کہ میاں صاحب! یہ کیا کہتے ہیں۔ آپ تو ہمارے قریب ہیں اور نمک خوار ہیں۔ ہر نیکی بدی میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ قربت کا حق بھی ہمارا ہے پھر ایسی بات کیوں کہتے ہیں۔ حضرت میاں بدی نے فرمایا کہ میں یہ بات کرامت کے ذریعے نہیں بتا رہا بلکہ عقل کی بات کر رہا ہوں کیونکہ آپ لوگ تمام رات شراب پیتے ہیں اور دف بجا کر عورتوں کا رقص کرتے ہیں اور پھر دن کے وقت سوتے ہیں اور افغانوں کا یہ حال ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو اٹھ جاتے ہیں اور بچوں کو بھی اٹھاتے ہیں اور باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اور خدا کے ذکر میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ پس تم لوگ مردہ دل ہو اور افغان زندہ دل ہیں۔ لہٰذا فتح ہمیشہ زندہ کی مردوں پر ہوتی ہے۔ سلطان حسین کو اس کا جواب نہ بن پڑا۔ (147)

میاں بدی حقانی کی اس بات سے افغانوں کی قبائلیت، سادہ طرز زندگی اور سخت جانفشانی کی نشاندہی ہوئی ہے جبکہ یہ پتہ چلتا ہے کہ سلطنت شرقی والے آرام طلب اور عیش پسند ہو گئے تھے۔ افغان چونکہ مستعد اور سخت جان تھے لہٰذا ان کی حربی صلاحیت زیادہ بہتر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان حسین اور اس کی فوج اکثر ان سے شکست کھا جاتے تھے۔

موضع سوہنار میں سلطان بہلول کی فوجوں سے اس کا مقابلہ ہوا۔ زبردست جنگ ہوئی جس میں اسے شکست ہوئی۔ سلطان حسین بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا اور راپڑی جا پہنچا سلطان بہلول نے اپنے ڈیرے بڑھا کر ڈھوپامو (موجودہ چھمر امو) میں ڈالے۔ اس جنگ میں بہت سا مال و دولت لودھیوں کے ہاتھ لگا جس سے ان کی عزت اور قوت میں اضافہ ہوا۔ (148)

خواجہ بایزید کا قتل:

اسی دوران میں سلطان بہلول کے بیٹے خواجہ بایزید کو اس کے ایک غلام نے قتل

کردیا۔(148-A)

وفات خان جہان لودھی اول 1481ء:

اس دوران میں خان جہان لودھی فوت ہو گیا۔سلطان بہلول ایک ہوشیار بادشاہ تھا۔ خان جہان لودھی اس کا معتمد خاص تھا اور رشتہ دار بھی تھا۔اس نے اس کی جگہ اس کے بیٹے کو مقرر کیا اور اسے بھی خان جہاں کا خطاب دیا۔(149)

جنگ راپڑی 1481ء:

اس کے فوراً بعد سلطان بہلول نے راپڑی کی جانب پیش قدمی کی تا کہ سلطان حسین کا مقابلہ کر سکے۔دونوں فوجوں میں خون ریز جنگ ہوئی اور سلطان بہلول فاتح رہا۔سلطان حسین بڑی مشکل سے پھر جان بچا کر بھاگا۔دریائے جمنا کو پار کرنے کی کوشش میں اس کے بہت سے اہل خانہ مارے گئے جس کا اسے بے حد صدمہ ہوا اور اس کا حوصلہ پست ہو گیا۔وہاں سے نکل کر وہ گوالیار روانہ ہوا مگر راستے میں ''بھدوریہ'' نامی قبیلے کے لوگوں نے اسے لوٹ لیا۔جب وہ گوالیار آیا تو وہاں کے حاکم رائے کرن سنگھ نے اسے سہارا دیا اور اسے اسباب فراہم کر کے پوری حفاظت سے کالپی تک پہنچا دیا۔(150)

فتح اٹاوہ 1482ء:

اب سلطان بہلول کے حوصلے بڑھ چکے تھے۔اس نے سب سے پہلے اٹاوہ پر حملہ کیا۔ یہاں قلعے میں سلطان حسین کا بھائی ابراہیم خان اور ہیبت خان عرف گرگ انداز موجود تھے۔انہوں نے قلعہ کا دفاع کیا مگر جب مقابلے کی ہمت نہ پائی تو جان کی امان پا کر قلعہ سلطان بہلول کو دے دیا۔سلطان نے ابراہیم خان نوحانی کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔البتہ اٹاوہ کے چند پرگنے ایک دوسرے وفادار موجب رائے داندو کے سپرد کر دیئے۔(151)

جنگ رائے گانوں 1482ء:

اس کے بعد سلطان بہلول جونپور کی جانب بڑھا۔ کالپی کے نزدیک موضع رائگانوں میں دونوں فریقین میں جنگ ہوئی۔ کئی روز تک فریقین میں خون ریز معرکے ہوئے۔ اسی دوران بکسیر (ضلع الموڑہ) کا حاکم رائے تلوک چند اپنے ساتھیوں کے ساتھ سلطان بہلول سے آن ملا۔ وہ سلطان بہلول کے لشکر کو دریا کے ایک پایاب مقام سے عبور کر کے لے گیا۔ سلطان بہلول نے اچانک سلطان حسین پر حملہ کر دیا۔ سلطان حسین نے تھوڑا سا مقابلہ کیا پھر 'بھٹہ'یا'' پنہ'' نامی شہر (موجودہ شہر ریوہ جو بندیل کھنڈ میں ہے) کی جانب بھاگ گیا۔ پنہ کے راجہ نے اس کا استقبال کیا اسے رقم اور ساز وسامان فراہم کیا اور جونپور روانہ کر دیا۔ سلطان بہلول نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور جونپور پر چڑھ آیا۔ (152)

سلطان حسین شرقی کا فرار:

سلطان حسین نے سلطان بہلول کی فوج اور آلات حرب کو دیکھ کر جان لیا کہ مقابلہ بہت مشکل ہے لہٰذا وہ بہرائچ کی جانب بھاگ گیا۔ سلطان بہلول نے جونپور پر قبضہ کرنے کی جگہ اس کا تعاقب کرنے کو ترجیح دی۔ دریائے راہب (دریائے گنگا کا بالائی حصہ) کے کنارے دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی جس میں سلطان حسین شرقی کو زبردست شکست ہوئی۔ (153)

فتح جونپور 1483ء:

اب سلطان بہلول نے جونپور پر قبضہ کر لیا۔ شہر پر قبضے کے بعد وہاں اپنا انتظام قائم کیا اور مبارک خان لودھی جو کہ پھر سے سلطان بہلول سے آن ملا تھا اسے وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ قطب خان لودھی اور خان جہان لودھی دوم کو قصبہ منجھولی (موجودہ سلیم پور ضلع

گورکھپور) میں چھوڑا اور خود بدایوں آ گیا۔(154)

سلطان حسین شرقی کی فتح جونپور:

سلطان حسین شرقی نے سلطان بہلول کو جونپور سے جاتا دیکھ کر اپنی فوج اکٹھی کی اور پوری قوت کے ساتھ شہر پر حملہ کر دیا۔ مبارک خان اور دیگر لودھی امراء اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور سلطان حسین کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ چونکہ قطب خان لودھی کا بھی سلطان حسین اور اس کی دادی بی بی راجی سے واسطہ رہا تھا لہٰذا اس نے جونپور میں سلطان حسین کی خوشامد اور دلداری شروع کر دی اور یوں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچائی۔(155)

باربک شاہ کی پیش قدمی 1484ء:

سلطان بہلول نے اس کی خبر ملتے ہی اپنے لڑکے باربک شاہ کو قطب خان وغیرہ کی مدد کے لیے بھیجا اور اس کے فوراً پیچھے خود بھی جونپور کی فتح کے لیے روانہ ہوا۔ سلطان حسین نے پھر دیکھا کہ مقابلہ ناممکن ہے تو خود بہار کی جانب فرار ہو گیا۔(156)

قطب خان لودھی کی وفات 1484ء:

اسی دوران قطب خان لودھی ولد اسلام خان فوت ہو گیا۔ اس کی وفات قصبہ ہلدی (یا سلہدی) میں ہوئی۔ چند روز تک سلطان بہلول اس کی تعزیت کے لیے منجھولی میں رکا رہا۔(157)

فتح جونپور ثانی 1484ء:

اس کے بعد سلطان بہلول نے جونپور پر قبضہ کر لیا اور اپنے بیٹے باربک شاہ کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ اور وہاں اس کی باقاعدہ رسم تاج پوشی ادا کی گئی۔ گویا سلطان بہلول نے

سلطنت جونپور کا حاکم باربک شاہ لودھی کو مقرر کردیا۔(158)

فتح کالپی 1485ء:

اس کے بعد وہ کالپی گیا اور وہاں کا حاکم اپنے پوتے اعظم ہمایوں ولد خواجہ بایزید خان ولد سلطان بہلول لودھی کو مقرر کیا۔(159) یاد رہے کہ خواجہ بایزید ابن سلطان بہلول کچھ عرصہ قبل اپنے ایک ملازم کے ہاتھ مارا گیا تھا۔

سرہند کی ترقی 1485ء:

اس کے بعد سلطان بہلول برسات کا موسم گزار کر سرہند گیا۔ یہ اس کی قدیم رہائش گاہ تھی۔ یہاں کچھ عرصہ مقیم رہا اور حکم دیا کہ امراء کی بیگمات اپنے اپنے ناموں سے الگ الگ محلے آباد کریں۔ اس کی اس حوصلہ افزائی سے شہر سرہند کی بہت حوصلہ افزائی اور ترقی ہوئی۔(160)

دیگر علاقوں کی فتوحات

فتح دھولپور 1486:

اس کے بعد سلطان بہلول چندوار گیا۔ اور وہاں سے دھول پور پہنچا۔ دھول پور کے راجہ نے اس کی اطاعت قبول کی اور چند من سونا پیش کیا۔ سلطان بہلول نے اسے دھولپور کی حکومت پر برقرار رکھا۔(161)

فتح باری:

پھر سلطان بہلول پرگنا "باری" آیا۔ یہاں کا حاکم اقبال خان چند من سونا لے کر پیش

ہوا۔ سلطان نے اسے باری کی حکومت پر ہی قائم رکھا۔ (شہر باری ریاست دھول پور میں شامل تھا)۔(162)

فتح الا پور:

اس کے بعد سلطان نے رتھنبور کے نواح میں "الا پور" کا رخ کیا۔ وہاں کے علاقے کو سلطان بہلول کی فوج نے خوب لوٹا اور باغات اور کھیتوں کو تباہ کیا۔(163)

فتح ریاست اودے پور تقریباً 1475ء:

سلطان بہلول نے اودے پور پر بھی فوج کشی کی تھی۔ مخزن افغانی میں اس واقعے کی تفصیل نہیں ہے۔ البتہ تاریخ شاہی میں پوری تفصیل موجود ہے۔ جو یوں ہے:

"چندروز بعد (سلطان بہلول نے) رانا کے خلاف فوج کشی کی اور مسلسل کوچ کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ رایات جاہ وجلال کے ہمراہ اجمیر میں نزول اجلال فرمایا اور افواج قاہرہ (بغرض جنگ) متعین فرمائیں۔

رانا کا بھانجا چتر سال دس ہزار سواروں کے ساتھ اودھے پور میں مقیم تھا۔ قطب خاں وہاں پہنچا تو ان کفار سیاہ کردار سے جنگ چھڑ گئی۔ سلطانی فوج نے پہلے تو ان کافروں کی شدید جنگ کے باعث منہ پھیر لیا اور بہت سے تجربہ کار افغان اس جنگ میں شہید ہو گئے مگر آخر کار قطب خاں اور خان خاناں فرملی، جان ہتھیلی پر رکھے تلوار اور خنجر لیے آگے بڑھے اور ان سیاہ رو (کافروں) کا بھرکس نکال دیا۔ چتر سال مارا گیا۔ اتنے کافر مارے گئے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور ان کے خون سے ایک ندی بہہ نکلی۔ پانچ ہاتھی، چالیس گھوڑے اور بہت سا مال غنیمت شاہی فوج کے ہاتھ لگا۔ رانا کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ اس کے بعد رانا نے سلطان کی

فوج سے صلح کر لی اور اودے پور میں سلطان کا خطبہ اور سکہ (جاری) کر دیا۔"
(164)۔

اس بیان سے لگتا ہے کہ یہ جنگ قطب خان لودھی کی وفات سے قبل ہوئی تھی کیونکہ اس میں اس کی شرکت کا ذکر ہے۔ نیز یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ راجپوتوں کی تاریخ میں اس جنگ میں اپنی یعنی راجپوتوں کی فتح کا ذکر ہے اور غالباً یہی بات درست ہے۔ کیونکہ راجپوتانے پر بہلول کا اقتدار دیرپا نہیں رہا تھا۔

فتح نیم کہار 1475ء:

اس کے بعد سلطان بہلول لودھی نے نیم کہار پر حملہ کیا اور اس ریاست کو تباہ و برباد کیا۔ یہاں سے بہت سامال و دولت اس کے ہاتھ لگا۔(165)

ملتان پر حملہ 1464ء:

ملتان میں سلطان محمد شاہ بادشاہ دہلی کے دور میں شیخ یوسف حاکم تھے اور انہوں نے دو سال خودمختار حکومت کی۔ ان کو لنگاہ قوم کے ایک سردار سلطان قطب الدین لنگاہ نے بے دخل کر دیا اور خود حاکم بن گیا۔ شیخ یوسف کو بعد ازاں دہلی جانے کی اجازت مل گئی۔ شیخ یوسف دہلی آئے تو سلطان بہلول سے ملے۔ سلطان بہلول کو بزرگانِ اسلام سے عقیدت تھی۔ لہٰذا ان کا بہت احترام کیا۔ اپنی لڑکی ان کے بیٹے شیخ عبداللہ عرف شاہ عبداللہ سے بیاہ دی اور ان کو ہمیشہ خوش رکھا۔(165-A)

865ھ/1460ء میں سلطان قطب الدین فوت ہوا تو اس کا بڑا لڑکا سلطان حسین تخت نشین ہوا۔ اس نے قلعہ کوٹ کھرور پر حملہ کر کے قلعہ دھن کوٹ تک قبضہ کر لیا۔ سلطان بہلول کو موقع مل گیا اس نے اپنے بیٹے باربک شاہ کو ملتان کی مہم پر روانہ کیا اور پنجاب کے

حاکم گورنر تاتار خان کو اس کی مدد پر تعینات کیا۔ جب سلطان حسین ملتان واپس آنے لگا تو پتہ چلا کہ باربک شاہ اور تاتار خان لودھی ملتان شہر کے شمال میں عیدگاہ کے پاس ہیں۔ سلطان حسین فوراً قلعہ ملتان میں آیا اور اس نے لشکر کے دو حصے کیے۔ پہلا حصہ جو تلوار بازی میں ماہر تھا جنگ پر روانہ کیا اور دوسرا جو تلوار بازی میں ماہر نہ تھا اسے قلعہ کی نگرانی پر متعین کیا۔ اس کی فوج اب دس ہزار سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھی۔ دوسرے روز صبح اس نے ساری فوج پیدل کر دی اور تیز اندازی کا حکم دیا۔ پہلی بار یکدم بارہ ہزار تیر چلے تو بہلول لودھی کی فوج میں اضطراب پھیل گیا۔ دوسری بار تیروں سے ان کی صفیں ٹوٹ گئیں اور تیسری بار وہ فرار ہو گئے۔ اس سے ملتانیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

دہلی والے قلعہ شور چھوڑ کر قلعہ چنیوٹ تک پسپا ہو گئے۔ قلعہ چنیوٹ میں سلطان حسین کا تھانیدار جو ہزار سپاہیوں کے ساتھ تعینات تھا باربک شاہ نے اس کو بہانے سے رام کر کے قلعہ لیا اور پھر ان کو قتل کرا دیا اور چنیوٹ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان حسین نے چنیوٹ واپس لینے کی کوشش ہی نہیں کی۔ (165-B)

مالوہ سے تعلقات:

سلاطین مالوہ سے سلطان بہلول کے تعلقات اچھے تھے۔ 8 شعبان 873ھ 1468-9ء میں سلطان بہلول کے سفیر شیخ محمد فرملی نے سلطان محمود خلجی کو تحائف پیش کیے اور سلطان حسین شرقی کے خلاف اس کی مدد چاہی۔ سلطان محمود نے امداد کا وعدہ کیا مگر چند ماہ بعد ہی وہ فوت ہو گیا۔ (165-C)

سلطان غیاث الدین خلجی کے دور (1482-1500ء) میں سلطان بہلول نے سلطنت مالوہ کے ایک قصبہ الہن پور پر قبضہ کر لیا۔ سلطان غیاث الدین کو خبر ملی تو اس نے چندیری کے حاکم شیر خان بن مظفر خان کو جواب دینے کا حکم دیا۔ شیر خان بھاری فوج کے

ساتھ بیانہ روانہ ہوا۔ سلطان بہلول مقابلے کی تاب نہ لا کر بیانہ چھوڑ کر دہلی چلا گیا۔ شیر خان نے دہلی تک تعاقب کیا آخر سلطان بہلول نے تحفے تحائف دے کر اسے واپس کر دیا۔ الہن پور پر شیر خان نے پھر سے قبضہ کر لیا۔ (D-165) مجموعی طور پر مالوہ سے سلطان کے تعلقات اچھے رہے۔

فتح سندھ:

سلطان بہلول نے سندھ پر بھی حملہ کیا۔ سندھ والئی ملتان کے ماتحت تھا لیکن مگر احمد خان بھٹی نے وہاں بدامنی پھیلائی ہوئی تھی۔ سلطان بہلول نے ایک فوج اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کی۔ اس کی تفصیل بھی ہمیں صرف تاریخ شاہی میں ملتی ہے:

"ان ہی ایام میں احمد خان بتی نے، جو ملک سندھ میں صاحب جاہ ہو گیا تھا اور جس کے پاس تیس ہزار سوار تھے، والی ملتان سے سرکشی کی۔ اس کی عرضداشت پہنچی کی احمد خان ملتان کے دیہات میں لوٹ مار کر رہا ہے۔ اگر خداوند عالم تدارک فرمائیں تو بہتر ورنہ ہمارا یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ میں اگر ملتان سے بے دخل ہو گیا تو وہ اس پر قابض ہونے کے بعد پنجاب کو تاخت و تاراج کرنے کا سوچے گا۔ سلطان اس خبر کو سنتے ہی آپے سے باہر ہو گیا۔ ایک نامور امیر عمر خاں اور شہزادہ بایزید کو تیس ہزار سوار دے کر اس مہم کے لیے نامزد کیا۔ انہیں بنفس نفیس رخصت کر کے ان کو سر بلند فرمایا۔ وہ لاہور سے متواتر کوچ کرتے ہوئے ملتان پہنچے۔ جب ملتان کے نواح میں پہنچے تو والی ملتان بھی آ کر ان سے مل گیا اور ان کی رہبری کی تا آنکہ وہ اس کے علاقے میں پہنچ گئے۔ احمد خاں اپنے لشکر اور فوج کی بہادری کے زعم میں سلطان کی فوج کو خاطر میں نہ لایا۔ وہ خود اپنی جگہ سے نہ ہلا بلکہ اس نے اپنے بھتیجے کو پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ ان کے مقابلے میں بھیج دیا۔ وہ جوان

ایک طوائف کا شیدائی تھا جس کے حسن اور زیبائی کی یہ کیفیت تھی کہ نقاش قدرت نے اس سے زیبا تر نقش صفحہ روزگار پر نہ کھینچا تھا اور نہ زمانے کی آنکھ نے اس صورت رعنا کی مثال دیکھی تھی۔ چہرہ اس کا ایسا تھا کہ گل بوستاں بھی اسے دیکھ کر آب آب اور چمکتا ہوا موتی اس کے روئے درخشاں کی آب وتاب سے غرقاب ہو جاتا۔ وہ ہمیشہ سیر وشکار میں بھی اس لالہ رو کو خود سے جدا نہیں کرتا تھا۔ حتیٰ کہ جنگ کے روز بھی اسے عماری میں بٹھا کر ساتھ لے آیا تھا۔ جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو نورنگ خاں نے دس ہزار سواروں کے ساتھ داؤد خاں کو سلطان کی فوج کے خلاف روانہ کیا۔ داؤد خاں نے سلطانی فوج کے خلاف (ان سواروں کے ساتھ) ہم عنان اور ہم رکاب ہو کر تلوار چلائی۔ ادھر سلطانی فوج بھی ڈٹ گئی۔ ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ چشم روزگار نے نہ دیکھا ہوگا۔ کشتوں کے خون کی ندی بہ نکلی۔ بالآخر داؤد خان مارا گیا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی۔ جب احمد خاں کے لشکر کے بھگوڑے سپاہی نورنگ خاںؑ کے پاس پہنچے تو نورنگ خاں نے رو رو کر اپنی معشوقہ سے رخصت لی، میدان جنگ کا رخ کیا اور اپنی فوج سے جا ملا اور جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑائی میں مشغول ہو گیا۔ سلطان کی فوج کے کئی سپاہی نورنگ خاں کی تلوار سے دو ٹکڑے ہو کر گھوڑوں سے گر پڑے۔ اچانک توپ کا ایک گولہ اسے آ لگا جس نے اس کو بھی دو ٹکڑے کر دیا۔ جب نورنگ خاں کی موت کی خبر اس عورت کو، جس نے داد مردانگی دی، پہنچی تو اس نے ہتھیار پہنے، ایک طلائی ترکش کمر سے باندھا، خود سر پر رکھی اور نورنگ خاں کی فوج میں پہنچ کر اس کے بھائی سے کہا: ”جب میں تمہارے لشکر میں آ پہنچوں تو بہتر ہے کہ تو سارے لشکر کو میرے سلام کے لیے بھیج دے اور پکار کر کہے کہ احمد خاں کا بیٹا (شہزادہ) آ گیا ہے تاکہ دشمن کی فوج بد دل ہو جائے اور اسے یہ خیال نہ رہے کہ ہم نے سردار کو قتل کر دیا۔“ الغرض تمام سردار

گھوڑوں سے اتر کر اس کے سلام کو آئے اور باواز بلند شادیانے بجانے لگے۔ سلطان کی فوج، جو بسبب اپنی جنگی مہارت کے فتح مند ہو رہی تھی، بد دل ہو گئی۔ احمد خاں کا لشکر یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑا اور اس طرح لڑا کہ سلطان کا لشکر تاب نہ لا سکا اور بھاگ نکلا۔ اس شکست کی خبر شہزادہ بایزید کو پہنچی تو اس نے اپنے آدمیوں کو سرزنش کی۔ ادھر جب احمد خاں کو معلوم ہوا کہ اس کی فوج نے فتح پائی اور کیسے اس عورت نے چارہ سازی کی تو حیران رہ گیا۔ پھر جب فوج واپس آ گئی اور وہ عورت بھی مردانہ لباس میں احمد خاں کے سامنے حاضر ہوئی تو احمد خاں نے اس کی دلیری اور مصلحت شناسی پر اسے آفرین کہی اور دس ہزار روپیہ مع خلعت اسے عطا کیا۔ ادھر شہزادہ بایزید خاں نے ایک اور لشکر مدد کے لیے طلب کیا تو سلطان نے دو تین امرائے کبار کو، جن کے پاس بہت بڑا لشکر تھا، روانہ کیا۔ جب یہ لشکر شہزادہ بایزید سے جا ملا تو اس نے احمد خاں کے علاقے پر حملہ آور ہو کر، بڑی کوشش کے بعد، اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اس کا ملک خالصہ میں شامل کرتے ہوئے مظفر و منصور سلطان بہلول کی بارگاہ میں گیا اور سلطان کی مہربانی سے شاد کام ہوا۔" (166) یہ جنگ فتح جونپور سے قبل ہوئی کیونکہ فتح جونپور کے وقت خواجہ بایزید قتل ہو چکا تھا۔

تقسیم سلطنت مابین سرداران:

افسانہ شاہان میں ہے کہ سلطان بہلول اگرچہ بادشاہ خود تھا مگر اس نے سارا ملک مختلف قابل اعتماد اور طاقتور لوگوں پر تقسیم کیا ہوا تھا۔ سہارن پور سے کندک تک علاقہ میاں حسین فرملی کو دیا تھا۔ اس کے پاس بہت بڑا لشکر تھا۔ جونپور مبارک خان نوحانی کو دیا۔ آگرہ ہمایوں سروانی کو دیا اور احمد خان جلوانی کو حسب وعدہ چوتھائی ملک دیا۔ اسے 'سلطان' کا نام

بھی دیا گیا تھا۔ اس کے پاس بیانہ کا سارا علاقہ تھا۔ قنوج خواجہ احمد کو دیا۔ بہرائچ، گورکھ پور اور نواحی علاقے فرملی قبیلے کے سرداروں کو دیئے۔ صوبہ پنجاب لودھی قبیلے کے بائی خیل کو دیا گیا۔ پہلے یہ ملک کالا کے پاس تھا۔ پھر سلطان بہلول کے پاس بھی رہا تھا۔ ملتان کا صوبہ قبیلہ بیٹنی کے پٹھانوں کو دیا۔ کالپی محمود خان لودھی شاہو خیل کو دیا جو سلطان کا رشتہ دار تھا۔ (167)

تاتار خان لودھی کی بغاوت:

یہ جنگ 1467ء کے لگ بھگ ہوئی۔ تاریخ شاہی میں اس بغاوت کی تفصیل ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ اسے ہم وہاں سے نقل کرتے ہیں:

''بہلول شاہ کے زمانے میں تاتار خان اور یوسف خان جو لاہور اور ملتان کے صوبیدار تھے باغی ہو کر خالصہ کے کچھ پرگنوں پر قابض ہو گئے۔ نظام خان ان دنوں پانی پت میں تھا۔ اس نے دو تین گاؤں اپنے نوکروں کو دے دیے۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی تو خواجہ شیخ سعد فرملی کو لکھا کہ یہ کام تمہارے مشورے سے ہوا ہے؟ اگر مرد ہو تو گاؤں تاتار خان وغیرہ کی ولایت سے حاصل کرو۔ شیخ سعد نے یہ فرمان شہزادے کے حضور پیش کیا تو شہزادے نے پوچھا: ''خیر تو ہے؟'' اسنے عرض کیا کہ نہیں۔ پھر وہ فرمان شہزادے کے حضور میں پڑھا۔ فرمایا: ''عجب فرمان شاہی لائے ہو۔'' فرملی نے کہا: ''بادشاہی مفت نہیں ملتی۔ سلطان نے باقی سب بیٹوں میں تجھے صاحب شمشیر جان کر مطالبہ کیا ہے۔ اگر تیرے ہاتھ سے یہ کام ہو گیا تو دہلی کا بادشاہ تو ہو گا۔ اٹھ اور قسمت آزمائی کر۔'' اس وقت شہزادے کے پاس دو ہزار پانچ سو سوار تھے۔ اول پانچ سو سواروں کو تاتار خان کی ولائت کے خلاف

نامزد کیا اور ان کو حکم دیا کہ اس کے دو تین پرگنوں میں مار دھاڑ کریں۔ تاتار خان کو یہ بات معلوم ہوئی تو ایک بہت بڑا لشکر لے کر نکل کھڑا ہوا۔ ادھر شہزادہ بھی فوج لے کر انبالہ کے پرگنے میں جا پہنچا۔ دوسرے روز دونوں طرف سے صف آرائی ہوئی۔ شہزادے نے بھی تیاری کر کے میدان جنگ کا رخ کیا۔ اس اثنا میں شہزادے کے گرد و پیش میں تجربہ کار جوان آ جا رہے تھے۔ شیخ سعید نے بھی اس اثنا میں دو تین بار شہزادے کی طرف دیکھا۔ شہزادے نے پوچھا: "کیا دیکھ رہے ہو؟"۔ شیخ نے عرض کیا: "بندہ یہ دیکھ رہا ہے کہ آپ کے اردگرد چست و چالاک نوجوان گھوم پھر رہے ہیں۔ اگر آپ سرداری میں ثابت قدم رہے تو فتح کی امید ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ کیسے لڑتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ اس مہم کو حسب مراد انجام دے اور اگر نہیں تو آپ باد (رفتار گھوڑے) پر سوار ہیں، کوئی آپ کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے گا۔" شہزادہ ہنسا اور کہنے لگا: "میں تمہارے گھوڑے کے پاؤں تو زمین پر دیکھ رہا ہوں لیکن اپنے گھوڑے کے پاؤں سینے تک خون میں غرق دیکھ رہا ہوں۔" خواجہ سعید گھوڑے سے اترا، شہزادے کے پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا: "یہی فتح کی نشانی ہے۔ سردار کی ہمت ایسی ہی ہونی چاہیے۔" جنگ شروع ہوئی تو سب سے پہلے جس نے گھوڑا میدان میں دوڑایا وہ دریا خان نوحانی تھا۔ وہ تیس آدمیوں کو ساتھ لیے یہ طے کر کے دونوں صفوں کے درمیان پہنچا کہ جہاں دشمن ایک تلوار کھینچے گا، وہاں وہ اس کے مقابلہ میں تیس تلواریں کھینچ لیں گے۔ دوسری طرف سے پانچ سو سوار مقابلے کے لیے آئے۔ ایسا رن پڑا کہ تلواروں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ دریا خان پانچ سو سواروں پر غالب آیا۔ تین مرتبہ حملہ کر کے تاتار خان کے بہت سے تجربہ کار سواروں کو گھوڑوں سے گرا کر اپنی جگہ پر آن کھڑا ہوا۔ چوتھی بار

تاتار خان کی فوج میں سے کسی نے اس کے مقابلہ میں سر نہ اٹھایا۔ دریا خان نے کہا: "ہماری ثابت قدمی اور ہمارے آقا کا اقبال کارگر ثابت ہوا۔ تم سب یہیں ٹھہرے رہو تا کہ میں اب تن تنہا ان پر حملہ کروں۔" قصہ مختصر یہ کہ دریا خان اور حسین خان' سات سو سوار ساتھ لیے شہزادے کے لشکر سے نکلے۔ ادھر تاتار خان کے ایک ہزار پانچ سو سواروں نے حسین خان پر تین بار حملہ کیا۔ چنانچہ اس بار بھی نہ صرف دریا خان بلکہ حسین خان نے بھی فتح پائی۔ عمر خان نے حسین خان سے کہا: "سو بار خدا کی رحمت ہو تجھ پر اور دریا خان پر کہ تم دونوں نے وہ کام کیا جس پر سب تمھیں شاباش کہتے ہیں۔ اب امید ہے کہ تم ان بھائیوں سے بھی انصاف کرو گے۔" اس سے پیشتر کہ عمر خان سروانی میدان میں اترتا اس کا بیٹا ابراہیم تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے باپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "قسم ہے آپ کو خدا کی اور شہزادے کے نمک کی، اگر اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا۔" عمر خان نے کہا: "آخر کیوں؟" ابراہیم نے جواب دیا: "آپ نے جیسے مبارک خان کے بیٹے دریا خان اور حسین خان کی کارکردگی دیکھی ہے، اب ذرا ہماری کارکردگی پر بھی توجہ فرمائیے۔" یہ کہہ کر تن تنہا دو تین بار ان سواروں پر، جن کی تعداد پندرہ ہزار تھی، حملہ کیا اور ہر بار دس بارہ تجربہ کار سواروں کو مار گرایا۔ عمر خان نے یہ دیکھا تو اپنی مخصوص فوج کو ساتھ لیے تاتار خان پر ٹوٹ پڑا اور ان پندرہ ہزار سواروں پر غالب آ گیا۔ تاتار خان مارا گیا، اس کا بھتیجا حسین خان گرفتار ہو گیا اور باقی فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ جب ایسی عظیم فتح شہزادے کو حاصل ہوئی تو وہ میدان ہی میں گھوڑے سے اتر کر، اس کی بارگاہ میں جس نے اسے فتح دی تھی، سجدہ ہائے شکر بجا لایا۔ اس فتح سے باغیوں کے دلوں میں رعب اور ہراس بیٹھ گیا۔ اس کے جن

غازیوں نے میدان میں اس شان کی رستمی و بہادری دکھائی تھی ان کو خوب خوب نوازا۔ جب یہ فتح نامہ بہلول کے پاس پہنچا تو اس نے آفرین کہی اور جان لیا کہ میرے بیٹوں میں سے سب سے لائق نظام خان ہے۔ لہٰذا اس نے نظام خان کو دس عربی گھوڑوں، پانچ ہاتھیوں اور ولی عہدی کے خطاب والا سے مسرور فرمایا۔" (168)

اقتدار کی مضبوطی:

اس کے بعد سلطان بہلول دہلی واپس آ گیا۔ اس کی سب سے بڑی دشمن ریاست جونپور کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ پورے شمالی ہندوستان پر اس کا اقتدار مضبوط ہو چکا تھا۔ اب اس نے حکومت کے استحکام اور انتظامی امور کی جانب توجہ دی۔ (169)

راجہ گوالیار کی اطاعت:

برسات کے موسم کے بعد سلطان بہلول نے گوالیار پر فوج کشی کی۔ گوالیار کا راجہ سلطان حسین شرقی کا طرفدار تھا۔ اس نے سلطان بہلول کا غلبہ دیکھ کر اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اور 80 لاکھ تنکہ (سکہ رائج الوقت) پیش کیے۔ سلطان بہلول نے اسے گوالیار کی حکومت پر بحال رکھا۔ (170)

اٹاوہ کے حاکم کی تبدیلی:

واپسی پر سلطان پہلے اٹاوہ گیا۔ یہاں پر موجب رائے واندو کا بیٹا رائے سکت سنگھ بیٹھا تھا۔ سلطان نے اس کی جگہ کسی اور کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ (171)

سلطان بہلول کی وفات:

جب سلطان بہلول اٹاوہ سے واپس آ رہا تھا تو گرمی زوروں پر تھی۔ گرمی کی شدت سے وہ بیمار ہو گیا۔ دہلی جانے میں جلدی کی لیکن قصبہ سکیت کے نواح میں ایک گاؤں "ملاولی" (موجودہ ملاون جو اٹاوہ اور پٹیالی کے درمیان ایک گاؤں ہے) میں فوت ہو گیا۔(172)

سلطان بہلول لودھی نے 13 شعبان 894/ 1489 کو وفات پائی۔

ایک شاعر نے اس کی تاریخ وفات یوں کہی ہے:

بہشت صدونود و چار رفت از عالم

فدیو ملک ستان و جہاں کشا بہلول

(سال آٹھ سو چورانوے میں جہاں سے چلا گیا

فاتح اور کشور کشا بہلول بادشاہ)(173)

سرسید احمد خان نے بھی اس کی تاریخ وفات 13 شعبان درج کی ہے(173-A)

سلطان سکندر کی ولی عہدی:

بہلول لودھی نے اپنی حیات میں ہی سکندر لودھی کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا(173-B) اس کا مختار کل عمر خان شروانی بھی اس کی حمایت میں تھا۔ البتہ بعض امراء اعظم ہمایوں کو جانشین مقرر کرنے کی فکر میں تھے۔ فرشتہ اس مسئلہ کی تفصیل یوں بیان کرتا ہے:

"راستہ میں بہلول کی طبیعت خراب ہو گئی بہت سے امراء نے مل کر بادشاہ کو یہ رائے دی کہ وہ اعظم ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کر دے۔ بہلول میں اب اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ ان امراء کی رائے سے مخالفت کرے لہذا سلطان سکندر لودھی کو بلانے کے لیے بہت سے قاصد دہلی کو روانہ ہوئے۔ عمر خاں شروانی ان دنوں مختار کل تھا

چونکہ بادشاہ کے اعضاء میں قوت نہ تھی لہٰذا تمام امور سلطنت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں تھی۔ وہ ان امراء کے صلاح ومشورہ کو بھانپ گیا سلطان سکندر کی والدہ بھی اس سفر میں بادشاہ کے ہمراہ تھیں۔ انہوں نے عمر خاں کو مشورہ دیا کہ ایک آدمی سکندر خاں کی خدمت میں بھیج کر اس کو کہلوادیں کہ بادشاہ اور امراء نے اس کو نظر بند کرنے کی غرض سے بلایا ہے لہٰذا وہ اپنی روانگی کو معرض التوا میں رکھے اور اپنے لیے یہی بہتر سمجھے اس پیغام کے مطابق سلطان سکندر جانے میں تاخیر کرنے لگا۔ اس پر بہلول لودھی نے غصہ میں کہلوا بھیجا کہ اگر تم نہیں آنا چاہتے ہو تو میں خود تمہارے پاس آتا ہوں۔ سلطان سکندر اس حکم سے خوفزدہ ہوا اور چلنے کی تیاری کرنے لگا سب اراکین مخالفت کرتے رہے اس پر سکندر سلطان نے قتلغ خاں (سے مشورہ لیا) جو حسین شرقی کا وزیر تھا اور قید میں پڑا ہوا تھا اور رائے دینے میں اس کو کافی ملکہ حاصل تھا اس نے کہا سراپردہ شاہی نصب کر کے کوچ کا اعلان کر دیا جائے اور سامان سفر کی درستی میں تاخیر کی جائے تاکہ کچھ عرصہ اس طرح ٹل جائے سلطان سکندر نے اسی کی رائے پر عمل کیا۔" (174)

سلطان بہلول کی وصیتیں:

بہلول لودھی نے جب اپنی موت کو یقینی پایا تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میری دو وصیتیں نظام خان (سکندر لودھی) تک پہنچا دینا۔ اول یہ کہ قوم سور کے پٹھانوں میں سے کسی کو امیر اور سردار مقرر نہ کرنا کیونکہ ان کے دماغوں میں بادشاہی بھری ہوئی ہے۔ دوم یہ کہ نیازیوں کو خاص ملازمین میں شامل نہ کرنا کہ یہ بے لحاظ لوگ ہیں۔ حق نمک ادا نہیں کرتے۔ (175)

سلطان بہلول کا مقبرہ:

وفات کے بعد سلطان بہلول لودھی کو دہلی لا کر "باغ وجود" میں دفن کیا گیا۔اس کی قبر پر ایک عالیشان مقبرہ موجود ہے۔(176)

سلطان بہلول کی مدت حکومت:

مخزن افغانی میں درج ہے کہ سلطان بہلول نے اڑتیس سال، 8 ماہ اور 8 روز حکومت کی (177)۔طبقات اکبری میں نظام الدین نے بھی یہی مدت لکھی ہے۔(178) لیکن بہلول نے طبقات اکبری کے مطابق 17۔ ربیع الاول 855ھ کو تخت سنبھالا اور 13 شعبان 894ھ میں فوت ہوا۔ جبکہ سلطان سکندر 17۔شعبان 894ھ کو تخت نشین ہوا۔ یوں اس کی مدت سلطنت 39 سال اور تقریباً 5 ماہ بنتی ہے۔ نظام الدین میں مدت شمار کرنے میں غلطی ہوئی ہے اور مخزن کے مصنف نعمت اللہ نے بھی اس کی پیروی کی ہے۔ تاریخ شاہی میں درج ہے کہ سلطان بہلول نے 27 محرم 855ھ کو تخت سنبھالا تھا۔(179) اس حساب سے اس کی مدت سلطنت 39 سال اور تقریباً 7 ماہ بنتی ہے۔ افسانہ شاہان میں اس کی مدت سلطنت چوالیس سال، سات ماہ، بیس روز اور چار گھڑی درج ہے۔(180) یہ مدت دراصل تب سے شمار کی گئی ہے جب سلطان محمد شاہ کے دور میں بہلول لودھی نے دہلی پر پہلا ناکام حملہ کیا اور اسے سرہند واپس جانا پڑا۔ وہاں جا کر اس نے خود کو سلطان کا خطاب دے کر اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا مگر خطبہ اور سکہ رائج کرنا فتح دہلی تک موقوف رکھا۔ سلطان سکندر نے 17۔شعبان 894ھ کو تخت نشینی کی رسم قصبہ جلالی میں ہی ادا کی اور اسی روز سلطان بہلول کی لاش دہلی روانہ کر دی تھی۔ سلطان بہلول کی تاریخ وفات 13۔ شعبان 894ھ ہے۔ اسی سے 44 سال، سات ماہ اور بیس روز چار گھڑی پیچھے جائیں تو

سلطان بہلول کا سرہند میں اپنی بادشاہت کا علان کرنا مورخہ 23 ذی الحج 848ھ/12 اپریل 1445ء کو بنتا ہے جو درست ہے۔ جبکہ سلطان محمد شاہ کی وفات شوال 849ھ میں ہوئی۔ بالکل درست ہے۔ کیونکہ یہ اعلان سلطان محمد شاہ کے آخری ایام زندگی کیا گیا تھا۔ جس کی وفات 849ھ/1445ء میں ہوئی تھی۔ (181) فرشتہ نے اس کی تاریخ وفات 849ھ/1445ء درج کی ہے۔ (182)

سلطان کی شادیاں اور اولادیں:

سلطان بہلول نے کئی شادیاں کیں۔ اس کی ایک بیوی تو شمس خاتون عرف فردوس تھی۔ (183) اس کی ایک دوسری بیوی زیبا خاتون تھی جو ایک سنار (زرگر) کی بیٹی تھی۔ اس کے بطن سے نظام خان عرف سکندر لودھی تھا۔ (184) اس کی باقی بیویوں سے کون کون تھا اس حوالے سے تفصیل موجود نہ ہے۔

اس کے درج ذیل 9 بیٹوں کے نام کتب میں درج ہیں۔ (185)

(1) خواجہ بایزید (2) نظام خان (3) مبارک خان عرف باربک شاہ (4) عالم خان عرف علاء الدین خان (5) جمال خان (6) میاں یعقوب خان (7) فتح خان (8) میاں موسیٰ خان (9) جلال خان

حواشی

(1) مخزن (فارسی) جلد اول ص 126

(2) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 385

(3) مخزن (اردو) ص 2-451: مخزن (فارسی) جلد دوم ص 616

(4) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 385

(5) خلاصۃ التواریخ ص 274

(6) اے حلیم، History of the Lodhi Sultans of Delhi and Agra، ص 4۔

(7) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 385، مخزن (اردو) ص 129: مخزن (فارسی) جلد اول ص 127

(8) خلاصۃ التواریخ ص 5-274

(9) اے حلیم، مذکورہ بالا، ص 4۔

(9-A) جام جم ص 33

(10) واقعات مشتاقی ص 3

(11) تاریخ شاہی ص 4

(12) تاریخ داؤدی ص 3، واقعات مشتاقی ص 4۔

(13) تاریخ داؤدی ص 3

(14) خلاصۃ التواریخ ص 275

(15) تاریخ داؤدی ص 3

(16) واقعات مشتاقی ص 3

(17) واقعات مشتاقی ص 4-3

(18) مخزن (اردو) ص 131: مخزن (فارسی) جلد اول ص 131

(19) اے حلیم، مذکورہ بالا، ص 5-4

(20) مخزن (اردو) ص 452: مخزن (فارسی) جلد دوم ص 616

(21) مخزن (اردو) ص 132

(22) مخزن (اردو) ص 131

(23) تاریخ فرشتہ ص 385

(24) خلاصۃ التواریخ ص 275

(25) افسانہ شاہان ص 25

(26) مخزن (اردو) ص 143: مخزن (فارسی) جلد اول ص 149

(27) تاریخ داؤدی ص3تا5: طبقات اکبری ص:428 مخزن (اردو)1-130 ص: مخزن جلد اول (فارسی) ص:2-131 تاریخ شاہی ص:5واقعات مشتاق ص3

(28) تاریخ داؤدی ص5: واقعات مشتاق 4تا5

(28-A) واقعات مشتاق ص4

(29) واقعات مشتاق ص4

(30) تاریخ داؤدی ص5

(31) واقعات مشتاق ص4

(32) تاریخ داؤدی ص5

(33) اے حلیم ص5

(34) آئین اکبری جلد دوم ص1018

(35) ایضاً جلد اول ص398

(36) واقعات مشتاق 4: تاریخ داؤدی ص5

(37) تاریخ مبارک شاہی (انگریزی) ص227

(38) افسانہ شاہان ص25

(39) مخزن (فارسی) جلد اول ص128

(40) تاریخ مبارک شاہی (انگریزی) ص227

(41) ایضاً ص237

(42) ایضاً ص251

(43) ایضاً ص243: طبقات اکبری جلد اول ص423,418

(44) طبقات اکبری جلد اول ص422

(45) ایضاً

(46) تاریخ شاہی ص6

(47) افسانہ شاہان ص25

(48) خلاصۃ التواریخ ص275

(49) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص385

(50) مخزن (اردو) ص 131: مخزن (فارسی) جلد اول ص 131

(51) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 385

(52) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 6-385

(53) ایضاً ص 386

(54) مخزن (اردو) ص 130: مخزن (فارسی) جلد اول ص 131

(55) تاریخ داؤدی ص 6

(56) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 387: تاریخ داؤدی ص 6: مخزن (اردو) ص: 131 مخزن (فارسی) جلد دوم ص 3-132 تاریخ شاہی ص 7

(57) تاریخ شاہی ص 6

(58) ایضاً ص 7

(59) تاریخ داؤدی ص 7,6

(60) واقعات مشتاقی ص 4

(61) طبقات اکبری جلد اول ص 422

(62) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 387

(63) ایضاً: تاریخ داؤدی ص 6، واقعات مشتاقی ص 4: طبقات اکبری جلد اول ص 422

(64) طبقات اکبری جلد اول ص 422

(65) طبقات اکبری جلد اول ص 3-422

(66) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 387

(67) ایضاً: طبقات اکبری جلد اول ص: 430 مخزن (اردو) ص 132 نیز افسانہ شاہان ص 34

(68) طبقات اکبری جلد اول ص 423: تاریخ فرشتہ جلد دوم 383

(69) مخزن (اردو) ص: 133 مخزن (فارسی) جلد دوم ص 136

(70) طبقات اکبری جلد اول ص 471

(71) مخزن (فارسی) جلد دوم ص: 6-134 تاریخ داؤدی ص: 7-6 طبقات اکبری جلد اول ص 1-470

(72) مخزن (اردو) ص 5-133

(73) تاریخ داؤدی ص6

(74) تاریخ شاہی ص8

(75) تاریخ داؤدی ص7-6: تاریخ شاہی ص9-8

(76) طبقات جلد اول ص432

(77) ایضاً

(78) تاریخ شاہی ص12

(79) مخزن (اردو) ص7-135: مخزن (فارسی) جلد دوم ص40-138

(80) مخزن (اردو) ص137

(81) تاریخ داؤدی ص12

(82) تاریخ داؤدی ص12

(83) مخزن (اردو) ص137

(84) ایضاً

(85) ایضاً ص8-137

(86) تاریخ داؤدی ص13

(87) افسانہ شاہان ص26

(88) مخزن (اردو) ص138

(89) ایضاً

(90) مخزن (اردو) ص138

(91) افسانہ شاہان ص26

(92) ایضاً

(93) واقعات مشتاقی 7

(94) تاریخ داؤدی ص13: تاریخ شاہی ص13-12

(95) واقعات مشتاقی ص7: تاریخ شاہی ص14-13

(96) واقعات مشتاقی ص8

(97) ایضاً مخزن (اردو) ص9-138: تاریخ داؤدی ص15

(98) واقعات مشتاقی ص8

(99) طبقات اکبری جلد اول ص436

(100) مخزن (اردو) ص141

(101) تاریخ داؤدی ص16

(102) مخزن (اردو) ص138: تاریخ شاہی ص13

(103) قصہ واحوال روہیلہ ص70-66

(104) واقعات مشتاقی 9-8: تاریخ داؤدی 16-12 مخزن 9-138

(105) مخزن (فارسی) جلد اول ص: 5-143 مخزن (اردو) ص140-139

(106) مخزن (فارسی) جلد اول ص: 145 مخزن (اردو) ص140

(107) ایضاً

(108) ایضاً

(109) ایضاً

(110) ایضاً

(111) ایضاً: مخزن (اردو) ص141

(112) ایضاً

(113) ایضاً ص: مخزن (اردو) ص2-141

(114) ایضاً ص: مخزن (اردو) ص142

(115) ایضاً

(116) ایضاً

(117) ایضاً

(118) ایضاً

(119) مخزن (اردو) ص143

(120) ایضاً

(121) ایضاً ص4-143

(122) تاریخ شاہی ص17

(123) مخزن(اردو)ص5-144

(124) ایضاً

(125) ایضاًص145

(126) ایضاًص6-145

(127) ایضاًص146

(128) ایضاً

(129) ایضاً

(130) تاریخ شاہی ص21

(131) مخزن(اردو)ص7-146

(132) ایضاً

(133) ایضاًص147

(134) ایضاً

(135) ایضاً

(136) ایضاًص8-147

(137) ایضاًص148

(138) ایضاً

(139) ایضاً

(140) تاریخ شاہی ص19

(141) مخزن(اردو)ص9-148

(142) ایضاً149

(143) افسانہ شاہان ص31-30

(144) مخزن(اردو)ص150

(145) ایضاً

(146) واقعات مشتاقی ص14-12

(147) ایضاًص12؛افسانہ شاہان ص30

(148) مخزن (اردو) ص 150-1

(148-A) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 392

(149) ایضاً

(150) ایضاً ص 151

(151) ایضاً

(152) ایضاً

(153) ایضاً 151-2

(154) ایضاً ص 152

(155) ایضاً

(156) ایضاً

(157) ایضاً

(158) ایضاً

(159) ایضاً

(160) تاریخ شاہی ص 19

(161) مخزن (اردو) ص 152

(162) ایضاً ص 152-3

(163) ایضاً ص 153

(164) تاریخ شاہی ص 22

(165) ایضاً

(165-A) طبقات جلد سوم ص 510

(165-B) ایضاً ص 511-13

(166-C) ایضاً 346

(167-D) ایضاً 349-50

(166) تاریخ شاہی ص22-24

(167) افسانہ شاہان ص34

(168) تاریخ شاہی ص32-35

(169) مخزن (اردو) ص153

(170) ایضاً153

(171) ایضاً

(172) ایضاً

(173) ایضاً: طبقات اکبری جلد اول ص:451 تاریخ داؤدی ص21: تاریخ شاہی ص29-30 تاریخ فرشتہ جلد دوم ص393

(173-A) جام جم ص34

(173-B) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص393

(174) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص393

(175) تاریخ داؤدی ص20

(176) ایضاً ص21

(177) مخزن (اردو) ص153: مخزن (فارسی) جلد اول 167-168

(178) طبقات اکبری جلد اول ص451

(179) تاریخ شاہی ص12

(180) افسانہ شاہان ص34

(181) طبقات اکبری جلد اول ص423

(182) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص4-383

(183) افسانہ شاہان ص28: مخزن (اردو) ص143

(184) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص395

(185) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص387: تاریخ داؤدی ص12: طبقات جلد اول ص433

باب نمبر 9

افغان عصبیت اور
سلطان بہلول کے خاص امراء

(1) قطب خان لودھی:

قطب خان لودھی ولد اسلام خان لودھی سلطان بہلول کا سالا اور چچازاد بھائی تھا۔ اس کا ہم عصر تھا اور اکثر اس کے ساتھ رہتا تھا۔ سامانہ کے سفر میں بھی یہ اس کے ساتھ تھا۔ اسلام خان کی وفات کے بعد اس کا بہلول سے جانشین کا تنازعہ رہا مگر جلد ہی دونوں میں رضامندی ہوگئی۔ حمید خان وزیر کی گرفتاری میں اس کا بہت کردار تھا۔ سلطان محمود خلجی حاکم مالوہ سے جنگ میں بھی اس نے بہلول لودھی کے ساتھ بہت بہادری دکھائی تھی۔ جونپور کی جنگوں میں برابر شریک رہا اور کئی برس جونپور میں قید بھی رہا۔ یہ بہلول لودھی کا بہت قابل اعتماد اور اہم ساتھی تھا۔ ایک بار یہ دہلی میں اس کا نائب بھی مقرر ہوا تھا۔ بہت اہم اور نازک مواقع پر اس نے سلطان بہلول کا ساتھ دیا۔ بہت زبردست حربی صلاحیت کا حامل تھا ہوشیاری اور ذہانت میں کمال رکھتا تھا۔ اس کی بیوی نعمت خاتون تھی۔ اس کی اولاد بھی تھی گو کہ ان کے نام پتہ نہیں چل سکے۔ قطب خان نے 889ھ/1484ء میں بمقام منجولی (ضلع گورکھپور) وفات پائی۔

(2) خان جہان لودھی اول

خان جہان لودھی اول کا اصل نام حسین خان ابن ملک فیروز خان تھا۔ یہ سلطان بہلول کا چچازاد بھائی تھا۔ اس کی افواج کا سپہ سالار بھی تھا۔ بہلول کو اس پر بہت اعتماد تھا۔ ایک بار اسے دہلی میں اپنا نائب بھی مقرر کیا تھا۔ اکثر مہمات میں فوج کی سربراہی کرتا تھا۔ سلطان کا بہت خاص آدمی تھا۔

(3) خواجہ بایزید خان:

یہ سلطان بہلول کا بیٹا تھا اور اس کا دست راست تھا۔ جب 856ھ/1452ء میں سلطان محمود شرقی نے دہلی کا محاصرہ کیا تو یہ سلطان بہلول کے نائب کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ جنگ و جدل کا بہت تجربہ تھا۔ سلطان بہلول کے عہد کے آخر میں ایک ملازم کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بیٹا اعظم ہمایوں سے بھی سلطان بہلول کو بہت محبت تھی۔

افغان عصبیت اور بہلول لودھی

لودھی افغانوں کا تعلق قبائلی علاقوں سے تھا۔ ان کے اندر قبائلی عصبیت کے وہ تمام خواص موجود تھے۔ جن کا ذکر علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ میں کیا ہے۔(1) افسانہ شاہان اور تذکرۃ الابرار و اشرار میں افغانوں کی جو خصوصیات درج ہیں وہ سب لودھیوں میں موجود تھیں۔(2) ان کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر آئے ہیں۔ لودھی قبیلے کے لوگ پدری اور مادری نسب کے علاوہ شادی بیاہ اور رشتہ داریوں سے آپس میں خوب جڑے ہوئے تھے۔ ان کے اندر احساس قومیت تھا۔ ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے اور ننگ و ناموس کا خیال کرتے تھے۔ دریا خان لودھی جو سلطان محمود شرقی کا حد درجہ وفادار تھا اس نے صرف ہم قبیلہ و نسب ہونے کی بناء پر اپنے بادشاہ سے بے وفائی کی اور

سلطان بہلول لودھی کے گروہ کو سہولیات فراہم کیں۔ اس نے اور دیگر لودھیوں نے ہم نسب ہونے کی وجہ سے بہلول لودھی کا ساتھ دیا۔ ان باتوں کی تفصیل ہم گزشتہ صفحات میں درج کر آئے ہیں۔

جو حساب لودھی قبیلے کا تھا وہی دیگر افغانوں کا بھی تھا۔ سلطان بہلول کو جن جن قبائل کی عصبیت حاصل تھی ان میں سے اکثر یا تو لودھی قبیلے کی ہی ذیلی شاخ تھے مگر الگ نام سے مشہور تھے یا پھر لودھی قبیلے کے ہم جد تھے۔ مثلاً قبیلہ سور (جس سے شیر شاہ سوری تھا) لودھی قبیلے کا ہی ایک بطن تھا۔ اس کے علاوہ سروانی قبیلے کا جد اعلیٰ اور لودھیوں کا جد اعلیٰ ابراہیم عرف لودھی آپس میں برادر حقیقی تھے۔ نیازی قبیلہ بھی لودھیوں کا ایک بڑا بطن تھا۔ دوتانی، لودھیوں کے ماموں زاد بھائی تھے۔ غلوئی قبیلے کے لوگ لودھیوں کے چچیرے بھائی تھے۔ نوحانی، شاہو خیل (جس سے سلطان بہلول تھا) کے نسب میں زیادہ قریب تھے۔ یوسف خیل اور شاہو خیل دونوں آپس میں برادر حقیقی تھے۔ یوسف خیل سے تاتار خان یا تتار خان تھا۔ اسی سے خان جہان لودھی تھا۔ شاہو خیل سے سلطان بہلول لودھی خود تھا۔ جلوانی بھی افغانوں کا ایک بطن ہے۔ اس کے علاوہ دیگر قبیلے مثلاً کاکڑ، غوریا خیل، یوسف زئی وغیرہ سب آپس میں رشتہ دار تھے۔ جو لوگ نسلاً افغان نہ تھے مگر معاشرتی طور پر افغان تھے جیسے فرملی، وہ بھی افغانوں میں شمار ہوتے تھے اور افغان عصبیت کا حصہ تھے۔ فرشتہ نے اس کے امراء کی تفصیل یوں دی ہے:

بہلول لودھی کے نو بیٹے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں خواجہ بایزید، نظام خاں جس نے بہلول کے بعد سکندر شاہ کے نام سے باپ کی جانشینی کی، مبارک خاں، عالم خاں جس کا لقب علاؤالدین خاں ہوا اور جو دہلی کا بادشاہ بنا۔

"اس کے علاوہ یعقوب خاں، فتح خاں، موسیٰ خاں، جلال خاں تھے۔ ان بیٹوں کے علاوہ دربار میں قطب خاں جو اسلام خاں کا بیٹا تھا اور خاں جہاں لودھی، دریا

خاں' تار تار خاں' دریا خاں کا فرزند' مبارک خاں لوہانی' یوسف خاں' خاصہ خیل' عمر خاں شروانی' قطب خاں فرزند حسین خاں' افغان احمد میواتی' یوسف خاں جلوانی، علی خاں ترک بچہ، شیخ ابوسعید فرملی، احمد خاں نیستانی، خاں خاناں فرملی، خاں خاناں لوحانی، شمشیر خاں، وزیر خاں پسر اسد خاں، شیخ احمد شروانی، ہنجنگ خاں، لشکر خاں، شہاب خاں دبیر، مبارز خاں مہنہ، رسم خاں، جونا خاں، فرزند غازی خاں' ملک چمن فرزند خاں جہان' عمادالملک اقبال خاں، میاں فرید قرملی، شیخ جمال شیخ عثمان، رائے پرتاپ، رائے لکھمن اور رائے کرن یہ تمام چونتیس مشہور و معروف امراء موجود تھے۔ جن میں سے بہت سے اراکین تو بادشاہ کے خاص رشتہ دار ہی تھے۔"(3)

سلطان بہلول نے جب سلطان محمود شرقی کے مقابلے کی غرض سے افغانوں کو بلایا تو تقریباً تمام قبیلے کے لوگ عصبیت کی بنیاد پر اٹھ کر اس کی مدد کو آ گئے اور بڑی بے جگری سے لڑے۔ اس وقت ان کو کسی انعام کا لالچ نہ تھا۔ جنگ میں فتح کے بعد سلطان نے ان لوگوں کے وظیفے مقرر کیے اور ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ اس چیز نے عصبیت کو اور مضبوط کیا۔ ذیل میں خلاصۃ التواریخ کے حوالے سے تاریخ افاغنہ کی بیان کردہ افغان قبائلی تقسیم کو پھر سے یہاں بیان کریں گے۔ اس کے بعد لودھیوں کے شجروں کی تفصیل درج کریں گے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ سلطان بہلول اور سلطان سکندر کے دور میں اس کے امراء اور سرداران کا بادشاہ سے تعلق کتنا قریب یا بعید تھا۔ اس کے علاوہ ایک شجرہ بھی قارئین کی سہولت کی غرض سے لف کر دیا گیا ہے:

"(افغان) بنی اسرائیل یعنی حضرت یوسف کے بھائیوں کی نسل سے ہونے کا ادعا کرتے ہیں۔ مورث اعلیٰ کا نام افغان تھا۔ اس کے تین بیٹے ہوئے، سربن، غرغشت اور بتن۔ ان تینوں کی نسل پھیلی۔ ہر قبیلہ اپنے بزرگ کے نام سے موسوم

ہوا۔ چنانچہ بریچ ، میانہ، خرشین، شیرانی، اور مڑ، کاسی ، جمند، خویشگی ، کنانی، خلیل، مہمند، صافی، محمد زئی، یوسف زئی، داؤد زئی، کپانی، ترکلانی کا سلسلہ سرین سے ملتا ہے۔ قبائل سورانی، جیلم ، اورک زئی، آفریدی، جکتائی خٹک عبدالرحمانی، کررانی، کاکر، عریانی، مسوانی، پنی اور تارن کا نسب غرغشت تک پہنچتا ہے۔ شیرزاد، خضر خیل، لڑی، لودھی، نیازی، لوحانی، سوری، سروانی، گھکھوری قبیلوں کا شجرہ بٹن پر ختم ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ اور قبائل بھی ہیں۔'' (4)

حواشی

(1) علامہ عبدالرحمن ابن خلدون کا مقدمہ تاریخ بدوی گروہوں کی تفصیلات سے پُر ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ The Muqaddimah by Ibn Khaldum, English Translation by Franz Rosenthal, 3vol, 1967, Prenston, University Press.

(2) افسانہ شاہان ص 8؛ تذکرہ ابرار والاشرار ص 83

(3) تاریخ فرشتہ ص 387

(4) خلاصۃ التواریخ ص 122

باب نمبر 10

سلطان بہلول کے اپنے امراء سے تعلقات

پندرہویں صدی کے نصف اول میں اور بالخصوص سید بادشاہوں کے دور میں دہلی سلطنت زبردست تنزل کا شکار تھی۔ حکومت کے اختیارات اور اس کی وسعت محدود ہوتی جارہی تھی۔ جونپور کی ریاست الگ قائم تھی۔ مالوہ اور گجرات الگ تھے۔ پنجاب میں بھی بغاوتوں نے سر اٹھا رکھا تھا۔ 1430ء کی دھائی سے دہلی کے گردونواح کے حکمران بھی خود مختاری کا پرچم لہرا رہے تھے۔ سلطنت دہلی کے بارے میں مقولہ "سلطنت شاہ عالم از دہلی تا پالم" مشہور تھا۔ (1) یہاں تک کہ دہلی بھی بادشاہ کے اپنے اختیار میں نہ رہا تھا بلکہ وہاں پر وزیروں کا اختیار چلنے لگا تھا۔ خصوصاً حمید خان نامی وزیر بہت زیادہ خودسر ہوگیا تھا اور علاء الدین شاہ عالم، آخری سید بادشاہ، بدایوں تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

ان حالات میں سلطان بہلول لودھی منظر عام پر آتا ہے اور سلطنت دہلی میں ایک نئی جان ڈالتا ہے۔ چونکہ وہ ایک قبائلی گروہ کی پیداوار تھا لہٰذا اس نے اپنی سلطنت کا آغاز ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق سے کیا مگر اس کی استقامت اور حوصلے نے اس کے دور کے آخر میں سلطنت دہلی کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا۔ اسی استحکام پر بعد ازاں مغلوں نے اپنی سلطنت کے پہلے دور کی بنیاد رکھی۔

سلطان بہلول کا سب سے پہلا قدم یہ تھا کہ اس نے برسر اقتدار آتے ہی خزانے کا منہ کھول دیا۔ اس نے کچھ چھپا کر نہ رکھا بلکہ تمام ہندوستانی اور افغانی امراء و سرداروں کو خزانہ

میں حصہ دار بنایا اور یوں اس نے ان سب کو خوش کیا۔(2) اس کی اس پالیسی سے یہ بات اب مشکل تھی کہ اس کے ساتھیوں میں سے کوئی کسی لالچ میں کسی دیگر علاقائی حاکم سے مل جائے یا اس سے بغاوت کرے۔ وہ سب کو مال و دولت میں برابر کا حصہ دیتا تھا اور اپنے لیے بھی اتنا ہی رکھتا تھا جتنا کہ دوسرے امراء کے لیے ہوتا تھا۔ اس چیز کے بعد اب سلطان بہلول نے امراء پر کڑی نظر رکھی اور یہ طے کیا کہ اگر اس گروہ کا کوئی امیر یا شخص بغاوت کرے یا غداری کرے تو اسے سخت سے سخت سزا دی جائے۔ مثلاً 1466ء میں افغان سردار احمد خان جلوانی ولد یوسف خان جلوانی نے سلطان حسین شرقی کی حمایت کا اعلان کیا۔ احمد خاں جلوانی سلطان بہلول کی جانب سے بیانہ کا حاکم تھا۔ اس ضمن میں وہ شیخ جمائی کے پاس گیا کہ ان سے سلطان حسین شرقی کی فتح دہلی کے لیے دعا کرائے شیخ نے اسے شرمندہ کیا کہ تمہارے باپ کو سلطان نے پالا ہے اور تم اس سے غداری کر رہے ہو۔ اس پر احمد خان جلوانی شرمندہ ہو گیا اور واپس سلطان بہلول سے جا ملا۔(3) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان کے گروہ کے امراء کے علاوہ صوفیاء بھی اس کے ساتھ مخلص تھے۔

1485ء کے لگ بھگ تاتار خان یوسف خیل لودھی نے بغاوت کی وہ لاہور، سیالکوٹ اور دیپالپور کا مقطع (حاکم یا ناظم) تھا اور اس کے پاس پندرہ ہزار سوار تھے۔ اس نے بغاوت کر کے کئی پرگنوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور اپنے حکام کا تقرر کیا۔ اس پر شہزادہ نظام خان (سکندر لودھی) کو دیگر امراء عمر خان سروانی، میاں سعید فرملی، ناصر خان نوحانی اور دریا خان نوہانی کے ہمراہ تاتار خان کے خلاف روانہ کیا گیا۔ انبالہ کے پاس تاتار خان نے زبردست مقابلہ کیا مگر اسے شکست ہوئی اور مارا گیا۔(4)

اگرچہ تاتار خان بھی لودھی تھا مگر سلطان بہلول نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور تمام افغان و غیر افغان امراء پر واضح کر دیا کہ جو بھی بے وفائی کرے گا اس کے ساتھ یہی سلوک ہو گا۔

سلطان بہلول نے بربنائے عصبیت اپنے اقتدار کو محفوظ کیا۔ سب سے قریب ترین اس کے اپنے بیٹے، بھائی یا رشتہ دار تھے۔ اس نے اہم ترین عہدوں پر ان کو مقرر کیا:

(1)	شہزادہ باربک شاہ ابن سلطان بہلول	حاکم جونپور
(2)	اعظم ہمایوں بن شہزادہ بایزید بن سلطان بہلول	حاکم لکھنو و کالپی
(3)	شہزادہ عالم خان عرف سلطان علاء الدین ابن سلطان بہلول	حاکم راپڑی و چندوار
(4)	خان جہان لودھی ابن فیروز خان ابن ملک بہرام لودھی (سلطان بہلول کا چچازاد بھائی)	نائب سلطان بہلول و سپہ سالار + بعدازاں حاکم سرکار بدایوں
(5)	قطب خان لودھی ابن اسلام خان ابن ملک بہرام لودھی	نائب سلطان بہلول و اہم درباری
(6)	عیسیٰ خان لودھی (سلطان بہلول کا رشتہ دار)	مقطع (حاکم) بھون گاؤں، کمپل اور پٹیالی
(7)	تاتار خان یوسف خیل لودھی (سلطان بہلول کا اہم جد)	حاکم لاہور و دیپالپور وغیرہ

اس کے بعد ان سرداروں کو عہدے دیے گئے جو کہ لودھی قبیلے کے دیگر بڑے بطون اور شاخوں سے تھے۔

(1)	مبارک خان نوحانی	اہم درباری، امیر و حاکم کڑھ، اودھ و بیانہ
(2)	یوسف خان جلوانی	اہم درباری امیر و حاکم بیانہ
(3)	جمال خان سارنگ خانی (لودھی)	حاکم حصار فیروزہ
(4)	خان اعظم عمر خان شروانی	مختار سلطنت، حاکم شاہ آباد و نبور و پائل و سرہند

اس کے بعد ان افغانوں کو عہدے دیے گئے جو نسلاً افغان نہیں تھے بلکہ معاشرتی طور پر افغان تھے۔ ان میں فرملی قبیلہ قابل ذکر ہے۔ فرملی دراصل شیخ زادے تھے مگر افغان بن گئے تھے۔ ان کی لودھی سلاطین کے دور میں بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔ اگرچہ ان کو بہت اعلیٰ عہدے نہ دیئے گئے لیکن دربار میں ان کے امراء کی تعداد بہت تھی اور چھوٹے عہدوں پر ان کی بڑی تعداد تعینات تھی۔ (5) ان سے سلطان بہلول کی رشتہ داری بھی تھی اور اس کی ایک بہن فرملیوں میں بیاہی تھی۔ (6)

فرملیوں میں سے درج نام اہم ہیں۔

(1) میاں گدائی فرملی (2) خان خانان فرملی

اگرچہ ابتداء میں یہ چھوٹے درجے کے امراء تھے لیکن بعد ازاں ان کو اعلیٰ درجہ مل گیا۔ ایک اور قابل ذکر شخص میاں حسین فرملی تھا۔ اس کے علاوہ مسند عالی میاں محمد فرملی بھی اسی دور کا اہم شخص تھا۔ جو سلطان بہلول کا بھانجہ تھا۔

جہاں تک لودھی قبیلے کی شاخ سور کا تعلق ہے تو ان کو بہت کم عہدے دیئے گئے۔ سلطان بہلول کا خیال تھا کہ یہ لوگ بادشاہی دماغ رکھتے ہیں۔ (7) اسی لیے سلطان بہلول کے دور میں ہمت خان (یا مستہ خان) سور واحد اعلیٰ امیر تھا۔ لیکن اس کا درجہ ملک (اہم سردار) سے کم تھا۔ اسے تہاڑہ اور لدھیانہ کے پرگنے دیئے گئے تھے۔ (8) علاوہ ازیں نیازیوں کو بھی کوئی اہم عہدہ نہ دیا گیا کیونکہ وہ سلطان بہلول کے نزدیک بے مروت تھے۔ (9) اس کی ایک وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ سلطان بہلول کا باپ نیازیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ (10)

اس کے علاوہ سلطان بہلول کو ان سرداروں کی حمایت بھی حاصل تھی جو اس کی دعوت پر روہ سے آئے اور پھر یہیں آباد ہو گئے یا پھر واپس چلے گئے۔ ان میں محمود خیل لودھیوں کا کالو خان لودھی بھی نظر آتا ہے جو سلطان بہلول کا ننھیالی رشتہ دار تھا۔ (11) یہ بعد ازاں

واپس چلا گیا تھا۔ ایک اور سردار فیروز خان کاکڑ قابل ذکر ہے۔ اگرچہ اسے کوئی اہم عہدہ نہ دیا گیا مگر سرہند سرکار میں سے پائل کا پرگنہ دے دیا گیا۔(12)

اس کے علاوہ سلطان بہلول نے بعض سابقہ امراء کو بھی خوش رکھا اور ان کو بحال رکھا۔ ان میں درج ذیل افغان شامل تھے:

(1)	مبارک خان عرف دریا خان لودھی	حاکم برن
(2)	قطب خان ابن حسین خان افغان	حاکم راپڑی
(3)	مبارک خان	حاکم سکیت

چونکہ یہ امراء تغلق اور سید دور سے حاکم مقرر تھے۔ لہذا یہ سلطان بہلول اور اس کے گروہ کے عروج سے حسد کرتے تھے اور بعض اوقات سلطان کے مخالف شرقی سلطان سے مل جاتے تھے۔ سلطان بہلول نے ابتداء میں مصلحتاً تو ان سے بنا کر رکھی مگر بعد ازاں کچھ کو سیاسی منظر سے الگ کر دیا۔

سلطان بہلول کے دور میں کچھ غیر افغان امراء کے نام بھی ملتے ہیں۔ ان میں ایک رائے کرن پرتاپ ہے جبکہ دوسرا عیسیٰ خان ترک بچہ ہے۔ یہ دونوں بہت سے مواقع پر سلطان بہلول کے ساتھ رہے مگر بعض دفعہ انہوں نے سلطان حسین شرقی سے بھی ہاتھ ملایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ سلطان بہلول کے لیے قابل اعتماد نہ تھے۔ مناسب موقع پر یہ لوگ بھی منظر سے غائب ہو گئے۔

غیر افغانوں میں بھی جو لوگ سلطان بہلول کے ساتھ مخلص رہے اور اپنا خلوص ثابت کر سکے وہ لوگ اس کے آخری دور میں بھی اپنی جاگیروں اور عہدوں پر فائز رہے۔ ان میں ہمیں احمد خان میواتی حاکم میوات، رستم خان ترک بچہ حاکم کول، اقبال خان حاکم باری، مبارک خان حاکم سکیت کے علاوہ ایک اہم امیر ملک فیروز ترک، مسند عالی خواص خان (ماچھی واڑہ)، خواجہ اصغر کے نام ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی سادات اور کمبوہ بھی اہم امراء

میں شامل تھے۔ ہندوؤں میں سے رائے ڈودو، رائے سکیت سنگھ ابن رائے تلوک چند، رائے دھولپور اور گوالیار کے رائے مان سنگھ کے نام ملتے ہیں۔ آخر الذکر دو اپنی ریاستوں کے حاکم تھے اور سلطان کو خراج دیا کرتے تھے۔(13)

آزاد قبائلی افغان، سلطان بہلول کو بادشاہ بنانے پر کیوں تیار ہوئے؟

بہلول لودھی کے دور میں جو افغان ہندوستان آئے وہ مختلف قبیلوں اور شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ان کا عام آدمی بھی خود کو سردار خیال کرتا تھا۔نہ وہ کسی کو اپنے ماتحت کرتے تھے اور نہ ہی کسی کے ماتحت ہوتے تھے۔روزی کی تلاش میں وہ لوگ ملازمت ضرور کرتے تھے مگر غلامی نہیں کرتے تھے۔جب چاہا ملازمت سے الگ ہو گئے۔

اس کے باوجود سلطان بہلول کے دور میں سارے افغان ایک بادشاہ (سلطان بہلول) کے ماتحت ہو گئے اور سب نے اسے بادشاہ تسلیم کرلیا۔کیوں؟ اس کی چار وجوہات ہے:

(1) ہندوستان میں صرف ایک افغان بادشاہی کا مدعی تھا۔وہ تھا سلطان بہلول۔ہم قومیت اور عصبیت کی بناء پر تمام افغانوں نے کسی بھی غیر افغان کے مقابلے میں افغان دعوے دار کو حمایت دینے کا فیصلہ کیا۔چنانچہ افغان روہ سے اس کی مدد کو آئے اور اس کو بادشاہ بنایا بھی۔

(2) جب سلطان بہلول بادشاہ بنا تو اس نے افغان سرداروں کو انعامات اور وظیفے دیئے۔ان کو ملازمتیں دیں اور ان کو خزانوں میں برابر کا حصہ دیا۔اس طرح سے افغانوں کے معاشی مفادات سلطان بہلول سے وابستہ ہو گئے اور وہ اس کی بادشاہت پر راضی ہو گئے۔

(3) سلطان بہلول کا ذاتی کردار بھی اسے بادشاہ تسلیم کیے جانے کی ایک اہم وجہ ہے۔

بہلول میں بادشاہوں والا تکبر نہیں تھا۔ وہ امراء کا بہت خیال رکھتا تھا۔ انہیں راضی کیا کرتا تھا۔ مذہب کا پابند تھا جبکہ پٹھان مذہب کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ اس کے ذاتی کردار نے افغانوں پر واضح کر دیا کہ یہی وہ شخص ہے جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا ہے ہر امیر خود کو آزاد حاکم خیال کرتا تھا اور ایک دوسرے سے وہ اختلاف کر سکتے تھے۔ لیکن سلطان بہلول کی شخصیت پر سب متفق تھے۔

(4) چوتھی اور سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ سلطان بہلول نے بادشاہوں والی جبریت نہیں مچائی۔ مثلاً وہ دربار میں خود بیٹھتا تو امراء کو بھی بٹھاتا تھا۔ مختلف حکام کو اس نے اپنے اپنے علاقوں میں خود مختاری دی ہوئی تھی۔ بے جا سختی و جبر و زیادتی سے احتراز کرتا تھا۔ اس کی بادشاہت دراصل "شہری بادشاہت" نہ تھی بلکہ "قبائلی بادشاہت" تھی جہاں سب آزاد تھے مگر قومیت کے زیر اثر مخالف کے مقابلے میں "ایک" تھے۔

(5) سلطان بہلول ہندوستان میں بادشاہ تھا اور روہ کا علاقہ اس سے بالکل متاثر نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا افغانوں کو اسے بادشاہ بنانے سے روہ کی قبائلیت بالکل متاثر نہ ہوتی تھی۔

حواشی

(1) تاریخ داؤدی ص 7

(2) مخزن (اردو) ص 137

(3) سیر العارفین بحوالہ Afghan Despotism in India از اقتدار حسین صدیقی ص 2

(4) تاریخ شاہی ص 35-32

(5) واقعات مشتاقی ص 160-159 مخزن (اردو) ص 4-473

(6) تاریخ فرشتہ ص 392

(7) تاریخ داؤدی ص20

(8) تاریخ شیر شاہی (فارسی) ص8

(9) تاریخ داؤدی ص20

(10) تاریخ فرشتہ ص385

(11) تاریخ فرشتہ ص385: مخزن (اردو) ص452: تاریخ شیر شاہی (فارسی) ص6-7

(12) مخزن (اردو) ص689

(13) Afghan Despotism ص23-28

maablib.org

باب نمبر 11

سلطان بہلول کی شخصیت اور ذاتی کردار

سلطان بہلول کی شخصیت اور ذاتی کردار نے اسے ہر دل عزیز بنایا اور سب افغان اسے بادشاہ تسلیم کرنے پر راضی ہو گئے۔ اس لیے ضروری ہے کہ سلطان بہلول کے ذاتی کردار کا بھی مطالعہ کیا جائے۔

برادرانہ سلوک:

سلطان بہلول کی شخصیت کا سب سے اہم پہلو اس کا برادرانہ سلوک تھا۔ واقعات مشتاقی میں درج ہے:

"با امراء و سپاہی...... معاشی برادرانہ می نمود" (1)

(امراء اور سپاہیوں سے برادرانہ سلوک کرتا تھا)۔

سلطان بہلول کے اس رویے نے اسے صرف امراء ہی نہیں بلکہ سپاہیوں میں بھی مقبول بنا دیا تھا۔

سخاوت:

سلطان بہلول ایک دیندار، سخی اور شجاع و بہادر شخص تھا۔ جب کوئی اس سے کچھ مانگتا تھا تو وہ اس سے انکار نہ کرتا تھا۔ اس کا اصول تھا کہ وہ خزانہ اکٹھا نہیں کرتا تھا۔ جب کوئی علاقہ اسے جنگ میں ملتا تو اسے امراء اور سپاہیوں میں تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ (2)

عیادت و تعزیت:

مریض کی عیادت کرنا اس کی عادت بن گئی تھی۔ اگر کوئی فوت ہو جاتا تو اس کی تعزیت کو ضرور جاتا۔ (3) کہتے ہیں کہ قطب خان لودھی کی وفات پر وہ کئی روز جونپور کی مہم روک کر پڑا رہا۔ (4)

رسم سوئم کا خاتمہ:

ایک کام سلطان بہلول نے افغان کی بہتری کے لیے کیا۔ ہندوستان میں کسی کی وفات پر تیجے (قل یا فاتحہ جو مرنے کے تیسرے روز دی جاتی ہے) کی رسم ہوتی تھی۔ یہ رسم آج تک رائج ہے۔ اس میں بہت سے پکوان اور شربت اور مختلف قسم کے حلوے تیار کر کے تعزیت کے لیے آنے والوں کو کھلائے جاتے تھے۔ افغانوں میں بھی یہ رسم ہندوستانیوں کے زیر اثر آ گئی تھی۔ سلطان بہلول نے اپنے دور میں اس رسم کو ختم کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ افغانوں کی اتنی استعداد نہیں ہے۔ اگر کوئی افغان مر جاتا ہے تو اس کی تعزیت کے لیے تو اتنے زیادہ لوگ آ جاتے ہیں کہ مرنے والے کے وارثان کہاں سے ان کو یہ سب کچھ کھلائیں پلائیں گے۔ نیز یہ سب باتیں شریعت کے خلاف بھی ہیں۔ (5)

سادگی:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان قبائلی ماحول کی پیداوار تھا۔ اس کا طرز بادشاہی بھی قبائلی تھا۔ اس نے بادشاہوں کی طرح دربار میں پردہ نہیں لگایا تھا۔ ہر شخص بلا روک ٹوک آ سکتا تھا۔ جو کھانا سلطان کے محل میں موجود ہوتا وہ وہاں موجود ہر شخص کھا سکتا تھا۔ اس نے دربار میں خود تخت پر بیٹھنا اور لوگوں کو کھڑا کرنا منع کر دیا تھا۔ دربار میں نفیس اور عمدہ قالین ڈال گئے جس پر بادشاہ بھی بیٹھتا تھا اور دیگر موجود اشخاص بھی بیٹھتے تھے۔ یہ

طریقہ آج بھی قبائلی علاقوں میں موجود ہے۔(6)

مساوات:

سلطان کسی شخص کو کسی پر فوقیت نہ دیتا تھا اور سب کو "مسند عالی" کہہ کر پکارتا تھا۔ جب دربار عام ہوتا تو خود قالین پر بیٹھ جاتا جبکہ بعض لوگوں کو کھڑا رہنے دیتا تھا اور وہ نہیں بیٹھتے تھے۔(7)

دلبندی:

سلطان امراء اور عام لوگ کی تسلی اور دلبندی کرنے کی پوری کوشش کرتا تھا۔ اگر کوئی قریبی ساتھی یا شخص ناراض ہو جاتا تو خود اس کے گھر جا کر اس کو مناتا، یہاں تک کہ بعض اوقات کو اپنی تلوار کھول کر یا پھر اپنی پگڑی اتار کر اس کے آگے رکھ دیا اور کہتا کہ اگر آپ کے نزدیک میں اس کام (بادشاہت) کے لائق نہیں ہوں تو کسی اور کو منتخب کر لیجیے۔(8)

صبر و تحمل:

سلطان بہلول ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیتا تھا۔ ایک روز جامع مسجد دہلی میں خطبہ سن رہا تھا۔ خطبہ ملا قادن دے رہا تھا۔ اس نے کہا "سبحان اللہ! عجیب قوم پیدا ہو گئی ہے مجھے نہیں معلوم کہ یہ دجال کے پیش رو ہیں یا خود دجال ہی ہیں کہ ماں کو "مور"، بھائی کو "رور"، گھر کو "کور"، گاؤں کو "شور" اور کالے کو "تور" اور دیگر کو "نور" کہتے ہیں۔" وہ ایسی ہی باتیں کرنے لگا تو سلطان بہلول ہنسنے لگا اور پھر بولا کہ "ملا قادن! بس کر۔ ہم سب خدا کے بندے ہیں۔"(9)

دل آزاری سے پرہیز:

سلطان کو کسی کی دل آزاری گوارا نہ تھی۔ ایک روز ایک مولوی سے ملاقات ہو گئی جس کا قد چھوٹا اور رنگ سرخ سفید تھا۔ سلطان نے مذاق سے اسے "چڈالوبیا" کہہ دیا۔ اس نے لوٹ کر کہا کہ تم اپنے ایمان کی تجدید کرو کیونکہ تم نے دو وجوہات سے کفر کی بات کی ہے۔ اول یہ کہ میں علماء و فضلاء کا شاگرد ہوں۔ دوسرے یہ کہ خدا نے جیسا مجھے پیدا کیا ہے تم نے اس پر تمسخر کیا ہے یعنی بنانے والے کی توہین کی۔ سلطان نے اسی وقت توبہ کی اور اس مولوی سے معافی مانگی۔ (10)

سلطان کا طرز زندگی بہت سادہ تھا۔ ایک روز استنجا کر رہا تھا کہ ملا تغلق نامی ایک شخص آ گیا۔ سلطان استنجا کے لیے جا رہا تھا۔ ملا سمجھا کہ مجھ سے بچ کر نکل رہا ہے۔ وہ جلدی سے سلطان کے پاس گیا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔ اس سے سلطان کا تہہ بند کھل گیا اور فوتے نظر آنے لگے۔ اس پر سلطان جلدی سے زمین پر بیٹھ گیا اور تہہ بند باندھ کر بولا کہ ملا کیا کرتے ہو۔ ملا نے کہا کہ میں اللہ کے کام سے آیا ہوں اور تو بچ کر جا رہا تھا۔ سلطان نے کہا کہ میں بھی نیک کام سے جا رہا تھا۔ ملا بولا کہ دین کے کام سے اچھا اور کیا کام ہے سلطان بولا کہ میں آتا ہوں اور جو کچھ تو کہے گا وہ کروں گا۔ ملا نے کہا کہ اس مستحق کو لایا ہوں اس کا کام کر۔ سلطان نے اسی وقت اس کی ضرورت پوری کر دی اور اس کے بعد استنجا کرنے گیا۔ (11)

مذہب کی پابندی:

سلطان مذہب کا بہت پابند تھا۔ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کیا کرتا تھا۔ اس کی جنگ کا طریقہ یہ تھا کہ جب مخالف کی فوج پر نظر پڑتی تو جلدی سے گھوڑے سے اتر

آتا اور استخارہ کرتا اور اسلام و مسلمانوں کی سربلندی کے لیے عاجزی ظاہر کرتا اور پھر سوار ہوتا تھا۔(12) تاریخ داؤدی میں ہے کہ سلطان بہلول ظاہر میں شریعت سے آراستہ تھا اور اس کی اتباع کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ احوال سلوک کے معاملے میں بھی شریعت کی پیروی کرنے کی کوشش کرتا اور شریعت کے خلاف کوئی کام نہ کرتا تھا۔(13) اس نے مرنے پر تیجے کی رسم کو ختم کرنے میں افغانوں کی مفلسی کے علاوہ اس رسم کے غیر شرعی ہونے کی بھی دلیل دی تھی۔(14)

علماء کی قدردانی:

وہ علماء اور فضلاء کا بڑا قدردان تھا۔ فرشتہ کہتا ہے کہ:

''سفر و حضر میں علماء اور مشائخ سے صحبت رکھتا تھا اور اکثر اوقات ان کے ساتھ رہتا تھا۔''(15)

واقعات مشتاقی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے:

''ہر وقت اکابر اور فضلاء کے ساتھ رہتا تھا۔ لوگوں کے حالات خود سنتا تھا اور جوابات دیا کرتا تھا۔ اپنی بادشاہت کے آغاز سے ہی نماز جمعہ کی مجلس وعظ سننے کے لیے جامعہ مسجد حاضر ہوتا تھا۔''(16)

صوفیاء سے عقیدت:

سلطان کو صوفیاء سے بڑی عقیدت تھی۔ اکثر درگاہوں پر جاتا۔ ایک بار سلطان حسین شرقی نے دہلی کا محاصرہ کیا تو ساری رات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ میں بیٹھا گریہ وزاری کرتا رہا۔(17) جب ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا کی خانقاہ کے سجادہ نشین شیخ یوسف کو لنگاہ قوم نے تخت سے اتار دیا تو وہ سلطان بہلول کے پاس دہلی آئے۔ سلطان نے شیخ یوسف اور ان کے قافلے کی بڑی مدارت کی بلکہ اپنی ایک بیٹی کی شادی بھی شیخ یوسف

کے بیٹے شیخ عبداللہ سے کردی۔ جب لنگاہ قوم میں خانہ جنگی ہوئی تو سلطان بہلول نے ملتان پر بھی فوج کشی کی۔ اگر چہ اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا مگر اس سے سہروردی سلسلے کے مشائخ اس کے قریب تر آ گئے۔ شیخ سماء الدین سہروردی سے سلطان کو بہت عقیدت تھی اور وہ اکثر ان کے پاس حاضری دیتا تھا۔ شیخ سماء الدین نے ہی احمد خان جلوانی کو سلطان بہلول سے غداری کرنے سے روکا تھا۔(18)

سلطان بہلول اور غیر مسلم:

غرض کہ سلطان بہلول کا کردار ایسا تھا کہ وہ تمام طبقات کو خوش رکھتا تھا۔ غیر مسلموں سے بھی اس نے کبھی تعصب نہ کیا۔ رائے کرن پرتاب کو ہمیشہ عزت دی۔ گوالیار اور دھولپور کے راجے بھی اس سے خوش تھے اور اسے خراج دیتے تھے۔ اس کے دور کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ جس میں ہندوؤں سے اس کے مذہبی تعصب کا اظہار ہو۔

عورتوں کا احترام اور ایفائے عہد:

عورتوں کا بھی وہ احترام کرتا تھا۔ جب اس کے دشمن سلطان حسین شرقی کی بی بی خونذا اس کی قید میں آئی تو سلطان بہلول نے پوری عزت اور احترام سے اسے واپس بھیج دیا۔(19) وہ ایک صلح پسند شخص بھی تھا۔ کئی علاقے اس نے صلح کے ذریعہ حاصل کیے۔ جبکہ کئی جنگ کے ذریعے حاصل کیے۔ وعدے کا پکا تھا جب بھی شرقی سلاطین سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوا تو معاہدے کی مدت میں اس نے کبھی خلاف ورزی نہیں کی۔ اس کی صلح پسندی اس سے بھی ظاہر ہے کہ اکثر سلطان حسین شرقی نے اس پر فوج کشی کی۔ سلطان بہلول نے تب جونپور پر حملہ کیا جب پانی سر سے گزر گیا۔

فرشتہ نے درج ذیل الفاظ میں اس کے کردار کی وضاحت کی ہے:

''اس کی ظاہری خوبیاں ناقابل بیان ہیں۔ مذہب اور شرع کا بہت پابند تھا۔ زیادہ تر سفر سیاحت میں فقراء اور درویش صفت لوگوں کی خدمت میں رہتا اور انہی کی صحبت میں زندگی گزارتا۔ اپنے افغان بھائیوں سے بہت اچھا برتاؤ کرتا تھا اور ان افغانی امراء کے سامنے کبھی تخت پر جلوہ افروز نہ ہوتا بلکہ مساوات کے قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے انہی کے ساتھ ہمیشہ فرش پر جلوہ نشیں ہوتا۔ دہلی فتح کر کے سابق بادشاہوں کی جو ملکیت اور خزانہ ہاتھ آیا وہ تمام افغانی امراء میں برابر تقسیم کیا اور خود بھی ایک ہی حصہ اپنے لیے رکھا اپنے گھر میں کبھی کھانا نہ کھاتا۔ طویلہ خاص کے شاہی گھوڑوں پر کبھی سواری نہیں کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ میرے لیے صرف سلطنت کا نام ہی کافی ہے۔ مغل سپاہ کی بہادری پر بڑا اعتماد تھا یہی وجہ تھی کہ مغل شہزادوں، بادشاہوں اور سپاہیوں کی تعداد تقریباً بیس ہزار ہوگئی تھی جہاں کہیں کسی مقام کے لیے سن لیتا کہ یہاں پر کوئی بہادر نوجوان موجود ہے اس کو فوراً بلاتا اور حسن سلوک سے پیش آتا۔ یہ بادشاہ بہت زیادہ عقلمند دلیر شجاع تھا۔ آئین جہانداری اور حکومت کے امور میں اس کو ملکہ حاصل تھا کبھی جلد بازی سے کام نہیں لیتا تھا ہمیشہ رعایا پروری اور عدل و انصاف میں اپنی زندگی گزاری۔''(20)

سلطان بہلول اور تیز اندازی و کمان گری:

اغلب امکان یہ ہے کہ سلطان بہلول کا خانوادہ تجارت کے ساتھ ساتھ فنون حرب کی تیاری سے بھی وابستہ رہا ہوگا۔ سلطان بہلول کی پیدائش ملتان کے محلہ ''کمان گراں'' (کمان بنانے والے) میں بیان کی جاتی ہے۔(21) اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کے گھر کے بعض لوگ اس پیشے سے وابستہ تھے۔ اس کا چچازاد بھائی قطب خان لودھی اور ایک اور رشتہ دار سکندر شاہ بھی تیراندازی میں زبردست ماہر تھے۔(22) سلطان بہلول کے

گھرانے میں بچے بھی تیر کمان لیے پھرتے تھے۔(23) چنانچہ شہزادہ نظام خان کا درج ذیل واقعہ تاریخ شاہی میں درج ہے:

"جب شہزادہ ابھی پانچ برس کا تھا، ایک روز تیر کمان لیے بادشاہ کے سامنے سے گزرا۔ سلطان نے اسے بلایا اور اپنے دل میں سوچا کہ مجھے رانا کی مہم درپیش ہے کیوں نہ بیٹے کے تیر سے فال نکالوں؟ اگر اس کا تیر نشانے پر بیٹھتا ہے تو مجھے فتح کی امید رکھنی چاہیے۔ فرمایا: "نظام آؤ اور اس پھول پر جو پودے پر نمایاں ہے، تیر چلاؤ"۔ شہزادے نے برجیس کی طرح کمان سنبھالی اور اس پھول کو نوک پیکاں سے اس طرح اڑا دیا کہ پودا ہلا تک نہیں۔ سلطان بے حد خوش ہوا اور شاہی باغ کے اس نونہال کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے سہرند کی سرکار (بھی) اس کو بخش دی کہ مبارک جگہ ہے۔"

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ سلطان بہلول کے خاندان سے تیر اندازی اور کمان گری کے شعبے کا تعلق بہت شروع سے تھا۔

حواشی

(1) واقعات مشتاقی ص 9۔

(2) ایضاً: مخزن (اردو) ص 137، فرشتہ ص 393۔

(3) واقعات مشتاقی ص 9

(4) مخزن (اردو) ص۔ 152

(5) واقعات مشتاقی ص 10-9

(6) ایضاً ص 10

(7) ایضاً

(8) ایضاً

(9) ایضاً ص10-11

(10) ایضاً ص11

(11) ایضاً

(12) ایضاً

(13) تاریخ داؤدی ص10

(14) واقعات مشتاقی ص9

(15) تاریخ فرشتہ ص393

(16) واقعات مشتاقی ص10

(17) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات اور پروفیسر خلیق احمد نظامی ص5-444

(18) ایضاً ص6-445

(19) واقعات مشتاقی ص14

(20) تاریخ فرشتہ ص393

(21) اے حلیم ص4

(22) تاریخ داؤدی ص13 اور 15: مخزن ص139

(23) تاریخ شاہی ص21-22

باب نمبر 12

سلطان بہلول کا نظام حکومت

مرکزی نظام حکومت

بادشاہ:

بہلول لودھی کے دور میں بادشاہ کی حیثیت ایک بڑے سردار کی سی تھی۔ بہلول کو بادشاہ کی جگہ "مسند عالی" کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔ وہ تخت پر نہیں بیٹھتا تھا اور نہ ہی اس کے درباری اس کے آگے کھڑے ہوئے تھے بلکہ وہ سب قالین پر بیٹھتے تھے۔(1) اس کی بادشاہت، قبائلی ماحول کے زیر اثر تھی۔ گو کہ ہندوستان میں وہ بادشاہ تھا لیکن اپنے گروہ کے اندر سردار اعلیٰ سے زیادہ نہیں تھا۔ وہ خود کو مصر کے خلیفے کا نائب کہلاتا تھا اور اس ضمن میں وہ سابقہ سلاطین کی پیروی کرتا تھا۔(2) گویا وہ اپنے اقتدار کو شرعی حیثیت دیا کرتا تھا۔ قبائلی سردار اعلیٰ کا یہ تصور ترکوں کے تصور بادشاہت سے یکسر مختلف تھا۔ اس طرز بادشاہت سے بہلول نے ہندوستان میں اپنے قدم مضبوط کر لیے تھے۔(3)

شاہی مجلس:

یہ مجلس دراصل امراء اور درباریوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ سلطان بہلول کے اہم امراء کی تعداد تقریباً 34 تھی۔(4) یہ امراء زیادہ تر اس کے اپنے قبیلے یا پھر دیگر قریبی قبیلوں سے

تعلق رکھتے تھے۔اس کی تفصیلی وضاحت ہم نے عصبیت کے باب میں کردی ہے۔البتہ ان امراء کو صرف مشورہ دینے کا اختیار تھا۔اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔بہلول ان کی رائے لے کر قدم اٹھایا کرتا تھا۔لیکن امراء کے پاس عہدے وغیرہ نہ تھے نہ ان کو شعبہ جات سپرد دیئے گئے تھے۔یوں یہ مجلس کابینہ نہیں تھی بلکہ صرف مشورہ جاتی کونسل تھی۔سلطان بہلول کی وفات کے بعد اسی مجلس نے سلطان سکندر کو تخت نشین کیا تھا۔یوں اسے بادشاہ کو منتخب کرنے کا اختیار تھا۔لیکن ایک بار جب بادشاہ منتخب ہو جاتا تو اسے ہٹایا نہیں جاسکتا تھا۔(5)

وکیل یا نائب:

بادشاہ کا سب سے قابل اعتماد اور خاص شخص اس کا نائب ہوتا تھا۔لیکن ضروری نہیں کہ وہ ولی عہد ہی ہو۔بہلول نے سب سے پہلے 1457ء میں ملتان روانگی پر شہزادہ بایزید کو دہلی میں اپنا نائب بنایا تھا۔(6) ایک اور موقع پر اس نے قطب خان لودھی اور خان جہان لودھی اول کو اپنا نائب مقرر کیا۔(7)

بادشاہ کی عدم موجودگی میں نائب بادشاہ کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔

عہدیداران مرکزی حکومت

اگرچہ بہلول کا طرز حکومت قبائلی تھا لیکن ہندوستان کے شہری ماحول میں غیر قبائلی شعبہ جات قائم رکھنا اس کی مجبوری تھی۔اس کو یہ ادارے اپنے پیش روؤں سے جانشینی میں ملے تھے۔ان اداروں اور ان کے عہدیداروں کی تفصیل یوں ہے:

(1) وزیر اعظم

(2) بخشی ممالک یا عریض لشکر ممالیک۔اس کے ذمہ فوجی معاملات تھے۔

(3) سپہ سالار افواج

(4) دبیر یا شعبہ مراسلات کا سربراہ

(5) میر عدل یا چیف جسٹس

(6) صدر یا شرعی معاملات کا سربراہ عدلیہ

(7) حاجب

(8) کوتوال یا شحنہ

(9) محتسب

(10) داروغہ ڈاک چوکی

(11) امیر کوہی یا شعبہ زراعت و آبپاشی کا سربراہ

(12) قاضی اعلیٰ (شریعت کے حوالے سے)

(13) میر شکار

(14) میر امارات (شاہی عمارات کا نگران)

(15) میر بحر (دریائی جہاز رانی کا سربراہ)

(16) خاصہ خیل (بادشاہ کے سوار دستے کا سربراہ)

(17) وکیل دار (شاہی محل کا نگران)

(18) سلح دار (مسلح دستے کا سربراہ)

(19) سر جندائی (بادشاہ کے محافظ دستے کا سربراہ)

(20) سر پردہ (حرم کا نگران)

(21) اخور بیگ یا میر اخور (شاہی Stables کا سربراہ)

(22) شحنۂ فیل (ہاتھیوں کا نگران)

(23) بار بک (Grand Usher)

(24) کتاب دار (لائبریرین)

(25) دوات دار (وہ شخص جو ہر وقت بادشاہ کے پاس کاغذ قلم لیے کھڑا رہتا تھا)

(26) قرآن خوان

(27) منجم (8)

وزیر اور اس کے فرائض

سلطان کے ابتدائی دور میں اس کا وزیر کوئی نہ تھا لیکن بعد ازاں عمر خان شیروانی اس کا مختار یا وزیر تھا۔ سلاطین لودھی وزراء کے معاملے میں بہت محتاط تھے کیونکہ وہ سادات دور میں وزراء کے بادشاہوں پر غلبہ کا اندازہ کر چکے تھے اور حمید خان و حسام خان وزراء بادشاہوں پر غالب تھے۔ بہلول دور میں وزیر بادشاہ کی مجلس مشورہ کا اہم رکن ہوتا تھا اور تمام سیاسی و انتظامی امور کی نگرانی کرتا تھا۔ خصوصاً شاہی خزانوں کو چیک کرتا اور مالیہ وصولی پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ وہ شاہی فرمانوں پر مہر بھی ثبت کیا کرتا تھا۔ (9)

سپہ سالار:

سلطان بہلول کی فوج کا سپہ سالار، خان جہاں لودھی تھا۔ البتہ یہ فرائض بادشاہ خود بھی سرانجام دے سکتا تھا۔ (10)

عدلیہ

سب سے بڑی عدالت ''عدالت عالیہ'' تھی جسے دار العدل بھی کہتے تھے۔ اس کا سربراہ میر عدل کہلاتا تھا۔ سلطان بہلول نے جس سال تخت سنبھالا اسی سال اس عہدے کا آغاز ہوا۔ اس سال میر عدل، عماد الملک تھا۔ عماد الملک ہی عریض الملک کے عہدے پر بھی فائز تھا۔ (11)

صوبائی نظام حکومت

سرکار:

لودھیوں کے دور میں صوبوں کا تصور نہ تھا بلکہ سرکار کا نظام تھا۔ سرکار کی حیثیت برطانوی دور کی کمشنری کی سی تھی۔ کچھ سرکاریں ملا کر ایک ولایت کہلاتی تھیں۔ یہ ولایت صوبے کے درجے کی تھی لیکن ولایت کا تصور کمزور تھا اور کسی بھی ولایت پر کبھی کوئی حاکم مقرر نہ کیا گیا سرکار پر حاکم مقرر کیا جاتا تھا۔ ایک سرکار میں کئی پرگنے ہوتے تھے۔ ان کے حکام بھی ہوتے تھے۔

بہلول لودھی کے دور میں درج ذیل سرکاریں تھیں:

(1) سرہند (2) حصار فیروزہ (3) دہلی و میان دوآبہ (4) بیانہ

(5) کول (6) اٹاوہ (7) شتلج سرکار (معہ لاہور، بھیرہ، سیالکوٹ، دیپالپور)

(8) کالپی (9) قنوج (10) سنبھل (11) لکھنؤ و بکسر

(12) بھڑائچ (13) جونپور (14) کڑہ اور مانک پور چندیری میوات

سکیت (12)

نائب

سرکار کا حاکم "نائب" کہلاتا تھا جو دراصل "نائب السلطان" کا مخفف ہے۔ بہلول کے دور میں تقریباً تمام سرکاروں کے نائب سرکردہ افغان امرا اور سردار تھے۔ جو اپنے پاس اپنی افواج رکھتے تھے۔ ہر نائب کے ذمہ اپنی سرکار کے جملہ امور ہوتے تھے۔ اس کا اہم فرض بادشاہ کے فرامین لاگو کرنا، فوج مہیا کرنا اور سلطان کو بوقت ضرورت فوج فراہم

کرتا تھا۔ اس کے علاوہ قاضیوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت بھی کرتا تھا۔ مالیہ وصولی وغیرہ کا بھی جائزہ لیتا تھا۔ اسے مالیہ وصول کرنے کا حق تھا مگر اس کی مقدار میں کمی بیشی کا حق نہیں تھا۔(13)

دیوان اور خزانہ

ہر سرکار میں ایک دیوان ہوتا تھا۔ جو براہ راست مرکز کی جانب سے مقرر ہوتا تھا اور نائب کا اس پر کوئی اختیار نہ تھا۔ دیوان سرکار کے تمام اخراجات اور آمدنیوں کا حساب کتاب رکھا کرتا تھا۔ وہ براہ راست بادشاہ کا ملازم ہوتا تھا۔(14)

دیگر عہدیداران

ایک سرکار میں دیگر کئی عہدیداران بھی ہوتے تھے۔ ان میں بخشی (فوج کی تنخواہ دینے والا) قاضی (فوجداری معاملات کا جج) کوتوال (شہری پولیس کا سربراہ)، محتسب (عوامی اخلاق کا جائزہ لینے والا اور قیمتوں پر نظر رکھنے والا) قابل ذکر ہیں۔(15)

پرگنہ اور اس کا نظام

شقدار:

سلطان بہلول نے پرگنے کی حکومت کا نظام شروع کیا تھا اور سکندر لودھی کے دور میں یہ مضبوط ہو گیا تھا۔ ایک پرگنے میں کئی دیہات ہوتے تھے۔ پرگنے کا حاکم شق دار کہلاتا تھا۔ وہ اس علاقے کا انتظامی سربراہ تھا۔ اور علاقائی فوج کا سربراہ بھی تھا۔ یوں اپنے محدود علاقے کا وہ گورنر ہوتا تھا۔ پرگنہ کی پولیس بھی اس کے ماتحت ہوتی تھی اور اس کا کام امن و امان قائم کرنا، زراعت کو فروغ دینا اور مالیہ وصول کرنا تھا۔(16)

پرگنہ نظام کے دیگر عہدیدار:

ایک پرگنہ کے اندر دیگر کئی عہدیدار ہوتے تھے۔ ان میں ایک عامل کہلاتا تھا براہ راست مرکزی حکومت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا کام مالیہ اکٹھا کرنا ہوتا تھا۔ فوتہ دار یا خزانچی، خزانے کا سربراہ ہوتا تھا جو پرگنہ کے خزانے کی نگرانی کرتا تھا۔ ایک داروغہ ہوتا تھا۔ جو پرگنے کے خزانے کی حفاظت کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر پرگنے میں کارکن (کلرک)، امین، قانون گو، منصف، تھانیدار اور پٹواری ہوتے تھے۔ ہر پرگنے میں اپنا ایک قاضی بھی ہوتا تھا۔ (17)

دیہاتی نظام:

دیہاتوں کا نظام آزاد تھا۔ بہلول نے اس کو بالکل نہیں چھیڑا۔ دیہاتوں میں پنچائتیں ہوتی تھیں۔ یہ ذات پات کے نظام کے تحت چلتی تھیں اور چھوٹے مقدمات کے فیصلے کرتی تھیں۔ دور دراز کے علاقوں میں لوگ قاضی کی عدالت میں آنے کی جگہ پنچائتوں میں ہی اپنے فیصلے نمٹا لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ زمینداروں کی بھی عدالتیں ہوتی تھیں جن کی حیثیت شخصی عدالت کی ہوتی تھی۔ وہ اپنے مزارعوں کے تنازعات کا فیصلہ کیا کرتا تھا۔ (18

نظام پولیس

کوتوال

پولیس کا سربراہ کوتوال تھا۔ اسے عدالتوں میں موجود ہونے کا حق تھا۔ اس کا اصل کام امن و امان قائم کرنا اور جرائم کی روک تھام کرنا تھا۔ قانون کا نفاذ بھی اسی کی ذمہ داری تھی۔ سیاسی اور غیر سیاسی قیدی بھی اسی کی قید میں ہوتے تھے۔ کوتوال کا دفتر کوتوالی کہلاتا

تھا۔(19) کوتوال کی حدود واختیارات شہر تک محدود تھے۔

تھانیدار

چھوٹے شہروں اور قصبوں میں تھانے قائم تھے جن کا سربراہ تھانیدار کہلاتا تھا۔ ہر تھانیدار پرگنے کے شق دار کے ماتحت ہوتا تھا۔اس کے فرائض اپنی حدود میں وہی ہوتے تھے جو کوتوال کے شہر میں (20)

خطرناک علاقہ

جو علاقے سیاسی یا انتظامی طور پر خطرناک تھے اور ہر وقت وہاں پر بدامنی رہتی تھی،وہ علاقے پٹھان سرداروں کو دے دیے گئے تھے جو اپنی فوج کے ساتھ وہاں کی بغاوتوں کو دباتے تھے اور امن وامان قائم کرتے تھے۔یہاں وہ حاکم اور تھانیدار دونوں کے اختیارات استعمال کر سکتے تھے۔دوآبہ کی جاگیر شیروانی امراء کو دی گئی تھی جہاں آج تک انکی اولادیں آباد ہیں۔(21)

فوجی نظام

سلطان بہلول کے دور میں فوج کی دو اقسام تھیں۔اول باقاعدہ فوج دوم بے قاعدہ فوج

باقاعدہ فوج

باقاعدہ فوج سلطان کے ماتحت تھی۔اس کا سربراہ سپہ سالار ہوتا تھا۔لیکن فوج کی بھرتی کا کام بخشی الممالیک کے سپرد تھا جس کی حیثیت وزیر جنگ کی تھی۔وہ فوج کو تنخواہیں بھی دیتا تھا۔باقاعدہ فوج میں ہاتھی،سوار،پیادے،بندوق بردار،توپچی ہوتے تھے۔بخشی الممالیک ہی دوران جنگ سپہ سالار کے فرائض بھی سرانجام دیتا تھا۔سلطان بہلول کا بخشی

الممالیک اور سپہ سالار خان جہان لودھی تھا۔ بخشی الممالیک کو امیر الامراء بھی کہتے تھے۔ (22)

دس سپاہیوں کا سربراہ میر داہہ کہلاتا تھا۔ 100 سپاہیوں کا سربراہ صداہ اور ہزار سپاہیوں کا سربراہ ہزاری کہلاتا تھا۔ بہلول کے چچا اسلام خان کی فوج کی تعداد بارہ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ سلطان ابراہیم لودھی ایک لاکھ فوج لے کر پانی پت کے میدان میں گیا تھا۔ سلطان بہلول کے پاس سلطان محمود شرقی کے مقابلے کے لیے تقریباً 25 ہزار فوج تھی۔ (23)

بے قاعدہ فوج

بے قاعدہ فوج وہ ہوتی تھی جو مختلف جاگیرداروں اور امراء بھرتی کیا کرتے تھے۔ یہ فوج عموماً مقامی گورنر بھرتی کرتے تھے۔ جب جنگ ہوتی تھی تو وہ اپنی فوج لے کر سلطان سے مل جاتے تھے۔ ان کی فوجوں کی تعداد مختلف ہوتی تھی۔ ان فوجوں کو تنخواہ سرکار کے خزانوں سے ملتی تھی۔ جنگ سے فوراً پہلے فوج بھرتی کی جاتی تھی۔ جنگ میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس میں سے ہر سپاہی کو حصہ ملتا تھا۔ جنگ کے فوراً بعد بے قاعدہ فوج ختم کردی جاتی تھی۔ کیونکہ اگر ان کو باقاعدہ افواج بھرتی کرنے کی اجازت دی جاتی تو ان کی جانب سے بغاوتوں کا خدشہ بھی ہوتا تھا۔ (24)

فوج کے حصے

فوج کے پانچ روایتی حصے تھے۔

(1) ہراول جو سب سے آگے ہوتا تھا۔

(2) میمنہ جو دائیں جانب ہوتا تھا۔

(3) میسرہ جو بائیں جانب ہوتا تھا۔

(4) قلب جو بیچ میں ہوتا تھا۔ اس میں عموماً بادشاہ خود موجود ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ شاہی حرم بھی اس میں رکھی جاتی تھیں۔

(5) عقب جو پیچھے رہ کر فوج کی حفاظت کرتا تھا۔ (25)

متحرک دستے:

جنگ کے دوران ہاتھی سب سے زیادہ متحرک ہوتے تھے۔ اس کے بعد سواروں کی کارکردگی تھی۔ توپ خانہ ان دنوں کافی کمزور تھا لیکن اس کا استعمال بھی ہوتا تھا۔ تیر انداز بہت اہم حصہ ہوتے تھے جن کی مہارت قابل تعریف ہوتی تھی۔ پوری فوج کی کمان سپہ سالار یا سلطان کرتا تھا جو قلب میں ہوتا تھا۔ اکثر اوقات اس پر حملہ کیا جاتا تھا اور اگر وہ مارا جاتا یا گرفتار یا زخمی ہو جاتا تو پوری فوج میں بددلی پھیل جاتی اور جنگ کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔ (26)

پٹھان فوجی:

فوج میں کثرت سے پٹھان تھے۔ جو مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی بہلول کی فوج کا اہم جز تھے۔ اس کے علاوہ بڑی تعداد میں مغل بھی سپاہیوں کے طور پر بھرتی تھے۔ اعلیٰ فوجی عہدے عموماً افغانوں کو دیے جاتے تھے۔ (27)

شب خون:

جنگ عموماً دن میں ہوتی تھی اور رات کو فوجیں الگ الگ ہو جاتی تھیں۔ البتہ شب خون مارنے کا رواج تھا اور شب خون میں دشمن کو کافی نقصان پہنچایا جاتا تھا۔ (28)

قیدی:

جنگی قیدیوں کو کوتوال کے سپرد کر دیا جاتا تھا یا پھر کوئی بااثر امیر یا شخص اپنے قید خانے

میں رکھتا تھا۔ وکیل یا سفیر کو قید نہیں کیا جاتا تھا۔ جب سلطان حسین شرقی نے قطب خان کو قید کرنا پایا تو اسے پکڑا نہیں کیونکہ وہ اس کے کیمپ میں بطور سفیر آیا تھا۔ بلکہ اس نے اس کے ساتھیوں کو اس سے دور کر دیا تھا۔(29) پہلی بار جب قطب خان جنگ میں گرفتار ہوا تو سلطان حسین شرقی کی ماں بی بی راجی نے اسے اپنی پناہ میں رکھا۔(30)

جنگ اور عورتیں:

افغان عورتیں بھی جنگ اور حکومت میں اپنا کردار ادا کرتی تھیں ۔ گو کہ مردوں کے مقابلے میں ان کا کردار تاریخ میں بہت محدود تھا۔ دہلی کے پہلے محاصرے پر اسلام خان لودھی کی بیوہ بی بی مستو نے قلعہ کا جنگی انتظام سنبھالا۔ اس نے افغان عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر قلعے کے اوپر تعینات کیا تھا۔ جنگ نریلہ میں بہلول کی فتح کے بعد دہلی میں نقارہ فتح اسی نے بجوایا تھا۔(31) بہلول کی بیوی شمس خاتون بھی سلطان بہلول پر اثر انداز ہوتی تھی۔ ایک بار اس کے طعنے پر سلطان بہلول جونپور جنگ کے لیے لوٹ گیا تھا۔(32) افغان عورتوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ جب سلطان حسین شرقی کی بیوی بی بی ملکہ جہاں قید ہو کر آئی تو سلطان بہلول نے فوراً پورے عزت واحترام سے اسے واپس بھیج دیا۔(33)

طریقہ کوچ:

افسانہ شاہان میں سلطان بہلول کی پیش قدمی کا طریقہ یوں درج ہے:

"سلطان بہلول کا طریقہ یوں تھا کہ وہ ہمیشہ چار کروہ تک مارچ کرتا اور چند خیمے آگے دو کروہ پر لگا دیتا تھا جب روانہ ہوتا تو پہلے آتا اور ان خیموں میں دن کے دو گھڑی گزارتا اور پھر شکار کرنے والے ڈیروں پر چلے جاتے۔ ایک روز پانی کی کمی کی وجہ سے آٹھ کروہ پر ڈیرہ کیا گیا اور چار کروہ پر پہلا خیمہ لگایا گیا۔ لیکن سلطان کو

خبر نہ ہوئی۔ جب سلطان روانہ ہوا تو دیکھا کہ پہلا خیمہ چار کروہ پر ہے۔ پس اس روز اول خیمے کے اندر نہیں آیا......ایک بڑا (کلوخی) لے کر اپنے سر کے نیچے کیا اور خیمے سے باہر ہی گرمی میں سو گیا۔ جب نزدیک آنے والے دیکھتے کہ گرمی میں خاک پر سوتا ہے تو پوچھتے کہ بادشاہ نے اس طرح سے سفر کو لمبا کیوں کر دیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بادشاہ نے پانی کی کمی کی وجہ سے سفر لمبا کیا ہے۔ جب اس نے یہ بات سنی تو بہت دلگیر ہوا اور کہا کہ "خدا بہتر کرے کہ ان لوگوں (فوج والوں) نے بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ ان کو چاہیے تھا کہ ٹھہر جاتے اور دف بجا کر اعلان کرتے کہ لوگ پانی کا انتظام کر کے چلیں۔ اب چاہیے کہ بارہ ہزار روپیہ خیرات کریں۔" (34)

سلطان کی جنگی صلاحیت:

واقعات مشتاقی میں بھی اس کی جنگی صلاحیت کی تعریف کی گئی ہے:

"اس تاریخ سے جب سے کہ اس نے تخت سلطنت پر قدم رکھا ہے کوئی مخالف یا دشمن اس پر غالب نہیں آیا اور اسے فتح نہیں ملی۔ اور بادشاہی سے پہلے بھی اس نے کسی معرکے میں منہ نہیں پھیرا۔ یا تو فتح حاصل کی یا پھر زخمی ہو کر میدان میں جما رہا۔ یا پھر جنگ سے قبل ہی کنارہ کش ہو گیا۔ یہ اس کی بادشاہی کا طریقہ تھا۔" (35)

maablib.org

حواشی

(1) واقعات مشتاقی ص10۔
(2) Lodhi Sultans of Delhi and Agra از اے حلیم ص213
(3) ایضاً ص3-212
(4) تاریخ فرشتہ ص387
(5) اے حلیم، مذکورہ بالا ص۔6-215
(6) مخزن (اردو) ص138: طبقات اکبری جلد اول ص435
(7) مخزن (اردو) ص147
(8) اے حلیم ص8-217
(9) ایضاً ص220-218
(10) مخزن (اردو) ص141
(11) اے حلیم ص224
(12) اے حلیم ص4-232
(13) ایضاً ص235
(14) ایضاً ص235
(15) ایضاً ص236
(16) ایضاً ص7-236
(17) ایضاً ص237
(18) ایضاً ص9-238
(19) ایضاً ص239
(20) ایضاً239
(22) ایضاً ص240
(23) مخزن ص138
(24) اے حلیم ص3-241

(25) ایضاً

(26) ایضاً ص 4-243

(27) ایضاً: مخزن (اردو) ص 138: تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 393: واقعات مشتاقی ص 35

(28) مخزن ص 144,142

(29) افسانہ شاہان ص 31-30

(30) مخزن ص 4-143

(31) واقعات مشتاقی ص 8-7

(32) مخزن (اردو) ص 143 : تاریخ داؤدی ص 17

(33) مخزن ص 150-149 : واقعات مشتاقی ص 14

(34) افسانہ شاہان ص 34

(35) واقعات مشتاقی ص 35

maablib.org

باب نمبر 13

سلطان بہلول کے آثار

عہدِ بہلول کے سکہ جات:

ایڈورڈس تھامس نے اپنی کتاب The Chronicles of the Pathan Kings of Delhi میں سلطان بہلول کے عہد کہ سکہ جات کا ذکر کیا ہے۔ یہ سکے چاندی اور تانبے کے تھے۔ انہیں بہلولی کہتے تھے۔ اس کے 144.4 گرام کے چاندی کے سکوں کے ایک جانب یوں درج تھا (یہ سکے 858 سے 895ھ تک کے ڈھالے ہوئے تھے)۔

المتوکل علی
الرحمٰن بہلول
شاہ سلطان
بحضرت دہلی

اور عقب پر یوں درج تھا:

فی زمن
امیر المومنین
خلدت خلافتہ

جبکہ 52 گرام کے چاندی اور تانبے کے مخلوط سکوں کے آگے یوں درج تھا:

بہلول شاہ سلطان حضرت دہلی

اس کے عقب پر یوں درج تھا:

الخلیفہ امیر المومنین خلدت خلافتہ

71 گرام کے چو سکے تانبے کے ڈھالے ہوئے تھے ان کے 855ھ سے 888ھ تک کے نمونے ملے ہیں۔ان پر یوں درج ہے:

سامنے: بہلول شاہ سلطان

عقب: دارالملک دہلی

تانبے کے 67 گرام کے سکوں پر یوں درج ہے:

سامنے: بہلول شاہ سلطان

عقب: الخلیفہ دارالملک دہلی 886

تانبے کے 140 گرام کے 877ھ اور 878ھ کے سکوں پر یوں درج ہے۔

سامنے: بہلول شاہ (حاشیہ پر: السلطان)

عقب: نائب امیر المومنین 877ھ

تعجب کی بات ہے کہ 895ھ میں بھی سلطان بہلول کے نام کا سکہ ڈھلا تھا۔حالانکہ وہ 894ھ میں فوت ہو گیا تھا اور سکندر لودھی حکمران تھا۔

سلطان بہلول لودھی کے دور میں اس کے بیٹے باربک شاہ نے جو جونپور میں اس کی جانب سے حاکم / گورنر تھا، بحیثیت نائب اپنے نام کے سکے جاری کیے تھے۔اس کے دو سکے 892ھ اور 894ھ کے دستیاب ہوئے ہیں جو چاندی اور تانبے کے امتزاج سے بنے ہیں۔ان کا وزن 120 گرام ہے۔

اس کے سامنے یوں درج ہے:

بار بکشاہ

سلطان

عقب پر یوں درج ہے:

نائب

امیرالمومنین

بشہر جونپور

۸۹۲

عہد بہلول کے کتبات

سلطان بہلول لودھی کے دور کے ہمیں صرف دو کتبات ملے ہیں۔ان دونوں کا تعلق اعظم ہمایوں احمد خان لودھی ہے۔ان کتبوں سے اس سردار کی خودمختاری کا اندازہ ہوتا ہے۔

(1) پہلا کتبہ بدایوں میں مشہور "گنبد راپڑ" پر درج ہے۔رضی الدین بسمل تحریر کرتے ہیں کہ اس میں صرف اتنا پڑھا جا سکتا ہے کہ:

"درعہد دولت خان احمد زمان دولت ہمایوں اعظم خود بنا ساخت"

ترجمہ: "دولت خان احمد زمان دولت ہمایوں اعظم نے اپنے دور میں خود اس کی بنیاد رکھی گئی۔"

اس سے ظاہر ہے کہ سلطان بہلول لودھی کے دور میں اس کے نبیرہ ہمایوں اعظم ابن خواجہ بایزید ابن سلطان بہلول لودھی نے یہ گنبد تعمیر کرایا تھا۔ڈاکٹر فیوہرر نے اسے غلطی سے دولت خان کا مقبرہ تحریر کر دیا ہے۔(2) کہتے ہیں کہ اس مقبرہ کی تعمیر کے بعد ہمایوں اعظم یہیں پر دفن ہوا۔

(2) دوسرا کتبہ مقبرہ عمادالملک کے گنبد پر درج ہے۔یہ گنبد راپڑ سے تقریباً پانچ سو قدم

کے فاصلے پر ہے۔اس مقبرہ پر سرخ پتھر پر یوں درج ہے:

"بنا این گنبد مقبرہ متبرک ملک اعظم ہمایوں خان احمد خان الملک عماد الدین نمود سن باقی الثانی من ذی الحج۔"

جبکہ سفید پتھر پر یوں درج ہے:

"عماد الملک در عہد دولت الہبد اعلیٰ
دام عما لوبابت ملک عمادا
سبع سبعین و ثمانیہ بود
سنہ اثنی و ثمانین مانہ و تمامہ

عماد الملک لودھی سلاطین کے دور میں فوج کا سپہ سالار تھا اور اس کا بھائی احمد خان تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ڈاکٹر فیوہرر نے اسے غلطی سے سلطان علاء الدین شاہ عالم کا مقبرہ درج کر دیا ہے جو غلط ہے۔(2)

حواشی

(1) The Chronicles of the Pathan kings of Delhi ص 357-61

(2) کنز التاریخ از رضی الدین بسمل ص 58

(3) ایضاً ص 59-60

maablib.org

باب نمبر 14۔ سلطان سکندر کا

پس منظر

تعارف:

سلطان سکندر لودھی کی شخصیت اب تک تاریخ کے دھندلکوں میں چھپی رہی ہے۔ مغل دور میں اکبر بادشاہ کو اس قدر اچھالا گیا کہ ہمیں اس کے مقابلے کا دیگر کوئی بادشاہ نظر ہی نہیں آتا۔ لیکن جب خود مغل تواریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سکندر لودھی کا دور مسلم ہند کی تاریخ کا عہد زرین تھا۔ اس دور میں سلطنت دہلی کو بہت استحکام ہوا اور یہ بنگال کی حدود تک وسیع ہو گئی۔ اس دور میں افغان امراء کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ سونے کی لاکھوں اشرفیاں ہدیہ کر دیا کرتے تھے۔ فوجی سپاہ کئی لاکھ پر مشتمل تھی۔ سلطان سکندر نے سڑکوں کا انتظام بہتر کیا۔ مسافروں کے لیے سرائے تیار کروائیں۔ آگرہ شہر کی بنیاد اسی نے رکھی۔ آگرہ سے دھول پور تک جا بجا محل اور عمارات تعمیر کیں۔ وہ ایک با حوصلہ اور باہمت بادشاہ تھا۔ جو بھی قدم اٹھاتا امراء کے مشورے سے لیکن فوراً اٹھاتا تھا۔ امراء کے ساتھ برادرانہ سلوک کرتا تھا۔ اس کے دور میں عام سپاہی بھی خوشحالی سے زندگی گزارتا تھا۔ بادشاہ نے کئی بدعات کا خاتمہ کیا۔ اس کی فہم و فراست کئی مورخین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے دور میں علم و ادب کو بہت فروغ ملا۔ علماء و مشائخ کی بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔ اگرچہ غیر مسلموں کی جانب وہ ذرا متعصب تھا مگر اتنا بھی نہیں جتنا بڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ نیز عدل و انصاف میں کوئی تعصب نہ کرتا تھا۔ اپنے مذہب پر سختی سے قائم تھا لیکن اسی کے دور میں بھگتی کی تحریک کو دو

حاصل ہوا اور ہندوؤں مسلمانوں کا اختراج ایک نئے تمدن کو سامنے لایا۔ یہ اس بھگتی تحریک کا ہی اثر تھا کہ اکبر بادشاہ کے ذہن میں "دین الٰہی" کا خیال پیدا ہوا۔ سیاسی، معاشی، مذہبی، معاشرتی غرض ہر حوالے سے سکندر لودھی کے عہد کا مطالعہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔

سکندر لودھی افغان قبائلی حکمرانوں کی دوسری پشت سے تھا۔ اس کا باپ سلطان بہلول جو پہلی پشت سے تعلق رکھتا تھا وہ ایک خالص قبائلی شخص تھا۔ اس کے بارے میں ہم نے ایک الگ کتاب میں تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ لیکن یہاں پر ہم ان دونوں بادشاہوں کے عہد کے تمدنی حالات بالخصوص افغانوں میں تمدنی حالات کی تفریق کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ ہمیں سے سمجھنے میں آسانی ہو کہ سلطان سکندر کے دور کے تمدنی حالات سلطان بہلول کے حالات سے کس طرح مختلف تھے۔

بہلول لودھی	سکندر لودھی
(1) افغانوں کی معاشی حالت مخدوش تھی	(1) ہر افغان صاحب حیثیت ہو گیا۔ اسے جاگیر دی جاتی۔ ہر سپاہی کے پاس جاگیر میں کوئی گاؤں یا رقبہ ہوتا۔
(2) افغان سرداروں کے پاس بھی زیادہ پیسہ نہ تھا۔ انہیں جدوجہد کر کے اور خود جنگیں کر کے یا سوداگری کر کے پیسہ کمانا پڑتا تھا۔	(2) افغان سردار اتنے مالدار تھے کہ لاکھوں ٹنکے لوگوں کو انعام میں دیا کرتے تھے۔
(3) بادشاہ فرش نشین ہوتا تھا۔	(3) بادشاہ کرسی پر بیٹھتا تھا۔
(4) بادشاہ نے کوئی حاجب یا پردہ سرا مقرر نہ کیا تھا۔	(4) بادشاہ کا حاجب بھی تھا اور پردہ سرا بھی تھا۔

(5) افغانوں کے پاس رسم اموات پر مہمانوں کی مہمان نوازی کے خرچے مشکل سے پورے ہوتے تھے۔	(5) افغان ہر تہوار مثلاً عید، بقرعید، شب قدر، عاشورہ، وفات النبی، رمضان اور رجب میں روزانہ لاکھوں کے پکوان پکواتے تھے اور تقسیم کرتے تھے۔
(6) بادشاہ کے خاص گروہ کے کسی سردار پٹھان نے اس سے کبھی بغاوت نہ کی۔	(6) بادشاہ کے 22 امراء بغاوت پر تیار تھے۔
(7) بادشاہ کو کبھی اپنے کسی بہت قریبی عزیز سے بغاوت کا خطرہ نہ ہوا۔	(7) بادشاہ کو اپنے بھائیوں سے بغاوت کا خطرہ تھا۔
(8) شاہی حرم کی عورتیں مردانہ لباس میں محاصرہ دہلی کے دوران جنگ کے لیے تیار تھیں۔	(9) لاد خان لودھی کی عورتیں صندوقوں میں بند ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتی تھیں۔ پردہ کی یہ نوعیت تھی۔
(10) افغان علم ادب اور فنون کی جانب بہت کم راغب تھے۔	(10) افغان علم و ادب کے دلدادہ اور فنون حرب و تعمیرات و موسیقی و رقص و سرود کی جانب راغب تھے۔

maablib.org

باب نمبر 15

سکندر لودھی کے ابتدائی حالات

بہلول لودھی کے 9 بیٹے تھے:

اول خواجہ بایزید دوم نظام خان عرف سکندر لودھی سوم مبارک خان عرف باربک شاہ چہارم عالم خان عرف سلطان علاؤ الدین پنجم جمال خان ششم میاں یعقوب خان ہفتم فتح خان ہشتم میاں موسیٰ خان نہم جلال خان (1)

مصنفین کے مطابق سکندر لودھی دوسرے نمبر پر تھا جبکہ افسانہ شاہان میں درج ہے کہ نظام خان عرف سکندر پانچویں نمبر تھا۔(2) بہر حال سب اسبات پر متفق ہیں کہ خواجہ بایزید اپنے والد کی حیات میں ہی فوت ہو گیا تھا۔(3) اسے اسکے ایک ملازم نے سلطان بہلول کی حکومت کے آخری دور میں قتل کر دیا تھا۔ اس طرح سے حق جانشینی موروثی طور پر سلطان سکندر کے پاس آتا تھا۔

پیدائش:

سلطان سکندر لودھی کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ سر سید احمد خان نے تاریخ افاغنہ سے اس کی تاریخ پیدائش جمادی الاول 829ھ / مارچ 1426ء درج کی ہے۔ تاریخ شاہی میں اس کا سن ولادت سلطان بہلول کی تخت نشینی کا ساتواں سال درج ہے۔ جو 861ھ / 7-1456ء بنتا ہے۔(4) واقعات مشتاقی میں ہے کہ جب نظام خان نے تاتار خان یوسف خیل سے جنگ کی تو وہ پندرہ سال کا تھا۔(5) دوسری جانب تاریخ داؤدی میں

درج ہے کہ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر 18 سال تھی۔(6) اگر سلطان سکندر کی عمر 894ھ میں 18 سال تھی تو اس کی پیدائش 881ھ نکلتی ہے جو سلطان بہلول کی تخت نشینی کا 27 واں سال تھا نہ کہ ساتواں جیسا کہ تاریخ شاہی میں درج ہے۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر ہم یہ دیکھتے ہے کہ قدیم ماخذ یعنی طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں یہ درج ہے کہ جب سلطان بہلول نے تخت سنبھالا تو اس کے نو لڑکے تھے۔(7) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تمام لڑکے اس کی تخت نشینی سے قبل پیدا ہو چکے تھے۔ جب 856ھ میں جب سلطان بہلول دیپالپور کی جانب گیا تو اپنے لڑکے خواجہ بایزید کو اپنا نائب مقرر کر گیا تھا۔(8) اس وقت وہ بالغ ہونا چاہیے اور دوسرا لڑکا نظام خان اس سے ایک یا دو سال چھوٹا ہونا چاہیے۔ سلطان بہلول 1411ء کے لگ بھگ پیدا ہوا۔(9)

دوسری جانب تمام مورخین متفق ہیں کہ نظام خان نے تاتار خان یوسف خیل سے جنگ سلطان بہلول کی زندگی میں کی تھی جبکہ ابھی وہ شہزادہ تھا۔ مورخین اسے سلطان بہلول کی زندگی کے آخر کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔ یہ غلطی تاریخ داؤدی کے بیان سے ہوئی ہے۔ جس میں تخت نشینی کے وقت سلطان سکندر کی عمر 18 سال درج ہے۔ اس کا بیان جب واقعات مشتاقی سے ملا کر پڑھا گیا جس میں تاتار خان سے جنگ کے وقت شہزادہ نظام خان کی عمر 15 سال درج ہے تو اس واقعے کو سلطان بہلول کے آخری دور میں منسوب کر دیا گیا۔

اگر غور سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سلطان بہلول کے دور میں پنجاب میں بدامنی کئی بار ہوئی۔ ایک بار 856ھ میں جب سلطان بہلول کو سلطان محمود شرقی سے جنگ کے لیے واپس آنا پڑا۔(10) دوسری بار وہ تقریباً پنجاب کی مہمات کے انتظام اور حاکم ملتان کی بغاوت دبانے کی غرض سے تقریباً 867ھ/1463ء میں روانہ ہوا مگر پھر واپس آ گیا۔(11) اس لیے تاتار خان کی جنگ سلطان بہلول کے دور کے ابتدائی دس سالوں میں ہی ہونی چاہیے۔ اور اغلب ہے کہ 856ھ میں یا پھر 867ھ میں ہوئی۔ اسے سلطان

بہلول کے بالکل آخری دور میں قرار دینا غلط ہے۔ یوں سرسید نے جام جم میں تاریخ افغانہ کے حوالے سے اس کی جو تاریخ پیدائش مارچ 1426ء / جمادی الاول 829ھ درج کی ہے۔ وہ درست ہے۔(11-A)

جب سکندر لودھی تخت نشین ہوا تب وہ 6 بیٹوں کا باپ تھا۔ اس لحاظ سے بھی بوقت تخت نشینی سکندر کا محض 18 سال ہونا نا قابل یقین ہے۔(12)

یوں سلطان سکندر کی تاریخ پیدائش کے بارے میں صرف یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ سلطان بہلول کے تخت نشینی کے وقت جوان تھا۔ اور 1426ء میں پیدا ہوا۔

سلطان سکندر کی پیدائش کے حوالے سے تاریخ شاہی میں یوں درج ہے:

جلوس کے ساتویں برس اس کے ہاں ایک پسر فرخندہ فال اور ہمایوں طلوع ہوا تو نجومیوں نے سلطان کے حکم سے آسمان اور بروج ساوی کی کیفیت پر نظر ڈالی اور عرض کیا کہ یہ شہزادہ بلند اقبال ایک ایسا ستارہ لیے دنیا میں آیا ہے کہ بادشاہت کا باغ اس (کے وجود مسعود) سے سرسبز اور شاداب ہو جائے گا۔ سلطان بہلول نے اس خوشخبری سے حد درجہ مسرور ہو کر ایک بزم عیش و نشاط آراستہ فرمائی اور اس نیر نورانی کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کیں۔ جب کام میں نظام دیکھا تو ''میاں نظام'' کے خطاب والا سے مخاطب کیا۔ بچپن ہی میں اسے گھر بار سے الگ کرتے ہوئے سنبل کی سرکار پر تعینات فرمایا اور خان خاناں فرملی خان کے سپرد کرتے ہوئے اسے اس کا اتالیق مقرر کر دیا۔(13)

مذکورہ بالا بیان میں سن پیدائش غلط ہے جس کی ہم وضاحت اوپر کر چکے ہیں۔

ننھیال:

نظام خان عرف سلطان سکندر کی ماں کا نام زیبا تھا اور وہ ایک سنار (رزگر) کی بیٹی تھی۔ اغلب امکان ہے کہ وہ ہندوستانی قوم سے تھی کیونکہ بعض افغان اس کو غیر افغان کہتے تھے

اوراس کے بیٹے کے بادشاہ بننے پر اعتراض کرتے تھے۔(14)

تاریخ شاہی میں ہے کہ جن دنوں بہلول سرہند کا حاکم تھا انہی دنوں اس نے قلعے کے باہر ایک حویلی بنائی جس کے پاس ایک زرگر رہتا تھا۔

''اس کی ایک ہیما نامی لالہ رو اور مشکین مو بیٹی تھی۔ حسن اتفاق سے ایک دن بہلول خاں کی نظر اس پر جا پڑی اور وہ اس پر مر مٹا۔ وہ ماہ جبیں بھی اسے دل دے بیٹھی۔ جب تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اس کے باپ کو راضی کر کے اسے اپنے عقد میں لے لیا۔ ایک رات اس لڑکی نے خواب میں دیکھا کہ چاند آسمان سے جدا ہو کر اس کی آغوش میں آ گرا ہے۔ دوسرے روز یہ خواب بہلول شاہ سے بیان کیا۔ اس نے تعبیر بتانے والوں اور کاہنوں سے پوچھا تو معبران موشگاف مغز سخن کی چیر پھاڑ کرتے ہوئے بتایا کہ اس ملکہ جہاں کے بطن سے ایک ایسا بیٹا پیدا ہو گا جو تخت گیر اور تاجور ہو گا اور اس گیتی ستان کی ذات بابرکات سے نشانات سلطنت اور آثار ولایت آشکار ہوں گے۔ سلطان بے حد مسرور اور خوش ہوا۔ مستحقوں کو صدقات دیے۔''(15)

اس سے ظاہر ہے کہ یہ عورت نکاح سے قبل مسلمان ہو گئی تھی۔ لیکن کاہنوں والی بات محض اختراع ہے اور یہ بات بھی غلط ہے کہ تخت نشینی کے بعد اس سے نکاح کیا کیونکہ تخت نشینی کے وقت سکندر لودھی موجود تھا اور کافی بڑا ہو چکا تھا جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔

پرورش:

تاریخ شاہی میں ہے کہ نظام خان کی ابتدائی پرورش سنبھل میں ہوئی۔ وہاں پر علماء و فضلاء کی بڑی تعداد رہتی تھی۔ اسی وجہ سے ہی نظام خان کو علم وادب اور علماء سے بڑی دلچسپی تھی۔ سلطان بہلول نے اس کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کیا تھا اور خان خانان فرملی خان کو اس کا استاد مقرر کیا تھا۔(16)۔ لیکن سنبھل میں نظام کی پرورش پر ہمیں اعتراض ہے کیونکہ اس

کی پیدائش سلطان بہلول کی تخت نشینی سے بہت پہلے ہوئی تھی ۔اس وقت سلطان بہلول کے پاس سنبھل نہیں آیا تھا۔اس لیے نظام خان کا وہاں پر بھیجا جانا خلاف عقل ہے۔ہاں اس حد تک کہ بات قابل قبول ہے کہ خانِ خانان فرملی خان اس کا استاد رہا ہو کیونکہ سلطان سکندر کی تخت نشینی میں بھی اس کا بڑا ہاتھ تھا۔(17) درست یہ ہے کہ نظام خان کی پرورش سرہند میں ہی ہوئی ۔ جہاں اس وقت سلطان بہلول حاکم تھا۔تاریخ شاہی میں درج ہے کہ نظام خان تیراندازی میں بچپن سے دلچسپی رکھتا تھا۔

''جب شہزادہ ابھی پانچ برس کا تھا، ایک روز تیر کمان لیے بادشاہ کے سامنے سے گزرا۔سلطان نے اسے بلایا اور اپنے دل میں سوچا کہ مجھے رانا کی مہم درپیش ہے کیوں نہ بیٹے کے تیر سے فال نکالوں؟ اگر اس کا تیر نشانے پر بیٹھتا ہے تو مجھے فتح کی امید رکھنی چاہیے۔فرمایا: ''نظام آؤ اور اس پھول پر جو پودے پر نمایاں ہے، تیر چلاؤ۔'' شہزادے نے برجیس کی طرح کمان سنبھالی اور اس پھول کو نوک پیکاں سے اس طرح اڑا دیا کہ پودا ہلا تک نہیں۔سلطان بے حد خوش ہوا اور شاہی باغ کے اس نونہال کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے سہرند کی سرکار (بھی) اس کو بخش دی کہ مبارک جگہ ہے۔'' (18)

اس سے ظاہر ہے کہ نظام خان شروع سے حرب و جنگ میں دلچسپی رکھتا تھا۔اس کے علاوہ یہ بھی واضح ہے کہ سرہند میں سلطان بہلول نے اسے اپنا جانشین یا نائب مقرر کر دیا تھا۔ جب تاتار خان نے بغاوت کی تب بھی نظام خان پانی پت میں تھا جو سرہند کے پاس ایک شہر ہے۔(19)

ذہنی نشوونما:

نظام خان عرف سلطان سکندر کے بچپن کے کچھ واقعات ایسے ہیں کہ جن میں اس کے ذہنی ارتقاء اور خاص طور پر اس کی اسلام پسندی پر روشنی پڑتی ہے۔کتب تواریخ میں درج ہے

کہ بچپن سے ہی اس کا واسطہ صوفیاء اور علماء سے پڑتا تھا اور وہ ان کا منظور نظر تھا۔ ایک واقعہ ہم تاریخ شاہی سے درج کرتے ہیں جس کی تصدیق تاریخ داؤدی اور واقعات مشاقی سے بھی ہوتی ہے:

''حق تعالیٰ نے اسے اس درجہ حسن اور زیبائی سے آراستہ کیا تھا کہ گویا نقاش قضا نے اس سے زیادہ دل کش تصویر نہ تو تختۂ ہستی پر کھینچی تھی اور نہ ہی زمانے کی آنکھ نے اس سے پاکیزہ تر شکل دیکھی تھی۔ جو کوئی اس پر ایک نظر ڈالتا دل دے بیٹھتا۔ شیخ ابوالعلائی کے نواسے شیخ حسن کو اس سے دل بستگی پیدا ہو گئی۔ شیخ مذکور صاحب کمالات بزرگوں میں سے تھے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ شہزادہ نظام خان ایک روز حجرے میں تنہا بیٹھا تھا کہ شیخ حسن کے دل میں اس سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ صفائی باطن کے سبب، جو اہل اللہ سے خاص ہے، نظام خان کی مجلس میں، جہاں ہوا کا گزر بھی ناممکن تھا، جا پہنچے۔ شہزادے کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگا: ''اے شیخ! اتنے دربانوں کے باوجود بلا اجازت کیسے آ گئے؟''۔ شیخ نے کہا: ''تم (بخوبی) جانتے ہو۔'' نظام خان ''مجھے (دل پر) اختیار نہیں۔'' فرمایا: ''ذرا آگے آیئے۔'' (جب وہ آگے بڑھے تو) شہزادے نے ان کا سر پکڑ کر جلتی ہوئی انگیٹھی میں دہکتے ہوئے کوئلوں پر رکھ دیا اور اسے دونوں ہاتھوں سے دبایا۔ انہوں نے دم بھی نہ مارا۔ اس اثنا میں مبارک خان نوہانی بھی آ پہنچا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے شہزادے سے پوچھا: ''یہ شخص کون ہے؟''۔ اس نے فرمایا: ''شیخ حسن ہے۔'' مبارک خان نے کہا: ''اے خدا ناترس کیا کرتا ہے؟۔ انہیں تو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا مگر تجھے جو ضرر پہنچے گا تو اس سے کیوں نہیں ڈرتا؟''۔ نظام خان نے کہا: ''یہ اپنے آپ کو میرا عاشق کہتے ہیں۔'' مبارک خان نے کہا: ''تمہیں خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ ایک بزرگ کے نور نظر بن گئے ہو۔ اگر

سعادت دارین کی آرزو ہے تو ان کی خدمت کرو۔" اس کے بعد انہیں ایک دن کوٹھری میں بند کر دیا اور دروازے میں ایک مضبوط تالا ڈال دیا۔ تھوڑی دیر بعد خبر ملی کہ شیخ حسن بازار نو آباد میں رقص کر رہے ہیں۔ غرض یہ کہ سلطان ایسے بزرگوں کا منظور نظر تھا۔" (20)

یہ واقعہ واقعات مشتاقی (21) اور تاریخ داؤدی (22) میں بھی معمولی اختلاف کے ساتھ درج ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہزادہ نظام پر بچپن سے ہی مذہبی شخصیات کا اثر رہا تھا۔ شیخ حسن نے 909ھ 4-1503ء میں انتقال کیا۔ (23) اس کے علاوہ افغانوں کی اسلام سے شدت پسندی بھی کسی سے چھپی نہیں ہے۔ اسلام سے ان کی عقیدت کے بارے میں حافظ رحمت خان نے 1761ء میں یوں درج کیا ہے: (24)

"آج بھی سرداران افغانان وغیرہ ولایت و وطن جمع ہوتے ہیں اور کسی ایک کو کہ جو اپنے وقت میں سب سے بہتر اور زمانہ میں مصلح ہوتا ہے یعنی کسی سید یا کسی عالم کو اپنا امام اور پیشوا بنا لیتے ہیں اور اکثر اپنے گھر سے کھانے پینے کی استطاعت کے مطابق چیزیں لے کر کم و بیش بیس روز کی منزلیں اور مراحل طے کرتے ہیں اور کافروں سے جنگ اور لڑائی کرتے ہیں اور ان کی عورت اور بچے کو قید کر لیتے ہیں اور خود بھی شہید یا غازی ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو دنیا کا لالچ اور صلے کی غرض نہیں ہوتی بلکہ خالص اللہ کے لیے اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں جاتے ہیں۔"

اس کی تصدیق شہزادہ نظام خان کے بھی ایک واقعہ سے ہوتی ہے۔ جس میں وہ ہمیں شدت پسند دکھائی دیتا ہے۔ اس کی تفصیل واقعات مشتاقی میں یوں ہے:

"بچپن میں اس (شہزادہ) نے ارادہ کیا کہ کرکشیتر جو ہندوؤں کی عبادت گاہ ہے کو ویران کرے اور اس علاقے کو تباہ کر دے۔ علماء کو بلا کر ان سے پوچھا کہ "کیا کہتے

ہیں؟" بندگی ملک العلماء میاں عبداللہ اجودھنی وہاں موجود تھے۔ سب نے متفق ہو کر ان کی جانب اشارہ کیا کہ ان کی موجودگی میں ہمیں دم مارنے کی بھی مجال نہیں ہے۔ میاں نظام نے بندگی میاں عبداللہ پر توجہ دی اور پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ" اس جگہ کیا بات ہے؟" کہا کہ" ایک حوض ہے جس جگہ ہر علاقے سے کافر آ کر اکٹھے ہوتے ہیں اور غسل کرتے ہیں۔" فرمایا" یہ رسم کب سے جاری ہے؟" شہزادے نے کہا کہ" بہت پرانی رسم ہے۔" فرمایا کہ" (پرانے) مسلمان بادشاہوں نے کیا کیا تھا؟" کہا کہ" ابھی تک کسی بادشاہ نے اس کے خاتمے کی جانب توجہ نہیں دی ہے۔" فرمایا کہ" اس چیز کا ذمہ پھر ماضی کے بادشاہوں پر ہے۔ آپ پر کوئی ذمہ نہیں ہے۔" شہزادہ اس پر غصہ میں آ گیا اور اپنے خنجر پر ہاتھ رکھا اور بولا" پہلے تو تمہیں قتل کروں گا پھر اس جگہ کو خراب کروں گا۔" انہوں نے فرمایا۔" موت تو برحق ہے اور خدا کے حکم کے بغیر کوئی نہیں مرتا۔ لیکن جب کوئی کسی ظالم کے سامنے آتا ہے تو اپنے مرنے کا سوچ لیتا ہے۔ اس کے بعد اس سے ملاقات کی رغبت دکھلاتا ہے۔ چونکہ مجھ سے پوچھا گیا تھا اس لیے میں نے شرعی مسئلہ بیان کر دیا ہے۔ اگر شریعت مبارک کی پرواہ نہیں ہے تو پھر پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔" اس بات سے وہ (شہزادہ) نرم پڑ گیا اور کہا کہ" اگر اجازت دیں تو کچھ ہزار کافروں کو جہنم میں پہنچا دوں اور ان کے مال غنیمت سے اکثر مسلمانوں کو آسودہ حال کر دوں۔" انہوں نے فرمایا کہ" جو کچھ کہنا تھا ہم کہہ چکے۔ آگے آپ جانیں۔" اس پر مجلس برخاست ہو گئی اور تمام علماء اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ بندگی ملک العلماء اپنی جگہ کھڑے رہے۔ (شہزادہ) نے کسی کی جانب توجہ نہ کی۔ صرف ان سے کہا" میاں عبداللہ۔ آپ کبھی کبھی ہمارے ساتھ ملاقات فرمایا کریں۔" یہ بات کہی اور ان کو رخصت کر دیا۔ (25)

اس سے ظاہر ہے کہ شہزادہ میں بچپن میں اپنے اردگرد کے علماء کی باتوں سے اسلام کی شدت پسندی پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن یہ چیز قابو کرنے والے علماء بھی اس کے پاس موجود تھے جن میں بندگی میاں عبداللہ اجودھنی قابل ذکر ہیں۔ سلطان سکندر کے تعصب کے حوالے سے جو بیانات ہیں ان کا تنقیدی جائزہ ہم نے آگے لیا ہے۔

تاتارخان کا مقابلہ:

867ھ/3-1462ء کے قریب نظام خان کو تاتارخان سے مقابلہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل بھی ہم واقعات مشتاقی سے درج کرتے ہیں:

"اس کے بچپن کے ایام میں اور سلطان بہلول کی زندگی میں ہی تاتارخان یوسف خیل نے لاہور میں بغاوت کردی اور بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ شہزادہ میاں نظام پانی پت میں تھا۔ اس نے دیگر امراء کے پرگنوں میں سے بعض دیہات اپنے آدمیوں کو دے دئے۔ وہ فریاد لے کر سلطان بہلول کے پاس گئے۔ سلطان نے شہزادے کے پیشوا خواجہ شیخ سعید فرملی کو فرمان لکھا کہ یہ کام تمہارے مشورے سے ہوا ہے۔ اگر مرد ہو اور مردانگی رکھتے ہو تو تاتارخان کی ولایت سے (علاقہ) لو۔ ہماری ولایت کیوں خراب کرتے ہو۔ یہ کیا مردانگی ہے؟ شیخ سعید بھی فرمان ہاتھ میں لے کر میاں نظام کے پاس گیا اور کہا کہ "آپ کو بادشاہی مبارک ہو۔" انہوں (شہزادے) نے فرمایا کہ خیر تو ہے۔ کہا کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ لیکن حضرت سلطان نے اپنے انداز سے آپ کو بادشاہی دے دی ہے۔ (شہزادے نے) فرمایا "کون کہتا ہے؟" کہا کہ "یہ جو (فرمان) بھیجا ہے۔" فرمایا کہ "میں دیکھتا ہوں۔ فرمان کھولو اور پڑھو۔" اس میں تحریر تھا کہ "اگر کسی میں طاقت ہے تو تاتارخان کی ولایت سے (علاقہ) پکڑ لے۔" شہزادے نے فرمایا کہ عجیب بادشاہی ہے۔" کہا کہ "بادشاہی مفت نہیں ملتی۔" آپ سے ایک کام کہا ہے اگر

آپ سے یہ کام ہو گیا تو بادشاہی کا حکم نامہ (دراصل) یہی ہے۔" فرمایا کہ پس کیا کرنا چاہیے۔" کہا" اٹھو اور تخت آزمائی کرو۔"

ملک بہ میراث نیابد کسی

تا بزند تیغ دو دستی بسی

(کسی کو ملک میراث میں نہیں ملتا جب تک کہ وہ دونوں ہاتھوں سے خوب تلوار نہ چلائے)

اس وقت میاں نظام کے پاس پندرہ سو نامور سوار موجود تھے۔ ان میں ایک شخص عمر خان سروانی تھا جو بڑے امراء میں سے تھا۔ اس کے پاس 500 سوار تھے۔ تین سو سوار اس کے اپنے بھائیوں اور بیٹوں اور رشتہ داروں پر مشتمل تھے۔ دو سو سوار دیگر لوگ تھے۔ اس طرح سے پانچ سو سوار یہ تھے اور ایک ہزار سوار دیگر تھے۔ اسی طرح سے دیگر امراء میں سے بھی مثلاً شیخ سعید فرملی اپنے بھائیوں اور بھتیجوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اور میاں گدائی اور میاں حسین یہ تینوں بھائی تھے۔ اور دریا خان و نصیر خان و شیر خان و بجلی خان نوحانی اپنی جماعت کے ساتھ تھے اور اختیار خان توغ اور مقیم خان وغیرہ۔

ایک ہزار نامی سوار تھے۔ ایک روز سب نے مجلس مشورہ منعقد کی اور اس بات پر متفق ہو گئے یہ کام شروع کر دینا چاہیے۔ اس طرح سے کیا گیا کہ بعض شقداروں کو تاتار خان کے علاقوں کو ضبط کرنے کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اس کے کچھ آدمیوں کو باندھ لیا اور کچھ آدمی بھاگ کر تاتار خان کے پاس چلے گئے۔

تاتار خان اس طرف متوجہ ہوا اور شہزادے سے جنگ کو نکلا۔ انبالہ کے میدان میں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور جنگ و بڑا قتل و غارت ہوا۔ چنانچہ اسلام شاہ اور ہیبت خان نیازی نے اسی میدان میں جنگ کی تھی جو اپنی جگہ پر بیان کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

قصہ یہ کہ جب جنگ کا روز آیا تو دونوں فوجیں مقابلے پر آ گئیں۔ معرکہ کے لیے روانہ ہوئے تو خواجہ شیخ سعید نے دو تین بار میاں نظام کی جانب دیکھا۔ فرمایا کہ "کیا دیکھتے ہیں؟" میاں مذکور نے کہا کہ "یہ دیکھتا ہوں کہ تمہارے اردگرد بہت چالاک اور نامور لوگ جا رہے ہیں۔ اگر ہمیں سرداری کی ہمت واقعی ہے تو بس فتح کی امید ہے۔ اگر دوسرا کوئی ارادہ ہے تو بہرحال یہ لوگ جو جمع کیے ہیں ان کی محنت کو دیکھیے کہ کیا جنگ کرتے ہیں۔ اگرچہ دوسری جانب ہجوم ہے لیکن ان کی طرح کے دس سوار بھی نہیں ہیں۔" اس جانب پندرہ ہزار سوار تھے۔ کہا کہ "اگر یہ جماعت اختیار میں ہے تو پھر وہی مقصود ہے ورنہ تمہارے سوار برباد ہیں۔ کوئی تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچے گا۔" (شہزادہ) ہنسا اور فرمایا کہ "خواجہ جی! میں آپ کے گھوڑوں کے پیر زمین پر دیکھ رہا ہوں اور اپنے گھوڑے کو سینہ تر زمین میں ڈوبا ہوا دیکھتا ہوں۔ اور میں اس جنگ سے منہ نہیں موڑوں گا۔" خواجہ نے جلدی ہاتھ پکڑ کر مبارک باد دی اور کہا کہ "فتح کی نشانی یہی ہے کہ سردار کی ہمت اسی طرح سے ہو۔"

جب وہ جنگ کی جگہ پر پہنچے تو پہلا شخص جوان کی صف سے جنگ کے لیے نکلا وہ دریا خان نوحانی تھا۔ اس نے تیس آدمی لیے اور دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہو گیا اور ساتھیوں پر ایک نظر ڈال کر قدم آگے بڑھائے۔ دوسری جانب سے ایک سوار پانچ سو سواروں کے ساتھ آگے آیا۔ اور دونوں فوجیں نظارہ کرنے لگیں۔ دریا خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مخالفوں کے سر پر جا پڑا۔ ایک دوسرے پر تلواریں اس طرح سے پڑیں کہ خود اور جوشن سے آگ نکلنے لگی۔ اور دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیاں گئیں۔ آخر کار دریا خان فاتح رہا اور (دشمن کو) شکست دی اور وہ سردار بھاگ نکلا اور اپنی فوج میں واپس آ گیا۔ اور دریا خان بھی اس طرح واپس فوج میں آ گیا۔

دوبارہ جب فوج سے باہر نکلے اور پہلی جگہ پر آن کھڑے ہوئے۔ وہ سوار بھی اپنی فوج سے باہر آئے اور ان کے سامنے آگئے۔ وہ پھر سے پہلے کی طرح دوڑے اور آپس میں گھل گئے اور دریا خان غالب آگیا اور وہ پسپا ہو گئے یہاں تک کہ اپنی فوج میں واپس چلے گئے۔ تین بار بالکل اسی طرح جنگ ہوئی۔ یہاں تک کہ دریا خان اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور اس جانب سے کوئی سامنے نہیں آیا۔ دریا خان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ" ان کے دلوں میں ہمارا خوف کام کر گیا ہے۔ تم سب دوست اسی جگہ کھڑے رہو میں اکیلا ان پر حملہ کرتا ہوں۔"

وہ تین بار اکیلا ہی ان کی پوری فوج میں چلا گیا اور آگیا اور تلوار چلائی۔ ہر بار سلامت باہر آجاتا۔ جب دریا خان اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا تو میاں حسین فرملی سترہ آدمیوں کے ساتھ اس جانب سے باہر آئے اور دریا خان کے طریقے سے جنگ کرنے کا اشارہ کیا۔ جب اپنی جگہ سے چلے تو اس جانب سے کہ جن پر ان کی ہیبت غالب ہو گئی تھی میاں حسین کے مقابلے پر ڈیڑھ ہزار سوار آگئے۔ انہوں نے حملہ کیا اور ان کے درمیان جنگ کی۔ تین مرتبہ وہ دریا خان (کے مقابلے) کی طرح سے اپنی فوج کے ساتھ دوڑے۔ انہوں نے بھی اس طرح سے کیا اور تین مرتبہ میاں حسین مذکور اکیلے گئے اور تلوار چلائی اور سلامت واپس آگئے۔ جب وہ اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے تو عمر خان سروانی پانچ سو سواروں کے ساتھ اس جانب سے باہر نکلے اور روانہ ہوئے۔ میاں حسین فرملی عمر خان کی فوج میں گئے اور سلام کیا۔ عمر خان نے کہا" آپ پر رحمت ہو کہ دریا خان اور آپ نے ایسا کام کیا ہے کہ سب لوگوں نے تحسین دی ہے۔ یہ زمانہ اب ہم بوڑھوں کا بھی انصاف دیکھے گا۔" میاں مذکور نے جواب دیا کہ" ہم نے کچھ نہیں کیا۔ یہ موقع اس جانب سے لائے ہیں کہ جب آپ کی صحبت (میں رہ کر) یہ کام سیکھا۔ یہ بہت محسوب ہے۔"

عمر خان نے فرمایا کہ "آپ اپنے عہدے سے بڑھ کر آ گئے ہیں۔ اب ہماری باری ہے۔ انہوں نے پھر سے قسم کھا کر کہا کہ "ہمارا عزم پکا یہ ہے کہ آپ کے ماتحتوں میں رہیں۔" خان نے کہا "پس ہمیں کوئی کام بتائیں کہ ہم وہ کریں۔" کہا "مجھے قبول ہے۔" کہا کہ "ہمارا جھنڈا آپ لے لیں کہ جب تک میں زندہ ہوں تو آپ اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ جب تک میں زندہ رہوں گا تو خود کو ہر حال میں آپ تک لاؤں گا۔" یہ بات طے پا گئی اور روانہ ہو گئے۔

ابراہیم خان پسر عمر خان مذکورہ نے اپنے گھوڑے کو تیز کیا اور ان کے سامنے آ گیا اور عمر خان کو شریعت کے نام پر قسم دی کہ آپ کو قسم ہے کہ اگر گھوڑا آگے چلایا۔ اس نے کہا کیوں؟ کہا کہ "آپ نے دریا خان پسر مبارک خان کا نظارہ اور میاں حسین ولد خواجہ محمد فرملی کا نظارہ دیکھ لیا ہے۔ اب اپنے بیٹے کو بھی ملاحظہ کیجیے۔" فرمایا کہ "ہم سب اسی لیے کھڑے ہیں۔" ابراہیم خان نے کہا کہ "اس ہجوم میں کوئی دانستہ طور پر نہیں جاتا۔ الگ سے دیکھنا چاہیے۔ اس سے یہ بات کہی اور خود اکیلا ہی مخالف کی فوج پر جا پڑا۔ تین بار فوج کے اندر گیا اور تلوار بازی کی اور سلامت واپس آ گیا۔ دونوں لشکر اس کی جسارت اور دلیری سے حیران رہ گئے اور تعجب کرنے لگے۔ جب بھی (مخالف فوج میں) جاتا تو تین چار آدمیوں کو اپنے نیزے سے زمین پر دے مارتا اور گھوڑے بغیر سواروں کے ہی بھاگ جاتے۔ یوں اس طرح سے تین بار جنگ مکمل کی۔ عمر خان نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا اور نعرہ لگایا کہ "دین، دین محمد کا ہے۔" اور دوڑ لگائی۔ کوئی شخص بھی مخالفوں میں سے اس کے آگے نہ ٹک سکا۔ سب جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ تاتار خان اپنے نصیب سے مارا گیا اور اس کا بھائی حسن خان گرفتار ہوا۔ میاں نظام کو فتح نے اپنی شکل دکھائی۔ اس تاریخ سے شہزادے کے حالات روز بروز ترقی کرنے لگے اور اس کی بادشاہی

یکی ہوگئی۔" (26)

اس واقعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سکندر لودھی میں ایام جوانی سے ہی جنگ کرنے اور جنگ میں ثابت قدم رہنے کی ہمت تھی۔ اسی چیز نے اسے بادشاہت کے قابل بنایا۔ دوسری اہم بات اس ذکر سے یہ واضح ہوتی ہے کہ دریا خان نوہانی، خواجہ شیخ سعید، عمر خان سروانی، ابراہیم خان سروانی، نصیر خان، شیر خان وغیرہ کو اس سے وابستگی اس کی شہزادگی کے دور سے تھی۔ یہ بڑے بڑے باا‌ثر سردار شروع سے اس کے ساتھ تعلق میں تھے۔ اس کے ساتھ لودھی، فرملی، سروانی اور توخہ قبیلے کے نامور اور بہادر سردار اور اشخاص موجود تھے۔ نہ صرف یہ سردار بلکہ ان کے اہل خانہ بھی اس کے ساتھ تھے یوں نظام خان عرف سکندر لودھی کو شروع سے اپنے باپ سلطان بہلول کے گروہ کی عصبیت اور حمایت حاصل تھی۔ اور یہی بات اقتدار پر اس کے قبضے کا اصل منبع تھی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب قطب خان لودھی کو سلطان محمود شرقی نے قید کر لیا تھا تو سلطان بہلول نے نظام خان (سکندر لودھی) کو شمس آباد میں رائے کرن پرتاپ کی امداد پر روانہ کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ سکندر لودھی شروع سے مہمات میں شریک رہا ہے۔ (27)

حواشی

(1) تاریخ داؤدی ص 12 : تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 387

(2) افسانہ شاہان ص 35

(3) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 392

(4) تاریخ شاہی ص 21

(5) واقعات مشتاقی کا جو نسخہ ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی نے استعمال کیا ہے اس میں اس جنگ کے وقت نظام خان کی عمر 15 سال درج ہے۔ جبکہ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر 18 سال درج ہے۔ (Afghan Despotism in India P.3 note 10 لیکن رضا لائبریری رام پور نے جن تین نسخہ جات کے تقابلی جائزہ کے ساتھ متن شائع کیا ہے اس میں جنگ کے وقت نظام خان کی عمر کا ذکر نہ ہے صرف یہ لکھا ہے کہ "در ایام طفولیت" (ص 21) البتہ باربک شاہ سے جنگ کے وقت اس کی

عمر 18 سال ضرور درج ہے۔ (ص25)۔

(6) تاریخ داؤدی ص35

(7) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص387: طبقات اکبری جلد اول ص433

(8) طبقات جلد اول ص435

(9) اے حلیم، History of the Lodhi kings of Delhi and Agra ص4۔

(10) طبقات جلد اول ص435

(11) ایضاً ص433

(11-A) جام جم ص34

(12) ایضاً ص453: مخزن (اردو) ص154: تاریخ داؤدی ص40-41

(13) تاریخ شاہی ص21

(14) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص395

(15) تاریخ شاہی ص19-20

(16) ایضاً ص21

(17) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص395

(18) تاریخ شاہی ص21-22

(19) واقعات مشتاقی ص21

(20) ایضاً31-32

(21) ایضاً29-30

(22) تاریخ داؤدی ص27-29

(23) تاریخ شاہی ص31

(24) خلاصۃ الانساب از حافظ رحمت خان، اردو ترجمہ از مسعود الحسن روہیلہ، ص59

(25) واقعات مشتاقی ص20

(26) ایضاً21-25: تاریخ داؤدی ص30-34

(27) مخزن (اردو) ص142

maablib.org

باب نمبر 16

سلطان سکندر کی بادشاہت اور سیاسی کارنامے

سلطان بہلول کی جانشینی کا تنازعہ:

جب سلطان بہلول زیادہ بیمار ہو گیا تو اس کو اس کے امراء نے یہ رائے دی کہ وہ اپنے پوتے اعظم ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کر دے۔ بہلول اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ امراء کی رائے کی مخالفت نہ کر سکتا تھا مگر وہ نظام خان کو ہی اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا تھا لہٰذا اسے بلانے کی غرض سے قاصد دہلی روانہ کیے۔ عمر خان شروانی ان دنوں بادشاہ کا مختار تھا۔ نظام خان کی والدہ زیبا خاتون بھی سلطان بہلول کے ساتھ تھی۔ اس کو بعض امراء کی رائے کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے عمر خان شروانی کو پیغام بھجوادیا کہ وہ نظام خان کو سلطان بہلول تک آنے سے روکے کیونکہ امراء کا ارادہ اس کو نظر بند کرنے کا ہے۔ اس پیغام کے ملتے ہی نظام خان جانے میں تاخیر کرنے لگا۔ سلطان بہلول کو اس پر غصہ آیا اور بولا کہ اگر وہ یہاں نہیں آتا تو میں دہلی آتا ہوں۔ نظام خان اس پر خوفزدہ ہو گیا اور کوچ کی تیاری کرنے لگا مگر ارا کین سلطنت نے اسے روکا۔ اسی دوران نظام خان نے سابق سلطان جونپور حسین شرقی کے مقید وزیر قتلغ خان سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا سراپردہ شاہی نصب کر کے کوچ کا حکم دے دو اور سامان سفر کی درستی میں تاخیر کرو تاکہ کچھ وقت مل جائے۔ نظام خان نے اسی رائے پر عمل کیا۔ اسی دوران میں سلطان بہلول کا انتقال ہو گیا۔ (1)

نظام خان کی دہلی سے روانگی:

اب نظام خان نے دہلی سے روانگی کا قصد کیا۔ اس نے اپنے ایک امیر جمال خان کو جو بہت قابل اعتماد تھا دہلی میں اپنا نائب مقرر کیا۔ جس روز دہلی سے باہر آیا تو پہلے شیخ سماء الدین کی خدمت میں آیا اور فاتحہ پڑھی۔ کہا کہ اے شیخ! میں چاہتا ہوں کہ علم صرف کتاب میزان میں سے آپ کے سامنے پڑھوں اور سبق کی بنیاد رکھوں۔ استاد نے پڑھا: بعدان اسعدک اللہ فی الدارین خیرا۔ جس کے معنی ہیں کہ نیک بخت جان لے کہ خدا تعالیٰ تجھے ہر دوسرا میں......" اتنا کہہ پایا تھا کہ سلطان نے کہا کہ پھر فرمایئے۔ اس طرح سے تین بار یہ کلمات استاد سے دہرائے۔ اس کے بعد شیخ کا ہاتھ چوما اور اپنی روانگی کا سبب بیان کیا اور اپنے امراء کی جانب سے اپنی طلبی بیان کی۔ اور شیخ سے یہ دعا لے کر چل پڑا:

حدیث اہل فنا ترجمان تقدیر است
بود ضمیر براںیشان شبیہ لوح و قلم

(اہل فنا کی بات تقدیر کی ترجمانی کرتی ہے۔ ان پر ان کا ضمیر لوح وقلم کی شبیہ ہوتا ہے)۔(2)

اب امرائے سلطنت میں سلطان بہلول کی جانشینی پر اختلاف ہونے لگا۔ بعض نے بہلول کے پوتے اعظم ہمایوں کو سلطان بنانے کی تجویز دی بعض نے باربک شاہ کو بادشاہ بنانے کی تجویز دی۔ بعض امراء نے اور زیبا خاتون زوجہ سلطان بہلول نے کہا کہ نظام خان ہر طرح سے حکومت کے لائق ہے وہ سب کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا۔ اس پر سلطان بہلول کے چچازاد بھائی عیسیٰ خان نے گالی دیتے ہوئے کہا کہ سنار کا بیٹا (نواسا) دہلی کے تخت پر نہیں بیٹھ سکتا۔ خان خانان فرملی نے اس پر اعتراض کیا کہ کل بادشاہ کا انتقال ہوا ہے اور آج ہی اس کی بیوی اور بیٹے کو گالیاں دی جا رہی ہیں۔ اس پر عیسیٰ خان نے کہا کہ" تمہارا مرتبہ ایک ملازم سے زیادہ نہیں ہے۔ لہٰذا تم ہم رشتہ داروں کے معاملات میں دخل دینے کی ہمت

۔ کرو" اس پر خان خانان فرملی کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا کہ "میں نظام خان کے علاوہ اور کسی کا ملازم نہیں ہوں۔" اس کے بعد وہ وہاں سے نکل گیا۔ اس نے اپنے ہم خیال امراء کو ساتھ لیا اور قصبہ جلالی میں سلطان کا جنازہ لے آیا۔ (3)

نظام خان کی تخت نشینی:

یہاں پر خان خانان فرملی اور دیگر امراء نے نظام خان کو تخت نشین کرنے کا اعلان کیا۔ نظام خان نے سلطان بہلول کا جنازہ دہلی روانہ کیا اور اسی دن رسم تخت نشینی ادا کی۔

نظام خان اسی روز 17۔ شعبان 894ھ بروز جمعہ 16 جولائی 1489ء قصبہ جلالی میں دریائے کالی کے کنارے بالائی بلندی پر اس محل میں کہ جسے "کوشک سلطان فیروز" کہتے ہیں تخت نشین ہوا اور "سکندر غازی" کا خطاب اختیار کیا۔ اس وقت اس کو خان جہان لودھی اور خان خانان فرملی دونوں کی حمایت حاصل تھی۔ (4) اس روز ایک شاندار جشن منایا گیا۔

عیسیٰ خان لودھی پر فوج کشی 1489ء:

تخت نشینی کے ساتھ ہی سب سے پہلے سلطان سکندر لودھی نے سب سے پہلے عیسیٰ خان لودھی جو بہلول کا چچازاد بھائی تھا اور سکندر کی تخت نشینی کا مخالف تھا پر فوج کشی کی۔ عیسیٰ خان لودھی نے فوراً مخالفت ترک کر کے اس کی اطاعت کر لی۔ سلطان نے اس کی خطاء بخش دی اور اسے اپنے امراء میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے دہلی کی جانب کوچ کیا۔ (5)

سلطان کے بیٹے:

جب سلطان سکندر لودھی نے تخت سنبھالا تو اس کے 6 بیٹے تھے۔ جن کے نام درج ذیل ہیں۔

اول ابراہیم خان دوم جلال خان سوم اسمٰعیل خان چہارم حسن خان
پنجم محمود خان ششم شیخ اعظم ہمایوں (6)

سلطان سکندر کے اہم امراء:

اس وقت اس کے دربار میں درج ذیل 53 امراء تھے جو اس کے ساتھ وفادار تھے:

''سلطان کے اس وقت چھ لڑکے تھے۔'' ابراہیم خاں، جلال خاں، اسماعیل خاں، حسین خاں، محمود خاں، شیخ اعظم ہمایوں اور مشہور سردار ترپن، خاں جہاں بن خاں جہاں لودھی، احمد خاں پسر خاں جہاں لودھی، مبارک خاں نوحانی، محمود خاں لودھی۔ عیسیٰ خاں بن تاتار خاں لودھی، خاں خاناں شیخ زادہ محمد فرملی، خاں خاناں نوحانی۔ اعظم ہمایوں شروانی، دریا خاں پسر مبارک خاں نوحانی نائب بہار، عالم خاں لودھی، جلال خاں پسر محمود خاں نائب کالپی، شیر خاں لودھی، مبارک خاں لودھی موسیٰ (موچی) خیل، احمد خاں پسر مبارک خاں لودھی، عماد پسر خانخاناں فرملی، عمر خاں شروانی، بھیکن خاں پسر عالم خاں لودھی حاکم اٹاوہ ابراہیم خاں سروانی، محمد شاہ لودھی، بابر خاں سروانی، حسین فرملی نائب سارن، سلیمان فرملی پسر دوم خانخاناں فرملی، سعید خاں لودھی پسر مبارک خاں لودھی، اسماعیل نوحانی، تاتار خاں فرملی، عثمان خاں فرملی، شیخ زادہ محمد پسر عماد فرملی، شیخ جمال عثمان، شیخ احمد فرملی، آدم لودھی، حسین خاں برادر آدم لودھی، کبیر خاں لودھی، نصیر خاں نوحانی غازی خاں لودھی، تاتار خاں حاکم جھترہ، مولانا جمن کنبو جو حجاب خاص تھا، مجد الدین حجاب خاص، شیخ عمر حجاب خاص، شیخ ابراہیم حجاب خاص، مقبل حجاب خاص، قاضی عبدالواحد پسر طاہر کابلی حجاب خاص، خواص خاں بہوہ پسر خواص خاں، خواجہ نصر اللہ، مبارک خاں، اقبال خاں حاکم قصبہ باری، خواجہ اصغر پسر قوام حاکم دہلی۔ شیر خاں برادر مبارک

خاں نوحانی، عماد الملک کنبو متعلق دریا خاں نوحانی جو میر عدل تھا۔‘‘(7)

امراء کی دلجمعی:

تخت نشینی کے بعد سکندر لودھی نے پہلا کام امراء کو راضی کرنے کا کیا اور بعض چھوٹے امراء یا عہدیداروں کو ترقی دی۔ اس طرح سے اپنی طاقت میں اضافہ کیا۔ تاریخ شاہی میں ہے کہ:

’’جب یہ عظیم بادشاہ تخت پر بیٹھا تو اس نے امراء کا منصب بڑھایا۔ فوج کو دو مہینوں کی تنخواہ انعام میں دی، جو کوئی بھی پہلے سے نوکر چلا آ رہا تھا اسے امراء میں داخل کر دیا اور جیسی جس میں لیاقت تھی ویسی جاگیر عطا کی۔‘‘(8)

فتح راپڑی 1489ء:

سلطان سکندر نے چند روز کے بعد اپنی سلطنت کے استحکام پر توجہ دی۔ پرگنہ راپڑی میں اس کا بھائی عالم خان تھا جو اس کا مخالف تھا۔ سلطان نے سب سے پہلے وہاں پیش قدمی کی۔ عالم خان کئی روز تک قلعہ راپڑی میں محصور رہا۔ پھر مقابلے کی ہمت نہ دیکھ کر فرار ہو گیا اور تاتار خان لودھی کے لڑکے عیسیٰ خان لودھی کے پاس پٹیالی میں پناہ گزیں ہو گیا۔ سلطان نے خانِ خانان نوحانی کو راپڑی کا حاکم مقرر کر دیا۔(9)

عالم خان سے صلح 1490ء:

سلطان سکندر نے اب عالم خان کی کھوج کا ارادہ کیا۔ پہلے وہ اٹاوہ گیا۔ 7 ماہ کے بعد سے عالم خان مل گیا۔ سلطان سکندر اور عالم خان کے درمیان صلح ہو گئی او ایک تحریری معاہدے کے مطابق اٹاوہ کی حکومت اعظم ہمایوں ولد خواجہ بایزید ولد سلطان بہلول سے لے کر عالم خان کو دے دی گئی۔ یوں اس نے عالم خان کو راضی کر لیا۔ ساتھ ہی باربک شاہ

کے پاس ایک قاصد جونپور روانہ کیا۔(10)

فتح پٹیالی 1490ء:

سلطان خود پٹیالی کی جانب روانہ ہوا۔ عیسیٰ خان لودھی ولد تاتار خان نے خوب جنگ کی۔ زبردست معرکے کے بعد وہ زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ مگر زخموں کی تاب نہ لاکر فوت ہو گیا۔(11)

باربک شاہ سے جنگ اور فتح 1490ء:

اسی دوران میں باربک شاہ کا ایک امیر رائے گنیش بھاگ کر سلطان سکندر کے پاس آ گیا۔ سلطان سکندر نے پٹیالی پر اسے حاکم مقرر کر دیا اور خود ایک فوج لے کر جونپور روانہ ہوا۔ باربک شاہ بھی جنگ کے لیے نکل پڑا۔ "قنوج کے پاس دونوں کی فوجوں میں خون ریز جنگ ہوئی جس میں سلطان سکندر فاتح رہا۔ باربک شاہ نے بدایوں میں جا کر پناہ لی مگر سلطان نے بدایوں کا بھی محاصرہ کیا۔ باربک شاہ نے عاجز آ کر سلطان کی اطاعت قبول کر لی اور سلطان سکندر باربک شاہ کو لے کر جونپور روانہ ہوا۔ وہاں اس نے پورے اعزاز کے ساتھ باربک شاہ کو شرقیہ سلطنت جونپور کے تخت پر پھر سے بٹھا دیا۔ البتہ جونپور کے آس پاس کے کچھ پرگنے اپنے خاص امراء کو دے دیے۔ جگہ جگہ اپنے داروغہ اور حکام مقرر کر کے کالپی کی جانب روانہ ہوا۔ لیکن روانگی سے قبل اپنے بعض قابل اعتماد امراء باربک شاہ کے دربار میں چھوڑ دیے تاکہ اس کا بغاوت کا پھر سے ارادہ نہ ہو۔(12)

مبارک خان نوحانی سے حسن سلوک:

افسانہ شاہان میں ہے کہ جب سلطان بہلول فوت ہوا تو باربک شاہ نے مبارک خان کو تحریر کیا کہ سلطان بہلول فوت ہو گیا ہے تم میرے پاس آ جاؤ۔ مبارک خان نے جلدی سے

جا کر باربک شاہ سے ملاقات کی اور باربک شاہ کے نام کا خطبہ بھی پڑھا اور اسے بادشاہ بنانے کا اعلان کیا۔ پھر باربک شاہ نے کہا کہ سکندر لودھی دہلی میں ہے وہ بھی اپنے نام کا خطبہ پڑھتا ہے۔ مبارک خان نے کہا کہ میں اسے دور کردوں گا۔ اس وقت سلطان سکندر کے امراء میں اس مبارک خان کے بھی دو بیٹے تھے۔ مبارک خان اپنے قول کے مطابق دہلی کی جانب بڑھا۔ سکندر بھی باربک شاہ کی جانب بڑھا۔ راہ میں دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی۔ سکندر خان کو فتح ہوئی اور مبارک خان کے دونوں لڑکے دریا خان و نصیر خان جو سکندر کے ساتھ تھے انہوں نے عین جنگ میں اپنے باپ مبارک خان کو گرفتار کر کے گھوڑے سے کھینچ لیا اور سکندر لودھی کے پاس لائے۔ باربک شاہ گجرات کی جانب فرار ہو گیا اور وہیں فوت ہو گیا۔ دوسرے روز سکندر لودھی مبارک خان کے پاس گیا اور اس کے سامنے تلوار کھول کر پیش کی اور کہا کہ اگر میں اس لائق نہیں ہوں تو آپ جس کو چاہیں بادشاہ مقرر کردیں۔ مبارک خان نے کہا کہ اگر یہ بات ہماری مرضی پر منحصر ہوتی تو میدان میں فتح ہماری ہوتی ہمارا منہ کالا نہ ہوتا۔ تجھے خدا نے بادشاہی دی ہے۔ پھر سلطان نے کہا کہ آپ اپنے ہاتھ سے میری کمر پر تلوار باندھیں۔ مبارک خان نے خود اپنے ہاتھ سے اس کی تلوار باندھی۔ کہتے ہیں کہ سلطان سکندر نے اسے اسی روز جونپور واپس کر کے حاکم مقرر کر دیا اور خود دہلی آ گیا۔(13) افسانہ شاہان کے اس بیان میں صرف دو غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ جونپور کی جنگ کے بعد باربک شاہ گرفتار ہوا تھا۔ وہ گجرات میں فوت نہ ہوا۔ دوم یہ کہ جونپور پر مبارک خان کو حاکم نہیں بنایا گیا بلکہ باربک شاہ کو بنایا گیا۔

انتظامی تبدیلیاں:

کالپی آ کر سلطان سکندر نے اپنے بھتیجے اعظم ہمایوں کو اس کی حکومت سے ہٹا دیا اور محمود خان لودھی کو کالپی کا حکمران مقرر کیا۔ وہاں سے "بکسر جھترہ" (پرگنہ اعظم نگر ضلع اٹاوہ)

گیا۔ وہاں کے حاکم تاتار خان نے اس کی اطاعت کا اعلان کیا جس پر وہ علاقہ اسے ہی دے دیا گیا۔ اس کے بعد سلطان گوالیار کی جانب گیا۔ خواجہ محمد فرلی کو انعامات کے ساتھ راجہ مان سنگھ کے پاس بھیجا گیا۔ راجہ مان سنگھ نے اطاعت قبول کر لی اور اپنا بھتیجا سلطان کے دربار میں بھیج دیا۔ پھر سلطان نے بیانہ کی جانب کوچ کیا۔(14)

بیانہ آمد:

بیانہ میں احمد خان جلوانی جو سلطان بہلول کے دور میں چوتھائی علاقے کا حاکم تھا، وفات پا چکا تھا اور اب اس کا لڑکا سلطان اشرف وہاں کا حاکم تھا۔ سلطان نے سلطان اشرف اور اس کے بھائیوں سے کہا کہ "یہ رو نہیں ہے کہ ہر گلی (گاؤں) اور قبیلے پر الگ الگ سردار ہوگا۔ یہ بادشاہی ہے۔"(15) سلطان اشرف نے فرمانبرداری کا اعلان کیا اور سلطان کے پاس آیا۔ سلطان نے اس سے کہا کہ بیانہ کی حکومت چھوڑ دو تمہیں جلیسر (ضلع آگرہ) چندوار، مارہرہ اور سکیت کی حکومت دے دیتے ہیں۔ سلطان اشرف راضی ہو گیا اور قلعہ کی کنجیاں حوالے کرنے کے بہانے عمر خان سروانی کے ساتھ بیانہ روانہ ہوا مگر وہاں جا کر قلعہ کے دروازے بند کر لیے اور عمر خان کو قلعہ دینے سے انکار کر دیا۔(16)

فتح بیانہ 1491ء:

اس دوران میں سلطان سکندر آگرہ کے موضع میں شکار میں مصروف تھا۔ یہاں پر ہیبت خان جلوانی قلعہ دار تھا اور سلطان سکندر کی آمد پر قلعہ بند ہو گیا تھا۔ سلطان نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ وہ سلطان اشرف جلوانی کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ اسی دوران سلطان کو بیانہ میں سلطان اشرف کی سرکشی کی اطلاع ملی۔ اس نے کچھ فوج قلعہ آگرہ کے محاصرے پر چھوڑی اور خود جا کر قلعہ بیانہ کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان اشرف کا جب محاصرہ طویل ہو گیا تو اس نے جان بخشی کی درخواست کی اور اطاعت قبول کر لی۔ سلطان سکندر نے بیانہ کی حکومت خان

خانان فرملی کے سپرد کردی اور خود دہلی روانہ ہوگیا۔ بیانہ 897ھ/1491ء میں فتح ہوا۔ سلطان اشرف اس کے بعد گوالیار چلا گیا۔(17)

بیانہ کے نواحی علاقے کے راجپوتوں کی گوشمالی 1491ء:

جب سلطان بیانہ میں مقیم تھا تو وہاں کے بعض راجے بہت طاقتور تھے۔ بیانہ سے مغرب کی طرف رانا حکمران تھا۔ گوالیار پر راجہ مان تھا جو راجپوتوں کی تورتور قوم سے تھا۔ اسی طرح سے جگہ جگہ راجے تھے۔ ان میں سے کچھ جادوگر بھی تھے۔ ایک روز سلطان چوگان کھیل رہا تھا کہ ایک فریادی نے آکر شریعت کا واسطہ دیا کہ ان راجاؤں نے ہمارے اہل خانہ کو قید کرلیا ہے اور علاقوں کو غارت کیا ہے۔ سلطان اسی وقت ان راجوں کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ جب بھی کوئی مجھے شریعت کی دہائی دیتا ہے تو میرا غصہ کم نہیں ہوتا۔ وہ وہیں سے جادوگر راجپوتوں کے پہاڑوں میں گھس گیا۔ وہاں ان جادوگروں کو قتل کیا اور اس مسلمان فریادی کو وہیں پر جاگیر دی۔ خود قصبہ سوی سور کی جانب لوٹا اور بیانہ آگیا۔ کہتے ہیں کہ راجہ رام چندر کا باپ بیر بہان، باندھو کا راجہ تھا۔ اس نے اپنی طاقت سے اپنے بھتیجے کے ملک پر بھی قبضہ کرلیا۔ وہ بھتیجا سلطان سکندر کے پاس آگیا۔ اسی دوران بیر بہان بھی سلطان سکندر کے پاس آگیا۔ جب اپنے بھتیجے کو وہاں دیکھا تو بولا کہ یہاں آنا تو دراصل اپنا ملک کھو دینے کے لیے آنا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں یہ بات بھی مجھ سے بعید نہیں ہے۔ اور اگر اپنا ملک وعلاقہ پالوں گا تو دو باتیں عقلمندی کی ہوں گی۔ دم فرو بستن بوقت گفتن اور گفتن بوقت خاموشی۔ راجہ نے یہ جواب سنا تو خاموش ہوگیا اور دل میں کہا کہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ یہ یہیں پر رہے۔ آخر کار بڑی تسلی دے کر اور دلاسے دلا کر اپنے بھتیجے کو اپنے مذہب کی قسم دے کر وہاں سے واپس لے گیا اور اسے اس کا حصہ دے دیا۔(18)

ٹھٹھہ کی مہم اور اس کی تردید:

افسانہ شاہان میں ہے کہ جب سلطان سکندر بیانہ میں تھا تو اس نے ٹھٹھہ کی جانب اپنی فوجیں روانہ کیں۔ اور کہا کہ جس روز وہ جگہ فتح ہو جائے تو یوں کرو کہ اسی روز اس کی خبر ہم تک پہنچ جائے۔ جو فوجیں روانہ کی گئیں تھیں وہ جگہ جگہ 'تودہ کاہ' (ڈھیر لگاتا) کرتی ہوئی جارہی تھیں۔ آخر جب فتح ہوگئی تو ایک "تودہ کاہ" کو آگ دکھائی گئی تھی جس کو دیکھ کر سارے تودے جلا دیے گئے۔ اس آگ سے اسی روز معلوم ہو گیا کہ فتح ہو گئی ہے۔ مختصر یہ کہ جب بابر بادشاہ ہندوستان آیا تو ملک قندھار میں ارغون آباد تھے۔ ان کو ملک بدر کرکے ٹھٹھہ دے دیا گیا۔ (19)

لیکن یہ باتیں محض افسانہ ہیں۔ ٹھٹھہ کی مہم کی تصدیق کہیں اور سے نہیں ہوتی۔ ٹھٹھہ پر فوج کشی ویسے بھی خلاف عقل ہے۔ سلطان سکندر کے پاس ٹھٹھہ پر فوج کشی کے صرف دو راستے تھے۔ ایک ملتان کی جانب سے جہاں پر لنگاہ خاندان حکمران تھا اور سلطان سے اس کی صلح تھی۔ (20) اس لیے اس جانب سے حملہ نہیں ہوسکتا تھا۔ دوسرا راجپوتانے سے جہاں سلطان نے کبھی فوج کشی نہ کی۔ وہاں آزاد راجے موجود تھے۔

فتح جونپور دوم:

899ھ 4-1493ء میں خبر ملی کہ جونپور کے راجپوت زمیندار جو بچگوتی ذات سے تعلق رکھتے ہیں وہ باغی ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ایک لاکھ پیادہ اور سواروں کا لشکر جمع کر جونپور پر حملہ کر دیا۔ وہاں سلطان کے نگران مبارک خان نوحانی کو معزول کر دیا اور اس کے بھائی شیر خان کو قتل کر دیا۔ مبارک خان "جوسی" (مقتل بھول پور ضلع الہ آباد) سے دریائے گنگا کو عبور کرتے ہوئے ملاحوں کے ہاتھ قید ہو گیا ہے۔ بھٹہ کے راجہ رائے بھید نے اس کو گرفتار کر لیا ہے۔ اور باربک شاہ حاکم جونپور خوفزدہ ہو کر محمد خان فرملی عرف کالا پہاڑ کے

پاس دریا باد (دلمو) آ گیا ہے۔ سلطان نے فوراً ایک لشکر تیار کیا اور جونپور کی جانب بڑھا۔ دلمو میں باربک شاہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس سے آن ملا۔ سلطان نے اس کی غلطیاں نظر انداز کر لیں اور اسے انعام دیا۔ بھٹہ کے راجہ رائے بھید کو جب سلطان کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے مبارک خان نوحانی کو رہا کر دیا اور تحفے تحائف دے کر اسے سلطان کے پاس بھیج دیا اور اپنی اطاعت کا یقین دلایا۔(21)

واقعات مشتاقی میں ہے کہ فتح بیانہ کے بعد جب سلطان دہلی میں تھا تو تیسرے روز اسے چوگان بازی کے دوران خبر ملی کہ مبارک خان نوحانی کو جوگا ہندو نے شکست دے کر تعاقب کر کے گرفتار کر لیا ہے۔ سلطان نے اسی وقت خان جہان لودھی دوم سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے۔ خان جہان نے جواب دیا کہ "کھانا تیار ہے، نیک شگون پتہ کرواتے ہیں اور چل پڑتے ہیں۔" سلطان نے کہا کہ بس! کھانا پہلی منزل پر کھائیں گے۔ یہ کہہ کر اٹھا اور جنگ پر روانگی کے لیے شہر سے باہر خیمہ نصب کروا دیا۔ مسلسل کوچ کرتا ہوا دریائے کودی پر آیا۔ جاسوسوں نے استفسار پر بتایا کہ جوگا یہاں سے 7 کروہ کے فاصلے پر ہے اور اسے ابھی شاہی لشکر کی آمد کی خبر نہ ہوئی ہے۔ اس وقت سلطان کے ساتھ صرف 500 سوار تھے۔ بعض امراء نے مشورہ دیا کہ دنبال سے مزید لشکر آنے کا انتظار کر لیا جائے۔ مگر سلطان نے کہا کہ یہی تعداد کافی ہے۔ آخر یہ لوگ چل پڑے دوسری جانب پندرہ ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادے تھے۔ جوگا سے تین کروہ کے فاصلے پر بھی جوگا کو خبر نہ ہوئی۔ جب دو کروہ کا فاصلہ رہ گیا تو جوگا کو خبر ہوئی تو وہ سارا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ آخر سلطان نے جا کر اس کے خیمہ اور تخت پر قبضہ کر لیا۔(22)

جوگا کا فرار دراصل محض نفسیاتی مغلوبہ سے تھا۔ اسے امید نہ تھی کہ سلطان اتنی جلدی پہنچ جائے گا۔ اور جب سلطان پہنچ گیا تو اس کے علم میں صرف سلطان اور اس کے 500 سوار آئے جس سے جوگا کو مزید خطرہ ہوا کہ شاید بھاری لشکر کہیں سے گھیراؤ کر رہا ہوگا جو ہمارے

سامنے نہ آیا۔ سکندر لودھی کے افغان سپاہی اس طرح سے دشمن کو ہیبت زدہ کرنے میں بہت ماہر تھے۔ تاتار خان کی فوج کو بھی اس طرح سے ہیبت زدہ کیا گیا تھا۔

جوگا ہندو نے بھاگ کر سلطان حسین شرقی کے قلعہ میں پناہ لے لی تھی۔ سلطان نے شرقی سلطان کے قلعہ کے پاس جا کر درج ذیل متن کا خط اس کو بھجوایا:

''آپ کو میں اپنے والد کی جگہ پر سمجھتا ہوں۔ اور آپ کا بہت احترام اور عزت کرتا ہوں۔ آپ کے اور میرے والد سلطان بہلول کے درمیان جو ہوا وہ گزر گیا۔ ماضی کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ قلعہ اور ملک جو آج آپ کے پاس ہے وہ آپ کو مبارک ہو۔ میرا اس جگہ آنے کا مقصد یہ ہے کہ جوگا نے بہت بڑا جرم کیا ہے میں اس سے اس جرم کا بدلہ لوں گا۔ خلوص اور اتحاد کا طریقہ یہ ہے کہ اُسے یا تو خود سیاست سے قابو کریں یا گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیں تاکہ میں جانوں اور وہ جانے۔'' (23)

سلطان حسین نے اس کا جواب یوں ارسال کیا کہ:

''جوگا میرا نوکر ہے اور تیرا باپ ایک سپاہی مرد تھا۔ میں نے اس سے تلوار چلائی ہے لیکن تو نادان بچہ ہے۔ اگر فضول باتیں کرے گا تو تجھے تیری تلوار کی جگہ ہی جوتا مار دوں گا۔'' (24)

سلطان سکندر نے پھر بھی تحمل سے کام لیا اور سلطان حسین کے ایلچی 'میران سید خان'' کو کہا کہ آپ سید ہیں آپ اسے نہیں سمجھاتے کہ اس طرح سے لاپرواہی سے کام نہ لے۔ میران نے جواب دیا کہ میں تو اس کا نوکر ہوں۔ اس پر اس کو وداع کر دیا گیا۔ (25)

دوسرے روز جب جنگ کے لیے تیار ہوئے تو سلطان نے میمنہ پر شاہو خیل لودھیوں کو مقرر کیا۔ میسرہ پر فرملیوں اور لوحانیوں کو مقرر کیا۔ عقب میں سروانیوں اور خاصہ خیل کو تعینات کیا۔ عمر خان سروانی کو مقدمہ پر لگایا اور خود ہاتھی پر سوار ہو کر فوج کا نظارہ کیا اور سب

کو تسلی تھی۔ اسی دوران سلطان حسین قلعے سے نکل آیا اور فوجوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ گھمسان کا رن پڑ گیا۔ دوران جنگ میران سید خان اور دیگر کئی لوگ سلطان سکندر سے آن ملے۔ ان کو سلطان حسین شرقی نے بہت ذلیل کیا تھا۔ سلطان سکندر نے ان کو خوب عزت دی۔ (26)

کافی مقابلے کے بعد سلطان حسین کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہو گیا۔ سلطان سکندر نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ سلطان حسین کے بہت سے امراء کو گرفتار کر لیا گیا۔ سلطان نے بعد ازاں ان کو بھی خیمے اور سامان دیا اور ان کی عزت کی۔ اس طرح سے ان کو اپنی جانب مائل کیا۔ (27)

جب سلطان حسین شرقی فرار ہو گیا تو مبارک خان توحانی نے سلطان سکندر سے اس کے تعاقب کی اجازت چاہی مگر سلطان نے بڑے تحمل سے کام لیا اور فوری تعاقب سے منع کر دیا۔ مبارک خان نے کہا کہ تعاقب میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ سلطان سکندر نے کہا کہ سلطان حسین کو اپنے غرور سے شکست ہوئی ہے۔ خدا نے تمہیں فتح دی ہے لہذا اب تم مغرور مت ہو اور صبر کرو۔ استغفار کرو اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ (28)

اس کے بعد سلطان نے کھکر (تحصیل لال گنج ضلع رائے بریلی) کا رخ کیا۔ یہاں پر ہندوؤں اور خصوصاً جاٹ قوم کے لوگوں نے سلطان سے جنگ کی۔ جاٹوں نے زبردست مقابلہ کیا اور فریقین کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ آخر کار سلطان کو فتح ہوئی اور جاٹ منتشر ہو گئے۔ سلطان کو اس جنگ میں بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ (29)

فتح جونپور سوم 1493ء:

اس کے بعد سلطان جونپور میں داخل ہوا اور باربک شاہ کو پھر سے وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اس کے بعد وہ دہلی روانہ ہوا۔ راہ میں ایک ماہ تک قصبہ اودھ میں سیر و شکار میں مصروف رہا۔ جب وہ کھکھر پہنچا تو پھر اطلاع آئی کہ راجپوتوں نے بغاوت کر کے باربک شاہ کو بے

دخل کر دیا ہے۔اس پر سلطان پھر سے جونپور روانہ ہوا۔اس نے محمد فرملی، اعظم خان ہمایوں خان جہان لودھی اور خان خانان نوحانی کو اودھ کی راہ سے جبکہ مبارک خان نوحانی کو آگرہ کی جانب سے جونپور پر حملے کا حکم دیا اور کہا کہ وہاں کا انتظام خود سنبھالیں جبکہ باربک شاہ کو قید کر کے بھیج دیں۔(30) طبقات اکبری میں سلاطین جونپور کے ذکر میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ سلطان حسین کہ شہ پر باربک شاہ نے جونپور کے حالات کو درست کیا اور بار بار بغاوت کی تا کہ بدامنی قائم رہے اور یہاں ہونے والی مختلف سازشوں میں اسی کی شہ پر باربک شاہ کا اندرونی ہاتھ ہوتا تھا۔(30-A)

محاصرہ چنار 1494ء:

باربک شاہ کو جب قید کر کے بھیجا گیا تو سلطان سکندر نے اسے ہیبت خان نیازی اور عمر خان سروانی کی تحویل ونگرانی میں دے دیا اور خود جونپور کے نواح میں قلعہ چنار کی فتح پر توجہ دینے لگا۔یہ قلعہ نا قابل تسخیر تھا لہذا سلطان نے اس کا محاصرہ اٹھا لیا۔(31)

فتح کنتت 1494ء:

اس کے بعد سلطان بھٹہ یا پٹنہ کے نواح میں قلعہ "کنتت" کی جانب روانہ ہوا۔وہاں کا راجہ رائے بھید چند اس کے استقبال کو آیا اور اپنی اطاعت کا اسے یقین دلایا۔سلطان نے کنتت کی حکومت اسی کے سپرد کر دی۔(32)

فتح اریل:

اس کے بعد سلطان "اریل" گیا جو ضلع الہ آباد کی تحصیل کرچنا میں الہ آباد شہر کے مقابل ہے۔اس علاقے کو سلطان سکندر نے خوب تباہ کیا اور جنگلات و باغات کو برباد کر دیا۔(33) یہ علاقہ دشمنوں کی پناہ گاہ تھا۔

کنٹت کا انتظام:

اسی دوران میں راجہ بھید چندر کسی غلط فہمی کی وجہ سے کنٹت میں اپنا سارا مال و متاع چھوڑ کر بھٹہ کی جانب فرار ہو گیا۔ سلطان نے اس کا تمام مال و متاع اسے واپس بھجوا دیا اور کنٹت پر اپنا حاکم مقرر کر دیا۔(34)

شیر خان نوحانی کی بیوہ سے نکاح:

اس کے بعد سلطان دلمو پہنچا۔ یہاں اس نے شیر خان نوحانی (جو مبارک خان نوحانی کا بھائی تھا) کی بیوہ سے شادی کر لی۔ وہ بہت حسین عورت تھی اور عقلمند شمار ہوتی تھی۔ یوں نوحانی قبیلے سے سلطان کی رشتہ داری ہو گئی اور دونوں قبیلوں کا تعلق اور مضبوط ہو گیا۔(35)

فتح بدیوتا کل:

اس کے بعد سلطان شمس آباد گیا اور وہاں اس نے 6 ماہ قیام کیا۔ اس کے بعد وہ سنبھل گیا۔ کچھ عرصے کے بعد واپس شمس آباد کو روانہ ہوا۔ راستے میں موضع "بدیوتا کل" کو سلطان تباہ و برباد کیا۔ یہ علاقہ ڈاکوؤں اور لیٹروں کا مضبوط گڑھ تھا۔ سلطان نے برسات کا سارا موسم شمس آباد میں گزارا۔(36)

جنگ بھٹہ:

900ھ/1494ء میں سلطان سکندر راجہ بھید چندر کی گوشمالی کے لیے بھٹہ کی جانب بڑھا۔ راستے میں راہزنوں کے اور باغیوں کے تمام ٹھکانوں کو برباد کرتا چلا گیا۔ "کھان کھائی" کے مقام پر راجہ بھید کے لڑکے برسنگھ نے اس کا مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر بھاگ گیا۔ سلطان اس کا تعاقب کرتے ہوئے بھٹہ جا پہنچا۔ راجہ بھید اپنے اہل و عیال کے ساتھ

موضع سرکچہ کی جانب فرار ہو گیا مگر راستے میں ہی فوت ہو گیا۔ اس کی فوت کی خبر سن کر سلطان نے بھٹنہ کے ایک موضع پھپوند کا رخ کیا۔ یہاں پر افیون، پوست، نمک، تیل اور گھی وغیرہ بہت مہنگے تھے۔ یہاں سے سلطان جونپور گیا۔ اس مہم میں سلطان کے بہت سے جانور ضائع ہو گئے۔ فوج کے تقریباً 90 فیصد گھوڑے اور دیگر جانور دانہ اور چارہ نہ ملنے کی وجہ سے مر گئے۔ (37)

اسی دوران میں راجہ رائے بھید چندر کے بڑے لڑکے لکشمی چند اور دیگر زمینداروں نے سلطان حسین شرقی کو تحریر کیا کہ سلطان کا سارا لشکر گھوڑوں اور آلات حرب سے محروم ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سلطان سکندر کا خاتمہ کر دیا جائے۔ (38)

جنگ بنارس 1494ء:

سلطان حسین شرقی جو اس وقت بہار کے ایک حصے پر حکمرانی کر رہا تھا۔ وہ ایک بھاری لشکر لے کر 100 ہاتھیوں کے ساتھ سکندر لودھی کی جانب بڑھا۔ اتنے میں سلطان سکندر کنتت کے پاس دریا گنگا عبور کر کے چنار چلا گیا اور وہاں سے بنارس آ گیا۔ سلطان سکندر نے خان خاناں کو راجہ بھید کے دوسرے بیٹے راجہ سالباہن سے صلح کے لیے روانہ کیا۔ اسی دوران سلطان حسین شرقی بنارس کے پاس آ گیا۔ سلطان نے مقابلے کا ارادہ کیا اور فریقین میں جنگ شروع ہو گئی۔ دوران جنگ ہی راجہ سالباہن سلطان سکندر سے آن ملا۔ دوران جنگ سلطان حسین کی جنگ میں بھگدڑ مچ گئی اور اسے شکست ہوئی۔ وہ پٹنہ کی جانب بھاگا۔ سلطان نے ایک لاکھ سواروں کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔ نو روز کے بعد سلطان واپس آ گیا۔ اسی دوران اطلاع آئی کہ سلطان حسین بہار کی جانب گیا ہے۔ سلطان سکندر بھی بہار کی جانب گیا۔ سلطان حسین اتنا خوفزدہ ہو گیا کہ بہار کے قلعے میں ملک کندو کو چھوڑ کر خود لکھنوتی کے نواح میں ایک گاؤں "کھل" میں چھپا۔ سلطان نے دیوبار کے مقام سے ایک فوج ملک کندو کے خلاف بھیجی۔ ملک کندو بغیر مقابلے کے ہی فرار ہو گیا اور یوں پورے بہار

پر سلطان سکندر کا قبضہ ہو گیا۔ سلطان سکندر نے محبت خان کو چند امراء کے ساتھ بہار میں چھوڑا۔(39)

راجہ ترہٹ کی اطاعت 1495ء:

اس کے بعد سلطان سکندر درویش پور کی جانب گیا۔ اس نے خان جہان لودھی دوم کو سپہ سالار افواج مقرر کر کے ترہٹ کی جانب روانہ کیا۔ وہاں کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی اور چند لاکھ ٹنکے خراج دینا بھی قبول کیا۔ سلطان نے مبارک خان نوحانی کو یہ رقم وصول کرنے کی غرض سے وہیں چھوڑا اور خود درویش پور میں اپنے لشکر سے آن ملا۔(40)

خان جہان لودھی کی وفات:

6۔ شوال 901ھ 29 جون 1496ء کو خان جہان لودھی دوم فوت ہو گیا۔ سلطان سکندر نے اس کے لڑکے احمد خان لودھی کو اس کی جگہ مقرر کیا اور اسے اعظم اہمایوں کا خطاب دیا اور اعزازات و انعامات دیئے گئے۔(41)

پٹنہ کا دورہ:

اس کے بعد سلطان پٹنہ گیا۔ اسے صوفیا سے عقیدت تھی لہٰذا شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے مزار پر حاضری دی۔(42)

بنگال پر حملہ 1496ء:

اب سلطان سکندر نے بنگال پر چڑھائی کی۔ بنگال پر سلطان علاؤ الدین حکومت کر رہا تھا۔ جب سلطان سکندر تغلق پور پہنچا تو سلطان علاء الدین نے ایک فوج اپنے بیٹے کی ماتحتی میں اس کو روکنے کو روانہ کی۔ تا کہ شہر تغلق پور کا دفاع بھی کیا جا سکے۔ سلطان سکندر نے محمود

خان لودھی اور مبارک خان نوحانی کو مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ موضع بارہ (ضلع پٹنہ) کے مقام پر فوجوں کا سامنا ہوا۔ مگر صلح کی بات چیت شروع ہوگئی۔ اس شرط پر صلح ہوگئی کہ دونوں بادشاہ اپنے اپنے علاقوں پر قابض رہیں گے اور دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہ کریں گے اور نہ ہی ایک دوسرے کے باغیوں کو پناہ دیں گے۔ (43)

بہار پر دریا خان نوحانی کی تعیناتی:

اس صلح کے بعد محمود خان لودھی اور مبارک خان نوحانی واپس آ گئے۔ پٹنہ آ کر مبارک خان نوحانی کا انتقال ہوگیا۔ سلطان سکندر نے صلح منظور کرتے ہوئے صوبہ بہار کی حکومت پر دریا خان نوحانی ابن مبارک خان نوحانی کو مقرر کیا۔ اس دوران وہ 6 ماہ تک درویش پور میں مقیم رہا جبکہ تغلق پور سلطان علاء الدین کو واپس دے دیا گیا۔ درویش پور کے صوبے پر اعظم ھمایوں کو حاکم مقرر کیا گیا۔ (44)

غلے کی کمی 1497ء اور زکوۃ معافی کا اعلان:

اسی دوران میں غلے کی کمی ہوگئی۔ سلطان نے عوام کی فلاح کے لیے غلہ پر سے زکوۃ معاف کردی اور پورے ملک میں یہ فرمان جاری کردیا۔ (45)

سارن کا انتظام:

اس کے بعد سلطان سکندر نے بہار کے ایک قصبہ سارن کا رخ کیا جو جاٹ زمینداروں کے قبضے میں تھا۔ وہ ان سے لے کر اپنے امراء کی جاگیر میں دے دیا۔ (46)

قیام جونپور 1497ء:

پھر سلطان جونپور آ گیا اور 6 ماہ تک یہیں مقیم رہا۔ اس کے بعد وہ پٹنہ روانہ ہوا۔ (47)

جنگ پٹنہ دوم:

کہتے ہیں کہ سلطان سکندر 904ھ 1498ء میں پٹنہ روانہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے راجہ سالباہن کی لڑکی سے نکاح کا پیغام دیا تھا جو راجہ نے رد کر دیا۔ اس پر سلطان نے انتقاماً وہاں حملہ کیا اور شاہی فوج نے خوب لوٹ مار کی اور وہاں کی آبادی کو ختم کر دیا۔ (48)

سلطان سکندر کی یہ حرکت قابل مذمت ہے۔ ایک جانب وہ شدت پسند مسلمان تھا اور دوسری جانب ایک غیر مسلم کی لڑکی سے زبردستی شادی کرنا چاہتا تھا جو اسلام میں سختی سے منع ہے۔ اس سے اس کے اندر موجود خود غرضی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ اس نے راجہ سالباہن کا زور توڑنے کے لیے اس کی لڑکی سے شادی کا بہانہ ڈھونڈا ہو۔ کیونکہ بہار میں اب صرف وہی اس کا ممکنہ مخالف تھا۔ اس صورت میں بھی اس کا عمل قابل مذمت ہے کہ راجہ کے ساتھ اس نے خود جنگ شروع کی۔

قلعہ باندھو پر حملہ:

غرض کے سلطان سکندر نے راجہ کے صدر مقام "قلعہ باندھو" پر بھی حملہ کیا۔ یہ بہت مضبوط قلعہ تھا۔ جو اس سے فتح نہ ہو سکا اور سلطان کو واپس جونپور آنا پڑا۔ (49)

مبارک خان لودھی سے حساب طلبی:

جونپور آ کر سلطان نے وہاں کے حاکم مبارک خان سے صوبے کی آمدنی کا حساب لیا۔ یہ مبارک خان نوحانی کے علاوہ ایک سردار تھا جو موجی خیل لودھی قبیلے کا تھا۔ موجی خیل قبیلہ سلطان سکندر کی دادی یعنی سلطان بہلول کی ماں کا تھا۔ (50) اور یہ مبارک خان سلطان سکندر کی دادی کی جانب سے اس کا رشتہ دار تھا۔ مبارک خان کو سلطان سکندر کے باربک شاہ کی گرفتاری کے بعد وہاں کا حاکم مقرر کیا تھا۔ مبارک خان نے پیسہ ہضم کر لیا تھا لہٰذا وہ ٹال مٹول سے کام لینے لگا۔ سلطان سکندر نے حکم دیا کہ سرکاری قانون کے مطابق مبارک خان

لودھی سے آمدنی وصول کی جائے۔(51)

حاکم ملتان سے تعلقات:

جب سلطان بہلول کا انتقال ہوا اور سلطان سکندر تخت نشین ہوا تو سلطان حسین حاکم ملتان نے ایک تعزیت نامہ روانہ کیا۔ساتھ ہی بادشاہی کی مبارک باد کے طور پر ہدیے اور تحائف بھی روانہ کیے۔اور صلح کی تحریک دی۔سلطان سکندر اس سے بہت خوش ہوا اور دونوں بادشاہ صلح پر راضی ہو گئے۔دونوں میں طے پایا کہ آپس میں اتحاد اتفاق رکھیں گے۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔ایک دوسرے کی سرحدوں کا احترام کریں گے۔اگر کسی کو امداد کی ضرورت ہوئی تو ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔سلطان سکندر نے اس بات کا عہد نامہ تحریر کروایا اور اپنی سلطنت کے امراء سے شہادت ڈلوا کر ایلچیوں کو خلعتیں دے کر سلطان حسین کے پاس واپس روانہ کر دیا۔(51-A) سلطان محمود بن سلطان فیروز بن سلطان حسین کے دور میں جام بایزید اور سلطان محمود میں جنگیں ہوئیں۔جام بایزید نے ایک موقع پر قلعہ شور پر قبضہ کر کے سلطان سکندر لودھی کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔خط ملنے پر سلطان سکندر نے جام بایزید کو جواب میں تسلی پناہ دو بلکہ بوقت ضرورت اس کی مدد بھی کی۔چند روز بعد جب سلطان محمود نے قلعہ شور پر حملہ کیا تو جام بایزید مقابلے کو نکلا اور دولت خان لودھی سے امداد مانگی۔جنگ شروع ہوگئی اور دوران جنگ دولت خان آ گیا جس نے دونوں میں صلح کرادی اور دریائے راوی کو دونوں کے درمیان سرحد مقرر کر دیا۔اگرچہ یہ صلح دیرپا ثابت نہ ہوئی مگر جام بایزید اور اس کا علاقہ سلطان سکندر کی معاونت میں شامل ہو گئے۔(51-B)

ہندوؤں کی فارسی دانی:

مسلمانوں کی آمد سے سلطان بہلول کے وقت تک ہندو فارسی پڑھنے سے پرہیز کرتے تھے لیکن سلطان سکندر لودھی کے دور میں ہندوؤں کو فارسی پڑھنے اور لکھنے کی تعلیم دی گئی اور

مختلف محکموں میں ان کو لگایا گیا۔ "قانون گو" نامی ذات ہندوؤں میں ان برہمنوں کے اندر پیدا ہوئی جو فارسی کی جانب راغب ہوئے۔ یوں سکندر کے دور میں بڑی تعداد میں ہندو سرکاری ملازمتوں میں آ گئے۔(52) اس سے سلطان کے غیر متعصب ہونے کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔ نیز شیخ اکرام صاحب نے اس کی جو وضاحت کی ہے وہ بھی قابل ذکر ہے کہ پٹواریوں اور مال گزاریوں کا نظام مسلمانوں کی آمد کے بعد بھی مقامی زبانوں میں تھا جس کی وجہ سے نظام مالیات وغیرہ میں بہت گڑ بڑ ہوئی تھی اور حکام کو اس کا پورا علم نہ ہو پاتا تھا۔ سکندر لودھی نے اس کے پیش نظر تمام سرکاری کارروائی خصوصاً مالی معاملات فارسی میں کرنے کا حکم دیا اور جو عہدیدار ہندو تھے ان کو بھی فارسی پڑھنے اور سیکھنے کا حکم دیا۔(52-A)

پردہ سرا اور حجابت کا اہتمام:

اسی دوران میں سلطان سکندر نے اپنے ساتھ حفاظتی دستے اور پہرے کا اہتمام کرنا شروع کر دیا۔ اس کی وجہ اور تفصیل مخزن میں یوں درج ہے:

"انہی ایام میں ایک دن سلطان چوگان بازی کے لیے میدان میں آیا ہوا تھا کہ کھیل کے دوران دریا خاں سروانی کے بیٹے سلیمان کی چوگان کھیلنے والی ہاکی کا سرا ہیبت خاں کی ہاکی سے ٹکرا کر اس کے اپنے ہی سر پر لگا جس سے اس کا سر پھوٹ گیا۔ اس پر ان میں جھگڑا ہوا اور بڑھتے بڑھتے بات لڑائی تک جا پہنچی۔ خضر خاں نے اپنے بھائی سلیمان کا بدلہ لینے کے لیے ہیبت خاں کے سر پر ہاکی دے ماری۔ اس سے ایک عجیب شور و غل برپا ہوا۔ خان خاناں اور محمود خاں نے ہیبت خاں کو تسلی دی اور اُسے گھر لے گئے۔ سلطان بھی کھیل کے میدان سے اُٹھ کر اپنے محل میں چلا گیا۔ تین چار روز کے بعد سلطان دوبارہ چوگان بازی کے میدان میں گھوڑے پر سوار جا رہا تھا اور سلیمان کا بھائی خضر خاں بھی سلطان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا کہ ہیبت خاں کے رشتہ داروں میں سے شمس خاں نامی ایک شخص نے جو گھات میں

بیٹھا تھا، چوگان کھیلنے والی ہاکی اس کے سر پر دے ماری۔ اگرچہ سلطان کے حکم سے اسے پکڑ کر بہت پیٹا گیا لیکن ان واقعات سے سلطان اس قدر مایوس اور اپنے امراء سے بدظن ہوا کہ اس نے محل میں آ کر اپنے قابل اعتماد امراء میں سے بعض کو اپنی جانی حفاظت کے لیے ہر وقت پہرہ دینے پر مقرر کیا۔ اس کے بعد امراء کی یہ جماعت ہر رات کو مسلح ہو کر محل کا پہرہ دیتی تھی۔'' (52-B)

22۔امراء کی بغاوت اور اس کا سد باب 1499ء:

سلطان کے اس اقدام سے بعض امراء نے اس کے خلاف سازش شروع کر دی اور تقریباً 22 امیروں نے شہزادہ فتح خان ابن سلطان بہلول کو تخت نشینی کے لیے راضی کر لیا اور اس بات پر عہد و پیمان بھی ہو گیا۔ فتح خان نے یہ بات اپنی والدہ اور اپنے پیر شیخ زاہد کو بتلائی تو انہوں نے اسے بغاوت سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔ آخر فتح خان نے تنہائی میں سلطان سکندر کو تمام بات بتا دی۔ سلطان نے اپنے خاص وزراء سے مشورہ کر کے ان 22 امیروں کو پکڑ لیا اور دور دراز کے علاقوں میں جلاوطن کر دیا۔ ان امیروں میں تاتار خان لودھی، محمد شاہ، بابو خان، راجہ رائے گنیش اور سعید خان سروانی کے نام شامل ہیں۔ سعید خان سروانی کو ذرا بعد میں گرفتار کیا گیا۔ یہ سب گوالیار سے ہو کر گجرات اور مالوہ کی جانب نکل گئے۔ (53)

بزم سنبھل 1499-1503ء:

اس کے بعد سلطان نے کئی دن عیش عشرت میں گزارے وہ تقریباً دو سال تک سنبھل میں مقیم رہا۔ یہاں پر علم و ادب کی محفلیں جمتی رہیں اور شیخ جمالی بھی انہی دنوں میں سلطان سکندر کے پاس آئے۔ ان چیزوں کا ذکر ہم سلطان کے ذاتی کردار میں کریں گے۔ (54)

حکام کی تبدیلیاں:

906ھ/1500ء میں دہلی کے حاکم اصغر کو بد عنوانیوں کی وجہ سے دہلی کی حکومت سے

برطرف کر کے سنبھل میں قید کرلیا۔ خواص خان جو سلطان سکندر کی جانب سے ماچھیوارہ کا حاکم تھا سلطان کے حکم کے مطابق دہلی گیا۔ اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کو وہاں کا حاکم مقرر کر کے واپس سنبھل آ گیا۔ سلطان نے خواص خان کو اعزاز و اکرام سے نوازا۔ دریں اثناء بیانہ کا حاکم خان خانان فرملی فوت ہو گیا۔ سلطان نے اس کی جگہ اس کے بیٹوں عماد اور سلیمان کو بیانہ کی حکومت دی مگر فوج کی قلت کی وجہ سے وہاں پر شورش تیز ہو گئی جس پر عماد اور سلیمان سلطان کے پاس سنبھل آ گئے۔ سلطان نے خواص خان کو بیانہ کی حکومت دی اور صفدر خان کو موضع آگرہ کا ناظم بنایا۔ پھر عماد اور سلیمان کو شمس آباد، جلیسر، منگلور (ضلع سہارن پور تحصیل روڑکی) اور شاہ آباد (ضلع ہردوئی) اور کچھ دوسرے پرگنے دیئے۔ (55)

فتح دھولپور:

اسکے بعد سلطان سکندر نے قلعہ دھول پور کی جانب توجہ دی۔ یہاں کا راجہ رائے مانک دیو تھا جو سلطان سکندر کی اطاعت سے انکاری تھا۔ سلطان کے حکم سے عالم خان حاکم میوات، خان خانان نوحانی حاکم راپڑی اور خواص خان حاکم بیانہ تینوں شاہی فوج لے کر دھول پور کے قلعے پر حملہ آور ہوئے۔ راجہ مانک دیو بہت بہادر آدمی تھا۔ اس نے اور اس کی فوج نے کئی روز تک شاہی افواج کا مقابلہ کیا اور دونوں جانب سے بہت لوگ مارے گئے جن میں کئی دلیر اور سورما بھی تھے۔ خواجہ بین شاہی لشکر کا ایک نامور سردار اور بہادر تھا۔ وہ بھی اس جنگ میں مارا گیا۔ سلطان سکندر کو خواجہ بین کی موت کا بہت دکھ ہوا۔ وہ 6 رمضان 906ھ/1501ء بروز جمعہ کو خود سنبھل سے دھول پور روانہ ہوا۔ راجہ مانک دیو اس کی آمد کی خبر سن کر گوالیار فرار ہو گیا۔ دھول پور میں اس کے متعلقین اور امراء مقابلہ نہ کر سکے اور قلعہ چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ سلطان نے دوسرے روز قلعہ فتح کر لیا اور مال غنیمت لوٹا گیا۔ دھول پور کی عمارتیں تباہ کر دیں گئی اور 7 میل تک تمام باغات برباد کر دیئے گئے تاکہ باغیوں کو اشیائے خورد و نوش میسر نہ ہو سکیں۔ (56)

فتح گوالیار 1502ء:

ایک ماہ کے بعد شوال 906ھ/1502ء میں سلطان گوالیار کی جانب روانہ ہوا۔ کچھ عرصہ قبل گوالیار کا ایک سفیر تحفہ لے کر سلطان کے پاس آیا تھا مگر سلطان سے سیدھے منہ بات نہ کی تھی۔ سلطان کو اس کا بڑا رنج تھا۔ پھر سفیر خان سروانی، بابو خان، محمد شاہ، راجہ رائے گنیش وغیرہ سازشی امراء جو فتح خان لودھی کو تخت نشین کرانا چاہتے تھے اور ان کو سلطان نے جلاوطن کر دیا تھا وہ گوالیار میں پناہ گزیں تھے۔ اب راجہ مانک دیو بھی یہاں تھا۔ لہٰذا سلطان نے گوالیار پر چڑھائی کی۔ راستے میں پانی کی خرابی کی وجہ سے لشکر میں وبا پھیل گئی۔ ادھر راجہ گوالیار بھی سلطان کی طاقت دیکھ کر فوراً اس کے پاس آ گیا۔ صلح کی درخواست کی اور تحفے دیئے۔ اس نے جلاوطن امراء کو بھی اپنے قلعے سے نکال دیا۔ ساتھ ہی اپنے لڑکے بکرماجیت کو تحائف دے کر سلطان کے پاس بھیجا۔ سلطان نے اسے خلعت اور گھوڑا دے کر پورے اعزاز سے واپس کر دیا۔ اسی دوران راجہ مانک دیو نے بھی اطاعت گزاری کا اعلان کیا۔ اس پر سلطان ضلع آگرہ کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں دھول پور کے راجہ مانک دیو کو دھول پور کی حکومت پر بحال کر دیا۔ (57)

قیام بیانہ و آگرہ:

یہاں سے سلطان بیانہ واپس آ گیا اور برسات کا موسم یہیں گزارا۔ (58) طبقات اکبری میں ہے کہ سلطان نے برسات کا موسم آگرہ میں گزارا۔ (59) یہ دونوں علاقے قریب قریب ہیں۔

فتح مندرایل 1504ء:

اس کے بعد سلطان سکندر نے مندرایل قلعہ کی جانب توجہ دی۔ قلعہ والوں نے مقابلے

کی سکت نہ پا کر قلعہ سلطان سکندر کے حوالے کر دیا اور جان کی امان حاصل کی۔ سلطان نے وہاں کی مذہبی عمارات کو تباہ کیا اور ان کی جگہ مساجد تعمیر کیں۔ اپنے امراء میں سے میاں مکھن اور مجاہد خان کو قلعے کی حفاظت اور انتظام کے لیے چھوڑا اور خود آس پاس کے تمام علاقے، عمارات اور باغات کو تباہ و برباد کر دیا۔ بہت سے لوگوں کو قیدی بنایا اور بہت سوں کو قتل کیا۔(60)

جنگ ترہٹ دوم:

افسانہ شاہان میں درج ہے کہ جب سلطان سکندر بیانہ میں تھا تو حاکم سارن جو میاں حسین فرملی کا باپ تھا اور حاکم بہار دریا خان نوحانی نے مل کر دریا گنگا عبور کیا اور ترہٹ میں راجہ سیب سنگھ پر حملہ کر دیا اور فتح حاصل کی۔ راجہ سیب سنگھ کا بیٹا قتل ہو گیا اور سیب سنگھ فرار ہو گیا۔ یوں ملک ترہٹ ان کے قبضے میں آ گیا۔ سلطان سکندر کو جب یہ خبر ملی تو بہت افسوس کیا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ ہمارے اور ساداتان (سیدوں) کے درمیان یہ ملک (علاقہ) ایک دیوار تھا۔ اب ہماری نظر سیدوں کے گھرانے پر پڑے گی۔ جب حسین فرملی کے باپ اور دریا خان کو سلطان کی ناراضگی کا علم ہوا تو وہ ملک ترہٹ چھوڑ کر واپس آ گئے۔ نصیب شاہ نے ترہٹ کو خالی پا کر اپنے بہنوئی مخدوم عالم کو فوج کے ساتھ بھیج کر حاجی پور میں تخت نشین کر دیا۔ جب سلطان کو یہ پتہ چلا تو اس نے یہ تمام علاقہ نصیب شاہ کو ہی دے دیا۔(61)

آگرہ کی آبادکاری:

اسی سال 910ھ/1505ء میں سلطان سکندر نے شہر آگرہ کو بسانے کا ارادہ کیا۔ مخزن افغانی میں درج ہے کہ اس سال بڑی شدید گرمی پڑی جس سے اکثر لوگ بیمار ہو گئے۔ سلطان کا ان دنوں عارضی دارالحکومت بیانہ تھا۔ اس علاقے میں راہزنوں اور لٹیروں کی بھی بڑی تعداد تھی لہٰذا سلطان نے 911ھ/1506ء میں شہر آگرہ کی بنیاد رکھی۔ مخزن میں اس

کی تفصیل یوں ہے:

''اس سال گرمی اس قدر شدت کی پڑی کہ بہت سی رعایا تپ محرق اور دوسری مہلک امراض میں گرفتار ہوگئی۔ نیز اکثر جاگیردار، عام رعایا اور سرکاری ملازمین، صوبہ بیانہ میں دریائے جون کے کناروں پر آباد لٹیروں، راہزنوں اور باغیوں کے ہاتھوں عذاب میں مبتلا تھے۔ یہ لوگ آئے دن دربار میں درخواستیں بھیجتے جس کی وجہ سے سلطان ہمیشہ اس فکر میں رہتا کہ کسی طرح مذکورہ دریا کے کنارے کسی مناسب مقام پر ایک شہر بسائے۔ چنانچہ سنہ 911 ہجری میں سلطان اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے دہلی سے سفر کرکے متھرا آیا تا کہ کسی ایسی جگہ کا نئے شہر کے لیے انتخاب کرے جو دارالخلافہ بننے کے لائق ہو، وہاں فوج رکھی جاسکتی ہو اور جہاں سے گردونواح کے راہزنوں اور لٹیروں کی سرکوبی کرکے انہیں مطیع وفرماں بردار بنایا جاسکتا ہو۔ اسی غرض سے اہل دانش وبینش اور فہم وفراست والے حضرات کی ایک جماعت پہلے روانہ کی گئی کہ کوئی مناسب جگہ انتخاب کرکے بادشاہ کے حضور عرض کریں۔ یہ جماعت دہلی ہی سے کشتی پر سوار ہوکر دریا کے ساتھ ساتھ چلی اور دونوں کناروں کا جائزہ لیتی ہوئی، اس مقام پر پہنچی جہاں آج کل ''آگرہ'' آباد ہے۔ اس مقام کو ان سب نے پسند کیا اور ہر لحاظ سے مناسب سمجھ کر سفارش کردی۔ چنانچہ سلطان بھی متھرا سے کشتی میں بیٹھ کر سیر وتفریح اور شکار کرتا ہوا اس مقام تک آیا اور اس بلندی کو شہر کے لیے مناسب پایا۔ وہاں پہنچ کر اپنے ملاحوں میں سے سب سے ماہر ایک ملاح کو جس کا نام نائیک تھا، پوچھا کہ ان بلندیوں میں سے کون سی بہتر ہے۔ نائیک نے جواب دیا کہ جو بلندی بھی ''آگرہ'' یعنی سعد ہو۔ سلطان نے تبسم کرتے ہوئے فیصلہ دیا کہ اس شہر کا نام آگرہ ہوگا۔ اس کے بعد دعائے خیر کی اور ایک سعد گھڑی میں موضع ''دسی'' اور موضع ''پویہ''

کی زمین پر جو پرگنہ "دولی" اور بیانہ سرکار کی عمل داری میں تھی، ایک شہر آباد کیا اور بیانہ سرکار کے باون پرگنوں میں سے نو پرگنے جدا کر کے اس نئے پرگنہ آگرہ میں شامل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد سے اس شہر کی آبادی برابر بڑھتی رہی یہاں تک کہ سلاطین ہند کا دارالخلافہ بنا۔ جب اطمینان ہوگا کہ یہ شہر بس جائے گا سلطان نے وہاں ایک قلعہ تعمیر کرنے کا حکم صادر فرمایا اور خود دھول پور کی جانب روانہ ہوا۔ دھول پور پہنچ کر وہاں کا قلعہ رائے مانک دیو سے لے کر ملک معزالدین کے حوالے کیا اور پھر خود آگرہ واپس آ گیا۔ امراء کو ان کی جاگیروں پر بھیج کر خود بڑے اطمینان کے ساتھ آگرہ ہی میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔" (62)

افسانہ شاہان میں آگرہ کی آبادکاری کے بارے میں یوں درج ہے:

"کہتے ہیں کہ اس زمانے میں جمنا کے کنارے کے نزدیک کہ زمین میں بہت سے گڑھے تھے اور جنگلات تھے۔ اس وجہ سے چوری اور ڈاکے ہوا کرتے تھے۔ یہ اطلاع سلطان سکندر کو ہوئی پس اس نے خود آ کر جمنا کے کنارے شہر کے لیے جگہ کا انتخاب کیا اس جگہ کے راجہ سے کہا کہ دریا کے اُس جانب زمین اچھی اور وسیع ہے یا دریا کے اس جانب۔ پس اس راجہ نے اپنی زبان سے کہا کہ دریا کے اس جانب زمین آگری ہے یعنی بہت زیادہ ہے۔ پس جمنا سے مغرب کی جانب آگرہ کے نام سے شہر آباد کیا گیا اور جمنا سے مغرب کی جانب بھی سکندر کے نام سے آبادی قائم کی گئی۔" (63)

حاکم دھولپور کی تبدیلی:

قلعہ آگرہ کی تعمیر کا حکم دینے کے بعد سلطان دھول پور گیا اور راجہ مانک دیو کو اس کی حکومت سے ہٹا دیا جبکہ ملک معزالدین کو حاکم دھولپور مقرر کیا۔ پھر واپس آگرہ آ گیا۔ (64)

طبقات میں درج ہے کہ سلطان نے ملک قمرالدین کو حاکم دھولپور مقرر کیا تھا۔ دراصل نئے دارالحکومت سے دھولپور قریب تھا اور سلطان نہیں چاہتا تھا کہ اس کے آس پاس کوئی ایسا ناظم مقرر کیا جائے جو کسی بھی وقت بغاوت کر کے سلطان کو نقصان پہنچا سکے۔

زلزلہ 1506ء:

3۔صفر 911ھ بمطابق 6 جولائی 1506ء بروز اتوار ہندوستان کے اکثر علاقوں میں زلزلہ آیا۔ اس زلزلے سے آگرے کی عمارات تباہ ہو گئیں۔ مخزن میں اس کی تفصیل یوں درج ہے:

''اچانک ایک روز کہ سنہ 911 ہجری، ماہ صفر کی تیسری تاریخ اور اتوار کا دن تھا، آگرہ میں ایک شدید زلزلہ آیا جس سے اردگرد کے پہاڑ لرز گئے، آسمان سے باتیں کرتی عمارتیں زمین پر آرہیں اور خدا کی بے شمار مخلوق لقمہ اجل بن گئی۔ زندہ لوگوں نے اس بھونچال کو قیامت اور قبروں میں پڑے مردوں نے روز محشر سمجھا۔ کہتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر آج تک (1021 ہجری تک جب یہ تاریخ لکھی گئی) ایسا زلزلہ ہندوستان بھر میں کبھی اور کہیں نہیں آیا اور تاریخوں میں ایسے کسی زلزلے کا ذکر نہیں ملتا۔ ہندوستان کے ایک دانا نے اس واقعہ کی تاریخ لفظ ''قاضی'' کی صورت میں کہی ہے۔ جس سے 911 کا عدد نکلتا ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اس روز ہندوستان کے اکثر صوبوں اور ریاستوں میں بھونچال آیا۔ (65)

جنگ گوالیار دوم:

اس کے بعد 911ھ/1506ء کے آخر میں سلطان نے گوالیار پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ بادشاہی کا تقاضا تھا کہ سلطان کی حدود میں اس کا کوئی مقابل طاقتور نہ رہے

خواہ وہ راجہ گوالیار ہو یا جلال خان کہ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ڈیڑھ ماہ تک سلطان نے دھول پور میں جنگی تیاریاں کیں اور "گورکہ" کے کنارے سے دریائے چنبل کو عبور کیا۔ دریا کے گرد کیمپ لگائے۔ کئی ماہ تک وہاں قیام کیا اور شہزادہ ابراہیم خان و جلال خان کو وہیں چھوڑ دیا۔ خود آس پاس کے جنگلات میں جا کر مخالفوں کے اکثر ٹھکانوں کو تباہ کیا۔ اسی دوران میں غلے کی کمی ہوگئی تو اعظم ہمایوں کو ہدایت کی کہ بنجاروں کو بلا کر ان سے غلہ حاصل کیا جائے۔ پھر 912ھ/1507ء کے وسط میں سلطان سکندر ایک فوج لے کر چتاوڑ کے موضع کے قریب آ گیا۔ یہاں پر راجہ گوالیار اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑا تھا۔ پٹھانوں اور راجپوتوں میں زبردست جنگ ہوئی اور فریقین کے اکثر سپاہی مارے گئے۔ خان جہان لودھی کے دو بیٹوں داؤد خان اور احمد خان نے زبردست مقابلہ کیا اور بہت بہادری دکھائی۔ سلطان نے ان کو بروقت امداد دی جس سے راجپوتوں کو شکست ہوئی بہت سے مارے گئے۔ بہت سے گرفتار ہوئے اور بہت سے فرار ہو گئے۔ (66) البتہ قلعہ گوالیار پر قبضہ نہ ہو سکا۔

داؤد خان کو ملک کا خطاب ملنا:

اس جنگ میں کارکردگی اور بہادری کے نتیجے میں سلطان نے داؤد خان پسر خان جہان لودھی دوم کو ملک داؤد خان کا خطاب دیا۔ اور اسے انعام اکرام دے کر اپنے امراء میں شامل کر لیا۔ (67)

قیام آگرہ:

اسی دوران میں برسات شروع ہوگئی اور سلطان آگرہ گیا اور اپنے بعض امراء کو دھولپور میں روک دیا۔ (68)

محمود خان لودھی کی وفات:

912ھ/1506ء کے آخر میں سلطان سکندر نے قلعہ اودنگر (نزد کرولی) کی فتح کا

ارادہ کیا اور دھولپور سے عماد خان فرملی اور مجاہد خان کو چند ہزار سواروں اور ایک سو ساتھیوں کے ساتھ قلعہ پر حملے کے لیے روانہ کیا۔ جبکہ اپنے خیمے پر قاضی عبداللہ (یا عبدالواحد) تھا نسیری ولد طاہر بیگ کابلی، شیخ عمر اور شیخ ابراہیم کو حاجب (دربان) مقرر کیا۔ اسی دوران میں 912ھ / ــــــ ء میں محمود خان لودھی فوت ہوگیا۔ سلطان نے اس کے لڑکے جلال خان لودھی خلف محمود خان لودھی کو اس کی جگہ کالپی کی حکومت پر مقرر کیا۔ جلال خان کے بھائی بھیکین خان اور حاجی خان اس سے مخالفت کرنے لگے اور سلطان کو شکایت بھیجی۔ سلطان نے افغان قبیلے اغوان کے ایک سردار فیروز اغوان کو بھیج کر حاجی خان اور بھیکین خان کو بلالیا اور انہیں سمجھا بجھا کر بھائیوں کی مخالفت ختم کردی۔ (69)

فتح اوتنگر 1507ء:

ادھر سلطان کی فوج نے عماد خان فرملی اور مجاہد خان کی زیر سرکردگی 23۔ رمضان 912ھ / 1507ء کو قلعہ اوتنگر کا محاصرہ کرلیا۔ تمام لشکر کو قلعہ فتح کرنے کا حکم دیا گیا۔ سلطان نے خود اوتنگر پہنچ کر حملے کا حکم دیا۔ اس جنگ میں دونوں فریقین نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ سلطان کی فوج چیونٹیوں کی طرح قلعہ پر ٹوٹ پڑی۔ ملک علاء الدین کی جانب سے قلعہ کی دیوار گر گئی تو سپاہی اندر داخل ہوگئے۔ دیگر اطراف سے بھی سپاہی اندر داخل ہوگئے اور قلعے کے اندر گھمسان کا رن پڑ گیا۔ راجپوتوں نے اپنے گھروں اور حویلیوں تک میں جنگ کی اور زبردست مزاحمت کی۔ وہ اپنا دفاع بھی کرتے تھے اور اس خوف سے اپنے اہل خانہ کو بھی قتل کرتے تھے کہ بعد میں ان کو شاہی فوج کنیز اور غلام بنالے گی۔ اسی دوران میں ایک تیر علاء الدین کی آنکھ میں جا لگا اور اسکی آنکھ ضائع ہوگئی۔ کافی مزاحمت کے بعد قلعہ فتح ہوگیا۔ سلطان نے قلعہ بھیکین خان اور مجاہد خان کے سپرد کردیا۔ راجپوتوں کی مذہبی عبادت گاہیں گرا کر ان کی جگہ مساجد تعمیر کرائیں۔ (70)

مجاہد خان کی گرفتاری:

دریں اثناء سلطان کو خبر ملی کہ مجاہد خان نے راجہ اونتگر سے رشوت لے لی ہے اور اب وہ کسی بہانے سے سلطان کو اونتگر سے واپس بھیجنے کی کوشش میں ہے۔ یہ اطلاع درست تھی۔ مجاہد خان نے سلطان کو مشورہ دیا کہ اب واپس چلنا چاہیے۔ اس پر سلطان نے 16 محرم 913ھ/1507ء کو مجاہد خان کے حاجب مولانا جمن کو گرفتار کر لیا۔ قلعہ اونتگر ملک تاج الدین کنبوہ کے سپرد کر دیا اور دھول پور میں موجود امراء کو حکم دیا کہ مجاہد خان کو گرفتار کر لیں۔ (71)

پانی کی قلت اور سپاہیوں کی موت:

اس کے بعد سلطان محرم کے آخر میں آگرہ کی جانب آیا۔ راستے میں پانی کی قلت سے اس کے بہت سے آدمی اور جانور ضائع ہو گئے۔ پانی کے ایک کوزے کی قیمت 15 سکندر ٹکوں تک جا پہنچی۔ بعض لوگ پیاس سے مر جاتے اور بعض حد سے زیادہ پانی پی جانے سے مر جاتے۔ اس طرح سے تقریباً 800 آدمی مر گئے۔ غرض کہ سلطان 28۔محرم 913ھ/8 جون 1507ء کو دھول پور آیا اور چند روز کے بعد آگرہ آ گیا۔ موسم برسات آگرہ میں گزارا۔ (72)

فتح نرور:

913ھ/1508ء کے آخر میں برسات کے بعد سلطان نے قلعہ نرور (نزد گوالیار) پر حملے کا ارادہ کیا اور کالپی کے حاکم شہزادہ جلال خان کو حکم دیا کہ اگر مخالف صلح نہ کرے تو قلعہ پر حملہ کر دیا جائے۔ شہزادہ جلال نے فوج کشی کا حکم دیا۔ اہل نرور نے مقابلے کی ٹھانی۔ سلطان خود بھی نرور پہنچ گیا۔ شہزادہ جلال نے بادشاہ کو خوش کرنے کی غرض سے اپنی فوج کو

منظم کر کے تین حصوں میں کھڑا کر دیا۔ ایک صف ہاتھیوں کی تھی دوسری سواروں اور تیسری پیادوں کی۔ اس کو دیکھ کر سلطان ٹھٹھک گیا۔ اس نے سوچا کہ جلال خان کی طاقت بہت زیادہ ہے جو کسی بھی وقت اس کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ لہٰذا دل میں اسکی طاقت توڑنے کا ارادہ کیا۔ سلطان نے اس وقت قلعہ نرور پر بڑا زور لگایا مگر قلعے کی مضبوطی کی وجہ سے اسے فتح نہ کر سکا۔ کئی روز تک ناکامی کے بعد سلطان کے حکم سے تمام سپاہی کلہاڑے، خنجر، بغدے، کدالیں اور بیلچے لے کر قلعے کی دیواریں توڑنے پر لگ گئے اور خوب بہادری سے حملہ کیا۔ ایک جگہ پر سپاہیوں نے شگاف بنا دیا مگر اہل قلعہ نے اس کو پھر سے بھر دیا۔ سلطان کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ دریں اثناء سلطان نے جلال خان کے امراء کو اپنے ساتھ ملا کر اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کے بعد وہ خود قلعہ کی جانب متوجہ ہوا۔ طویل محاصرے کی وجہ سے اہل قلعہ میں غلہ اور پانی کی قلت ہوگئی اور انہوں نے جان کی امان لی اور اپنا مال و اسباب لے کر قلعے سے نکل گئے۔ سلطان نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں ہندوؤں کی مذہبی عبادگاہوں کو مساجد میں بدل دیا اور ان مساجد میں مدرسے بھی قائم کیے۔ ان مدرسوں میں علماء کا تقرر کیا گیا اور طلباء کے لیے وظیفہ اور روزینہ مقرر کیا گیا۔ 6 ماہ تک سلطان نے قلعہ نرور میں ہی قیام کیا۔ (73)

شہزادہ شہاب الدین کی آمد:

914ھ/1508ء میں جبکہ سلطان قلعہ نرور میں مقیم تھا تو مالوہ کے حاکم سلطان ناصر الدین کا بیٹا شہاب الدین اپنے باپ سے ناراض ہو کر سلطان کے پاس آیا۔ جب وہ قصبہ سیری آیا تو سلطان کو اس کی آمد کی اطلاع ہوگئی۔ سلطان نے اسے گھوڑا اور خلعت بھیجی اور پیغام دیا کہ اگر وہ شہر "چندیری" سلطان کے حوالے کر دے تو اس کو مکمل امداد دی جائے گی اور حاکم مالوہ اسے کچھ نہ کہہ سکے گا۔ شہاب الدین اس پر چونک گیا اور خطرہ محسوس کرنے

لگا۔ وہ مالوہ کے علاقے سے ہی واپس چلا گیا اور چندیری سلطان سکندر کے حوالے نہ کیا۔(74)

نرور کے پاس ایک اور قلعہ کی تعمیر:

سلطان سکندر کو قلعہ نرور کی مضبوطی کا احساس تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر یہ کسی دشمن کے ہاتھ لگ گیا تو بڑی مشکل ہو گی لہٰذا اس نے اس کے قریب ہی ایک اور قلعہ بنانے کا حکم دیا جو بہت زیادہ مضبوط اور ناقابل تسخیر ہو۔ اس کے بعد وہ قصبہ لہایر آ گیا اور ایک ماہ وہیں رہا۔(75)

جلال خان سے عداوت اور صلح:

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ جلال خان کالپی کا حاکم تھا۔ 913ھ میں قلعہ نرور کے محاصرے کے دوران ہی جلال خان کے اہم امراء کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ پھر اس نے اسی جنگ کے دوران ابراہیم خان نوحانی، سلیمان فرملی اور ملک علاؤ الدین جلوانی کے نام حکم جاری کیا کہ جلال خان کو گرفتار کر لیں۔ ایسا ہی ایک دوسرا حکم میاں بھووہ وزیر اعظم، سعید خان ولد ذکو اور ملک آدم خان کاکڑ کو دیا۔ کہ جلال خان کو قید کر کے قلعہ اوتنگر میں رکھا جائے۔ ان لوگوں نے جلال خان اور اسکے ساتھی شیر خان کو گرفتار کر لیا تھا۔ جب سلطان قصبہ لہایر میں مقیم تھا تو ذی الحج 914ھ/1508ء دس دسمبر میں سلطان بہلول کے چچازاد بھائی قطب خان لودھی مرحوم کی بیوہ نعمت خاتون سفارشی بن کر آئی اور جلال خان کو اپنے ساتھ لائی۔ لشکر میں سلطان نے ان دونوں سے ملاقات کی۔ سلطان نے جلال خان کی دلجوئی کی اور اسے کالپی پر پھر سے حاکم مقرر کر دیا۔ اسے 120 گھوڑے، 15 ہاتھی، ایک خلعت خاص اور کچھ رقم دی اور پھر نعمت خاتون کے ساتھ ہی کالپی روانہ کر دیا۔(76)

ہتکانت میں امن وامان:

اس کے بعد سلطان نے 10 محرم 915ھ/1509ء کو لہایر سے ہتکانت (ضلع بھدا اور جو آگرہ کے جنوب مشرق میں گوالیار کے پاس ہے) کی جانب کوچ کیا۔ اس علاقے میں لٹیروں کی وجہ سے بدامنی بہت تھی لہٰذا جگہ جگہ فوجی دستے مقرر کئے اور جگہ جگہ تھانے بنائے۔ اس کے بعد سلطان آگرہ آ گیا۔ (77)

حاکم لکھنؤ کی تبدیلی:

سلطان آگرہ میں تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ احمد خان لودھی خلف مبارک خان لودھی حاکم لکھنؤ دین اسلام سے برگشتہ ہو کر مرتد ہو گیا ہے۔ سلطان نے محمد خان لودھی خلف مبارک خان لودھی کو حکم دیا کہ وہ احمد خان کو گرفتار کر کے بھیج دے۔ جبکہ سعید خان لودھی خلف مبارک خان لودھی کو حاکم لکھنؤ مقرر کر دیا گیا۔ (78)

شہزادہ محمد خان کی آمد 1512ء:

اسی دوران مالوہ کے حاکم سلطان ناصر الدین سے اس کا نواسا محمد خان بھی ناراض ہو کر سلطان سکندر کے پاس آ گیا۔ سلطان نے اسے چندیری کا علاقہ جاگیر میں دے دیا اور اپنے بیٹے شہزادہ جلال خان ولد سلطان سکندر کو حکم دیا کہ اگر مالوہ کی فوج کی جانب سے کوئی خطرہ ہو تو وہ محمد خان کی حمایت اور امداد کرے۔ (79)

چندیری کے حالات 3-1512ء:

طبقات اکبری میں چندیری میں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھے جانے کا ذکر یوں آیا ہے:

اس زمانے میں چندیری کا حاکم بہجت خاں جو اپنے باپ دادا کے وقت سے شاہان

مالوہ کا مطیع تھا، سلطان محمود مالوی کی کمزوری اور اس کی حکومت کی بدنظمی کی وجہ سے سلطان کے حضور میں تحفے روانہ کر کے اس کا متوسل ہو گیا۔ سلطان نے عماد الملک کو جس کا نام احمد خاں تھا، چندیری کی طرف بھیجا تا کہ بہجت خاں سے مل کر چندیری اور اس کے حدود میں سلطان کا خطبہ پڑھوائے۔ اسکے بعد سلطان نے دھول پور سے واپسی کر دی اور آگرہ گیا اور بہجت خاں کو اطاعت قبول کر لینے کا مژدہ اور چندیری میں اپنے نام کا خطبہ پڑھے جانے کی اطلاع اور نئی فتح حاصل ہونے کی خبر شاہی فرامین کے ذریعہ اپنی حکومت میں ہر طرف بھیج دی۔" (80)

تعمیرات پر توجہ:

اس کے بعد سلطان سیر وشکار کی جانب متوجہ ہوا۔ اس نے کافی دن دھولپور میں گزارے۔ پھر دھولپور سے آگرہ تک ہر دس میل کے فاصلے پر ہر منزل پر ایک سرائے اور ایک محل تعمیر کرایا۔ (81)

سلطانِ ناگور کی اطاعت 1517ء:

دریں اثنا ناگور کے حاکم محمد خان کے خلاف اس کے دو رشتہ داروں علی خان اور ابا اکبر خان نے سازش کی کہ محمد خان کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیں۔ محمد خان حاکم ناگور کو اس کا علم ہو گیا۔ اس نے ان دونوں کو گرفتار کر کے قتل کرنے کا حکم دیا مگر یہ فرار ہو کر سلطان سکندر کے پاس آ گئے۔ محمد خان نے مصلحت اس میں سمجھی کہ خود بھی سلطان سکندر جیسے طاقتور حکمران سے بنا کر رکھے۔ لہٰذا اس نے سلطان سکندر کی اطاعت کا اعلان کیا اور ایک سفیر تحائف کے ساتھ اور اس خط کے ساتھ بھیجا کہ میں نے ناگور میں آپ کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا ہے۔ سلطان اس پر بہت خوش ہوا اور محمد خان کو گھوڑا اور خلعت ارسال کی۔ یوں یہ علاقہ خود بخود سلطان کے قبضے میں آ گیا۔ (82)

بزمِ آگرہ 1517ء:

اس کے بعد سلطان سکندر نے آگرہ میں علماء وفضلاء کو بھی مدعو کیا اور شعراء کو بھی دعوت دی۔ وہاں پر ایک عرصہ آرام وسکون سے گزارا اور آگرہ کو اس کے دور میں بہت ترقی حاصل ہوئی۔ (83)

میاں سلیمان فرملی کی معزولی:

اسی دوران میں سلطان سکندر، میاں سلیمان فرملی ولد خان خانان فرملی سے ناراض ہوگیا۔ اس کی وضاحت طبقات اکبری میں یوں ہے:

"سلطان ایک عرصے کے بعد پھر دھول پور کو روانہ ہوا۔ اس موقع پر میاں سلیمان پسر خانخاناں فرملی سے فرمایا کہ اپنے لشکر کو لے کر اوتنگر کی طرف کہ جو سوئی سوپر کی سرحد ہے، حسن خاں نومسلم کی مدد کے لیے روانہ ہو کہ جس کا نام رائے دونگر تھا۔ اس (میاں سلیمان) نے عذر کیا اور کہا کہ میں حضور کے پاس سے کبھی نہیں جاؤں گا۔ سلطان اس جواب سے ناراض ہوگیا اور اس کو حکم دیا کہ ہماری خدمات سے علیحدہ ہو جاؤ اور آج رات سے صبح تک اپنا مال واسباب، جو تو لے جا سکتا ہے، لے کر لشکر سے نکل جا اور جو نہیں لے جا سکتا اس کو عوام لوٹ لیں گے۔ اندری کا پرگنہ اس کی معاش میں مقرر کر دیا اور وہ جا کر اس قصبے میں رہنے لگا۔" (84)

میاں حسین فرملی کی ناراضگی:

افسانہ شاہان میں درج ہے کہ میاں حسین فرملی کے پاس ملک سارن کی جاگیر تھی۔ اس میں اور صوبہ کے حاکم میں عداوت ہوگئی۔ میاں حسین فرملی اس کی شکایت کرنے سلطان کے پاس گیا۔ بادشاہ نے اس پر توجہ نہ دی۔ اس پر وہ ناراض ہوگیا۔ سلطان سکندر نے اسے

برطرف کرنے کے لیے سارن میں فوج روانہ کی۔ میاں حسین نے کچھ مقابلہ کیا۔ اس کے بعد بنگال کے حاکم نصیب شاہ کے پاس چلا گیا۔ (85) اس کی تصدیق طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ سے بھی ہوتی ہے۔

امراء اور حکام کا تبادلہ:

سلطان سکندر بہت ہوشیار شخص تھا۔ وہ کسی بھی امیر کو اتنا طاقتور نہ کرنا چاہتا تھا کہ کل کو وہ اس کے لیے خطرہ بن جائے لہٰذا وہ مختلف علاقوں پر جن امراء کا تقرر کرتا تھا ان کو کچھ عرصے کے بعد دوسری جگہ مقرر کر دیا کرتا تھا۔ اپنی حکومت کے آخری دور میں اس نے بہت سے امراء اور حکام کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ کر دیا تاکہ ان کے مستقل اثر کو زائل کر سکے۔

اس کی تفصیل بھی طبقات اکبری میں یوں ہے:

> اس موقع پر بعض امراء کی جاگیروں میں ملکی مصلحت کی بنا پر تغیر و تبدل کر دیا۔ ولایت اٹاوہ سے بھیکن خاں پسر عالم خاں لودھی کو تبدیل کر کے اس کے چھوٹے بھائی خضر خاں کو تعینات کیا۔ اسی طرح خواجہ محمد عماد فرملی کی جاگیر پر اس کا بھائی خواجہ محمد مقرر ہوا اور دوسرے امراء کی جاگیریں بھی اس طرح تبدیل کر دی گئیں۔ اس کے بعد سعید خاں پسر مبارک خان لودھی، شیخ جمال پسر عثمان فرملی، رائے جگر مین کچھوواہم، خضر خاں اور خواجہ احمد کو چندیری میں مقرر کیا۔ ان لوگوں نے اس ولایت پر قبضہ کیا اور پورا غلبہ حاصل کر لیا اور سلطان کے حکم کے مطابق شہزادہ محمد خاں کو جو سلطان ناصر الدین مالوی کا پوتا تھا، شہر بند کر کے اس کی سلطنت جس طرح تھی، اس کے پاس رہنے دی، لیکن خود صاحب اختیار رہے۔ چونکہ بہجت خاں نے اس معاملے کو سمجھ لیا تھا، لہٰذا اس جانب اپنا رخ کرنا مناسب نہ سمجھا اور سلطان کی خدمت میں آیا۔

اس موقع پر حسین خاں فرملی حاکم قصبہ سارن سے سلطان ناراض ہو گیا اور حکمت

عملی سے حاجی سارنگ کو اس طرف بھیجا اور حسین خاں کے لشکر کو اپنی طرف راغب کیا اور اس کے قید کرنے کی تدبیر کی۔ وہ خبردار ہو گیا اور چند مخصوص آدمیوں کے ساتھ لکھنوتی چلا گیا اور پھر سلطان علاء الدین والی بنگالہ کے پاس پناہ لی۔ (86)

مغربی سرحدوں کے حالات:

سلطان سکندر کے ابتدائی دور میں بھیرہ، خوشاب اور چناب کے علاقے کا حاکم غازی خان تھا۔ سید علی خان خلف غازی خان خلف میر علی بیگ کے پاس تھی۔ وہ سلطان سکندر کا اطاعت گزار ہو گیا اور اپنے علاقے میں اس کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ 910ھ میں جب بابر نے بھیرہ پر حملہ کیا تو سید علی خان نے خوفزدہ ہو کر بھیرہ سے فرار اختیار کیا اور دریائے بھاٹ عبور کر کے شیر کوٹ میں جا بیٹھا جو بھیرہ کا ایک گاؤں ہے۔ بعد ازاں اس نے بھیرہ پر پھر سے قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں سکندر لودھی کو شک ہوا کہ شاید وہ بابر سے ملا ہوا ہے لہٰذا اس نے یہ علاقہ بھی دولت خان لودھی خلف تاتار خان لودھی یوسف خیل کو دے دیا۔ دولت خان نے اپنی جانب سے اس پر اپنے بیٹے علی خان کو نائب مقرر کیا۔ بابر کہتا ہے کہ تاتار خان لودھی ان چھے سات سرداروں میں سے ایک ہے جو ہندوستان گئے اور بہلول لودھی کو بادشاہ بنایا۔ دریائے ستلج کے شمال کا تمام علاقہ تاتار خان کے پاس تھا۔ جس کی آمدنی 3 کروڑ کے لگ بھگ تھی۔ تاتار خان کی وفات پر سلطان سکندر نے اس کے بیٹے دولت خان کو لاہور کی حکومت دی۔ دولت خان، بابر کی کابل آمد 910ھ سے ایک یا دو سال قبل ہی لاہور کا حاکم بنا تھا۔ (87)

بابر کی جانب سے ہندوستان کی مغربی سرحد پر حملوں کی وجہ سے سلطان سکندر نے ایک بار ابراہیم خان شروانی خلف عمر خان شروانی کا حکم دیا کہ کابل پر حملہ کرو اور بابر کو نکال باہر کرو۔ ابراہیم خان نے کابل جا کر مغلوں سے جنگیں کیں مگر ایک بار شکست کھائی اور گرفتار ہوا۔ اس کے بعد اس حالات کا کوئی علم نہیں ہے غالباً مارا گیا۔ (88)

تاریخ داؤدی میں ہے کہ ایک بار بابر بادشاہ سلطان سکندر کے دور میں قلندروں کا بھیس بدل کر اس کے دربار میں گیا۔ اس نے اپنا نام بابر قلندری ظاہر کیا سکندر فقراء اور درویشوں کی بڑی خدمت کرتا تھا۔ دیگر درویشوں کے ساتھ اس کی بھی عزت کی۔ بابر نے اس سے ہاتھ ملایا تو ہاتھ کی سختی سے اندازہ لگالیا کہ ابھی اس کی سلطنت میں طاقت ہے۔ لہٰذا چپ چاپ ایک روز واپس چلا گیا۔ جب سلطان سکندر نے تمام درویشوں کو بلایا تو اس کو نہ پایا۔ سلطان سکندر نے کہا کہ افسوس دو ہاتھ آیا مگر نکل گیا۔ اس کے بعد کابل سے بابر نے سلطان سکندر کو کچھ اشعار لکھ کر روانہ کیے۔ سلطان سکندر نے بھی ان کا جواب دیا۔ (89)

اگرچہ اس واقعے کی کہیں سے تصدیق نہیں ہوتی مگر تواریخ حافظ رحمت خانی میں تواریخ افغانہ از مجو خان کے حوالے سے درج ہے کہ بابر، اسی طرح درویش بن کر ایک بار یوسفزئیوں کے بادشاہ کی مجلس میں بھی گیا تھا اور اس کی بیٹی سے بعدازاں شادی کی۔ بابر نامے سے یوسفزئیوں کے سردار سے اس کی شادی کرنا ثابت ہے۔ بابر نامے میں چونکہ کئی مقامات پر خلاء ہے لہٰذا اس بات کی تصدیق یا تردید کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

سلطان سکندر کی بیماری اور وفات:

923ھ میں سلطان سکندر بیمار ہو گیا اور اسے گلے کی بیماری لاحق ہو گئی۔ لیکن اس کا اظہار اس نے عوام و خواص پر نہ کیا اور باقاعدگی سے دربار منعقد کیا کرتا۔ بلکہ دیوان عام میں عوام سے بھی خطاب کرتا تھا۔ خود گھوڑے پر سوار ہو کر شہر اور عوامی علاقوں کا دورہ کرتا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد مرض شدید ہو گیا۔ بڑے بڑے حکیم بھی اس کا علاج کرنے سے قاصر ہو گئے۔ اب اس کے لیے ایک لقمہ کھانا اور ایک گھونٹ پانی پینا بھی مشکل ہو گیا۔ پھر سانس بھی رک رک کر آنے لگی۔ آخر کار 7۔ ذی قعد 923ھ 21 نومبر 1517ء کو بروز اتوار سلطان سکندر لودھی وفات پا گیا۔ (90)

مقبرہ:

سلطان کی وفات کے بعد اس کی لاش دہلی لاکر اس کے باپ کے مقبرہ کے پاس اس باغ میں دفن کی گئی جو سلطان سکندر نے خود بنایا تھا۔ اس کا نام باغ 'جوڈ' تھا۔ اب اسے لودھی گارڈن کہتے ہیں۔ (91)

شادیاں اور بچے:

سلطان سکندر جب تخت نشین ہوا تو اس کے درج ذیل 6 اولادیں تھیں:

اول ابراہیم خان　دوم جلال خان　سوم اسمٰعیل خان

چہارم حسن خان　پنجم محمود خان　ششم شیخ اعظم ہمایوں

بہار میں مہم کے دوران اس نے شیر خان نوحانی کی بیوہ سے بھی نکاح کیا تھا۔ (92)

اس طرح سے یہ بات طے ہے کہ سلطان سکندر کی کم از کم دو بیویاں تھیں۔

حواشی

(1) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص393

(2) تاریخ داؤدی ص34: واقعات مشتاقی ص31

(3) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص395

(4) تاریخ داؤدی ص5-34

(5) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص6-395

(6) مخزن افغان (اردو) ص154: طبقات اکبری جلد اول 453

(7) طبقات جلد اول ص453: تاریخ فرشتہ جلد دوم ص395۔

(8) تاریخ شاہی ص26

(9) طبقات جلد اول ص454: مخزن (اردو) ص155: مخزن (فارسی) جلد اول ص1-170

(10) ایضاً

(11) ایضاً۔مخزن (اردو) ص156: مخزن (فارسی) جلد اول ص2-171

(12) ایضاً

(13) افسانۂ شاہان ص35

(14) مخزن (اردو) ص156: مخزن (فارسی) جلد اول ص2-171 طبقات جلد اول ص455

(15) افسانۂ شاہان ص36

(16) مخزن (اردو) ص7-156: مخزن (فارسی) جلد اول ص4-172 طبقات جلد اول ص455

(17) ایضاً

(18) افسانۂ شاہان ص36

(19) ایضاً ص38

(20) طبقات جلد سوم ص514

(21) طبقات جلد اول ص457: مخزن (اردو) ص158: مخزن (فارسی) جلد اول ص175

(22) واقعات مشتاقی ص23

(23) ایضاً ص27-26

(24) ایضاً ص27

(25) ایضاً 8-27

(26) ایضاً 28

(27) ایضاً 29

(28) ایضاً

(29) طبقات جلد اول ص457: مخزن (اردو) ص158: مخزن (فارسی) جلد اول ص7-176

(30) ایضاً

(30-A) طبقات جلد سوم ص289۔اول

(31) طبقات جلد اول ص8-457: مخزن (اردو) ص9-158: مخزن (فارسی) 80-178

(32) طبقات جلد اول ص458: مخزن (اردو) ص159: مخزن (فارسی) جلد اول ص180

(33) ایضاً

(34) ایضاً

(35) ایضاً

(36) ایضاً

(37) طبقات جلد اول ص459: مخزن (اردو) ص160: مخزن (فارسی) جلد اول ص2-181

(38) ایضاً

(39) طبقات جلد اول ص60-459: مخزن (اردو) ص1-160: مخزن (فارسی) جلد اول ص3-182

(40) طبقات جلد اول ص460: مخزن (اردو) ص161: مخزن (فارسی) جلد اول ص184

(41) ایضاً

(42) ایضاً

(43) طبقات جلد اول ص1-460: مخزن (اردو) ص162: مخزن (فارسی) جلد اول ص7-184

(44) ایضاً

(45) ایضاً

(46) ایضاً

(47) ایضاً

(48) ایضاً

(49) ایضاً

(50) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص385: مخزن (اردو) ص452: مخزن (فارسی) جلد دوم ص616

(51) طبقات جلد اول ص461: مخزن (اردو) ص163: مخزن (فارسی) جلد اول ص8-187

(51-A) طبقات جلد سوم 514

(51-B) ایضاً

(52) فرشتہ جلد دوم ص406

(52-A) آب کوثر ص458

(52-B) مخزن (اردو) ص163: مخزن (فارسی) ص

(53) طبقات جلد اول ص462,463,466: مخزن (اردو) ص6-164: مخزن (فارسی) جلد اول ص2-190

(54) طبقات جلد اول ص463: مخزن (اردو) ص164: مخزن (فارسی) جلد اول ص2-190

(55) طبقات جلد اول ص6-465: مخزن (اردو) ص5-164: مخزن (فارسی) جلد اول ص2-190

(56) طبقات جلد اول ص 7-466: مخزن (اردو) ص 166

(57) ایضاً

(58) مخزن (اردو) ص 166: مخزن (فارسی) جلد اول ص 3-192

(59) طبقات جلد اول ص 467

(60) طبقات جلد اول ص 467: مخزن (اردو) ص 167

(61) افسانہ شاہان ص 51

(62) مخزن (اردو) ص 8-167: مخزن (فارسی) جلد اول ص 6-195

(63) افسانہ شاہان ص 45

(64) طبقات اکبری جلد اول ص 467: مخزن (اردو) ص 168

(65) ایضاً

(66) ایضاً

(67) طبقات جلد اول ص 467: مخزن (اردو) ص 169: مخزن (فارسی) جلد اول ص 9-197

(68) ایضاً

(69) ایضاً

(70) طبقات جلد اول ص 1-470: مخزن (اردو) ص 170: مخزن (فارسی) جلد اول ص 1-200

(71) طبقات جلد اول ص 471: مخزن (اردو) ص 171: مخزن (فارسی) جلد اول ص 2-201

(72) ایضاً

(73) طبقات جلد اول ص 3-471: مخزن (اردو) ص 2-171: مخزن (فارسی) جلد اول ص 3-202

(74) طبقات جلد اول ص 473: مخزن (اردو) ص 173: مخزن (فارسی) جلد اول ص 6-204

(75) ایضاً

(76) ایضاً

(77) طبقات جلد اول ص 4-473: مخزن (اردو) ص 4-173: مخزن (فارسی) جلد اول ص 6-204

(78) طبقات جلد اول ص 474: مخزن (اردو) ص 174: مخزن (فارسی) جلد اول ص 208-207

(79) ایضاً

(80) طبقات جلد اول ص 475

(81) طبقات جلد اول 5-474؛ مخزن (اردو) ص 174؛ مخزن (فارسی) جلد اول ص 9-208

(82) طبقات جلد اول ص 475؛ مخزن (اردو) ص 174؛ مخزن (فارسی) جلد اول ص 9-208

(83) ایضاً

(84) طبقات جلد اول ص 6-475

(85) افسانہ شاہان ص 63

(86) طبقات جلد اول ص 7-476

(87) پارہ ما سہ بیرتج ص 3-382

(88) مخزن افغانی (اردو) 456

(89) تاریخ داؤدی ص 4-63

(90) طبقات جلد اول ص 477؛ مخزن (اردو) ص 6-175؛ مخزن (فارسی) جلد اول ص 10-209

(91) طبقات جلد اول ص 9-478؛ مخزن (اردو) ص 6-175؛ مخزن (فارسی) جلد اول ص 10-209

(92) مخزن (اردو) ص 159؛ مخزن (فارسی) جلد اول ص 180؛ طبقات جلد اول ص 458

maablib.org

باب نمبر 17

بادشاہ اور امراء کے تعلقات

سلطان سکندر اور افغان عصبیت:

سلطان سکندر لودھی کے دور میں اگرچہ افغانوں میں شہریت کے اثرات غالب آگئے تھے مگر ان میں قبائلی خو ہنوز موجود تھی۔ سلطان کے بڑے بڑے امراء جو اپنے گروہوں کے سردار تھے وہ بہت طاقتور تھے اور اپنے اپنے علاقوں میں اپنے حکام کا تقرر کرنے میں آزاد تھے۔ اس کے علاوہ ہر حاکم یا امیر کے اپنے امراء بھی ہوتے تھے۔(1) بعض امیر کسی کو عہدیدار رکھتے تو یہ نہ کہتے تھے کہ تمہیں نوکر رکھ لیا بلکہ یہ کہ تمہیں اپنا وکیل مقرر کر کے فلاں کام سپرد کرتا ہوں۔(2)

سلطان سکندر ماں کی جانب سے ہندوستانی تھا۔ اس کی ماں غیر افغان تھی اور اس بات پر بعض امراء نے اعتراض بھی کیا تھا۔(3) یہاں تک کہ ایک امیر خواجہ اسمعیل جلوانی نے سلطان کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے اس وجہ سے انکار کر دیا تھا کہ بادشاہ ایک زرگر کے بطن سے ہے مگر میری بیٹی افغانوں کے شکم سے ہے۔(4)

اس کے باوجود سلطان سکندر کو اپنے پدری نسب کی وجہ سے افغانوں کی عصبیت اور حمایت حاصل تھی۔ سلطان کے اپنے ولی عہدی کے دور سے کئی اہم قبائل کے سردار اور بہادر موجود تھے۔ ان میں دریا خان نوحانی، شیر خان نوحانی، عمر خان سروانی، اختیار خان توغ، شاہو خیل لودھی اور فرملی قوم کے بہت سے سرکردہ افراد شامل تھے۔ سلطان کے دور میں کئی

اور افغان روہ سے آ کر ہندوستان آباد ہوئے۔ ان میں مبارک خان موسیٰ خیل لودھی بھی شامل تھا جو سلطان کی دادی کی جانب سے اس کا رشتہ دار تھے۔ (5) اس کے علاوہ ہمیں کانسی قبیلے کے ملک تھو کانسی کا نام بھی ملتا ہے۔ (6) اس کے امراء میں بھی کئی قبیلوں کے لوگ تھے۔ ان میں سربنی افغانوں کے ایک بااثر شخص سدو خان سربنی کا نام بھی ملتا ہے۔ یہ سدو خان براہ راست سلطان سکندر کا امیر تھا (7) نبی قبیلے کا قیام خان قابل ذکر ہے۔ (8) کررانی پٹھان بہت کثرت سے آئے تھے۔ ان میں ہیبت خان کررانی، مغولا منگلی کررانی بہادر خان کرانی اور اختیار خان کررانی کے نام قابل ذکر ہیں۔ (9) یوسف خیل لودھیوں کے بھی کئی امراء اس کے حمایتی تھے۔ شاہو خیل لودھی تو سلطان کا اپنا قبیلہ تھا جس کے اکثر افراد سلطان نے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیے تھے۔ فرملیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ میاں محمد فرملی عرف کالا پہاڑ سلطان کا پھوپھی زاد بھائی تھا اور بہت طاقتور شخص تھا۔ (10) سلطان کی مجلس خاص میں سترہ افراد تھے جن میں علماء و مشائخ کے علاوہ افغان بھی شامل ہوتے تھے۔ (11) صرف یہی نہیں بلکہ سلطان کو اغوان قبیلے کی بھی حمایت حاصل تھی۔ (12) ان قبائل کی سلطان سے رشتہ داری ہم نے ایک شجرہ میں دکھائی ہے جو اس کتاب کے ساتھ لف ہے۔

سلطان سکندر کے اپنے امراء سے تعلقات:

سلطان سکندر لودھی کا طرز بادشاہت بہلول سے مختلف تھا۔ اس کے دور میں بادشاہ قبائلی طرز کا نہیں رہ گیا تھا بلکہ اس پر ہندوستانی رنگ غالب آ گیا تھا۔ سلطان سکندر امراء کی بہت عزت افزائی کرتا تھا۔ ملک کالا پہاڑ کو اس نے خلعت کے ساتھ 101 گھوڑے عنایت کیے تھے۔ (13) بہار کی حکومت نوحانیوں کے سپرد کر دی تھی۔ فرملیوں کو بھی اکثر اقطاع دیئے تھے۔ سروانی اور جلوانی پٹھان بھی اہم عہدوں پر فائز تھے۔

سلطان کا پہلا اصول مخالفین کو ختم کرنا تھا۔ اس کا سب سے بڑا مخالف اس کا اپنا بھائی

باربک شاہ تھا۔ اس نے اس کی طاقت توڑنے کی غرض سے پہلے اس کے دو حمایتیوں اعظم ہمایوں (سکندر کا بھتیجا) اور عیسیٰ خان لودھی (بہلول کا چچازاد بھائی) کو زیر کیا۔(14) اسکے ساتھ ہی مبارک خان توحانی کو بھی زیر کیا۔ جو پہلے پہل باربک شاہ کی جانب سے آیا تھا۔(15) اسی طرح سے جب 22 امراء نے اس کے خلاف سازش کی جن میں بابو خان، سعید خان سروانی اور رائے گنیش وغیرہ شامل تھے تو اس نے ان سب کو فوراً جلاوطن کر دیا۔ بلکہ گوالیار کی ریاست میں بھی پناہ نہ لینے دی جو اس کے نئے دارالحکومت آگرہ سے قریب تھی۔ وہاں ان کی موجودگی سلطان کے لیے خطرے کا باعث ہو سکتی تھی۔(16)

دوسرا اصول سلطان کا یہ تھا کہ جب مخالف زچ ہو جائے تو اسے ایک موقع ضرور دیا جائے کہ وہ تابعدار بن جائے۔ چنانچہ اعظم ہمایوں کو پکڑنے کے بعد اس نے ایک علاقے کی نظامت دے دی۔(17) اسی طرح سے باربک شاہ کو بھی اطاعت گزاری کے بعد جونپور کی حکومت واپس دے دی۔(18) جب مبارک خان توحانی نے اطاعت کر لی تو اسے بھی خاص امراء میں شامل کر لیا۔(19)

تیسرا اصول سلطان کا یہ تھا کہ اگر اس موقع پر بھی مخالف غداری کرے تو اس کے ساتھ رعایت نہ برتی جائے۔ اعظم ہمایوں اور مبارک خان توحانی سلطان سے وفادار رہے لہٰذا ان کو ترقی ملی۔ لیکن جب جونپور میں مقامی راجپوتوں نے بار بار بغاوت کی اور سلطان کو شک ہوا کہ اس میں باربک شاہ کا ہاتھ ہے تو اس نے باربک شاہ کو قید کر دیا۔(20) اسی طرح سے باربک شاہ کا امیر رائے گنیش سلطان سے آن ملا تو سلطان نے اسے پٹیالی کا اقطاع دیا۔ مگر جب اس نے سلطان کے خلاف سازش کی تو پھر سلطان نے اسے معاف نہ کیا اور جلاوطن کر دیا۔(21)

سلطان اپنی سلطنت میں کسی طاقتور امیر یا حاکم کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ یہ امیر یا حاکم اس کے لیے بھی وقت خطرہ بن سکتے تھے۔ سلطنت کے استحکام کی غرض سے مقامی قوتوں کا

خاتمہ اچھی سیاست کی نشانی ہے۔ سلطان نے پٹنہ کے راجہ سالباہن، گوالیار کے راجہ، قلعہ اونتگر، اور قلعہ نرور پر اسی وجہ سے حملہ کیا تھا۔ یہ راجے اور حاکم بہت طاقتور تھے۔ ان کے قلعے فتح کرنا بہت مشکل تھا لہٰذا سلطان نے ان پر خاص توجہ دی۔ راجہ سالباہن کا قلعہ فتح کرنے میں وہ ناکام رہا مگر باقی تین قلعے اس نے فتح کر لیے۔(22) اسی طرح سے دھول پور کا قلعہ بھی فتح کیا۔(23) شہزادہ جلال خان اگرچہ سلطان سکندر سے وفادار تھا اور جنگ نرور میں اس کی خاطر بہادری سے لڑا مگر سلطان کو اس کی فوجی طاقت دیکھ کر خطرہ ہو گیا اور اس نے اسی جنگ کے دوران اسے گرفتار کر لیا۔(24) بعد ازاں نعمت خاتون بیوہ قطب خان لودھی کی سفارش پر اسے چھوڑا اور جاگیر دی۔(25)

سلطان کی عادت تھی کہ جب کسی امیر یا حاکم کو رہا کرتا اور اسے اس کی حکومت پر بحال کر دیتا تو اس کے دربار میں اپنے آدمی ضرور چھوڑ دیتا تھا کہ آئندہ وہاں روگردانی کی سازش نہ ہو سکے۔ ایسا اس نے جونپور، بیانہ اور دھولپور میں کیا۔

راجہ دھولپور کی تسلی کی غرض سے قلعہ فتح ہونے کے بعد کچھ عرصہ راجہ کو ہی قلعے پر حاکم رکھا میں بعد ازاں اسے برخاست کر کے اپنا امیر مقرر کیا۔ یہ بھی سلطان کی ہوشیاری کا ثبوت ہے۔ اسی طرح سے اس نے اعظم ہمایوں کو کالپی کی حکومت سے ہٹا کر محمود خان لودھی کو مقرر کیا۔(26) سلطان اشرف ولد احمد خان جلوانی (جس نے سلطان سے بغاوت کر دی تھی) کو اطاعت کرنے پر کچھ عرصہ جاگیر دی اس کے بعد اسے برطرف کر دیا۔(27) اس سے ظاہر ہے کہ سلطان مشکوک کردار کے لوگوں کو دور ہی رکھتا تھا۔

سلطان عوام وخواص پر امراء کی زیادتیاں یا ان کی بدعنوانیاں برداشت نہ کرتا تھا۔ اس معاملے میں اس نے کبھی کسی کا لحاظ نہ کیا۔ مجاہد خان اس کے خاص امراء میں سے تھا۔ اس نے ایک مقامی راجہ سے رشوت لی۔ سلطان کے علم میں آیا تو اسے فوراً گرفتار کر لیا۔(28) میاں ترک ملیح پرگنہ دار نے ایک عام آدمی کی جائیداد ہڑپ کی تو سلطان نے اس پر مقدمہ

چلایا اور جرم ثابت ہونے پر اسے نہ صرف برطرف کر دیا بلکہ اس کی جاگیر بھی واپس لے لی۔(29) سلطان کے میر اخور جلال کی نگرانی میں سلطان اور امراء کے گھوڑے ہوتے تھے، ملک تھو کا نسی کا گھوڑا چوری ہو گیا تو سلطان نے فوراً میر اخور کو گرفتار کر لیا اور اس سے رقم لے کر چھوڑا۔(30)

سلطان سکندر نے امرائی اور نظامت کو غیر موروثی رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اکثر پرانے ناظمین مثلاً باربک شاہ، اعظم ہمایوں وغیرہ کی جاگیروں پر ان کے بعد یا ان کی جگہ ان کی اولادوں کو نہیں لگایا بلکہ دیگر لوگوں کو مقرر کر دیا مثلاً اعظم ہمایوں کی جگہ محمود خان لودھی، باربک شاہ کی جگہ اعظم ہمایوں سروانی کو لگایا۔ خانِ خانان فرملی کی جگہ کچھ عرصہ اس کے بیٹوں کو مقرر رکھا پھر ان کی جاگیروں کے علاقے بدل دیئے۔(31) خان جہان لودھی دوم کی جگہ کچھ عرصہ اس کے لڑکے احمد خان لودھی کو رکھا پھر اس کی ماں کو جاگیر میں ایک پرگنہ دے دیا اور وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس طرح سے احمد خان لودھی کو نہ تو خان جہان کا خطاب ملا اور نہ ہی باپ کا عہدہ ملا۔(32)

بڑے بڑے امراء کو زیر کرنے سے تمام امراء سلطان کے تابعدار اور فرمانبردار ہو گئے۔ سلطان دربار میں تخت نشین ہوتا اور امراء اس کے سامنے حاضر رہتے تھے۔ سلطان کا فرمان اس کی غیر موجودگی میں بھی بڑے اعزاز سے پڑھا جاتا اور اس کی تعمیل ہوتی تھی۔

سلطان نے اپنے خیمے اور دربار پر حاجب مقرر کیا اور اپنی حفاظت کے لیے ایک خاص حفاظتی دستہ مقرر کیا۔ اس طرح سے ہر امیر کی سلطان تک بلا روک ٹوک رسائی ختم ہو گئی۔(33) یہ بھی اس کے طرز بادشاہت کا ایک امتیاز تھا۔

سلطان کے اختیارات اتنے وسیع تھے کہ امراء اس کی چاپلوسی کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرتے تھے۔ خود اس کا اپنا بیان تھا کہ:

"اگر میں کسی غلام کو پالکی میں بٹھا دوں تو میرے امراء اسے کندھوں پر

اٹھائیں۔''(34)

بعض اوقات بھائی بھائی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے۔ بعض اوقات امراء میں یہ مقابلہ چلتا۔ 1494ء میں محبت خان لودھی کی جگہ دریا خان نوحانی کو مقطع بہار مقرر کیا گیا۔ (35) 1509ء میں خضر خان خلف شہزادہ عالم خان اور سعید خان خلف مبارک خان یوسف خیل لودھی نے سلطان کی حمایت حاصل کی اور اپنے اپنے بھائیوں بھیکن خان اور احمد خان لودھی کو برطرف کروا کر اٹاوہ اور لکھنؤ کی سرکاریں حاصل کیں۔ (36) ایک موقع پر خواجہ محمد عماد فرملی کی جگہ اسکے بھائی خواجہ محمد کو مقرر کیا گیا۔ (37)

امراء کے لیے سلطان کی اطاعت اور خوشنودی بہت ضروری تھی۔ میاں خواجہ اسمٰعیل جلوانی نے سلطان کو زرگر کے بطن سے پیدا ہونے کا طعنہ دیا تو سلطان نے اسے فارغ کر دیا۔ (38) میاں سلیمان فرملی ولد خان خانان فرملی نے سلطان کے حکم پر ایک تو مسلم حسین خان کو امداد دینے سے انکار کر دیا تو سلطان نے اسے فوراً برطرف کر کے اس سے جاگیر واپس لے لی۔ (39) مسند عالی میاں حسین فرملی کی سارن اور چمپارن کے حاکم حاجی سارنگ خان سے نہیں بنی تو سلطان ناراض ہو گیا۔ میاں حسین فرملی کو بنگال میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ (40)

دراصل اپنے دور کے آخر میں سلطان نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ اس کے اکثر امراء مالی اور فوجی طور پر بہت طاقتور ہو گئے ہیں اور بہت طاقتور ہیں۔ (اس کا ذکر ہم نے الگ باب میں کیا ہے) اس نے یکے بعد دیگرے ان کو ہٹانے کا پروگرام بنایا اور آہستہ آہستہ ان کو برطرف یا جلاوطن کر دیتا یا پھر انکے تبادلے کر دیتا۔ اس کی روش کو سلطان ابراہیم نے اختیار کیا۔ امراء کو اپنا اثر کم ہونے کا اندازہ سلطان ابراہیم کے دور میں ہوا۔ اس وجہ سے وہ اس کے خلاف ہو گئے اور بابر سے جا ملے جس کے بعد لودھی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطان جب کسی شخص کو جاگیر دیتا تو صرف نوشتہ لکھ کر دیتا تھا۔ اور اس شخص سے کہتا تھا

کہ جاگیر پر جا کر اپنے لیے خود گھوڑے اور دیگر سامان کا انتظام کرو۔(41) اس طرح سے وہ ہر امیر یا عہدیدار یا جاگیردار سے یہ امید کرتا تھا کہ اس عہدے کے عوض وہ اپنی خدمات سرانجام دیں اور محض عیاشی میں نہ پڑیں۔

سلطان کی عادت تھی کہ کسی امیر یا عہدیدار کو حد سے زیادہ منہ نہ لگاتا تھا۔ ایک باررروہ سے آنے والے ایک پٹھان کو ایک جاگیر دی۔ اس پٹھان نے جاگیر پر جا کر ایک حرم رکھی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ کچھ پیسہ جمع کیا اور حرم اور بیٹے کو چھوڑ کر واپس وطن چلا گیا۔ وہاں دوسری شادی کی اور 3 لڑکے پیدا ہوئے۔ 5 سال کے بعد جب پیسہ ختم ہو گیا تو واپس جاگیر پر آیا۔ اس کی جاگیر کو کافی ترقی ہو چکی تھی۔ وہ سمجھا کہ یہ جاگیر کسی اور کو دے دی گئی ہو گی مگر بعد ازاں پتہ چلا کہ ہنوز اس کے نام پر ہے اور اس کی بیوی اور بچہ اسے چلا رہے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اپنے چاروں لڑکے لے کر سلطان کے پاس پھر گیا اور اپنا تعارف بھجوایا۔ سلطان نے جواب بھجوا دیا کہ تمہیں جاگیر دے دی گئی تھی۔ تمہارے حالات سے آگاہ ہیں تم جا کر جاگیر پر کام کرو جب تمہاری ضرورت ہو گی تو تمہیں خود بلا لیں گے۔(42)

سلطان نے امراء اور حکام کی آمدنی چیک کرنے کا بھی طریقہ کار وضع کیا جسے احتساب کہہ سکتے ہیں۔ سلطان کی دادی کی جانب سے اس کے رشتہ دار مبارک خان لودھی نے گئی سال کی جونپور کی آمدنی ہڑپ کی تو سلطان نے اس سے برآمد کروائی اور اسے سزا ملی۔(43) دہلی کا حاکم خواجہ اصغر بھی بدعنوانیوں میں ملوث تھا۔ اسے بھی قید کیا گیا۔(44) میر اخور جلال خان کو اس کی نگرانی سے ایک سردار کا گھوڑا چوری ہونے پر قید کر لیا گیا اور رقم وصولی کے بعد چھوڑ گیا۔(45) میاں ترک بلیع پرگنہ دار کو ایک آدمی کی جائیداد ہڑپ کرنے پر سزا دی گئی اور برطرف کیا گیا۔(46)

سلطان کا نظام جاسوسی بہت زبردست تھا۔ اس کے جاسوس مختلف شکل میں جگہ جگہ موجود تھے اور اسے امراء و حکام کی ذاتی باتوں کی بھی خبر ہو جاتی تھی۔ ایک رات بھیکن خان

لودھی بارش ہونے کی وجہ سے خود اپنی چارپائی چھت سے لے کر نیچے آیا۔ بادشاہ نے یہ بات دوسرے روز اس کو جتادی۔ (47) اعظم ہمایوں سروانی کافی عرصے تک ایک مہم پر گیا اور لاپتہ رہا۔ اس کے بیٹے کو بھی اس کی خبر نہ ہوئی۔ سلطان نے اس کے اصل حالات اس کے بیٹے کو بتائے۔ اعظم ہمایوں سروانی آیا تو سلطان کی باتیں درست ثابت ہوئیں۔ (48) حاجی عبدالوہاب حج سے آمد کی تاریخ جو سلطان نے بتائی وہ بھی درست تھی۔ (49) مجاہد خان نامی امیر کی رشوت خوری کا اسے فوراً علم ہو گیا اور اسے قید کر لیا گیا۔ (50)

غرض کہ سلطان سکندر لودھی نے سلطان بہلول کی روش ترک کی اور ترک سلاطین والا طرز بادشاہت اختیار کیا۔ بادشاہ کو قبائلی سردار کی جگہ بادشاہ تسلیم کیا جانے لگا اور اس کے احکامات پر بلا تامل و بلا تاخیر عمل ہونے لگا۔ امراء کو اس نے بڑی فہم و فراست سے کنٹرول کر کے رکھا۔ اور ان کو ان کی حدود سے آگے نہ بڑھنے دیا۔

حواشی

(1) مخزن (اردو) ص172؛ واقعات مشتاقی ص101-70

(2) واقعات مشتاقی ص76

(3) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص395

(4) افسانہ شاہان ص59

(5) طبقات جلد اول ص461

(6) واقعات مشتاقی ص32

(7) ایضاً ص97

(8) ایضاً ص94

(9) ایضاً ص97

(10) ایضاً ص6-95

(11) ایضاً ص61

(12) طبقات جلد اول ص470: محزون (اردو) ص170

(13) واقعات مشتاقی ص96

(14) طبقات جلد اول ص4-453

(15) افسانہ شاہان ص35

(16) طبقات جلد اول ص267,264

(17) طبقات جلد اول ص454

(18) ایضاً ص5-454

(19) افسانہ شاہان ص35

(20) طبقات جلد سوم ص289

(21) ایضاً ص267,264

(22) ایضاً جلد اول ص474,468,461

(23) ایضاً 466

(24) ایضاً 472

(25) ایضاً 474

(26) ایضاً 455

(27) ایضاً 455

(28) ایضاً 471

(29) واقعات مشتاقی 30

(30) ایضاً 33-32

(31) طبقات جلد اول ص6-465

(32) واقعات مشتاقی ص70-69

(33) طبقات جلد اول ص462

(34) تاریخ شاہی ص64-5

(35) طبقات جلد اول ص1-460

(36) ایضاً ص474

(37) ایضاً ص476

(38) افسانہ شاہان ص59

(39) طبقات جلد اول ص6-475

(40) افسانہ شاہان ص63

(41) واقعات مشتاقی ص17

(42) افسانہ شاہان ص60-59

(43) مخزن (اردو) ص163

(44) ایضاً ص164

(45) واقعات مشتاقی ص31-30

(46) ایضاً ص30

(47) ایضاً ص35

(48) ایضاً ص46

(49) ایضاً ص46

(50) طبقات جلد اول ص468

maablib.org

باب نمبر 18

سلطان سکندر کا ذاتی کردار

سلطان سکندر لودھی کی بادشاہت کے بارے میں واقعات مشتاقی میں یوں درج ہے:

"اصل بات کی جانب آتے ہیں کہ سلطان سکندر کی بادشاہی باعظمت اور شریعت کے مطابق تھی اور اس کا انصاف، سخاوت اور بہادری کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس کے عہد حکومت میں عوام آسودہ حال تھے۔ زراعت اور تعمیرات کو بہت ترقی ہوئی۔ سپاہیوں کی بہت عزت تھی اور سوداگر قابل احترام اور مزارعان آسودہ حال تھے اور (سوداگروں کی) آمدورفت بہت تیز ہوگئی تھی۔ ماہرین حرفت اور مزارع بڑے رفاہ اور خیر کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ ملک میں اتنا امن وامان تھا کہ چور اور ڈاکو بلا امتیاز اس کی خدمت میں آکر مطیع ہو گئے تھے۔ اور اسی ملک میں رہنے لگے تھے اور جو کوئی اس کی اطاعت سے روگردانی کرتا اس کا سر دھڑ سے جدا کر دیا جاتا یا پھر اپنی ملک وحدود سے جلاوطن کر دیا جاتا۔ اور اچھے سپاہی کہ جن کے پاس گھوڑا اور سامان نہیں ہوتا تو پہلے اس کے حسب ونسب کی تحقیق ہوتی پھر اسے جاگیر دی جاتی اور کہا جاتا کہ جاؤ، اپنی جاگیر سے ہی سازوسامان اور گھوڑا پیدا کرلو۔" (1)

یہ وہ امور ہیں جن پر اکثر مورخین متفق ہیں۔ لیکن خواجہ نظام الدین احمد اس حوالے سے مورخین کو محتاط رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اس کے خیال میں سلطان کے عہد و کردار سے بہت سی فرضی باتیں منسوب کر دی گئیں۔ چنانچہ وہ رقم طراز ہے کہ:

''چونکہ بعض تاریخوں میں سلطان سکندر کے مناقب ومناظر حد سے زیادہ بیان کیے گے ہیں جن کو مبالغہ واغراق کہنا بے جانہ ہوگا اس لیے جن کو صحیح سمجھا گیا ہے وہ یہاں تحریر کیے جاتے ہیں۔''(2)

لیکن خواجہ نظام الدین درج ذیل امور کو درست تسلیم کرتے ہوئے انہیں اپنی کتاب میں تحریر کرتا ہے:

''کہتے ہیں کہ سلطان سکندر حسن ظاہری سے آراستہ اور کمالات معنوی سے پیراستہ تھا۔ اس کی حکومت کے زمانے میں نہایت ارزانی رہی۔ ملک میں امن وامان تھا۔ سلطان ہر روز دربار عام کیا کرتا اور ہر شخص کی فریاد سنتا۔ کبھی صبح سے شام تک بلکہ سوتے وقت تک معاملات طے کیا کرتا، پانچوں وقت کی نماز ایک مرتبہ میں ادا کرتا تھا۔ اس کے دور حکومت میں ہندوستان کے زمینداروں کا ظلم وستم ختم ہو گیا تھا......''(3)

اس کے علاوہ بھی وہ کئی واقعات درج کرتا ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

اشیاء کی ارزانی اور بہبود رعایا اور خبر گیری:

سکندر لودھی کو رعایا کی بہبود اور خبر گیری کا کتنا خیال تھا اس کے لیے ہم مخزن سے کچھ بیانات نقل کرتے ہیں:

''سلطان سکندر ایسا بادشاہ تھا جس کی شخصیت تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آراستہ تھی۔ اس کے عہد حکومت میں سارا ملک گل وگلزار بنا ہوا تھا اور باغ عالم سرسبز وشاداب تھا۔ اس کے زمانے میں ہمیشہ باران رحمت کی طرح اچھے حالات کے بادل چھائے رہے۔ اشیائے ضرورت میں اس قدر ارزانی کہ اور کسی دور میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ اس کے زمانہ حکومت میں تمام رعایا کو ہر طرح کا امن وامان اور خوشحالی نصیب تھی۔ احکام شریعت محمدی ﷺ کی اس حد تک پابندی کرائی جاتی تھی

کہ جو کچھ علمائے دین فرماتے، اس سے سرِمو انحراف روا نہ سمجھا جاتا تھا۔" (4)

سلطان کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ہر روز دربار عام لگاتا اور رعایا کی عرائض و فریادیں سنتا۔ بعض اوقات تو صبح سے عشاء تک مخلوق کے معاملات کو سلجھانے میں مصروف رہتا بلکہ پانچوں نمازیں بھی اسی جگہ پڑھتا۔ اسکے زمانے میں جاگیرداروں پر کڑی نگرانی رکھی گئی کہ وہ اپنے مزارعین یا چھوٹے کاشتکاروں پر کسی قسم کا ظلم نہ کرسکیں۔ ایسے سب لوگ حکومت کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے تھے بلکہ شیر و بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ تمام امور میں دامن انصاف کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا تھا۔ اپنی خواہش یا مرضی سے کوئی کام نہ کرتا تھا۔ رعایا کو خدا کی عطا سمجھتا اور شفقت سے پیش آتا۔ ہمیشہ حق بات کہتا اور حق کی حمایت کرتا۔" (5)

"ملک کی تمام مساجد میں قاری، خطیب اور خادم مقرر کر کے ان کے لیے مشاہرے اور وظائف منظور کیے۔ ہر سال سردی کے موسم میں گرم چادریں، شالیں اور لحاف وغیرہ غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کراتا۔ جمعہ کے روز مسجد میں جو روپے اکٹھے ہوتے وہ بھی فقیروں مسکینوں پر بے دریغ سخاوت کرتا اور داد و دہش کے دروازے اُن پر کھول دیتا۔" (6)

"امراء اور مال دار لوگوں میں سے جو شخص کسی فقیر یا محتاج کا وظیفہ یا کسی غریب کی معاشی امداد کے طور پر کچھ رقم مقرر کر دیتا اور اس کی باقاعدہ ادائیگی کا اہتمام کرتا، بادشاہ اُسے عزت کی نگاہ سے دیکھتا اور کہا کرتا کہ اس نے خیر کی بنیاد رکھی ہے۔ اب اسے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا، نیز یہ کہ جو کوئی کسی خیر کے کام کو شروع کرے پھر وہ اس میں کوتاہی کیسے کر سکتا ہے بلکہ چاہیے کہ اُسے متواتر اور مسلسل کرتا رہے۔ رعایا اور فوج کی اس حد تک خبر گیری اور نگہداشت کرتا کہ لوگوں کے معاشی حالات سے اُسے خبردار رکھا جاتا۔ اسی وجہ سے سلطان کبھی کبھی اپنے امراء کے سامنے لوگوں

کے حالات بیان کرتا جس کی بنا پر لوگ خیال کرتے کہ کوئی جن بادشاہ کے قبضے میں ہے جو اس کو غیب کی باتیں بتاتا ہے۔" (7)

"منڈیوں کے بھاؤ اور مملکت کے اہم واقعات کے اندراجات پر مشتمل ایک روزنامچہ ہر روز دربار میں پیش ہوتا۔ اگر سر مو کوئی بات قانون و شریعت کے خلاف ہوتی تو اس کا فوراً تدارک کیا جاتا۔ بادشاہ ہمیشہ دشمنیاں ختم کرانے، ملک کے معاملات کو سلجھانے اور رفاہ عامہ کے کاموں میں معروف و مشغول رہتا اور اکثر معاملات کو اپنی فہم و فراست کی مدد سے بخوبی احسن انجام دیتا۔" (8)

سخاوت:

اس کی سخاوت کے بارے میں نعمت اللہ نے یوں تحریر کیا ہے:

"سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ہر سال میں دو بار اپنے ملک کے تمام فقیروں اور محتاجوں کو حکم دیتا کہ اپنی ضروریات کے لیے درخواستیں دیں۔ ہر ایک کی احتیاجات اور حیثیت کے مطابق چھ ماہ کا خرچ اس کو بھجوا دیتا۔ جو کوئی نوکری کے لیے آتا تو اس کے حسب نسب اور اجداد کی خدمات کے بارے میں اچھی طرح چھان بین کرتا اور مناسب حال کوئی خدمت اس کے سپرد کرتا۔ اگر کوئی آدمی گھوڑا یا کسی قسم کا سامان جنگ تحفے کے طور پر پیش کرتا تو اُسے جاگیر عطا کرتا اور حکم دیتا کہ اس جاگیر سے اپنے آرام و آسائش کا انتظام کر کے مجھے اطلاع دو۔ (9)

علم و ادب سے دلچسپی:

اس موضوع پر ہم نے الگ باب میں بحث کی ہے۔ اسے وہاں دیکھیے۔

فہم و فراست:

مخزن افغانی اور دیگر کتب میں سلطان کی فہم و فراست کے کئی قصے درج ہیں جن میں

سے اکثر قابل قبول ہیں لیکن ہم طوالت کے پیش نظر صرف ایک قصہ پر اکتفا کرتے ہیں:

"کہتے ہیں گوالیار کے رہنے والے دو بے کس ولاچار بھائی، اپنے حالات سے پریشان ہو کر ایک ایسے لشکر کے ساتھ ہو لیے جسے سلطان نے کسی ملک پر چڑھائی کرنے بھیجا تھا۔ جب اس لشکر کو فتح ہوئی اور سپاہی مال غنیمت لوٹنے لگے تو دو لعل بدخشانی، چند یاقوت اور کچھ دوسرے موتی ان دو بھائیوں کے ہاتھ لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمیں اپنی مراد مل گئی ہے لہٰذا اس لشکر کے ساتھ رہ کر مزید مشقت اور ذلت اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ گھر واپس چلیں اور اطمینان سے زندگی بسر کریں، لیکن دوسرے نے کہا کہ جب پہلی ہی بار خدا تعالیٰ ہمیں اس قدر مال غنیمت سے نوازا ہے تو ہو سکتا ہے دوسرے موقع پر وہ ہمیں اس سے بھی بہتر اور زیادہ زر و جواہرات عطا فرما دے۔ چھوٹے بھائی نے کہا کہ میں تو اس کے بعد کسی دوسری مہم میں شریک ہونے کو تیار نہیں ہوں چنانچہ انہوں نے مال غنیمت آدھا آدھا بانٹ لیا۔ بڑے بھائی نے بھی اپنا حصہ چھوٹے کے حوالے کیا کہ وہ اس کی بیوی کو پہنچا دے۔ چھوٹے بھائی نے گھر پہنچ کر تمام مال غنیمت جو بڑے بھائی نے امانت کے طور پر بھیجا تھا، بھائی کی بیوی کے حوالے کر دیا لیکن اُس میں سے ایک لعل اپنے پاس رکھ لیا۔

ایک عرصے کے بعد جب بڑا بھائی بھی گھر واپس آیا تو اُس نے اپنے بھیجے ہوئے مال غنیمت کا جائزہ لیا۔ وہ خاص لعل نہ پا کر اس نے اپنے بھائی سے دریافت کیا۔ جواب ملا کہ وہ تو میں نے تمہاری بیوی کو دے دیا تھا۔ بڑے بھائی نے کہا کہ وہ تو کہتی ہے مجھے نہیں دیا گیا۔ کہنے لگا جھوٹ بولتی ہے، اُسے ذرا ڈانٹنا چاہیے۔ اس آدمی نے اپنی بیوی بے چاری کو ڈانٹا اور لعل نہ ملنے کی صورت میں سخت سزا دینے کا ڈراوا دیا۔ عورت نے ایک رات کی مہلت مانگی اور اگلے روز علی الصبح اٹھ کر سلطان

کے قاضی القضاۃ میاں بھووہ کے پاس جا کر عرض داشت پیش کی اور سارا ماجرا بیان کیا۔ میاں بھووہ سلطان کے وزیر اعلیٰ اور مصاحب خاص تھے۔ بڑا دانا اور سوجھ بوجھ والا آدمی تھا۔ میاں بھووہ نے اس کے شوہر اور شوہر کے بھائی کو بلا کر استفسار کیا۔ شوہر کے بھائی نے کہا کہ میں نے تو لعل بھی باقی مال کے ساتھ اُسے دے دیا تھا۔ میاں بھووہ نے پوچھا کہ کوئی گواہ ہے؟ وہ بولا ہاں۔ دو برہمن بھائی میرے گواہ ہیں۔ قاضی نے کہا کہ ان کو حاضر کرو۔ وہ آدمی قمار خانے گیا اور وہاں سے دو آدمیوں کو کچھ دے کر گواہی دینے پر آمادہ کر لیا اور انہیں اچھی طرح سکھا کر پکا کر دیا کہ کیا کہیں۔ اُن کو نہلا دھلا کر پاک صاف کپڑے پہنائے اور عدالت میں لے آیا۔ جب ان دونوں نے گواہی دے دی کہ ہمارے سامنے وہ موتی اس عورت کے حوالے کر دیا گیا تھا تو میاں بھووہ نے اس عورت کے خاوند سے کہا کہ اُسے لے جا اور سخت سزا دے کر وہ موتی اس سے برآمد کر۔ وہاں سے نا امید ہو کر وہ عورت سلطان کے دربار میں فریادی لائی۔ سلطان نے اس کو اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ تو میاں بھووہ کی عدالت میں کیوں نہیں گئی۔ عورت نے جواب دیا کہ میں تو پہلے اسی کی عدالت میں گئی تھی لیکن قاضی جی نے پوری طرح تحقیق نہیں کی۔ سلطان نے اس معاملے سے متعلق سب کو اپنے دربار میں بلا کر انہیں الگ الگ کمروں میں بند کر دیا اور سب کو کچھ موم دے کر حکم دیا کہ اس موتی کی شکل بنائیں۔ دونوں بھائیوں نے تو اس موتی کے مطابق ایک شکل بنائی لیکن گواہوں نے جس شکل کی نقل بنائی اس کا اصل سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور اس عورت نے تاکید کے باوجود کوئی شکل نہ بنائی اور کہنے لگی کہ جس چیز کو میں نے بالکل دیکھا ہی نہیں اس کی شکل کیسے بناؤں۔ تب سلطان نے میاں بھووہ سے مخاطب ہو کر فرمایا

کہ ان گواہوں سے علیحدگی میں باز پرس کر کے صفائی طلب کی جائے اور ان پر واضح کردیا جائے کہ اگر سچ نہ بتائیں گے تو ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ سختی سے باز پُرس کرنے پر ان گواہوں نے حقیقت حال کہہ سنائی۔ سلطان نے اس آدمی کے بھائی کو بلا کر اس کے جرم کے مطابق سزا کا حکم سنایا تو اس نے وہی لعل سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس طرح بادشاہ کی دور اندیشی سے وہ عورت بے چاری سزا اور الزام سے بچی اور اس کی عقل و ہوش اور سچائی ثابت ہوئی۔ (10)

نظام عدل:

سلطان کے ہاں انصاف کا طریقہ کار بہت سخت تھا اور حکم تھا کہ کوئی کسی پر سختی و زیادتی نہ کرے گا۔ دیوانِ وزارت دریا خان لوحانی سارا دن سے لے کر ایک گھڑی شب تک لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرتا۔ اس کے فیصلے 12 علماء کی ایک مجلس میں جاتے تھے اور اگر فیصلہ قانون کے مطابق ہوتا تو قائم رکھا جاتا ورنہ رد کر دیا جاتا تھا۔ کچھ غلام اس مجلس میں اور دیوان وزارت میں اس کام کے لیے بھی مخصوص تھے کہ وہ ہر بات کی سلطان کو خبر دیا کریں۔ (11)

ایک بار قصبہ ارول میں ایک سید نے سلطان کو لکھا کہ میاں بلیح ترک جو اس پرگنہ کا جھدار یا شقدار ہے اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور میری اراضی چھینی ہے۔ سلطان نے دونوں کو بلا کر تحقیق کرائی اور دو ماہ تک مقدمہ طویل ہو گیا۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد ثابت ہو گیا کہ میاں بلیح ترک جھدار غلطی پر ہے اور اس نے زیادتی کی ہے اور سید کی زمین جو پہلے ہی تھوڑی سی تھی چھینی ہے۔ میاں بلیح نے بھی اپنی غلطی مان لی۔ سلطان سکندر نے پہلے اس سے تین بار اقرار جرم کروایا اور پھر اس سے اس کی ساری جاگیر چھین لی۔ (12)

ایک بار میر آخور جس کا نام جلال تھا اس کی تحویل سے طویلہ خاص سے ایک گھوڑا چوری

ہو گیا۔ سلطان کو علم ہوا۔ گھوڑا ملک تھو کانسی کی ملکیت تھا۔ سلطان نے آگرہ کے شقدار محمد زیتون کو حکم دیا کہ جلال کو گرفتار کرلے اور اس سے اس کی رقم وصول کرلے۔ چنانچہ جلال گرفتار ہو گیا۔ تین روز کے بعد اصل چور دھولپور کے پاس لشکر سے گزرتے ہوئے پکڑا گیا۔ سلطان کے علم میں آیا تو محمد زیتون سے پوچھا کہ جلال سے رقم لی یا نہیں۔ زیتون پریشان ہو گیا۔ اس نے تا حال رقم وصول نہ کرائی تھی۔ اگر سلطان کو سچی بات لکھتا ہے تو سلطان پوچھے گا کہ اتنے دن میں اصل رقم کیوں نہ نکلوائی اور اگر لکھتا ہے کہ رقم لے لی تو وہ جھوٹ ہوگا۔ آخر اس نے یوں لکھ دیا کہ جلال روزانہ وعدہ کرتا ہے کہ رقم دے دوں گا۔ سلطان نے حکم دیا کہ گھوڑا جلال کو دے دو اور اس سے رقم وصول کرو۔ جلال نے وہ گھوڑا بیچ کر دس ہزار تنکے حاصل کیے۔ چار ہزار محمد زیتون کو دیے اور 6 ہزار خود پکڑے۔

اب چور تین روز تک بند رہا۔ وہ ہندو تھا۔ جب سلطان کے پاس تین روز بعد لایا گیا تو خان خاناں توحانی نے کہا کہ اسے قتل کر دینا چاہیے۔ سلطان نے کہا کہ چور کو یا تو اس جگہ قتل کرتے جہاں پکڑا تھا یا اگر وہ موقع پر رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا تب اسی جگہ قتل کر دیتے۔ میرا دربار تو دارالامان ہے یہاں پر قتل کرنا مناسب نہیں۔ اس کے بعد چور کو محمد زیتون کی قید میں دے دیا گیا۔ پھر وہ چور سات سال تک قید میں رہا۔ کسی عید یا عاشورہ یا وفات النبی ﷺ کے موقع پر جب قیدیوں کو رہا کیا گیا تو اس کی بھی باری آگئی۔ اب سلطان نے حکم دیا کہ اس سے پوچھو کہ اگر اسلام قبول کرتا ہے تو آزاد کر دیتے ہیں۔ چور نے جواب دیا کہ اگر مجھے 7 روز کے بعد اسلام قبول کرنے کو کہتے تو اسلام قبول کر لیتا۔ ان سات سالوں میں تو میں خود اپنی رغبت سے مسلمان ہو گیا ہوں۔ چنانچہ اسے آزاد کر کے ارکان اسلام سکھائے گئے۔ جب سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو سلطان نے اس کی منشا پوچھی۔ بولا کہ مسلمان ہو کر اپنے رشتہ داروں سے بیزار ہو گیا ہوں مجھے تو یہیں پر رہنے دیں۔ چنانچہ اسے قلعہ کے دروازے پر دیگر دربانوں کے ساتھ مقرر کر دیا گیا۔ اس نے کہا کہ وہ اس طرح سے چور کو

پکڑ سکتا ہے۔ ایک روز چہار بازار (چار سو بازار) میں چور بزازوں کی دو کانوں کے دروازے توڑ کر مال لے گئے۔ جب سلطان کو علم ہوا تو اس نے اس تو مسلم کو بلا کر کہا کہ تو تو کہتا تھا کہ چوری ہوئی تو میں ضامن ہوں۔ اب جواب دے۔ اس نے تفتیش کے لیے چار روز کی مہلت مانگی اور تیسرے روز آ کر بتایا کہ یہ چوری لشکر کے آدمیوں نے کی ہے کوئی باہر کا آدمی نہیں ہے۔ لشکر کے اندر موجود تمام مادیان (میواتی) لوگ میرے سپرد کر دیں تاکہ چور کو پکڑوں۔ اس پر تقریباً کئی سو میواتی پکڑ کر لائے گئے سرداروں کے پاس سپاہی۔ اس شخص نے ان میں سے اصل چور کو شناخت کر لیا۔ چور نے گریہ وزاری کی کہ اس کی نشاندہی نہ کی جائے۔ اس پر اس شخص نے میواتیوں سے بھاری جرمانہ اور مال وصول کر کے سلطان سے سفارش کی کہ میواتیوں کی اس غلطی کو معاف کر دیا جائے۔ وہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ اس شہر میں چوری نہ کریں گے۔ اگر کریں تو قتل کر دینا۔ سلطان راضی ہو گیا۔ اس روز کے بعد سے لشکر میں چوری ختم ہو گئی۔ (13)

ظلم کا خاتمہ:

واقعات مشتاقی میں ہے کہ "تمام ملک میں کوئی درعہ یا کوئی تسو زمین کا ایسا نہیں تھا کہ جہاں پر زراعت نہ ہوتی تھی۔ اگر کوئی مالک اپنے غلام سے حساب کتاب لینا چاہتا تو پہلے بادشاہ کے دربار میں آتا اور تمیز طلب کیا جاتا پھر اس سے حساب کتاب شروع کیا جاتا۔ کسی کو کسی پر زیادتی کرنے کی ہمت نہ تھی اور عوام میں کوئی ایسا گھر نہ تھا کہ جہاں سے کوئی پلنگ بھی ظلم کر کے چھین لیا جاتا۔ یا کسی سے بلا معاوضہ کام لیا جاتا۔ اور اس طرح کی بدعتیں کی جن سے لوگوں کو تکلیف ہوئی وہ سب ختم کر دی گئی تھیں۔" (14)

علماء سے ملاقاتیں:

افسانہ شاہان میں ہے کہ بہار میں سلطان سکندر نے علماء و مشائخ سے ملاقاتیں جاری

رہیں۔ ایک روز اس نے میاں شیخ فخر الدین زاہدی کے گھر پر بھی حاضری دی جن کے مرید بنگال کے سارے بادشاہ رہے تھے۔ اس کے علاوہ بہار میں سلطان کے ساتھ شیخ بدی حقانی، شیخ بدن تیزی، شیخ بدی طیب اور شیخ فخر الدین زاہدی بھی ہوتے تھے۔ سلطان نے بہار سے جاتے وقت ان سب کو نقد انعام دیا اور ان کے لیے مدد معاش مقرر کی۔ (15)

پیر سے عقیدت:

سلطان اپنے پیر و مرشد کے حکم کا بہت پابند تھا۔ کہتے ہیں کہ جب حاجی عبدالوہاب نے اس کو داڑھی رکھنے کی ہدایت کی تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اپنے پیر سے پوچھوں گا جو موضع سہیو میں جنگل میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے شیخ کی بھی داڑھی نہیں تھی۔ (16)

علماء کی حدود کا تعین:

سلطان اگرچہ شدت پسند مسلمان تھا مگر کسی عالم کو اپنے اوپر غالب نہ آنے دیتا تھا۔ ایک قصہ تو ملک العلماء میاں اجودھنی کا اس کی شہزادگی کے دور کا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ ایک اور قصہ شیخ حاجی عبدالوہاب کا ہے۔ شیخ نے جب سلطان کو کہا کہ داڑھی رکھو تو سلطان نے کہا کہ داڑھی پوری نہیں نکلتی اس لیے لوگ مذاق اڑائیں گے۔ شیخ نے کہا کہ جب میں ہاتھ پھیر دوں گا تو داڑھی پوری ہو جائے گی پھر کون مذاق اڑائے گا۔ تو سلطان نے بہانہ کیا کہ اپنے پیر سے پوچھوں گا۔ اس کی بھی داڑھی نہیں ہے۔ اس پر شیخ نے کہا کہ تم داڑھی رکھو میں تمہارے پیر کو بھی سمجھاؤں گا۔ اس پر بھی سلطان نے حامی نہیں بھری جس پر شیخ سلام کر کے دربار سے چلے گئے۔ سلطان نے اس کے جانے کے بعد کہا کہ "شیخ سمجھتے ہیں کہ لوگ صرف ان کی خدمت میں آتے ہیں اور پابوسی کرتے ہیں جو ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ اگر میں کسی غلام کو پالکی میں بٹھا دوں تو سب امراء اس پالکی کو کندھوں پر اٹھاتے پھریں۔"

شیخ عبدالجلیل نے یہ بات شیخ عبدالوہاب کو بتائی تو وہ ناراض ہو کر سلطان سے ملے بغیر اپنے وطن چلے گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سلطان اپنے آگے کسی عالم یا صوفی کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ (17)

فرمان شاہی کی حیثیت:

سلطان کے رعب کا یہ عالم تھا کہ اس کے فرمان کی بھی اسی طرح عزت کی جاتی تھی جس طرح خود بادشاہ کی:

''سلطان، جو لشکر بھی کسی سمت کو بھیجتا، ہر روز اس کے سپہ سالاروں کو دو فرمان، شاہ کی طرف سے موصول ہوتے۔ ایک ہر منزل سے صبح کو کوچ کرتے وقت اور دوسرا شام کو کہ آئندہ ایسے ایسے کیا جائے۔ ہدایات دینے کے اس سلسلے میں کبھی تعطل نہ آتا اور یہ ضابطہ کبھی نہ ٹوٹتا۔ ڈاک لے جانے والے گھوڑے ہر چوکی پر ہمیشہ تیار رہتے۔ جب کسی امیر کو کوئی فرمان صادر ہوتا، وہ امیر اس کو وصول کرنے کے لیے دو تین کوس آگے چل کر آتا اور استقبال کرتا۔ فرمان لے جانے والا وہاں ایک چبوترے پر کھڑا ہوتا اور وہ امیر نیچے کھڑا ہو کر دونوں ہاتھوں سے بڑے ادب کے ساتھ اس فرمان کو وصول کرتا اور پہلے اپنے سر پر رکھتا۔ اگر حکم ہوتا تو وہیں سے حاضرین کو پڑھ کر سنا دیا جاتا یا اگر حکم ہوتا تو شہر کی مسجد میں منبر پر بیٹھ کر پڑھا جاتا۔ اگر اس کے علاوہ کوئی خصوصی حکم ہوتا تو اُسے تنہائی میں پڑھا جاتا۔ غرض جس طرح حکم ہوتا اسی کے مطابق عمل کیا جاتا تھا۔'' (18)

بدعات کا خاتمہ:

واقعات مشتاق میں ہے کہ:

''اور سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کا نیزہ۔ اس کے ملک میں نکالنے کی اجازت

نہ تھی۔اور بغیر میت کی قبروں کو ہنر بنا دیا گیا تھا۔اور سیتلا گھتال کا خود کوئی نام نہیں تھا۔اور تمام مسلمان بادشاہوں کے ساتھ برادرانہ اور مخلصانہ تعلقات تھے۔ایک دوسرے کے ساتھ خط و کتابت اور تحفہ و تحائف ارسال کیا کرتے تھے اور اس کی پوری مملکت میں کوئی سی بھی جگہ دارالحرب نہ تھی۔"(19)

اس کی تصدیق مخزن افغانی اور طبقات اکبری سے بھی ہوتی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ سلطان مسلمانوں کے اندر بھی غیر شرعی رسومات کا مخالف تھا۔مخزن میں ہے کہ سلطان نے عورتوں کے مزارات پر جانے پر پابندی عائد کردی تھی۔(20)

عبادات و معمولات:

رزق اللہ مشتاقی درج کرتے ہیں کہ:

"سلطان کی عادت تھی کہ ساری رات نہیں سوتا تھا۔لیکن قیلولہ کے وقت سو جاتا تھا اور تمام رات عبادت کرتا تھا اور محتاجوں کے ساتھ انصاف، ملک کا انتظام، سرحدوں کے امراء کے نام فرمان، اپنے ہم عصر بادشاہوں کے ساتھ خط و کتابت اور اسی طرح کے دیگر کام رات کو کرتا تھا۔اور علماء و فضلاء اور افغانوں میں سے سترہ اشخاص اس کی مجلس خاص میں حاضر رہتے تھے۔"(21)

داڑھی سے پرہیز:

سلطان سکندر کی داڑھی نہیں تھی۔اس کا خیال تھا کہ جب داڑھی نکلے گی تو وہ چوزے کی طرح ہو گی لہٰذا اس نے داڑھی ہی نہیں رکھی۔(22)

شراب خوری:

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ بعض اوقات شراب بھی پیتا تھا لیکن اس کی بادشاہت

میں کسی نے اس کو شراب پیتے ہوئے دیکھا نہیں تھا۔(23) اس کی تصدیق کہیں اور سے بھی نہیں ہوتی۔

شرم ونگ:

افسانہ شاہان میں درج ہے کہ سلطان سکندر کو شرم ونگ کا بھی بڑا خیال تھا۔ ایک روز ایک دایہ نے میاں بھووہ سے کہا کہ بادشاہ کی بیٹیاں بڑی ہوگئیں ہیں ان کے لیے رشتہ ڈھونڈنا چاہیے۔ میاں بھووہ نے بھی حامی بھرلی۔ ایک روز بادشاہ کی لڑکیوں کو پردہ کرا کر بادشاہ کے خاص محل میں لے گیا۔ جب بادشاہ نماز پڑھ کر مسجد سے آیا تو ان کو دیکھا۔ میاں بھووہ سے پوچھا کہ یہ عورتیں نظر آتی ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ یہ بادشاہ کی بیٹیاں ہیں۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ یہ تو جوان ہیں ان کے لیے رشتہ ڈھونڈو۔ میاں بھووہ نے بادشاہ کی قوم سے ہی اچھے وقابل لڑکے دیکھے اور بادشاہ کے آگے پیش کیے۔ بادشاہ نے اسی رات ان لڑکیوں کو نکاح کر کے رخصت کر دیا۔(24)

شکار سے شغف:

سلطان کو شکار کا بہت شوق تھا۔ وہ سنبھل آگرہ اور بیانہ کے پاس اکثر شکار کھیلا تھا۔ اسکے علاوہ جب کسی مہم پر جاتا تو وہاں پر بھی شکار کا شوق پورا کرتا تھا۔(25)

تعمیرات کا شوق:

سلطان سکندر کو تعمیرات کا بھی بہت شوق تھا۔ اس کی تفصیل بھی آگے باب میں درج ہے۔

سلطان سکندر پر تعصب کا الزام اور اس کی حقیقت:

سلطان سکندر لودھی پر یہ الزام ہے کہ وہ ایک متعصب مسلمان تھا اور ھندوؤں کے خلاف

اس نے سخت اقدامات کیے تھے۔ لیکن اگر غور سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سلطان سکندر اتنا متعصب نہیں تھا جتنا کے مورخین نے مبالغہ آرائی کر کے بیان کیا ہے۔

یہ درست ہے کہ سلطان سکندر اپنے مذہب کا سختی سے پابند تھا اور اس پر سختی سے عمل کرتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ غیر مسلموں کو غلط مذہب پر قائم سمجھتا تھا اور اس کے اندر اسی وجہ سے تعصب بھی ہوگا۔ لیکن بر سر اقتدار آنے کے بعد اس کی نوعیت وہ نہ ہوگی جو بھی ایام شہزادگی میں اس کے اندر ہو۔

واقعات مشتاقی میں ہے کہ "کفار کے عبادت خانوں کو خراب کیا گیا تھا اور متھرا میں کہ جس جگہ کا فر جشن منایا کرتے تھے اس جگہ کفار کی نشانیوں میں سے کوئی بھی نشانی باقی نہ تھی۔ اسی جگہ قافلوں کے لوگوں کے ٹھہرنے کے لیے محل سرائے اور فنون حرفہ والوں کی دوکانیں بنائی گئیں تھیں۔ چنانچہ قصاب، باورچی، نان بائی اور حلوائی سب اس جگہ بٹھائے گئے تھے۔ اگر کوئی ہندو غلطی سے اس جگہ آجاتا اور وہاں غسل کرلیا تو فوراً اس کو ننگا کر کے اس کو طرح طرح کی تکالیف اور ایذاء دی جاتیں۔ اور ہندوؤں کے بال اور داڑھیاں اس جگہ تراشنے کی اجازت نہ تھی اور وہ (ہندو) کتنا ہی حجام کو بلاتے اور پیسہ دیتے مگر وہ (حجام) ہندوؤں کے قریب نہ جاتے تھے۔ (26)

جبکہ مخزن میں یوں درج ہے:

"اسلامی جذبہ اس حد تک شدید کہ اپنی سلطنت میں کفار کے سارے گرجے اور مندر گرا کو ان کا نام ونشان مٹا دیتا تھا۔ متھرا میں جو ہندوؤں کا مقدس مقام ہے اور وہاں وہ اشنان کرنے جاتے تھے، سرائے، بازار، مدرسہ اور مسجد تعمیر کی۔ سرکاری سپاہی مقرر کیے کہ کوئی ہندو متھرا میں وہاں اشنان وغیرہ نہ کرنے پائے۔ کسی حجام کو اجازت نہ تھی کہ وہ کسی ہندو کا سر اُسترے سے مونڈے۔ اس طرح کھلے بندوں

کافرانہ رسومات کا قلع قمع کردیا تھا۔" (27)

دراصل سلطان سکندر شروع سے علماء اور صوفیاء اور مشائخ کی صحبت میں رہتا تھا۔ اس وجہ سے اس کا ذہن مذہبی شدت کی جانب مائل تھا۔ ایک بار اس نے کرک شیتر میں ہندوؤں کے حوض پر ان کے غسل پر پابندی لگانے یا پھر ہندوؤں کا قتل عام کرنے کا اراد کیا۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ملک العلماء نے اسی وقت شہزادے کو اس اقدام سے باز کردیا۔ (28) جب سلطان کے دربار میں علماء موجود ہوتے تھے تو ایسے با اثر عالم بھی تھے جو سلطان کو اس طرح کے متعصبانہ اقدام سے باز رکھتے تھے۔ شہزادے نے ملک العلماء سے حجت ضرور کی لیکن آخر اسے ان کی بات ماننی پڑی۔ اور اس نے ان کو ہدایت کی کہ کبھی کبھی ہم سے ملتے رہا کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ سکندر لودھی اتنے اہم اقدامات مشورے کے بغیر نہیں اٹھاتا تھا۔ لہٰذا کرک شیتر میں ہندوؤں کا حوض بند نہ ہوا اور وہ وہاں غسل کرتے رہے۔ اس کے بعد جب واقعات مشاقی کا مصنف یہ کہتا ہے کہ یہی پابندی سلطان سکندر نے متھرا میں ہندوؤں کے غسل پر لگائی۔ (29) تو تعجب ہوتا ہے اور کوئی بھی عقل مند شخص اس بیان کو مبالغہ آرائی سے زیادہ کچھ نہ کہے گا۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس کے دور میں تمام منادر اور ہندوؤں کی عبادت گاہیں ویران کردی گئیں تھیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آج ایک بھی ہندو ہندوستان میں موجود نہ ہوتا۔ ہندوؤں کے صدیوں پرانے مندر آج بھی موجود اور آباد ہیں۔ لہٰذا یہ بیان بھی مبالغہ آرائی پر مبنی ہے۔ اسی طرح سے یہ بات بھی کہ جگہ جگہ منادر گرا کر مساجد بنائیں گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی ہندو راجہ کو شکست دے کر قلعہ پر قبضہ کیا جائے گا تو وہاں سے سابقہ باشندوں کو بے دخل کردیا جائے گا یہ سابقہ باشندے یقیناً ہندو تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں مندر ویران تو ہو سکتے ہیں۔ ان کو تباہ یا بیخ سے اکھاڑنا کہنا غلط ہے۔ رہی مساجد تعمیر کرنے کی بات تو قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آنے کے بعد مسلمانوں کے لیے مسجد کی تعمیر

کوئی غلط بات نہیں تھی۔ یہ ان کی ضرورت کے مطابق تھی۔

اس طرح کی باتیں وقت کے تقاضوں کے بھی خلاف تھیں۔ اس وقت ہندوؤں کی آبادی بہت زیادہ تھی اور وہ فوج میں بھی بھرتی ہوتے تھے۔ اگر سلطان سکندر متعصب ہوتا تو کبھی میواتیوں کو فوج میں بھرتی کرنے کی اجازت نہ دیتا۔ شاہی دارالحکومت میں سلطان کی فوج میں سینکڑوں میواتی سپاہی بھرتی تھے جو سب ہندو تھے۔ (30) ہندو فوجیوں کی موجودگی میں ہندوؤں کے مندروں کی بے حرمتی خلاف عقل بیان ہے۔

جہاں تک ہندوؤں کے ساتھ جنگ میں مصنفین کا "جہاد"، "غازی" جیسے الفاظ استعمال کرنے کا تعلق ہے تو یاد رکھیے کہ اس دور میں جب بھی کوئی بادشاہ جنگ کرتا تو اپنے مخالفین کے خلاف جنگ کو جہاد ہی کا نام دیتا تھا خواہ وہ مخالف مسلمان ہو یا ہندو ہو۔ مثلاً جب سلطان سکندر نے شہزادگی کے زمانے میں اپنے ہم قبیلہ (یوسف خیل لودھی) باغیوں تاتارخان وغیرہ سے جنگ کی تو اس وقت اس کے سرداروں اور فوجیوں نے نعرہ "دین دین محمد" لگایا تھا۔ (31) دراصل عہد وسطیٰ میں "جہاد"، "غازی"، "دین" جیسے مذہبی الفاظ کو سیاسی معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ورنہ تاتارخان کے خلاف مذہبی نعرہ استعمال نہ ہوتا۔

جہاں تک گوالیار، بھٹنہ، نرور، دھولپور وغیرہ کے ہندو راجاؤں کے خلاف جنگ کا تعلق ہے تو وہ سب سیاسی مصالح پر مبنی تھیں۔ سلطان سکندر نے جس طرح سے باربک شاہ، اعظم ہمایوں، عیسیٰ خان، سلطان حسین شرقی وغیرہ کے خلاف جنگیں کیں اور علاقے فتح کیے اسی طرح سے ان راجاؤں کے خلاف بھی کیں اور علاقے فتح کرکے سلطنت وسیع کی اور سلطنت کو استحکام دیا۔ یہ تو ملکی مصلحت کے کام ہیں۔ یہ وہ علاقے تھے جو دارالحکومت آگرہ کے قریب تھے۔ ان پر قبضہ ضروری تھا تاکہ کوئی دشمن ان پر قبضہ نہ کرے یا یہ راجے خود ہی سلطان کے خلاف نہ چل پڑیں۔

سلطان پر حد درجہ شدت پسند ہونے کا الزام اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ سلطان خود بعض

ایسی چیزوں سے دور تھا جو علماء کے نزدیک عین اسلامی تھیں۔ مثلاً سلطان سکندر کی داڑھی نہیں تھی۔(32) جب ایک عالم وصوفی نے اسے داڑھی رکھنے کی تلقین کی تو سلطان نے پہلے تو بہانہ بنایا اور بعد میں اس عالم کا مذاق بھی اڑایا۔(33) ایک بیان یہ بھی ہے کہ سلطان کبھی کبھی شراب بھی پیا کرتا تھا جو سراسر غیر اسلامی فعل ہے۔(34) ایک شدت پسند مسلمان سے اس کام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

بودھن فقیر کے حوالے سے نر ... س واقعے کی تفصیل یوں درج ہے:

"کہتے ہیں اُس کے زمانے میں بودھن نامی ایک برہمن موضع کا یتر کا باسی تھا۔ ایک دن اُس نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے اقرار کیا کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے۔ لیکن ساتھ ہی کہا میرا دین بھی ٹھیک ہے۔ اس کی یہ بات پھیلتے پھیلتے علماء دین کے کانوں تک پہنچی۔ چنانچہ لکھنؤ کے دو بڑے علماء قاضی پیادہ اور شیخ بدھ نے جن کا شمار چوٹی کے عالموں میں ہوتا تھا، ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ دیا۔ وہاں کے حاکم اعظم ہمایوں نے اُس برہمن کو قاضی اور شیخ۔ مذکور کے ہمراہ دربار شاہی میں بھیج دیا۔ سلطان اُن دنوں سنبھل میں تھا۔ چونکہ سلطان کو بھی علمی مباحثوں کا بہت شوق تھا۔ اطراف وکناف کے جید عالموں کو اپنے دربار میں طلب کرلیا۔ ان علماء میں دہلی سے میاں قادن، میاں عبداللہ اور شیخ محمد کا بیٹا، سرہند سے مولانا قطب الدین، مولانا اللہ داد اور مولانا عزیز اللہ سنبھلی جیسے علماء کی ایک جماعت، جو ہمیشہ سلطان کے ہمراہ رہتی تھی، وہ بھی اس مباحثے میں حصہ لینے کے لیے حاضر ہوگئی۔ سلطان نے ایک عالی شان جلسے کا انتظام کرکے علماء کو اکٹھا کیا جس میں یہ شرعی مسئلہ زیر بحث آیا۔ بہت سے بحث مباحثے کے بعد علماء نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا کہ اُسے قید میں ڈال کر اسلام کی دعوت دی جائے۔ اگر انکار کردے تو قتل کردیا جائے۔ سلطان نے حکم دیا کہ چند روز تک اسے قید میں رکھا

جائے۔ قید کے دوران ہر چند کوشش کی گئی کہ وہ اسلام قبول کر لے لیکن وہ برابر انکار کرتا رہا۔ آخر سلطان کے حکم سے اُسے قتل کر دیا گیا اور مذکورہ علماء کو انعام و اکرام کے ساتھ اپنے اپنے وطن رخصت کر دیا گیا۔" (35)

کتب میں واضح درج ہے کہ لکھنؤ کے قاضی پیادہ اور شیخ بدھ کے درمیان باہمی رنجش تھی جو ایک دوسرے کے خلاف فتوے دیتے تھے۔ بودھن کا قتل ان کی کی شرارت کا نتیجہ تھا۔ (36) ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب بودھن کو سنبھل لایا گیا تو علماء کے سامنے اس کا بیان کیا تھا۔ آیا مذکورہ بالا دونوں اشخاص نے اس کے خلاف کوئی بات کہی یا خود بودھن نے کوئی بات کہی۔ بودھن کے قتل کا حاکم سلطان نے اپنی ذاتی رائے پر نہیں دیا تھا بلکہ علماء کے متفقہ فیصلے پر دیا تھا۔ یوں اس قتل کی ذمہ داری سلطان پر نہیں بلکہ اس دور کے علماء پر آتی ہے۔

حواشی

(1) واقعات مشتاقی ص15

(2) طبقات اکبری ص469

(3) ایضاً

(4) مخزن (اردو) ص176

(5) ایضاً ص8-177

(6) ایضاً ص179

(7) ایضاً ص181

(8) ایضاً ص184

(9) ایضاً ص178

(10) ایضاً ص6-184

(11) واقعات مشتاقی ص31

(12) ایضاً32

(13) ایضاً34-35

(14) ایضاً ص17

(15) افسانۂ شاہان ص42

(16) واقعات مشتاقی ص66-7؛ تاریخ شاہی ص64-5

(17) ایضاً

(18) مخزن (اردو) ص183-4

(19) واقعات مشتاقی ص19

(20) مخزن (اردو) ص179

(21) واقعات مشتاقی ص61

(22) ایضاً ص64-65

(23) ایضاً ص65

(24) افسانۂ شاہان ص59

(25) مخزن (اردو) ص164,158

(26) واقعات مشتاقی ص18

(27) مخزن (اردو) ص178

(28) واقعات مشتاقی ص20

(29) ایضاً ص18

(30) ایضاً ص34-35

(31) ایضاً ص25

(32) واقعات مشتاقی ص66؛ تاریخ شاہی ص64-65

(33) ایضاً

(34) واقعات مشتاقی ص65

(35) مخزن (اردو) ص176-7

(36) ایضاً؛ طبقات جلد اول ص463-5

باب نمبر 19۔ سلطان سکندر اور سلطان ابراہیم کا نظام حکومت

مرکزی نظام حکومت

بادشاہ:

سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی کے دور میں بادشاہ ایک مطلق العنان اکائی تھا۔ سکندر کے عہد میں مطلق العنان بادشاہت کا باقاعدہ تصور پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے انتخاب کے بعد اس کے امراء اس کے ہر حکم کے پابند تھے۔ بادشاہ اپنے امراء سے رائے ضرور لیتا تھا مگر ان کی رائے کا پابند نہیں تھا۔ ہر امیر کے بھی اپنے امراء یا حواری ہوتے تھے۔ بادشاہ کو جب کسی امیر کے زور کو توڑنا یا برطرف کرنا ہوتا تو پہلے اس کے امراء اور حواریوں کو اپنے ساتھ ملاتا تھا۔(1) بادشاہ کا فرمانا بہت عزت سے دیکھا اور پڑھا جاتا تھا اور اس کو سنتے وقت امراء وعوام سب احترام سے کھڑے ہوتے تھے۔(2) بادشاہ کے حکم کو سامنے سے انکار پر سخت سزا بھی دی جا سکتی تھی۔(3)

شاہی مجلس:

یہ مجلس دراصل امراء اور درباریوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ سلطان بہلول کے اہم امراء کی تعداد تقریباً 34 تھی۔(4) یہ امراء زیادہ تر اس کے اپنے قبیلے یا پھر دیگر قریبی قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی تفصیلی وضاحت ہم نے عصبیہ کے باب میں کردی ہے۔ البتہ ان

امراء کو صرف مشورہ دینے کا اختیار تھا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ بہلول ان کی رائے لے کر قدم اٹھایا کرتا تھا۔ لیکن سلطان سکندر ان کی رائے کا پابند نہیں تھا۔ امراء کے پاس عہدے وغیرہ نہ تھے نہ ان کو شعبہ جات سپرد کیے گئے تھے۔ یوں یہ مجلس کابینہ نہیں تھی بلکہ صرف مشورہ جاتی کونسل تھی۔ سلطان بہلول کی وفات کے بعد اسی مجلس نے سلطان سکندر کو تخت نشین کیا تھا۔ یوں اسے بادشاہ کو منتخب کرنے کا اختیار تھا۔ لیکن ایک بار جب بادشاہ منتخب ہو جاتا تو اسے ہٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ (5)

وکیل یا نائب:

بادشاہ کا سب سے قابل اعتماد اور خاص شخص اس کا نائب ہوتا تھا۔ لیکن ضروری نہیں کہ وہ ولی عہد ہی ہو۔ بہلول نے سب سے پہلے 1457ء میں ملتان روانگی پر شہزادہ بایزید کو دہلی میں اپنا نائب بنایا تھا۔ (6) ایک اور موقع پر اس نے قطب خان لودھی اور خان جہان لودھی اول کو اپنا نائب مقرر کیا۔ (7) سلطان سکندر لودھی کے دور میں ابتداء میں عمر خان شروانی وکیل تھا جو سلطان بہلول کے دور سے اس عہدے پر تھا۔ (8) جبکہ فتح خان شروانی جونپور میں سلطان سکندر کا وکیل تھا۔ دہلی میں سکندر لودھی کا وکیل دریا خان تھا۔ وکیل کا کام عدالتی امور نمٹانا بھی تھا اور سلطان سکندر کے دور میں دریا خان یہ فرائض سرانجام دیتا تھا۔ (9)

بادشاہ کی عدم موجودگی میں نائب بادشاہ کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔

عہدیداران مرکزی حکومت:

اگرچہ بہلول کا طرز حکومت قبائلی تھا لیکن ہندوستان کے شہری ماحول میں غیر قبائلی شعبہ جات قائم رکھنا اس کی مجبوری تھی۔ اس کو یہ ادارے اپنے پیش روؤں سے جانشینی میں ملے تھے۔ ان اداروں اور ان کے عہدیداروں کی تفصیل یوں ہے:

(1) وزیراعظم

(2) بخشی ممالک یا عریض لشکر ممالیک۔ اس کے ذمہ فوجی معاملات تھے۔

(3) سپہ سالار افواج

(4) دبیر یا شعبہ مراسلات کا سربراہ

(5) میرعدل یا چیف جسٹس

(6) صدر یا شرعی معاملات کا سربراہ عدلیہ

(7) حاجب

(8) کوتوال یا شحنہ

(9) محتسب

(10) داروغہ ڈاک چوکی

(11) امیر کوہی یا شعبہ زراعت و آبپاشی کا سربراہ

(12) قاضی اعلیٰ (شریعت کے حوالے سے)

(13) میر شکار

(14) میر امارات (شاہی عمارات کا نگران)

(15) میر بحر (دریائی جہاز روانی کا سربراہ)

(16) خاصہ خیل (بادشاہ کے سوار دستے کا سربراہ)

(17) وکیل دار (شاہی محل کا نگران)

(18) سلح دار (مسلح دستے کا سربراہ)

(19) سر جنادئ (بادشاہ کے محافظ دستے کا سربراہ

(20) سر پردہ (حرم کا نگران)

(21) اخور بیگ یا میر اخور (شاہی Stables کا سربراہ)

(22) شحنہ فیل (ہاتھیوں کا نگران)

(23) باربک (Grand Usher)

(24) کتاب دار (لائبریرین)

(25) دوات دار (وہ شخص جو ہر وقت بادشاہ کے پاس کاغذ قلم لیے کھڑا رہتا تھا)

(26) قرآن خوان

(27) منجم (10)

وزیر اور اس کے فرائض:

سلطان کے ابتدائی دور میں اس کا وزیر کوئی نہ تھا لیکن بعد ازاں عمر خان شیروانی اس کا مختار یا وزیر تھا۔ سلاطین لودھی وزراء کے معاملے میں بہت محتاط تھے کیونکہ وہ سادات دور میں وزراء کے بادشاہوں پر غلبہ کا اندازہ کر چکے تھے اور حمید خان و حسام خان وزراء بادشاہوں پر غالب تھے۔ بہلول دور میں وزیر بادشاہ کی مجلس مشورہ کا اہم رکن ہوتا تھا اور تمام سیاسی و انتظامی امور کی نگرانی کرتا تھا۔ خصوصاً شاہی خزانوں کو چیک کرتا اور مالیہ وصولی پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ وہ شاہی فرمانوں پر مہر بھی ثبت کیا کرتا تھا۔ (11)

سکندر لودھی کا وزیر پہلے خواص خان تھا۔ وہ بہت عرصے ایمانداری سے کام کرتا رہا۔ (12) اس کے بعد اس کا بیٹا میاں بھووا خواص خان وزیر بنا۔ (13) یہ بہت ہوشیار اور ذہین شخص تھا اس کے کئی قصے کتب تواریخ میں درج ہیں۔ سلطان سکندر کے دور میں میاں بھووہ وزیر کو شعبہ عدل کا میر عدل بھی بنا دیا گیا تھا۔ اب مختلف محکمے وزیر کے مشیروں کے سپرد تھے۔ مثلاً مشیر الممالک (کاؤنٹنٹ جنرل) مستوفی الممالک (آڈیٹر جنرل) جو وزیر کے ماتحت تھے۔ (14)

صدر:

صدر کا عہدہ بھی موجود تھا جو سلطان کے مذہبی امور اور علماء و فضلاء کی مدد معاش کے

علاوہ سلطان کی جانب سے مالیہ معاف شدہ اراضی (مدد معاش) کے امور کی بھی نگرانی کرتا تھا۔اس حوالے سے لودھی حکمران بہت غنی تھے۔ دیوان کے ماتحت، جو شاہی خزانے کا سربراہ تھا، نذر اور پیش کش کے لیے الگ شعبہ قائم تھا۔(15)

عریض الممالک:

عریض الممالک اور سر لشکر دراصل ایک ہی شعبے کے دو نام ہیں اس کو عماد الملک اور دیوان العرض بھی کہتے تھے۔ بہلول کے دور میں دریا خان نوحانی عریض الممالک تھے۔ سلطان حسین شرقی کی ریاست میں یہ عہدہ نائب العرض کہلاتا تھا۔ ملک اودھو سلطان حسین شرقی کا نائب العرض تھا۔ اس کے فرائض آج کے وزیر جنگ کے برابر ہوتے تھے۔ اس کا کام سپاہی بھرتی کرنا، اسلحہ فراہم کرنا، تنخواہیں ادا کرنا، ابراہیم لودھی کے دور میں عریض الممالک کو بخشی کہنے لگے تھے۔ اغلب امکان ہے کہ سلطان سکندر کے دور میں اس کے فرائض کو "بخش گیری" کہا جاتا تھا۔ اس کا کام گھوڑوں اور سپاہیوں اور اسلحہ کی جانچ پرکھ کرنا تھا۔ بخشی کی ماتحتی میں کئی نائب بخشی کام کرتے تھے۔(16)

سپہ سالار:

یہ عہدہ عریض الممالک کے علاوہ تھا۔

سلطان بہلول کی فوج کا سپہ سالار، خان جہان لودھی تھا۔ البتہ یہ فرائض بادشاہ خود بھی سرانجام دے سکتا تھا۔(17) اس کے فرائض حالت جنگ میں فوجوں کی نقل و حرکت کو قابو کرنا تھا۔ سلطان سکندر اور ابراہیم کے دور میں میاں معروف فرملی 30 سال تک سپہ سالار رد تھا۔(18)

دبیر:

دبیر شعبہ مراسلات کا سربراہ ہوتا تھا۔ یہ سلطان کے خطوط تیار کرتا تھا جو مختلف حاکموں

یا عہدیداروں کو ارسال کیے جاتے تھے اور باہر سے آنے والے خطوط و فرامین بادشاہ کو پیش کرتا تھا۔ شاہی مہر بھی اسی کے پاس ہوتی تھی۔(19)

عدلیہ:

سب سے بڑی عدالت "عدالت عالیہ" تھی جسے دارالعدل بھی کہتے تھے۔ اس کا سربراہ میر عدل کہلاتا تھا۔ سلطان بہلول نے جس سال تخت سنبھالا۔ اسی سال اس عہدے کا آغاز ہوا۔ اس سال میر عدل، عمادالملک تھا۔ عمادالملک ہی عریض الملک کے عہدے پر بھی فائز تھا۔(20) سلطان سکندر کے دور میں فرائض بھی وزیر کو مل گئے۔ عدلیہ کا اصل سربراہ بادشاہ ہوتا تھا۔ اس کی عدالت سب سے اعلیٰ اور آخری عدالت ہوتی تھی۔ بادشاہ کی جانب سے یا پھر اس کی عدم موجودگی میں نائب یا وکیل یہ فرائض سرانجام دیتا تھا۔ بادشاہ کو درخواستیں حاجب کے ذریعے دی جاتی تھی۔ بعض اوقات بادشاہ کسی عدالتی کونسل کا انعقاد بھی کرتا تھا۔ جیسے لودھن برھمن کے مقدمے میں کیا۔(21) یا میاں ترک مبلغ کے مقدمے میں کیا۔(22) سلطان کو روزمرہ کے فیصلوں سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ سلطان سکندر کے علماء کی ایک کونسل بنائی تھی جو بادشاہ یا نائب کے کیے گئے فیصلوں کے شرعی ہونے کی توثیق کرتی تھی ورنہ ان کو رد کرتی تھی۔(23) بادشاہ کے ماتحت دارالعدل ہائیکورٹ تھی جس کا سربراہ میر عدل تھا۔ اس کے فرائض وہی تھے جو قاضی القضاۃ کے تھے۔ البتہ لودھی دور میں دارالحکومت میں ایسی کوئی عدالت نہ تھی جس کی وجہ سلطان یا نائب کی بطور سربراہ عدالیہ موجودگی تھی۔ البتہ مختلف شہروں اور سرکاروں میں یہ عدالتیں موجود تھیں۔ میاں بھووہ اور اس کا بیٹا بھی یہ فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔(24)

مختلف شہروں میں سلطان کی طرح میر عدل عدلیہ کا سربراہ ہوتا تھا اور اس کے ماتحت کئی قاضی مختلف دیوانی و فوجداری مقدمات کے فیصلے تحریر کرتے جبکہ مفتی ان کے قانون کے مطابق ہونے یا نہ ہونے کا جائزہ لیتے تھے۔(25)

نظام ڈاک:

داروغہ ڈاک چوکی اس شعبہ کا سربراہ تھا۔ وہ روزانہ ڈاک کی آمدورفت کا انتظام کرتا تھا اور ان کا ریکارڈ رکھتا تھا۔ یہ شعبہ جاسوسی کا بھی سربراہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ بادشاہ کو روزانہ زراعت کی صورت حال، کسانوں کے حالات، مقامی حکام کے کردار، سکہ جات کی صورت حال، سونے چاندی کے سکوں میں استعمال سے آگاہ کرتا تھا۔ اور ہر صوبائی داروغہ ڈاک کو ارسال کیے جانے والے خطوط کے خلاصے بھی محفوظ رکھتا تھا۔ سلطان سکندر کے گھوڑوں کے ذریعے ڈاک کے نظام کو بحال کیا تھا۔ اور اس غرض سے ہر ڈاک چوک پر گھوڑے تیار رکھے جاتے تھے۔ زیادہ ڈاک کی صورت میں پالکیاں بھی استعمال ہوتی تھیں۔ سلطان سکندر کے بعد سلطان ابراہیم نے بھی اس نظام کو قائم و برقرار رکھا۔ ابراہیم کو اسلام خان پر شاہی افواج کی فتح کی خبر ڈاک کے عملے سے ہی ملی تھی۔ (26)

حاجب:

حاجب کا کام بادشاہ سے عوام و خواص کو دور رکھنا تھا۔ یہ عہدہ سلطان سکندر نے بحال کیا تھا۔ سلطان بہلول کے دور میں نہ تھا۔ اس کی تفصیل چوتھے باب میں گزر گئی ہے۔ اس کے دیگر فرائض بادشاہ کا فرمان پڑھنا اور بادشاہ کے سامنے لوگوں کی عرض داشتیں پیش کرنا تھا۔ سلطان سکندر کے پاس 6 حاجب تھے۔ جن کے ذمہ مختلف کام تھے۔ سب سے بڑا حاجب الحجاب ہوتا تھا۔ (27)

باربک:

باربک کا کام سلطان کی آمد کا اعلان کرنا اور دیوان عام میں تحائف کو طلب کر کے بادشاہ کے آگے پیش کرنا تھا۔ (28)

جنددر:

جندر، بادشاہ کے خاص سوار دستے خاصہ خیل کا سبراہ تھا۔ اسے سرجندر بھی کہتے تھے۔ یہ بادشاہ کا حفاظتی دستہ ہوتا تھا جو دربار کے وقت یا سواری کے وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ ہر مقامی گورنر کو بھی اپنا خاصہ خیل ہوتا تھا۔ (29)

محتسب:

محتسب کا کام عوامی اخلاق اور بازاروں میں قیمتوں کا جائزہ لینا تھا۔ شریعت سے متجاوز یا اس کے خلاف امور کو روکنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔ اور ان کی چیکنگ، غیر اخلاقی حرکات کی روک تھام، کھلم کھلا شراب کی فروخت، غلاموں، کنیزوں اور جانوروں پر ظلم وتشدد کو روکنا اور عورتوں کے لیے مناسب رشتے تلاش کرنا جعلی سکوں کا جائزہ لینا بھی اس کی ذمہ داریوں میں تھا۔ لودھی دور میں یہ فرائض زیادہ تر قاضی ہی سرانجام دے دیتا تھا اور جب جرم پکڑا جاتا تو موقع پر ہی سزا یا جرمانے کا حکم دیتا تھا۔ (30)

امیر کوہی:

امیر کوہی شعبہ زراعت و بہبود رعایا کا سربراہ تھا۔ اس کا کام زراعت کی نگرانی، نہروں کی مرمت وتیاری وغیرہ تھا۔

دیگر شعبہ جات:

دیگر چھوٹے شعبوں میں ایک امیر اخور ہوتا تھا جو شاہی اصطبل کا نگران تھا۔ سلطان سکندر کے دور میں یہ عہدہ محمد جلال کے پاس تھا۔ ہاتھیوں کے شعبہ کا سربراہ شحنہ خیل تھا، بادشاہ کے سلح کا نگران سلح دار تھا۔ شاہی عمارات کی نگرانی کا سربراہ میر عمارات جبکہ بادشاہ

کے شکار کے امور کا ذمہ دار امیر شکار تھا۔ دوات دار کے پاس شاہی دوات اور مہریں ہوتی تھیں۔ کتب خانے کا نگران کتاب دار تھا۔(31)

اس دور میں میر سامان کے عہدے نہ تھے۔ منجم کے عہدے پر عموماً ہندو برہمن فائز رہتے تھے۔(32) عورتوں کے حرم کے اندر عورت داروغائیں مقرر ہوتی تھیں اور خواجہ سرا تعینات ہوتے تھے۔ جبکہ باہر کی جانب سراپردہ دار ہوتا تھا۔ باقاعدہ فوجی شاہی محل کے دروازوں سے باہر رہتے تھے۔ حرم کے اندر کے اخراجات کے لیے الگ سے ایک دفتر تھا جس کا انتظام خواتین کلرکوں کے ہاتھ میں تھا۔(33)

صوبائی نظام حکومت:

لودھیوں کے دور میں صوبہ نہ تھا بلکہ سرکار تھی جو برطانوی دور کی کمشنری کی سی تھی۔ کچھ سرکاریں ملا کر ایک ولایت کہلاتی تھیں۔ یہ ولایت صوبے کے درجے کی تھی لیکن ولایت کا تصور کمزور تھا اور کسی بھی ولایت پر کبھی کوئی حاکم مقرر نہ کیا گیا سرکار پر حاکم مقرر کیا جاتا تھا۔ ایک سرکار میں کئی پرگنے ہوتے تھے۔ ان کے حکام بھی ہوتے تھے۔

سکندر لودھی کے دور میں درج ذیل سرکاریں تھیں۔(33-A)

(1) سرہند (2) حصار فیروزہ (3) دہلی و میان دوآبہ (4) بیانہ (5) کول (6) اٹاوہ (7) ستلج سرکار (معہ لاہور، بھیرہ، سیالکوٹ، دیپالپور) (8) کالپی (9) قنوج (10) سنبھل (11) لکھنؤ و بکسر (12) بہرائچ (13) جونپور (14) کڑہ اور مانک پور (15) چندیری (16) میوات (17) سکیٹ (18) ملوٹ (19) آگرہ (20) خیرآباد (21) سرور (22) سرن (23) چمپارن (24) گھنڈالہ (25) ترہٹ

(26) تھنبور رد (27) کالنجر (28) سوئی پیر (29) نرور (30) میرٹھ

(31) مندرایل (32) کھٹیر

نائب:

سرکار کا حاکم ''نائب'' کہلاتا تھا جو دراصل نائب السلطان'' کا مخفف ہے۔ سکندر کے دور میں تقریباً تمام سرکاروں کے نائب سرکردہ افغان امرا اور سردار تھے۔ جو اپنے پاس اپنی اپنی افواج رکھتے تھے۔ ہر نائب کے ذمہ اپنی سرکار کے جملہ امور ہوتے تھے۔ اس کا اہم فرض بادشاہ کے فرامین لاگو کرنا، فوج مہیا کرنا اور سلطان کو بوقت ضرورت فوج فراہم کرنا تھا۔ اس کے علاوہ قاضیوں کے خلاف اپیل کی سماعت بھی کرتا تھا۔ مالیہ وصولی وغیرہ کا بھی جائزہ لیتا تھا۔ اسے مالیہ وصول کرنے کا حق تھا مگر اس کی مقدار میں کمی بیشی کا حق نہیں تھا۔(34)

دیوان اور خزانہ:

ہر سرکار میں ایک دیوان ہوتا تھا۔ جو براہ راست مرکز کی جانب سے مقرر ہوتا تھا او نائب کا اس پر کوئی اختیار نہ تھا۔ دیوان سرکار کے تمام اخراجات اور آمدنیوں کا حساب کتاب رکھا کرتا تھا۔ وہ براہ راست بادشاہ کا ملازم ہوتا تھا۔(35)

دیگر عہدیداران:

صوبائی نظام میں مرکزی نظام کے تقریباً تمام شعبہ جات ہوتے تھے۔ ایک سرکار میں دیگر کئی عہدیداران بھی ہوتے تھے۔ ان میں بخشی (فوج کی تنخواہ دینے والا) قاضی (فوجداری معاملات کا جج) کوتوال (شہری پولیس کا سربراہ)، محتسب (عوامی اخلاق کا جائزہ لینے والا اور قیمتوں پر نظر رکھنے والا) قابل ذکر ہیں۔(36)

پرگنہ اور اس کا نظام

شقدار:

سلطان بہلول نے پرگنے کی حکومت کا نظام شروع کیا تھا اور سکندر لودھی کے دور میں یہ مضبوط ہو گیا تھا۔ ایک پرگنے میں کئی دیہات ہوتے تھے۔ پرگنے کا حاکم شق دار کہلاتا تھا۔ وہ اس علاقے کا انتظامی سربراہ تھا۔ اور علاقائی فوج کا سربراہ بھی تھا۔ یوں اپنے محدود علاقے کا وہ گورنر ہوتا تھا۔ پرگنہ کی پولیس بھی اس کے ماتحت ہوتی تھی اور اس کا کام امن و امان قائم کرنا، زراعت کو فروغ دینا اور مالیہ وصول کرنا تھا۔ (37)

پرگنہ نظام کے دیگر عہدیدار:

ایک پرگنہ کے اندر دیگر کئی عہدیدار ہوتے تھے۔ ان میں ایک عامل کہلاتا تھا جو براہ راست مرکزی حکومت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا کام مالیہ اکٹھا کرنا ہوتا تھا۔ فوتہ دار یا خزانچی، خزانے کا سربراہ ہوتا تھا جو پرگنہ کے خزانے کی نگرانی کرتا تھا۔ ایک داروغہ ہوتا تھا۔ جو پرگنے کے خزانے کی حفاظت کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر پرگنے میں کارکن کلرک)، امین، قانون گو، منصف، تھانیدار اور پٹواری ہوتے تھے۔ ہر پرگنے میں اپنا ایک قاضی بھی ہوتا تھا۔ (38)

دیہاتی نظام:

دیہاتوں کا نظام آزاد تھا۔ بہلول نے اس کو بالکل نہیں چھیڑا۔ دیہاتوں میں پنچایتیں ہوتی تھیں۔ یہ ذات پات کے نظام کے تحت چلتی تھیں اور چھوٹے مقدمات کے فیصلے کرتی تھیں۔ دور دراز کے علاقوں میں لوگ قاضی کی عدالت میں آنے کی جگہ پنچایتوں میں ہی

اپنے فیصلے نمٹالیا کرتے تھے۔اس کے علاوہ زمینداروں کی بھی عدالتیں ہوتی تھیں جن کی حیثیت شخصی عدالت کی ہوتی تھی۔ وہ اپنے مزارعوں کے تنازعات کا فیصلہ کیا کرتا تھا۔(39)

نظام پولیس

کوتوال:

پولیس کا سربراہ کوتوال تھا۔اسے عدالتوں میں موجود ہونے کا حق تھا۔اس کا اصل کام امن وامان قائم کرنا اور جرائم کی روک تھام کرنا تھا۔قانون کا نفاذ بھی اسی کی ذمہ داری تھی۔ سیاسی اور غیر سیاسی قیدی بھی اسی کی قید میں ہوتے تھے۔کوتوال کا دفتر کوتوالی کہلاتا تھا۔(40) کوتوال کی حدود اختیارات شہر تک محدود تھے۔

تھانیدار:

چھوٹے شہروں اور قصبوں میں تھانے قائم تھے جن کا سربراہ تھانیدار کہلاتا تھا۔ ہر تھانیدار پرگنے کے شق دار کے ماتحت ہوتا تھا۔اس کے فرائض اپنی حدود میں وہی ہوتے تھے جو کوتوال کے شہر میں (41) سلطان سکندر نے اکثر جگہ تھانے قائم کیے گئے۔

خطرناک علاقہ:

جو علاقے سیاسی یا انتظامی طور پر خطرناک تھے اور ہر وقت وہاں پر بدامنی رہتی تھی، وہ علاقے پٹھان سرداروں کو دے دیے گئے تھے جو اپنی فوج کے ساتھ وہاں کی بغاوتوں کو دباتے تھے اور امن وامان قائم کرتے تھے۔یہاں وہ حاکم اور تھانیدار دونوں کے اختیارات

استعمال کر سکتے تھے۔ دوآبہ کی جاگیر شیروانی امراء کو دی گئی تھی جہاں آج تک انکی اولادیں آباد ہیں۔ (42)

فوجی نظام

سلطان بہلول کے دور میں فوج کی دو اقسام تھیں۔ اول باقاعدہ فوج دوم بے قاعدہ فوج

باقاعدہ فوج:

باقاعدہ فوج سلطان کے ماتحت تھی۔ اس کا سربراہ سپہ سالار ہوتا تھا۔ لیکن فوج کی بھرتی کا کام بخشی الممالیک کے سپرد تھا جس کی حیثیت وزیر جنگ کی تھی۔ وہ فوج کو تنخواہیں بھی دیتا تھا۔ باقاعدہ فوج میں ہاتھی، سوار، پیادے، بندوق بردار، توپچی ہوتے تھے۔ بخشی الممالیک ہی دوران جنگ سپہ سالار کے فرائض بھی سرانجام دیتا تھا۔ سلطان بہلول کا بخشی الممالیک اور سپہ سالار کان جہان لودھی تھا۔ بخشی الممالیک کو امیر الامراء بھی کہتے تھے۔ (43)

دس سپاہیوں کا سربراہ میر داہہ کہلاتا تھا۔ 100 سپاہیوں کا سربراہ صداہ اور ہزار سپاہیوں کا سربراہ ہزاری کہلاتا تھا۔ بہلول کے چچا اسلام خان کی فوج کی تعداد بارہ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ سلطان ابراہیم ایک لاکھ فوج لے کر پانی پت کے میدان میں گیا تھا۔ سلطان بہلول کے پاس سلطان محمود شرقی کے مقابلے کے لیے تقریباً 25 ہزار فوج تھی۔ (44)

بے قاعدہ فوج:

بے قاعدہ فوج وہ ہوتی تھی جو مختلف جاگیرداروں اور امراء بھرتی کیا کرتے تھے۔ یہ فوج عموماً مقامی گورنر بھرتی کرتے تھے۔ جب جنگ ہوتی تھی تو وہ اپنی فوج لے کر سلطان سے مل

جاتے تھے۔ان کی فوجوں کی تعداد مختلف ہوتی تھی۔ان فوجوں کی تنخواہ سرکار کے خزانوں سے ملتی تھی جنگ سے فوراً پہلے فوج بھرتی کی جاتی تھی۔جنگ میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس میں سے ہر سپاہی کو حصہ ملتا تھا۔جنگ کے فوراً بعد بے قاعدہ فوج ختم کردی جاتی تھی۔ کیونکہ اگر ان کو باقاعدہ افواج بھرتی کرنے کی اجازت دی جاتی تو ان کی جانب سے بغاوتوں کا خدشہ بھی ہوتا تھا۔(45)

فوج کے حصے:

فوج کے پانچ روایتی حصے تھے۔

(1) ہراول جو سب سے آگے ہوتا تھا۔

(2) میمنہ جو دائیں جانب ہوتا تھا۔

(3) قلب جو بیچ میں ہوتا تھا۔اس میں عموماً بادشاہ خود موجود ہوتا تھا۔اس کے علاوہ شاہی حرم بھی اس میں رکھی جاتی تھیں۔

(5) عقب جو پیچھے رہ کر فوج کی حفاظت کرتا تھا۔(46)

متحرک دستے:

جنگ کے دوران ہاتھی سب سے زیادہ متحرک ہوتے تھے۔اس کے بعد سواروں کی کارکردگی تھی۔توپ خانہ ان دنوں کافی کمزور تھا لیکن اس کا استعمال بھی ہوتا تھا۔تیر انداز بہت اہم حصہ ہوتے تھے جن کی مہارت قابل تعریف ہوتی تھی۔پوری فوج کی کمان سپہ سالار یا سلطان کرتا تھا جو قلب میں ہوتا تھا۔اکثر اوقات اس پر حملہ کیا جاتا تھا اور اگر وہ مارا جاتا یا گرفتار یا زخمی ہو جاتا تو پوری فوج میں بددلی پھیل جاتی اور جنگ کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔(47)

پٹھان فوجی:

فوج میں کثرت سے پٹھان تھے۔ جو مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی لودھیوں کی فوج کا اہم جز تھے۔ اس کے علاوہ بڑی تعداد میں مغل بھی سپاہیوں کے طور پر بھرتی تھے۔ اعلیٰ فوج عہدے عموماً افغانوں کو دیے جاتے تھے۔ (48)

شب خون:

جنگ عموماً دن میں ہوتی تھی اور رات کو فوجیں الگ الگ ہو جاتی تھیں۔ البتہ شب خون مارنے کا رواج تھا اور شب خون میں دشمن کو کافی نقصان پہنچایا جاتا تھا۔ (49)

قیدی:

جنگی قیدیوں کو کوتوال کے سپرد کر دیا جاتا تھا یا پھر کوئی با اثر امیر یا شخص اپنے قید خانے میں رکھتا تھا۔ وکیل یا سفیر کو قید نہیں کیا جاتا تھا۔ جب سلطان حسین شرقی نے قطب خان کو قید کرنا پایا تو اسے پکڑا نہیں کیونکہ وہ اس کے کیمپ میں بطور سفیر آیا تھا۔ بلکہ اس نے اس کے ساتھیوں کو اس سے دور کر دیا تھا۔ پہلی بار جب قطب خان جنگ میں گرفتار ہوا تو سلطان حسین شرقی کی ماں بی بی راجی نے اسے اپنی پناہ میں رکھا۔ (50)

جنگ اور عورتیں:

افغان عورتیں بھی جنگ اور حکومت میں اپنا کردار ادا کرتی تھیں۔ گو کہ مردوں کے مقابلے میں ان کا کردار تاریخ میں بہت محدود تھا۔ دہلی کے پہلے محاصرے پر اسلام خان لودھی کی بیوہ بی بی مستو نے قلعہ کا جنگی انتظام سنبھالا۔ اس نے افغان عورتوں کو مردانہ لباس پہنچا کر قلعے کے اوپر تعینات کیا تھا۔ جنگ نریلہ میں بہلول کی فتح کے بعد دہلی میں نقارہ فتح

اسی نے بجوایا تھا۔ (51) بہلول کی بیوی شمس خاتون بھی سلطان بہلول پر اثر انداز ہوتی تھی۔ ایک بار اس کے طعنے پر سلطان بہلول جونپور جنگ کے لیے لوٹ گیا تھا۔ (52) افغان عورتوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ جب سلطان حسین شرقی کی بیوی بی بی ملکہ جہاں قید ہو کر آئی تو سلطان بہلول نے فوراً پورے عزت و احترام سے اسے واپس بھیج دیا۔ (53)

نظامِ عالیہ

ذرائع آمدن:

سلطان سکندر کے دور میں ذرائع آمدنی درج ذیل تھے:

(1) خراج یعنی اراضی کا ٹیکس

(2) زکوۃ و صدقہ جو مسلمانوں سے لی جاتی تھی۔

(3) خمس، جنگی مال غنیمت میں پانچواں حصہ

(4) جزیہ جو غیر مسلموں سے ان کی حفاظت کے عوض لیا جاتا تھا۔

(5) راجوں اور رئیسوں کی جانب سے پیش کی گئی رقم۔

(6) درآمد ڈیوٹی

(7) بازاروں سے ملنے والی ڈیوٹی (54)

جاگیریں اور ان کا نظام:

جاگیروں کی تین اقسام تھیں:

(1) شاہی زمین جو ہر سرکار سے بادشاہ یا مرکزی حکومت کے لیے مخصوص تھی۔

(2) امراء کو جاگیر پر دی گئی زمین۔

(3) مدد معاش یعنی و اراضی جو بغیر لگان یا کرائے کے علماء فضلاء، مساجد مدارس یا خانقاہوں کو دے دی جاتی تھی۔ اوران پر لگان معاف تھا۔ (55)

عہد ودھی میں درجہ سوم (مدد معاش) کی اراضی بہت زیادہ تھی کیونکہ لودھی حکمران خیراتی کاموں میں بہت تیز تھے۔ جا گیردار (درجہ اول کی اراضی) ایک مقررہ لگان ادا کیا کرتے تھے۔ یہ لگان تخمیناً ہوتا تھا کیونکہ فصلوں سے آمدنی میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ جب جاگیردار زیادہ رقبہ کاشت کر کے زیادہ فصل اور آمدنی حاصل کرتے تھے۔ تب بھی سکندر لودھی لگان کی مد میں اضافہ نہ کرتا تھا۔ (56) ہر سپاہی، شعبہ مالیات کے اعلیٰ افسران، تقریباً سارے گورنر اور پرگنہ دار وغیرہ سب کے پاس چھوٹی یا بڑی جاگیریں تھیں تاکہ ان سے اپنی تنخواہیں پوری کرسکیں اور دیگر سرکاری اخراجات ادا کرسکیں۔ (57) زمین زیادہ سے زیادہ جاگیروں میں تقسیم کی جاتی تھی تاکہ اس طرح سے اپنے مزید حمایتی جاگیردار پیدا کیے جاسکیں اور کوئی بڑا جاگیردار پیدا نہ ہو۔ (58) ابراہیم لودھی نے ایسا ہی کیا تھا۔

یہ جاگیریں غیر موروثی تھی۔ جاگیردار کی وفات پر یا برطرفی جاگیر واپس سرکار کی ہوجاتی تھی۔ اب اس پر حکومت کی جانب سے نیا جاگیردار آتا تھا جو عموماً سابقہ جاگیردار سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ البتہ بعض اوقات سابقہ جاگیردار کا کوئی قابل اور اہل رشتہ دار بھی تعینات ہوسکتا تھا۔ (59) اکثر اوقات جاگیرداروں کی جاگیریں بدلتی رہتی تھیں تاکہ وہ کسی ایک علاقے میں زیادہ بااثر نہ ہوسکیں۔

لگان:

لگان کا تخمینہ کرنے اور اس کی وصولی کا طریقہ کار اکبر بادشاہ کے طریقے سے ذرا مختلف تھا۔ اکبر کے وقت تک اس میں کافی ترمیم ہوگئی تھی لیکن بہت سی باتیں ابھی بھی موجود تھیں۔ آئین اکبری میں ان کی تفصیل درج ہے۔

انتظام مالیہ کی اکائی "پرگنہ" تھی جس میں کئی دیہات تھے۔ پرگنے کے افسران مالیہ درج ذیل ہوتے تھے۔

(1) عامل یا عمل دار یا عمل گزار یعنی کلکٹر

(2) فوتہ دار تحویلدار یا خازن یا خزانچی، خزانے کا نگران۔

(3) داروغہ خزانہ یا کارکن (کلرک) یعنی چھوٹا کلرک

(4) امین یا اراضی کا سروے کرنا والا۔

(5) "قانون گو، یعنی نسل در نسل چلے آنے والا ایسا افسر جو کسی علاقے کی اراضی سے متعلق رسم و رواجات سے خوب آگاہ تھا۔

(6) تھانیدار، منصف، جریب بخش، ضابطہ، پٹواری، مقدم اور چوہدری (60)

عامل:

عامل پرگنے کا کلکٹر ہوتا تھا اور شقدار مجسٹریٹ ہوتا تھا۔ عامل، سرکار کے دیوان کے ماتحت ہوتا تھا۔ علاقے میں مالیہ اکٹھا کر کے ایک محفوظ و مضبوط کمرے میں رکھا جاتا تھا اور پھر سرکاری خزانے کے لیے دیا جاتا تھا۔ آگرہ چونکہ دارالحکومت تھا لہٰذا وہاں کے عامل کا تقرر مرکزی حکومت کی جانب سے کیا گیا جبکہ باقی تمام پرگنوں کے عاملوں کا تقرر سرکاری حکومت کی جانب سے ہوتا تھا۔ (61) عامل، کاشتکاروں کے دوست کی حیثیت بھی رکھتا تھا اور بادشاہ کے نمائندے کی بھی۔ وہ نہ صرف ٹیکس وصول کرتا تھا بلکہ ان میں کسی بدعنوانی، رجسٹروں کے اندر ہیر پھیر اور زراعت کی حوصلہ افزائی بھی اس کا کام تھا۔ قرضوں کی ادائیگی اور وصولی اور خالی اراضی پر کاشتکاری بھی اس کے فرائض میں شامل تھی۔ کارکن (کلرک) اس کی مدد کیا کرتے تھے۔ وصول شدہ رقم خزانچی کے سپرد کی جاتی تھی۔ عامل کے اختیارات میں لگان کے علاوہ زکوۃ، جزیہ وغیرہ کی وصولی بھی تھی۔ کرائے اور تمام ٹیکس وہی وصول کرتا تھا۔ قانون گو زمین خرید و فروخت، کمی بیشی ہبہ وغیرہ کی رپورٹیں پٹواری سے کیا کرتا تھا۔

پٹواری کے پاس تمام زرعی اراضی اور بنجر اراضی کا ریکارڈ تھا۔ مقدم ٹیکسوں کی مدد کا تعین کرتا تھا اور لگان کا تعین بھی کرتا تھا۔ (62)

گز سکندری:

سکندر نے اراضی کی پیمائش کا نظام شروع کیا تھا۔ اور اس کے لیے "سکندری گز" مقرر کیا تھا۔ اکبر کے دور میں "الٰہی گز" شروع کیا گیا مگر اراضی اور مالیات کے شعبوں میں "سکندری گز" ہی برقرار رکھا گیا۔ (63)

مختلف ٹیکس:

مختلف ٹیکسوں کی وصولی کا نظام بھی لگان سے ملتا جلتا تھا اور اس شعبہ کے افسران میں ضابطہ، امین، قانون گو، پٹواری، مقدم اور تھانیدار ہوتے تھے۔ ان کا تعین دو بار سال میں ہوتا تھا۔ سکندر لودھی کے دور تک بلکہ ابراہیم لودھی کے دور کی ابتداء تک نقد اور جنس دونوں صورتوں میں وصول کیا جاتا تھا۔ لیکن ابراہیم لودھی نے ایک حکم کے ذریعے جاگیروں سمیت تمام قسم کی اراضی سے نقد ادائیگی روک دی اور حکم جاری کیا کہ ٹیکس صرف فصل سے وصول کیا جائیگا نہ کہ پوری اراضی سے۔ یعنی جس اراضی پر کاشت نہ ہو یعنی وہ بنجر ہو یا مکانات وغیرہ بنے ہوئے ہوں ان پر لگان نہیں تھا۔ یوں پھل دار درخت، معدنیات، لکڑی وغیرہ ٹیکس سے مستثنیٰ ہو گئے تھے۔ (64)

سکندر لودھی نے 901ھ/1496ء میں اپنی سلطنت میں وبا پھیل جانے پر غلہ پر سے زکوٰۃ معاف کر دی تھی۔ (65)

آمدنی:

جب بابر نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو 1528ء میں اپنی سلطنت (جو سابقہ لودھی

سلطنت پر مشتمل تھی) کی آمدنی 52 کروڑ تنکہ بیان کی ہے۔ (66) اس میں سے 8 یا 9 کروڑ راجوں سے آتا تھا۔ البتہ سکندر اور ابراہیم کے دور میں آمدنی اس سے کہیں زیادہ تھی کیونکہ اس میں بعض ایسے علاقے مثلاً بہار وغیرہ بھی شامل تھے جو بابر کی سلطنت میں نہیں تھے۔

ارزانی:

اس دور میں آمدنی زیادہ اور اخراجات کم تھے۔ سکندر اور ابراہیم لودھی نے اشیاء کی قیمتوں پر سخت کنٹرول کیا ہوا تھا۔ غلہ، کپڑا اور تمام اشیاء سستی تھیں۔ ابراہیم لودھی کے دور میں اور بھی سستی ہو گئی تھیں۔ ایک بہلولی تنکے میں دس من غلہ، 5 سیر گھی اور دس گز کپڑا آ جاتا تھا۔ سلطان ابراہیم نے جب سے اراضی مالیہ کی نقد ادائیگی پر پابندی لگائی تھی تب سے تمام جاگیر دار زیادہ سے زیادہ مالیہ جنس کی شکل میں بھیجنے پر مجبور تھے جس سے بازاروں میں اشیاء کی فراوانی ہو گئی تھی۔ ایک عام گھرانے کے مہینے بھر کے اخراجات کے لیے 23 تنکے کافی تھے۔ ایک تنکہ بہلولی میں ایک آدمی سواری کر کے دہلی سے آگرہ جا سکتا تھا جس میں اس کے گھوڑے اور ملازم کے اخراجات بھی شامل تھے۔ (67)

حواشی

(1) طبقات اکبری جلد اول ص 3-472

(2) ایضاً ص 3-482

(3) ایضاً ص 6-475

(4) تاریخ فرشتہ جلد دوم ص 387

(5) اے حلیم: History of the Lodhi Sultans of Delhi and Agra،

ص215-6

(6) مخزن (اردو) ص138: طبقات جلد اول ص435

(7) مخزن (اردو) ص147

(8) تاریخ فرشتہ جلد دوم 393

(9) واقعات مشتاقی 2-61,31

(10) اے حلیم ص8-217

(11) ایضاً ص218-220

(12) واقعات مشتاقی ص77

(13) ایضاً ص79

(14) اے حلیم ص220

(15) اے حلیم ص220

(16) اے حلیم ص2-221

(17) مخزن (اردو) ص141

(18) اے حلیم 222

(19) اے حلیم ص222

(20) ایضاً ص224

(21) طبقات جلد اول 5-463

(22) واقعات مشتاقی ص32

(23) ایضاً ص61,63

(24) اے حلیم ص224

(25) ایضاً

(26) اے حلیم ص5-224

(27) طبقات جلد اول ص462: 470: اے حلیم ص226

(28) اے حلیم ص226

(29) ایضاً ص226

maablib.org

(30) ایضاً ص227

(31) ایضاً ص228

(32) ایضاً ص229

(33) ایضاً

(33-A) ایضاً ص5-234

(34) ایضاً ص3-232

(35) ایضاً

(36) ایضاً ص236

(37) ایضاً ص7-236

(38) ایضاً ص237

(39) ایضاً ص9-238

(40) ایضاً ص239

(41) ایضاً ص236

(42) ایضاً ص239

(43) ایضاً ص240

(44) مخزن (اردو) ص3-241

(45) اسے علیم ص3-241

(46) ایضاً

(47) ایضاً ص4-243

(48) مخزن (اردو) ص138؛ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص393؛ واقعات مشتاقی ص35

(49) مخزن (اردو) ص142,144

(50) افسانہ شاہان ص31-30

(51) مخزن ص4-143

(52) واقعات مشتاقی ص8-7

(53) مخزن (اردو) ص143؛ تاریخ داؤدی ص17

(54) اے علیم ص 243-4

(55) ایضاً

(56) واقعات مشتاقی ص 63-4

(57) ایضاً ص 17

(58) تاریخ شاہی ص 70

(59) طبقات جلد اول 455-6,460,461

(60) اے علیم ص 246

(61) ایضاً ص 247

(62) ایضاً ص 248-9

(63) ایضاً ص 249

(64) تاریخ داؤدی ص 105

(65) طبقات جلد اول ص 461

(66) بابر نامہ (انگریزی ترجمہ) ص 520-1

(67) تاریخ داؤدی ص 104-105

maablib.org

باب نمبر 20

سکندر لودھی کے آثار

سکندر لودھی کے سکہ جات

سکندر لودھی کے سکہ جات کو "سکندری" کہا جاتا تھا۔ اور شیر شاہ کی اصلاحات تک "سکندری سکہ" کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ ایڈورڈس تھامس نے اس پر کافی تفصیلی بحث کی ہے۔(1) اب تک اس کے جو سکہ جات برآمد ہوئے ہیں ان کا اوسط وزن 139 گرام رہا ہے۔ یہ سکہ جات 894ھ سے 920ھ تک کے ملے ہیں۔ ان سکہ جات کے سامنے یوں درج ہے:(2)

المتوکل علی الرحمٰن

سکندر شاہ

بہلول شاہ سلطان

حضرت دہلی

جبکہ عقب پر یوں درج ہے:

فی زمن

امیر المومنین

خلدت خلافتہ

906

یہ سکہ جات تانبے کے تھے۔ اس کے علاوہ تانبے کے ہی دو سکہ جات 905ھ اور 907ھ کے ملے ہیں ان پر یوں درج ہے:

سامنے: التوکل علی الرحمٰن سکندر شاہ بہلول شاہ

عقب: امیر المومنین خلدت خلافتہ

ان سکوں کا وزن 55.5 گرام ہے۔(3)

جب بابر نے دہلی فتح کیا تو اپنے بیٹے ہمایوں کو لودھیوں کے خزانے میں سے ستر لاکھ ٹنکے تحفہ میں دیئے۔(4) خوند میر نے تحریر کیا ہے کہ یہ ٹنکے "سکندری ٹنکہ" پر مشتمل تھے۔ ایڈورڈس تھامس نے البتہ اسبات کی تصحیح کی ہے کہ خوند میر نے ستر لاکھ کی جگہ سات لاکھ درج کیا ہے۔ چونکہ خوند میر ہم عصر مورخ ہے لہٰذا اس کی بات زیادہ درست ہے۔ فرشتہ نے اس رقم کو اپنے دور کے سکہ رائج الوقت میں منتقل کر کے بتایا ہے کہ یہ رقم "تین لاکھ اور پچاس ہزار روپیہ نقد" تھی۔(5)

دہلی میں سکندر لودھی کے کتبات

سکندر لودھی کی تعمیرات بہت زیادہ ہیں۔ ایڈوڈس تھامس نے خاص دہلی میں اس کے درج ذیل کتبات کی نشاندہی کی ہے:(6)

(1) درگاہ یوسف قتال پر 903ھ کا کتبہ

(2) شہاب الدین تاج خان کی (bastion) پر 906ھ کا کتبہ

(3) قطب مینار کی زیریں گزرگاہ پر 909ھ کا کتبہ

(4) دولت خان کے مزار پر 912ھ کا کتبہ جس کا متن درج ذیل ہے:

"در عہد دولت ہمایوں سلطان الاعظم المعظم التوکل علی الرحمٰن سکندر شاہ بن

بہلول شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ بنا کرد این گنبد امیدوار رحمت پروردگار

دولت خان خواجہ محمد غرہ ماہ رجب اثنی عشر و تسعمایہ۔"

(5) فیروز شاہ کے مقبرے پر 913ھ کا کتبہ۔

سکندر لودھی کا معین کردہ "گز"

ایڈورڈس تھامس اپنی تصنیف میں "گز سکندری" کی بھی پیمائش بتاتا ہے۔ وہ آئین اکبری کے حوالے سے درج کرتا ہے کہ سکندر لودھی نے ہندوستان میں نئے گز کا تعارف کرایا۔ وہ ساڑھے اکتالیس، سکندری کے برابر تھا۔ اسے 32 انگشت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ اسلام شاہ سوری کے دور تک یہی گز چلتا رہا ہے البتہ اکبر نے اس میں ترمیم کی اور گز کو 46 انگل کر دیا۔ البتہ زراعت اور عمارت کے معاملات میں اسکندری گز کو قائم رکھا۔ الٰہی گز (اکبر کا قائم کردہ) جدید پیمانے میں 33 انگریزی انچ کا ہوتا ہے۔ اس سے سکندر لودھی کے گز کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔(7)

حواشی

(1) ایڈورڈس تھامس: The Chronicles of the Pathan Kings of Delhi ص 365-71

(2) ایضاً ص 366

(3) ایضاً ص 367

(4) طبقات جلد دوم ص

(5) ایڈورڈس تھامس، مذکورہ بالا، ص 369

(6) ایضاً ص 370

(7) ایضاً ص 4-371

باب نمبر 21

سلطان ابراہیم لودھی کے سیاسی حالات

نسب نامہ:

"سلطان ابراہیم لودھی ابن سلطان سکندر ابن سلطان بہلول ابن ملک کالا ابن ملک بہرام بن ملک احمد بن ملک شاہو (بانی شاہو خیل) بن عمر بن خواجہ بن اسحاق بن ابراہیم بن پرگی بن سیانی بن لودھی[1]"

تاریخ پیدائش:-

سلطان سکندر لودھی جب 894ھ/1489ء میں تخت نشین ہوا تو اس وقت وہ چھ بیٹوں کا باپ تھا جن میں ابراہیم لودھی سب سے بڑا تھا۔ اس کے باقی 5 لڑکوں کے نام جلال خان، اسمٰعیل خان، حسین خان، محمود خان اور شیخ اعظم ہمایوں تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابراہیم خان 894ھ/1489ء سے قبل پیدا ہو چکا تھا۔ 7-ذی قعد 923ھ 21 نومبر 1517ء کو جب سلطان سکندر جب 28 سال، 5 ماہ حکومت کر کے فوت ہوا تو ابراہیم کی عمر 35 سال سے زیادہ ہونی چاہیے۔

قابل افسوس بات ہے کہ مغل بادشاہوں کے تعصب کو مد نظر رکھ کر کسی مورخ نے ابراہیم لودھی کی تاریخ پیدائش تحریر نہ کی۔ اس لئے سر سید احمد خان نے اپنی مختصر تصنیف جام جم میں حسین علی خان کی تاریخ افاغنہ (مصنفہ 1548ء) کے حوالے سے جو تاریخ پیدائش اس کی درج کی ہے اسی کو صحیح ماننا پڑتا ہے۔ سر سید احمد خان نے سلطان ابراہیم لودھی کی تاریخ پیدائش 5-ذی قعد 856ھ/17-نومبر 1452ء درج کی ہے[2]۔

اس حساب سے ابراہیم خان، سلطان بہلول کی تخت نشینی کے ایک سال کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا اور تخت نشینی کے وقت اس کی عمر 67 سال تھی۔ اس حساب سے تاریخ شاہی میں جو یہ درج ہے کہ "سلطان جب گوالیار کو فتح کر کے دہلی آیا تو غرور جوانی کے باعث بد مزاج ہو گیا"۔ یہ دراصل غلط ہے۔ طبقات اکبری اور مخزن افغانی میں درج ہے کہ شہزادہ ابراہیم 911ھ/1505ء میں سلطان سکندر کے ساتھ دھولپور میں تھا اور سلطان نے گوالیار پر حملے کے وقت حملہ کرنے سے قبل دریائے چنبل کے پاس اس کو اور جلال خان کو دیگر سرداروں کے ساتھ اپنے نمائندوں کے طور پر چھوڑا تھا۔ اس طرح سے اس وقت ابراہیم کا بالغ ہونا لازمی ہے۔ یوں اس کی تاریخ پیدائش یقینی طور پر 1489ء سے قبل چلی جاتی ہے۔ جب 1489ء میں سلطان سکندر تخت نشینی کے وقت 6 لڑکوں کا باپ ہوتا ہے (ان میں سلطان کی لڑکیوں کو شامل نہ کیا گیا ہے جس کا ذکر افسانہ شاہان میں ہے)۔ تو اس کی تاریخ پیدائش خود بخود 1479ء سے پہلے چلی جاتی ہے کیونکہ سلطان ابراہیم اس کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اردو مترجمین نے بابرنامے کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے یہ درج کیا ہے کہ بابر نے ابراہیم لودھی کو جنگ پانی پت کے وقت جوان کہا ہے مگر مسز بیورج نے اپنے انگریزی ترجمے کے حاشیے میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ بابر نے ترکی الفاظ "بی تجربہ یگیت اعدی" استعمال کیے ہیں جس کا مطلب ہے کہ بابر اسے سپاہی کے درجے کا خیال کرتا تھا اور کسی فوجی عہدے کے تجربے کا حامل نہیں گردانتا تھا یعنی ابراہیم ایک ناتجربہ کار سپاہی تھا۔ مسز بیورج کہتی ہے کہ اس سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ ابراہیم "ایک ناتجربہ کار نوجوان سپاہی" تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ بابر نے ابراہیم کو کبھی جوان خیال نہیں کیا۔ (S.A)

اس طرح سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سلطان ابراہیم 1479ء سے قبل پیدا ہوا اور سر سید احمد خان کی درج کردہ تاریخ پیدائش 17-نومبر 1452ء غالباً درست ہے۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ سلطان سکندر جمادی الاول 826ھ/اپریل، مئی 1423ء میں پیدا ہوا۔ 856ھ/1452ء میں اس کی عمر 30 سال ہوئی جو شادی کے حوالے سے مناسب عمر ہے۔ ابراہیم چونکہ اس کا سب سے بڑا لڑکا تھا لہٰذا اس کا سن پیدائش 856ھ درست معلوم ہوتا ہے۔

والدہ:

سلطان ابراہیم کی والدہ کا نام ملکۂ جہان تھا (6_A) جو ملک کالا پہاڑ فرملی کی بیٹی تھی۔ اس حوالے سے کہ اس نے بابر بادشاہ کو خزانوں کی فہرست پیش کی اور پھر 1526ء میں اسے زہر دینے کی کوشش بھی کی[7]۔ ظاہر ہے کہ اس نے کافی طویل عمر پائی تھی کیونکہ سلطان ابراہیم 75 سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اگر اس کی ماں کی عمر اس کی پیدائش کے وقت 16 سال بھی مان لی جائے تو 1526ء میں وہ 91 سال کی ہوئی۔ ابراہیم کی ماں کی عمر اتنی طویل ہونا تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ قطب خان لودھی (سلطان بہلول کا چچازاد بھائی) جو بہلول کا ہم عمر تھا اس کی بیوی نعمت خاتون 1520ء تک زندہ تھی اور 80 سال سے متجاوز تھی[8]۔ سلطان ابراہیم کی والدہ کابل میں قید کے لئے جا رہی تھی تو وہ دریائے اٹک میں کود گئی اور فوت ہوگئی۔ ملکۂ جہاں کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام بی بی فتح ملک بیگم تھا۔ مراۃ الافاغنہ سے ظاہر ہے کہ ملکۂ جہاں اور فتح ملک کے والد کا نام کالا بہادر تھا۔

بی بی فتح ملک کی بیٹی مہر سلطان تھی جس سے جلال الدین پسر شیر شاہ سوری شادی کرنا چاہتا تھا مگر بی بی فتح ملک اور شیر شاہ راضی نہ ہوئے۔ (8-a) مخزن افغانی میں درج ہے کہ ملکۂ جہاں کی بہن کا نام بی بی ملکہ فتح تھا جو سلطان بہلول کے بھانجے ملک محمد کالا پہاڑ فرملی کی بیٹیاں تھیں۔ اس بی بی ملکہ فتح سے شیر شاہ نے شادی کر لی۔ (8-B) مراۃ الافاغنہ میں ہے کہ بابر نے سلطان ابراہیم کی ماں ملکۂ جہاں کی بے عزتی بھی کی۔ مصنف مراۃ الافاغنہ تحریر کرتا ہے کہ دولت خان کے قتل کے تین روز کے بعد ملکۂ جہاں والدہ سلطان ابراہیم کو شاہی محل سے بہت ذلیل و خوار کر کے باہر لایا گیا اور گدھے پر بٹھا کر تمام شہر میں پھرایا گیا اور لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ اس نے بادشاہ (بابر) کو زہر دیا تھا۔ (8-C)

جائے پیدائش:

ابراہیم خان لودھی چونکہ 1452ء میں پیدا ہوا تھا اس لئے اس کی جائے پیدائش دہلی تھی۔ کیونکہ 1452ء میں جب سلطان محمود شرقی نے دہلی کا محاصرہ کیا تو خواجہ بایزید ابن سلطان بہلول

اور سلطان بہلول کے تمام اہل خانہ وہاں محصور ہو گئے۔ تخت نشینی کے بعد سلطان بہلول اپنے اہل خانہ بشمول نظام خان (سکندر لودھی) کے ساتھ دہلی کے قلعہ میں منتقل ہو گیا تھا۔ وہیں پر ابراہیم خان کی پیدائش ہوئی۔

بہن، بھائی:

اغلب امکان ہے کہ ابراہیم لودھی کے تمام بہن بھائی بھی دہلی میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ سلطان ابراہیم اور جلال خان دونوں ایک ماں کے پیٹ سے تھے[9]۔ اس کے علاوہ ابراہیم کے بھائیوں میں اسمٰعیل خان، حسین خان، محمود خان اور شیخ اعظم ہمایوں کے نام ملتے ہیں[10]۔ ابراہیم کی بہنوں کا ذکر صرف افسانہ شاہان میں ملتا ہے کہ جب وہ بالغ ہو گئیں تو وزیر میاں بھوہ نے ان کو ان کے والد سلطان سکندر کے سامنے پیش کیا اور سلطان سکندر نے فوراً افغان قوم کے اچھے لڑکے ڈھونڈ کر ان سب کی شادی کر دی[11]۔ اس سے زائد ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔

پرورش وتربیت وتعلیم:

ابراہیم لودھی کی تعلیم وتربیت وپرورش کے حالات آج تک معلوم نہ ہو سکے چونکہ سلطان سکندر کے دور میں علم وادب کا بہت چرچا تھا اور امراء کے لڑکوں کے علاوہ سپاہیوں کے لڑکوں کے لئے بھی تعلیم لازمی تھی لہٰذا[12] ابراہیم لودھی نے بھی عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی اور مروجہ علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض وغیرہ پڑھے۔ اس کے علاوہ علم وادب کے دیگر شعبوں میں بھی اس نے علم حاصل کیا۔ علماء، فضلاء، مشائخ اور صوفیاء کا وہ بہت قدر دان تھا۔

صحبت:

ابراہیم لودھی سلطان سکندر کے ساتھ رہتا تھا۔ گوالیار کی مہم پر جاتے ہوئے سلطان سکندر نے 1505ء میں اسے اور شہزادہ جلال خان کو دیگر افغان سرداروں کے ساتھ دریائے چنبل کے کنارے چھوڑا تھا[13]۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابراہیم لودھی کے تعلقات افغان سرداروں سے کافی عرصے سے استوار ہو رہے تھے اور وہ سلطان سکندر لودھی کی پالیسیوں سے خوب آگاہ تھا۔ شہزادہ

جلال خان اس کا برادر حقیقی تھا۔اس کے ساتھ دوستی تھی یہی وجہ ہے کہ تخت نشینی کے وقت اس نے جلال خان کو بخوشی جونپور کا حاکم بنادیا"۔

سلطان سکندر کی پالیسی اور ابراہیم لودھی:

ابراہیم لودھی کی تخت نشینی کا مطالعہ کرنے سے قبل ضروری ہے کہ سلطان سکندر کے آخری دور میں اس کی امراء کے حوالے سے پالیسی کا جائزہ لیا جائے تاکہ ابراہیم لودھی کی تخت نشینی اور اس کے سیاسی کردار کو سمجھنے میں مدد ملے۔سلطان بہلول تو قبائلی بادشاہ کی حیثیت رکھتا تھا اور امراء سے برابری کا سلوک کرتا تھا۔لیکن سلطان سکندر نے مطلق العنانیت کو اپنایا اور حقیقی بادشاہت اختیار کی۔اپنے عہد کے بڑے حصے میں اس نے امراء سے بنا کر رکھی لیکن بہت ہوشیاری اور ذہانت سے مشکوک امراء اور راجوں اور سرداروں کو منظر سے ہٹاتا رہا۔اپنے عہد کے آخری دور میں اس نے دیکھا کہ افغان سردار بہت طاقتور اور مالدار ہو گئے ہیں۔لہٰذا اس نے ان کا زور توڑنا ضروری سمجھا۔مثلاً اس کے بھائی جلال خان کے پاس بہت بڑی فوج تھی۔اس نے اس سے سب کچھ چھین کر اسے قید کرلیا۔بعدازاں نعمت خاتون کی مداخلت پر اسے چھوڑ دیا اور کالپی کا گورنر بنادیا اپنے آخری دور میں میاں سلیمان فرملی کو ایک مہم پر جانے سے انکار کرنے پر اسے معزول کردیا۔اس کا خیمہ لوٹ لیا اور چھوٹی سی جاگیر دی۔خان جہان لودھی دوم کی وفات کے بعد پہلے تو اس کے لڑکے احمد خان کی عزت افزائی کی پھر ان کو ایک پٹہ دے کر منظر سے غائب کردیا۔اکثر مقامات پر حکام کے اور گورنروں کے تبادلے کئے اور ایک حاکم کو تبدیل یا برطرف کرتا تو اس کی جگہ کسی دیگر طاقتور کو لگادیتا یا پھر سابقہ حاکم کے ہی بھائی یا رشتہ دار کو مقرر کردیتا تاکہ اس کے گروہ میں پھوٹ پڑ جائے اور بغاوت نہ ہو۔میاں حسین فرملی اس کے خوف سے بادشاہ بنگال کے پاس پناہ گزین ہوگیا۔غرض کے اس طرح سے سلطان سکندر نے تمام امراء کو قابو کر کے رکھا۔اس چیز کا مشاہدہ ابراہیم لودھی بھی غور سے کرتا رہا اور اپنے باپ سے سیکھتا رہا۔ابراہیم لودھی نے اپنے طاقتور امراء کو جس طرح سے ہٹانا شروع کیا اس کی بنیاد دراصل سلطان سکندر نے ہی رکھ دی تھی۔البتہ ابراہیم لودھی اس میں ذرا متشدد ہوگیا اور نقصان اٹھایا۔

شہزادہ ابراہیم لودھی کے اوصاف:

طبقات اکبری میں درج ہے کہ عہد شہزادگی میں ابراہیم لودھی بہت ذہین وفطین مشہور تھا۔ اس کے علاوہ اس کی بہادری اور شجاعت کی بھی دھوم تھی۔ وہ بہت اچھے اخلاق کا حامل تھا اور لوگوں سے اس کا رویہ بہت اچھا ہوتا تھا[1] البتہ امراء کے حوالے سے وہ اپنے باپ کی پالیسی کا بغور جائزہ لیتا تھا۔

لودھی امراء کی چالاکی اور سلطنت لودھی کی تقسیم:

جب سلطان سکندر فوت ہو گیا تو امرائے سلطنت نے اکٹھے ہو کر تخت نشینی پر بحث ومباحثہ کیا۔ مخزن افغانی کا مصنف کہتا ہے کہ اس موقع پر امراء نے دوغلے پن کا مظاہرہ کیا۔ ملا نظام بھی اس کا ہم خیال ہے۔ دراصل جس طرح سے سلطان سکندر امراء کی طاقت کو قابو کرتا تھا اس کا اندازہ امراء کو بخوبی تھا۔ اس کی وفات کے بعد امراء نے سوچا کہ نیا بادشاہ ہمارے قابو میں رہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ اس کے اختیارات کم کیے جائیں۔ جس کا آسان طریقہ یہ تھا کہ سلطنت کو تقسیم کر دیا جائے۔ اس طرح سے بادشاہ کے پاس علاقہ کم ہو جائے گا۔ سلطنت کی آمدنی اور فوج خود بخود کم ہو جائے گی جس کی وجہ سے بادشاہ کو سلطنت کے امراء پر انحصار کرنا پڑے گا۔ جب سلطان بہلول نے اپنی وفات کے وقت سلطنت تقسیم کر دی تھی تو سلطان سکندر نے امراء کی مدت سے ہی سلطنت کو متحد کیا تھا۔ اب امراء اس کی سلطنت کو پھر تقسیم کرنے کی فکر میں تھے۔ ملا نظام الدین اس حوالے سے یوں تحریر کرتا ہے کہ:

> "لیکن لشکر کے اکثر سردار بالخصوص منافقین جو ہمیشہ جنگ وجدل کے خواہشمند رہتے تھے، اپنی مہمات کے انتظام کی مصلحت، نوکری وہ سپاہ گری کے رونق و رواج اور فوج ولشکر کی ہنگامہ آرائی کی وجہ سے اس میں کوشاں رہتے ہیں کہ ملک میں حاکم وقت اور فرمانروا کا تسلط مکمل نہ ہونے پائے اور اس کو انتہائی غلبہ نہ حاصل ہو سکے"[2]۔

نعمت اللہ ہروی اس کی مزید وضاحت کرتا ہے کہ:۔

"لیکن رعایا میں کچھ جاہ طلب اور خود غرض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہرج مرج میں زیادہ خوش ہوتے ہیں اور فتنہ وفساد سے فائدہ اٹھا کر اپنا مطلب نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس بناء پر ایسے بدعنوان عناصر کی ہمہ تن کوشش یہ ہوتی ہے کہ حکومت کی باگ دوڑ کسی ایک شخص کے ہاتھ میں نہ رہے تاکہ جب ایک سے زیادہ اشخاص کو صاحب اختیار بنایا جائے گا تو ان کے چھوٹے موٹے اختلافات سے فائدہ اٹھانے اور لگائی بجھائی سے اپنا مطلب نکالنے میں انہیں آسانی رہے"[17] ۔ تاریخ فرشتہ سے بھی امراء کی اس بدنیتی کی تصدیق ہوتی ہے[17-A] ۔

سلطان ابراہیم کی تخت نشینی:

چنانچہ دہلی میں موجود اکثر امراء کے مشورے سے 8-ذی القعد 923ء/22 نومبر 1517ء کو ابراہیم خان کو سلطان ابراہیم کے لقب سے تخت دہلی پر تخت نشین کیا گیا جبکہ اسی روز یہ بھی اعلان کیا گیا کہ اس کا چھوٹا بھائی جو اس کی ماں کے بطن سے ہے یعنی شہزادہ جلال خان وہ جونپور کا سلطان ہوگا۔ یوں مغربی ہندوستان کے تمام تر علاقے سلطان ابراہیم کی مملکت میں آ گئے اور جبکہ مشرقی ہندوستان کے تمام علاقے سلطان جلال خان کے سپرد کر دیے گئے"[18] ۔

سلطان جلال خان کی جونپور روانگی:

اس کے بعد سلطان جلال خان بعض امراء اور اپنے علاقے کے جاگیرداروں کو لیکر جونپور کی جانب روانہ ہو گیا"[19] ۔

سلطان ابراہیم کی جشن تخت نشینی:

سلطان ابراہیم لودھی نے تخت نشینی کے بعد جشن منایا۔ بہت سا سونا اور چاندی غربا میں تقسیم کیا۔ ہر شخص اس کی بادشاہی سے خوش ہوا اور اسے بادشاہ تسلیم کر لیا گیا"[20] ۔

مراۃ الافاغنہ میں درج ہے کہ اس تخت نشینی کے موقع پر سلطان ابراہیم نے کوہ سلیمان وقندھار کے پٹھانوں کو خزانے بھی روانہ کئے اور مکہ و مدینہ میں مستحق لوگوں کو بلال خان اور دلاور خان علی زئی کے ذریعے تحائف روانہ کئے۔ (20-A)

سلطان جلال خان کا سفر جونپور:

سلطان جلال خان دہلی سے نکل کر پہلے کالپی گیا۔ وہ چند روز آرام کیا اور سیر و شکار میں مصروف رہا اور فتح خان ابن اعظم ہمایوں سروانی کو ریاست کو جونپور کا وزیر اعظم مقرر کیا اور پھر جونپور کی جانب روانہ ہوا[21]۔

سلطان ابراہیم کے امراء:

تمام مورخین نے سلطان ابراہیم کے حالات کے آغاز میں ابراہیم لودھی کی تخت نشینی کے وقت اس کے امراء کے ناموں کا ذکر نہ کیا ہے حالانکہ سلطان کے بہلول اور سکندر کے امراء کے نام تفصیل سے درج کئے ہیں۔ البتہ تاریخ شاہی (یا تاریخ سلاطین افاغنہ) مولفہ احمد یادگار کے صرف ایک نسخے میں سلطان ابراہیم کے ذکر کے آغاز پر درج ذیل امراء کے ناموں کا ذکر کیا ہے:

"سلطان ابراہیم

خان خانان، اعظم ہمایوں، ہیبت خان، دولت خان، دلاور خان، اسلام خان، داؤد خان، عالم خان، میاں ماکھن، حسین خان، معروف خان، فتح خان، کالا پہاڑ، نظام خان، فرید خان، رستم خان، حاجی خان، محمود خان، زین خان، الپ خان، تاتار خان، احمد خان، منصور خان، ملک آدم[22]۔"

خان جہان لودھی کی آمد:

خان جہان لودھی راپڑی کا جاگیردار تھا۔ چند یوم کے بعد سلطان ابراہیم کو مبارکباد دینے آیا۔ سلطان کو مبارکباد دینے کے بعد اس نے سلطان سے کہا کہ حکومت جیسے معاملات میں

شراکت مناسب نہیں ہے۔ جن امراء نے بھی یہ کام کیا ہے سراسر غلط کیا ہے۔ اس نے سرِ دربار ان تمام امراء کو برا بھلا کہا جنھوں نے یہ کام کیا تھا اور بادشاہ کو مشورہ دیا کہ ابھی جلال خان جونپور پہنچا بھی نہیں ہے لہٰذا اس کو بہانے سے بلا کر معاملے کو سلجھایا جائے۔ (طبقات میں اس کا نام خان جہاں لوحانی درج ہے۔)[۲۲]

جلال خان کی طلبی:

اس پر سلطان ابراہیم کی سمجھ میں بات آگئی۔ اس نے جلال خان کو اس متن کا خط ارسال کیا کہ "ایک خاص مصلحت کے پیش نظر ملکی امور میں چند ایک تبدیلیوں کی ضرورت محسوس ہوئی ہے اور ان تبدیلیوں کے بارے میں سوچ بچار کرنے کے لئے آپ کا موجود ہونا بہت ضروری ہے بلکہ آپ کے مشورے کے بغیر یہ تبدیلیاں نہیں کی جاسکتیں لہٰذا فرمان کے موصول ہوتے ہی بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اکیلے دربار تشریف لے آئیں۔"[۲۳]

ہیبت خان گرگ انداز کی روانگی:

سلطان ابراہیم نے اس خط یا فرمان کے ساتھ اپنے ایک امیر کو جو بہت ہوشیار اور چالاک تھا جونپور روانہ کیا۔ اس امیر کا نام ہیبت خان گرگ انداز تھا۔ جلال خان کے ہی افواہوں نے اس امر کی خبر ہیبت خان سے پہلے ہی کالپی میں جلال خان کو پہنچادی۔ جب جلال خان جونپور پہنچا تو ہیبت خان نے اسے سلطان ابراہیم کا فرمان دیا۔ جلال خان نے بڑے نرم انداز میں عذر پیش کئے اور دہلی جانے سے انکار کردیا۔ اس پر ہیبت خان واپس آیا اور سلطان ابراہیم کو حالات سے آگاہ کیا۔[۲۴]

جلال خان کی دوبارہ طلبی:

جلال خان سلطان ابراہیم کا برادر حقیقی اور بچپن کا دوست بھی تھا۔ اس نے بھائی کا لحاظ کیا اور ایک دوسری سفارت بھیجنے کا ارادہ کیا۔[۲۵]

دوسرا وفد:

اب سلطان ابراہیم نے درج ذیل امراء جونپور روانہ کئے:

(1) شیخ زادہ سلطان محمد ابن شیخ سعید فرملی۔

(2) ملک اسمٰعیل ابن ملک علاؤالدین جلوانی۔

(3) قاضی حمیدالدین حجاب۔

ان امراء نے جا کر جلال خان کو ہر چند سمجھایا اور اسے دہلی آنے کا کہا مگر جلال خان بالکل راضی نہیں ہوا۔ وہ تینوں بھی واپس آ گئے اور سلطان کو تفصیل دی[27]۔

سلطان ابراہیم اس پر بہت غضبناک ہوا۔ مگر برادر حقیقی کا خیال کیا۔ اس نے جنگ کرنے سے قبل ایک اور تدبیر کے ذریعے جلال خان کو بے بس کرنے کی کوشش کی۔

امراء اور جاگیرداروں کے نام حکم:

نئی تدبیر کے ذریعہ سلطان ابراہیم نے جلال خان کے دارالحکومت جونپور اور اس کے گرد و نواح میں سارے جاگیرداروں اور امیروں کے نام فرمان روانہ کئے۔ ان فرمانوں میں ہر جاگیردار امیر سے اس کے مرتبے اور مقام کے مطابق انعام و اکرام دینے کا وعدہ کیا اور ان سب کو تاکید کی کہ جلال خان کی اطاعت و فرمانبرداری سے مکمل اجتناب برتا جائے اور اس کی ملازمت نہ کی جائے۔ اگر جلال خان کی جانب سے کسی عہدے یا خدمت کا لالچ دیا جائے تو بھی اس کا ساتھ نہ دیا جائے[28]۔

مشرقی ممالک کے گورنروں کو انعامات:

اس کے ساتھ ہی بہار کے حاکم دریا خان نوحانی، غازی پور کے جاگیردار نصیر خان، اودھ اور لکھنؤ کے ناظم شیخ زادہ اور اکثر امراء جن کے پاس 30 یا 40 ہزار کی فوج تھی اور بہت طاقتور تھے ان سب کو ایک خاص ایلچی کے ذریعے ایک خلعت اور مرصع خنجر روانہ کیا اور اپنا اطاعت گزار بنا لیا۔ اس کے بعد سے تمام امراء نے جلال خان کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیا[29]۔

جشن تخت نشینی دوم:

تمام امراء کی جانب سے اپنی حمایت کا اعلان ہونے پر سلطان ابراہیم نے 15-ذی الحج

923ھ/1517ء بروز جمعہ تخت نشینی کی رسم دوبارہ ادا کی اور اس موقع پر نئے سرے سے جشن کا اہتمام کیا گیا۔ مخزن میں اس کی تفصیل یوں درج ہے:

"یہ خوش خبری سن کر سلطان ابراہیم نے ایک چمک دار تخت بنوایا جس پر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اسے اپنے محل میں آراستہ کیا اور چندرہ ذی الحجہ سنہ ۹۲۳ ہجری کو بروز جمعہ اسی خوش نصیب تخت پر بیٹھ کر تخت نشینی کی مبارک رسم ادا کی۔ ایک عالی شان جشن اور جلسے کا انتظام کیا جس میں اسے پورے ہندوستان کا بادشاہ تسلیم کیا گیا اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ بڑے بڑے امراء، سرکاری حکام اور دوسرے تمام سپاہیوں کو ان کی استعداد و خدمات کے مطابق انعامات تقسیم کیے گئے۔ اس کے علاوہ مرصع دستوں والے خنجر، گھوڑے، ہاتھی، عہدے، خطاب اور جاگیریں بھی عطا کیں۔ اس طرح رعایا کے سارے طبقوں کو اپنے احسانات سے مطیع و گرویدہ بنا لیا اور ہر خاص و عام بادشاہ سے راضی ہو گیا۔ فقیروں مسکینوں پر صدقات و خیرات کے دروازے کھول دیئے اور جن لوگوں کو پہلے سے مختلف نوعیت کے وظیفے یا روزینے دے رکھے تھے ان کی شرح میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔ خانقاہوں اور دینی مدارس کے، زاہدوں، عابدوں، عالموں، ذاکروں اور دیگر اہل عرفان حضرات کی خدمت میں بھی نذرانے اور تحفے تحائف بھیجے۔ بادشاہی کاموں میں ازسر نو جان آ گئی اور امور سلطنت میں استحکام پیدا ہو گیا۔"[30]

اس سے ظاہر ہے کہ سلطان ابراہیم نے مختلف امور میں اپنے باپ کی روش کو قائم رکھا۔

سلطان جلال الدین کا اعلان تخت نشینی:

اب ہم دیکھتے ہیں کہ سلطان ابراہیم نے تمام امراء کو ساتھ ملا کر جلال خان کو جونپور میں اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کا جلال خان سے جنگ کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ جب جلال خان امراء کی حمایت سے محروم ہو گیا تو اس کی طاقت ہی ختم ہو گئی۔ اب جنگ کی پہل جلال خان نے کی۔ اس کو چونکہ حکومت کی آس دلا دی گئی تھی لہٰذا اب اس کے لئے تخت کے حصول کا جدوجہد کرنا فطری تھا۔

جلال خان نے اس غرض سے جونپور سے کوچ کیا اور کالپی آ گیا۔ یہاں ایک جشن منعقد کر کے اپنی رسم تاج پوشی ادا کی۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور سکہ بھی جاری کیا۔ چند ایک امراء جو ہنوز اس کا دم بھرتے تھے وہ بھی اس سے آن ملے۔ کالپی میں اس نے اپنے حالات مضبوط کئے اور "سلطان جلال الدین" کے لقب سے بادشاہ گیا۔

سلطان جلال الدین کی جنگی تیاریاں:

فوراً ہی سلطان جلال الدین نے فوج تیار کی۔ توپیں بنائیں اور سامان جنگ مرتب کیا۔ کچھ زمینداروں کا اعتماد بھی حاصل کیا۔ خزانے میں اضافہ کیا اور پوری طرح سے تیار ہو کر اعظم ہمایوں کا رخ کیا۔

سلطان جلال الدین کی اعظم ہمایوں کو درخواست:

اعظم ہمایوں عہد سکندری سے اہم امراء میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے اس وقت قلعہ گوالیار کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اسے سلطان ابراہیم کے مزاج سے اختلاف تھا لیکن ہنوز اس اختلاف کا اظہار نہ کیا تھا۔ جب سلطان جلال الدین بھاری لشکر کے ساتھ اعظم ہمایوں کے قریب آ گیا تو اسے درج ذیل متن کی درخواست دی:

> "آپ میرے باپ اور چچا کی جگہ ہیں اور آپ کو یہ بھی علم ہے کہ حکومت وغیرہ کے اس تنازعے میں میرا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ خود سلطان ابراہیم نے عہد شکنی کر کے میرے موروثی ملک و مال کے کچھ حصے پر قبضہ جما لیا ہے۔ مروت و اخوت کو بالائے طاق رکھنے کے علاوہ قرابت داری کے رشتوں کو بد عہدی کی تلوار سے کاٹ کر صلہ رحمی کا بھی خاتمہ کر دیا ہے لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ حق کا ساتھ دے کر اپنی حق پرستی اور اسلام پسندی کا مظاہرہ کریں اور حقیقت حال سے چشم پوشی اور اعراض نہ کرتے ہوئے مظلوم کا ساتھ دیں"۔

گوالیار کے محاصرے کا خاتمہ:

اعظم ہمایوں پہلے ہی گوالیار سے حالت جنگ میں تھا اوپر سے سلطان جلال الدین چڑھ آیا۔

اس کے پاس اتنی فوج بھی نہ تھی کہ جلال الدین کا مقابلہ کرتا لہٰذا اس نے گوالیار کا محاصرہ ختم کر دیا اور سلطان جلال الدین کی حمایت کا اعلان کر دیا[۷۵]۔

جونپور اور لکھنؤ پر سلطان جلال الدین کا قبضہ:

سلطان جلال الدین اور اعظم ہمایوں ایک طے شدہ منصوبے کے تحت جونپور روانہ ہوئے۔ وہاں شہر اور اس کے نواحی علاقوں پر قبضہ کر لیا اور سلطان ابراہیم کی جانب سے مقرر کردہ حاکم سعید خان خلف مبارک خان کو لکھنؤ سے بے دخل کر دیا۔ سعید خان وہاں سے سلطان ابراہیم کے پاس آیا اور سارے حالات سے آگاہ کیا[۷۶]۔

سلطان ابراہیم کی جنگی تیاریاں:

اب بھی سلطان ابراہیم نے اپنے بھائی کا خیال کیا اور صرف اس پر شب خون مار کر اس کا زور توڑنے کا پروگرام بنایا لیکن امراء اور اعلیٰ حکام نے اسے اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ یہ جنگ ہے کوئی معمولی شب خون نہیں ہے۔ اس کے لئے باقاعدہ کوچ کرنا ہوگا اور مخالف کی جانب سے مزاحمت ہوگی۔ لہٰذا باقاعدہ جنگ کی تیاری کرنی چاہئے[۷۷]۔

سلطان ابراہیم کا بھائیوں کو قید کرنا:

ساتھ ہی امراء کے مشورے سے اس نے اپنے باقی چار بھائیوں اسمٰعیل خان، حسین خان، محمود خان اور دولت خان کو قید میں لے کر ان کو ہانسی کے قلعے میں پوری حفاظت میں رکھا۔ ان پر کڑی نگاہ رکھی گئی اور ہر طرح کی سہولیات مثلاً خوراک، لباس یا دیگر ضروریات مہیا کی گئیں۔ اس کے علاوہ ہر ایک کی خواہشات کے پیش نظر ہر شہزادے کو دو کنیزیں بھی دی گئیں اور حکم دیا کہ جو بھی یہ لوگ طلب کریں ان کو مہیا کیا جائے۔ سلطان ابراہیم کا یہ قدم حفظ ماتقدم کے طور پر تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کا دیگر کوئی بھی بھائی بغاوت کر سکتا تھا یا جنگ میں شکست کی صورت میں ان کی جانب سے بغاوت کا پورا یقین تھا۔ سلطان ابراہیم کا یہ قدم کسی بھی نکتے سے غیر پسندیدہ نہیں کہا جا سکتا جب ایک بھائی پہلے ہی باغی ہو گیا ہو تو باقی بھائیوں سے احتیاط برتنا ضروری ہو گیا تھا۔ نیز

اس نے ان کو صرف نظر بند کیا اور تمام سہولیات قید خانے میں ہی مہیا کی گئیں۔ فرشتہ نے درج کیا ہے کہ یہ شہزادے پہلے قید کر دیے گئے پھر ان کو آزاد کر دیا گیا اور دولت خان کی نگرانی میں دیا گیا۔ ان کی آزادی ان کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے تھی"۔

سلطان ابراہیم کا کوچ اور اعظم ہمایوں کا اعلان اطاعت:

اب سلطان ابراہیم نے 24 ذی الحجہ 923ھ/6 فروری 1518ء کو مشرق کی جانب فوج روانہ کی اور پہلا پڑاؤ بھون گاؤں میں ڈالا۔ اس کا ارادہ قنوج پر حملے کا تھا۔ اسی دوران اسے اطلاع ملی کہ اعظم ہمایوں اپنے بیٹے فتح خان کے ساتھ اطاعت کے لئے آ رہا ہے۔ جب اعظم ہمایوں آ گیا تو سلطان کے بڑے بڑے امراء نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ سلطان کی خدمت میں آنے پر اسے مرصع خنجر اور خصوصی انعام دیا گیا۔ یوں سلطان سکندر کو ذہنی سکون ملا"۔

کول میں امن وامان کا قیام:۔

دریں اثناء پرگنہ کول (علی گڑھ) کے نواحی گاؤں جرتولی یا جرولی (تحصیل فیروز آباد ضلع آگرہ) میں زمینداروں نے فساد شروع کر دیا۔ قتل وغارت اور ڈاکہ زنی عام ہو گیا۔ ان کی اتنی ہمت ہو گئی کہ ایک افغان سردار سکندر خان سور کے بیٹے عمر خان پر حملہ کر دیا۔ طرفین میں خوب جنگ ہوئی اور عمر خان مارا گیا۔ اس پر سنبھل کے حاکم ملک قاسم نے فوراً ان زمینداروں کے سرغنہ مان چند (یا بے چند) پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا اور یوں یہ فتنہ ختم ہو گیا"۔

ملک قاسم کی سلطان ابراہیم کے پاس حاضری:

اس کے بعد ملک قاسم قنوج کی جانب روانہ ہوا اور سلطان ابراہیم کے دربار میں حاضر ہوا"۔ طبقات اکبری میں ہے کہ ملک قاسم بادشاہ کے دربار میں حاضر نہیں ہوا"۔ البتہ فرشتہ کے بیان سے مخزن کی تائید ہوتی ہے کہ ملک قاسم بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا تھا"۔

دیگر امرائے جلالی کی سلطان ابراہیم سے وابستگی:

دریں اثناء سلطان جلال الدین کے اکثر امراء مثلاً سعید خان، شیخ زادہ فرملی بھی سلطان ابراہیم

سے آن ملے۔اس سے سلطان ابراہیم کی طاقت اور مضبوط ہوگئی"۔

فتح کالپی:

اس کے بعد سلطان ابراہیم نے اعظم ہمایوں لودی، اعظم ہمایوں سروانی، نصیر خان نوحانی اور احمد خان لودھی کو ایک بڑی فوج اور کثیر ہاتھی دے کر کالپی پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جہاں ان کے خیال میں سلطان جلال الدین چھپا ہوا تھا۔ لیکن اس سے قبل ہی سلطان جلال الدین اپنے اہل خانہ و حمایتیوں کو قلعہ بند کر کے آگرہ کو برباد کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا۔ لہٰذا قلعہ کا محاصرہ کرلیا گیا۔ قلعہ میں سلطان جلال الدین کے ساتھیوں میں قطب خان لودھی مرحوم (سلطان بہلول کا چچازاد بھائی) کے اہل خانہ، اس کی بوڑھی بیوہ نعمت اللہ، امیر عماد الملک، ملک بدرالدین جلوانی وغیرہ تھے۔ چند روز تک توپوں اور بندوقوں سے مقابلہ رہا۔ آخرکار اہل قلعہ نے امان مانگی اور قلعہ سلطان کی فوج کے سپرد کردیا۔ سلطان ابراہیم کی فوج نے قلعہ اور شہر کالپی کو جی بھر کر لوٹا اور بہت مال و دولت ان کے ہاتھ لگا"۔

محاصرہ آگرہ:

سلطان جلال الدین ابھی آگرہ پہنچا نہیں تھا کہ اسے کالپی کے برباد ہونے کی خبر ملی۔ اس کے پاس 30 ہزار تجربہ کار سوار سپاہی اور ہاتھیوں کی ایک فوج تھی"۔ اس نے کالپی کا بدلہ آگرہ سے لینے کا ارادہ کیا۔ تیزی سے آگرہ جا پہنچا اور قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اس کے آگرہ پر حملے سے قبل ہی ملک آدم خان کاکڑ وہاں پہنچ گیا۔ وہ سلطان ابراہیم کا وفادار تھا۔ اس نے کسی طرح خوشامد کر کے سلطان جلال الدین کو آگرہ پر حملے سے روکے رکھا"۔

آگرہ کو سلطانی امداد کی آمد:

اسی دوران میں ملک آدم کاکڑ کو سلطان ابراہیم کی مدد آگئی اور ملک علاؤالدین جلوانی کا بیٹا ملک اسمٰعیل جلوانی، کبیر خان لودھی، بہادر خان نوحانی اور دیگر امراء کثیر فوج لیکر آگرہ پہنچ گئے۔ ملک آدم کاکڑ کی پوزیشن مضبوط ہوگئی۔ اب اس نے سلطان جلال الدین سے مقابلے کی ٹھانی"۔

سلطان جلال الدین کا اعلان اطاعت:

ملک آدم کاکڑ نے سلطان جلال الدین کو پیغام بھجوایا کہ وہ سلطان ابراہیم سے سفارش کر کے اس کا قصور معاف کرواسکتا ہے اور اس کو کالپی کی جاگیر حسب سابق دلواسکتا ہے بشرطیکہ وہ درج ذیل شرائط مان لے:

(1) بادشاہت کے دعویٰ سے دست بردار ہو۔

(2) شاہانہ تاج، ہتھیارات، نقارے اور اپنے نام کے سکے کو ترک کر دے۔

(3) بادشاہ کے امراء کے زمرے میں آجائے۔

سلطان جلال الدین میں چونکہ بادشاہت کی صلاحیت ہی نہیں تھی لہٰذا وہ اس پر راضی ہو گیا اور تمام شرائط کو مانتے ہوئے ان پر عمل کیا اور اپنا تاج ملک آدم کاکڑ کو بھیج دیا[58]۔

سلطان ابراہیم کی آمد اور جلال الدین کا فرار:

ملک آدم کاکڑ یہ تمام چیزیں لے کر سلطان ابراہیم کے پاس آیا جو اس وقت قنوج سے اٹاوہ آگیا تھا اور اسے شرائط صلح سے آگاہ کیا۔ اب چونکہ سلطان جلال الدین کی ہمت ختم ہو گئی تھی لہٰذا سلطان ابراہیم نے اسے اس موقع پر معاف کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور صلح نامہ رد کر کے آگرہ کی جانب روانہ ہوا تاکہ اس کو خود سزا دے۔ جلال خان نے جب یہ خبر سنی تو فوراً فرار ہو گیا اور راجہ گوالیار کے ہاں پناہ لی[59]۔

آگرہ کے انتظامات:

اب سلطان ابراہیم نے آگرہ آ کر یہاں کے انتظامات درست کیے۔ تمام مخالف امراء آگرہ آ کر اس کے اطاعت گزار ہو گئے اور سلطان ابراہیم کی مخالفت ختم ہو گئی۔ اس کے بعد سلطان نے دہلی کی حفاظت پر ہیبت خان گرگ انداز، کریم داد تو غ اور دولت خان اندر کو مقرر کیا۔ شیخ زادہ منجھو کو ریاست چندیری کی حفاظت پر مقرر کیا۔ سلطان محمد بھتیجہ سلطان ناصر الدین خلجی حاکم مالوہ کے

لئے شیخ زادہ منجھو کو ہی پیشوا اور رہبر مقرر کیا۔ خود سلطان سیر و شکار میں مصروف ہو گیا اور رفاہ عامہ کے کام کئے اور امور سلطنت نبھائے[53]۔

مراۃ الافاغنہ میں ہے کہ سلطان ابراہیم نے ہیبت خان گرگ انداز کو حاکم دوآبہ (گنگا و جمنا کا درمیانی علاقہ)، کریم داد خان ابدال قندھاری کو حاکم سرہند، دولت خان لودھی کو محافظ دہلی اور شہزادی شیخ زئی کو حاکم چندیری مقرر کیا۔ اس دوران ملتان کا حاکم معرفت خان ابدال فوت ہو گیا تو ملتان کی حکومت بھی عیسیٰ خان ابدال حاکم خوشاب کو دے دی گئی۔ (51-A)

میاں بھووہ کا قید کیا جانا:

اس کے بعد سلطان ابراہیم اپنے وزیر میاں بھووہ سے ناراض ہو گیا اور اسے قید کر دیا۔ میاں بھووہ اس وقت عمر رسیدہ تھا اور سلطان سکندر کے دور سے وزیر چلا آ رہا تھا۔ مخزن میں اس کی قید اور وفات کی تفصیل یوں درج ہے:

> "عدالت اور مقدمات کی سماعت کے کام بدستور میاں بھووہ کے سپرد تھے وہ سلطان سکندر کے وقت کے قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز چلا آ رہا تھا اور اس کے بڑے بڑے امراء میں سے تھا اور فہم و فراست میں بھی اس کا کوئی ثانی نہ تھا لیکن بڑھاپا آ جانے کی وجہ سے اس کے قویٰ کم و بیش جواب دے چکے تھے اور عدالت کے کاموں کو وہ کما حقہ، انجام دینے سے بھی قاصر تھا اس لئے سلطان اس سے راضی نہ تھا اور اس کا دل بھووہ کی طرف سے بہت کھٹا بلکہ مایوس ہو چکا تھا۔ ہوتے ہوتے معاملہ یہاں تک بڑھا کہ ایک دن سلطان نے میاں بھووہ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوا کر قید میں ڈال دیا اور ملک آدم کاکڑ کو اس کی نگرانی پر مامور کیا۔ میاں بھووہ کی جاگیر اور عہدہ اس کے بیٹے کے سپرد کر کے سرفراز فرمایا اور اسے اپنے ہم پایہ درباریوں اور شاہی ملازمین پر فضیلت دی۔ کچھ عرصہ بعد میاں بھووہ نے قید ہی میں جان اپنے خالق کے سپرد کی اور اس دنیا کے قید خانے سے رہائی پائی[52]۔

طبقات میں ہے کہ "میاں بھووہ نے سابقہ خدمات کے بھروسے پر سلطان کی رضائے خاطر یہ [illegible] میزبانی شروع کردی تھی" فرشتہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے البتہ افسانہ شاہان میں اس کی تفصیل اور طریقے سے درج ہے:

افسانہ شاہان کا بیان:

افسانہ شاہان میں درج ہے کہ:

"سلطان ابراہیم نے بڑائچ سے محمد کالا پہاڑ کو طلب کیا کہ تم جلدی پہنچ جاؤ۔ محمد کالا پہاڑ بہت قدر آور اور سیاہ رنگت تھا۔ جب سلطان ابراہیم کے سامنے آیا تو سلطان نے ازراہ طنز کہا کہ وہ میرے اندر مشک کی مانند ہے۔ اسی دوران میاں بھووہ نے کہ جو سلطان سکندر کا وزیر تھا اور یوں بادشاہی کا انحصار اس پر تھا۔ اس نے کہا کہ بادشاہ! یہ محمد کالا پہاڑ وہ مشک ہے کہ اگر اس کا منہ کھل گیا تو کوئی دوسرا باقی نہ رہے گا۔ اس بات سے بادشاہ بہت دلگیر ہوا اور فرمایا کہ ہمارے درمیان بولنے والا بھووہ کون ہوتا ہے۔"

ایک اور وجہ افسانہ شاہان میں اس کی یوں درج ہے:

"کہتے ہیں کہ سلطان ابراہیم نے راجامان کے بیٹے پر بہت شفقت کی۔ ایک روز فرمایا کہ خزانے سے چند لاکھ روپے اس کو دے دو۔ اس پر میاں بھووہ اس کے سامنے آگیا اور کہا کہ بادشاہان جو خزانے اپنے رکھتے ہیں وہ مصلحت کی غرض سے رکھتے ہیں کہ جب اس کی ضرورت پڑے تو استعمال کرلیں۔ ایسا نہیں چاہئے کہ خزانہ بلا وجہ خرچ کردیں۔ مجھے حکم کیجئے کہ اس ملک سے پیدا کرکے دے دوں۔ پس یہ بات سن کر (بادشاہ) نے غصہ میں آکر فرمایا کہ اس کو قید کرلیں۔ قید کرنے کے بعد اس پر نگرانی رکھی اور چند روز کے بعد اس کو قتل کردیا اور میاں محمد کالا پہاڑ سے فرمایا کہ تو اپنی جاگیر پر جا۔ جب میں تجھے طلب کروں تو آجانا۔"

دلاور خان پسر میاں بھودہ کی تقرری:۔

سلطان ابراہیم نے میاں بھودہ کی جگہ اس کے بیٹے دلاور خان کو مقرر کیا۔ اسے ا‌‌"۔ عطا کیا اور اس پر نوازش کی اور مرتبہ وزارت اس کے سپرد کیا۔ کتب تواریخ میں اس موقع پر اس کے بیٹے کا نام درج نہ ہے مگر تاریخ داؤدی اور واقعات مشتاقی میں اس کے ایک لڑکے دلاور خان کا ذکر آیا ہے جو امراء میں شامل تھا۔ لہٰذا اغلب امکان ہے کہ یہی وزیر بنا تھا[37]۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان ابراہیم کو میاں بھودہ سے کوئی ذاتی عناد نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے بیٹے کو بھی وزیر نہیں مقرر کرتا۔ ایسا سیاسی مصلحت کی وجہ سے ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں دلاور خان کا بھی ہاتھ ہو کیونکہ تاریخ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بیٹا ہی باپ کے خلاف سازش کر کے بادشاہ سے مل جاتا ہے جس طرح سے دولت خان لودھی کا ایک بیٹا اپنے باپ کے خلاف بادشاہ بابر سے مل گیا تھا[38] یا اکثر مغل شہزادوں نے اپنے باپ کے خلاف بغاوتیں کیں۔

مراۃ الافاغنہ میں ہے کہ میاں بھودہ کے بیٹے دلاور خان کو سات ہزاری منصب اور کشمیر کی صوبہ داری دی گئی۔ (مراۃ:140)

گوالیار پر حملے کا ارادہ اور اسکے اسباب:۔

سلطان ابراہیم نے اب گوالیار کا رخ کیا۔ مخزن میں اس کی وجوہات یوں درج ہیں کہ:

"انہی ایام میں سلطان ابراہیم کے دل میں یہ بات سما گئی کہ چونکہ سلطان بہلول اور سلطان سکندر اپنی ساری زندگی میں گوالیار کا قلعہ اور اس علاقے کے دوسرے قلعوں کو فتح کرنے کی کوشش میں لگے رہے ہیں لیکن ان میں سے کسی کی آرزو پوری نہ ہو سکی لہٰذا اگر بخت ہماری یاوری کرے اور نصیبہ مددگار ہو تو گوالیار اور اس کے آس پاس کے دوسرے قلعے فتح ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے بزرگوں کی روح میرے اس کارنامے سے خوش ہو جائے اور اس فتح کا سہرا ہمارے سر بندھ جائے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی سے یہ بات کوئی بعید بھی نہیں ہے[39]"۔

لیکن اگر غور سے جائزہ لیا جائے تو اس کے کچھ اور بھی اسباب تھے۔ گوالیار پر حملہ محض کسی خوش فہمی کی وجہ سے نہ تھا۔ جب سلطان ابراہیم تخت نشین ہوا تب بھی اعظم ہمایوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور جلال خان کی آمد پر محاصرہ اٹھا لیا تھا[10]۔ یہ محاصرہ سلطان سکندر کے آخری ایام سے تھا۔ قبل ازیں بھی سلطان سکندر اور بہلول اس پر حملہ کر چکے تھے۔ گوالیار پر حملہ دراصل سلطان سکندر کی پالیسی کا ہی تسلسل تھا۔ اس کی اہم وجوہات درج ذیل تھیں۔

(1) جلال خان جو سلطان ابراہیم کا مخالف تھا وہ گوالیار میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔

(2) راجہ گوالیار قبل ازیں بھی لودھیوں کے کئی مخالفوں کو پناہ دے چکے تھے۔ مثلاً سلطان بہلول کے دور میں سلطان حسین شرقی کو راجہ گوالیار نے نہ صرف پناہ دی بلکہ امداد بھی دی[11] جب سلطان سکندر کے خلاف اس کے بائیس امراء نے سازش کی تھی تب بھی وہ پہلے راجہ گوالیار کے پناہ گزین ہوئے تھے[12] نیز راجہ دھولپور بھی گوالیار میں پناہ لے چکا تھا جو سلطان سکندر کا مخالف تھا[13] یوں گوالیار کا مضبوط قلعہ سلاطین دہلی کے مخالفین کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ سلطنت دہلی کی بہتری کے لئے اس مضبوط قلعے پر سلاطین دہلی کا قبضہ لازمی ہو گیا تھا۔

(3) جلال خان کی آمد کی وجہ سے اعظم ہمایوں نے گوالیار کا محاصرہ ختم کر دیا تھا اور سلطان دہلی کے لئے یہ ندامت کی بات تھی۔ اب وہ اس کام کو نئے سرے سے کرنا چاہتا تھا۔

(4) سلطان سکندر کی پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے سلطان ابراہیم کے لئے گوالیار کے قلعے کو فتح کرنا ضروری تھا۔

گوالیار کے راجہ کے مختصر حالات اور تبصرہ:

گوالیار کا راجہ مان سنگھ تھا۔ وہ بہت بہادر، ہوشیار اور شجاع تھا۔ سلطان بہلول کا اطاعت گزار تھا اور اسے خراج دیتا تھا۔ سلطان سکندر نے دو بار اس پر حملہ کیا تھا مگر سخت جنگ کے باوجود اس کو زیر کرنے میں ناکام رہا تھا۔ سلطان سکندر کے آخری دور میں گوالیار کا پھر سے محاصرہ کیا گیا تھا۔ مگر اس کی وفات ہو گئی اور یہ محاصرہ اعظم ہمایوں سپہ سالار نے جلال خان کی آمد پر اٹھا لیا تھا۔ اسی

دوران میں راجہ مان سنگھ فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا رائے بکرماجیت تخت نشین ہوا اور قلعہ کے دفاع کا کام شروع کر دیا۔

راجہ مان سنگھ کے بارے میں مخزن افغانی میں درج ہے کہ:

"کہتے ہیں کہ یہ راجہ مان اگرچہ عوام میں اپنے آپ کو ہندو ظاہر کرتا تھا لیکن دراصل وہ اندر ہی اندر اسلام کے نور سے منور و مشرف ہو چکا تھا۔ اس کی نیک نیتی کی بدولت کوئی بادشاہ اس پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتا تھا اور وہ تمام راجاؤں کے ساتھ برابری کا دم بھرتا تھا۔ اس کے عہد سلطنت میں ہندوستان کے بادشاہوں میں سے کسی نے بھی گوالیار کو فتح کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔"[43]

لیکن یہ بیان مبالغہ آرائی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف سلاطین دہلی کی مذہبی برتری کو ثابت کرنا ہے کہ جس طرح سے وہ مسلمان تھے اسی طرح سے راجہ مان سنگھ بھی مسلمان تھا۔ اگر وہ ہندو ہوتا تو وہ زیر ہو جاتا۔ یہ بات سراسر غلط ہے۔ تزک بابری میں ہے کہ گوالیار کے قلعہ میں بت خانہ، مدرسے کی طرز کا بنا ہوا ہے[44] مگر اس سے بھی یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ راجہ مان سنگھ مسلمان ہو گیا تھا۔ اسے ہم راجپوت طرز عمارت پر اسلام کے اثرات سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

اعظم ہمایوں کا گوالیار کا محاصرہ:

جب سلطان نے گوالیار پر حملے کا پکا ارادہ کر لیا تو اعظم ہمایوں کی سرکردگی میں تیس ہزار جنگجو سواران اور 350 بڑے ہاتھی اس مہم پر روانہ کئے۔ اعظم ہمایوں نے جا کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ جلال خان جو اس وقت وہاں پناہ گزین تھا وہ وہاں سے نکل کر مالوہ چلا گیا۔ اس کے بعد سلطان ابراہیم نے بھیکن خان لودھی، ولد عالم خان لودھی، جلال خان لودھی، سلیمان فرملی، بہادر خان نوحانی، اسمٰعیل خان پسر ملک فیروز اعوان، بہادر خان سروانی، خضر خان لودھی برادر مسکین خان لودھی، خضر خان نوحانی اور خان جہان لودھی کو مزید لشکر دے کر اعظم ہمایوں کی مدد پر روانہ کیا۔ ان حضرات نے قلعہ کا محاصرہ اور تنگ کر دیا۔[45]

شہزادہ جلال الدین خان عرف سلطان جلال الدین کا قتل:

شہزادہ جلال خان گوالیار میں پناہ گزین تھا وہ اعظم ہمایوں کے لشکر کی آمد سے قبل ہی وہاں سے نکل کر مالوہ کے حاکم سلطان محمود خلجی کے پاس چلا گیا۔ سلطان محمود نے اس کی کوئی خاص آؤ بھگت نہیں کی لہٰذا وہاں سے وہ ریاست کٹرکٹنگہ کی جانب روانہ ہوا۔ یہ علاقہ آج گنڈ والا کہلاتا ہے اور کڑہ اس کا ایک بڑا قصبہ ہے جو جبل پور سے چار سو میل مغرب میں ہے۔ جبکہ کٹنگہ اس سے تیس میل دور ایک دوسرا قصبہ ہے۔ ابھی جلال خان راستے میں ہی تھی کہ بھیل قوم کے لوگوں نے اسے گرفتار کرلیا اور سلطان ابراہیم کے دربار میں پیش کردیا۔ سلطان ابراہیم نے اسے قید کرلیا اور حکم دیا کہ اسے ہانسی میں دیگر بھائیوں کے ہمراہ قید کردیا جائے۔ البتہ بعض امراء کے مشورے سے اسے ہانسی پہنچنے سے قبل ہی راستے میں قتل کروادیا [؎]۔ فرشتہ کہتا ہے کہ اسے سلطان ابراہیم نے قتل نہیں کروایا بلکہ جو لوگ اسے ہانسی لے کر جارہے تھے انہوں نے ہی اسے قتل کردیا۔ طبقات میں بھی سلطان ابراہیم کی ایماء کا ذکر نہ ہے [؎]۔

تبصرہ:۔

جلال خان اپنی نادانیوں سے خود برباد ہوا۔ جہاں تک اس کے قتل کا تعلق ہے تو وہ ایک افسوس ناک واقعہ ہے۔ جب جلال خان بے ضرر ہوگیا تھا تو اس کے قتل کا کوئی جواب باقی نہ رہا تھا۔ اسے اسی طرح سے قید میں رکھنا چاہئے تھا جس طرح سے سلطان سکندر نے باربک شاہ کو قید میں رکھا تھا۔ یہ بات متنازعہ ہے کہ جلال خان کا قتل سلطان ابراہیم کے حکم پر ہوا یا وہ ایک حادثہ تھا یا کسی اور کی سازش تھی۔

جنگ گوالیار اور فتح بادل گرد:

اعظم ہمایوں نے گوالیار کے قلعے پر جنگ چھیڑدی اور زبردست مقابلہ کیا ہر مورچے پر بہادر فوجی مقرر کیے۔ منجنیقوں اور جنگی رتھوں کا استعمال کیا۔ فوج بارود سے بھرے ڈبوں کو آگ لگا کر قلعہ کے اندر پھینکتی جبکہ راجپوت فوج روئی کے تیل سے تر بتر گولوں کو آگ لگا کر افغانوں پر

پہنچی۔اس طرح سے دونوں جانب لوگ مارے جا رہے تھے[۲۶]۔گوالیار کے راجہ مان نے ایک بہت مضبوط عمارت اس قلعے کے گرد تعمیر کر دی تھی جس سے قلعے کی فتح اور بھی مشکل ہو گئی تھی۔اس عمارت کا نام "بادل گرد" یا "بادل گڑھ" تھا۔سلطان کے لشکر نے غار کھود کر اس میں بارود بھر دیا اور آگ لگا دی جس سے اس عمارت کی دیوار گر گئی اور شاہی لشکر اس عمارت کے اندر داخل ہو گیا اور قلعہ گوالیار کے مرکزی دروازے تک آ گیا۔وہاں دروازے پر کانسی کی ایک گائے تھی جس کی ہندو پرستش کرتے تھے۔سلطان کو یہ گائے دہلی بھیج دی گئی جو وہاں بغداد دروازے پر نصب کر دی گئی۔اکبر بادشاہ کے عہد تک وہ گائے وہیں نصب رہی[۲۷]۔پھر 999ء میں اس کی توپیں تیار کر لی گئیں[۲۸]۔اعظم ہمایوں نے اس حملے میں قلعہ کے نیچے اونچے ساباط پر توپ خانہ لگایا اور وہاں سے گولہ باری کی اور اہل قلعہ کا اپنے گھروں کے صحنوں میں بھی چلنا پھرنا مشکل ہو گیا[۲۹]۔

راجہ گوالیار کی سیاسی چال:

بادل گڑھ کی فتح سے راجہ گوالیار کو احساس ہوا کہ اب قلعے پر بھی قبضہ ہو سکتا ہے۔اس نے ایک پیغام سلطان کو روانہ کیا کہ 7 من سونا، شام سندر ہاتھی اور اپنی بیٹی بھی سلطان کو دے دیگا۔یہ اس کی سیاسی چال تھی جس کے ذریعے وہ جنگ ختم کرنا چاہتا تھا[۳۰]۔

اعظم ہمایوں سروانی کی طلبی:

اس پیغام کے ملتے ہی سلطان نے اعظم ہمایوں کو حکم دیا کہ وہ محاصرہ چھوڑ کر دربار میں حاضر ہو یہ خط ملتے ہیں اعظم ہمایوں نے محاصرہ اٹھا لیا اور کوچ کی تیاری کرنے لگا۔راجہ گوالیار کو ستانے اور اپنی پوزیشن مضبوط بنانے کا موقع مل گیا اور سلطان ابراہیم سے سیاسی غلطی سرزد ہو گئی۔جو قلعہ عنقریب فتح ہونے والا تھا وہ اب محفوظ ہو گیا[۳۱]۔ادھر احمد خان کو گوالیار کے علاقوں کا ناظم مقرر کیا گیا۔

اعظم ہمایوں کی قید وقتل:۔

اس کے بعد اعظم ہمایوں اپنے بیٹے فتح خان کے ساتھ سلطان سے ملاقات کی غرض سے روانہ

ہوا[23] وہاں اس سے بدسلوکی ہوئی اور قید کر کے مار ڈالا گیا۔ کئی کتب میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اس کو ہم تاریخ شاہی سے درج کرتے ہیں:

ناگاہ فرمان پہنچا کہ اعظم ہمایوں اس متن سے آگاہ ہوتے ہی دربار کا رخ کرے۔ جب اس نے فرمان پڑھا تو قلعہ سے ہاتھ اٹھا کر کوچ کی تیاریاں کرنے لگا۔ مگر اس کے بیٹوں اور عزیزوں نے کہا: "ہم خوب جانتے ہیں کہ سلطان تمہاری جان لینا چاہتا ہے۔ وہ دوسرے امراء کی طرح تمہیں بھی ہلاک کر دے گا۔" بعض امراء نے جو اس کے ماتحت تھے کہا: "تیرا دربار میں حاضر ہونا خلاف مصلحت ہے۔" اعظم ہمایوں نے کہا: "چالیس سال سے اس خاندان کا نمک کھا رہا ہوں۔ میرا شمار اس کے خیر خواہوں میں ہوتا تھا۔ اب اس سے منہ پھیر لوں اور نمک حراموں کے زمرے میں داخل ہو جاؤں؟" محمد خان لودھی اور داؤد خان سروانی نے بھی جو کہ امرائے کبار میں سے تھے، کہا: "ہمارے سلطان کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور وہ نمک حلالی اور نمک حرامی میں فرق نہیں کرتا۔ اس وقت تیرے پاس تیس ہزار سوار ہیں۔ اس سے روگردانی کر اور اپنی جان کی حفاظت کر۔ ہمیں یقین ہو چکا ہے کہ وہ اس وقت تمہیں بلا کر وہی کچھ کرے گا جو (میاں) بھوہ اور حاجی خان سے کیا ہے۔" اعظم ہمایوں نے کہا: "مجھ سے ایسا نہیں ہو سکتا کہ اپنی سفید داڑھی کو سیاہ کر ڈالوں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" اس مشورے کے بعد دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ آدھا راستہ طے کیا تھا کہ خبر ملی سلطان نے محمود سرنی اور حسام خان شاہو خیل کو، جو امرائے کبار میں سے تھے، مار ڈالا ہے۔ محمد خان اور الہ داد خان نے پھر کہا: "ابھی کچھ نہیں گیا ہے، یہیں سے پلٹ کو جون پور میں اپنے بیٹے کے پاس چلے جاؤ۔" اعظم ہمایوں نے کہا: "تم ٹھیک کہتے ہو۔ سلطان کے افعال کچھ ایسے ہی ہیں لیکن مجھ سے یہ نہیں ہو گا۔" چونکہ اعظم ہمایوں کی اجل آ پہنچی تھی، ان مخلص اور خیر اندیشوں کی باتوں پر کان

نہیں دھرا۔ کوچ در کوچ دہلی روانہ ہو گیا۔ جب قریب پہنچا تو سلطان کا حکم ملا کہ پہلے اپنے ہاتھی اور گھوڑے درگاہ سلطانی میں بھیج دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس پر ساری فوج اس سے الگ ہو کر اس کے بیٹے سے جا ملی۔ جب شہر سے دو کوس کے فاصلہ پر بھاپور کے گاؤں کے پاس پہنچا تو قتلص شرابدار نے آ کر کہا: ''حکم یہ ہے کہ تمام لشکر، خزانہ اور جو کچھ اس کے پاس ہے، اس سے لے لو، اسے گھٹیا قسم کے گھوڑے پر سوار کر کے لاؤ اور حوالہ زنداں کر دو۔'' جب اس خلوص کیش انسان کو زنداں میں ڈالا گیا تو اس نے سلطان سے عرض کیا: ''جو کچھ آپ کے دل میں ہو گا آپ وہی کریں گے۔ البتہ دو ضروری باتیں کہنے کی ہیں، عرض کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ میرا بیٹا فتنہ انگیز ہے، اس کا تدارک کرنا بہت ضروری ہے۔ دوسری یہ کہ (میرے لئے) وضو کے پانی اور استنجے کے ڈھیلوں کی ممانعت نہ کی جائے۔'' اس کے بعد کسی قسم کی کوئی اور بات نہیں کہی۔ آخر کار سلطان نے ایسے پاک اعتقاد شخص کو قید خانے میں مار ڈالا اور اپنی سلطنت کی جڑ اپنے ہی ہاتھ سے اکھاڑ لی[29]۔''

افسانہ شاہان کا بیان:۔

افسانہ شاہان میں درج ہے کہ ''میاں آزہمایوں کو کڑہ سے طلب کیا اور بادشاہ (ان دنوں) اکثر بیانہ میں ہوتے تھے اور کبھی کبھی رحمعبور بھی جاتے تھے۔ میاں آزہمایوں کو بخار کی وجہ سے شدید مجبوری تھی کہ سلطان ابراہیم کی جانب سے طلبی کا فرمان پہنچ گیا۔ آزہمایوں کا بیٹا سلیم خان کھوڑہ میں مہم پر گیا ہوا تھا۔ لہٰذا آزہمایوں نے بادشاہ کو درخواست لکھ کر روانہ کی کہ یہ بندہ ابھی معذور ہے۔ جیسے ہی فرصت ملے گی تو پایۂ تخت دیکھنے پہنچ جاؤں گا۔ جب یہ درخواست بادشاہ کے پاس پہنچی تو غصے میں آ گیا کہ یہ افغان لوگ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔ میں طلب کرتا ہوں اور وہ بہانے بھیج رہا ہے۔ اس کے بعد زنجیر روانہ کی۔ جب زنجیر پہنچ گئی تو میاں آزہمایوں نے زنجیر پہن کر اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو بلا کر بٹھایا اور پوچھا کہ میں کس طرح سے کام کروں کہ

اپنے چہرے پر سیاہی مل دو یا یوں کروں کہ سلطان ابراہیم کے چہرے پر قیامت تک کے لئے سیاہی مل دوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اس طرح کرو کہ سلطان ابراہیم کے چہرے پر سیاہی مل جائے۔ پس زنجیر دکھا کر اور اپنے پیر پر باندھ کر ابراہیم کے پاس چلا گیا۔ جب اس کے حضور گیا تو ابراہیم نے کہا کہ اس کو قید کردیں اور پاپوش عصا سے ماریں۔ وہ چند روز برف خانے میں بند رہا۔"

تبصرہ:

دراصل اعظم ہمایوں کو سلطان سے پہلے سے عداوت تھی۔ وہ شہزادہ جلال الدین کا ساتھی بھی دے چکا تھا۔ لہٰذا وہ سلطان کیلئے قابل اعتماد نہیں تھا۔ ایسے کسی بھی ناقابل اعتماد آدمی کو سلطان سکندر بھی کسی اہم عہدے پر برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ سلطان ابراہیم نے بھی اپنے باپ کی پیروی کی اور اعظم ہمایوں کو معزول کر کے قید کر دیا۔ اس کے ساتھ اس کے بیٹے فتح خان کو بھی قید کر دیا۔ وہ بھی جلال الدین کا ساتھی رہا تھا۔ البتہ اعظم ہمایوں کو قتل کرنا زیادتی تھی کیونکہ اعظم ہمایوں بے چون و چرا خود آ چکا تھا۔ البتہ اسے قید کرنا ضروری تھا کیونکہ ایک بہت بڑا لشکر اس کے بیٹے اسلام خان اور اس کے ساتھیوں کے پاس موجود تھا جن کو بغاوت کے بعد اعظم ہمایوں کی شکل میں ایک بادشاہ مل سکتا تھا۔

محمود خان سرینی اور حسام خان شاہو خیل کا قتل:

جب اعظم ہمایوں راہ میں تھا تو آگرہ میں سلطان کے حکم سے محمود خان سرینی اور حسام خان شاہو خیل کو قتل کر دیا گیا۔ ان امراء کے قتل کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ تاریخ شاہی میں ان کے صرف قتل کئے جانے کا ذکر آیا ہے۔

اسلام خان سروانی کا اعلان بغاوت:

جب اعظم ہمایوں کے بیٹے اسلام خان کو خبر ملی کہ اس کا باپ اور بھائی قید ہو گئے ہیں تو وہ بغاوت پر اتر آیا۔ اس نے بغاوت کا اعلان کڑا مانک پورہ سے کیا اور اعظم ہمایوں یعنی اپنے باپ کی کل جاگیر پر قبضہ کر لیا یہاں اس کے پاس مال و دولت بھی تھا اور افرادی قوت بھی تھی۔ فوراً اس

نے فوج اکٹھی کی اور احمد خان کو جسے گوالیار کا ناظم مقرر کیا گیا تھا وہاں سے بے دخل کر دیا۔ احمد خان نے مزاحمت کی مگر شکست کھائی اور سلطان کو جا کر صورت حال سے آگاہ کیا۔ سلطان ابراہیم نے اس کے خلاف ایک فوجی دستہ روانہ کیا۔

اعظم ہمایوں لودھی اور سعید خان لودھی کی بغاوت:

ابھی اس فوجی دستے کی روانگی عمل میں بھی نہ آئی تھی کہ آگرہ دربار کے دیگر دو امراء اعظم ہمایوں لودھی اور سعید خان لودھی بھی آگرہ سے فرار ہو کر لکھنؤ چلے گئے۔ ان کو بھی سلطان کی جانب سے قتل کیے جانے کا شبہ تھا۔ غالباً یہ لوگ بھی کسی سازش میں شریک تھے جو انہوں نے آگرہ سے فرار ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔

باغیوں کی مشاورت:

لکھنؤ آ کر اعظم ہمایوں لودھی اور سعید خان لودھی نے اسلام خان سے خط و کتابت کر کے اتحاد کر لیا اور مزید رابطے شروع کئے۔

باغیوں کے خلاف امراء کی روانگی:۔

سلطان نے اس بغاوت کو دبانے کی غرض سے احمد خان لودھی (برادر اعظم ہمایوں لودھی)، مجلس عالی (وزیر اعلیٰ) شیخ زادہ محمود خان فرملی پسر حسین فرملی، علی خان، خانِ خان فرملی، مسند عالی (نائب السلطنت) بھکاری خان فرملی، دلاور خان سارنگ خانی پسر احمد خان لودھی، قطب خان خلف غازی خان بلوچ، بھیکن خان لوحانی، سکندر خان کاکڑ ولد آدم خان کو ایک لشکر جرار کے ساتھ اسلام خان کے خلاف روانہ کیا۔

جنگ بانگر مئو:

ان سرداروں کی سرکردگی میں جب یہ لشکر قنوج کے پاس "بانگر مئو" کے پاس آئے تو اعظم ہمایوں لودھی کے ایک فوجی سردار اقبال خان نے پانچ ہزار سواروں اور چند ہاتھیوں کے ساتھ

گھات لگا کر ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس حملے میں شاہی فوج کے کئی سپاہی قتل ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے البتہ اقبال خان صاف بچ کر نکل گیا[52]۔

مزید کمک کی روانگی:

سلطان ابراہیم کو جب اس شکست کی اطلاع ملی تو بہت غصہ ہوا۔ اس کا غصہ جائز بھی تھا کہ اتنے تجربہ کار سردار نہ صرف ایک دستے سے شکست کھا گئے بلکہ لشکر بھی منتشر ہو گیا۔ اس نے پیغام بھیجا کہ اگر باغیوں کو شکست نہ دی تو یہ سارے امراء اور سردار دربار میں ذلیل ہوں گے۔ نیز اس نے امراء کی ایک اور جماعت کو مزید فوج دے کر ان کی مدد پر روانہ کیا۔ دوسری جانب اسلام خان و اعظم ہمایوں لودھی کی مشترکہ فوج کی تعداد بھی چالیس ہزار سواروں اور 500 ہاتھیوں تک جا پہنچی[53]۔

شیخ راجو بخاری کا مصالحت کرانا:

جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مدمقابل صف آراء ہوئیں تو شیخ راجو بخاری نے درمیان میں آ کر جنگ روک دی۔ یہ اس دور کے بہت با اثر بزرگ تھے اور افغانوں میں بزرگان و اولیاء کا ہمیشہ سے احترام ہوتا تھا۔ لہٰذا ان کی نصیحتوں نے باغی فوج کو نرم کر دیا اور اس نے کہا کہ اگر سلطان اعظم ہمایوں سروانی کو رہا کر دے تو ہم بغاوت کا راستہ ترک کر دیں گے اور کسی دوسری سلطنت میں جا کر جلاوطنی کی زندگی گزاریں گے۔ اس پر دونوں افواج دور ہو گئیں اور اپنے خیموں میں چلی گئیں[54]۔

گورنر بہار کو حملے کا حکم:

جب سلطان کو اس امر کی اطلاع دی گئی تو اسے یہ صلح پسند نہ آئی۔ سلطان سکندر کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے نزدیک ان سے جنگ ضروری تھی۔ اس نے بہار کے حاکم دریا خان نوحانی اور دیگر امراء مثلاً نصیر خان نوحانی اور شیخ زادہ محمد فرملی کو حکم دیا کہ وہ اپنا لشکر لیکر ان باغیوں کا قلع قمع کر دیں[55]۔

جنگ:

جب دریا خان نوحانی کا لشکر بھی وہاں پہنچا تو باغیوں نے پھر سے جنگ کی ٹھان لی۔ فریقین میں خونریز جنگ ہوئی اور زبردست قتل عام ہوا۔ اسلام خان پسر اعظم ہمایوں سروانی لڑتے ہوئے مارا گیا جبکہ سعید خان لودھی کو دریا خان نوحانی کے ملازموں نے گرفتار کر لیا۔ بہت سا مال غنیمت بھی ملا"۔

جشن فتح:

سلطان ابراہیم کو اس فتح کی خبر ڈاک لانے والے ہرکاروں کے ذریعے ملی۔ جس سے وہ بہت خوش ہوا۔ بہت سارا سونا چاندی فقراء، درویشوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا"۔

بابر کا ہندوستان پر پہلا حملہ:۔

925ھ بمطابق 1519ء میں بابر بادشاہ نے جو کابل پر حکمران تھا۔ ہندوستان پر حملہ کیا اور بھیر کو فتح کیا۔ اس نے سلطان ابراہیم کو پیغام بھیجا کہ یہ علاقہ امیر تیمور اور اس کی اولاد کے قبضے میں تھا لہٰذا اس کا قبضہ مستقلاً بابر کو دے دیا جائے"۔ اس پیغام کا ابراہیم نے کیا جواب دیا اس کا علم نہیں ہو سکا ہے۔ فرشتہ مزید درج کرتا ہے کہ بابر نے اس دوران اپنے نومولود بیٹے کا نام ہندوستان کی نسبت سے ہندال رکھا۔ اپنے مفتوحہ علاقوں پر حسین بیگ اتکہ کو ناظم مقرر کیا اور پرہالہ کے مقام پر گکھڑوں کے سردار ہاتی گکھڑ سے جنگ کر کے اسے شکست دی اور بہت بڑا خزانہ اس کے قلعے سے قبضے میں لیا۔ پھر بابر نے دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر اپنے مفتوحہ علاقوں پر محمد علی جنگ جنگ کو مقرر کر دیا"۔ اور خود واپس چلا گیا۔ دولت خان لودھی نے اس حملے کا کوئی جواب نہ دیا۔

بابر کا ہندوستان پر دوسرا حملہ:

925ھ/1519ء میں ہی بابر نے ہندوستان پر دوبارہ حملہ کیا۔ اس بار اس کا ارادہ تھا کہ

لاہور فتح کرے مگر پہلے اسے یوسف زئی افغانوں سے جنگ کرنی پڑی اور ان کو برباد کیا۔ اسی دوران اسے پتہ چلا کہ کاشغر کا سلطان سعید بدخشان فتح کرنے آرہا ہے تو بابر نے لاہور کی جانب بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور خضر خیل افغانوں کی سرکوبی کر کے واپس چلا گیا"[17]۔ دولت خان نے اس حملے کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔

بابر کا تیسرا حملہ:

926ھ/1520ء میں بابر نے پھر سے ہندوستان پر حملہ کیا اور افغان قبیلوں کو تباہ کیا۔ وہ پیش قدمی کرتا ہوا سیالکوٹ جا پہنچا۔ سیالکوٹ کے لوگوں نے اس کی اطاعت کر کے اپنی جان بچائی"[18]۔

جنگ سید پور:

اس کے بعد بابر نے سید پور پر حملہ کیا۔ سید پور کا حاکم ایک غیر مسلم چودھری تھا جو ابراہیم لودھی کا وفادار تھا۔ اس نے اور سید پور کے باشندوں نے جم کر بابر کا مقابلہ کیا۔ خونریز جنگ کے بعد شکست کھائی۔ چودھری مارا گیا۔ بہت مال غنیمت ہاتھ آیا اور 30 ہزار مرد و عورتیں غلام بنا لئے گئے۔ اس کے بعد بابر واپس کابل آ گیا"[19]۔

تبصرہ:

ابراہیم لودھی نے بابر کے ان حملوں پر شروع میں کوئی توجہ نہ دی بعد ازاں اس دولت خان لودھی کو طلب کیا تو دولت خان لودھی جو سرحد پر بیٹھا تھا اس سے بھی اس کی بگڑ گئی۔ اس سے بابر، مغلوں اور ابراہیم کے مخالف افغانوں کا حوصلہ بڑھ گیا اور اس کا نتیجہ اس کی سلطنت کے خاتمے کی شکل میں نکلا۔

خواجہ اسمٰعیل جلوانی سے سلطان ابراہیم کی گفتگو:

افسانہ شاہان میں درج ہے کہ:

"کہتے ہیں کہ خواجہ اسمٰعیل جلوانی پر ماندلی میں رانا کے مقابلے پر تھے اور وہاں کا

سارا ملک اور اجمیر ان کی جاگیر میں تھا۔ سلطان ابراہیم نے ان کو چند بار بلایا تھا مگر جان کے خوف سے ہچکچا رہے تھے کیونکہ ابراہیم کی بدسلوکی اور بداعتمادی بہت زیادہ دیکھی تھی۔ لہٰذا وہ بھی باغی ہو گئے اور کثیر فوج جمع کر لی۔ آخر اپنی فوج کے ساتھ ابراہیم پر کوچ کیا۔ سلطان ابراہیم نے خبر سنی کہ خواجہ اسمٰعیل مقابلے پر آ رہے ہیں۔ پس ابراہیم نے بھی اسی طرح سے ان پر کوچ کر کے روانہ ہو کر مقابلہ کیا۔ اسی دوران خبر ملی کہ خواجہ اسمٰعیل ہم پر شب خون ماریں گے۔ اس بناء پر بادشاہ اپنی تمام فوج کے ساتھ ڈیروں کو چھوڑ کر علیحدہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ آخر خواجہ اسمٰعیل آئے تو بادشاہ نے اسے ڈیرے میں ہی قید کر دیا۔ جب صبح ہو گئی تو بادشاہ نقارہ بجا کر ان کے مقابلے پر آیا اور تھوڑی سی جنگ ہوئی کہ خواجہ اسمٰعیل شکست کھا کر واپس پر ماغڑل چلے گئے سلطان ابراہیم کو فتح ہو گئی۔ لہٰذا وہ فتح کے بعد بیانہ واپس آ گیا اور سلطان ابراہیم نے اپنے وکیلوں کو میاں خواجہ اسمٰعیل کے پاس روانہ کیا اور بہت دلاسے دیئے اور قرآن کو درمیان میں لا کر کہا کہ آپ کو ہم سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے البتہ ہمارے پاس آیئے۔ پس جب وکیل گئے اور یہ باتیں جو بادشاہ نے میاں خواجہ میاں اسمٰعیل کو کہلوائی تھیں انہوں نے بیان کیں اور میاں خواجہ اسمٰعیل بھی بادشاہ کے پاس آ گئے۔ تو ایک روز خواجہ اسمٰعیل بادشاہ کے پاس بیٹھے تھے کہ بادشاہ نے پوچھا کہ اے آنے والے میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں تم سچ جواب دینا۔ خواجہ اسمٰعیل نے کہا کہ بادشاہ کے سامنے سچ کیوں نہ بولوں گا۔ لہٰذا پوچھا کہ افغانوں کی بنیاد کس طرح سے ختم ہو سکتی ہے۔ پس خواجہ اسمٰعیل نے کہا کہ میں چونکہ درست بات کروں گا لہٰذا بادشاہ کو تکلیف ہو گی۔ بادشاہ نے قسم کھائی کہ مجھے ہرگز تکلیف نہ ہو گی تم بتاؤ۔ خواجہ اسمٰعیل نے کہا کہ بادشاہ! افغانوں کی بنیاد آپ ہیں۔ جب آپ کی بنیاد ختم ہو جائے گی تو اسی وقت افغانوں کی بنیاد بھی ختم ہو جائے گی۔ آخر جب خواجہ اسمٰعیل نے سلطان ابراہیم کی بے اعتمادی کو دن بدن زیادہ ہوتے دیکھا تو پھر سے باغی ہو کر باغھو کی جانب

جا کر بیٹھ گئے"۔

رانا سانگا اور میاں حسین خان فرلی کے معاملات:

اگرچہ سلطان کے حکم سے اعظم ہمایوں نے گوالیار پر حملہ ختم کردیا تھا مگر سلطان نے فوراً ہی ایک دوسرا لشکر میاں ماکھن یا مکھن کی قیادت میں رانا سانگا راجہ گوالیار کے خلاف روانہ کیا۔ واقعات مشتاقی میں اس کی کافی دلچسپ تفصیل ہے لہٰذا اسے ہم وہاں سے نقل کرتے ہیں:

"دوسرا یہ کہ میاں حسین فرلی کو جب رانا سانگا کے خلاف بھیجا تو میاں مکھن کے ماتحت کردیا جسے بہت سے امراء اور چالیس ہزار سواروں کے ساتھ نامزد کیا۔ آخر کار میاں مکھن کی جانب فرمان بھیجا کہ کسی طرح سے میاں حسین فرلی اور میاں معروف کو پکڑلو۔ میاں حسین کو یہ اطلاع مل گئی تھی۔

اسی دوران میں میاں مکھن میاں معروف کی طرف گیا۔ میاں معروف کا ایک بیٹا ولایت مندو میں مرگیا تھا اور کافی عرصہ گزر گیا تھا۔ اس نے تعزیت کا بہانہ بنایا اور میاں معروف کے خیمے میں گیا۔ میاں حسین کو میاں ماکھن کے آنے کی خبر ہوگئی تو وہ سوار ہو کر میاں معروف کے خیمے میں آگیا۔ جب مجلس گرم ہوگئی تو میاں مکھن کی جانب منہ کر کے کہا کہ "یہ مشکل خیال اپنے دل سے نکال دو کہ میاں معروف کو اور مجھ کو گرفتار کر کے بیڑیاں ڈالو گے اور سلطان کے دربار میں بھیج دو گے۔ ہم عہدیدار نہیں ہیں کہ اپنے اوپر ذلت مسلط ہونے دیں گے۔ تو عہدیدار ہے تو ایسا کرسکتا ہے یہ بات طے ہے کہ شیر اور چیتا زندہ گرفتار ہوتے۔ جب تک حیات کی ایک رمق بھی باقی ہے تب تک نہ تو قید ہوں گے نہ ہی ہاتھ میں آئیں گے۔ اٹھ جا اور سلامتی سے چلا جا کیونکہ ہمارے سلطان کے دماغ میں تو خرابی آگئی ہے۔ تجھے کیا ہوگیا ہے؟ کہ خلاف عقل کام کررہا ہے۔" میاں مکھن اٹھ گیا اور اپنے خیمے میں آکر یہ تمام واقعہ سلطان ابراہیم کو لکھ بھیجا۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد دوسرا فرمان بھیجا کہ "پہلے میاں حسین کو پکڑو اور تو کسی دوسرے کے خیمے میں کیوں گیا؟ بادشاہی سراپردہ نصب کر جو تیرے ساتھ ہے اور تمام امراء کو اس کی اطاعت اور تعظیم کے لئے وہاں پر بھی فرمان پڑھنے کے دوران میاں معروف و میاں حسین اور بعض دیگر امراء کو جن کے نام اس فرمان میں تحریر ہیں پکڑ لے اور زنجیریں پہنا کر میرے دربار میں بھیج دے۔"

میاں مکھن نے ایسا ہی کیا اور تمام امراء کو بلاتے ہوئے ان کو بھی بلایا۔ میاں سلیمان فرملی اپنی پانچ ہزار سواروں کی تمام فوج کے ساتھ آ گیا اور اپنے لوگوں سے کہا کہ شاہی سراپردہ کی کیلوں کو نکال دو یہاں تک کہ سراپردہ زمین پر گر پڑا اور خود میاں مکھن کے گرد اپنی فوج کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ میاں حسین نے کہا کہ میاں مکھن فرمان کیوں نہیں پڑھتا؟ کیا اس طرح سے پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ پھر میاں حسین نے کہا کہ "تیرے دل میں جو خیال ہے وہ بہت مشکل ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس لشکر کی آمد محض ہمارے لئے ہے۔ ہم سپاہی لوگ ہیں۔ بادشاہ کے کام کے لئے جان داؤ پر لگاتے ہیں۔ اس رزالت کے لئے جان نہیں دیتے۔ رانا کا فر ہمارے لئے آیا ہے۔ تمہیں جو بادشاہ نے کہا ہے وہ کرو۔ ہم رانا کی جانب جاتے ہیں۔ جو ہونا ہے ہو جائے۔ اس جگہ سے میاں حسین کوچ کر کے روانہ ہو گیا اور موضع تودہ کی جاب چلا گیا۔ اس جگہ سے رانا بہت قریب تھا۔ اس نے دوستی کی باتیں کیں اور رانا کے ساتھ مل گیا۔ اس جانب سے بھی بعض امراء میاں حسین کے ساتھ ہو گئے۔ مثلاً میاں اسمٰعیل جلوانی، میاں لودھا کاکڑ، خضر خان لودھی، میاں معروف اور میاں طٰہٰ فرملی (یہ دونوں اس کے بھائی تھے)۔

(میاں حسین)، اس لشکر کا سربراہ بن کر رانا کے پاس آ گیا۔ اس جانب سے میاں اسمٰعیل جلوانی سفیر بن کر آیا اور حد مقرر کر دی۔ جب میاں اسمٰعیل واپس چلا گیا۔ تو بادشاہی لشکر کوچ کر کے روانہ ہوا۔ (اس جانب سے) جب میاں حسین اور رانا سوار ہو کر آئے تو (بادشاہی لشکر)

کی ترتیب ٹوٹ گئی۔(سپاہیوں) میں جنگ کی طاقت نہ تھی۔قصبہ بولی کے نزدیک جنگ ہوئی۔(شاہی) لشکر بھاگ نکلا، میاں حسین اس طرح سے آگے بڑھا کہ آہستہ آہستہ چلا اور گھوڑا تیز نہ کیا۔میاں طہٰ نے تاکید ونصیحت کی کہ جلدی جلدی چلیں، اس نے کہا" آہستہ چلنے میں مصلحت ہے۔"میاں طہٰ نے کہا کہ:" اگر اس (مصلحت) کا اظہار کریں تو ہمیں بھی اس کا علم ہو جائے گا۔ اس پر آپ کے ساتھ ہو گئے۔"میاں حسین نے کہا کہ:" اس لشکر میں دو بہادر ہیں۔میں ڈرتا ہوں کہ وہ مارے نہ جائیں۔اس تاخیر کی وجہ یہی ہے کہ وہ سلامت واپس چلے جائیں۔"

اچانک دونوں لشکر آپس میں مل گئے اور عظیم جنگ شروع ہوگئی۔آخرکار بادشاہی لشکر کو شکست ہوگئی۔اسی دوران میں خبر ملی کہ ابراہیم خان سروانی میدان میں بہت سے زخم کھا کر پڑا ہوا ہے اور واقعہ یوں ہوا کہ وہ رانا کے سامنے تھا اور رانا کا نایب سنگھ لشکر کے مقدمہ (کا سربراہ) تھا۔ابراہیم خان اس کی جانب دوڑا اور اس کے گروہ کو خراب کر دیا۔لیکن یہ (تعداد میں) کم تھے اور کافر پورے لشکر اور ہاتھیوں کے ساتھ اس کے مقابلے پر تھے۔یہاں تک کہ ہاتھ لگ گیا اور خالی نہ گیا۔آخر زخمی ہو گیا اور بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔شیخ فرید سور جو ابراہیم خان سروانی کا نوکر تھا وہ بھی گھوڑے سے اتر آیا اور دونوں ہاتھوں میں تلوار لے کر ابراہیم خان کے سر پر کھڑا ہو گیا۔

(رانا کے) نایب سنگھ نے حکم دیا کہ پاگل ہاتھی اس کے سر پر لے جاؤ اور اسے چور چور کر دو۔جتنے بھی ہاتھی آگے آتے شیخ فرید نیزہ پکڑ کر ہاتھی کی جانب دوڑتا اور اپنے مالک کو ہاتھی سے کچلنے سے بچا دیتا اور پھر اپنے مالک کے سر پر آ جاتا جب چند ہاتھیوں کو دلیری اور جسارت دکھائی تو سنگھ نے اس کی مردانگی کا مشاہدہ کیا۔اپنے آدمیوں سے کہا کہ" یہ آدمی بڑا زبردست سپاہی ہے۔اس کو محفوظ رکھو اور اس کو کہو کہ اپنے ہاتھ سے اسلحہ پھینک دو ہم اسے قتل کرنا نہیں چاہتے۔"جب شیخ فرید سے یہ بات کہی تو اس نے جواب دیا کہ" مجھے دراصل قتل ہونے کا ڈر نہیں ہے لیکن یہ جو میدان

میں پڑا ہے میرا مالک ہے۔ میں اس کا سپاہی ہوں۔ اگر اس کی حفاظت کریں تو میں آپ کے کہنے پر عمل کروں گا۔" ان لوگوں نے کہا کہ "تیرے مالک کا نام کیا ہے؟" اس نے کہا کہ "ابراہیم خان سروانی گکھو رہے۔" سنگھ تو صرف ابراہیم خان سن کر ہی گھوڑے سے اتر آیا اور ابراہیم خان کو اٹھالیا اور ہاتھی کی عماری پر رکھ دیا اور میاں حسین کو اطلاع کر دی۔ میاں مشار الیہ (یعنی میاں حسین) نے پوچھا کہ "زندہ ہے یا مر گیا؟" لوگوں نے کہا کہ "اس کے سر و چہرے اور تمام جسم پر بہت زخم ہیں البتہ سانس چل رہی ہے۔" میاں حسین نے میاں طٰہٰ سے کہا کہ "میرا آہستہ چلنا اسی وجہ سے تھا۔ میں نے ابراہیم خان کو پھر سے زندہ پالیا ہے۔ لیکن دریا خان پسر معروف نوحانی کے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔ مشکل ہے کہ وہ زندہ ملے گا۔"

جب مقتولوں کی تلاش میں نکلے تو دریا خان کو میدان میں پایا جو شہید ہو گیا تھا۔ جب میاں حسین نے یہ حالت دیکھی تو خود گھوڑے سے اتر گیا اور اسے گھوڑے پر ڈال دیا۔

سلطان علاء الدین و ہیبت خان دونوں بھائی اور ان کے کم عمر بیٹے جن کی عمریں 12 سال اور 15 سال تھیں، وہ سب شہید ہو گئے ہیں۔ اس کے بھائیوں، بھتیجوں اور بیٹوں میں سے 18 افراد تھے کہ ایک یا دو شخص زخمی تھے اور زندہ بچے تھے اور بعض خاص خیل سے تھے اور سپاہی تمام شہید ہو گئے تھے۔ اور واقعہ یوں تھا کہ اس وقت کہ جب دشمن کے لشکر کے آنے کی آواز آئی تو اس لشکر کی صفیں بھی ٹھیک نہ ہوئی تھیں۔ دریا خان نے اپنے بھائی سلطان علاؤ الدین سے کہا کہ "اس لشکر کی صفیں اس طرح سے ہیں۔ مناسب اور بہتر یہ ہے کہ اس لشکر سے ہم خود کو الگ کر لیں۔" سلطان علاء الدین نے کہا "تم سوچتے نہیں کہ کیا کہہ رہے ہو؟" دریا خان نے کہا: "چلے جانے کا موقع نہیں ہے۔ جب مخالف کے لشکر پر نگاہ پڑے گی تو ہم نہیں نکل سکیں گے۔" پھر وہ لگام پکڑ کر باہر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ دشمن کا لشکر نظر آیا۔ سلطان علاء الدین نے کہا:

"پہلے میرا خیال تھا کہ یہ جھوٹی آواز ہے۔ اب پتہ چلا کہ دشمن آ گیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہمارے اور ان کے درمیان میں صلح اور دوستی ہوگئی ہے۔ اگر ان کی آمد نہ ہوتی اور ہم چلے جاتے تو بہت شرمندگی ہوتی۔" دریا خان نے جواب دیا کہ "ہمارے فرار کا وقت بہت مناسب تھا کہ جب مخالف فوج نظر نہ آئی تھی۔ اب ہم کہاں جائیں گے کہ مجھے دریا کہتے ہیں۔ دریا اپنی جگہ سے ہرگز نہیں ہلتا اور مجھے اپنے نام سے شرم آ رہی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

نگویم زجنگ بد اندیش ترس

کہ درحالت صلح زو پیش ترس

(میں یہ نہیں کہتا کہ جنگ سے بداندیش ڈرتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ حالت صلح میں ڈرنے سے قبل ہی چلے جاؤ)۔

پھر میاں حسین فرملی اور رانا آگے آ گئے۔ سلطان ابراہیم (نے یہ خبر سن کر) آگرہ سے لشکر روانہ کیا۔ رانا کا لشکر دریائے گھمبیر کے کنارے تک آ گیا تھا اور ان عمارتوں کو جو سلطان سکندر مرحوم کی منزل گاہیں تھے وہ اس گھمبیر کے اوپر تھے ان کو جلا ڈالا۔ سلطان بہلول کی اولاد میں سے ایک شخص جس کا نام "غیاث الدین" تھا اس کو سلطان بنا دیا۔ وہ (غیاث الدین) ان گھروں (عمارات) میں رہتا تھا۔ میاں حسین اپنے خیمے میں تھا اور سارے ہندو سواریوں سے اتر کر اس کے گرد آ رہے تھے۔ مشورہ کی غرض سے تمام ہندو اور مسلمان سردار سلطان غیاث الدین کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اچانک ہندوؤں کے خیمے سے نعرہ "رام رام" بلند ہوا۔ جو ہندو اس جماعت (مجلس) میں موجود تھے انہوں نے بھی نعرہ لگایا۔ میاں حسین نے سر ہلایا اور انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں۔ اسی لیے تمام لوگ مجلس مشورہ سے اٹھ کر چلے گئے۔

جب میاں خاص اپنے دائرے میں آ گیا تو میاں طٰہٰ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ "تو نے یا کسی نے آج میرے سر ہلانے کی وجہ معلوم کی ہے؟" میاں طٰہٰ نے کہا کہ "میں نے

نہیں کی۔" کہا کہ میں بڑھاپے پر پہنچ گیا ہوں۔ میں نے اسلام کی عزت کے لئے ساری عمر کفار سے جنگ و جدل کیا ہے۔ اگر عمر کے آخریں کفار کے ساتھ دوستی کروں اور حصول سلطنت میں لگوں اور بال گردن پر آجائیں۔ میں تو کہتا تھا کہ بادشاہ کے ساتھ دشمنی نہیں رکھتا۔ لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیں نہیں پہچانتا اور میری قدر نہیں جانتا۔ میں ایسا کام کرتا ہوں کہ وہ ہمیں پہچان لے اور اپنی ذات کی قابلیت سے اس کو آگاہ کریں تا کہ جان لے کہ وہ لوگ جن کو سلطان سکندر مرحوم نے ایک فرد سے امرائی اور بزرگی کے مرتبے تک پہنچا دیا تھا اور کئی اقطاع دیئے تھے وہ سب کچھ خلوص، قابلیت اور حصول سلطنت کی وجہ سے تھا۔ جو کچھ میرا مقصد تھا وہی کرتا ہوں۔

ابھی بھی میرا مقصد یہ ہے کہ اگر بادشاہ سعید خان یوسف خیل اور فتح خان سروانی پسر اعظم ہمایوں کو کہ جن کو باندھا ہوا ہے چھوڑ دے اور ان کو اس جگہ بھیج دے تو میں اپنے دل میں مزید مخالفت کا خیال نہیں لاؤں گا اور جو کچھ چاہتا تھا وہ کروں گا۔

جب یہ بات بادشاہ کے پاس پہنچی تو ان کو قید سے رہا کر دیا اور خلعت عطا کی۔ انہوں نے لشکر اکٹھا کیا اور آگرہ سے روانہ ہو گئے اور میاں حسین سے جا ملے۔ جب اس جگہ آئے تو سعید خان جو بہت مغرور تھا بہت فضول باتیں کرنے لگا۔ ایک روز رانا سعید خان کے سامنے بیٹھا تھا کہ خبر ملی کہ میاں حسین آ رہا ہے۔ رانا صرف یہ خبر سن کر ہی جلدی سے اٹھ گیا کہ میاں حسین کے استقبال کے لئے جائے۔ سعید خان نے کہا "اتنی جلدی کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹھہرو! میاں حسین خود اس جگہ آ جائے گا۔" ابھی اسی گفتگو میں تھے کہ میاں مذکور سعید خان کے سراپردہ میں آ گیا۔ رانا نے خیمہ سے باہر آ کر سلام کیا۔ سعید خان اسی جگہ رہا۔ وہ (دونوں) خیمہ میں آ گئے۔ سعید خان نے تعظیم کی۔ تھوڑی دیر (میاں حسین) بیٹھے اور پھر چلے گئے۔ رانا بھی ان کے (میاں حسین) کے ساتھ چلا گیا۔

دوسرے روز جب رانا سعید خان کے پاس آیا تو سعید خان نے کہا کہ "رانا! تو

جانتا ہے کہ میاں حسین کون ہے؟" اس نے کہا کہ" میں جانتا ہوں کہ بزرگ ہیں اور بڑے امراء میں سے ہیں" سعید خان نے کہا کہ" وہ شیخ زادہ ہیں جیسے کہ تمہارے درمیان برہمن ہوتا ہے۔ ہم نے ان کو بڑا کر دیا ہے۔ ہم بادشاہ کے بھائی ہیں۔ بادشاہی یا تو شاہو خیل تک پہنچتی ہے یا یوسف خیل تک۔ باقی سب لودی (قبیلے کے) نوکر ہیں۔"

رانا روزانہ سعید خان کے پاس آتا اور وہ اسے انعام میں اشیاء دیتا اور رانا کو بہت لالچ ہو گیا۔ جب اس کی اس طرح کی سخاوت کا معائنہ کیا تو اس کو معلوم ہوا کہ سعید خان سے بڑا کوئی آدمی نہیں ہے۔ وہ اس سے وابستہ ہو گیا اور میاں حسین سے میل جول کم کر دیا ایک روز میاں حسین نے میاں طٰہٰ کو کسی کام سے رانا کے پاس کوئی بات کہنے بھیجا۔ جب میاں طٰہٰ رانا کے پردہ سرا کے پاس پہنچا تو باوجود اس کے بہت سے لوگ موجود تھے اور بعض امراء بھی وہاں تشریف رکھتے تھے، انہوں نے کہا" اطلاع پہنچانے کا موقع نہیں ہے۔ رانا سو رہا ہے۔" میاں طٰہٰ اس پر حاجت پوری ہوئے بغیر ہی واپس آ گیا اور سارا واقعہ میاں حسین کو کہہ سنایا۔ میاں حسین نے فرمایا کہ" اس شراب خور (سعید خان یوسف خیل) کی قربت سے خراب ہو گیا ہے اور مغرور ہو گیا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ میرے مخالف سے مشورہ کرتے ہیں جس میں ان کی بھلائی نہیں ہے۔ وہ بے خبر شراب خور اتنا بھی نہیں جانتا کہ اس کے گلے سے زنجیر اور پیر سے بیڑیاں ہمارے طفیل سے نکلی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان اتحاد کب تک رہے گا۔"

میاں طٰہٰ سے فرمایا کہ" سلطان کے پاس جاؤ کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں حضور سلطان کی خدمت میں آؤں گا کیونکہ میری بھلائی صرف اس میں ہے کہ اور میں چاہتا ہوں کہ ایک لشکر جو ہمارے ساتھ ہے اور اس اردو (لشکر) سے تمام امیدیں وابستہ کر کے آن ملا ہے۔ ان کی روزی کا ذریعہ ان کی خواہش کے مطابق کروں۔ سلطان

ابراہیم ہمارے نعمت زادہ کا ولی ہے۔ تین پشتوں تک اس کے باپ دادا کی خدمت کی ہے۔ جان دینے میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ اس سے کہو کہ ہمارا مقصد یہی تھا کہ آپ اپنے والد کے خدمت گاروں کو پہچان لیں۔ میں آپ کی اطاعت میں آیا ہوں اور جو کوئی میرے ساتھی ہوگا وہ بھی آپ کا مطیع ہے۔"

میاں طہٰ بادشاہ کے پاس آیا اور میاں حسین کے (بادشاہ سے) مل جانے کی خبر دی فرمان ہوا کہ "میاں حسین ہمارے چچا ہیں۔ جو ہو گیا وہ ہو گیا۔" اور میاں حسین کی طرف فرمان میں تین اقطاعات کا تحریر کر کے بھیجا کہ ان تین میں سے جو بھی اقطاع جو آپ کو اچھا لگے وہ آپ کا ہے۔ ایک وہ کہ جوان کا قدیم اقطاع سارن و چنبارن تھا دوسرا اقطاع چندیری تھا۔ تیسرا اقطاع سنبھل تھا۔

میاں حسین نے میاں لودھا کاکڑ و خضر خان لودی اور مسند عالی فتح خان سروانی کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جب رانا (سانگا) اور سعید خان کو خبر ملی کہ میاں حسین سلطان ابراہیم سے مل گیا ہے۔ تو ساری رات اپنے لشکر کے ساتھ میاں حسین کے خیمے کا محاصرہ کئے رکھا۔ جب میاں حسین کو اس محاصرے کی اطلاع ملی تو میاں نے بھی سوار ہونے کے لئے گھوڑا منگوایا۔ خضر خان لودھی، ملک لودھا کاکڑ اور ان کے سپاہی بھی سوار ہو کر جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ میاں حسین نے ملک لودھا کاکڑ اور میاں خضر سے فرمایا کہ "آپ نے کس لئے سلاح پہن لی ہے؟" انہوں نے کہا کہ "وہ سب بھی ساری رات سے تیار اور ہوشیار ہیں۔" فرمایا کہ "وہ سب شغال ہیں۔ شیر سے لڑنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ آپ ہتھیار اتار دیں اور اپنے خیموں میں بیٹھیے۔ یہ کام ہمارا ہے۔ میں ان کو دیکھنے نکلتا ہوں۔ کوئی شخص میرے ساتھ نہ آئے۔" اور اپنے لوگوں کو بھی منع کر دیا اور کسی کو ساتھ نہیں لیا۔ خود سفید کپڑے پہن کر نکل پڑا۔ تلوار بھی نہیں لی۔ صرف دو ملازموں کو اپنے ساتھ لے لیا۔

ان کا ایک ہندو۔ پاہی بھجن تو تو زناہی تھا۔ وہ بات کرنے میں بھی کافی دلیر تھا۔

کبھی کبھار بے ادبی سے بھی بات کر جاتا تھا۔ وہ بھی ساتھ تھا۔ انہوں نے اس کو منع کیا کہ "تو بھی اپنے خیمے میں رہ۔" اس نے کہا کہ "میں آپ کے ساتھ نہیں آتا۔ بلکہ تماشا دیکھنے جاتا ہوں کیونکہ ستی (عورت) جو خود کو زندہ جلاتی ہے لوگ اس کا نظارہ کرتے ہیں۔ بالکل اس طرح کہ جیسے آپ دشمنوں کی افواج میں کہ جو ایک لاکھ سواروں پر مشتمل ہے اکیلے ہی چلے جا رہے ہیں۔ یہ نظارہ بھی قابل دید ہے۔" میاں نے کچھ جواب نہ دیا اور چلا گیا۔

جب ان کے لشکر حدود میں چلا گیا تو لشکر کے بیچ میں گھوڑے سے اتر کر بیٹھ گیا۔ ان خاص آدمیوں سے فرمایا کہ "ایک رانا کے پاس جائے اور دوسرا فتح خان اور سعید خان کے پاس جائے اور کہے کہ میاں حسین آپ سے درخواست کرتے ہیں۔" جب ان کو خبر دی گئی تو اس جانب سے رانا اور سلاحدی دونوں آ گئے اور اس جانب سے فتح خان اکیلا آیا۔ لیکن سعید خان نہیں آیا۔ وہ سب ایک قالیچے پر بیٹھ گئے۔ میاں حسین نے رانا سے کہا: "ہم نے آپ کو دیکھا ہے اور آزمایا ہے کہ جب ہمارا اتحاد تھا تو اس وقت بھی دیکھا تھا اور اب ہماری دوستی سے آپ باہر نکل آئے ہیں۔ اب جو آپ کے دل میں آتا ہے وہی کیجئے اور اٹھ کر مت جائیے۔ اس وقت مصلحت اس میں ہے کہ ہم دو فوجیں کر لیں۔ ایک فوج آپ کی جانب سے ہو دوسری ہماری ہو۔ جو کوئی آپ کے ساتھ ہونا چاہے وہ اس فوج میں آ جائے اور جو کوئی ہماری صحبت اختیار کرنا چاہے وہ ہمارے ساتھ ہو جائے اور کہا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہی ہم کہتے ہیں۔ آگے آپ جانیں۔" پھر اس جگہ سے اٹھا اور فتح خان و سلاحدی کا ہاتھ پکڑ کر کنارے پر لے گیا اور پوچھا کہ "آپ کا خیال اور آپ کی رائے کیا ہے؟ یہ کہ رانا اور سعید خان جس بات پر متفق ہوں اس کو اختیار کر لیں یا آپ ہمارے ساتھ ہیں؟" انہوں نے کہا "ہمیں در اصل رانا اور سعید خان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں۔" کہا "پس میں بھی آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پہلے آپ کو سر بلند کروں گا پھر خود کو سر بلند کروں گا۔"

رانا اس جگہ سے اٹھ کر یوں چلا گیا کہ اس کا دائرہ دہقانوں نے تباہ کر دیا۔ پھر لوٹ کر نہ دیکھا اور کوئی خیمہ ساتھ لیکر نہ گیا۔ پہلے سفر میں بائیس کروہ تک چلا گیا۔ اسی دوران رانا کے نائب سنگھ نے کہا کہ" کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ میاں حسین کس قسم کا آدمی ہے کہ دو سو سواروں کے ساتھ بادشاہ دہلی کی مخالفت کرتا ہے۔ اب پھر اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ہم ستر ہزار سوار اس کے خوف سے اس طرح بھاگے جا رہے ہیں کہ ہمیں اپنے پیچھے کی خبر بھی نہیں ہے۔"

سعید خان بھی اس کے ساتھ دھولپور تک آیا۔ جب سلطان ابراہیم کو اس کی ناپسندیدہ حرکات کا علم ہوا تو اس کو اس کے غلاموں سے شراب میں زہر دلوا دیا۔ جب وہ بہت بے حال ہو گیا تو میاں حسین اسے دیکھنے کی غرض سے گیا۔ پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ ہمیں سلطان نے طلب کیا ہے میں جاتا ہوں۔ آپ کا کیا ارادہ ہے؟" اس نے کہا کہ" میرا ارادہ یہ ہے کہ جب تک میری زندگی کا ایک رمق بھی باقی ہے، ابراہیم سے صلح نہ کروں گا اور شراب نہیں چھوڑوں گا۔" جب سعید خان نے یہ بات ختم کی تو میاں حسین اٹھ گیا۔ سعید خان بھی اسی رات مر گیا۔

میاں حسین نے سلطان ابراہیم کی ملازمت میں آ کر شرف حاصل کیا اور اسے بہت طرح کی عنایات، محبت، اعزاز و اکرام سے نوازا گیا اور اس نے اقطاع چندیری کو قبول کر لیا۔ سلاحدی بھی ہمراہ آیا تھا۔ اس کو بھی چند پرگنے عطا کیے گئے۔ فتح خان (سروانی) کو اعظم ہمایوں کی ولایت دی گئی اور ملک لودھا کو اس کے باپ کے مطابق اجر دیا گیا۔ لیکن بادشاہ نے خضر خان لودھی کو کچھ نہیں دیا اور فرمایا کہ" وہ بادشاہ کا ملازم نہ تھا بلکہ اپنے بھائی کا ملازم ہے۔ اگر اس کا بھائی میاں بھیکن خان اسے کچھ دیتا ہے تو وہ اسے لے لے۔ ہم کچھ نہیں دیتے۔" میاں بھیکن خان لودھی کو اس سے عداوت تھی۔ میاں حسین چندیری کے لئے روانہ ہو گیا اور فتح خان اپنی ولایت پر چلا گیا۔

میاں حسین نے چندیری کا اقطاع قبول کرتے وقت میاں طہٰ سے مشورہ کیا کہ ان

تین اقطاع میں سے کونسا قبول کرنا چاہئے۔ میاں طہٰ نے کہا کہ "اگر مجھ سے پوچھتے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ ولایت سارن و چپارن قبول کر لیجئے کہ پہلے سے آپ کے پاس ہے اور سلطان سے بھی ذرا دور ہے اور ملک کی سرحد پر ہے۔ اور اگر وہ نہ لیں تو ولایت سنبھل بھی سرحد پر ہے۔ چونکہ آپ کی بادشاہ سے دشمنی رہ چکی ہے لہٰذا سرحد پر رہنا بہتر ہے۔ اگرچہ چندیری بھی سرحد پر ہے لیکن وہ فتنہ پردازوں کا علاقہ ہے۔ جانے کیا حال ہو۔"

میاں حسین نے کہا کہ "ہمیں تو چندیری اچھا لگتا ہے کہ بڑی اقطاع ہے اور اس جگہ سے ملک گیری کر سکتے ہیں اور اس جگہ سے رانا سے بھی انتقام لے سکتے ہیں۔" میاں طہٰ نے کہا کہ "جب چندیری کا انتخاب فرمایا ہے تو مصلحت اس میں ہے کہ قلعہ چندیری کے اندر سکونت پذیر نہ ہوں۔ ہم شہر کے باہر چاردیواری بنا لیتے ہیں اور خندق تیار کرتے ہیں تاکہ اپنی چیزیں اور سامان وہاں چھوڑ کر بلا تردد و خوف (زندگی) بسر کریں۔"

وہ اس بات پر اتفاق کر کے روانہ ہو گئے اور میاں طہٰ کو آگرہ میں چھوڑ دیا جب میاں حسین چندیری آئے تو فصیل (شہر) کے اندر دولت خان کی عمارت کہ جس میں بہت بڑے محل تھے، قیام کیا اور اپنے بیٹوں کو لشکر کے پاس چھوڑ دیا اور فوج کی جاگیر اس طرح سے شروع کی کہ آدھے کو رانا کے علاقے میں اور باقی آدھے کو کھتولی میں تعینات کیا اور صحنک کی سمت چندیری کی ولایت میں مقرر کی۔ ہر شخص اپنی مرضی اور منشاء سے جاگیروں کی سند حاصل کرتا تھا[۵۵]۔

میاں حسین فرملی کا قتل:۔

اس کے بعد چندیری کا حاکم میاں حسین فرملی بھی سلطان کے اشارے سے قتل ہو گیا۔ مخزن اور طبقات میں اس کی تفصیل درج نہ ہے لہٰذا ہم واقعات مشتاقی سے ہی اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ اس کی تصدیق تاریخ داؤدی سے بھی ہوتی ہے:

"اسی دوران سلطان ابراہیم اس بات کے درپے ہو گیا کہ کسی طرح میاں حسین سے انتقام لے۔ شیخ فرید دریا بادی جو میاں حسین کے مقربان میں سے تھا، اس کو سات سو سونے کی مہریں اور دس دیہات دے کر ساتھ ملا لیا۔ اس حرام خور نے شرف الملک کو جو چندیری کے اکابر و اشراف میں سے تھا، ساتھ ملا لیا۔ چندیری کے شیخ زادوں کے پاس بارہ ہزار سوار تھے۔ شرف الملک نے شیخ زادوں کے ساتھ مل کر میاں حسین سے غداری کرنے کا سوچا۔ میاں حسین کو اس بات کی خبر ہو گئی اور شیخ فرید سے کہا:" جس بات پر شرف الملک سے آپ نے اتفاق کیا ہے اب تک اس کی کیا صورت بنی ہے؟" شیخ فرید نے شرف الملک کو میاں کے پاس لا کر مصحف کی قسم کھائی۔ شرف الملک نے بھی کلام اللہ کی قسم زبان سے لی۔ کہا کہ "اس جگہ بہت سے لوگ دشمن ہیں۔ خوشامد گار گفتہ میرے حق میں کسی قسم کی سوچ نہ فرمایئے۔"

میاں مذکورہ کو شیخ فرید پر حقیقت میں حرام خوری کا شبہ بھی نہ تھا۔ اس کی قسم پر اعتبار کر لیا اور شرف الملک کو بھی صحیح راستے پر سمجھ لیا۔ شیخ داؤد کنبو میاں حسین کے گھر میں (عدالت کے) چبوترے پر بیٹھتا تھا۔ سارن اور چپارن کی ولایت میں بھی اسی منصب پر سرفراز رہ چکا تھا۔ چند ہزار بادبان کو چوری کی وجہ سے خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔ اس جگہ بھی اسی طرح کا کام شروع کر دیا۔ جو کوئی باغوں سے بلا اجازت آم یا پھول توڑ لیتا اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ چونکہ یہ باغات شیخ زادوں کے تھے لہٰذا ان کو بھی ان کا انتظام کرنا مشکل لگا اور انتقام لینے کی ٹھان لی۔ شیخ داؤد کنبو جب بھی چبوترہ پر بیٹھتا تو وہ لوگوں کی جماعت کے سامنے کارد کھینچتا اور دکھاتا اور پھر کہتا کہ "یہ سب کارد ہے کہ بیس ہزار لوگوں کے گلے میں نے کاٹے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں ان شیخ زادوں کو بھی اس کارد میں ذبح کروں گا۔" ان کو بہت ڈر لگتا۔

شرف الملک خود بھی اس درپے تھا کہ ان کو اپنے ساتھ ملا لے۔ جب انہوں نے شرف الملک کے روبرو شکوہ کیا تو اس نے ان کو بھی اس بات پر متفق کر لیا کہ ابھی تک

میاں حسین نے طاقت نہیں پکڑی ہے اور آج اپنے لشکر کو پھیلا دیا ہے۔ بغاوت کا موقع یہی ہے اور اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی شخص قلعہ کے اندر نہیں ہے۔ ہم بارہ ہزار اشخاص شیخ زادے ہیں۔ اس محل کا کہ جس میں میاں حسین اترا ہے محاصرہ کر لیں گے اور قتل کر دیں گے۔ شہر کے لوگ بھی ہمارے ساتھ اتفاق کریں گے۔ اور سلطان ابراہیم کا فرمان ان کو دکھائیں گے سب راضی ہو گئے اور اتفاق کر لیا کہ جب رات ہو جائے گی تو سپاہی کورنش بجا کر واپس چلے جائیں گے اور دروازے بند کر دیں گے اور لوگ جگہ بہ جگہ چلے جائیں گے تب اکٹھے حملہ کر کے میاں حسین کے خاص محل کو گھیر لیں گے اور امرا کے تمام گھروں میں ایک جماعت مقرر کر دیں گے کہ کسی کو اجازت نہ دیں کہ اپنے گھر سے نکلے۔ ہم کہیں گے کہ بادشاہ کا فرمان ہمارے پاس ہے۔ آپ اپنے گھروں سے باہر نہیں آیئے۔"

شیخ محمد پسر میاں عماد فرملی اور شیخ جمال پسر میاں عثمان فرملی جو بادشاہی امراء میں تھے اور فصیل کے اندر تھے ان کے گھروں پر اور ان کے سپاہی کے گھر پر بھی لوگ مقرر کر دیئے اور ان کو کہا گیا کہ "ہم بادشاہ کے حکم پر کام کر رہے ہیں آپ اپنے گھر سے باہر نہیں آیئے۔" میاں شیخ جمال کو اس خبر کا تھوڑا سا حال معلوم تھا۔ وہ نماز ظہر کے وقت میاں حسین کے پاس گیا اور اس طرح سے بات کی کہ آج رات ہوشیار رہنا چاہئے کیونکہ شیخ زادے میاں کو تکلیف دینے کی غرض سے غداری کرنے کا اندیشہ ہے بلکہ طے کر لیا ہے کہ آج ہی رات آئیں گے اور میاں کے محل خاص کا محاصرہ کر لیں گے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم آج رات مستعد ہو کر اپنے گھروں کے دروازوں پر بیٹھیں۔

میاں مذکور نے مسکرا کر کہا کہ "یاری! ہمارے بھتیجوں کو اتنی عقل آ گئی ہے کہ ہمیں نصیحت کریں، ان پوستان کو یہ زہرہ ہو گیا ہے کہ ہم سے بغاوت کر سکیں! اگر میں ان کی جانب اپنا تھوک پھینک دوں تو ہمارے تھوک کے دھکے سے ہی کچھ لوگ زمین پر گر

جائیں۔ کل انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کام کرتا ہوں۔" میاں جمال نے کہا: "ابھی کل دور ہے۔ آج رات کی فکر کرنی چاہئے۔" چونکہ اللہ کی مرضی غالب تھی لہٰذا شیخ جمال کی بات نے اثر نہ کیا۔ (اس نے) کہا: "جو کچھ میں نے کہنا تھا کہہ دیا۔ باقی آپ زیادہ عقلمند ہیں۔" (وہ) اٹھا اور اپنے گھر چلا گیا۔

جب لوگ میاں حسین کو سلام کر کے لوٹ گئے اور فصیل سے باہر اپنے خیموں میں چلے گئے تو دروازے بند کر دیئے گئے۔ رات کا ایک حصہ بیت جانے کے بعد وہ سب لوگ اکٹھے ہو گئے جیسا کہ ان سب کے درمیان طے ہوا تھا اور شرف الملک کے دروازے پر آ گئے۔ چندیری کے شیخ زادوں میں سے خواجہ احمد ایک بڑا آدمی تھا۔ اس کی میاں حسین کے ہاں آمد و رفت تھی۔ اس کو اس طے شدہ بات کی خبر نہ کی گئی تھی۔ اسی وقت اس کو خبر کی گئی۔ اس نے اس کام سے روکا کہ "اے بے خبر لوگو! شیر خان کے بعد ایک مرد چندیری میں آیا ہے۔ ابھی دیکھو کہ ہم اس کی حکومت کے سائے میں اس سے کیا فائدہ حاصل کریں گے اور کافروں سے انتقام لیں گے۔ یہ بات جس پر تم سب لوگ متفق ہوئے ہو سراسر غلط ہے اور تمہاری بربادی اور زوال کا سبب ہو گی۔ اس خراب کام سے باز رہو ورنہ اپنے گھروں کو بنیاد سے ہی اکھاڑ ڈالو گے۔ اس طرح کے فعل کی گرد کو بھی نہیں پہنچو گے۔

چونکہ وہ سب اس (کام) کا پکا ارادہ کر چکے تھے لہٰذا انہوں نے خواجہ احمد کی بات نہیں سنی۔ خواجہ احمد نے بلند آواز سے کہا: "میں تمہارے کام میں شامل نہیں ہوا اور اپنے گھر جاتا ہوں۔" وہاں سے لوٹ کر وہ اپنے گھر نہ گیا بلکہ میاں حسین کے پاس آ گیا اور اس بات کی خبر کی۔ شیخ زادوں نے خواجہ احمد کا تعاقب کیا اور اندر آ گئے۔ دروازے کے لوگ ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک دوڑنے لگے اور شیخ محمد اور شیخ جمال کے دروازوں پر اور اس کے ملازمین میں سے ہر ایک شخص کے دروازے پر لوگ تیار کھڑے تھے۔ ایک جماعت آگے بھیجی گئی تا کہ ان کے محلوں کا محاصرہ کر لیں۔

جبکہ ایک دوسری جماعت میاں حسین کے گھر پر آ گئی۔ بہت زبردست شور شرابہ ہوا اور سب نے حملہ کر دیا اور گھر پر ہر جانب سے چڑھ آئے۔ میاں حسین بھی چند آدمیوں کے ساتھ متوجہ ہوا اور کمان ہاتھ میں لے کر تین تیر مارے۔ تینوں تیر خطا ہو گئے۔ پھر اس نے کمان ہاتھ سے رکھ دی اور کہا: "مجھے لگتا ہے کہ آج خدا کا حکم یہی ہے۔ ورنہ میرا ایک تیر بھی (آج تک) خطا نہیں ہوا۔"

اچانک ہر جانب سے پتھر برسنے لگے اور میاں حسین کے آدمی زخمی و مجروح ہو گئے۔ اسی دوران میں شیر خان جو میاں کا خاص آدمی تھا اور بولا کہ "لوگ حرم کے اندر آ گئے ہیں۔ اگر حکم کریں تو ان کو قتل کر دوں۔" میاں نے فرمایا کہ "چونکہ میں اس جہاں سے جاتا ہوں لہٰذا ان کے معاملے کو خدا پر چھوڑتا ہوں۔ ابھی دل میں عورتوں کی فکر نہ کرو اور مزاحمت اور مردانگی دکھاؤ تاکہ اس دنیا سے مردوں کی طرح جائیں اور شہادت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوں۔"

پھر ملک بھلائی جو خاصہ خیل سے تھا آیا اور بولا کہ "وہ امان دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں غیر مسلح ہو کر نکلنے دیں گے۔" اس پر ملک بھلائی پر غصہ کرتے ہوئے کہا کہ: "عجیب بے وقوفی ہے! اگر میں اس طرح کرتا ہوں تو یہ تم سب کو پکڑ کر اور قیدی بنا کر بیڑیاں ڈال کے بادشاہ کے پاس بھیج دیں گے۔ اب حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں شہادت نصیب کی ہے۔ بلند ہمتی سے کام لو اور ان بہانوں کو دل میں جگہ نہ دو۔"

حسن علی نامی ایک خراسانی شخص جو ان کا وکیل تھا وہ میاں مذکور کے سامنے آیا۔ اس سے کہا کہ: "حسن علی اگر تو اس مہلک طوفان سے سلامت باہر نکل جائے تو میرا پیغام سلطان ابراہیم تک پہنچا دینا اور کہنا کہ میں تو تیرے ساتھ برائی نہیں رکھتا تھا اور تو ہمارے ساتھ دشمنی رکھتا ہے۔ میں نے اور تو نے (دونوں نے) مرنا ہے۔" اچانک ایک پتھر میاں حسین کے سر پر آن لگا۔ وہ بے تاب ہو کر زمین پر بیٹھ گیا اور (اس وقت) اس کے ہاتھ میں تلوار تھی جو ہل رہی تھی۔ ایک کالا نقاب پوش ان کے نزدیک

آیا اور چاہا کہ ان پر تلوار چلائے۔ میاں مذکور نے اسی حالت میں اس پر تلوار چلائی کہ اس کا سر اور ایک بازو جوشن اور زرہ کے ساتھ جدا ہو کر (دور) جا گرا۔ اس کے بعد کسی کو ان کے پاس آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ البتہ دور سے پتھر اور تیر و سنان پھینکتے رہے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ ان کا سر کاٹ کر دروازے پر لٹکا دیا۔ دوسرے روز جب فوج کے آدمی جو فصیل سے باہر تھے مدد کو دوڑے، تو ان کا سر دروازے پر دیکھا۔ وہ لوگ فصیل کے بیرونی دروازے سے ہی اپنے گھوڑے اور تجمل کے ساتھ فرار ہو گئے۔ شیخ زادوں نے ان کا خیمہ بھی تباہ کر دیا۔ چندیری کے ان لوگوں کے ہاتھ گھوڑے، مال وسامان اور اسلحہ آیا۔ کچھ ہزار سوار مسلح ہو کر بڑی شان سے چلے اور خود کو بڑا آدمی خیال کرنے لگے۔ وہ لوگ جو نا تجربہ کار تھے وہ خوش ہو گئے۔ تجربہ کار لوگ جیسے خواجہ احمد اور ان جیسے ہی دوسرے لوگ دست تاسف ملتے گئے اور ان کی تباہی کا راستہ دیکھنے لگے۔ اچانک رانا اور سلاعدی کوچ کر کے چندیری پر چڑھ آئے۔ شیخ زادوں نے صرف اپنی ظاہری حالت پر ہی نظر ڈالی اور جنگ کے لئے صفیں تیار کر لیں اور رانا سے جنگ کی۔ رانا کے لشکر میں ایک لاکھ تجربہ کار آدمی تھے۔ جب ان سب نے ایک ساتھ حملہ کیا تو شیخ زادوں کو (مقابلے کی) ہمت نہ رہی اور فرار ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں ہی وہ سب قتل ہو گئے اور شہر چندیری تباہ ہو گیا۔ ان بے عاقبت نابکاروں سے عورتیں قید کر کے لے گئے۔ سارا علاقہ ویران ہو گیا اور حقیقتاً اس میں کوئی آبادی نہ رہی۔

ان ہی دنوں کسی شخص نے شیخ محمد سلمان کو خواب میں دیکھا کہ ان کا سر مبارک برہنہ ہے۔ اس نے پوچھا کہ "آپ دستار کیوں نہیں باندھتے؟ اور کہاں پر تھے؟" انہوں نے جواب دیا کہ "میں چندیری میں تھا اور شیخ زادوں سے میاں حسین کا انتقام لے رہا تھا۔ اب آگرہ جا رہا ہوں۔ جب ابراہیم کا بھی یہی حال ہوگا اس وقت دستار باندھوں گا۔ والسلام"۔

مراۃ الافاغنہ میں حسین فرملی کے قتل کا سبب یوں درج ہے کہ پرمانند نامی ایک

ہندو نے سلطان ابراہیم کے سامنے استغاثہ کیا کہ حسین خان نے چندیری میں میری بیٹی کو زبردستی مسلمان کر کے اس سے نکاح کرلیا ہے۔ اس پر سلطان ابراہیم نے حسین خان کو چندیری کی حکومت سے معزول کر دیا اور اپنے دربار میں بلا کر ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا اور قتل کرنے کے بعد ہاتھی کی دم سے باندھ کر تمام شہر میں پھروایا اور اس کے تمام مال کو ضبط کرلیا۔(96-A) البتہ اس بیان کی تصدیق یا تکذیب کہیں اور سے نہیں ہوئی۔ اس لئے یہ مزید تحقیق طلب ہے۔

بہار میں بغاوت:

دریا خان لوحانی اور اس کے بیٹے بہاڑ خان لوحانی کی بغاوت کے بارے میں طبقات اور مخزن میں بہت اختصار سے درج ہے البتہ واقعات مشتاقی میں اس کی تفصیل موجود ہے:

"مسند عالی دریا خان وزیر جو بہار میں تھا، (سلطان نے) اس کا ارادہ کیا اور چپے بعض امراء کو استمالت نامہ بھیجا کہ دریا خان کو پکڑ لیں اور میرے سامنے زندہ لائیں اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو قتل کردیں، دریا خان کو اس بات کی خبر مل گئی جب امراء کو پتہ چلا کہ وہ (دریا خان) اس بات سے آگاہ ہو گیا ہے تو ان میں سے بعض فرار ہو گئے جبکہ دو امراء آگرہ آگئے۔

حسین خان (سور) کے پاس چھ ہزار سوار اور تین سو ہاتھی تھی اور وہ سرحد پر تھا۔ لشکر کا بڑا حصہ اس کے ساتھ تھا۔ کمال خان (کمبوہ) کی قوم نہ تھی اور اس کے ساتھ بہت کم لوگ تھے۔ دریا خان ابھی اپنا انتظام کر ہی رہا تھا کہ قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا بہار خان اس کی جگہ پر بیٹھا۔

امراء کی وہ جماعت جو سلطان ابراہیم کے ڈر سے اپنی جان کے خوف سے (اس سے) منحرف ہو گئی تھی وہ بہار خان کے پاس جمع ہو گئی اور ایک لاکھ سے زائد سوار اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اسے بادشاہ بنالیا اور سلطان محمد کا خطاب دیا۔ بہار سے لیکر ولایت

سنبھل تک کا علاقہ اس کے قبضے اور تصرف میں آ گیا۔ دو سال اور چند ماہ تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ سلطان ابراہیم جب اس فتنہ سے آگاہ ہوا تو یہاں محمد فرملی کے داماد میاں مصطفیٰ فرملی اور فیروز خان سارنگ خانی کو امراء اور کثیر فوج کے ساتھ مقرر کیا اور میاں مصطفیٰ کو میاں محمد کی جاگیر بھی دے دی۔

جب وہ اس کی سرحد پر پہنچے تو کئی باران کے درمیان شدید جنگ ہوئی۔ میاں مصطفےٰ نے غازی پور کو تباہ کیا۔ نصیر خان نوحانی غازی پور سے بے دخل ہو کر سلطان محمد کے پاس گیا اور میاں محمد بہار کی سرحد پر آ گیا اور دریائے سون کے کنارے اترا اور تھوڑے ہی عرصے میں مرض الموت میں مبتلا ہو کر دوسرے جہان میں چلا گیا۔

فیروز خان (سارنگ خانی) اور میاں مصطفےٰ کے بھائی شیخ بایزید سلطان محمد کی افواج کے ساتھ پہلے کی طرح سے جنگ جدل کرتے رہے۔ اچانک سلطان محمد دریائے سون کو عبور کر کے ان کے سر پر جا پہنچا۔ ان کو خبر ہوگئی کہ فوج تعاقب میں آرہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ فوج کانپور تک پہنچ گئی۔ فوج کو دو حصوں میں کیا گیا۔ ایک فیروز خان کی اور دوسری شیخ بایزید کی۔ اس جانب بھی دو فوجیں ہو گئیں ایک فتح خان کی دوسری نصیر خان کی۔ شیخ بایزید فتح خان کے مدمقابل تھا کہ فتح خان کی فوج آگے آئی لیکن درمیان میں بڑا دریا موجود تھا۔ شیخ بایزید نے بڑی کوشش کی کہ وہ (فتح خان سروانی) دریا تک نہیں پہنچے یہاں تک کہ شیخ بایزید دریا سے پار ہو گیا اور اس کے سر پر جا پہنچا۔ وہاں شیخ بایزید کو پتہ چلا کہ دونوں سردار اس جانب اکٹھے ہیں۔ شیخ بایزید اکیلا ہی فتح خان کے آگے سے بھاگ نکلا۔ شیخ بایزید کا تعاقب کیا گیا یہاں تک کہ کانپور کو تباہ کر دیا۔ (پھر) شیخ بایزید کا لشکر مال غنیمت لوٹ کر منتشر ہو گیا۔

دوسری جانب نصیر خان زمین پر جھنڈا گاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ بادشاہی امراء جو اس کے ساتھ تھے ان میں سے ہر ایک نصیر خان سے معذرت کرتا اور چلا جاتا۔ نصیر خان کے پاس تین سو سوار تھے اور یہ بائیس امراء تھے۔ سب اس کے سامنے سے بھاگ گئے۔ شیخ

بایزید کو خبر ملی کہ فیروز خان اور سارا لشکر بھاگ گیا۔ (اس نے) اس جانب رخ کیا اور روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھی بکھر گئے تھے اور تھوڑے ہی لوگ رہ گئے تھے۔ اکثر غیر لوگ اس کے ساتھ تھے یہاں تک کہ وہ نصیر خان کے مقابل پہنچا۔ وہ فاتح کھڑا تھا۔ لوگوں نے شیخ بایزید کی لگام پکڑ لی اور اسے اس جگہ سے روانہ کر دیا۔ اس (شیخ بایزید) نے یہ شعر پڑھا:

چو بینی کہ یاران نباشند یار
ہزیمت زمیدان غنیمت شمار

(جب تو دیکھے کہ دوست اب دوست نہیں رہے۔ تو میدان (جنگ) سے بھاگ نکلنے کو ہی غنیمت سمجھ لے)۔

"تھوڑے دنوں میں ہی سلطان محمد اس فانی دنیا سے اس غیر فانی دنیا میں چلا گیا۔ سلطان ابراہیم کے امراء میں سے فیروز خان بھی فوت ہو گیا۔ شیخ بایزید بھوج پور آیا۔ فوجیں (فتح خان و نصیر خان) دریائے گنگا کے کنارے تک آ گئی تھیں کہ خبر ملی کہ دولت خان لودھی بابر بادشاہ کے پاس گیا ہے"۔

دولت خان لودھی کا پس منظر:۔

سلطان ابراہیم کے آخری دور میں دولت خان لودھی بھی اس کے خلاف ہو گیا اور اس کی مخالفت ہی ہندوستان میں افغانوں کی حکومت کے خاتمے کا سبب بنی۔ دولت خان لودھی کا پس منظر یوں ہے کہ اس کا باپ تاتار خان پنجاب کا حاکم تھا۔ اس کا تعلق لودھیوں کی یوسف خیل شاخ سے تھا۔ یہ تاتار خان یوسف خیل، اس تاتار خان یوسف خیل کے علاوہ تھا جو سلطان بہلول کے دور میں حاکم پنجاب تھا اور بغاوت کے نتیجے میں شہزادہ نظام خان (سکندر لودھی) سے لڑتے ہوئے 1467ء میں مارا گیا تھا موجود تاتار خان کی بابت بابر نے یوں ایک نوٹ لکھا ہے:

"یہ تاتار خان، جو دولت خان کا باپ تھا، ان چھ یا سات سرداروں میں سے ایک تھا جو (وطن سے) باہر نکلے اور ہندوستان میں بااثر بننے کے بعد بہلول کو بادشاہ

بنایا۔ اس کے پاس ستلج کے شمال کا علاقہ اور سرہند تھا جس کی آمدنی 3 کروڑ سے زائد ہے۔ تاتارخان کی وفات پر، سلطان سکندر (لودھی) نے بحیثیت بادشاہ، تاتارخان کے بیٹوں سے یہ سارے علاقے لے لئے اور دولت خان کو صرف لاہور دیا گیا۔ یہ واقعہ میرے ملک کابل میں آنے سے ایک یا دو سال پہلے ہوا (910ھ/5-1504ء)"[99]۔

اس سے ظاہر ہے کہ تاتارخان یوسف خیل شروع سے بادشاہ بہلول کے ساتھ تھا اور بہت بااثر سردار تھا۔ تاتارخان باغی کے مارے جانے کے بعد اسے پنجاب کا حاکم بنایا گیا۔ 908ھ/1503ء کے لگ بھگ وہ فوت ہوا تو اس کی جگہ دولت خان لودھی کو حاکم لاہور مقرر کیا گیا۔ یہ سلطان سکندر لودھی کا دور تھا۔ دولت خان لودھی بہت ہوشیار، ذہین اور مالدار شخص تھا۔ اس کے مالی حالات ہم نے آگے ایک باب میں بھی درج کئے ہیں۔ بادشاہ ملتان کے باغیوں کو بھی اس نے امداد فراہم کی تھی[99]۔ جب سکندر لودھی کو سید علی خان خلف غازی خان خلف میر علی بیگ حاکم بھیرہ پر بابر بادشاہ سے مل جانے کا شک ہوا تو سید علی فرار ہو گیا اور بھیرہ، خوشاب، چنیوٹ وغیرہ کی حکومت بھی دولت خان لودھی کو دے دی گئی[100]۔ تاتارخان اور دولت خان کی حکمرانی کی مدت کے بارے میں تاریخ شاہی میں دو بیانات ہیں۔ ایک بابر بادشاہ کا اور دوسرا بابر بادشاہ کے بیان کے جواب میں دولت خان لودھی کے بیٹے دلاور خان کا ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں:

"بابر بادشاہ نے فرمایا: تم تیس سال سے سلطان ابراہیم اور اس کے باپ دادا کا نمک کھا رہے ہو اور بیس سال سے ملک پنجاب میں صاحب اختیار چلے آ رہے ہو"[101]۔

اس سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کے علم میں یہ تھا کہ دولت خان اور اس کا باپ 30 سال سے پنجاب کے حکمران تھے۔ یوں ان کی پنجاب پر حکومت 30 سال سے تھی۔ اس کے جواب میں دلاور خان نے کہا کہ:

"چالیس سال ہوئے ہیں کہ میرے باپ دادا اس کے اور اسکے باپ کیلئے جانثاری

کرتے آئے ہیں۔انھوں نے اس کی سلطنت کی بنیاد مضبوط کر دی ہے"[101]۔

دلاور خان کا یہ مطلب ہے کہ اس کا باپ (دولت خان) اور دادا (تاتار خان) 40 سال سے پنجاب کے حکمران تھے۔ اگر یہ درست مان لیا جائے تو تاتار خان کی گورنری کا آغاز 929ھ/1522-3ء (جب دلاور خان کابل میں گیا) سے چالیس سال قبل 899ھ/1493-4ء میں شروع ہوئی اور وہ 20 سال تک حاکم رہا ہے[ج]۔ بیس سال دولت خان حاکم رہا ہے۔ یوں اس کی مدت حکومت پنجاب کا آغاز 909ھ/1522-3ء سے بیس سال قبل 909ھ/1503-4ء میں شروع ہوتا ہے۔

بظاہر بابر کے بیان اور دلاور خان کے جواب میں دس سال کا فرق نظر آتا ہے اور بنیادی ماخذ کے طور پر دلاور خان کا بیان قابل قبول ہے اور بابر کی بیان کردہ مدت غلط ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو بابر کا بیان بھی درست ہے۔ اس نے 20 سال کی مدت جو پنجاب کی حکومت پر بیان کی ہے وہ دولت خان لودھی کی مدت حکومت ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بات جو کہی کہ "تم تیس سال سے سلطان ابراہیم اور اس کے باپ دادا کا نمک کھا رہے ہو۔" تو یہ اشارہ دلاور خان کی جانب ہے۔ جس کی عمر اس وقت 30 سال کے لگ بھگ ہونی چاہیے۔

دولت خان کے بیٹوں کی تعداد:

اس حوالے سے یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ دولت خان لودھی کے کتنے بیٹے تھے۔ افسانہ شاہان میں درج ہے کہ سلطان ابراہیم نے دولت خان کے دو بیٹوں کے سر کاٹ دیئے تھے[103] جبکہ دو اس کی قید میں تھے۔ دیگر تمام کتب میں ہے کہ دلاور خان فرار ہو کر باپ کے پاس آ گیا[104] اس کے ایک اور بیٹے کا نام اپاق خان المعروف غازی خان تھا[105]۔ جبکہ جو دو لڑکے قید تھے وہ سلطان ابراہیم کے ساتھ بابر بادشاہ سے جنگ کرتے ہوئے مارے گئے تھے[106]۔ یوں اس کے لڑکوں کی تعداد 6 بنتی ہے۔

سلطان ابراہیم کی دولت خان لودھی کو طلبی اور ناراضگی:

جب سلطان ابراہیم نے دولت خان لودھی کو لاہور سے طلب کیا تو وہ ڈر گیا۔ اگرچہ اس طلبی کی

وجہ کتب تواریخ میں درج نہیں ہے۔ مگر تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طلبی سے قبل ایک سال کے اندر بابر نے ہندوستان میں پنجاب پر جہاں کا دولت خان حاکم تھا 3 حملے کیے تھے اور ایک علاقے میں لوگوں کا سخت قتل عام بھی کیا تھا۔ مگر دولت خان کی جانب سے اس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا تھا۔ ان حملوں کے فوراً بعد دولت خان کی طلبی سے پتہ چلتا ہے کہ دولت خان کے جوابی کاروائی نہ کرنے کے بارے میں سلطان ابراہیم نے اسے طلب کیا تھا۔ اسے شاید دولت خان پر بابر سے سازش کرنے کا شبہ ہوگا اور اس امر سے دولت خان بھی آگاہ ہوگیا ہوگا جو اس نے جانے میں کوتاہی برتی اور اسے شبہ ہوا کہ شاید دیگر امراء کی طرح سے اسے بھی مار دیا جائے لہٰذا اس نے اپنے بیٹے دلاور خان کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ سلطان ابراہیم کو یہ بات بہت بری لگی کہ میں امیر کو بلاتا ہوں تو وہ خود آنے کی جگہ اپنا لڑکا دلاور خان بھیج دیتا ہے اور اسے بھی گرفتار کرنے کا ارادہ کیا"[207] مگر وہ فرار ہوگیا۔ تاریخ شاہی میں ہے کہ سلطان ابراہیم نے اسے بہت ڈرایا دھمکایا۔ وہاں یوں درج ہے۔

"سلطان نے پوچھا: "تمہارا باپ (دولت خان) کیوں نہیں آیا؟"۔ اس نے عرض کیا: "اسے بیماری لاحق ہوگئی تھی، اس لئے مجھے بھیج دیا ہے"۔ سلطان نے کہا: "اگر مستقبل قریب میں تمہارا باپ نہیں آئے گا تو دوسرے امراء کی طرح مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔" اس کے بعد حکم دیا کہ اسے قید خانے میں لے جا کر وہ جگہ دکھائیں کہ جہاں امرائے کبار کو دیوار میں چن دیا گیا تھا اور بتائیں کہ اس سے پہلے نافرمانوں کا کیا حال ہوا ہے۔" دلاور خان کو وہاں لے گئے تو ان کا حال دیکھ کر لرز اٹھا۔ اس کے دماغ سے دھواں نکلنے لگا جب اسے پھر حضور میں واپس لائے تو فرمایا "جنھوں نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی ان کا حال دیکھ لیا؟" دلاور خان نے لرزتے ہوئے سر زمین پر رکھ دیا۔ کہتے ہیں اس نے چاہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں بھی سلائی پھیر دے اور اسے دیوار میں چن دے۔ دلاور خان نے جب دیکھا کہ سلطان کے قہر و غضب سے رہائی کی کوئی صورت نہیں تو دہلی سے بھاگ نکلا اور چھ دنوں کے اندر اندر

باپ کے پاس پہنچ کر اسے بتایا کہ صورت حال کیا ہے اور نیز اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو اپنی فکر کرو ورنہ ذلت اور خواری سے ہلاک کر دیے جاؤ گے"۔[201]

افسانہ شاہان کا بیان:

افسانہ شاہان میں دولت خان لودھی سے سلطان ابراہیم کے تعلقات کے بارے میں یوں درج ہے:

"سلطان ابراہیم بیانہ میں شراب خوری کرتا تھا اور جب شراب کے نشے سے باہر آتا تو بزرگ لوگوں کو قتل کرتا۔

کی خود نخواہی کی کسی مگیر
میر کسی را و ہر گز ممبر
مبین چونکہ مور است و آن کرخشت
توان بین کہ جان داونش ناخوشت

اور دولت خان لودی یائی خیل بہت بڑا امیر تھا۔ بادشاہ کے علاوہ کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا اور وہ لاہور میں تھا اور سارا ملک پنجاب ملک کالا کے وقت سے ابراہیم کے دور تک پشت در پشت اس کے قبضے میں تھا۔ اس کے چار بڑے بیٹے ابراہیم کی خدمت میں تھے۔ جب دولت خان نے سنا کہ میاں بھووہ اور اعظم ہمایوں کو قتل کر دیا گیا اور میاں اسمعیل جلوانی باغی ہو گئے ہیں اور ہر کوئی جس جگہ ہے اسے اس کے خوف سے نجات نہیں ہے۔ لہٰذا دولت خان نے لاہور سے سلطان ابراہیم کو نصیحتوں کے ساتھ ایک عرضی روانہ کی کہ "اے بادشاہ! آپ کے آباؤ اجداد نے ان افغانوں کو ایک ایک کر کے جمع کر کے نوازشیں کی تھیں۔ آپ یہ کیا سلوک کر رہے ہیں کہ جو لوگوں کو بددل کر رہے ہیں۔ اپنے آباؤ اجداد کا طریقہ اپنایئے"۔ جب یہ خط پہنچا تو دولت خان کے دو لڑکوں نے یہ درخواست ہاتھ میں لے کر ابراہیم کے سامنے پیش کی۔ جب وہ درخواست پڑھی تو فرمایا کہ یہ "بردہ قربہ" مجھے نصیحت کرتا ہے۔ ہاں! بزرگوں نے کہا ہے کہ:

چو بخشش نگردن بود در کاف کن
مگرد آنچہ گفتند نیکا نش کن
نصیحت مکن آنکہ بد دانمت
برنجم بجان و برنجا نمت
اگر خود نباشد عرض درمیان
حذر کن کہ دارد نہیب و زیان

دونوں بیٹے جو یہ درخواست لے کر گئے تھے (ان کے بارے میں) حکم دیا کہ ان دونوں آدمیوں کے سر کاٹ لو۔ لہٰذا ان کو قتل کر دیا گیا اور دیگر دو بھائیوں کو جو باہر تھے ان کو قید کر لیا۔ القصہ دولت خان کی بابر بادشاہ سے بڑی دوستی تھی اور بابر بادشاہ دولت خان کو دینی بھائی کہتا تھا اور جو کچھ ہندی تحفہ ہوتا دولت خان بابر بادشاہ کو بھیجتا تھا اور جو بھی ولایت کا تحفہ ہوتا تھا مثلاً گھوڑے وغیرہ بابر بادشاہ دولت خان کو بھیجتا تھا۔ چنانچہ جب دولت خان نے اپنے بیٹوں کی خبر سنی تو دولت خان نے بھلیان کھتری کو بابر بادشاہ کے پاس روانہ کیا کہ ہمارے چالیس ہزار سوار ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ابراہیم کو دور کر دوں۔ کیونکہ اس نے بہت برا سلوک روا رکھا ہے۔ ساری دنیا کو تکلیف دی ہے اور میرے دو بیٹوں کو قتل کر دیا ہے اور دو بیٹوں کو قید خانے میں رکھا ہے اگر آپ آ کر میرا ساتھ دیں تو ہم اس موذی کو دور کر دیں۔ آخر جب بھلیاں کھتری پہنچا اور یہ پیغام پہنچایا تو بابر بادشاہ نے اپنے اراکین دولت کو بتایا۔ بادشاہ نے کہا کہ بہت زیادہ خرچ ہے۔ بھلیان نے کہا کہ کتنا خرچ چاہیے۔ (بادشاہ) بولے کہ روزمرہ کے لئے پانچ ہزار روپیہ ہونا چاہیے۔ بھلیاں نے قبول کر لیا کہ پانچ ہزار روپیہ روز دیں گے۔ بابر بادشاہ کو چار ہزار سواروں کے ساتھ لاہور لے آیا۔ پھر دولت خان نے بابر بادشاہ سے ملاقات کی اور مہمانی شروع کی۔ جب بابر بادشاہ مطبخ دیکھنے کے لئے آئے تو جس مطبخ پر بھی گئے تو اس مطبخ کو اس کے قول اور قرآن کی باتوں کے مطابق پایا اور آخر میں جب بادشاہ نے مہمانی (کھانا) کھایا تو بہت داد دی۔ جب چند روز رہ گئے تو دولت خان نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اگر میں اس طرح سے کروں گا تو نام ہمیشہ کو بدنام

ہو جائے گا۔ چاہیے بابر بادشاہ کو رخصت کردیں۔ لہٰذا بہت سا سامان اور مال دے کر رخصت کردیا
جب بابر بادشاہ لاہور سے کابل کی جانب دو منزل گئے تو دولت خان کا چھوٹا بیٹا کہ جس کی بھائیوں
کے درمیان بالکل عزت نہ تھی اور اس کا نام دلاور خان تھا وہ "اونچہ" بھی تھا۔ وہ بابر بادشاہ کے
پاس گیا اور بابر بادشاہ کی خبر ہوگئی کہ دولت خان کا بیٹا آیا ہے۔ بادشاہ نے اپنے پاس بلوایا اور فرمایا
کہ کیسے آئے ہو۔ اس نے کہا کہ اگر میں ایسی رائے دوں کہ جس رائے سے دہلی آپ کے ہاتھ
میں آجائے تو بادشاہ میرے ساتھ کیا کریں گے۔ اگر عہد کریں کہ یوں کروں گا تو وہ رائے بادشاہ
کے سامنے پیش کروں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تمہیں خان خانان بنادوں گا جیسے کہ تیرے بڑے
افغانوں کے خانِ خانان تھے اور عہد کرلیا اور اس (دلاور خان) نے کہا کہ آپ دولت خان خانِ
خانان کو طلب کریں کہ ایک بار آجاؤ کہ دل بے قرار ہے کہ ایک بار پھر سے ملاقات ہو جائے۔
ایک بار پھر سے ہم تنگ ہولیں تو جائیں۔ دولت خان خانِ خاناں سادہ آدمی ہے۔ اکیلا آجائے تو
آپ اس کو قتل کردیں اور اس کے قتل کردینے سے دہلی ہاتھ آجائے گا۔ ایک سو ستائیس سال سے
پانچ پشتوں کا خزانہ آپ کے ہاتھ میں آن پڑے گا۔

معدوم شد مروت منسوخ شد وفا
دین ہر دو نام ماند چون سیمرغ کیمیا

پس بابر بادشاہ نے دولت خان کو طلب کیا اور دولت خان چند آدمیوں کے ساتھ اکیلے ہی
آئے کہ ایک دم دولت خان کو قتل کردیا[109]۔

مراۃ الافاغنہ میں ہے کہ بابر بادشاہ نے تخت دہلی پر قبضہ کے بعد دولت خان لودھی کو تنہائی
میں مشورہ کے لئے بلایا اور وہاں اسے قتل کرڈالا۔ (109-A)

<u>دولت خان کا بابر بادشاہ کو دعوت دینا:</u>

جب دولت خان لودھی کو یقین ہوگیا کہ سلطان ابراہیم کے قہر سے بچنا محال ہے تو وہ بہت
پریشان ہوا اور جنگ کی صورت میں سلطان سے مقابلہ بھی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس نے غازی خان
لودھی (اپنے بیٹے) اور پنجاب کے دیگر امراء سے مل کر ایک مشترکہ خط بابر بادشاہ کے نام تحریر کیا

جس میں اسے ہندوستان پر حملے کی دعوت دی گئی۔ یہ خط دلاور خان لے کر گیا [110]۔

مراۃ الافاغنہ میں ہے کہ دولت خان لودھی نے بابر بادشاہ کو یہ پیغام بھیجا کہ بابر دہلی تک کے تمام مغربی علاقوں پر قبضہ کرلے اور حکومت کرے جبکہ جونپور اور مشرق کے تمام علاقے اسے (دولت خان) کو دے دے تو دولت خان بابر کی ہند کی فتح میں مدد کرے گا۔ یہ پیغام لیکر عالم خان یوسف زئی کابل گیا تھا۔ (110-A)

دراصل دولت خان کی جانب سے ایک وفد گیا تھا جس میں دلاور خان اور عالم خان کے علاوہ کئی دیگر سردار شامل تھے۔ مراۃ الافاغنہ میں ہے کہ دہلی کے قبضہ کے بعد عالم خان یوسف زئی اور غازی خان ترین دربار میں مغلوں سے لڑ پڑے اور دونوں مغلوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ (110-B)

<u>تبصرہ:</u>

تمام افغان تواریخ میں درج ہے کہ دولت خان لودھی نے بابر کو حملے کی دعوت دی لیکن بابر نامے میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اس اہم دور کے تمام واقعات بابر نامے میں بابر نے تحریر نہیں کئے اور اگر کئے بھی تو وہ ضائع ہو گئے۔ یہ دور 24- جنوری <u>1520</u>ء سے 17 نومبر <u>1525</u>ء تک کا ہے۔ اس دور میں <u>929</u>ھ/ <u>1522-3</u>ء میں دلاور خان کی سفارت آنا اور <u>930</u>ھ/ <u>1523-4</u>ء میں ہندوستان پر بابر کا چوتھا حملہ شامل ہیں۔ یہ بات قابل حیرت ہے کہ ان واقعات کی تفصیل زین خان مصنف طبقات بابری نے بھی نہیں دی۔ گلبدن بیگم بنت بابر بادشاہ <u>925</u>ھ سے <u>932</u>ھ تک ہندوستان پر حملوں کے بارے میں یوں درج کرتی ہے کہ:

> <u>925</u>ھ سے <u>932</u>ھ/ <u>1519</u>ء تا <u>1526</u>ء تک سات یا آٹھ سال کے عرصہ میں شاہی فوج نے ہندوستان پر کئی حملے کئے۔ ہر بار کے حملے میں کوئی نہ کوئی علاقہ ضرور فتح کیا۔ مثلاً اعلیٰ حضرت نے بھیرہ، بجور، سیالکوٹ، دیپال پور، لاہور اپنے اس پانچویں حملے کے وقت تک فتح کرلئے تھے۔ جبکہ اعلیٰ حضرت یکم صفر <u>932</u>ھ کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لئے یعقوب میں خیمہ

زن ہو گئے تھے[الف]۔

الف۔ پانچویں حملے کے بارے میں بابر بادشاہ نے جو تفصیل دی ہے اس میں دولت خان کے لڑکے دلاور خان کا ذکر اس انداز سے ہے کہ جس سے ظاہر ہے کہ وہ بابر کے بہت قریب رہا تھا اور بابر کو اس نے دعوت دی ہو گی۔

دلاور خان کابل میں:

دلاور خان 930 ھ/ 3-1522ء میں بابر بادشاہ کے پاس کابل گیا اور اسے ہندوستان پر حملے کی دعوت دی۔ اس امر کی تفصیل شاہی میں یوں درج ہے۔

"دلاور خان انتہائی تیز رفتاری سے دس روز کے اندر اندر کابل پہنچ گیا۔ ملازمان شاہی نے عرض کیا کہ ایک افغان ہندوستان کے بادشاہ سے رنجیدہ خاطر ہو کر آیا ہے اور چاہتا ہے عرض احوال کرے۔ حکم ہوا کہ حاضر کریں۔ دلاور خان (بارگاہ شاہی میں) حاضر ہو کر کورنش بجا لایا اور ایک ایک کر کے ہندوستان کی خرابی احوال بیان کی۔ بابر بادشاہ نے فرمایا: "تم تیس سال سے سلطان ابراہیم اور اس کے باپ دادا کا نمک کھا رہے ہو اور بیس سال سے ملک پنجاب میں صاحب اختیار چلے آ رہے ہو۔ اب یکبارگی کیا ہو گیا ہے کہ اس سے ناراض ہو کر اس بارگاہ کی طرف متوجہ ہو گئے ہو؟" دلاور خان نے عرض کیا: چالیس سال ہوئے ہیں کہ میرے باپ دادا اس کے اور اس کے باپ کے لئے جان نثاری کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے اس کی سلطنت کی بنیاد مضبوط کر دی ہے۔ اب سلطان ابراہیم اپنے باپ کے امراء سے بدسلوکی کر رہا ہے۔ اب تک وہ تیس امراء، جو ستون دولت اور بنیاد سلطنت تھے، کو بے گناہ قتل کر چکا ہے۔ بعض کو دیواروں میں چن چکا ہے اور بعض کو آگ میں جلا چکا ہے (چونکہ بقیہ السیف امراء کو اس کے قہر سے نجات کی امید نہیں) انہوں نے مجھے اس بارگاہ میں بھیجا ہے۔ وہ سب امراء بادشاہ سلامت کے نوکر چاکر اور موکب ہمایوں کے انتظار میں چشم براہ ہیں۔" ان دنوں چونکہ مرزا کامران کی شادی تھی، اس لئے باغ شہر آرا شاہ لالہ

میں بہت بڑا جشن منایا گیا جس میں عشوہ طراز، شیریں کار، کبک رفتار، گل عذار، شکر گفتار ناچ گانے والیاں موجود تھیں اور ایک ابر نو بہار جیسا سائبان زرنگار رکھا تھا۔ چمن کے مختلف تختوں میں رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے تھے۔ مختصر یہ کہ ایک ایسا جشن تھا کہ چشم دوراں نے کبھی اس کی مثال نہ دیکھی ہوگی۔ افغانوں کی نگاہیں مغلوں کی حشمت وصولت پر پڑیں تو حیران رہ گئے۔ یہ جشن عروسی جب نیک خواہوں کے حسب مراد ختم ہوا تو بادشاہ بابر نے وہ رات اسی باغ میں بسر کی۔ رات کے پچھلے پہر دو رکعت نماز درگاہ کارساز میں ادا کرنے کے بعد دست نیاز اٹھائے اور دعا کی: "اے خدائے کارساز اگر ہندوستان کی حکومت میرے اور میری اولاد کے نصیب میں ہے تو ہندوستان سے پان اور آم دولت خان کی طرف سے بطور سوغات آئیں"[212]۔

دولت خان اور بابر کے تعلقات:

بابر کی اس دعا کی تصدیق افسانہ شاہان سے بھی ہوتی ہے جہاں پر درج ہے کہ دولت خان لودھی ہندوستان اشیاء بابر کو بھیجتا رہتا تھا اور اسی طرح بابر بھی افغانی اشیاء اسے بھیجتا تھا"[213] تاریخ شاہی میں درج ہے کہ:

"حسن اتفاق سے آموں کا موسم تھا۔ دولت خان نے پان اور نیم پختہ آم شہد کے کوزوں میں رکھ کر احمد خان سربنی کے ہاتھ تحفۃً کابل بھیجے۔ دلاور خان نے عرض کیا: "دولت خان کا ایلچی احمد خان حاضر خدمت ہے۔" جب وہ دربار میں پہنچا اور وہ سوغات بابر بادشاہ کی نظر سے گزری تو اس نے تخت سے اٹھ کر درگار بے نیاز اپنا روئے نیاز زمین پر رکھ دیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ہندوستان کی سلطنت اسے بخش دی ہے اور وہ دیر تک میری اولاد میں برقرار رہے گی"[214]۔

تبصرہ:۔

دولت خان لودھی نے سب سے بڑی غلطی یہی کی کہ بابر بادشاہ کو حملے کی دعوت دی۔ اسے

اس بات کا احساس ہونا چاہئے تھا کہ بابر، پنجاب پر نظریں لگائے بیٹھا ہے۔ تین چار بار پہلے بھی حملہ کر چکا ہے بلکہ کچھ علاقوں پر قبضہ بھی کر چکا ہے۔ یہ بات بھی دولت خان کیلئے بہت خطرناک تھی کہ بابر نے اس کی قوم کے کئی قبیلوں مثلاً یوسف زئی افغانوں، باجوڑیوں اور دیگر لوگوں کو تباہ کیا ہے پنجاب خصوصاً سید پور پر حملہ کر کے دولت خان کی حدود کو تاراج کیا ہے۔ بابر کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دینے کا مطلب تھا کہ بابر سب سے پہلے پنجاب فتح کرلے یوں اس کا سب سے بڑا نقصان خود دولت خان کو ہوا۔ اگر وہ ہندوستان کے اندر ہی باغی امراء سے مل کر کام کرتا پھر وہ سے تازہ دم فوج منگوا کر ابراہیم لودھی سے جنگ کرتا تو شاید ہندوستان کا بادشاہ بھی بن جاتا۔

بابر بادشاہ کا چوتھا حملہ:۔

دلاور خان کی سفارت کے بعد بابر بادشاہ نے ہندوستان پر چوتھا حملہ کیا۔ تاریخ شاہی اور بعض دیگر کتب میں چوتھے اور پانچویں حملے کی تفصیلات خلط ملط ہو گئی ہیں لہٰذا ہم تاریخ فرشتہ سے چوتھے حملے کی تفصیل درج کرتے ہیں جس میں اسے پانچویں حملے سے ممتاز کیا گیا ہے۔

930ھ میں بابر بادشاہ چوتھی بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا دارالسلطنت سے چل کر کھکھڑوں سے ہوتا ہوا لاہور سے چھ کوس کی دوری پر اپنے خیمے نصب کیے۔ نیاز خان، مبارک خاں لودھی، بھیکن خاں لوحانی جو پنجاب کے امراء تھے انہوں نے بادشاہ سے پرزور طریقے پر مقابلہ کیا اور مقابلے کے لئے انہوں نے پنجاب میں شور و قیامت بپا کر دیا۔ یہ امراء اپنے قیامت خیز لشکر لے کر بابر بادشاہ کی طرف بڑھے۔ بہت جوش کے ساتھ معرکہ آرائی شروع کی ایک سخت لڑائی اور خونریزی کے بعد پنجاب کے امراء کو شکست ہوئی وہ سب میدان چھوڑ کر بھاگے۔ بابر بادشاہ نہایت شاداں و فرحاں لاہور میں داخل ہو گیا۔ چنگیزوں کی رسومات کے مطابق نیک شگون کے لئے شہر میں آگ لگائی۔ اور بابر شاہ تین چار دن ٹھہر کر دیپالپور کی طرف چلا بادشاہ نے یہ قلعہ بھی سر کیا بہت سے باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ دولت خان لودھی جو بلوچیوں کے پاس پناہ گزین تھا اور ابراہیم لودھی سے باغی ہو گیا تھا وہ اپنے بیٹوں علی خاں، غازی

خاں، دلاور خاں کے ساتھ فردوس مکانی کے حضور میں حاضر ہوا۔ دولت خاں سلطان پور، جالندھر کے پرگنوں کا صوبہ دار بنا دیا گیا اور حلقہ بابری میں شامل ہو گیا۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ میں نے وطن کے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ دولت خاں لودھی اسی دوست خاں لودھی کی نسل سے تھا جس نے دہلی پر چند دنوں 816ھ میں اپنی حکومت کا سکہ جمایا تھا۔ دولت خاں نے ایک دن بابر شاہ سے کہا کہ اسمٰعیل جلوانی اور حسن جلوانی وغیرہ دوسرے افغانوں کے ساتھ ہو کر بغاوت اور سرکشی کیلئے آمادہ ہیں لہٰذا مناسب ہے کہ تھوڑی سی سپاہ بھیج کر ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ ابھی بادشاہ اس فوج کو بھیجنے ہی والا تھا کہ دولت خان کے چھوٹے فرزند دلاور خاں نے بادشاہ کو بتا دیا کہ اس کا باپ اور بھائی دونوں مل کر بادشاہ کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جب فوجی سپاہ بادشاہ سے دور ہو جائے تب بادشاہ کو بے دست و پا کر کے حملہ کریں۔

بادشاہ نے اس واقعے کی چھان بین کی اور یہ بات ٹھیک نکلی تب بادشاہ نے دولت خاں اور اس کے بیٹے غازی خاں دونوں کو قید کر دیا اور خود بابر شاہ دریائے ستلج کو پار کر کے نوشہرہ پہنچا اور یہیں ٹھہر گیا۔ تھوڑے دنوں بعد دونوں قیدیوں کی تقصیر معاف کر دی اور سلطان پور جس کو دولت خاں نے ہی آباد کیا تھا اور اس کی جائے رہائش تھی، دولت خاں کی جاگیر میں دے دیا اور اس کے بعد یہ دونوں قیدی چھوٹ کر سلطان پور چلے گئے اور اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر کوہ لاہور کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے۔ دلاور خاں کو خانخاناں کا لقب دے کر غازی خاں اور دولت خاں دونوں کی جاگیریں اسی کو دے دیں۔ دولت کی فتنہ انگیزی اور سرکشی سے بابر بادشاہ آگے نہ بڑھ سکا۔ سرہند سے لاہور واپس آ گیا یہاں پر عبدالعزیز امیر خور کو لاہور کا داروغہ مقرر کیا۔ خسرو کوکلتاش کی حکومت میں سیالکوٹ دیا۔ دیپالپور کی حکومت کو بابا قشقہ مغل اور سلطان علاؤ الدین لودھی جو حال ہی میں باریاب ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ان

دونوں کے سپرد کیا۔ اس کے علاوہ کلانور کی حکومت محمد علی جنگ کے ہاتھ میں دے دی اور خود کابل واپس چلا آیا۔

بابر شاہ کی عدم موجودگی سے دولت خاں لودھی نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ دونوں باپ بیٹوں نے مل کر حیلہ بہانے سے دلاور خاں کو گرفتار کر لیا اور پھر علاؤالدین لودھی اور بابا قشقہ مغل سے فیروز پور کے میدان میں جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور بابر کے ان امراء کو شکست فاش دی ان امراء میں سے سلطان علاؤالدین نے کابل اور بابا قشقہ مغل نے لاہور میں پناہ لی۔ دولت خاں نے پانچ ہزار افغانی سرداروں کو سیالکوٹ پر قبضہ کرنے کے لئے مقرر کیا۔ عبدالعزیز امیر آخور اور لاہور کے دوسرے امراء کو اس کی اطلاع مل گئی اور یہ سب کے سب خسرو کوکلتاش کی امداد کرنے کے لئے لاہور روانہ ہو گئے۔ ان امراء نے دولت خاں کو شکست دی اور کامیاب و کامران لاہور واپس چلے آئے۔

اسی دوران میں ابراہیم خاں کی فوج جو دولت خاں اور غازی خاں کی سرکوبی کے لئے مقرر کی گئی تھی وہ آ پہنچی اس نے سندھ کے پاس ہی اپنے خیمے نصب کئے۔ دولت خاں اب مغل امراء سے مقابلے کے بغیر لودھی کی فوجوں سے مقابلے کرنے کے لئے بڑھا۔ اس نے ابراہیم لودھی کی فوج کے پیچھے اپنے خیمے ڈالے اور اپنی سیاسی حکمت عملی سے شاہی لشکر کے افسر کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ فوج کے دوسرے امراء کو اس بات کا پتہ چل گیا اور آدھی رات کو پوری فوج کوچ کر کے دہلی آ گئی۔ بادشاہ کی خدمت میں امراء نے ساری سرگزشت بیان کر دی۔ اسی وقت علاء الدین لودھی جو کابل میں پناہ لئے ہوئے تھا وہ مغل امیروں کے نام ایک عریضہ ایک مضمون کا لے کر آیا کہ بابر شاہ کی فوج علاؤالدین کی سرکردگی میں دہلی جائے اور پھر ابراہیم لودھی سے مقابلہ کر کے سلطنت حاصل کر لے اور شہر دہلی علاؤالدین کے قبضہ میں آ جائے۔ دولت خاں اور غازی خاں نے بھی فرمان کا مضمون سنا وہ اس بات کی تہہ کو پہنچ گئے۔ انہوں نے بابر شاہ کی

خدمت میں ایک پیغامبر کو بھیجا اور کہلایا کہ علاؤالدین لودھی ہمارا شہزادہ ہے اور ہماری اجتماعی کوششوں کا یہی مقصد ہے کہ یہ تخت دہلی پر حکمرانی کرے اور ہماری یہی درخواست ہے کہ اس شہزادے کو ہماری نگرانی میں دے دیا جائے تا کہ ہم اس کو دارالسلطنت دہلی کا حکمران بنائیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس ملک سے لے کر سرہند تک تمام شہر بابر شاہ کی حکمرانی میں خوشی خوشی چھوڑ دیں گے۔

چونکہ اس درخواست میں غازی خاں اور دولت خاں نے بہت سی قسمیں کھائی تھیں اور عہد و پیماں کیا تھا لہٰذا اسی مضمون کی ایک اور دستاویز تیار کی گئی اور اس پر شہر کے امراء اور قاضیوں نے دستخط کیے اور مہر صداقت ثبت کی، گواہوں کے بھی دستخط کرا کے قاصد کو بابر شاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ لاہور کے امراء اراکین نے دولت خاں کی بات کو ہیچ سمجھ کو علاؤالدین لودھی کو غازی خاں کے پاس بھیج دیا۔ غازی خاں نے اس بات کو اپنے لئے بہت بڑا اعجاز سمجھا، اپنے بھائیوں کو چند افغانی امراء کی سرکردگی میں دہلی روانہ کر دیا اور خود دوراندیشی سے کام لے کر پنجاب میں ہی ٹھہرا رہا۔ علاؤالدین لودھی نے ابراہیم لودھی کا مقابلہ کیا اور اس کے سامنے معرکہ آرا ہوا۔ مگر دشمن کے ہاتھوں شکست کھا کر ہراساں ہوا اور پنجاب واپس لوٹ آیا۔

غازی خاں نے اپنا عہد پورا کیا اور اپنا لشکر لے کر کلانور پر دھاوا کر دیا۔ محمد علی جنگ میں اس کے حملہ کو برداشت کرنے کی قوت نہ تھی اور وہ بھاگ کر لاہور میں پناہ گزین ہو گیا۔ غازی خاں نے کلانور پر قبضہ کر لیا اور بیر سرور میں ٹھہرا۔ لیکن جب اس کو بابر کی فوج کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ بلوت کی طرف بھاگا۔ اپنے بال بچوں کو یہیں بلوت میں چھوڑ دیا اور خود بھاگ کر دہلی میں ابراہیم لودھی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے بعد پھر کبھی غازی خاں دہلی سے باہر نہ آیا اور آخر جب سلطان ابراہیم لودھی اور بابر شاہ کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی یہ اسی جنگ میں تہہ تیغ کیا گیا۔ جب یہ تمام واقعات ہو رہے تھے اور دار و گیر تھی تو بابر شاہ کابل ہی میں موسم بہار کا لطف لے

رہا تھا اور عیش و عشرت کے نشہ میں مخمور تھا۔"

دولت خان کی طاقت کا خاتمہ:

دولت خان لودھی کو امید تھی کہ بابر اپنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ اس کی مدد کرے گا۔ مگر معاملہ الٹ نکلا اور بابر نے پنجاب پر قبضہ ہی کر لیا۔ یوں دولت خان لودھی کو بابر سے جنگیں کرنی پڑیں اور اس کی ساری طاقت ضائع ہو گئی۔ اس کا مال و دولت سب دشمن کے قبضے میں چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کا اپنا بیٹا دلاور خان بھی اس کا دشمن ہو گیا۔ بابر کے لئے اچھا موقع تھا۔ اس نے ہندوستان میں اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ ابراہیم لودھی نے بے وقوفی سے موقع گنوا دیا۔ اگر وہ بابر اور دولت خان کی چپقلش کے دوران ہی کسی ایک پر حملہ کر کے اسے ختم کر دیتا تو دوسرے سے جنگ کرنا اس کے لئے آسان تھا۔ مگر اس نے اس جانب توجہ ہی نہیں دی۔ دولت خان لودھی کی جگہ اس نے نئے اور قابل حاکم مقرر ضرور کئے مگر اس جنگ کو اس طرح نہ لڑا جس طرح سے اسے لڑنا چاہئے تھا۔ یہ حکام صرف دفاع کرتے تھے اور جارحانہ حملے نہ کرتے تھے۔

سلطان ابراہیم کا دولت خان کو خط:

جب ابراہیم لودھی کو ان حالات کا علم ہوا تو اس نے دولت خان لودھی کو یوں تحریر کیا۔

"تو میرے باپ کی مہربانی سے اس درجے کو پہنچا کہ بیس سال پنجاب کا حکمران رہا۔ یہ تو نے کیا کیا کہ میرے موروثی ملک میں مغلوں کو لے آیا اور افغانوں کے ناموس کا پردہ اپنے ہاتھوں سے چاک کر ڈالا؟۔ اب میں تجھ سے صلح کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ تیرے اور تیرے بیٹوں کے حق میں بدسلوکی کا خیال تک دل میں نہیں لاؤں گا۔ کلام ربانی کی قسم کھاتا ہوں (کہ میں اپنے عہد پر قائم رہوں گا) ذرا سوچ اور خیال خام کو دل میں جگہ نہ دے"[1]۔

دولت خان کا ابراہیم لودھی کو خط:۔

دولت خان نے جواب میں ابراہیم لودھی کو تحریر کیا کہ:

"بے شک میں سلطان سکندر کا پروردہ ہوں۔ اس نے مجھے خاک سے اٹھایا اور مجھ پر نوازشیں کیں۔ میری بھی ساری عمر اس کی خیر خواہی میں کٹی۔ وہ مرحوم بادشاہ امراء کا کسی قدر خیال رکھتا اور ان کی دل جوئی کرتا تھا۔ اس نے کبھی کسی صورت میں کوشش نہیں کی کہ امراء کو ہلاک کرے۔ مگر تم نے نوجوانی کے باعث دو تین کوتاہ اندیشوں کے بہکانے سے اپنی سلطنت کی بنیاد خود کھود ڈالی اور اپنے باپ کے کتنے ہی خادموں کو، جو تمہاری سلطنت کا ستون ہے، ہلاک کر ڈالا حتیٰ کہ دوسروں کو بھی تجھ پر اعتماد نہ رہا۔ مغلوں کو میں نہیں لایا ہوں بلکہ تمہارے ناپسندیدہ افعال لائے ہیں ۔[21]"

عالم خان کا دہلی پر حملہ اور شکست:

جب بابر کے پنجاب پر قبضے کی اطلاع عالم خان پسر سلطان بہلول کو ملی تو وہ سلطان ابراہیم کے مقابلے پر ڈٹ گیا اور تقریباً چالیس ہزار فوج اکٹھی کر کے فیصلہ کیا کہ خود ہی جنگ کرے گا اور دہلی پر قبضہ کر لے گا۔ بابر نے اپنے بابر نامے میں اس کے اس فعل کی مذمت کی ہے۔ اس جنگ کی تفصیل ہم وہیں سے درج کرتے ہیں:

"عالم خاں نامی سوداگر نے حاضری دی۔ اس سوداگر کو میں نے اس وقت جبکہ ازبکوں نے بلخ میں لوٹ مار مچا رکھی تھی۔ ہندوستان بھیجا تھا اور خود بلخ چلا گیا تھا۔ یہ میرا نمائندہ بن کر ہندوستان آیا تو اس نے ان لوگوں سے جو میری طرف سے یہاں کے مختلف مقامات کے کارندے اور محصل تھے۔ میری طرف سے جھوٹا پیغام دیا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ تم سب لوگ میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ میں غازی خاں کو بھی تمہاری طرح اپنے ساتھ لے لونگا اور دہلی پر حملہ آور ہوں گا۔

ان لوگوں کو چونکہ بلاواسطہ میری طرف سے کوئی ہدائت ایسی نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اور اس سے کہا چونکہ بادشاہ کا حکم یہ ہے کہ غازی خاں کی معاونت ہم صرف اس وقت کریں جبکہ غازی خاں اپنے بھائی حاجی خاں اور اپنے

بیٹے کو بہ طور یرغمال بادشاہ کے پاس بھیج دے۔ یا لاہور میں ہمارے سپرد کر دے۔

ان لوگوں نے خود اسے بھی غازی خاں پر اعتماد کرنے سے روکا۔ مگر وہ نہیں مانا۔ اپنے بیٹے کو سفیر بنا کر غازی خاں کے پاس بھیجا اور پھر اس سے ملا۔ اس کے علاوہ دلاور خاں، مرزا محمود خاں اور حاجی خاں، اسماعیل جلوانی اور عالم خان کو ساتھ لے کر دہلی کی طرف یلغار کی۔

اندر کے مقام پر سلیمان شیخ زادہ نے بھی ان کی رفاقت اختیار کر لی۔ اس وقت ان کے پاس تیس یا چالیس ہزار سپاہی تھے اور ان کے بل پر انہوں نے دہلی کا محاصرہ کر لیا۔

سلطان ابراہیم لودھی ان کے مقابلے کے لئے دہلی سے نکلا۔ یہ لوگ اس کے سامنے دن کی روشنی میں صف آرا تو نہیں ہوئے۔ البتہ رات کو شب خون مارنے کے لئے دو بار چھاؤنی سے نکلے۔ ایک بار دوپہر کو چلے اور آدھی رات تک گھوڑوں کی پیٹھیں شل کرنے کے باوجود جوں کے توں واپس آ گئے۔ تیسری بار البتہ شب خون کے ارادہ سے نکلے تو دشمن کی چھاؤنی تک پہنچ گئے اور خیموں میں آگ لگا کر انہیں لوٹنے لگے۔ ابراہیم لودھی نے دور سے یہ تماشا دیکھا اور ان کے تعداد کا محاسبہ کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ شب خون مارنے والوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اس نے ایک ہاتھی اور کچھ فوج ادھر بڑھا دی۔ ہاتھی قریب آیا تو یہ "بہادر، جو لوٹ مار میں مشغول تھے۔ جدھر منہ اٹھا ادھر ہی دوڑ پڑے۔ ان میں سے بعض پر کچھ اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ وہاں سے جو بھاگے تو پانی پت کے درے کہیں نہیں رکے۔ پانی پت پر بھی قیام نہیں کیا۔ اندری آئے اندری میں ان کی جمعیت پریشان ہو گئی۔ سلیمان کچھ آدمیوں کے ساتھ سب سے پہلے الگ ہوا۔ پھر عالم خاں کا بیٹا جلال خاں، اسماعیل جلوانی، دریا خاں جدا ہوئے اور دوآبہ میں پناہ لی۔

عالم خاں، دلاور خاں، حاجی خاں، سرہند کی طرف چلے۔ اسی اثناء میں انہیں خبر ملی

کہ میں نے ہندوستان پر حملہ کر دیا ہے اور بلوت فتح کر لیا ہے۔ ان میں سے دلاور خاں ہمیشہ میرا کلمہ پڑھتا رہا ہے۔ میری ہی خاطر اس نے تین چار مہینے کی قید برداشت کی۔ اس نے میرے آنے کی خبر سنی تو سلطان پور کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں سے کوچ ہوتا ہوا بلوت کے نواح میں میرے پاس آن پہنچا۔ حاجی خاں اور عالم خاں نے کنکوٹ کے قلعہ میں پناہ لی۔ وہاں کچھ پٹھانوں نے ان پر حملہ کیا۔ تو رات ہی رات وہاں سے بھاگے اور بھاگ کر بلوت میں غازی خان کی پناہ حاصل کی۔ مگر غازی خاں نے چونکہ ان کے حال پر کچھ توجہ نہ کی۔ اس لئے جب میں وہ دن پہنچا تو عالم خاں نے میرا دامن تھاما"[11]۔

بابر کا پانچواں حملہ:

آخر کار بابر بادشاہ نے پروگرام بنا کر ہندوستان پر حملے کی غرض سے 932ھ/6-1525ء کو کوچ کیا۔ تاریخ شاہی میں اس کوچ کی تاریخ 2-شوال بروز چہار شنبہ درج ہے جو بمطابق 12-جولائی 1526ء ہے۔ جبکہ اکبر نامے میں جمعہ یکم صفر درج ہے"[19]۔ گلبدن بیگم نے بھی تاریخ یکم صفر درج کی ہے"[20]۔ البتہ بابر نامے میں کوئی تاریخ درج نہ ہے۔ تاریخ شاہی کی تاریخ غلط ہے کیونکہ رجب 932ھ میں جنگ پانی پت ہوئی۔ لگتا ہے کہ احمد یادگار نے بابر کے چوتھے حملے کی تاریخ درج کر دی ہے۔ سب سے پہلے بابر بادشاہ درہ یعقوب آیا اس کے بعد دریائے بارہ یک کے کنارے رکا۔ یہاں اسے خواجہ حسین دیوان لاہور کی جانب سے نذرانہ آیا۔ کچھ دن کے بعد وہ بکرام پہنچا اور پھر 28 صفر کو دریائے سندھ پر پڑاؤ کیا"[21]۔ بابر نے اس دوران پشاور پر حملے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ تاریخ شاہی میں ہے کہ "پشاور کا رخ کیا۔ کوچ بکوچ وہاں پہنچ گیا اور اس شہر کو غارت کیا"[22]۔ اس کے بعد بابر نے سیالکوٹ کا رخ کیا تاکہ پہاڑیوں کے دامن میں چلا جائے اور غلے کی کمی نہ ہو۔ سیالکوٹ پر اگرچہ پہلے بابر کا قبضہ ہو گیا تھا مگر اب وہ بابر کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ بابر نے پہلے بہلول پور پر قبضہ کیا اور پھر سیالکوٹ پر قبضہ کر لیا۔ یہاں کے باشندوں نے اس کا ساتھ دیا۔ یہیں اسے خبر ملی کہ دولت خان لودھی کا بیٹا غازی خان جنگ کے لئے پر تول رہا ہے اور

چالیس ہزار کا لشکر جمع کر لیا ہے۔ اسی دوران عالم خان سوداگر بابر سے آن ملا۔ اس کے بعد بابر نے قلعہ ملوت پر حملہ کیا۔ غازی خان قلعے سے بھاگ گیا۔ دولت خان لودھی اور اس کے اہل خانہ پکڑے گئے اور قید کر دیئے گئے۔ قلعہ ملوت میں غازی خان کا کتب خانہ بھی تھا۔ بابر نے اس پر بھی قبضہ کر لیا۔

بابر کی پیش قدمی:۔

اس کے بعد دلاور خان خلف دولت خان لودھی آ گیا اور اس نے زر معاوضہ ادا کر کے دولت خان اور دیگر کو آزاد کرا لیا۔ دولت خان سلطان پور پہنچا جہاں وہ فوت ہو گیا [123]۔ البتہ افسانہ شاہان میں درج ہے کہ وہ بابر کے ہاتھوں قتل ہوا [124]۔ اس کے بعد بابر نے قلعہ کوتلہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر قلعہ کنکونہ پر قبضہ کیا۔ پھر بابر روپڑ آ گیا اور پھر سرہند پر قیام کیا۔ سرہند میں بابر کے آنے کی اطلاع سلطان ابراہیم کو ہوئی تو اس نے ایک سفیر بھیجا۔ بابر نے بھی جواب میں ایک عام سواتی کو سفیر بنا کر بھیج دیا جسے ابراہیم نے قید کر دیا [125]۔

محمد کالا پہاڑ کی بابر سے جنگ اور شکست:

افسانہ شاہان میں درج ہے کہ:

"جب دولت خان قتل ہو گیا تو بابر بادشاہ نے اس (ناخلف) کو اپنا خان خانان مقرر کر لیا۔ جب یہ خبر سلطان ابراہیم کو پہنچی کہ بابر بادشاہ نے دولت خان کو قتل کر دیا اور جو کچھ اس کا تھا وہ اس کے ہاتھ آ گیا ہے تو محمد کالا پہاڑ کو بلایا کہ تو میرے پاس آ جا کہ میں بابر بادشاہ کی جانب جاتا ہوں۔ محمد خان کالا پہاڑ نے یہ کہلوا دیا کہ میں اس جگہ آ کر کیا کروں گا۔ اسی جگہ سے بابر بادشاہ پر چڑھائی کرتا ہوں۔ اگر مدد کرنی ہے تو کرو۔ لہٰذا سلطان ابراہیم نے تھوڑی سی مدد روانہ کی۔ جب محمد کالا پہاڑ روانہ ہوا تو راستے میں بابر بادشاہ سے جنگ ہو گئی۔ بابر بادشاہ کے پاس تیس ہزار سوار تھے۔ بابر بادشاہ کو فتح ہوئی اور محمد کالا پہاڑ اسی دوران مارا گیا" [126]۔

جنگ حصار فیروزہ:

سرہند۔ سے کوچ کر کے بابر نے دیہو روستور پر قیام کیا۔ ادھر سلطان ابراہیم دہلی سے ایک کوس آگے چلا آیا۔ اس نے اپنے نائب حمید خان (حاکم حصار فیروزہ) کو آگے روانہ کیا۔ بابر نے مرزا ہمایوں (خلف بابر بادشاہ) کو روانہ کیا۔ حصار فیروزہ کے پاس دونوں میں جنگ ہوئی۔ حمید خان کو شکست ہوئی۔ اس کے کئی فوجی مارے گئے اور سات آٹھ ہاتھی بھی پکڑے گئے۔ ہمایوں نے حصار فیروزہ پر قبضہ کر لیا۔

سلطان ابراہیم لودھی کی پیش قدمی:

اس کے بعد ابراہیم لودھی دو، دو کوس کر کے آگے بڑھتا اور ہر منزل پر دو یا تین دن رکتا۔ بابر نے بھی پیش قدمی کی اور سرسادہ میں دریائے جمنا کے کنارے پر اترا۔

سلطان ابراہیم لودھی اور نجومی:

جب ابراہیم لودھی پرگنہ کنور میں آیا تو اس نے نجومیوں سے جنگ کی فتح کے بارے میں معلوم کیا:

"نجومیوں نے بڑی احتیاط سے کام لیتے ہوئے عرض کیا کہ سیاروں کی گردش سے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارے سب گھوڑے اور ہاتھی مغلوں کے لشکر میں چلے گئے ہیں۔ سلطان نے کہا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں مغلوں پر فتح ہوگی۔" کہنے لگے: "خدا کرے ایسا ہی ہو۔" نجومیوں کو بابر بادشاہ کی فتح کا علم ہوا تو وہاں سے بھاگ نکلے۔"

سلطان ابراہیم کا اپنے فوجیوں سے خطاب:۔

یہیں جمعرات کے روز ابراہیم لودھی نے اپنے فوجیوں سے خطاب کیا:

"جمعرات کے دن سلطان نے تمام امراء اور فوج کو طلب کیا۔ جو بھی ملبوسات اور پہننے کے کپڑے ان کے ساتھ تھے فرمایا کہ پہن لیں۔ ایک اطلس کا خیمہ اور

زر دوز سائبان نصب کروا کر بزم آراستہ کی اور جو زر و جواہر، موتی، اشرفیاں پاس تھیں ان پر نچھاور کرتے ہوئے کہا: "دوستو! کل وہ دن ہے جب میں مغلوں کی فوج پر دھاوا بولوں گا۔ اگر فتح ہماری ہوئی تو تمہاری دلجوئی کروں گا۔ اگر نہیں تو بھی تم مجھ سے خوش ہو جاؤ۔ سارا دن عیش و عشرت میں گزارو۔ اگلے روز جنگ ہونا قرار پایا ہے"[110]۔

بابر کا تھانیسر پر قبضہ:

دریں اثنا بابر نے تھانیسر پر قبضہ کر لیا اور یہاں پر علماء و فضلاء کی بڑی تعداد کو قتل کر دیا گیا[111]۔

ہاشم خان کی شکست:۔

اس کے بعد بابر نے 18 جمادی الثانی بروز ہفتہ ایک دستہ آگے روانہ کیا جس نے ابراہیم لودھی کے دو کمانڈروں داؤد خان اور ہاشم خان پر حملہ کر دیا۔ زبردست جنگ کے بعد ہاشم خان قتل ہوا۔ اس فتح سے بابر کا حوصلہ بڑھ گیا[112]۔

پانی پت میں صف بندی:

اب دونوں فوجیں پانی پت کے میدان میں آ گئیں۔ بابر نے اپنی فوج کے ایک سمت دائیں جانب پانی پت کے مکانات کو رکھا اور دوسری جانب چھکڑے اور ارابے رکھے۔ اس کے علاوہ ایک جانب بائیں طرف خندق کھدوا دی۔ سلطان ابراہیم کی فوج ایک لاکھ سے زائد سواروں پر مشتمل تھی۔ اس کے پاس ہاتھی بھی ایک ہزار سے زائد تھے۔ وہ بہت بڑا خزانہ بھی ساتھ لے آیا تھا۔ بابر کہتا ہے کہ اس نے بڑی غلطی کی۔ اگر ہماری صف بندی کے دوران ہی ہم پر حملہ کر دیتا تو جیت جاتا مگر وہ بزدل نکلا۔ اس نے اپنی غلطی سے دشمن کو ستانے اور سنبھلنے کی مہلت دے دی[113]۔ بابر 30 جمادی الثانی بروز جمعرات پانی پت آیا تھا۔ مسلسل سات آٹھ روز اس کی ٹکڑیاں جا کر ابراہیم لودھی کے لشکر پر چھاپے مارتیں مگر لودھی فوج کی جانب سے کچھ جواب نہ دیا جاتا۔

شب خون: 6 رجب 932ھ/19 اپریل 1526ء کو بابر کے بعض امراء ایک بڑی فوج لے کر

اس پر حملہ آور ہوئے۔ ان کی تعداد چار پانچ ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ اس فوج نے ان سے جنگ کی اور صبح ہوتے ہی واپس لوٹ آئے۔ بابر کو جب ان کے لوٹنے کی خبر ملی تو احتیاطاً ہمایوں کو آگے روانہ کیا تاکہ پتہ چلے کہ آیا دشمن ان کے تعاقب میں تو نہیں آ رہا یا حملے کے لئے تو آگے نہیں بڑھ رہا۔ مگر لودھی فوج کی جانب سے کوئی پیش قدمی نہ ہوئی"۔

پانی پت کی پہلی لڑائی:۔

مورخہ 8 رجب 932ھ / 21 اپریل 1526ء کو علی الصبح بابر کو اطلاع ملی کہ ابراہیم لودھی کی فوج تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ یہ پانی پت کا مشہور معرکہ تھا۔ اس کے چشم دید حالات بابر کے بابر نامے سے ہم نقل کرتے ہیں:

"دوسرا دن طلوع ہوا۔ تو مخبر خبر لائے کہ دشمن سوار ہو گیا اور اس کی صفیں موجوں کے سے انداز میں بھر بھر کر آگے کو دوڑ رہی ہیں۔

میں نے بھی صف بندی کی۔ برانغار میں ہمایوں کو رکھا۔ اس کے ساتھ خواجہ کلاں سلطان دولدائی، ہندو بیگ، ولی خازن، اور پیر قلی ستانی کو متعین کیا۔

جرانغار مہدی خواجہ کو دیا۔ اس کے ساتھ دولدائی، سلطان عادل، شاہ میر حسین، میرزا قتلق قدم، سلطان جنید، جان بیگ، محمد بخش، اوشاہ حسین مغل غانچی کو رکھا۔ قلب کے دائیں طرف چین تیمور سلطان، سلیمان، محمدی کوکلتاش، شاہ منصور برلاس، یونس علی، درویش محمد ساربان اور عبداللہ کتابدار کو ٹھہرایا۔

قلب کے دائیں رخ خواجہ میر میراں، تردی بیگ، محب علی، میرزا بیگ ترخان، اور خلیفہ کو نصب کیا۔ امیر اول میں خسرو کوکلتاش، اور محمد علی جنگ جنگ افسر تھے۔ عبدالعزیز میر خور طرح دار تھے۔ ولی قرال، ملک قاسم، بابا قشقہ، برانغار کے اوج میں کھڑے کئے گئے قرا قوزی، ابوالمحمد نیزہ باز، شیخ جمل بازی، اور تنگر قلی مغل کو جرانغار کا اوپر کا حصہ تفویض کیا۔

جب دشمن کی موجوں کی طرح بپھری ہوئی صفیں ہمارے سامنے پہنچیں تو معلوم ہوا کہ ان کا زور ہمارے برانغار پر زیادہ ہے۔ اس لئے میں نے عبدالعزیز طرحدار کو حکم دیا کہ برانغار کی کمک پر جائے۔

عجیب بات ہے کہ دشمن جس وقت سامنے آیا تو بڑے تہور، اعتماد اور ترتیب سے آیا۔ ہماری صفیں، اسے دیکھ کر سخت مرعوب ہوئیں اور اس تذبذب میں مبتلا ہو گئیں کہ اس کے سامنے رکیں یا نہیں۔ لڑیں یا پیچھے کو دوڑ پڑیں۔

میں نے اس موقع پر اپنے تیر اندازوں کو ہدایت کی کہ دشمن کے میمنہ و میسرہ کے رخ ہو کر تیر برسانے لگیں۔ میرے حکم کی تعمیل میں برانغار بھی تیر برساتا ہوا دشمن کے عقب میں جا پہنچا۔

جہاں مہدی خواجہ کھڑا تھا۔ ادھر دشمن ایک ہاتھی بڑھا لایا۔ تیر اندازوں نے اس پر کچھ اس طرح تیر برسائے کہ اس کا منہ پھر گیا۔

چونکہ برانغار پر دشمن صفیں پلی پڑ رہی تھیں۔ اس لئے احمد پروانچی، تردی بیگ، قوچ بیگ اور محمد علی خلیفہ کو اس کی مدد کے لئے بھیجا۔

دشمن ہمارے برانغار تک بھی آن پہنچا اور فریقین ایک دوسرے میں گھس گئے۔ میں نے شاہ منصور برلاس، یونس علی، صدر اللہ اور محمدی کوکلتاش کو ہدایت کی کہ وہ قلب میں بھی لڑائی چھیڑ دیں۔

استاد قلی بیگ نے سب سے پہلے دشمن پر آگ برسائی۔ مصطفےٰ توپچی نے بھی گولہ باری کی۔ میرے تیر اندازوں نے دشمن کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا اور دونوں طرف کی صفیں ایک دوسرے پر چڑھ آئیں اور دست بہ دست لڑائی چھڑ گئی۔

لحظہ بہ لحظہ لڑائی شدت اختیار کرتی گئی۔ سواروں کی دوڑ دھوپ کے سبب اس قدر غبار پھیل گیا تھا کہ دشمن میں تمیز مشکل ہو گئی تھی۔

سورج نیزہ بھر بلند ہوا تھا۔ کہ میری فوج نے دشمن کو دبا لیا۔ میری ساری صفیں دشمن صفوں پر چڑھ گئیں۔ وہ انہیں مارتیں کافی دور تک پیچھے لے جاتیں لیکن وہ پھر آگے بڑھ آتیں۔

یہ دوپہر کا وقت تھا جبکہ پیچھے ہٹتا دشمن پیچھے ہی ہٹتا گیا۔ آگے نہ بڑھ سکا۔

خدا اس دن مجھ پر بہت مہربان تھا۔ اس نے میری بڑی مدد کی اور دشمن کو جس کی تعداد بے حد و حساب تھی۔ اس طرح مرعوب کیا کہ میرے آدمی اس کی گردنیں مولی گاجر کی طرح کاٹتے رہے۔ صرف ایک جگہ میرے سپاہیوں نے چھ ہزار لودھی نعشیں ڈھیر کر دی تھیں۔ جدھر نظر اٹھتی نعشیں پھیلی نظر آ رہی تھیں۔

اس وقت تو خیال تھا کہ یہ نعشیں پندرہ بیس ہزار ہوں گی۔ لیکن جب آگرہ پہنچے تو واقف کار ہندوستانی فوجی حکام نے وضاحت کی کہ پانی پت کی لڑائی میں پچاس سے لے کر ساٹھ ہزار کے مابین لودھی فوجی ہلاک ہوئے اور جو بچے انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ میری فوج کے کچھ لوگ ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ یہ تعاقب کرنے والے بہت سے پٹھانوں اور ہاتھیوں کو میرے حضور پکڑ لائے۔

بھاگی ہوئی فوج کے پیچھے بابا چہرہ کو دوڑایا گیا اور اسے حکم دیا گیا کہ ابراہیم لودھی کا خاص طور پر تعاقب کرے اور اسے پکڑ لائے۔ میں خود دشمن کی خیمہ گاہ میں پہنچا اور تباہ شدہ چھاؤنی دیکھی اور سدائی کے کنارے پر ستانے کے لئے رک گئے۔

یہ ظہر کا وقت تھا جبکہ طاہر تبریزی نے بادشاہ ابراہیم لودھی کی نعش پہچان لی۔ یہ کئی نعشوں کے ساتھ پڑی تھی۔ طاہر تبریزی نے اسے دیکھتے ہی اس کا سر کاٹا اور میرے حضور لایا۔[۱۰۷]

سلطان ابراہیم کو محمود خان کا مشورہ:

دوران جنگ افغانوں کی حالت بہت پتلی ہو گئی۔ تاریخ شاہی میں ہے کہ ابراہیم لودھی کے

بہت سے سپاہی لڑے بغیر ہی فرار ہو گئے۔ بہت سے مارے گئے۔ سلطان کے ایک بھائی محمود خان نے اس سے کہا:

"حالت بہت نازک ہو گئی ہے لہٰذا بہتر ہوگا کہ آپ بذات خود جنگ سے گریز کرتے ہوئے میدان جنگ سے نکل آئیں۔ اگر بادشاہ سلامت رہیں گے تو پھر بہت سی فوج جمع ہو جائے گی اور ہم پھر مغلوں سے لڑ سکیں گے۔ بہتر ہے کہ اب ہم وہی کریں جو وقت کا تقاضا ہے۔ آگے جو سلطان کی رائے عالی ہو، وہی ٹھیک ہے۔"

ابراہیم لودھی کا جواب:

ابراہیم لودھی نے جواب دیا:

"محمود خان بادشاہوں کے لئے لڑائی سے منہ پھیرنا ننگ و عار کی بات ہے۔ ذرا دیکھو تو ہمارے سب امراء مصاحب، خیر خواہ اور دوست شربت شہادت پی چکے ہیں اور جا بجا گرے پڑے ہیں۔ (ایسی حالت میں انہیں چھوڑ کر) اب ہم کہاں جائیں؟ ہم اپنے گھوڑے کے پاؤں سینے تک خون میں غرق دیکھ رہے ہیں۔ جب تک ہمارا عہد تھا ہم نے بادشاہی کی اور من مانیاں کیں۔ اب یہ بے وفا آسمان مغلوں کی مرضی کے مطابق چل رہا ہے۔ اب ہمارے زندہ رہنے میں لطف ہی کیا رہ گیا ہے؟ بہتر یہی ہے کہ ہم بھی خاک و خون میں مل کر دوستوں کے ساتھ یکجا ہو جائیں۔"

سلطان ابراہیم کی ثابت قدمی:

اس کے بعد ابراہیم لودھی نے جم کر مقابلہ کیا۔ فوج کی شکست کے باوجود میدان میں ڈٹا رہا۔ اس کے ساتھ پانچ چھ ہزار خاص سپاہی رہ گئے تھے۔ ان کے ساتھ ہی کھڑا مقابلہ کیا۔

مراۃ الافاغنہ میں ہے کہ غازی خان ترین اور دلاور خان خرشین سلطان ابراہیم لودھی کے ہاتھی

کے پاس پہنچ گئے اور لڑتے ہوئے مارے گئے۔(138-A)

سلطان ابراہیم لودھی کی شہادت:

ابراہیم لودھی کے خاص سپاہی بھی اس کے ساتھ ڈٹے رہے اور کٹ کٹ کر مرتے رہے۔ آخر کار ظہر سے ذرا قبل ابراہیم لودھی جنگ لڑتا ہوا مارا گیا۔ بابرنامے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ بابر لکھتا ہے کہ "صرف ایک جگہ میرے سپاہیوں نے چھ ہزار لودھی نعشیں ڈھیر کر دی تھیں۔" آگے وہ تحریر کرتا ہے کہ "یہ ظہر کا وقت تھا جبکہ طاہر تبریزی نے بادشاہ ابراہیم لودھی کی نعش پہچان لی۔ یہ کئی نعشوں کے ساتھ پڑی تھی۔ طاہر تبریزی نے اسے دیکھتے ہی اس کا سر کاٹا اور میرے سامنے لایا" [139]۔ تاریخ شاہی میں یوں درج ہے:

"جب اس کی شہادت کی خبر بادشاہ بابر کو ملی تو اس نے دلاور خان کو بھیجا کہ تحقیق کرے۔ وہ میدان قتال میں آیا اور اس نے آکر سلطان ابراہیم کو خاک و خون میں لت پت دیکھا، جبکہ اس کا تاج سر سے جدا پڑا تھا اور سائبان جدا۔ دلاور خان نے یہ حال دیکھا تو رو پڑا اور جا کر (جو دیکھا تھا) عرض کر دیا۔ بابر بادشاہ بنفس نفیس وہاں پہنچا۔ اس چار تکیوں والے تخت پر بیٹھنے والے سلطان کو خاک و خون میں لت پت دیکھا تو اس کی اس عبرت ناک حالت کو دیکھ کر کانپ اٹھا۔ اس کا سر زمین سے اٹھایا اور کہا: "آفرین ہے تمہاری جواں مردی پر" اور پھر حکم دیا کہ زربفت کے پارچے لائیں اور قند سے حلوا تیار کریں۔ دلاور خان، امیر خلیفہ اور جہانگیر قلی کو کہا کہ سلطان مرحوم کو غسل دے کر جہاں مرتبہ شہادت کو پہنچا ہے، وہیں پر دفن کر دیں" [140]۔

افسانہ شاہان کا بیان:-

افسانہ شاہان میں ابراہیم کے آخری حالات کے بارے میں یوں درج ہے:

جب یہ خبر ابراہیم کو پہنچی تو ابراہیم نے خود بابر بادشاہ پر چڑھائی کی اور پانی پت

کے میدان میں مقابلہ ہوا۔ پس دونوں بادشاہوں میں عظیم جنگ ہوئی آخر بابر بادشاہ کو فتح ہوئی اور ابراہیم میدان جنگ میں مارا گیا۔ بیت

چنانیست آئین آورد گاہ
یکی خاک یابد دیگر تاج و گاہ

اور ابراہیم کے ساتھ دولت خان کے دو بیٹے جو قید خانے میں تھے وہ دونوں بھی جنگ میں حاضر تھے۔ انہوں نے بہت بہادری دکھائی۔ آخر کار ایک لڑکا مارا گیا اور دوسرا سخت زخمی ہوا۔ آخر بابر بادشاہ کے لوگ اسے پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گئے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ خان خانان کے سامنے لے جاؤ۔ جب اسے اس کے سامنے لے گئے تو ایک ملازم نے اسے دیکھ لیا اور شناخت کر کے رو کر بولا کہ یہ تمہارا بھائی فلاں ہے۔ خان خانان نے کہا کہ اسے میرے سامنے سے دور کرو اور اس کا سر کاٹ دو، آخر قتل کر دیا گیا"[242]۔

سلطان ابراہیم کے بیٹے کا قتل:

افسانہ شاہان میں اس حوالے سے یوں درج ہے:

"اور سلطان ابراہیم نے 27 سال اور 9 روز اور تیرا گھڑی بادشاہی کی۔ جب ابراہیم مارا گیا تو اس کا ایک بیٹا جس کی عمر سات سال تھی قید میں آ گیا جب بابر بادشاہ کی خدمت میں لے گئے تو بابر بادشاہ نے آفتابہ طلب کر کے اس کے ہاتھ میں دیا کہ مجھے وضو کراؤ۔ وہ بادشاہ کا بیٹا تھا۔ ایسے کام کبھی نہ دیکھے تھے کہ وضو کراتا۔ پس بادشاہ نے غصے میں آ کر وہی آفتابہ اس کے سر پر مار دیا کہ وہ لڑکا اسی جگہ مر گیا"[243]۔

افسانہ شاہان کا تبصرہ:

"اور ابراہیم لودھی کی جس نے اتنا برا سلوک کیا اور بزرگ امرا کو اس طرح سے بے عزت کر کے قتل کیا اور رائے دینے والوں کی بات بھی نہ سنی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حق تعالیٰ اس کو اور اس کی قوم کو تباہ کرنا چاہتا تھا۔ اسی طرح سے اس کے بیٹے کو بھی تکلیف دی۔ اگر عقلمندوں کے پاس جاتا

اور مشیروں ۔ کرمشورے سنتا تو اس طرح سے بے عزت ہو کر اپنا سر کیوں کٹواتا۔ اتنا معصوم بچہ کیوں مارا جاتا۔ اگر خدا تعالیٰ اس کو اور اس کی قوم کو رکھنا چاہتا تو اسے اس کے باپ جو سلطان سکندر تھا کا شیوہ عطا کرتا۔ جیسے ہی سلطان سکندر نے عین جنگ میں میاں مبارک خان کو پایا تو اسی وقت اسے نواز کر جونپور روانہ کر دیا تھا [101]۔

طبقات بابری کی مبالغہ آرائی:

بابر کے کانپ اٹھنے والی بات بابرنامے میں درج نہیں ہے۔ طبقات بابری میں جو یہ درج ہے کہ ابراہیم لودھی میدان جنگ سے فرار ہوا اور تعاقب میں مارا گیا [102]۔ یہ سراسر غلط ہے اور مبالغہ آرائی ہے۔ افغان تواریخ کے علاوہ خود بابر بادشاہ اور دیگر مغل مورخین بھی یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم لودھی میدان جنگ میں ہی لڑتا ہوا مارا گیا جبکہ زین خان بھی کہتا ہے کہ وہ کئی فوجیوں کے درمیان مرا پڑا تھا [103]۔

فریقین کی فوجوں کی تعداد کا تعین:۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس جنگ میں کس بادشاہ کے پاس کتنی فوج تھی۔ کیونکہ اس حوالے سے مغلوں نے بہت مبالغہ آرائی کی ہے اور بتایا ہے کہ بابر صرف 12 ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا اور پانی پت میں بھی اتنی فوج کے ساتھ لڑا [104]۔ دراصل بابر جب کابل سے چلا تو اس کے ساتھ 10 یا 12 ہزار فوجی ہی تھے [105]۔ لیکن بعد ازاں اس کی فوج میں اضافہ ہوتا چلا گیا [106]۔ اسے دلاور خان وغیرہ کی بھی فوجی حمایت حاصل تھی۔ نیز عالم خان وغیرہ کے مفرور افغان دستے بھی اس کے ساتھ آن ملے تھے [107]۔ افسانہ شاہان میں اس کی فوج کی تعداد 30 ہزار درج ہے [108]۔ بابر نے صرف یہ ظاہر کرنے کو کہ اسے یہ فتح بڑی فوج کے مقابلے میں ملی ہے اور اس میں خدا کا فضل خاص طور پر اس کے ساتھ تھا، اپنی فوج کی تعداد گھٹا کر بیان کی ہے جبکہ ابراہیم لودھی کی فوج بڑھا کر بیان کی ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ بابر کے مقابلے پر ابراہیم کی ایک لاکھ یا اس سے زائد سوار لے کر نکلا مگر اس کے اکثر سپاہی بغیر لڑے ہی بھاگ گئے تھے اور اس سے بیزار تھے [109]۔ اس لئے ابراہیم لودھی کی فوج کی تعداد پانی پت

کی جنگ میں پچاس ہزار سپاہیوں اور 2 ہزار ہاتھیوں سے زائد نہ تھی جیسا کہ تاریخ شاہی میں بھی ہے[152] اس کے برعکس مغلوں کی فوج کم از کم 24 ہزار سپاہیوں تک ہو گئی تھی[153] اور ان کے پاس ہاتھی بھی تھے۔ بابر کے شریک اور معتمد ساتھی زین خان کا بیان ہے کہ ابراہیم لودھی تقریباً ایک لاکھ سپاہی اور ایک ہزار ہاتھی لایا تھا جبکہ بابر کی فوج کی تعداد بہتر ہزار (72,000) سواروں پر مشتمل تھی جبکہ اس کے پاس ہاتھی 120 تھے[154]۔ اس میں سے دس ہزار سپاہی خاص بابر کے تھے بالکل اس طرح جس طرح ابراہیم لودھی کے خاص آدمی پانچ یا چھ ہزار تھے جو اس کے ساتھ کٹ مرے۔ سید حسن عسکری نے اپنے ترجمے اور حواشی میں درج کیا ہے کہ زین خان نے بہتر ہزار فوج کی تعداد ابراہیم لودھی کی بتائی ہے۔ لیکن متن سے ظاہر ہے کہ زین خان یہ تعداد بابر کی بتاتا ہے۔ کیونکہ اس نے جس فوج کی 72 ہزار بیان کیا ہے اس کے بادشاہ کے لئے تعظیمی کلمات استعمال کئے ہیں جن کا ترجمہ سدی حسن عسکری نے (The Lord of Happy Conjunction" کیا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کسی مغل مصنف بشمول بابر و زین خان نے ابراہیم لودھی کے لئے اس طرح کے الفاظ استعمال نہ کئے ہیں اور اسے صرف ابراہیم لودھی یا سلطان ابراہیم لودھی کہہ کر مخاطب کیا۔ مغلوں کی کتب میں تعظیمی القاب ہمیشہ بابر کے لئے استعمال ہوئے ہیں[155]۔

مراۃ الافاغنہ میں ہے کہ سلطان ابراہیم کے پاس ایک لاکھ سوار اور پانچ ہزار ہاتھی تھے لیکن ان میں سے اکثر فرار ہو گئے دوسری جانب بابر کے پاس پچاس ہزار مغل سوار اور ہاتھی تھے جبکہ بابر کی حمایت میں پچاس ہزار سوار افغان بھی تھے جو دولت خان لودھی' غازی خان ترین' عالم خان یوسف زئی اور دلاور خان خرشبین کی زیر کمان تھے۔ (155-A)

سلطان ابراہیم لودھی کی شکست کے اسباب:

ضروری ہے کہ ابراہیم لودھی کی شکست کے اسباب پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔

(1) پہلا سبب میدان جنگ میں اس کی شکست کا یہ تھا کہ اس کی فوج نفسیاتی طور پر مغلوب تھی۔ وہ اس سے نالاں تھی اور بہت سے سپاہی بڑے لڑے فرار ہو گئے تھے۔ یوں ان میں عصبیت اور اتحاد کا فقدان تھا۔ اسی وجہ سے تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود اس کی فوج شکست کھا گئی۔

علامہ ابن خلدون نے اس طرح کی کئی مثالیں دی ہیں کہ جب عصبیت کی کمزوری کی وجہ سے بڑی تعداد کی فوج چھوٹی تعداد سے شکست کھا جاتی ہے[236]۔

(2) دوسرا سبب یہ تھا کہ اس کی فوج کی صف بندی درست نہیں تھی جب وہ مقابلے کے لئے آگے بڑھیں تو بے ترتیبی سے آگے بڑھیں: چنانچہ بابر نے لکھا ہے کہ:

"میری مخبر خبر لائے کہ دشمن سوار ہو گیا اور اس کی صفیں موجوں کے سے انداز میں بھر بھر کر آگے کو دوڑ رہی ہیں"[237]۔

البتہ آگے وہ لکھتا ہے کہ:۔

"دشمن .... بڑے تہور، اعتماد اور ترتیب سے آیا"[238]۔

اس کا مطلب ہے کہ اس کی بیرونی صفیں تو ترتیب سے تھیں مگر اندرونی صفیں درست نہیں تھیں اور یہی چیز جنگ میں نقصان دہ ہوئی۔

(3) تیسرا سبب یہ تھا کہ بابر کی فوج چھاپے مار کر ابراہیم کی فوج کو مرعوب کرتی مگر ابراہیم نے چھاپہ مار کارروائی کر کے بابر کی فوج کو مرعوب نہ کیا۔ یوں اسے نفسیاتی غلبہ حاصل نہ ہو سکا[239]۔

(4) چوتھا سبب یہ تھا کہ ابراہیم لودھی نے پانی پت پہنچ کر اپنا بہت وقت ضائع کیا۔ جب بابر پانی پت میں خیمہ زن ہوا تو ابراہیم کو اس کی خیمہ بندی کے دوران ہی اس پر حملہ کر کے اس کا صفایا کرنا چاہئے تھا جو اس نے نہ کیا اور دشمن کو سنبھلنے کا موقع مل گیا[240]۔

(5) پانچواں سبب یہ تھا کہ بابر کے پاس اچھا توپ خانہ تھا جو جدید طرز کا تھا۔ اس کے مقابلے پر ابراہیم لودھی کے پاس توپ خانہ نہیں تھا۔ اس نئی تکنیک نے بابر کی فتح کو یقینی بنایا[241]۔

(6) چھٹا سبب یہ تھا کہ ابراہیم لودھی کے پاس سپاہی تو بہت تھے مگر امراء اور ماہر افسران کی کمی تھی۔ اس کے اکثر امراء یا تو خود اس کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے یا پھر اس سے باغی ہو گئے تھے۔ اس کے پاس کثیر تعداد میں موجود سپاہیوں کو منظم کرنے اور جنگی مہارت رکھنے والے سرداروں اور امراء کی کمی تھی۔

(7) ساتواں سبب یہ ہوا کہ جب بابر نے چوتھے حملے میں پنجاب پر قبضہ کر لیا تو بھی ابراہیم لودھی خاموش رہا اور اس نے اس کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی۔ اس طرح سے پنجاب میں اس کا اثر ختم ہو گیا اور پنجاب مغلوں کے زیر اثر چلا گیا۔ اس چیز سے سلطان ابراہیم کی ساکھ پر بہت برا اثر پڑا۔ اکثر امراء اس سے باغی ہو گئے۔ اور عوام و فوج میں اس کی ساکھ متاثر ہوئی۔ یہی چیز پانی پت کی جنگ میں اس کی فوج کے دلوں میں تھی۔

شادی اور اولاد:

سلطان ابراہیم نے شادی بھی کی۔ اس کی ایک بیوی راجہ گوالیار کی بیٹی تھی [282] جس سے شادی 1518ء میں کی گئی تھی۔ اس کا ایک لڑکا بھی تھا۔ جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ افسانہ شاہان میں درج ہے کہ بابر نے اسے غلام بنا لیا اور ایک روز غصے میں اس کے سر پر تھال مارا جس سے وہ مر گیا۔ اس کی عمر 7 سال درج ہے [283]۔ امکان ہے کہ یہ راجہ گوالیار کی بیٹی کے بطن سے ہی ہوگا جیسا اس کی عمر سے ظاہر ہے۔ بابر نامے میں بابر نے سلطان ابراہیم کے ایک لڑکے کا ذکر کیا ہے مگر اس کا نام نہیں دیا۔ اسے اس کی دادی کے ساتھ (یعنی سلطان ابراہیم کی ماں کے ساتھ) افغانستان بھیجنے کا حکم دیا گیا تھا [284]۔ مسز بیورج کا خیال ہے کہ یہ لڑکا کم عمر ہوگا اسی وجہ سے اس کا نام بابر نے درج نہ کیا۔ اس بات کا امکان ہے کہ افغانستان بھیجے کا حکم دینے کے بعد وہ لڑکا بابر کی چوٹ سے مر گیا ہو اور یہ بات غیر اہم سمجھ کر بابر نے درج نہ کی ہو۔ سلطان ابراہیم کی ایک بیٹی بھی تھی جس کی شادی بنگال کے بادشاہ سے سلطان ابراہیم کے مارے جانے کے بعد ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ سلطان ابراہیم کے اولاد کافی دیر سے ہوئی [285]۔

عمر و مدت حکومت:

سلطان ابراہیم کی عمر بوقت وفات 75 سال تھی۔ اس کی مدت حکومت 8 سال 8 ماہ رہی [286]۔

مدفن:

سلطان ابراہیم لودھی کی پانی پت میں اسی جگہ دفن کر دیا گیا جہاں پر وہ مارا گیا تھا [287]۔

ابراہیم لودھی کا مزار قصبہ "کالا آم" سے آٹھ کلومیٹر دور اور مسجد کابلی باغ پانی پت سے چار کلو میٹر کے فاصلے پر شمال میں تحصیل روڈ شہر پانی پت ضلع ہریانہ (بھارت) میں ہے۔ ابتداء میں یہاں پر صرف ایک مزار ہی تھا جو ابراہیم لودھی کا تھا۔ ہریانہ کے ایک گورنر جی۔ ڈی تپاسی نے اس کے مزار پر ایک باغ (پارک) بنوا دیا اور جنگ کے میدان "کالا آم" کو بھی ٹورسٹ سینٹر کا درجہ دے دیا۔ پانی پت کا میدان جنگ جہاں پر اس وقت جنگ ہوئی پانی پت شہر سے لے کر کالا آم قصبہ تک اور شمال میں کابلی باغ تک تھا۔

ابراہیم لودھی کے مزار کا احاطہ 29 مربع فٹ اور اس کے ایک گوشے میں دیوار کے اوپر درج ذیل کتبہ نصب ہے:

"قبر بادشاہ ابراہیم لودھی جو بمقابلہ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ پانی پت کی بڑی لڑائی واقع 1526ء مطابق 936ھ میں اپنی فوج کے ساتھ قتل ہوا اور اس کی قبر کی مرمت اور درستی 1927ء میں ہوئی۔

(نوٹ: ہماری اس کتاب کے ٹائٹل پر ابراہیم لودھی کی قبر کی تصویر ہے)۔

ابراہیم لودھی کے مزار کے ساتھ اس ہاتھی کی قبر بھی ہے جس پر لڑتے ہوئے ابراہیم لودھی مارا گیا تھا۔ ابراہیم لودھی کے مزار کے چبوترے کے نیچے اس کے ایک محافظ و جرنیل کی قبر بھی ہے۔(168)

یہیں پر ایک ہندو جرنیل کی سمادھی بھی ہے جو ابراہیم لودھی کا ساتھی تھا اور اس کے ہمراہ لڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔ (معلومات انٹرنیٹ)

maablib.org

حواشی

(1) مخزن (فارسی) جلد دوم صفحہ 616-607

(2) جام جم صفحہ 35

(3) تاریخ شاہی صفحہ 78

(4) طبقات جلد اول صفحہ 468؛

(5) افسانہ شاہان صفحہ 59

(5-A) بابر نامہ

(6) جام جم صفحہ 34

(6-A) مراۃ الافاغنہ ص 152

(7) بابر نامہ (بیورج) صفحہ 541

(8) طبقات جلد اول صفحہ 490

(8-A) مراۃ الافاغنہ ص 194

(8-B) مخزن (اردو) ص 223

(8-C) مراۃ الافاغنہ ص 152

(9) واقعات مشتاقی صفحہ 101

(10) طبقات جلد اول صفحہ 453

(11) افسانہ شاہان صفحہ 59

(12) مخزن (اردو) صفحہ 180؛ مخزن (فارسی)

(13) طبقات جلد اول صفحہ 468

(14) مخزن (اردو) صفحہ 1-190: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 31-229

(15) طبقات جلد اول صفحہ 486

(16) ایضاً

(17) مخزن (اردو) صفحہ 190 (فارسی) جلد اول صفحہ 31-229

(17-A) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 409

(18) مخزن (اردو) صفحہ 191: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ: 1-230 طبقات جلد اول 486

(19) ایضاً صفحہ 191: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ: طبقات جلد اول 486

(20) ایضاً

(20-A) مراۃ الافاغنہ ص: 136-135

(21) تاریخ فرشتہ ص 191

(22) تاریخ شاہی (فارسی متن) صفحہ 665 حاشیہ۔

(23) طبقات جلد اول صفحہ 487: مخزن (اردو) صفحہ 191: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 231-232

(24) ایضاً: مخزن (اردو) صفحہ 192: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 232

(25) ایضاً

(26) ایضاً

(27) ایضاً

(28) ایضاً

(29) ایضاً

(30) طبقات جلد اول صفحہ 488، مخزن (اردو) صفحہ 193: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 234-235

maablib.org

(31) ایضاً

(32) ایضاً؛ مخزن (اردو) صفحہ 194؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 236-235

(33) ایضاً

(34) ایضاً

(35) ایضاً

(36) ایضاً صفحہ 489؛ مخزن (اردو) صفحہ 195؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 237

(37) ایضاً صفحہ 90-488؛ مخزن (اردو) صفحہ 195؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 237

(38) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 410

(39) طبقات جلد اول صفحہ 90-489؛ مخزن (اردو) صفحہ 195؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 238

(40) ایضاً صفحہ 491؛ مخزن (اردو) صفحہ 195؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 239-238

(41) مخزن (اردو) صفحہ 195؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 239

(42) طبقات جلد اول صفحہ 491۔

(43) فرشتہ جلد دوم صفحہ 410۔

(44) طبقات جلد اول صفحہ 2-491؛ مخزن (اردو) 195 مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 239؛ تاریخ فرشتہ 410 جلد دوم

(45) ایضاً

(46) ایضاً

(47) ایضاً

(48) ایضاً

(49) ایضاً؛ مخزن (اردو) صفحہ 197؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ: 240 تاریخ فرشتہ جلد دوم

صفحہ 411

(50) ایضاً

(51) ایضاً صفحہ 492: مخزن (اردو) صفحہ 198: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 242-241:
تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 411

(51-A) مراۃ الاقاغنہ ص140

(52) مخزن (اردو) صفحہ 198: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 242-241

(53) طبقات جلد اول صفحہ 492

(54) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 411

(55) افسانہ شاہان صفحہ 63

(56) ایضاً صفحہ 64

(57) طبقات جلد اول صفحہ 492: مخزن (اردو) صفحہ 198: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ
242: تاریخ فرشتہ جلد دوم 410: واقعات مشتاقی صفحہ 82: تاریخ داؤدی صفحہ
84، 90۔

(58) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 2-431

(58-A) مراۃ الاقاغنہ ص140

(59) مخزن (اردو) صفحہ 198: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ

(60) ایضاً صفحہ 198: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 243-242

(61) طبقات جلد اول صفحہ 447: مخزن (اردو) صفحہ 101۔

(62) ایضاً صفحہ 462: مخزن (اردو) صفحہ 165-164

(63) ایضاً صفحہ 466: مخزن (اردو) صفحہ 167-166

(64) مخزن (اردو) صفحہ 199: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 245-244

(65) بابر نامہ (بیورج) صفحہ 605-614

(66) طبقات جلد اول صفحہ 492؛ مخزن (اردو) صفحہ 90-189؛ تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 411۔

(67) ایضا صفحہ 494؛ مخزن (اردو) صفحہ 200؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 247-246ب تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 411

(68) ایضا

(69) تاریخ شاہی صفحہ 86

(70) طبقات جلد اول صفحہ 493؛ مخزن (اردو) صفحہ 200-199؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 245

(71) مخزن (اردو) صفحہ 200-199؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 245

(72) تاریخ شاہی صفحہ 86

(73) ایضا

(74) ایضا صفحہ 87-86

(75) طبقات جلد اول صفحہ 494

(76) تاریخ شاہی صفحہ 88-86

(77) افسانہ شاہان صفحہ 65

(78) طبقات جلد اول صفحہ 489؛ مخزن (اردو) صفحہ 194؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 236-235؛ تاریخ شاہی صفحہ 72۔

(79) تاریخ شاہی صفحہ 87

(80) طبقات جلد اول صفحہ 494؛ مخزن (اردو) صفحہ 201؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 248-247

(81) ایضاً

(81-A) ایضاً

(82) ایضاً

(82-A) مراۃ الافاغنہ ص 143

(83) طبقات جلد اول صفحہ 495: مخزن (اردو) 3-202: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 248

(84) ایضاً

(85) ایضاً: مخزن (اردو) صفحہ 203: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 250-49ء

(86) ایضاً

(87) ایضاً صفحہ 6-495: مخزن (اردو) صفحہ 4-203: مخزن (فارسی) جلد اول

صفحہ 252-250

(88) ایضاً صفحہ 496: مخزن (اردو) 204: مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 252-252

(89) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 430۔

(90) ایضاً

(91) ایضاً

(92) ایضاً صفحہ 1-430

(93) ایضاً صفحہ 431

(94) افسانہ شاہان صفحہ 68

(95) واقعات مشتاقی صفحہ 164-154

(96) ایضاً صفحہ 169-164۔

(96-A) مراۃ الافاغنہ ص 146

(97) واقعات مشتاقی صفحہ 5-103

(98) بابرنامہ (بیورج) صفحہ 3-382

(99) طبقات جلد سوم صفحہ 520

(100) بابرنامہ (بیورج) صفحہ 3-382

(101) تاریخ شاہی صفحہ 91۔

(102) ایضاً

(103) افسانہ شاہان صفحہ 73

(104) طبقات جلد اول صفحہ؛ مخزن (اردو) صفحہ 205؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 253 تاریخ شاہی صفحہ 90۔

(105) بابرنامہ (بیورج) صفحہ 5-442,451

(106) افسانہ شاہان صفحہ 74۔

(107) طبقات جلد اول صفحہ 496؛ مخزن (اردو) صفحہ 205؛ تاریخ داؤدی صفحہ 100-99

(108) تاریخ شاہی صفحہ 90

(109) افسانہ شاہان صفحہ 4-73

(109-A) مراۃ الافاغنہ ص 152

(110) طبقات جلد اول صفحہ 496؛ مخزن (اردو) صفحہ 205؛ مخزن (فارسی) جلد اول صفحہ 254253-؛ ریخ شاہی صفحہ 91؛ تاریخ داؤدی صفحہ 100

(110-A) مراۃ الافاغنہ ص 148

(110-B) مراۃ الافاغنہ ص 152

(111) ہمایوں نامہ (اردو) صفحہ 19۔

(112) تاریخ شاہیہ صفحہ 92-91

(113) افسانہ شاہان صفحہ 73۔

(114) تاریخ ہمایون صفحہ 93۔

(115) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 3-431

(116) تاریخ شاہی صفحہ 94

(117) ایضاً۔ 5-94۔

(118) بابر نامہ (اردو) صفحہ 8-176: مخزن (اردو) صفحہ 7-206: مخزن (فارسی) جلد اول

صفحہ 256-255

(119) تاریخ شاہی 93۔

(120) ہمایوں نامہ (اردو) صفحہ 19۔

(121) بابر نامہ (بیورج) صفحہ 451: بابر نامہ (اردو) صفحہ 4-171

(122) تاریخ شاہی صفحہ 93

(123) بابر نامہ (بیورج) صفحہ 461: بابر نامہ (اردو) صفحہ 181-174

(124) افسانہ شاہان صفحہ 74

(125) بابر نامہ (اردو) صفحہ 2-181

(126) افسانہ شاہان صفحہ 74۔

(127) بابر نامہ (بیورج) صفحہ 466-465: بابر نامہ (اردو) صفحہ 4-183

(128) ایضاً

(129) تاریخ شاہی صفحہ 96۔

(130) ایضاً

(131) ایضاً صفحہ 97۔

(132) بابر نامہ (بیورج) صفحہ 468-467

(133) بابر نامہ (بیورج) صفحہ 470: بابر نامہ (اردو) صفحہ 7-186

(134) ایضاً صفحہ 471-470 : بابر نامہ (اردو) صفحہ 8-187

(135) ایضاً (اردو) صفحہ 190-188 : بابر نامہ (بیورج) صفحہ 474-472

(136) تاریخ شاہی صفحہ 99-98

(137) ایضاً صفحہ 99

(138) ایضاً

(138-A) مراۃ الافاغنہ ص 152

(139) بابر نامہ (اردو) صفحہ 190 : بابر نامہ (بیورج) صفحہ 474

(140) تاریخ شاہی صفحہ 100

(141) افسانہ شاہان صفحہ 74

(142) ایضاً صفحہ 75

(143) ایضاً

(144) طبقات بابری صفحہ 89

(145) ایضاً

(146) بابر نامہ (بیورج) صفحہ 480 : بابر نامہ (اردو) صفحہ 174 : تاریخ شاہی صفحہ 91 : تاریخ رشیدی صفحہ 8-357

(147) بابر نامہ (اردو) صفحہ 174 : تاریخ شاہی 94۔

(148) بابر نامہ (اردو) صفحہ 218۔

(149) ایضاً صفحہ 457,461,474,567,439,441,444,455,465 : بابر نامہ (اردو) صفحہ 178۔

(150) افسانہ شاہان صفحہ 74۔

(151) تاریخ شاہی صفحہ 98-97

(152) ایضاً صفحہ 97

(153) ایضاً

(154) طبقات بابری صفحہ 80

(155) دیکھئے طبقات اکبری، طبقات بابری، تاریخ بدیوانی وغیرہ۔

(155-A) مراۃ الافاغنہ ص 151-152

(156) مقدمہ ابن خلدون جلد اول

(157) بابر نامہ (بیورج) صفحہ 472؛ بابر نامہ (اردو) صفحہ 188

(158) ایضاً

(159) ایضاً صفحہ 468-471 ؛ بابر نامہ (اردو) صفحہ 187

(160) ایضاً

(161) ایضاً صفحہ 473 ؛ بابر نامہ (اردو) صفحہ 189

(162) تاریخ شاہی صفحہ 86

(163) ایضاً صفحہ 5-74

(164) بابر نامہ (بیورج) صفحہ 544۔

(165) طبقات جلد سوم ص 274

(166) از ذی قعد 923 ھ تا 8-رجب 932 ھ۔

(167) تاریخ شاہی صفحہ 100۔

(168) پنجاب و ہریانہ کی تاریخی مساجد از عطاء الرحمٰن قاسمی 2000ء انبالہ پنجاب وقف بورڈ ص 304-305

باب نمبر 22

سلطان ابراہیم کے دور میں بادشاہ اور امراء کے تعلقات

سلطان ابراہیم کے اپنے امراء سے تعلقات کے بارے میں ہمارے مورخین اور لوگوں کے ذہن میں بہت سی غلط باتیں ہیں۔ مآخذات کا غور سے جائزہ اس طرح کرح کے مغالطوں کو دور کر دیتا ہے۔

سلطان سکندر کی پالیسی کا تسلسل:

سلطان ابراہیم تخت نشینی کے وقت اپنی عمر کی سترویں دھائی میں تھا۔ عرصے سے اپنے باپ سکندر لودھی کے ساتھ رہا تھا اور تمام حالات کا بغور جائزہ لیا کرتا تھا۔ بہت خوش اخلاق تھا۔ اس نے اپنے باپ کی پالیسی کو ہی اپنے باپ کی کامیابی کا راز جانا لہٰذا ہر جگہ پر اپنے باپ کی پیروی کی۔

مضبوط عصبیت کا دور:

اپنی سلطنت کے ابتدائی دور میں ابراہیم کو تمام افغان قبائل کی اور سرداروں کی عصبیت حاصل تھی۔ شروع میں اعظم ہمایوں سروانی نے اس کی مخالفت میں جلال خان کا ساتھ دیا تھا مگر بعد ازاں وہ بھی اس سے آن ملا تھا[1]۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جلال خان کے ساتھ کوئی بڑا سردار یا امیر نہ رہا تھا۔ جب وہ آگرے پر حملے کی غرض سے نکلا تو اس ساتھ صرف قطب خان کے اہل خانہ اور دو عہدیدار تھے جن کو وہ قلعہ کالپی میں ہی چھوڑ گیا تھا[2]۔ اس طرح سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام امراء اس کے حامی نہیں تھے۔ جلال خان کی شکست کے بعد اس کے تمام امراء ابراہیم سے آن ملے[3]۔

سلطان ابراہیم کے پاس سب سے زیادہ لودھی قبیلے کے لوگ تھے۔ یہ لوگ آخر تک اس کے ساتھ رہے اور ان ہی پر اس کا خاصہ خیل مشتمل تھا۔ چنانچہ بابر نامے میں وضاحت ہے کہ پانی پت میں صرف ایک ہی جگہ پر پانچ چھ ہزار لودھی کٹے پڑے تھے اور ابراہیم لودھی ان کے درمیان تھا[5]۔ لودھی قبیلے کے بعد ابراہیم لودھی کو لوحانی، سروانی قبیلوں کی حمایت حاصل تھی۔ اس کے بعد کاکڑ، توخ، فرملی اور سور قبیلوں کا نمبر آتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ فرملی تعداد میں بہت زیادہ تھے اور نصف اراضی پر ان کا قبضہ تھا۔ مقامی لوگوں میں سے کنبوہ قوم کے بہت سے لوگ ابراہیم لودھی کے ساتھ تھے[6]۔ میاں بھووہ کو اگرچہ ابراہیم نے معزول کر کے قید کر دیا تھا مگر اسے بیٹے دلاور خان کی اسے پوری پوری حمایت حاصل تھی۔ پنجاب کا دولت خان لودھی بھی اسکے ساتھ پوری طرح سے متفق تھا۔

حکمران قبائل میں عصبیت کا خاتمہ:

سلطان ابراہیم کے دور کے آخر میں حکمران کی افغان عصبیت ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ افراتفری کا شکار تھے۔ تاریخ شاہی میں درج ہے کہ:

> اپنی ستر سالہ سلطنت کے دوران افغان بڑے دولت مند ہو چکے تھے۔ (ان میں سے اکثر) نے اپنے گھربار، مال ومتال اور خزانوں سے دست بردار ہو کر بنگال کی راہ لی۔ ان کے درمیان عجب تفرقہ رونما ہوا[7]۔

اس سے ظاہر ہے کہ سلطان ابراہیم سے امراء کی ناراضگی کا ایک سبب ان کی قبائلیت کا شہریت میں تبدیل ہو جانا بھی تھا۔

امراء سے حسن سلوک:

سلطان ابراہیم نے اپنے موافق امراء سے ہمیشہ نیک سلوک کیا۔ ان کو جاگیریں دیں، انعامات عطا کیے۔ مزید انعامات دینے کا وعدہ کیا اور ان کی ہر طرح سے دل جوئی کرنے کی کوشش کی[8]۔

سپاہیوں سے حسن سلوک:

سپاہیوں سے بھی اس کا سلوک اچھا تھا۔دوبارہ تخت نشینی کے موقع پر اس نے عام سپاہیوں کو بھی انعامات سے نوازا[8]۔جب پانی پت کے میدان میں آیا تو اپنا سارا خزانہ بھی ساتھ لے آیا اور اپنے امراء اور عام فوجیوں میں بیش بہا زر و جواہر، موتی اور اشرفیاں تقسیم کیے[9]۔یہی وجہ ہے کہ پچاس ہزار سپاہی اس کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے[10]۔اور اس کے مرنے کے بعد بھی اسکے مقرر کردہ افغان اور غیر افغان، دونوں طرح کے مقطاع، حکام اور ناظموں نے مغلوں کی زبردست مزاحمت کی[11]۔

مشکوک و مخالف امراء کے خلاف اقدامات:۔

سلطنت کے استحکام کے بعد ابراہیم لودھی نے اپنے باپ اور دادا کی پالیسی کے مطابق ایسے تمام امراء کو یکے بعد دیگرے منظر سے ہٹانے کا فیصلہ کیا جو اس کی تخت نشینی کے بعد کسی نہ کسی طرح اس کی مخالفت کر چکے تھے۔بہلول لودھی نے درج ذیل امراء کو منظر سے ہٹا دیا تھا جو کہ اس سے بھی مخالفت کر چکے تھے:

(1) قطب خان افغان[12]۔

(2) رائے پرتاپ[13]۔

(3) میری مبارز (مبارک) خان بہتہ[14]

(4) احمد خان میواتی[15]

سلطان سکندر نے بھی یہی کیا جس سردار یا امیر نے کسی موقع پر اس کی مخالفت کی یا اس کے خلاف سازش کی تو اس نے ان کو فوراً منظر سے ہٹایا تھا۔خواہ قید کیا یا قتل کیا یا جلاوطن کیا ہو۔مثلاً

(1) باربک شاہ برادر سلطان سکندر لودھی[16]۔

(2) میاں حسین فرملی[17]۔

(3) میاں سلیمان فرملی[18]۔

(4) رائے کچھش[19] ۔

(5) سعید خان سروانی[20] ۔

(6) تاتار خان، حاکم جھترہ۔[21] ۔

(7) محمد شاہ[22] ۔

(8) رائے ہتا یک دیو راجہ دھولپور[23] ۔

(9) بابو خان[24] ۔

(10) سلطان اشرف[25] ۔

(11) ہیبت خان جلوانی[26] ۔

(12) دیگر امراء جو 22 سازشی امراء میں سے تھے[27] ۔

اب سلطان ابراہیم نے بھی یہی کیا۔ جو جو امراء بھی اس کے مخالف رہے تھے ان کو معزول کرنا اور منظر سے ہٹانا شروع کر دیا:

(1) اعظم ہمایوں سروانی جس نے جلال خان کے مقابلے پر ابراہیم کی مخالفت کی تھی[28] ۔

(2) فتح خان سروانی پسر اعظم ہمایوں جو جلال خان کی وزارت کے لالچ میں ابراہیم کا مخالف ہوا تھا[29] ۔

مذکورہ بالا دو کو قید کیا گیا جس میں سے اعظم ہمایوں قید میں ہی مر گیا۔

(3) اسلام خان سروانی پسر اعظم ہمایوں۔ اس نے بغاوت کی اور مقابلے میں مارا گیا[30] ۔

اگر چہ سلطان نے میاں بھووہ کو بھی قید کیا تھا مگر اس کا لڑکا ولاور خان سلطان کا فرمان بردار رہا اور سلطان نے اسے باپ کی جگہ مقرر کیا[31] ۔ اسلام خان کا رویہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ لہٰذا اس کا مقابلہ حکومت کا رعب قائم رکھنے کی غرض سے ضروری تھا۔

(4) سعید خان لودھی یہ پہلے شہزادہ جلال خان کا حمایتی تھا[32] پھر یہ بغاوت

کر کے اسلام خان سے جا ملا تھا لہٰذا قید ہو گیا۔ بعد ازاں اسے میاں حسین فرملی کے مقابلے پر رہا کر دیا گیا مگر اس نے میاں حسین سے بھی بے وفائی کی اور میاں حسین کے خلاف راناسے مل گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بالکل اکیلا رہ گیا اور شراب خوری میں فوت ہو گیا"۔

(5) میاں حسین فرملی اس سے دراصل سلطان سکندر ناراض ہو گیا تھا اور یہ حاکم بنگال کے ہاں پناہ لے چکا تھا۔ سلطان ابراہیم کے دور میں واپس آ گیا۔ سلطان نے اسے سارن و چنپارن کی جاگیر دے دی تھی۔ رانا سانگا سے مقابلے کے موقع پر اس نے اور میاں معروف و میاں طہٰ نے ابراہیم لودھی سے بغاوت کر دی۔ یہ اپنی طاقت کے نشے میں سرشار تھے۔ سلطان کی فوج سے جنگ کر کے اسے شکست دی۔ بعد ازاں سلطان سے رجوع کیا اس کے پاس طاقت بھی بہت زیادہ ہو گئی تھی لہٰذا اس کا سدباب ضروری تھا۔ اسی وجہ سے سلطان کے اشارے پر اسے بھی قتل کر دیا گیا"۔

(6) دولت خان لودھی نے بابر کے مسلسل تین حملوں کا جواب نہ دیا اور پنجاب میں زبردست تباہی ہوئی۔ اس پر سلطان ابراہیم نے اسے طلب کیا۔ اس کی عدم حاضری اور اس کی دعوت پر بابر کے ہندوستان پر چوتھے حملے پر ابراہیم کے امراء نے اسے پنجاب سے بےدخل کر دیا"۔

کرپشن اور امراء سے سلطان کا اختلاف:

سلطان ابراہیم کی امراء سے ناراضگی کی ایک اور وجہ امراء اور عہدیداروں کی کرپشن بھی سلطان سکندر کے دور میں معاشی و انتظامی کرپشن شروع ہو چکی تھی۔ ایک بار سلطان سکندر نے میاں بھووہ سے کہا کہ ملک میں رشوت ستانی کا رواج ہے جو رعایا کی تباہی کا سبب ہے۔ اس کا کیا علاج کریں۔ میاں بھووہ نے جواب دیا کہ:

"رشوت کے دور کرنے کی صرف ایک ترکیب ہے اور وہ یہ ہے کہ جریب کا ایک

سرا حضور اپنے ہاتھ میں لیں اور ایک سرا مجھے دیں۔ کبھی رشوت باقی نہیں رہ سکتی۔
ورنہ جس کسی کو یہ خدمت دی جائے گی تاوقتیکہ وہ طمع کو نہ چھوڑے، رشوت دور
نہیں ہو سکتی"۔

لیکن سلطان ابراہیم کے دور میں اس کا بہت زور ہو گیا۔ ہر جگہ کرپشن پھیل گئی۔ سلطان ابراہیم اس کو ختم کرنے کے لئے بہت سے اقدامات کرتا مگر ناکام رہا اور اس کی سلطنت کی تباہی کی ایک وجہ کرپشن بھی تھی۔

بااثر وطاقتور امراء کی برطرفی:۔

سلطان سکندر کی پالیسی یہ تھی کہ کسی بھی سردار یا امیر کو اتنا طاقتور نہ ہونے دیا جائے کہ کل کو اس کی مخالفت پر اتر آئے۔ اسی بات کے پیش نظر اس نے جلال خان لودھی (اپنے بھائی) کو ایک بار قید بھی کر دیا تھا۔ بعد ازاں نعمت خاتون کی سفارش پر اسے چھوڑا تھا۔ بہلول نے بھی یہی کیا تھا۔ پنجاب کا حاکم تاتار خان یوسف خیل لودھی بہت طاقتور ہو کر باغی ہو گیا تھا۔ بہلول نے شہزادہ نظام خان (سکندر لودھی) کے ذریعے اس کی بیخ کنی کی تھی۔ اسی طرح تاتار خان دوم کو پورے پنجاب کا حاکم بنایا گیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد سکندر لودھی نے اس کے بیٹے دولت خان لودھی کو صرف لاہور دیا تھا۔

سلطان ابراہیم نے بھی یہی کیا۔ میاں حسین فرملی کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ جلال خان لودھی کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے جب اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا تو وہ باغی ہو گیا۔ رانا سانگا سے مل کر سلطان کی فوج سے جنگ کی۔ بعد ازاں جب رانا سانگا اور سعید خان لودھی اس کے خلاف ہوئے تو وہ سلطان کے پاس آ گیا۔ اس کی طاقت توڑنا بہت ضروری تھا۔ لہٰذا اسے قتل کر دیا گیا۔ اعظم ہمایوں کے پاس بھی کثیر لشکر تھا۔ اسے بھی اسی وجہ سے طلب کر کے قید کیا گیا کہ وہ پہلے بھی بغاوت کر چکا تھا۔ اب بھی کر سکتا ہے۔ اس کی طاقت کا خاتمہ بھی ضروری تھا۔ اسی مقصد سے فتح خان سروانی اس کے بیٹے کو اس کے ساتھ ہی قید کیا گیا۔ دولت خان لودھی پنجاب کا حاکم تھا۔ اس کے پاس بھی بہت زیادہ طاقت ہو گئی تھی۔ اس کی حکومت میں بابر 3 بار حملے کر کے پنجاب

میں ابتری پھیلا چکا تھا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا تھا حالانکہ اسکے پاس کافی فوج تھی۔ اسی لئے اسے دہلی طلب کیا گیا۔ اس نے بہانے بازی کی اور بابر سے مل گیا۔ مگر بابر نے سب سے پہلے اسی کی قوت توڑی۔ پھر سلطان ابراہیم کے مقابلے پر آیا۔ بہار میں دریا خان نوحانی اور اس کا گروہ بہت طاقتور ہو گئے تھے۔ ان کو ہٹانا بھی کوئی غلط نہ تھا۔ سلطان سکندر کے اپنے دور میں کئی امراء کو ہٹا کر ان کے بھائیوں یا رشتہ داروں کو ان کی جگہ لگایا تھا[۵۱]۔ سلطان ابراہیم نے بھی یہی کیا۔ دولت خان لودھی نے بابر کے تین حملوں پر بھی کوئی کاروائی نہ کی تو ابراہیم نے اسے پنجاب سے بے دخل کر کے دیگر امراء کو تعینات کیا۔

میاں بھووہ سلطان سکندر کے دور سے وزیر اور قاضی القضاۃ تھا۔ اس کی برطرفی بھی اس وجہ سے تھی کہ وہ سلطان ابراہیم کے کاموں میں مداخلت کرنے لگا تھا اور اس پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا تھا[۵۲]۔ اسی وجہ سے اسے برطرف کر کے قید کیا گیا۔ البتہ اس کے لڑکے کو وزیر بنا دیا گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ سلطان کو اس کے خاندان سے کوئی ذاتی خلش نہیں تھی ورنہ اس کے بیٹے کو اس کی جگہ مقرر نہ کیا جاتا۔

سلطان ابراہیم کا نظریہ بادشاہت:

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ سلطان ابراہیم مطلق العنان بادشاہت کا حامل تھا۔ اس کی ذہنیت اس حوالے سے فرشتہ کے اس حوالے سے واضح ہو جاتی ہے[۵۳]۔

> "سلطان سکندر لودھی کا انتقال آگرہ میں ہوا اور اس کا سب سے بڑا فرزند ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے اعزا اور اقرباء سے جو برتاؤ کیا وہ اس کے باپ اور دادا کی روش کے بالکل خلاف تھا۔ اس نے ہر ایک افغانی پٹھان سے صاف کہہ دیا کہ میرا کوئی رشتہ دار نہیں اور اگر بالفرض رشتہ داری ہے بھی تو ہر ایک شخص بادشاہ کا نوکر ہے لہٰذا عزیزوں، رشتہ داروں کو بھی نوکروں کا درجہ ملا اور وہ افغانی امراء جو سلطان سکندر اور اس کے باپ کے وقت تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ اب وہ دربار شاہی میں کھڑا رہا کرتے۔ اس سے تمام افغانی امراء

ابراہیم لودھی کے خلاف ہو گئے کیونکہ شہزادہ ابراہیم نے بجائے خلوص کے یہ ناروا برتاؤ قائم رکھا۔ اب تمام امراء نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ابراہیم لودھی دارالحکومت دہلی سے جونپور تک حکمرانی کرے اور جونپور میں شاہزادہ جلال حکمران ہو اور ممالک شرقیہ اس کی نگرانی میں ہوں۔ یہ معلوم کر کے شاہزادہ جلال ان امراء کی رائے پر عمل کرتے ہوئے جونپور اور کالپی کے ارکین کو ہمراہ لے کر شرقیہ گیا اور جونپور کے تخت پر بیٹھا اس نے گردونواح کے تمام امراء اور عاملین کو اپنا فرماں بردار اور بہی خواہ بنا لیا۔"

امراء کے خیالات:

اس کے مقابلے پر امراء کا دماغ بھی بہت اونچا تھا۔ میاں حسین فرملی اور میاں معروف فرملی نے بادشاہ کا حکم یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا:

"ہمارے سلطان کے دماغ میں تو خرابی آ گئی ہے۔"

مزید اپنے درجے کے بارے میں کہا کہ:

"ہم عہدیدار نہیں ہیں کہ اپنے اوپر ذلت مسلط ہونے دیں گے۔ تو عہدیدار ہے تو ایسا کر سکتا ہے۔"

بلکہ سعید خان تو بادشاہی کو اپنے قبیلے میں بھی حق بجانب خیال کرتا تھا۔ اس نے اپنے محسن میاں حسین فرملی کا مذاق اڑاتے ہوئے رانا سانگا سے کہا کہ:

"وہ شیخ زادہ ہیں جیسے کہ تمہارے درمیان برہمن ہوتا ہے۔ ہم نے ان کو بڑا کر دیا ہے۔ ہم بادشاہ کے بھائی ہیں۔ بادشاہی یا تو شاہو خیل کو پہنچی ہے یا یوسف خیل تک۔ باقی سب لودھی (قبیلے) کے نوکر ہیں۔"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امراء کا مزاج کیا تھا۔ دراصل سکندر لودھی کے طرزِ بادشاہت اور سراپردہ کے اہتمام اور حاجب کے تقرر کی وجہ سے ہی امراء اس کے خلاف ہو گئے تھے۔ اب ان

کے نزدیک بادشاہ ان سے بلند ہونے کی کوشش کر رہا تھا جس سے ان کا وقار متاثر ہوتا تھا۔ لہٰذا 22 امراء نے بادشاہ سلطان سکندر کے خلاف سازش کی تھی اور سلطان سکندر نے انہیں جلا وطن کر دیا تھا"۔

اسی ذہنیت کے امراء نے شہزادہ جلال الدین کو جونپور کا بادشاہ بنوایا تھا تا کہ بادشاہ کمزور رہے اور امراء طاقتور رہیں۔ ان کا مفاد اسی میں تھا۔ اب وہ امراء طاقتور ہوتے جا رہے تھے۔ بادشاہ کی مخالفت میں سرگرم تھے۔ لہٰذا فرشتہ نے ان کی سوچ کے بارے میں یوں تبصرہ کیا ہے:

"اس دوران میں ہندوستان کی یہ حالت تھی کہ سلطان سکندر لودھی کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا فرزند ابراہیم لودھی ہندوستان کی سلطنت پر حکومت کر رہا تھا۔ لودھی کے افغانی امراء جو اقتدار حاصل کر چکے تھے اور ان کی قوت بڑھ گئی تھی وہ بادشاہ سے منحرف رہتے تھے اور حسد کرتے تھے اور جیسا کہ لازم تھا بادشاہ کی اتنی اطاعت نہ کرتے تھے۔ ان افغانوں کے انحراف اور غرور کی وجہ سے سلطنت کے کاموں میں بہت ابتری اور بدانتظامی ہو گئی تھی۔"

سلطان ابراہیم ایسے ہی مغرور امراء کا زور توڑنا چاہتا تھا۔

امراء کے مقابلے میں سلطان ابراہیم کی کمزوری کے اسباب:

سلطان ابراہیم اپنے امراء کے مقابلے میں کیوں ناکام رہا اس کے ہمیں درج ذیل اسباب نظر آتے ہیں:

(1) سلطان بہلول اور سلطان سکندر کے اپنے پورے عہد میں امراء کو مختلف مقامات پر جنگوں میں مصروف رکھا۔ سلطان ابراہیم کے دور میں نئی فتوحات نہیں ہوئیں۔ اس کے امراء اپنی اپنی جاگیروں پر پرسکون ہو گئے لہٰذا ان کو امراء کی طاقت بڑھانے پر توجہ دینے کی فرصت ملی۔ اس کا امراء کو مہمات پر مصروف نہ رکھنا اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوا۔

(2) سلطان سکندر اپنی مخالفت کرنے والے امراء کو پہلے دلاسہ دیتا تھا پھر برطرف کرتا تھا۔ اس

کام میں وہ اس امیر کے امراء (ساتھیوں) کو ضرور ساتھ ملاتا تھا جیسا کہ جلال خان کے معاملے میں ہوا یا پھر راجہ دھولپور کے معاملے میں "سلطان ابراہیم نے یہ پالیسی اختیار نہ کی۔ اس نے جو کچھ کیا وہ امیر کے امراء کو ملائے بغیر کیا۔ اگر وہ اعظم ہمایوں کی گرفتاری کے وقت اس کے بیٹے فتح خان کو اپنے ساتھ ملا لیتا (جیسا کہ میاں بھووہ کے معاملے میں کیا) تو اسے زیادہ مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ یہی کام وہ دولت خان لودھی کے معاملے میں کر سکتا تھا۔ سلطان سکندر کی خاصیت تھی کہ وہ ایک امیر کے مقابلے میں اس کے بھائی یا رشتہ دار لے آتا تھا"۔

(3) سلطان سکندر نے اپنے عہد کے کئی سازشی امراء جلاوطن کیے تھے۔ ان میں سے بعض کو سلطان ابراہیم نے واپس آنے کی اجازت دے دی اور ان کو سرفراز کیا۔ یہ امراء بادشاہ کی طاقت توڑنے کا خیال رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک میاں حسین فرملی بھی تھا جس کا اوپر کئی بار ذکر آیا ہے۔

(4) ایک اور وجہ اس کی سختی کا کھلم کھلا اظہار ہے۔ سلطان سکندر جب بھی امراء سے ناراض ہوتا تو ان کو معزول کرتا یا جلاوطن کر دیتا۔ سلطان ابراہیم فوراً قید کر دیتا تھا یا پھر قتل کروا دیتا تھا۔ اس طرح سے ایسے امراء بھی اس کے خلاف ہو گئے جو اس کے ساتھ تھے۔ وہ سب شک و شبہ اور خوف کا شکار ہو گئے۔

سلطان ابراہیم کے زیر عتاب رہنے والے امراء:

سلطان ابراہیم کے دور میں درج ذیل امراء زیر عتاب آئے۔

(1)	میاں بھووہ وزیر	=	قید ہو گئی
(2)	جلال خان شہزادہ	=	پہلے جلاوطن ہوا اور پھر قید ہو کر قتل ہوا۔
(3)	اعظم ہمایوں سروانی	=	قید ہو کر فوت ہوا۔
(4)	فتح خان سروانی پسر اعظم ہمایوں	=	قید ہوا پھر فرار ہوا۔

(5) اسلام خان سروانی پسر اعظم ہمایوں = بغاوت کی اور مارا گیا۔

(6) اعظم ہمایوں لودھی = روپوش ہو گیا۔

(7) سعید خان لودھی = قید ہوا۔

(8) میاں حسین فرملی = قتل ہوا۔

(9) خضر خان لودھی = برطرف رہا۔

(10) حسام خان شاہو خیل = قتل ہوا۔

(11) محمود خان سرنی = قتل ہوا۔

(12) دولت خان لودھی کا ایک لڑکا = قتل ہوا۔

دلاور خان پسر دولت خان لودھی نے بابر کے سامنے کہا تھا کہ سلطان ابراہیم نے اپنے باپ کے دور کے 23 امراء کو قتل کیا یا جلایا ہے[49]۔ مجھے صرف ان لوگوں کے نام ملے ہیں۔

عہد سکندری کے امراء کی قدر و منزلت:

یہ سوچنا بالکل غلط ہے کہ سلطان ابراہیم نے اپنے باپ کے عہد کے تمام امرء سے بدسلوکی کی اس نے صرف ان کو سزا دی جو اس کے خلاف تھے یا اندرون خانہ کچھ کر رہے تھے۔ دیگر امراء میں سے جمال خان سارنگ خانی کی اولاد تھی جو سلطان سکندر کے دور سے جونپور اور چنار پر حاکم متقرر تھی[50]۔ میاں محمد کالا پہاڑ بھی اپنی ولایت پر قابض تھا۔ یہ سلطان ابراہیم سے وفادار رہا اور بابر بادشاہ کے مقابلے میں مارا گیا[51]۔ محمد کالا پہاڑ کا بھتیجہ و داماد میاں مصطفیٰ فرملی بھی اپنے عہدے اور اقطاع پر برقرار رکھا گیا۔ بھیکن خان لودھی کو سلطان سکندر نے معزول کر دیا تھا۔ سلطان ابراہیم نے اسے پھر سے بحال کیا[52]۔

ادنیٰ افسروں کی ترقی اور اس کا اثر:

سلطان ابراہیم کی ایک پالیسی یہ تھی کہ اس نے چھوٹے افسروں کو اٹھا کر اعلیٰ عہدوں پر متقرر کیا۔ مثلاً میاں بھکن کو سپہ سالار بنا کر رانا سانگا کی مہم پر روانہ کیا اور میاں حسین فرملی و میاں

معروف فرملی جیسے نامور امراء کو اس کے ماتحت کر دیا۔ خضر خان لودھی کے مقابلے میں اس کے بھائی بھیکن خان لودھی کو بڑا درجہ دیا اور اسے امراء میں شامل تھا۔ حسین خان سور (سور شاخ لودھیوں میں کم تر شمار ہوتی تھی اور بہلول و سکندر کے دور میں انہیں عہدے نہ دیئے جاتے تھے (اور) کمال خان کنبوہ (کنبوہ مقامی ہندوستانی ذات ہے اور افغانوں کے نزدیک عزت دار نہ تھی) جیسے معمولی امراء کو ہدایت کی کہ وہ دریا خان نوحانی جیسے طاقتور اور صاحب حیثیت امیر اور حاکم کو گرفتار کر کے خود بہار پر حکومت کریں۔ اس پالیسی نے پرانے امراء کو سلطان کے خلاف کر دیا اور یوں کم تر حیثیت والے قبیلوں کی برتری دیکھ کر اعلیٰ و مالدار قبیلے خصوصاً بعض لودھی اور نوحانی و سروانی اس کے خلاف ہو گئے۔

غیر افغان امراء:

سلطان ابراہیم کے امراء میں غیر افغان امراء بھی شامل تھے۔ ان میں سے ایک محمد مرغوب تھا جو قلعہ مہاونی کا قلعہ دار تھا۔ نظام خان نامی غیر افغان بیانہ کا اقطاع دار تھا۔ حمید خان خاصہ خیل کے پاس حصار فیروزہ تھا البتہ اس کا غیر افغان ہونا یقینی نہیں ہے۔ راجہ بکرماجیت کو سلطان سکندر نے شمس آباد دیا تھا۔ اس کے علاوہ انعام و اکرام بھی دیا گیا تھا۔ الیاس خان ترک بچہ بھی اس ناقموں میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ رانا سانگا کے ساتھ سلاعدی کو بھی چندیری میں جاگیر دی گئی۔ مبارک مردوک بھی اسے امراء میں شامل تھا۔

اس سے ظاہر ہے کہ سلطان نسلی تفاخر کا حامل نہیں تھا۔ اس کے اندر وہ تعصب نہ تھا جو اس کے بعض افغان امراء میں موجود تھا۔

ہندوؤں کے ساتھ بھی سلطان ابراہیم غیر متعصب تھا۔ سلطان بہلول و سلطان سکندر کے برعکس ہمیں سلطان ابراہیم کے بارے میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ اس نے کسی مندر یا غیر مسلم عبادت گاہ کو توڑا ہو یا اس کی جگہ مسجد تعمیر کی ہے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس نے راجہ گوالیار کی بیٹی سے شادی بھی کی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے ایک بیٹے کو انعامات بھی دیئے تھے جس پر میاں بھووہ کو اعتراض تھا۔ راجہ بکرم جیت کو شمس آباد کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ گوالیار پر اس کا حملہ سیاسی

مقاصد سے تھا۔ اور وہاں پر گائے کے بت کو اس نے دہلی میں فتح کی نشانی کے طور پر نصب کیا“۔ اس کی بے حرمتی نہیں کی اور نہ ہی اسے پگھلایا جیسا کہ اکبر بادشاہ نے کیا۔ مراۃ الافاغنہ میں ہے کہ جب میاں حسین فرملی نے ایک ہندو کی لڑکی کو جبراً مسلمان کر کے اس سے نکاح کر لیا تو سلطان ابراہیم نے اسے نہ صرف معزول کر دیا بلکہ قتل بھی کرا دیا(69) اس سے اس کا عدم تعصب اور ہندوؤں کی دل جوئی ظاہر ہوتی ہے۔

حواشی

(1) طبقات جلد اول صفحہ 90-489

(2) ایضاً صفحہ 490

(3) مخزن (اردو) صفحہ 195

(4) بابرنامہ (بیورج) صفحہ 5-473

(5) واقعات مشتاقی صفحہ 103

(6) تاریخ شاہی صفحہ 101

(7) مخزن (اردو) صفحہ 3-192

(8) ایضاً صفحہ 19۲

(9) تاریخ شاہی صفحہ 96

(10) بابرنامہ (اردو) صفحہ 190

(11) بابرنامہ (اردو) صفحہ 9-208

(12) مخزن (اردو) صفحہ 146

(13) ایضاً

(14) ایضاً

(15) ایضاً صفحہ 147

(16) طبقات جلد اول صفحہ 457

(17) ایضاً صفحہ 7-476

(18) ایضاً صفحہ 6-475

(19) ایضاً صفحہ 467، 454

(20) ایضاً صفحہ 465

(21) ایضاً صفحہ 465-455

(22) ایضاً

(23) ایضاً صفحہ 7-466

(24) ایضاً صفحہ 467

(25) ایضاً صفحہ 455

(26) ایضاً صفحہ 455, 462

(27) ایضاً صفحہ 462

(28) ایضاً صفحہ 489؛ مخزن (اردو) صفحہ 190

(29) ایضاً صفحہ 486؛ مخزن (اردو) صفحہ 190

(30) ایضاً صفحہ 5-494

(31) ایضاً صفحہ 492

(31-A) مخزن افغانی (اردو) صفحہ 195

(32) ایضاً صفحہ 494، 496، واقعات مشتاقی صفحہ 162-158

(33) ایضاً صفحہ 496؛ واقعات مشتاقی صفحہ 168-154

(34) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 430-1

(35) طبقات جلد اول صفحہ 485-486

(36) مخزن (اردو) صفحہ 189

(37) طبقات جلد اول صفحہ 472-4

(38) ایضاً صفحہ 474،476

(39) افسانہ شاہان صفحہ 64

(40) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 409

(41) واقعات مشتاقی صفحہ 158

(42) ایضاً

(43) ایضاً صفحہ 158-9

(44) طبقات جلد اول صفحہ 462-3

(45) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 429

(46) طبقات جلد اول صفحہ 472-4

(47) ایضاً صفحہ 466-7

(48) ایضاً صفحہ 465-6، 470، 472، 474، 476

(49) تاریخ شاہی صفحہ 91-2

(50) واقعات مشتاقی صفحہ 87-9

(51) افسانہ شاہان صفحہ 74

(52) واقعات مشتاقی

(53) ایضاً صفحہ 154، تاریخ شاہی صفحہ 80-81

(54) ایضاً صفحہ 163

(55) صفحہ 101

(56) Afghan Despotism in India، صفحہ 54۔

(57) بابرنامہ (بیورج) صفحہ 523

(58) ایضاً صفحہ 538-9

(59) ایضاً صفحہ 465-6

(60) Afghan Despotism in India، صفحہ 60۔

(61) افسانہ شاہان صفحہ 64۔

(62) واقعات مشتاقی۔

(63) ایضاً صفحہ. 163

(64) بابرنامہ (بیورج) صفحہ 477۔

(65) تاریخ شاہی صفحہ 86۔

(66) افسانہ شاہان صفحہ 64۔

(67) Afghan Despotism in India، صفحہ 60

(68) طبقات اکبری جلد اول صفحہ 493۔

(69) مراۃ الافاغنہ ص146

maablib.org

باب نمبر 23

سلطان ابراہیم کی شخصیت اور ذاتی کردار

بھائیوں سے حسن سلوک:

سلطان ابراہیم کا رویہ اپنا بھائیوں کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ اس کے بارے میں مورخین کا یہ تاثر کہ اس نے بھائیوں سے زیادتی کی سراسر غلط ہے۔ سب سے پہلے ہم جلال خان کا جائزہ لیتے ہیں۔ جب امراء اس بات پر متفق ہوئے کہ سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو سلطان ابراہیم بلا چون و چرا اس پر راضی ہو گیا۔ جونپور اپنے بھائی جلال خان کو دے دیا اور خود دہلی میں سلطنت کرنے لگا۔ بعد ازاں جب امراء اس بات پر متفق ہوئے کہ جونپور کی ریاست الگ نہیں ہونی چاہیے تو سلطان ابراہیم نے بھی ان سے اتفاق کیا۔ یہ سیاسی مصلحت کے کام تھے جن میں جذبات کو دخل نہیں دینا چاہیے۔ دیکھئے! جب باربک شاہ کو بہلول لودھی نے جونپور کا حاکم بنایا تو سکندر لودھی نے تخت نشین ہونے کے بعد اس کی ریاست پر قبضہ کر لیا۔ مورخین اس کے اس فعل پر تنقید نہیں کرتے۔ لیکن ابراہیم لودھی پر ناجائز تنقید کرتے ہیں۔ مرکز کی مضبوطی کے لیے ضروری تھا کہ بادشاہ ایک ہی ہو۔

اس کے باوجود جب سلطان جلال الدین (جلال خان) نے بادشاہت کا اعلان کیا تو سلطان ابراہیم نے اس سے جنگ نہیں کی بلکہ جونپور کے علاوہ تمام علاقوں کے امراء، جاگیرداروں اور عہدیداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور یوں جلال الدین کو تنہا کر دیا۔ مگر نہ اس پر حملہ کیا نہ ہی کسی اور سے کروایا بلکہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنگ کی پہل جلال خان نے کی۔ اس نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور گوالیار کی سمت چڑھ دوڑا۔ اس کے علاوہ اودھ سے بھی سلطان ابراہیم کے حاکم کو بے دخل کر دیا[1]۔ سلطان ابراہیم نے پھر

بھی تحمل سے کام لیا اور صرا یک شب خون کے ذریعے اس کو روکنے کی کوشش کی مگر پھر امراء کے مشورے پر اس کی سرکوبی کو روانہ ہوا۔ ابھی سلطان قنوج میں تھا کہ جلال الدین آگرہ پر حملہ کرنے کی نیت سے نکل کھڑا ہوا۔ اب کالپی پر حملہ ناگزیر ہو گیا تھا۔ سلطان ابراہیم کی فوج نے وہاں لوٹ مار ضرور کی مگر قتل عام نہیں کیا[2]۔ دراصل جلال الدین میں حکومت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے وہ سلطان ابراہیم کے محض ایک عام سے امیر آدم کاکڑ کو اپنا تاج بھیجنے پر راضی ہو گیا[3]۔ اس کی نااہلیت کا اعتراف مورخین نے بھی کیا[4]۔ اس کے بعد جلال خان سے صلح کرنا مصلحت کے خلاف تھا۔ اس کی کمزوری عیاں ہو چکی تھی۔ اس کا مزید آزاد رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ لہٰذا آدم خان کاکڑ کی جانب سے صلح جوئی کو سلطان نے رد کر دیا اور جلال خان کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا۔ جلال خان فرار ہو کر گوالیار چلا گیا۔ اس کے بعد ایک موقع پر پکڑ کر سلطان کے دربار میں لایا گیا۔ سلطان ابراہیم نے اسے قلعہ ہانسی میں قید کرنے کا حکم دیا۔ مگر اسے راستے میں قتل کر دیا گیا۔ اکثر مورخین یہ لکھتے ہیں کہ اسے احمد خان نے سلطان ابراہیم کے حکم پر قتل کیا[1]۔ مگر فرشتہ کہتا ہے کہ اسے لوگوں نے راستے میں قتل کر دیا[2]۔ اس لئے سلطان ابراہیم کا جلال خان کے قتل میں ملوث ہونا یقینی نہیں ہے۔ اگر اس نے ایسا کرنے کا حکم دیا بھی تو محض سیاسی مصلحت کی بناء پر۔

جہاں تک دیگر بھائیوں کا تعلق ہے تو ان سے سلطان ابراہیم نے ہمیشہ اچھا سلوک کیا۔ صرف ایک موقع پر جبکہ وہ شہزادہ جلال خان کی سرکوبی کے لئے جا رہا تھا امراء کے مشورے سے اپنے باقی چار بھائیوں کو قید کر لیا لیکن اس دوران بھی ان کے آرام کا پورا خیال رکھا[3]۔ یہ بھی سیاسی مصلحت سے تھا۔ اس مہم کے دوران اس کا کوئی بھی بھائی جلال خان سے مل جاتا تو سلطان کے لئے زبردست نقصان کا باعث ہوتا۔ پھر ان سب کو آزاد کر دیا اور ہر طرح کے عیش فراہم کئے[4]۔ اس کے علاوہ ہمیں اس کے بھائیوں کے ساتھ سلوک کے حوالے سے کوئی شکایت نہیں ملتی۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جلال خان کی طرح اس کے دوسرے کسی بھائی میں بھی حکومت کی صلاحیت نہیں تھی۔ اس کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس کی پانی پت میں شکست کے بعد صرف محمود

خان جو جنگ پانی پت میں اس کے ساتھ تھا[۴] نے پٹھانوں کی حکومت کا اعلان کی اور باقی تمام بھائی غیر سرگرم رہے۔ وہ لوگ اپنی ماں اور رشتہ داروں کو آگرہ سے نکال لے جانے میں بھی ناکام رہے جو کہ بابر نے بعد ازاں قید کر لئے[۵۵]۔ محمود خان نے کسی قدر پٹھانوں کی قیادت کی مگر ناکام رہا اور خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

عام سپاہیوں سے حسن سلوک:

سلطان ابراہیم کا عام سپاہیوں سے سلوک بھی اچھا تھا۔ تخت نشینی کے وقت امراء کے خلاف سپاہیوں کو بھی انعامات سے نوازا[۵۶]۔ نیز پانی پت کے میدان میں اپنا خزانہ لے گیا اور کثیر دولت، جواہر، موتی، اشرفیاں سپاہیوں میں تقسیم کیں[۵۷]۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً پچاس ہزار سپاہی اس کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے[۵۸]۔

امراء سے حسن سلوک:

امراء کے ساتھ سلطان ابراہیم نے ہمیشہ اچھا سلوک رکھنے کی کوشش کی۔ برسر اقتدار آتے ہی سب کو اعزازات دیئے۔ دوبارہ تخت نشینی کے موقع پر امراء اور جاگیرداروں میں انعامات تقسیم کئے۔ نئی جاگیریں دی گئیں۔ ان سے مزید حسن سلوک کا وعدہ کیا گیا۔ مختلف علاقوں کے حکام کو مرصع خنجر اور خلعت روانہ کی گئی[۵۹]۔

پڑوسی ریاستوں سے تعلقات:

سلطان ابراہیم ایک امن پسند بادشاہ تھا۔ اس نے گوالیار کے علاوہ کسی علاقے پر کوئی یورش نہیں کی۔ بنگال، مالوہ، گجرات وغیرہ سب سے اس کے تعلقات اچھے، گوالیار کے راجہ نے اس کے مخالف جلال کو پناہ دی لہٰذا اس نے اس پر حملہ کیا۔ کابل پر بھی اس نے حملہ نہیں کیا حالانکہ بابر نے کئی بار اس کی سلطنت میں پنجاب پر حملہ کیا۔ البتہ اس کی امن پسند پالیسی اس کے لئے نقصان دہ بھی رہی۔ امراء تفشات میں پڑ گئے اور بادشاہ کو کمزور کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

فلاح عوام کرنا اور بدعنوانیوں کی مخالفت:۔

کرپشن کے خاتمے کے لئے سلطان ابراہیم نے سخت کوشش کی۔ اسے امن وامان قائم کرنے، حکومت کو مضبوط کرنے اور بدعنوانیاں ختم کرنے میں زبردست محنت کرنی پڑی۔ بااثر امراء اس کے لئے مشکلات پیدا کرتے رہے اور وہ تنہا ان سے نمٹتا رہا۔ مخزن میں اس کے بارے میں یوں درج ہے:

> "سلطان سکندر کی وفات کے بعد ہر طرح سے انتشار پیدا ہو گیا۔ قانون کا احترام جاتا رہا کوئی اصول وضوابط رائج نہ رہے۔ کم ظرف، کم مایہ اور غیر مستحق لوگ برسراقتدار آگئے اور ان کی ناعاقبت اندیشیوں اور کوتاہ فہمیوں کی وجہ سے ہر طرف فتنہ وفساد اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام ملکی، مالی اور انتظامی امور درہم برہم ہو گئے۔ سلطان ابراہیم بجیری بھاگ دوڑ اور فکر کرتا کہ ان بے راہ رویوں کا تدارک ہو جائے مگر
>
> ع "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"
>
> کے مصداق الٹا حالات اور خراب ہو جاتے بلکہ دن بدن برابر بگڑتے گئے۔ ہر کوئی اپنی راہ پر چلنے لگا۔ سب حاکموں اور جاگیرداروں نے بغاوت اور خودمختاری کا دعویٰ کر دیا۔ اصلاح احوال میں سلطان ابراہیم کی کوئی کوشش ثمر بخش ثابت نہ ہوئی اور ایسے حالات کا جو انجام ہونا چاہئے تھا وہ ہوا جس کا ذکر آگے آرہا ہے" ۔

اس سے ظاہر ہے کہ سلطان ابراہیم ذاتی طور پر معاشرتی وانتظامی برائیوں کے خلاف تھا اور اس کام میں سکندر لودھی کی پیروی کرتا تھا۔ مخزن میں ایک دوسری جگہ بھی درج ہے کہ وہ ملکی امور پر خاص توجہ دیتا تھا" ۔ سلطان نے رفاہ عامہ کے کاموں پر بھی خاص توجہ دی اور ان کو فروغ دیا۔ اس کے دور میں ارزانی اشیاء اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ عبداللہ نے اسے نوادر روزگار میں شامل کیا ہے اس کے علاوہ اس کے عہد میں دہلی سے آگرہ تک کا سفر ایک بہلولی ٹنکے میں ہو جاتا تھا خوردونوش اور روزمرہ کے استعمال کی تمام اشیاء سستی تھیں" اس کا ذکر ہم نے آگے الگ باب میں

کیا ہے۔

یہ اس کے عوام کے ساتھ حسن سلوک کا اثر ہی تھا کہ ہندوستانی عوام میں مغلوں کے خلاف زبردست نفرت تھی[۲۶]۔ ابراہیم کے مقرر کردہ ناظموں اور حکام نے بابر اور مغلوں کی زبردست مخالفت کی اور بعض مقامات فتح کرنے میں اسے بہت وقت کا سامنا کرنا پڑا[۲۷]۔

اخلاق حمیدہ اور شجاعت:۔

سلطان بہلول لودھی ایک اچھے اخلاق کا حامل شخص تھا۔ اس کے اندر فہم و فراست کوٹ کوٹ کر بھی ہوئی تھی۔ طبقات اکبری کا مصنف، اکبر کا درباری ہونے کے باوجود اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:

> "جب سلطان سکندر کا انتقال ہو گیا تو اراکین جلیل القدر اور امرائے ذیشان کی رائے سے اس کا بڑا لڑکا سلطان ابراہیم جو عقل و فراست اور شجاعت و اخلاق حمیدہ میں مشہور و معروف تھا، تخت سلطنت پر بیٹھا"[۲۸]۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہادری میں بھی بے مثال تھا۔ بابر نے اس کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ وہ بزدل تھا[۲۹] لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ تمام مغل مورخین بشمول بابر اس بات پر متفق ہیں کہ وہ اپنے پانچ چھ ہزار خاص سپاہیوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا[۳۰]۔ محمود خان نے اسے جنگ سے بھاگنے کا مشورہ دیا تو اس نے اسے خلاف شان سمجھ کر رد کر دیا اور مرنے کو ترجیح دی۔ بڑی مردانگی سے لڑا اور میدان جنگ میں ہی لڑتا ہوا مر گیا۔ تمام مورخین اس کی اس بہادری کی حمایت کرتے ہیں۔ جہاں تک بابر کا یہ بیان ہے کہ وہ بزدل اس لئے تھا کہ اس کی فوج نے ہم پر ایک شب خون بھی نہیں مارا، یہ بابر کی غلط سوچ ہے۔ دراصل ابراہیم لودھی کی فوج کی جانب سے خاموشی محض اس کی فوج کو نفسیاتی طور پر مغلوب کرنے کی غرض سے تھی کہ پتہ نہیں لودھی فوج کب دشمن پر حملہ کر دے۔ یہاں تک کہ جب ایک دو روز قبل پانچ ہزار مغل سپاہی بھی شب خون مار کر لوٹے تو بھی اس کی فوج نے جواب نہ دیا۔ اس پر بابر بھی ڈر گیا اور فوراً اپنی فوج کو تیار کر دیا کہ شاید دشمن فوج ہمیں غافل پا کر حملے کرنے آ رہی ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اب یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ لودھی کب حملہ

کریں گے اور یہی ہوا کہ دوسرے روز سورج طلوع کے وقت لودھی فوج نے حملہ کر دیا[۲۳]۔

پانی پت کی جنگ سے قبل کی حکمت عملی (اس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) سے سلطان لودھی کو نقصان ضرور ہوا اور دوران جنگ اس کی فوج صحیح طرح سے جنگ بھی نہ کر پائی اور اسے شکست ہوئی مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ سلطان ابراہیم بزدل تھا۔ فتح اور شکست کے عوامل پر ہم گزشتہ صفحات میں بحث کر آئے ہیں لیکن اس سے ابراہیم کی شجاعت پر حرف نہیں آتا۔

درجہ شہادت:۔

اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ تمام مورخین اسے شہید قرار دیتے ہیں خواہ وہ مغل ہوں یا افغان[۲۴] بلکہ وہ پہلا مسلم بادشاہ تھا جسے میدان جنگ میں شہادت کا درجہ ملا تھا۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ اس کا مد مقابل بھی ایک مسلمان (بابر بادشاہ) ہی تھا۔

علم وادب سے دلچسپی:۔

سلطان ابراہیم کو علم وادب سے بہت دلچسپی تھی۔ سلطان سکندر کے دور میں علم وادب کی جو ترقی ہوئی وہ سلطان ابراہیم کے دور میں بھی قائم رہی۔ سلطان نے علماء وفضلاء اور طلباء سے ہمیشہ حسن سلوک کیا۔ اوران کے لئے وظیفے مقرر کئے اور سابقہ وظیفوں میں اضافہ کیا[۲۵]۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

رفاہ عامہ کے کام:۔

سلطان ابراہیم کو رفاہ عامہ سے بھی کافی دلچسپی تھی۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو بہت کچھ صدقہ و خیرات کیا[۲۸] جب اس نے دوبارہ جشن تخت نشین منایا تو پھر سے فقراء مساکین اور درویشوں میں صدقہ خیرات کیا[۲۹]۔ اسی طرح سے اسلام خان پر فتح کے بعد بھی صدقات کئے[۳۰]۔

مذہبی امور سے دلچسپی:۔

علاوہ ازیں مذہبی امور میں بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ صوفیاء، علماء اور مشائخ کا بڑا مقرر دان تھا۔ ہر اہم موقع پر ان کے وظیفوں میں اضافہ کرتا[۳۱]۔

شکار:

سلطان ابراہیم کو شکار سے بہت شغف تھا۔ جلال خان عرف جلال الدین کی شکست کے بعد وہ کافی عرصے تک آگرہ میں مقیم رہا اور شکار میں معروف رہا[32] ۔

شراب نوشی:

سلطان ابراہیم شراب نوشی بھی کرتا تھا اور یہ چیز آسودگی اور تہذیب کا ایک اہم جز ہے۔ افسانہ شاہان میں ہے کہ وہ کافی شراب خوری کرتا تھا[33] ۔

قوت فیصلہ کی کمی:

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ سلطان میں خود فیصلہ کرنے کی کمی تھی۔ اس طرح اس کی نفسیات میں یہ خامی تھی کہ جب وہ کوئی فیصلہ کر لیتا تو امراء کے مشورے پر اس کو بدل دیتا تھا۔ مثلاً پہلے امراء کے کہنے پر اس نے ریاست کی تقسیم کو قبول کر لیا اور خود سے نہیں سوچا کہ یہ بات کس حد تک خطرناک ہے۔ اس کے بعد جب امراء نے کہا تو جلال خان نے کیا ہوا عہد توڑ دیا۔ اس طرح سے جلال خان نے اودھ پر قبضہ کیا تو اس نے اس پر صرف شب خون مارنے کا فیصلہ کیا۔ مگر پھر امراء کے مشورے سے بڑا لشکر لے کر نکل کھڑا ہوا۔ پھر جب جلال خان قید ہو گیا تو امراء کے مشورے پر اسے قتل کرا دیا (البتہ اس قتل میں اس کا ملوث ہونا مشکوک ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے)۔

ہندوؤں سے سلوک:

ابراہیم لودھی سراسر غیر متعصب تھا اور اعلیٰ عہدوں پر ہندوؤں کو بھی تعنات کرتا تھا جس کا ذکر الگ باب میں ہوا ہے۔ وہ ہندوؤں کی دل جوئی کرتا۔ ایک ہندو لڑکی کو جبراً مسلمان کر کے نکاح کرنے پر اس نے ایک گورنر کو قتل بھی کرا دیا[34]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے ہندوؤں کے جذبات کا کتنا خیال تھا۔ خود اس کی ایک بیوی ہندو تھی۔ وہ ہندوؤں کو مالی امداد بھی دیتا تھا۔[35]

حواشی

(1) مخزن (اردو) صفحہ 194

(2) ایضاً صفحہ 196

(3) ایضاً صفحہ 197

(4) ایضاً

(5) ایضاً صفحہ 200: طبقات جلد اول صفحہ 494: تاریخ داؤدی صفحہ 89، تاریخ شاہی صفحہ 76۔

(6) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 411

(7) مخزن (اردو) صفحہ 195

(8) تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 410

(9) تاریخ شاہی صفحہ 100

(10) بابر نامہ (اردو) صفحہ 2-191' 221

(11) مخزن (اردو) صفحہ 193

(12) تاریخ شاہی صفحہ 96

(13) بابر نامہ (اردو) صفحہ 193

(14) مخزن (اردو) صفحہ 191-193

(15) ایضاً صفحہ 189

(16) ایضاً صفحہ 198

(17) ایضاً

(18) تاریخ داؤدی صفحہ 104-5

(19) ایضاً

(20) بابر نامہ (اردو) صفحہ 209

(21) ایضاً (اردو) صفحہ 209، 212 وغیرہ۔

(22) طبقات جلد اول صفحہ 486

(23) بابر نامہ (بیورج) 471

(24) ایضاً صفحہ 473-4۔ تاریخ شاہی صفحہ 99

(25) ایضاً صفحہ

(26) طبقات جلد اول صفحہ 497: واقعات مشتاق صفحہ 106: داؤدی صفحہ 103-4 مخزن (اردو) صفحہ 208: افسانہ شاہان صفحہ 74: تاریخ شاہی صفحہ 100-99

(27) مخزن (اردو) صفحہ 193۔

(28) ایضاً صفحہ 190

(29) ایضاً صفحہ 193

(30) ایضاً صفحہ 204

(31) ایضاً صفحہ 193

(32) ایضاً صفحہ 197-8

(33) افسانہ شاہان صفحہ 63

(34) مراۃ الافاغنہ ص 146

(35) افسانہ شاہان ص 64 تاریخ شاہی ص 86

باب نمبر 24

سلطان ابراہیم لودھی کے آثار

سلطان ابراہیم لودھی 1517ء تک تخت نشین رہا۔ اس دوران اس نے اپنے نام کے سکے بھی جاری کروائے۔ اس کے 83 گرام کے تانبے کے سکے پر سامنے کی جانب یوں درج ہے:

التوکل علی

الرحمٰن ابراہیم شاہ

سکندر شاہ

سلطان

جبکہ عقب پر یوں درج ہے:

فی زمن

امیر المومنین

خلد خلافتہ

83 گرام کے ایک تانبے کے سکے پر یوں درج ہے:

سامنے: ابراہیم شاہ سلطان

عقب: امیرالمومنین خلد خلافتہ

42 گرام کے تانبے کے سکے پر جو 926ء اور 927ء کے ہیں، یوں درج ہے:

سامنے: ابراہیم شاہ سکندر

عقب: امیرالمومنین۔ خلد خلافتہ ۹۲۶

جبکہ 110 گرام کے تانبے کے ایک سکے پر یوں درج ہے:

سامنے: السلطان بن السلطان۔

عقب: ابراہیم شاہ لودے بن سکندر

یہ آخر الذکر سکہ چوکور شکل میں تھا جو مالوہ کے سکوں کی نقل تھا۔

حواشی

(1) The Chronicles of the Pathan King of Delhi از ایڈورڈ تھامس صفحہ 375-377

maablib.org

باب نمبر 25۔ لودھی دور میں امراء کے معاشی حالات

سلطان سکندر کے دور میں پیسے کی ریل پیل بہت ہوگئی تھی اور اس کے امراء اور حکام کے پاس بھی بہت پیسہ تھا۔ اسکے کچھ امراء کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ اس دور میں افغانوں کی قبائلیت، شہریت میں کس طرح سے بدلی اور جس بادشاہ کے امراء کے پاس اتنا مال و دولت تھا اس کے اپنے پاس خزانے کا کیا حال ہوگا۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں عوام بھی کتنے خوشحال ہوں گے۔

حسین خان عرف خان جہان لودھی دوم

یہ سلطان بہلول کے سپہ سالار خان جہان لودھی اول کا بیٹا تھا۔ اسے بھی خطاب سلطان بہلول سے مل گیا تھا۔ سلطان سکندر کے دور میں اس نے بھی سپہ سالار کے فرائض سرانجام دیئے۔ اس نے اپنے علاقے پر جتنے حکام یا سپاہی یا افسر مقرر کیے وہ سب اپنی اپنی جگہ ہمیشہ قائم رہے۔ بقول رزق اللہ مشتاقی کہ وہ 90 سال بعد افغانوں کی حکومت کے خاتمے پر بدلے گئے۔ (1) اس امیر کا اگر کوئی افسر فوت ہو جاتا تو یہ اس کی جگہ اس کے بیٹے کو مقرر کرتا تھا۔ اگر بیٹا نہ ہو تو پھر کسی دیگر قریبی رشتہ دار کو ڈھونڈتا مثلاً بھائی، بھتیجا یا بھانجہ یا داماد، اگر کوئی نہ ہوتا تو کسی قریبی رشتہ دار کو دیکھتا۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو اس کے گھر کے آزاد کردہ غلاموں یا اسکے متعلق لوگوں میں سے کسی کو اس خدمت کے لائق پاتا تو اس کو مقرر کرتا۔ اگر

کوئی نابالغ وارث ہوتو اس کی پرورش کا ذمہ خود لیتا۔(2) علماء اور مشائخ سے ملاقات کرتا اور ان کو کوئی گاؤں یا زمین یا ادراری دیتا۔ بہت خوش خوارک شخص تھا۔(3) اور مہمانوں کو ان کی مرضی کے کھانے کھلاتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد کچھ دن تو اس کے لڑکے احمد خان لودھی کو اس کی جگہ قائم رکھا گیا مگر اسے نہ تو خان جہان کا خطاب دیا گیا اور نہ ہی اس کی جگہ دی گئی۔ خان جہان لودھی کے دو عہدیداروں میاں زین الدین اور میاں زبر الدین کو خان جہان لودھی کے پرگنے حوالے کیے گئے۔ احمد خاں لودھی کو ریواڑی میں کیتھل کے پاس اس کی ماں کے نام پر ایک پٹہ دے دیا گیا۔ اور ایک لاکھ تنکہ سالانہ برائے خریداری گھوڑے اور ایک لاکھ تنکہ برائے ملبوسات اور ایک لاکھ برائے دیگر اشیاء وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔(4)

میاں زین الدین

میاں زین الدین مذکورہ بالا خان جہان لودھی دوم کا عہدیدار تھا۔ اس کے بعد اس کی جگہ مقرر ہوا بہت مذہبی شخص تھا اور علماء اور مشائخ سے بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ کثرت سے تلاوت اور نمازیں ادا کرتا تھا۔ کھانے کے دوران بھی علماء سے بحث و مباحثہ کرتا تھا۔ اس کے گھر میں اہل خانہ یہاں تک کہ غلام بھی نماز کے پابند تھے۔ ہر جمعہ کے روز رات کو 6 من حلوہ تقسیم کرتا تھا۔ جبکہ شب قدر کو اس سے بھی زیادہ تقسیم کرتا۔ اس کے باورچی خانے سے ہر شخص کو کھانا ملتا تھا۔ رمضان میں سحری اور افطاری کے وقت سب لوگوں کو کھانا دیا جاتا۔ ہر سال اس کے رشتہ دار دہلی سے آگرہ اس سے ملنے آتے تو وہ سب کی مہمان نوازی کرتا اور رخصت کرتے وقت ہر ایک کو کپڑے، پلنگ، خوابگاہ کے کپڑے اور پالکی دیتا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کی تاریخوں میں روزانہ دو ہزار تنکے کا کھانا پکوا کر تقسیم کرتا اور پہلے اور آخری دن تو 4 ہزار تنکے کے کھانے پکواتا۔ سلطان سکندر کی وفات کے بعد اسے برطرف

کر دیا گیا اور احمد خان پسر خان جہان لودھی دوم کو اس کے باپ کی جگہ مقرر کر دیا گیا۔ اس نے بہت سے لوگوں کو قرض دیئے۔ مگر اپنے آخری دور میں ان قرضوں کی رسیدیں پھاڑ دیں کہ میں نے یہ قرض کی نیت سے نہیں بلکہ کارخیر کے لیے دیئے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ قرضے 6 لاکھ روپے کے تھے۔ رزق اللہ مشتاقی کے والد کی بھی اکثر امداد کیا کرتا تھا۔(5) میاں زین الدین کی اپنی حویلی تھی جس میں اس کا اپنا کتب خانہ بھی موجود تھا۔ میاں زین الدین نے 55 سال لودھی خاندان کی ملازمت میں گزارے۔(6)

میاں زبرالدین

یہ میاں زین الدین کا حقیقی بھائی تھا۔ بہت متقی اور پرہیزگار تھا۔ 8 ماہ دہلی میں رہتا تھا اور 4 ماہ آگرہ میں۔ صوفیہ، شعراء، فضلاء اور قوالوں اور گویوں سے بہت شوق تھا۔ بہت بڑا باورچی خانہ تھا۔ جہاں سے کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ حوض شمس دہلی میں علماء و فضلاء کی مجلس جماتا تھا۔ شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ یہ سلطان ابراہیم کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا اور بادشاہ کو تنہا نہیں چھوڑا۔ اس کا مقبرہ اور خانقاہ حوض شمی کے اوپر ہے۔(7)

مجاہد خان:

اس کو مجاہد خان کالا بھی کہتے تھے۔ یہ جب کسی کے ذمہ کوئی کام لگاتا تھا تو اس کو بلا کر بجائے ملازمت دینے کے یہ کہتا تھا کہ میں تمہیں اپنے وکیل کے طور پر وہاں کام دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس کو کہتا کہ تمہاری قدیم جاگیر بیس ہزار کی ہے۔ اب تمہاری ترقی کی جاتی ہے اس میں اضافے کی کوشش کرو کہ اور زیادہ آمدن ہو اور اگر تمہارے رشتہ دار یا ملنے والے آجائیں تو ان کی مہمان نوازی کرو۔ اگر ان کو ضرورت ہو تو بیس ہزار تنکہ میرے خزانے سے قرض کے طور پر یا سوداگری کے طور پر دے دو جب فصل سستی ہو تو اسے کچھ بچا کر رکھو

اور بعد میں فروخت کرو تو فائدہ ہوگا۔" اس کی ولایت میں ہر پرگنے میں پچاس یا سو دیہات ہوتے تھے اور ہر دیہات میں ایک جفت دار زراعت کرنے پر مقرر ہوتا تھا۔ رخصت کے وقت اپنے افسر کو کہتا کہ ایمانداری سے کام کرنا۔ اگر بے ایمانی کی تو اپنا نقصان خود کرو گے۔(8)

خواص خان

اس کا اصل نام خواجہ جوہر تھا۔ یہ سلطان سکندر کا پروانہ نویس تھا۔ پھر اسکے وزیر اعظم کے عہدے پر جا پہنچا۔ اس کا پروانہ اس قدر معتبر ہوتا تھا کہ جب کوئی سلطان سکندر کے پاس جاتا اور اس سے کہتا کہ میرے پاس خواجہ جوہر کا پروانہ ہے تو سلطان اس کا کام فوراً کر دیتا۔ نگرکوٹ کی فتح اسی کے کارناموں میں ہے۔ وہاں کی آمدنی تین لاکھ تنکہ مقرر تھی۔ خواص خان نے یہ آمدنی پندرہ لاکھ تک پہنچا دی۔ جب سلطان کے پاس واپس آیا تو مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ سلطان کے پاس آ کر اس کو کاغذ دے کر کہا کہ یہ سارا حساب کتاب ہے۔ سلطان نے کہا کہ "میں نے تجھے وکیل مطلق کیا ہے تجھ سے کیا حساب کتاب لینا۔ جو کچھ تو نے کیا ہے گویا میں نے کیا ہے۔" بہر حال اس کے اصرار پر سلطان نے ایک نظر حساب کتاب دیکھا اور کہا کہ جو کچھ تم نے کیا ہے درست ہے اور میں نے حساب کتاب بخش دیا ہے۔ اس کے بعد خواص خان خوف خدا سے رونے لگا۔ سلطان نے تسلی دی کہ جس خدا نے میرے دل میں تیرے لیے رحمت رکھی ہے وہ خود بھی تجھ پر رحم کرے گا۔ کچھ دن بعد خواص خان فوت ہو گیا اور اسکے بیٹے میاں بھواہ کو اس کی جگہ قائم مقام مقرر کیا گیا۔(9)

میاں بھووہ

میاں بھووہ ابن خواص خان کو کچھ عرصے کے بعد خواص خان کی جگہ وکیل مطلق مقرر کر دیا گیا۔ وہ ہر وقت علماء اور فضلاء کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ حکیموں اور خطاطوں کی بھی ایک

تعداد اس کے پاس تھی۔ تمام علوم کی کتابوں کی نقلیں (مزید نسخے) تیار کرواتا تھا۔ ہندوستان، خراسان، عراق اور ماوراالنہر کے حکیموں کو اکٹھا کر کے "طب سکندر شاہی" تحریر کروانا اسی کا کارنامہ ہے۔ نماز پنجگانہ کا پابند تھا اور اپنے گروہ کے ساتھ کھانا کھایا کرتا تھا۔ اس کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ اس کے مطبخ ابادورچی خانے سے ہر روز پچاس مرغ اور حلوے تیار ہوتے تھے۔ اس کے پاس جو سپاہی نوکر ہو جاتا تھا اس کے پاس پہلے روز کمان ہوتی تھی۔ تیسرے روز اسے گھوڑا، شتر، خیمہ، گھوڑوں کا دانہ اور زین وغیرہ بھی مل جاتا تھا۔ اس کے بعد کھانے کا سامان، برگ تنبول، کافوردان، خوشبو دان، پلنگ، سونے کا لباس، پہننے کے کپڑے، فرش بساط، جنگ کا سامان وغیرہ سب فراہم کیا جاتا۔ دو سال تک اسے سپاہی رکھا جاتا اور اس کے بعد اس کے گھر کے نزدیک جو پرگنہ ہوتا وہاں اسے جاگیر دی جاتی تھی۔ میاں بھوہ کے پاس ہر ولایت میں قریہ اور دیہات تھے۔ وہ وہیں کہیں اسے جاگیر دے دیتا اور اس کا سارا قرضہ جو اس نے اس دو سال میں لیا ہوتا بھی معاف کر دیتا اور اسے جاگیر پر روانہ کر دیتا۔ (10)

دولت خان لودھی

یہ حاکم لاہور تھا اور سلطان سکندر کے امراء میں شامل تھا۔ بہت پرہیز گار اور سخت گیر مسلمان تھا۔ اس کی ولایت میں شراب، سود، فحاشی اور جواء بالکل بند تھے۔ کبھی کسی کو گالی نہ دیتا مجلس میں بھی تلاوت قرآن کرتا رہتا تھا۔ مستحقین کو زکوۃ دیتا۔ (11) تاریخ شاہی میں اس کے بارے میں یوں درج ہے:

اس کے امرائے سلطنت میں دوسرا "دولت خان لودھی" تھا جو ایسا دلاور تھا کہ گویا ہندوستان میں ایک دوسرا رستم پیدا ہو گیا ہو۔ بیس جنگوں میں فتح پائی اور کبھی پیٹھ نہ دکھائی۔ شجاعت کے علاوہ کمال کا سخی بھی تھا۔ (وہ اتنا سخی تھا کہ) اگر اسے قارون کا خزانہ بھی مل جاتا

تو لوگوں میں ایسے ہی لٹاتا۔

کہتے ہیں (ایک بار) تیس عراقی گھوڑے ولایت سے آئے ہوئے تھے۔ پندرہ گھوڑوں پر ساز ڈال کر دولت خان کے پاس لائے۔ جب (اس کے سامنے) ایک گھوڑے کو پھرایا گیا تو احمد خان سربنی سے جو (اس کا مخلص اور) جانی دوست تھا، پوچھا: ''احمد خاں! یہ کیسا گھوڑا ہے؟''۔ اس نے تعریف کرتے ہوئے کہا: ''خان صاحب سلامت رہیے، نہایت خوبصورت گھوڑا ہے۔'' (اس پر وہ گھوڑا) اسے بخش دیا اور دوسرا گھوڑا طلب کیا۔ اسے بھی اس کے سامنے پھرایا گیا تو پھر احمد خان نے پوچھا۔ اس نے پھر تعریف کی تو اسے وہ بھی بخش دیا۔ ایسے ہی دس گھوڑے دے دیے۔ جب گیارہواں گھوڑا لائے تو پھر احمد خاں سے پوچھا مگر وہ خاموش رہا۔ کہنے لگا: ''خاموش کیوں ہو گئے؟'' احمد خان نے کہا: ''بخشش حد سے زیادہ گزر چکی ہے۔'' کہنے لگا: ''ایک لینے سے کیا عاجز آ گئے ہو؟'' پھر داروغہ اصطبل سے پوچھا: ''کتنے گھوڑے باقی رہ گئے ہیں جو ابھی تک دیکھنے میں نہیں آئے؟''۔ اس نے عرض کیا: ''چار عدد رہ گئے ہیں جو ہنوز نظر سے نہیں گزرے۔'' فرمایا: ''انہیں بھی احمد خان کے گھر باندھ آؤ۔'' (12) یہ وہی دولت خان ہے جس نے بابر کو حملے کی دعوت دی تھی۔

میاں سلیمان فرملی

یہ شیخ سلمان فرملی کا نواسہ تھا۔ سلطان سکندر کے امراء میں تھا۔ اور آگرہ میں ہوتا تھا۔ میاں بدر الدین اس کے امام تھے۔ شیخ رزق اللہ مشتاقی نے میاں بدر الدین سے کنز الدقائق پڑھی تھی۔ یہ روزانہ صبح سپاہیوں کی پریڈ کراتا جس میں کم از کم دو ہزار سپاہی موجود ہوتے۔ اس کے پاس تقریباً 6 ہزار سوار تھے۔ اس کا مطبخ بھی بہت وسیع تھا اور جو کچھ خود کھاتا تھا دوسروں کو بھی کھلاتا تھا۔ موسم برسات اور موسم سرما میں لوگوں میں قبا اور گلیم (گلوبند) تقسیم کرتا تھا۔ بیوہ عورتوں کو چادریں دیتا۔ محرم اور ربیع الاول اور رجب میں

غریبوں میں نقدی تقسیم کرتا۔ اگر اس کے دربار میں کوئی سپاہی کھڑا ہوتا تو اس کو بغل گیر کرتا تھا۔ اگر خود گھوڑے پر ہوتا تو خود اتر جاتا اور پھر ملاقات کرتا۔ (13)

جلال خان لودھی، خان خانان نوحانی، اور دلاور خان پسر میاں بھووہ:

یہ تینوں بھی امراء میں تھے۔ دنیاوی معاملات میں بہت فضول خرچ تھے اور ان میں سے ہر ایک کی بہت سی بیویاں اور حرمیں تھیں۔ ان کے دیگر خرچے بھی بہت تھے۔ میاں بھووہ کا بیٹا دلاور خان تو اپنے گھر کے لیے روزانہ ڈھائی ہزار ٹنکے کے پھول خریدتا تھا۔ (14)

میاں گدائی فرملی

میاں گدائی بھی خاص امراء میں تھے۔ ان کے ہاں سے بھی بہت حلوے اور دیگر پکوان پکتے تھے اور لوگوں میں تقسیم ہوتے تھے۔ ان کے ہاں بھی بہت سے عالم و فاضل ہوتے تھے۔ میاں گدائی قنوج کے مقطع یا حاکم تھے۔ (15)

سعید خان پسر مبارک خان یوسف خیل لودھی:

ان کے پاس لکھنوٴ کا اقطاع تھا۔ ان کے پاس جب بھی کوئی قلندر یا سپاہی یا امیر آتا تو اس کو پہلے کھانا کھلاتے تھے۔ ہر طرح کے اچار، نان، ملائی اور کئی دیگر پکوان ہر وقت موجود ہوتے تھے۔ بہت سخاوت کرتے تھے۔ ایک بار وکیل شیخ احمد ولد میاں عماد فرملی ان کے پاس آ گیا اور کہنے لگا کہ بیٹی کی شادی کرنے گھر جا رہا ہوں۔ انہوں نے فوراً اپنے بکسے سے سونے کی اشرفیاں نکال کر اس کو دیں۔ جب ان اشرفیوں کو گنا گیا تو یہ ستر ہزار اشرفیاں تھیں۔ جب سعید خان لودھی کو بتایا گیا کہ یہ تو ستر ہزار اشرفیاں ہیں تو انہوں نے حکم دیا کہ پھر پوری ایک لاکھ کر دو۔ ایک روز کسی دہقان نے برتن لا کر کہا اس کو سونے کی اشرفیوں

سے بھر دو۔ سعید خان نے اس کی ضرورت پوری کر دی تو اس دہقان کے برتن میں ایک لاکھ سے زائد اشرفیاں آ گئیں۔ ایک دفعہ ایک عورت ساگ پکا کر لائی تو اس کا برتن بھی اشرفیوں سے بھر دیا۔ ایک بار اس نے ایک دوسرے امیر سدو خان سربنی کو 120 گھوڑے جو اس زمانے میں بہت مہنگے ہوتے تھے۔ ہدیہ میں دے دیئے تھے۔ جب سلطان سکندر نے چندیری کا حاکم مقرر کیا تو یہ سات لاکھ ٹنکے کا خزانہ لے کر جا رہا تھا۔ راستہ لمبا اور دشوار تھا۔ خزانہ اٹھانے والوں کی بھی کمریں زخمی ہو گئیں۔ راستے میں چار پائیاں بھی نہیں تھیں۔ جب بادشاہ کے علم میں آیا تو اس نے حکم دے دیا کہ سارا خزانہ سپاہیوں پر تقسیم کر دو۔ سعید خان نے ایسا ہی کیا۔ جب اس کی تفصیل سعید خان کو دکھائی گئی تو کاغذ پھاڑ کر بولا کہ ہم کیا بقال یا صراف ہیں کہ قرض دے رہے ہیں اور پھر واپس لیں گے۔ یہ سب سپاہیوں کو بخش دیا ہے۔ (16)

مسند اعلیٰ اعظم ہمایوں

نوحانی پٹھان تھا۔ یہ کرہ کا حاکم تھا بہت سخی تھا۔ ہر سال قرآن پاک کے دو ہزار نسخے تیار کر کے تقسیم کیا کرتا تھا۔ ملتان سے سنارگاؤں (نزد کلکتہ) تک ہر جگہ سے طالب علم اس کے پاس آتے تھے۔ بقر عید کے روز تین ہزار گائے، دنبے اور اونٹ کی قربانی کرتا تھا۔ اس کے پاس سات سو ہاتھی، اور پینتالیس ہزار سپاہی تھے۔ اس کی ماتحتی میں ڈھائی ہزار منصب دار (مراتب دار) تھے۔ ان میں بعض بڑے امراء بھی تھے۔ سیف خان اچا خیل اس کا نائب تھا۔ اس کے پاس 6 ہزار سوار تھے۔ اس کا خانہ زاد دولت خان نوحانی تھا جس کے پاس چار ہزار سپاہی تھے۔ ایک اور امیر علی خان اوشی کے پاس 4 ہزار سوار اور فیروز خان سروانی کے پاس 6 ہزار سوار تھے۔ باقی امراء کے پاس 25 ہزار سپاہی تھے۔ (17)

احمد خان لودھی

احمد خان لودھی ولد جمال خان لودھی سارنگ خانی جونپور کا حاکم تھا۔ مذہب اسلام کا بہت سخت پابند تھا۔ روزانہ سپاہیوں اور علماء سے ملاقات کرتا تھا۔ ایک بار ایک 'زمرد' (پتھر کا نام) پچیس ہزار ٹنکے میں خرید کر احمد خان کے خزانے میں داخل کر دیا گیا۔ احمد خان کے علم میں آیا تو اسے ناپسند کیا اور کہا کہ اس طرح سے پتھر پر اعتماد کرنا خدا پر بے اعتمادی کرنا ہے۔ جبکہ مجھے صرف خدا پر اعتماد ہے۔ وہ پتھر واپس کر دیا اور اس کی جو رقم واپس آئی تو پانچ ہزار اس پتھر کے مالک کو انعام دے دیئے، پانچ ہزار میران سیر ادجھر کو دیے اور باقی مجلس میں موجود علماء و مشائخ و مستحقین میں تقسیم کر دیئے۔ (18)

خان اعظم لاد خان

لاد خان ولد احمد خان لودھی ولد جمال خان لودھی سارنگ خانی۔ یہ بھی بہت سخی تھا۔ البتہ اسے دس سے زیادہ گنتی نہیں آتی تھی۔ اسی طرح سے یہ آدھے کی گنتی بھی نہیں جانتا تھا۔ اگر اسکو کہا جاتا کہ دو اور آدھا یا ایک اور آدھا تو یہ پوچھتا کہ وہ کیا ہوتا ہے۔ اگر فارسی میں بتا دیا کہ "دونیم" اور "یک نیم" تو یہ سمجھ جاتا۔ لیکن اگر ہندی میں بتاتے کہ "اڈھائی" یا "ڈیڑھ" تو یہ نہیں سمجھتا تھا۔ شطرنج کا شوقین تھا اور دوران شطرنج کوئی تحفہ آ جاتا تو ساتھ کھیلنے والے کو دے دیتا۔ شاہنامہ فردوسی اور سکندر نامہ سنا کرتا تھا۔ اسی دوران کچھ آ گیا تو کتاب پڑھنے والے کو دے دیا۔ موسم سرما میں ملازمین اور دیگر لوگوں کو لباس تقسیم کرتا تھا۔ اس کے گھر میں دو سو سے زائد رشتہ دار ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس اپنے گھوڑوں کے لیے الگ طویلہ ہوتا تھا۔ اس کے حرم میں بہت عورتیں تھیں۔ اپنے محل میں بہت سے حوض اور فوارے تعمیر کرائے تھے۔ اپنے محل پر حاجب بٹھایا تھا جو دروازے کے باہر کی جانب

بیٹھتا تھا۔ اندر کی جانب پردہ دار بیٹھتا تھا۔ پھر محل کے اندرونی حصے میں خواجہ سرا ہوتا تھا۔ اور حرم کے اندر بوڑھی عورت ہوتی تھی۔ اگر کوئی بات کرنی ہو تو اس چار واسطوں سے گھر کی عورتوں تک آتی تھی۔ وہ عورتیں خان مذکور کو کہتی تھیں۔ پردہ کا نظام اتنا سخت تھا کہ باہر آنے والے مرد کا نام نہ لیا جاتا تھا۔ اگر ضرورت ہوتی تو اس کا عہدہ بتایا جاتا۔ جب عورتیں کہیں جاتیں تو گاڑیوں کے ساتھ صندوق ہوتے تھے۔ ہر عورت کو ایک صندوق میں بٹھاتے تھے جس پر تالا لگا ہوتا تھا۔ اور ہر صندوق کے ساتھ ایک ڈولی ہوتی تھی۔ صندوق اور ڈولی پر غلاف ڈالا جاتا تھا۔ (19)

مسند عالی میاں محمد فرملی

سلطان بہلول کا بھانجا تھا۔ یہ اودھ کا حاکم تھا اور اس کا خطاب کالا پہاڑ تھا۔ بھڑائچ سے سلطان حسین شرقی کے حاکم شمس خان کو اسی نے بے دخل کیا تھا۔ اور اس کی ولایت بھی میاں محمد فرملی کے پاس آ گئی تھی۔ اس کی ولایت میں 24 راجپوت راجے تھے۔ ایک بار ان سب نے بھی بغاوت کی تو میاں محمد فرملی نے ان کو شکست دی۔ اس کے خاص آدمیوں میں میاں نعمت اللہ، ملک اللہ داد قنوجی اور قیام خان نیازی تھے۔ علاقے میں اس کی دہشت بہت تھی اور لوگ اس کے نام سے ڈرتے تھے۔ بادشاہ اس کی اتنی عزت کرتا تھا کہ جب اس کو خلعت دی گئی تو ساتھ میں ایک سو ایک گھوڑے بھی دیئے گئے حالانکہ دوسرے امراء کو ایک گھوڑا ملتا تھا۔ یہ میاں محمد فرملی سلطان بہلول کی بہن کا بیٹا تھا۔ جنگوں میں زخم کی وجہ سے اس کا ایک ہاتھ بیکار ہو گیا تھا۔ مگر وہ اسی حالت میں بھی خود تیر کمان چلا کر شیر کا شکار کرتا تھا۔ (20)

میاں حسین فرملی:

اسے اقطاع سارن اور چپارن کا مقطع مقرر کیا گیا تھا۔ وہاں اس کا لقب "جگہست"

تھا۔ ہندی میں 'جگجیت'' اسے کہتے تھے جس کی سخاوت پوری دنیا میں مشہور ہو۔ اس کے امراء میں کررانی قوم سے مغولا منگلی کررانی، ہیبت خان کررانی، بہادر خان کررانی اور اختیار خان کررانی تھے۔ سخاوت میں بہت مشہور تھا۔ ایک جنگ میں مخالف راجپوتوں کو قتل کیا۔ ان مقتولوں کی پازیبوں سے بیس ہزار اشرفیاں حاصل ہوئیں۔ اس سے اس کی دولت کا اندازہ کرلیں۔ (21)

مسند عالی دریا خان نوحانی

دریا خان نوحانی بہار کا حاکم تھا۔ بنگال اور اڑیسہ کی سرحدوں تک اس کا علاقہ تھا۔ بہت بہادر اور دلاور تھا۔ جب جونپور سے سلطان سکندر کی واپسی کے بعد 22 امراء نے بغاوت کی تو کسی کو ان سے لڑنے کی ہمت نہ ہوئی علاوہ دریا خان نوحانی اور جمال خان لودھی عرف سارنگ خانی کے لسطان حسین شرقی کو بھی اس نے شکست دی تھی۔ جب سلطان سکندر فوت ہوا تو بنگال کے بادشاہ اور اڑیسہ کے راجہ نے لشکر جمع کر کے بہار پر حملہ کرنا چاہا۔ دریا خان نے کہا کہ سکندر لودھی مر گیا تو کیا ہوا میں تو زندہ ہوں۔ یہ کہہ کر خود اپنے لشکر کے جھنڈے بنگال اور اڑیسہ کی سرحد پر نصب کردیے جس کے بعد ان بادشاہوں کو حملے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ بہت سخی تھا اور بہت خطیر رقم لٹایا کرتا تھا۔ (22)

maablib.org

تاتارخان:

سلطان ابراہیم کے امراء میں ایک تاتارخان تھا بہت رئیس اور سخی تھا۔ اس کے پاس جہاں کہیں کے بھی نذر آتی تو فوراً عہدیداروں میں بانٹ دیتا۔ اگر نذر میں گھوڑا یا سواری کے دیگر جانور آتے تو وہ جلوداروں اور چوبداروں کو دے دیتا۔ اگر مجلس میں ہوتا تو مصاحبوں کو دیتا۔ اگر تنہا ہوتا تو خدمت گاروں کو دے دیتا تھا۔ ایک دن ایک حجام اس کی حجامت کر رہا تھا۔ سنبھل کے حاکم زین خان (یا دوسرے کے نسخے کے مطابق احمد خان) نے تین عمدہ قسم کے شامیانے بھیجے جو بہت منقش تھے۔ اس نے حکم دیا کہ اس حجام کو دے دو۔ طوخان سروانی (یا بلوخان سروانی) نے جو تاتارخان کا دوست تھا، کہا کہ اگر حکم ہو تو ان کی قیمت حجام کو دے دوں اور یہ میں رکھ لوں۔ اس پر تاتارخان کو غصہ آیا۔ اس نے کہا کہ تو اس طرح سے ہمارا اصول توڑ رہا ہے۔ اگر کوئی دوسرا کہتا تو اسے سزا دیتا[23]۔

ہیبت خان گرگ انداز:

یہ بھی ابراہیم لودھی کے خاص امراء میں تھا۔ ایک روز سکندر باغ، بیانہ میں جشن تھا۔ دریا خان سروانی اور محمود خان لودھی بھی بیٹھے تھے۔ اچانک دو بھیڑیے ایک بھیڑ کو اٹھا کے لے گئے۔ ہیبت خان رفع حاجت سے فارغ ہو کر آ رہا تھا کہ گلہ بانوں کا شور سن کر اس نے خدمت گاروں سے تیر کمان لیا اور ایسا تیر مارا کہ دونوں بھیڑیوں کے پار ہو گیا۔ اس دن سے اسے گرگ انداز کہا جانے لگا۔ لوگوں پر بہت بخشش کرتا تھا۔ اس کے دور میں بیانہ میں موسیٰ خان نامی شاعر تھا۔ اس نے ہیبت خان کی شان میں ایک قطعہ کہہ کر قوالوں کو دیا کہ جشن کے روز اس کے سامنے گائیں قوالوں نے

جب یہ قطعہ گایا تو اس نے وہ بساط ہی شاعر کو دے ڈالی جس پر بیٹھا تھا۔ اس کے علاوہ سات ہزار ٹنکے قوالوں کو بطور انعام دیئے۔ بعض نسخوں میں یہ رقم دو ہزار ٹنکے اور بعض میں دس ہزار ٹنکے درج ہے[23]

جب شہزادہ جلال خان کو جونپور سے واپس لانا چاہا تو ابراہیم لودھی نے اسی کو روانہ کیا تھا جس کا ذکر اوپر آیا ہے مگر یہ ناکام لوٹا۔

احمد خان:

خان جہان دوم کی وفات کے بعد کچھ دن تو اس کے لڑکے احمد خان لودھی کو اسکی جگہ قائم رکھا گیا مگر اسے نہ تو خان جہان کا خطاب دیا گیا اور نہ ہی اسکی جگہ دی گئی۔ خان جہان لودھی کے دو عہدیداروں میاں زین الدین اور میاں زبر الدین کو خان جہان لودھی کے پرگنے حوالے کیئے گئے۔ احمد خان لودھی کو ریواڑی میں کیتھل کے پاس اس کی ماں کے نام پر ایک پٹہ دے دیا گیا اور ایک لاکھ تنکہ سالانہ برائے خریداری گھوڑے اور ایک لاکھ تنکہ برائے ملبوسات اور ایک لاکھ برائے دیگر اشیاء وظیفہ مقرر کر دیا گیا[25]

لیکن ابراہیم لودھی نے احمد خان لودھی کو پھر سے سرفراز کیا۔ میاں زین الدین کو جاگیر سے ہٹا کر احمد خان لودھی کو مقرر کیا گیا[26]

قطب خان:

سلطان ابراہیم کے مصاحبوں میں سے ایک قطب خان بھی تھا جو اپنے حسن و جمال اور سخاوت و شجاعت میں مشہور تھا۔ اس کے حوالے سے ایک افسانوی قصہ بھی تاریخ شاہی میں درج ہے[27]۔

maablib.org

تبصرہ:

ان امراء کے حالات بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سکندر لودھی کے دور میں افغانوں کے حالات بہت تبدیل ہو گئے۔ انہوں نے جگہ جگہ قدیم سلاطین و راجاؤں کے مراکز پر حملے کر کے ان کے مال و دولت کو لوٹا۔ صدیوں سے جو خزانے راجپوتوں کے ہاں دفن تھے اور سنبھال کر رکھے گئے تھے وہ سب انہوں نے نکال لیے۔ ان کی ایک اچھی بات یہ تھی کہ خزانے میں اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے علاوہ عام سپاہیوں اور رعایا تک کو حصہ دیا کرتے تھے اور یوں اپنے گروہ کو خوش رکھ کر اپنی طاقت میں اضافہ کرتے تھے۔ مگر اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ افغانوں کی قبائلی خو میں کمی آ گئی۔ اگرچہ سپاہی خوب لڑتا تھا مگر یہ لوگ آسودہ حال ہو گئے۔ ان پر شہریت غالب آ گئی ان کو پیسے کا اور عیش و عشرت کا چسکا لگ گیا اور یہ سست ہو گئے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ ان کے دور میں علم و فضل، فنون حرفت و صنعت اور موسیقی و رقص و سرود میں بہت ترقی ہوئی۔ ہر سردار اور ہر خان کے ہاں بزم میں آراستہ ہوتی تھیں۔ ضرورت مندوں کی ضروریات بھی پوری ہوتی تھی۔ البتہ تو سال کے بعد ان کی بڑی تعداد بھی بابر بادشاہ کی فوج سے شکست کھا گئی۔ علاوہ ازیں امراء کی اس معاشی طاقت، فوجی قوت اور اثر و رسوخ سے سلطان سکندر کو بھی خطرہ ہوا۔ اس نے اپنے آخری دور میں کسی نہ کسی بہانے ان کو ہٹانے کی کوشش شروع کر دی۔ اس پالیسی کو سلطان ابراہیم نے آگے بڑھایا اور پھر امراء کی حمایت سے محروم ہو گیا۔

حواشی

(1) واقعات مشتاقی ص67
(2) ایضاً ص68
(3) ایضاً
(4) ایضاً ص70
(5) ایضاً ص69-74
(6) ایضاً ص76
(7) ایضاً ص
(8) ایضاً ص76-77
(9) ایضاً ص77-79

maablib.org

(10) ایضاً ص79-81

(11) ایضاً ص81

(12) تاریخ شاہی ص60-61

(13) واقعات مشتاقی ص81-2

(14) ایضاً ص82

(15) ایضاً ص82-3

(16) ایضاً ص83-85

(17) ایضاً ص8[illegible]-86

(18) 87-89

(19) ایضاً ص89-93

(20) ایضاً ص93-95

(21) ایضاً ص95-98

(22) ایضاً ص99-100

23 [redacted] تاریخ شاہی صفحہ 112

24 [redacted] ایضاً صفحہ 112-113

25 [redacted] واقعات مشتاقی صفحہ 70

26 [redacted] ایضاً

27 [redacted] تاریخ شاہی صفحہ 113-5

باب نمبر 26

لودھی دور میں عوام کے حالات زندگی

دیہاتی زندگی

ہندوستان چونکہ شروع سے ایک زرعی ملک تھا لہٰذا اس کی آبادی کی اکثریت دیہاتوں میں آباد تھی اور آج بھی ہند کی اکثر آبادی دیہاتوں اور قصبوں میں آباد ہے۔ دیہاتوں میں آباد ہونے والے یہ لوگ اکثر وہیں محدود حلقے میں رہتے ہوئے خوشی محسوس کرتے تھے۔ کبھی کبھار برسات کے موسم میں وبا پھوٹ جانے سے دیہاتیوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ہر دیہات میں ایک حجام، ایک لوہار، ایک ترکھان اور کوچوان ہوتا تھا جس سے دیہاتیوں کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی تھیں۔ دیہاتوں میں زیادہ تر مشترکہ خاندانی نظم تھا۔ تفریح کے ذرائع میں قصہ گوئی اور گپ شپ کے ڈیرے بھی تھے۔ بچے اور عورتیں درختوں پر جھولے ڈال کر تفریح کیا کرتے تھے۔ دیہات میں پنچائیت کا نظام موجود تھا اور ذات پات کی سختی سے پابندی ہوتی تھی۔ (1)

شہری زندگی

لودھی دور میں ہندوستان میں شہروں کی تعداد بہت کم تھی لیکن جو شہر آباد تھے وہ بہت بڑے تھے اور ثقافتی و تہذیبی سرگرمیوں سے بھرپور تھے۔ ان میں دہلی، سنبھل، آگرہ، بیانہ، اجمیر، لاہور، سرہند، جونپور، کالپی، پنڈوہ، ملتان وغیرہ قابل ذکر تھے۔ دہلی سب سے بڑا شہر تھا

جو کئی شہروں پر مشتمل تھا۔ ان میں ہندوؤں کی قدیم آبادی بھی تھی اور سلاطین کے بسائے ہوئے کئی قلعے اور آبادیاں بھی شامل تھے۔ شہر میں امراء، متوسط طبقے اور غریب طبقے سب کے الگ الگ حصے تھے۔ ایک پیشے سے تعلق رکھنے والے لوگ عموماً ایک جگہ آباد ہوتے تھے اور وہ علاقہ ان کے اپنے نام سے جانا جاتا تھا۔ شہر کے لازمی اجزاء میں سلطان کا محل، فوجی چھاؤنی، امراء اور وزراء کی حویلیاں، مشیروں اور کلرکوں کے گھر، قاضیوں، شیخوں اور فقیروں کے مکانات شامل تھے۔ ہر جگہ پر کثرت سے عوامی حمام، آٹے کی چکیاں، اور دیگر پیشہ ور لوگوں کی دوکانیں ہوتی تھیں۔ دہلی کے مکانات، پتھروں اور اینٹوں کے بنے ہوتے تھے۔ چھتیں لکڑی کی بنائی جاتی تھیں جبکہ فرش سنگ مرمر سے مشابہ پتھروں سے بنائے جاتے تھے۔(2) عموماً گھر یک منزل ہوا کرتے تھے البتہ بعض گھر دو منزلہ بھی ہوتے تھے۔ غریب لوگ عموماً جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔

طبقہ امراء

طبقہ امراء میں سب سے اہم شخصیت سلطان کی تھی۔ وہ معاشرے کا سربراہ اور حاکم ہوتا تھا۔ فیشن کا انحصار سلطان پر ہی ہوتا تھا۔ اگر سلطان عیش پسند ہوتا تھا تو اس کے امراء اور عوام میں بھی وہی رجحان پایا جاتا تھا۔ سلطان کا اپنا ذاتی خزانہ کوئی نہیں ہوتا تھا بلکہ سرکاری خزانہ ہی اس کی ملکیت ہوتا تھا۔ قانونی طور پر سلطان کو پر تعیش زندگی گزارنے کا حق حاصل تھا۔ شاہی خزانہ بادشاہ کے ذاتی اخرجات کے علاوہ شاہی کاندان کے اخراجات، باغات، شاہی فوج اور پھر امراء پر خرچ کیا جاتا تھا۔ سلطان کو کثیر زوجگی کا حق حاصل تھا۔ ان دنوں بادشاہ اور امراء جنگ میں بھی اپنی عورتیں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔(3) البتہ زیادہ تر لودھی پٹھان عورتوں کو دوران جنگ گھر پر چھوڑ جاتے تھے۔(4)

اگرچہ تمام ریاستی کاموں کا انحصار سلطان پر ہوتا تھا لیکن پندرھویں صدی میں سرکاری

امور کی بہتات نہ تھی۔ اکثر سلاطین کھیلوں سے رغبت رکھتے تھے۔ مثلاً سلطان سکندر کو چوگان کے کھیل سے دلچسپی تھی۔(5) اس کے علاوہ شکار کرنا اور پرندے اڑانا بھی سلاطین اور امراء کا شیوہ تھا۔(6) بڑی تعداد میں کبوتر باز اور عقاب باز لوگ شہروں میں موجود تھے۔ سلطان کا اکثر وقت اپنے خاص دوستوں اور درباریوں میں گزرتا تھا۔(7) سید سلاطین کی نسبت لودھی سلاطین زیادہ مالدار تھے۔ اسی طرح ان کے امراء کے پاس بھی دولت تھی۔(8) عام امیر بھی لاکھوں روپے تفریحات و رسومات پر خرچ کیا کرتا تھا۔(9) اس کی وجہ یہ تھی کہ سید سلاطین کے دور میں سلطنت دہلی سکڑ گئی تھی جبکہ لودھی دور میں اس میں وسعت پیدا ہوئی اور فتوحات کے نتیجے میں بہت مال و دولت آیا۔ شعراء، موسیقار اور رقاص نہ صرف بادشاہ بلکہ امراء کے پاس بھی ہوتے تھے۔

اس دور میں افغان بہت مالدار ہو گئے تھے۔(10) فوج میں زیادہ تر یہی تھے لہٰذا جنگوں کی لوٹ میں اکثر مال غنیمت ان میں ہی تقسیم ہو جاتا تھا۔(11) طبقہ امراء زیادہ تر افغانوں پر ہی مشتمل تھا۔ ان کو امیر، ملک اور خان جیسے خطابات ملتے تھے۔(12) ان کی آمدنی اور تنخواہ کا ذریعہ ان کی جاگیریں تھی۔(13) تقریباً ہر افغان کے پاس چھوٹی بڑی جاگیر ضرور ہوتی تھی۔(14) اہم امراء کا درجہ فوج کے کمانڈروں اور صوبائی گورنروں کے برابر ہوتا تھا۔ اکثر امراء بڑی بڑی حویلیاں تعمیر کرتے تھے۔ امراء کے حالات کی تفصیل میں نے الگ باب میں تحریر کر دی ہے۔ وہاں رجوع کیجیے۔

شہری آبادی کا ایک اور اہم لیکن چھوٹا سا حلقہ علماء اور مشائخ تھے۔ یہ لوگ فلسفہ اور منطق سے واقفیت رکھتے تھے اور شرعی علوم میں ماہر تھے۔ ان کا تقرر عموماً عدالتی عہدوں پر ہوتا تھا اور یہ قاضی اور مفتی جیسے عہدوں پر فائز ہوتے تھے۔(15) یہ لوگ بہت زیادہ مالدار نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ان کا شمار متوسط طبقے میں ہوتا تھا۔ اپنے علم و فضل کی بناء پر ہر مذہب اور ہر طبقے کے لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔(16) بعض اوقات بادشاہ بھی ان کے آگے بے

بس ہوتا تھا۔ مثلاً جب سکندر لودھی نے اپنی نوجوانی میں کرک شیشر میں ہندوؤں کے غسل پر پابندی لگانی چاہی تو ملک العلماء کے مشورے و نصیحت پر وہ ایسا نہ کر سکا۔(17)

مسلم صوفیاء اور ہندو یوگیوں کا طبقہ بھی شہری زندگی کا ایک حصہ تھا۔ یہ لوگ اپنی خانقاہوں اور دھرم شالاؤں میں رہتے تھے۔ بعض کے اپنے ذاتی گھر بھی تھے۔ خانقاہوں یا دھرم شالاؤں میں صوفیا اور سنتوں (یوگیوں) کے ساتھ ان کے احباب اور شاگرد بھی رہا کرتے تھے۔(18) یہ خانقاہیں اور دھرم شالائیں پورے ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی پڑی تھیں۔ ان لوگوں کے اخراجات، صدقات اور دان، سے پورے ہوتے تھے۔ امراء سے لے کر غریب ترین شخص تک سب ان کی خدمت میں آتے تھے اور نذرانے پیش کرتے تے۔ عام لوگوں سے ان کا بہت قریبی تعلق ہوتا تھا۔ ان کا طرز زندگی انتہائی سادہ ہوتا تھا اور یہی چیز لوگوں کو ان کی جانب راغب کرتی تھی۔ خصوصاً مسلم صوفیاء کا کردار ترویج اسلام کے اہم اسباب میں سے ایک تھا۔ علاوہ ازیں مسلم صوفیاء امن اور صلح کا پیغام بھی دیتے تھے۔ مثلاً ماضی میں بھیٹر کے ہندو راجہ کی جانب سے شیخ صدر الدین امیر تیمور کے پاس صلح کا پیغام لے کر گئے۔(19) شیخ احمد نے تیمور کے چنگل سے کئی قیدی رہا کرائے۔ (20) شیخ عماد الدین نے اقبال خان اور بہرام ترک بچہ (حاکم سامانہ) کے درمیان صلح کرائی۔(21) شیخ شمس الدین نے لودھی دور میں دریا خان اور شیخ بایزید ابن سلطان بہلول کے درمیان صلح کرائی تھی۔(22) شیخ سماء الدین نے جلوانی سردار کو سلطان بہلول سے بغاوت کرنے سے روکا۔(23) شیخ یوسف قتال کی کوششوں سے اسلام خان (حاکم کرہ) اور ابراہیم لودھی کے درمیان صلح ہو گئی۔(24)

صوفیاء کی خانقاہیں علم و ادب کا مرکز اور موسیقی کے فروغ کا ذریعہ بھی تھی۔ بڑے بڑے علماء اور فضلاء اور امراء خانقاہوں پر آتے تھے۔(25) ہر درگاہ خصوصاً چشتی درگاہوں سے قوال منسلک تھے۔ جو بڑے اچھے انداز میں قوالیاں گایا کرتے تھے۔ جس میں خدا، رسول

اور اولیاء اللہ کی شان بیان کی جاتی تھی۔

صوفیاء کرام، مولویوں کے برعکس تھے۔ مولوی شریعت پر زور دیتے تھے جبکہ صوفیاء طریقت پر زور دیتے تھے۔ وہ اپنے کردار سے تبلیغ اسلام کرتے تھے۔ صوفیاء کے نزدیک الہامی کتاب کے الفاظ کی نسبت اس کی روح کو سمجھنے پر زور دینا چاہیے تھا۔ (26)

زیادہ تر ہندو یوگی چونکہ معاشرے سے کٹ کر رہتے تھے لہٰذا صوفیاء کی نسبت ان کی تبلیغی سرگرمیاں کم تھیں۔ (27)

عام لوگ

لودھی دور میں عام لوگ بھی بہت خوشحال تھے۔ بہلول لودھی کی جنگوں کے نتیجے میں سلطنت وسیع ہوئی اور بہت مال آیا تھا۔ ان کا ایک خاص حصہ زکوٰۃ و صدقات کی شکل میں غریبوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ سلطان کے ذاتی کردار کے باب میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ یہ لوگ کس طرح سے لنگر لگایا کرتے تھے اور صدقات و فطرانے دیا کرتے تھے۔ (28)

اس طرح سے بہت غریب لوگ بھی خوشحال ہو جاتے تھے۔ عام سپاہیوں کو معقول تنخواہ اور جاگیر ملتی تھی جس سے وہ اپنے اہل خانہ کا گزارہ کرتا تھا۔ (29) تاجروں کے لیے راستے پر امن تھے جس سے ملکی معیشت کو فائدہ ہوتا تھا۔ (30) پر امن ماحول میں دوکانداروں کی اور مختلف پیشہ ور افراد کی آمدنی بھی اچھی تھی۔ لودھی دور کے بارے میں تمام مورخین متفق ہیں کہ غربت اور بدامنی کا اس دور میں خاتمہ ہو گیا تھا۔ (31)

البتہ عوام کا رہن سہن سادہ تھا۔ کوئی امیر بنیاء بھی سادگی سے زندگی گزارتا تھا کہ اس کی جان و مال کو خطرہ نہ ہو۔

عوام کے دو بڑے گروہ تھے اول ہندو دوم مسلم

ہندو تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ ان کے درمیان چار بڑی ذاتیں برہمن (مذہبی فرائض

سرانجام دینے والے) کشتری (جنگ کرنے والے) ویش (زراعت کرنے والے) اور شودر (صفائی اور نچلے کام کرنے والے) تھیں۔(32) مذکورہ ذاتیں ہندو آبادی کا بڑا حصہ تھیں۔ کشتری ذات سے راجپوتوں کا تعلق تھا۔ یہ لوگ کثیر تعداد میں راجوں کی فوج میں تھے۔(33) اس کے علاوہ ان کی بڑی تعداد لودھی سلاطین کی فوج میں بھی بھرتی تھی۔ خصوصاً میو لوگ دہلی کی فوج میں کافی تھے۔(34) برہمن ہندو آبادی کی سب سے چھوٹی اقلیت تھے۔ لیکن سب سے موثر لوگ تھے اور تمام ہندو ان کا احترام کرتے تھے۔ برہمنوں کے ذمہ مذہبی فرائض کی انجام دہی اور ہندو قانون کی تشریح تھی۔ اس دور میں برہمن بہت طاقتور تھے۔

برہمنوں کی آمدنی کا ذریعہ مندروں کے چڑھاوے اور نذرانے تھے۔ اگرچہ عہد سلاطین میں یہ ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھے مگر مسلمانوں کی آمد کی وجہ سے یہ لوگ شاہی عہدوں سے بے دخل ہو گئے تھے۔ بھگتی تحریک کے زیر اثر ان کی معاشی حالت سنبھلنے لگی تھی۔(35)

کشتریہ طبقہ کی آمدنی کا اہم ذریعہ جنگ و جدل کا مالِ غنیمت تھا۔ یہ زیادہ تر سپاہی تھے۔ اس کے علاوہ اس طبقے کے اکثر لوگ صنعت و حرفت کے پیشوں سے بھی وابستہ تھے۔(36) مساوات اور لودھی حکمرانوں کے دور میں کشتریوں کو پھر سے عروج حاصل ہوا تھا اور ان کی بے شمار چھوٹی بڑی ریاستیں اور اجواڑے قائم ہو گئے تھے۔ یہ لوگ بہت طاقتور ہو گئے تھے۔

ویش طبقے کے لوگ زیادہ تر زراعت، تجارت اور سوداگری سے وابستہ تھے۔ تجارت پر زیادہ طبقہ سندھیوں کا تھا جن کو ضیاء الدین برنی نے ملتانی بھی کہا ہے۔(37)

شودر طبقے کے لوگ زیادہ تر نائی، باورچی، ترکھان، کھوسی، جولاہے، کلال، لوہار، دھوبی، سنار، درزی، قصائی، گلاب فروش، تیلی، مداری، موسیقار، چرواہے اور دیگر پیشوں سے وابستہ تھے۔ اسلام کے زیر اثر ان کا بڑا حصہ مسلمان ہو گیا تھا۔(38)

مسلمانوں کے اندر ذات پات کا کوئی نظام نہیں تھا۔ نہ ہی ان میں پیشوں کی بنیاد پر معاشرتی تقسیم تھی۔ ان کے اندر صرف مالی حیثیت کی تقسیم تھی۔ جو سرمایہ دار تھے وہ حکمران تھے۔ باقی سب عوام تھے۔ ویش اور شودر ذاتوں کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے اگرچہ ان کی معاشی حالت میں تبدیلی نہ آئی تھی مگر وہ معاشرتی طور پر اسی ذات کے بن گئے تھے جس سے بادشاہ تھا یعنی مسلمان اکثر مسلمان صوفیانہ سلسلوں سے وابستہ تھے۔ ایک عرصے کے بعد بہت سے نومسلم ان سلسلوں کے صوفیاء کی اولاد سے ہونے کا دعویٰ کرنے لگے اور بہت سے سید بھی بن بیٹھے۔ یہاں تک کہ بعض پٹھان بھی سید بن گئے جس کی افسانہ شاہان میں بھی مذمت کی گئی ہے۔ (39)

اگرچہ مسلمانوں کے اندر ذات پات نہ تھی مگر جو لوگ سید ہونے کے دعویدار تھے ان کی عام لوگ بلکہ بادشاہ تک عزت کیا کرتے تھے۔ (40) البتہ اگر سید سے دشمن ہوتو پھر اس کی سیاست کی پرواہ نہ کی جاتی تھی۔ (41) دیگر تمام نسل کے مسلمانوں میں عالم و فاضل کی زیادہ عزت ہوتی تھی اور اس کے بعد اس کی جو زیادہ مالدار ہوتا تھا۔ پٹھان چونکہ حکمران گروہ تھا لہٰذا وہ اپنی نسل پر غرور کرتے تھے۔ (42) مگر شادی بیاہ غیر پٹھانوں میں بھی کرتے تھے اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ (43) ہر پٹھان خود کو آزاد خیال کرتا تھا۔ (44) بعض سرداروں میں غرور تھا۔ وہ عام پٹھانوں کو اپنا نوکر خیال کرتے تھے جبکہ خود کو شاہی نسل قرار دیتے تھے۔ (45) اس دور میں پٹھان سب سے زیادہ سرمایہ دار تھے۔ (46)

عورتوں کی حالت

اس دور میں عورتیں مردوں پر انحصار کرتی تھیں۔ عورتیں پردہ کرتی تھیں۔ لیکن یہ پردہ اونچے طبقے میں زیادہ تھا اور جیسے جیسے طبقہ کی حیثیت کم ہوتی جاتی پردہ کم ہوتا جاتا تھا۔ عام عورتیں پردہ نہیں کرتی تھی۔ وہ بازاروں میں آجا سکتی تھیں۔ خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔ عورتیں

میلوں میں بھی جاتی تھیں اور مزارات پر بھی جاتی تھیں۔ سلطان سکندر نے عورتوں کے مزارات پر جانے پر پابندی عائد کر دی تھی۔(47) ہر طبقے کی عورتیں ہر جستہ عدالت میں جا سکتی تھیں۔(48) مسلمان بیواؤں کا نکاح ثانی ہو سکتا تھا۔(49) ہندو عورت کو بعض اوقات ستی کر دیا جاتا تھا۔(50) ابتداء میں افغان عورتیں مردانہ لباس پہن کر جنگ بھی کرتی تھیں۔(51) لیکن سلطان سکندر کے بعض امراء میں پردہ کی اتنی سختی آ گئی تھی کہ ایک امیر اپنی عورتوں کو صندوق میں بند کر کے لے جاتا تھا۔(52) جنگ میں قید ہونے والی امراء کی عورتوں کا احترام کیا جاتا تھا اور انہیں عزت سے واپس کر دیا جاتا تھا۔(53) بعض عورتیں بی بی راجی، شمس خاتون، بی بی مستو، نعمت خاتون بہت طاقتور اور بااثر تھیں۔(54) عورتیں تعلیم یافتہ بھی ہوتی تھیں گو کہ مردوں کے مقابلے میں انہیں کم تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندو عورتوں میں اندولیکھا، مرولہ، موریکا، وجی کا، شیلا، سبھدرا، پدم شری اور لکشمی جیسی شاعرات بھی تھیں۔(55) بادشاہوں کے درباروں میں مصورات، رقاصائیں اور استانیاں بھی ہوتی تھیں۔(56) جب کوئی بادشاہ ہندو راجوں پر حملہ کرتا اور راجوں کو شکست ہونے لگتی تو راجے بے عزتی کے خوف سے اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل بھی کر دیتے تھے۔(57) ہندوؤں اور مسلمانوں میں بچپن میں شادی عام تھی۔(58) سکندر لودھی عام لڑکیوں کی شادیوں کے لیے جہیز کا انتظام بھی کرتا تھا۔(59)

لباس

شہروں میں مختلف قسم کے ملبوسات تھے۔ بادشاہ اور امراء عموماً خلعت پہنا کرتے تھے۔ جو دراصل ایک اعلیٰ قسم کی پگڑی ہوتا تھا۔(60) لمبے لمبے چوغے اور قبائیں پہنی جاتی تھیں۔ جو جسم کے وسط میں باندھی جاتی تھیں۔(61) عام لوگوں میں بھی پگڑی باندھنے اور لمبے چوغے پہننے کا رواج تھا۔ پاجامے بھی پہنے جاتے تھے۔ البتہ ہندو زیادہ تر دھوتی

باندھتے تھے۔ جبکہ مسلمان تہ بند باندھتے تھے۔ جو دھوتی کی ہی ایک اچھی قسم تھی۔ ہندو راجے البتہ پاجامے استعمال کرتے تھے۔ پیروں کے کھڑاویں اور چپلیں استعمال کی جاتی تھیں۔ بادشاہ، امراء اور سرمایہ دار طبقے میں گھسے استعمال ہوتے تھے۔(62)

لوگوں کے لیے کوئی مخصوص وردی (یونیفارم) نہیں تھا۔ نہ طلباء کے لیے اور نہ ہی سپاہیوں کے لیے۔ مسلمان زیادہ تر ریشمی کپڑے پہنتے تھے۔ صوفیاء میں ہرے رنگ کے لباس کا استعمال زیادہ تھا۔ عموماً لمبی ٹوپیاں بھی پہنی جاتی تھیں۔

لباس ہندوستانی آب وہوا کے حساب سے ڈھیلا ڈھالا رکھا جاتا تھا۔ یہی لباس ہندو بھی پہنتے تھے۔ علماء میں شامی جبہ اور مصری دستار باندھنے کا رواج تھا۔ عورتیں عموماً چادر اوڑھا کرتی تھیں۔ ہندو اور نومسلم عورتوں میں انگیہ اور لہنگا پہننے کا رواج تھا۔ عورتیں ساڑھی بھی پہنا کرتی تھیں۔ مسلمان عورتوں میں عموماً شلوار قمیض اور غرارہ کا استعمال کرتی تھیں۔ مسلمان عورتوں میں برقعے بھی عام تھے۔ جو چاروں جانب سے بند ہوتے تھے اور آنکھوں کے آگے جالی لگی ہوتی تھی۔ عورتیں ہر قسم کے زیور کا استعمال کرتی تھیں۔ مردوں میں انگوٹھیاں پہننے کے علاوہ بالیاں اور ہار پہننے کا بھی رواج تھا۔(63)

ہندوؤں اور مسلمانوں کے لباس آپس میں بہت مخلوط ہو گئے تھے۔ بہت سے مسلمان ہندو ملبوسات اور بہت سے ہندو مسلم ملبوسات استعمال کرتے تھے۔ دیکھ کر اندازہ کرنا مشکل تھا کہ کوئی شخص ہندو ہے یا مسلمان۔ اس کی پہچان تک یا زنار وغیرہ سے ہوتی تھی۔ اگرچہ اسلام میں مسلمانوں کے زیورات پہننے پر پابندی ہے لیکن مسلمان خواص وعام میں مقامی اثرات کے تحت زیورات کا کثرت سے استعمال عام تھا۔(64)

خورد ونوش

ہندوستان میں خورد ونوش کی انواع کی بہتات تھی۔ اور اس معاملے میں ہندوستانی تمام

اقوام میں آج بھی سب سے آگے ہیں۔ سب سے خاص بات یہ ہے کہ اشیائے خوردونوش بہت سستی تھیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے۔ سلطان سکندر لودھی کے دور میں جب اشیاء خوردونوش انتہائی سستی ہو گئیں۔ (65) لوگوں میں پھلوں کے کھانے کا بہت رواج تھا۔ سبزیاں کثرت سے کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ امراء ساگ بھی کھایا کرتے تھے۔ گندم عام تھی اور چاول کا استعمال بھی بہت تھا۔ روٹی، پوری، دال، گوشت وغیرہ خوب کھائی جاتی تھیں۔ روٹیاں تندور پر بھی لگائی جاتی تھیں اور گھروں میں چولہوں کا استعمال بھی ہوتا تھا۔ مسلمانوں میں گھجوں کثرت سے مستعمل تھی خصوصاً رمضان کے مہینے میں۔ کئی طرح کے جوس، مشروبات، مٹھائیاں اور حلوے ہوتے تھے۔ پراٹھا، حلوہ اور ہریسہ عام تھا۔ مسلمانوں میں گوشت عام تھا جو عموماً اونٹ، گائے، مرغ، بکرے اور دنبے کا ہوتا تھا۔ ہندو زیادہ تر سبزیاں کھاتے تھے جس میں گاجر، آلو، پالک، ساگ، ٹنڈے، شلجم، گھیا، توری، کریلہ وغیرہ عام تھا۔ یہی سبزیاں مسلمان بھی کھاتے تھے۔ گھی عموماً گھر میں نکالا جاتا تھا۔ پکوان گھر میں بھی تیار کیے جاتے تھے اور بازار میں بھی ملتے تھے۔ اچار کا استعمال بھی کثرت سے تھا۔ ایک پکوان کئی کئی اقسام کی ہوتی تھیں مثلاً چاول سے پلاؤ، طاہری، خشکا اور کھچڑی کئی چیزیں بنتی تھیں۔ سموسے اور چٹنی بھی بہت استعمال ہوتی تھی۔ افغانستان اور وسط ایشیاء سے خشک میوہ مثلاً بادام، چلغوزہ، کشمش، انجیر، پستہ وغیرہ آتا تھا۔ ناریل اور کاجو ہندوستان کی خاص پیداوار تھے۔ اس کے علاوہ تربوز، خربوزہ، لیموں، کھجور اور گنا ہندوستانی اشیاء میں شامل تھے۔ آم کو سب پھلوں پر فوقیت تھی۔ اس کے بعد سیب، نارنگی، امرود، کیلا، سنگترہ، مالٹا، لیچی وغیرہ کا نمبر تھا۔ ان چیزوں کے شربت بھی بنائے جاتے تھے۔ پان کے استعمال کا رواج عام تھا اور صوفیاء میں بھی یہ چیز مقبول تھی۔ (66)

مسلمانوں میں کھانے کے لیے دسترخوان کا استعمال عام تھا جبکہ ہندوؤں میں تھالیاں

اور کٹوریاں استعمال ہوتی تھیں۔ کھانے میں ادب و آداب کا بہت لحاظ رکھا جاتا تھا۔ (67) مثلاً خدا یا بھگوان کا نام لے کر کھانا، منہ بند کر کے کھانا، سیدھے ہاتھ سے کھانا، چبا کر کھانا، پالتی مار کر کھانا وغیرہ وغیرہ۔ کھانے کے لیے سربراہ دستر خوان سب کو دعوت دیتا اور پہلے خود کھاتا پھر سب کھاتے۔ مہمانوں کی موجودگی میں پہلے مہمانوں کے آگے کھانا رکھا جاتا پھر میزبانوں کے آگے۔ اسی طرح پہلے بڑوں کو دیا جاتا پھر چھوٹوں کو۔

کھانے کے برتن سونے، چاندی، پیتل، تانبے وغیرہ ہر نوع کے تھے اور ہر شخص اپنی مالی حیثیت کے مطابق اپنی نوع کا انتخاب کرتا تھا۔

عموماً ہندوؤں اور مسلمانوں کے کھانوں کا اہتمام الگ الگ کیا جاتا تھا لیکن چیزیں ایک کے ہاں حرام تھیں لیکن دوسرے کے ہاں جائز تھی مثلاً گائے کا گوشت مسلمانوں کے لیے حلال جبکہ ہندوؤں کے لیے حرام ہے۔ امراء البتہ اکٹھے کھالیا کرتے تھے جو کہ ان کی خوراکوں میں اس طرح کے احتیاط ضرور برتی جاتی تھی۔ (68)

اس دور میں ہندوستانی کھانوں کا بہت رواج تھا اور افغان سردار و عوام بھی ان کھانوں کے رسیا ہو گئے تھے۔ عوام الناس میں کھچڑی بہت شوق سے کھائی جاتی تھی۔ (69) مسلمانوں میں عموماً اور پٹھانوں میں خصوصاً گائے، دنبہ، بکرے اور اونٹ کا گوشت بہت استعمال ہوتا تھا۔ جب کسی مہمان کی خاطر داری کرنی ہوتی تھی تو سرگوسپند، حلوہ اور سموسہ پیش کیا جاتا۔ حلوے کئی طرح کے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ شربت بھی کئی کئی اقسام کے پیش کیے جاتے تھے۔ (70) خشک میوے میں ماش، قند، روغن اور بادام کا استعمال عام تھا۔ (71) نان، اچار، مالائی، بیرہ تنبول اور ساگ کا استعمال بھی ہوتا تھا۔ (72) شیر، برنج، نغزک اور خربزہ کے نام بھی ملتے ہیں۔ (73)

زبان:

عوام کی زبان ہندوستانی (ہندی یا اردو) تھی۔(74) حکمران اور امراء بھی عوام کے ساتھ یہی بولتے تھے۔ افغانوں میں آپس میں البتہ پشتو اور فارسی چلتی تھی۔ بعض افغان مثلاً لدو خان ولد احمد خان لودھی سارنگ خانی ہندی سے کم واقف تھے اور فارسی سمجھتے تھے۔(75) بعض سرداروں کے لقب یا عرفیت ہندوستانی زبان کے تھے مثلاً کالا پہاڑ اور جگھت (76)

کرپشن:

جب کسی قوم میں روایت آجائے اور پیسے کی ریل پیل ہو جائے تو اس کے ساتھ بدعنوانی اور کرپشن بھی آجاتی ہے۔ اور بعض حکام ظلم اور زیادتی بھی کرنے لگتے ہیں۔ سلطان سکندر لودھی کے دور میں بھی کرپشن کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس کے دور میں اس چیز کی ہمیں کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً اس کے اپنے ایک امیر مجاہد خان نے ایک مقامی راجہ سے رشوت لے کر سلطان کو قلعہ مفتوحہ سے واپس چلنے کا مشورہ دیا۔ سلطان کو چونکہ اس کی اطلاع ہو گئی تھی لہٰذا اس نے اسے پکڑ لیا۔(77) مبارک خان لودھی حاکم نے کئی سال تک اپنی ولایت کی آمدنی سرکاری خزانے میں نہیں دی۔ سلطان نے حکم جاری کیا کہ اس سے بھی قانون کے مطابق سلوک کیا جائے۔(78) دہلی کا حاکم خواجہ اصغر بھی بدعنوانی پر مقید ہوا۔(79) اسی طرح سے ایک پرگنہ دار میاں ترک بلیع نے ایک شخص پر زیادتی کرتے ہوئے اس کی جائیداد چھین لی۔ سلطان نے اس شکایت کی پوری تحقیقات کرائی اور جرم ثابت ہونے پر میاں تک ملیح تج کو نہ صرف برطرف کیا بلکہ اس کی جاگیر بھی واپس لے لی۔(80) ایک اور قصہ محمد زیتون داروغۂ آگرہ اور سلطان کے امیر اخور جلال کا ہے۔ سلطان نے جب داروغہ سے کہا کہ امیر

آخور سے مسروقہ گھوڑے کی رقم لی جائے تو داروغہ سے تین روز تک امیر اخذ سے رعایت برتی تھی۔(81) نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ لشکر کے سپاہی بھی بعض اوقات چوری اور لوٹ مار میں ملوث ہوتے تھے۔(82) اس طرح سے دور میں کرپشن کے آغاز اور فروغ کا پتہ چلتا ہے۔ حالانکہ سلطان اس کے سدباب کی کوشش کرتا تھا۔

مخزن میں اس کرپشن کے اثرات کا یوں تجزیہ کیا گیا ہے۔

''سلطان سکندر کی وفات کے بعد ہر طرح سے انتشار پیدا ہو گیا۔ قانون کا احترام جاتا رہا کوئی اصول و ضوابط رائج نہ رہے۔ کم ظرف، کم مایہ اور غیر مستحق لوگ برسر اقتدار آ گئے اور ان کی ناعاقبت اندیشوں اور کوتاہ فہمیوں کی وجہ سے ہر طرف فتنہ و فساد اُٹھ کھڑا ہوا۔ تمام ملکی، مالی اور انتظامی امور درہم برہم ہو گئے۔ سلطان ابراہیم بہتیری بھاگ دوڑ اور فکر کرتا کہ ان بے راہ رویوں کا تدارک ہو جائے مگر

''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''

کے مصداق اُلٹا حالات اور خراب ہو جاتے بلکہ دن بدن برابر بگڑتے گئے۔ ہر کوئی اپنی راہ پر چلنے لگا۔ سب حاکموں اور جاگیرداروں نے بغاوت اور خود مختاری کا دعویٰ کر دیا۔ اصلاح احوال میں سلطان ابراہیم کی کوئی کوشش ثمر بخش ثابت نہ ہوئی اور ایسے حالات اجو انجام ہونا چاہیے تھا وہ ہوا۔''(83)

ایک بار سکندر لودھی نے اپنے وزیر میاں بھووہ سے کہا کہ رشوت کو ختم کرنے کا کیا طریقہ ہے تو میاں بھووہ نے جواب دیا کہ سلطان جریب کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں رکھے اور دوسرا میرے ہاتھ میں دے دے صرف اس طرح سے کرپشن ختم ہو سکتی ہے۔ اس پر سلطان خاموش ہو گیا۔(84)

قیدی:

قیدیوں کے لیے مدت کا تعین نہ تھا۔ انہیں بس قید کر دیا جاتا اور پھر کسی خاص موقع مثلاً عیدین، عاشورا، بارہ وفات یا کسی اور موقع پر ان کو رہا کیا جاتا تھا۔(85)

سپاہی:

سلطان کی فوج میں افغان سپاہیوں کی کثرت تھی۔ ان کو بھرتی کرنے سے قبل ان کے حسب ونسب کی تحقیق کی جاتی اور پھر ان کو بھرتی کیا جاتا (86) تا کہ صحیح جنگجو لوگوں کو بھرتی کیا جائے۔ البتہ فوج میں افغانوں کے علاوہ مقامی ہندوستانی بھی بھرتی کیے جاتے تھے۔ مثلاً خاص شاہی لشکر میں کوئی سو میواتی بھرتی تھے جن کی اکثریت ہندو تھی۔(87) سپاہیوں کی باقاعدہ روزانہ پریڈ ہوا کرتی تھی۔(88)

امن وامان:

سلطان امن وامان پر پوری توجہ دیتا۔ جہاں چوری اور ڈاکے کی وارداتیں کثرت سے ہوتی تھیں وہاں پر سخت کارروائی کی جاتی۔ وہاں کے جنگل اور باغات صاف کر دیے جاتے تا کہ مجرموں کو پناہ گاہ میسر نہ ہو۔(89) اس طرح سے جو نئے علاقے فتح کیے جاتے تھے ان کے اردگرد بھی باغات اور آبادیاں ختم وتباہ کر دی جاتیں تا کہ مخالفین کو وہاں چھپ کر کارروائی کا موقع نہ ملے۔

صنعت وتجارت وآمدورفت

مسلمانوں نے، بقول کے ایس لال، دو حوالوں سے بہت شہرت حاصل کی۔ انہوں نے جی بھر کر لوٹا اور جی بھر کر لٹایا۔ ہندوؤں کے جو خزانے محلوں، قلعوں اور مندروں میں

صدیوں سے جمع ہو رہے تھے۔ وہ مسلمانوں نے لوٹے اور ان کو مارکیٹ میں ڈال دیا اور اسی وجہ سے عوام اور خواص میں دولت پھیل گئی۔ لوگ مالدار ہو گئے اور چیزیں سستی ہو گئیں۔ دولت آجانے سے ان کی تعیشات میں اضافہ ہوا اور صنعت و تجارت کو فروغ ہوا۔ باہر سے اشیاء منگوانے پر تجارت کی حوصلہ افزائی ہوئی جبکہ گھر کے اندر بھی صنعت و حرفت کو فروغ ملا اور جگہ جگہ تجارتی مرکز قائم ہو گئے۔ گجرات میں ریشم کے کپڑے کی صنعت کو فروغ ملا۔ بنگال میں بھی کپڑے کے صنعتی مرکز قائم تھے۔ بنگال اور دکن سے کپڑا بیرون ملک برآمد ہونے لگا۔ یہ مال یورپ تک میں پسند کیا جانے لگا۔ ہندوستان میں سناروں اور جوہریوں کی خوب بنی۔ سلطان کا ایک درباری میاں طہٰ کیمیاگری میں بہت ماہر تھا۔ مختلف اقسام کی اشیاء سے مختلف ذاتیں وابستہ تھیں۔ ہندوستان میں سنار، چمار، تیلی، دھوبی، حجام، بنیئے، بقال، مداری، لوہار، گویے اور موسیقار ترکھان، جولاہے وغیرہ۔ سب پیشوں کے لوگ تھے۔(90) گل کار اور نقاش اتنے ماہر تھے کہ بڑی بڑی عمارات بنانے کے لیے ہندوستان کے اندر سے ہی ہر طرح کے کاریگر مل جاتے تھے۔ سلطنت ہائے، دہلی، بنگال، مالوہ، بیجاپور، وجے نگر، گجرات، میواڑ وغیرہ سب جگہ عمارتیں مقامی ہندوستانی ہندو اور مسلمان کاریگروں اور مزدوروں نے بنائیں۔(91) ان عمارات کا جو لودھی دور میں تعمیر ہوئیں ہم الگ ذکر کر آئے ہیں۔

صنعت اور تجارت کی ترقی نے شاہراہوں کی حفاظت پر زور دیا اور اس حوالے سے سکندر لودھی بہت مشہور ہے۔ اس نے ڈاکوؤں اور لٹیروں کے مساکن برباد کیے اور شاہراہوں کی حفاظت کا انتظام کیا۔ اس غرض سے سڑکوں خصوصاً دھولپور و دہلی سے آگرہ و بیانہ تک سرائیں اور محل تعمیر کرائے۔(92) جگہ جگہ تھانے قائم کیے۔(93) اس حوالے سے وہ شیر شاہ اور اکبر کا پیش رو ہے۔ اس کے دور میں لوٹ مار کا خاتمہ ہو گیا۔ خزانہ تک حفاظت سے جانے لگا۔(94) اتنی سستائی تھی کہ ایک آدمی دہلی سے آگرہ ایک بہلول ٹنکے میں

جا سکتا تھا جس میں اس کا اپنا، اس کے گھوڑے کا اور ضروری کاموں کا خرچہ بھی شامل ہوتا تھا۔(95) چھوٹے سفر پیدل ہوتے، لیکن لمبے سفر گھوڑوں اور پالکیوں پر ہوتے تھے۔ بہت لمبے سفر چھکڑوں اور بیل گاڑیوں پر ہوتے تھے اور عموماً قافلوں کی شکل میں ہوتے تھے۔(96)

تجارت کو بھی لودھی دور میں بہت فروغ ملا تھا۔ ہندو اور افغان تاجر اس حوالے سے بہت خوشحال تھے۔ خشکی اور بحری دونوں راستوں سے تجارت ہوتی تھی۔ گجرات اور دکن کی ریاستوں کی زیادہ تجارت بحری راستے سے ہوتی تھی۔ مسلمان بحری راستے سے بھی حج کرتے تھے۔ اور پورے ہندوستان سے بحری راستے کے ذریعے حجاز جاتے تھے۔(97) ہندوؤں میں بحری سفر کا رواج بہت کم تھا البتہ دریائی سفر کم کیا کرتے تھے۔ ہندوستان کی تجارت وسط ایشیا، مشرقِ وسطیٰ، افریقہ اور یورپ کے تمام ممالک سے تھی۔ ہندوستان سے خوشبوئیں، زیورات، جواہر، ہاتھی دانت، عود، کافور اور صندل کے علاوہ ریشم، ناریل وغیرہ برآمد کیا جاتا تھا۔ درآمدات میں گھوڑے بہت قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ خشک میوہ بھی منگایا جاتا تھا۔ بجواڑہ، پٹھانوں کا بڑا تجارتی مرکز تھا جو پنجاب میں تھا۔ لاہور، دہلی، قنوج، جونپور، مندور، احمد آباد، بیجاپور، حیدر آباد، کلکتہ، کالپی، ملتان، ٹھٹھہ، سرہند وغیرہ بڑی تجارتی منڈیاں تھیں۔ دیبل، تھانہ، بھڑوچ، کمبائیت بڑی بندرگاہیں تھیں۔ مغربی مالا بار پر جگہ جگہ بندرگاہیں قائم تھیں۔ لودھی دور میں ہی واسکوڈی گاما 1498ء میں مالا بار کی بندرگاہ پر اترا تھا۔ 1508ء میں پرتگالیوں کی تجارتی سرگرمیاں روکنے کی غرض سے مصر اور سلطنت گجرات میں معاہدہ بھی ہوا تھا۔ لیکن ڈچوں کی آمد تک پرتگالی قوت حاصل کرتے رہے البتہ اس دور میں زیادہ تر تجارت خشکی کے راستے ہی تھی اور پورا شمالی ہند بری راستے کو ترجیح دیتا تھا۔(97)

6137

حواشی

(1) کے ایس لال Tuilight of Delhi Sultanate ص 259-260
(2) ایضاً 260-1
(3) مخزن (اردو) ص 149
(4) ایضاً ص 139: واقعات مشتاقی ص 7
(5) طبقات اکبری جلد اول ص 462
(6) ایضاً ص 463
(7) واقعات مشتاقی ص 61
(8) واقعات مشتاقی 100-67
(9) ایضاً
(10) تاریخ شاہی ص 101
(11) واقعات مشتاقی ص 4، مخزن (اردو) 9-138
(12) Afghan Despotism in India ص 6-8,14
(13) واقعات مشتاقی ص 17، 67 تا 100
(14) افسانہ شاہان 60-59: واقعات مشتاقی ص 17
(15) کے ایس لال ص 263
(16) ایضاً
(17) واقعات مشتاقی ص 20
(18) کے ایس لال ص 265
(19) ایضاً
(20) ایضاً
(21) ایضاً
(22) واقعات مشتاقی ص 8
(23) سیر العارفین ص
(24) کے ایس لال ص 265
(25) افسانہ شاہان ص 43-42، تاریخ شاہی ص 19-18

maablib.org

(26) کے ایس لال ص265

(27) ایضاً

(28) دیکھیے باب ششم

(29) افسانہ شاہان ص59-60؛ واقعات مشتاقی ص17

(30) واقعات مشتاقی ص17

(31) طبقات جلد اول ص479؛ واقعات مشتاقی ص17

(32) کے ایس لال ص7-266

(33) ایضاً

(34) واقعات مشتاقی ص6-34

(35) کے ایس لال ص7-266

(36) ایضاً

(37) ایضاً

(38) ایضاً

(39) افسانہ شاہان ص1

(40) واقعات مشتاقی ص27-28

(41) ایضاً

(42) ایضاً ص159-160

(43) طبقات اکبری جلد سوم ص510

(44) افسانہ شاہان ص8

(45) واقعات مشتاقی ص159-160

(46) تاریخ شاہی ص101

(47) مخزن (اردو) ص179

(48) واقعات مشتاقی ص39-40

(49) طبقات جلد اول ص458

(50) واقعات مشتاقی ص52-53

(51) ایضاً ص 7

(52) ایضاً ص 92-93

(53) مخزن (اردو) ص 149-150

(54) طبقات جلد اول ص 474,438

(55) کے ایس لال ص 268

(56) ایضاً

(57) مخزن (اردو) ص 170

(58) کے ایس لال ص 268

(59) تاریخ شاہی ص 49-50

(60) کے ایس لال ص 270-2

(61) ایضاً

(62) ایضاً

(63) ایضاً

(64) ایضاً

(65) طبقات جلد اول ص 461

(66) کے ایس لال ص 272-7

(67) ایضاً

(68) ایضاً

(69) واقعات مشتاقی ص 68

(70) ایضاً ص 62

(71) ایضاً ص 69

(72) ایضاً ص 83

(73) ایضاً ص 92,71

(74) تاریخ ادب اردو ص (عوام کی زبان اردو)؛ مخزن (اردو) 346: تاریخ داؤدی ص 58

(75) واقعات مشتاقی ص 69-70

(76) ایضاً ص 93,97

(77) طبقات اکبری جلد اول ص 471: مخزن (اردو) ص 170

(78) ایضاً ص 461

(79) ایضاً ص 463

(80) ایضاً ص 32

(81) ایضاً ص 3-32

(82) ایضاً ص 5-34

(83) مخزن (اردو) ص 189

(84) طبقات جلد اول ص 6-485

(85) واقعات مشتاقی ص 33

(86) ایضاً ص 17

(87) ایضاً 35-33

(88) ایضاً ص 82

(89) مخزن (اردو) ص 4-173

(90) کے ایس لال ص 80-277

(91) تزک بابری ص 8-207

(92) طبقات جلد اول ص 475

(93) مخزن (اردو) ص 174

(94) طبقات اکبری جلد اول ص 479: واقعات مشتاقی ص 85

(95) تاریخ داؤدی ص 104

(96) ایضاً

(97) تاریخ شاہی ص 58-55، واقعات مشتاقی ص 46

(98) کے ایس لال ص 80-272

617

باب نمبر 27

عہد لودھی کی ثقافتی سرگرمیاں

سماجی اور ثقافتی طور پر پندرھویں صدی عیسویں شمالی ہندوستان میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس صدی کے نصف اول میں سید خاندان حکمران رہا جبکہ نصف آخر میں لودھی خاندان حکمران رہا۔ لودھیوں کی حکومت کی حدود دریائے سندھ سے شروع ہو کر بہار کی حدود تک پھیلی ہوئی تھیں جبکہ شمال میں ہمالیہ کے پہاڑوں سے لے کر جنوب میں ناگور، مندریل، نرور، چندیری، چنار اور خال گاؤں تک وسیع تھا۔ لودھی حکمرانوں نے ہر دور میں علوم و فنون اور ثقافت کی ترقی کی جانب توجہ دی۔ ذیل میں ان کے دور میں مختلف فنون لطیفہ اور علوم و ادب میں ہونے والی ترقی کا جائزہ لیتے ہیں۔

تعمیرات

لودھی عہد میں ہونے والی تعمیرات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ تعمیرات جو مقابر کے حوالے سے ہیں دوسری وہ جو مساجد کے حوالے سے ہیں۔ بہلول لودھی کے دور کا کوئی مقبرہ ہمیں نہیں ملتا جس کی وجہ اس کی سادگی اور اس کا قبائلی ماحول ہے۔ البتہ اپنے دور اقتدار میں سلطان بہلول نے سرہند کو کافی ترقی دی اور اپنے خانوادے کی بیگمات کو حکم دیا کہ وہاں اپنے نام سے الگ الگ محلے تعمیر کریں۔ لیکن یہ تعمیرات حویلیوں سے زائد نہیں ہو سکیں۔ (1) سکندر لودھی کا جو مقبرہ اس نے خود تعمیر کرایا وہ قابل ذکر ہے۔ یہ مقبرہ 1518ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اگرچہ اس مقبرے کی تعمیر میں سلطان محمد شاہ کے مقبرے کی ڈیزائن کو

سامنے رکھا گیا مگر اس میں اعلیٰ قسم کا پتھر استعمال کیا گیا اور بہترین چھوٹی اینٹیں (ٹائلیں) کثرت سے استعمال کی گئی ہیں جس سے اس مقبرے کی مضبوطی میں اضافہ ہوا ہے۔ مقبرے میں سبز، زرد، آسمانی اور گہرے نیلے رنگ کی ٹائلیں استعمال کی گئی ہیں اور ان کو مختلف زاویوں سے استعمال کیا گیا ہے۔ اس مقبرے میں گنبد کی تعمیر بھی قابل ذکر ہے۔ یہ پہلی تعمیر ہے جس میں دوہرے گنبد کا استعمال کیا گیا ہے۔ ایک گنبد اندرونی ہے اور اس کے اوپر بیرونی گنبد ہے۔ ان دونوں گنبدوں کے درمیان کافی فاصلہ رکھا گیا ہے۔ ڈبل گنبد کا استعمال عراق، ایران اور مغربی ایشیا میں گو کہ عام تھا لیکن ہندوستان میں یہ پہلی مثال ہے جس میں ڈبل گنبد کا استعمال کیا گیا ہے۔ تاج محل کا گنبد بھی اسی طرز تعمیر کی عکاسی کرتا ہے۔ اس مقبرے کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ اس کی دیواروں میں (enclosure) قائم کیے گئے ہیں۔ (1-A)

1۔ اس عہد میں فن تعمیر کے جمالیاتی پہلو کو اُجاگر کیا گیا۔ عمارتوں کی ساخت میں تبدیلیاں کی گئیں۔

2۔ مربع اور ہشت پہلو دونوں انداز کے مقبرے تعمیر کیے گئے۔

3۔ علائی دروازے، مقبرہ غیاث الدین تغلق، مقبرہ محمد شاہ (سید خاندان کے بادشاہ) کے گنبد نیچے کی طرف پھیلے ہوئے اور چپٹے تھے۔ لودھیوں کے مقبروں کے گنبد میں پھیلاؤ کم کر کے ذرا اونچا کر دیا گیا ہے، جس سے گنبد میں خوبصورتی پیدا ہو گئی ہے۔

4۔ گنبد کے چاروں طرف چھتریاں بنائی گئیں۔ چونکہ یہ ہشت پہلو مقبروں پر بنائی جاتی تھیں، اس لیے تعداد میں آٹھ ہوتیں اور ہر پہلو پر ایک چھتری ہوتی۔

عیسیٰ خاں، شیر شاہ سوری کے عہد کا ایک امیر تھا، 1548-1547ء میں اُس کا ایک مقبرہ تعمیر ہوا، جس کا طرز تعمیر بالکل لودی ہے۔ سسرام میں شیر شاہ سوری کا

مقبرہ بھی اسی انداز کا ہے۔

5۔گنبدوں پر کنول کے پھول جیسے کلس بنائے جاتے۔

6۔سادات خاندان کے بادشاہوں نے عہد تغلق سادگی کو ترک کر کے آرائش کی طرف توجہ دی تھی۔لودھیوں نے عمارتوں کی آرائش میں اضافہ کیا۔استر پر قرآنی آیتیں بہت خوبصورت خط نسخ میں کندہ کی گئیں۔ اس کے علاوہ خوبصورتی بڑھانے کے لیے سنگ مرمر اور رنگین پتھروں سے پچی کاری اور کاشی کاری کی گئی۔ منبت کاری نے بھی اس عہد میں خاصی ترقی کی۔

7۔لودھی عہد میں مسجدوں کے لیوان پر تین گنبد کی روایت شروع ہوئی۔

8۔لیوان میں پانچ محرابی در، درمیان میں بڑا اور دونوں طرف دو دو چھوٹے محرابی اور بنانے کی روایت بھی اسی عہد میں شروع ہوئی تھی۔ تین گنبدوں اور لیوان میں پانچ محرابی دروں کے بہترین نمونے مسجد بڑا گنبد، موٹھ کی مسجد اور جمالی کمالی کی مسجد میں ملتے ہیں۔ مسجدوں میں تین گنبد اور لیوان کے پانچ محرابی دروں کی روایت مغل عہد میں بھی جاری رہی۔

9۔لودھی عہد سے پہلے مقبرے عام طور سے غیر آباد اور بنجر زمین پر بنائے جاتے تھے۔ دور سے ایک تنہا عمارت نظر آتی تھی۔لودھیوں نے مقبرے کے چاروں طرف دیوار کھڑی کر دی، جس سے مقبرے کے چاروں طرف ایک چوکور صحن بن گیا۔اس کی مغربی دیوار میں ایک برآمدہ بنا کر اسے مسجد کے لیوان کی صورت دے دی۔(اس انداز کے ابتدائی نقوش مقبرہ سلطان غاری میں نظر آتے ہیں)۔ احاطے کی دیوار بنانے کی روایت لودھیوں نے شروع کی تھی۔ مغلوں نے نہ صرف اس روایت کو اپنایا بلکہ احاطے میں باغ لگا کر مقبرے کو اور زیادہ خوبصورت بنا دیا۔

10۔اس عہد کے بعض مقبروں کے جنوبی دروازے کی تعمیر اور اس کی آرائش پر

زیادہ زور دیا گیا ہے۔ یہ دروازے علائی دروازے کے انداز پر بنائے گئے ہیں۔ چھوٹے خان کے گنبد کا دروازہ اس کی مثال ہے۔ لودھی عہد کے بعد جنوبی دروازے کی اس انداز کی تعمیر تقریباً ختم ہو گئی۔ (2)

لودھی دور میں بادشاہوں کے مقبرے تو ہشت پہلو تھے۔ لیکن امراء اور اعلیٰ عہدیداروں کے مقبرے ہمیں چوکور طرز کے ملتے ہیں۔ یہ مقابر بہلول لودھی، سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی تینوں کے دور سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یہ پتہ نہ چل سکا ان مقابر میں مدفون شخصیات کا نام کیا ہے۔ یہ شروع سے ہی عوامی ناموں سے مشہور ہیں۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

(1) بڑے خان کا گنبد

(2) چھوٹے خان کا گنبد

(3) بڑا گنبد

(4) شیش گنبد

(5) شہاب الدین تاج خان کا مقبرہ

(6) دادی کا گنبد

(7) پولی کا گنبد

یہ مقابر بہت مضبوط قسم کے ہیں۔ ان کی چھت کے ہر کونے پر کھلی چھتری بنی ہوئی ہے۔ (2-A)

بڑے گنبد کا گنبد 80 فٹ بلند ہے۔ یہ خاندان سادات کے بادشاہ سلطان محمد شاہ کے مقبرے سے تقریباً 300 گز کے فاصلے پر ہے۔ اس کی جنوبی محراب پر موجود ایک تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ 1494ء میں تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ عمارت کافی خوبصورت ہے۔ اس مقبرے کے ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے جس پر قرآن پاک کی آیات منقش ہیں اور بہت خوبصورت بنائی گئی ہے۔ اسکی تعمیر میں بھی رنگین ٹائیلوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ (3)

شیش گنبد، بڑے گنبد سے تقریباً 50 گز شمال میں ہے۔ یہ بھی کسی امیر کا مقبرہ ہے اسکی چھت پر قرآنی آیات تحریر ہیں۔ اس کی بیرونی شکل پر بہت آرائشی کام ہوا ہے۔ اس میں نیلی ٹائیلوں کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ جن کی چمک قابل تعریف ہے۔ اسی وجہ سے یہ شیش گنبد کہلاتا ہے۔ (4)

مذکورہ بالا گنبدوں کے علاوہ ''ہجرے کا گنبد'' اور ''نیلی گمٹی'' کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ان سب گنبدوں میں وسط میں ایک کمرہ ہے جو چوکور ہے اور گنبد کو چاروں کونوں پر مضبوط تھموں سے سہارا دیا گیا ہے۔ (5)

سکندر لودھی ایک اسلام پسند شخص تھا۔ بالفاظ دیگر اسے شدت پسند مسلمان بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس نے اپنے دور میں اپنی پوری سلطنت میں جابجا مساجد تعمیر کرائیں۔ البتہ ان میں سے اکثر مقابر پر تعمیر کی گئیں تھیں۔

بڑے گنبد پر جو مسجد تعمیر کی گئی وہ گھریلو طرز کی ہے اور لودھیوں کا خاص طرز تعمیر ہے۔ یہ 1494ء میں تعمیر ہوئی۔ (6)

مٹھ کی مسجد 1505ء میں تعمیر ہوئی۔ اس کا بانی سکندر لودھی کا وزیر اعظم میاں بھوا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار سلطان سکندر نے اپنے وزیر میاں بھوا کو ایک مٹھی اناج دیا۔ وزیر نے اسے ایک جگہ بو دیا۔ اس سے فصل نکل آئی۔ وزیر نے اس فصل سے حاصل ہونے والے اناج کو پھر بو دیا۔ اس طرح بار بار تکرار کی گئی اور ایک بڑے کھیت پر فصل سامنے آئی۔ یوں اس مٹھی بھر اناج سے کھیت بن گئے۔ اس کھیت کی آمدنی سے ہی یہ مسجد تعمیر کی گئی۔ یوں یہ مٹھ والی مسجد مشہور ہوگئی۔ (7) اس مسجد کے صدر دروازے پر سرخ پتھر استعمال کیا گیا ہے اور ساتھ ہی سنگ مرمر کا بھی استعمال ہے۔ عمارت کے مشرقی حصے میں گنبد نما چھتریوں کا استعمال کیا گیا ہے جن کو سرخ پتھر کے آٹھ تھموں سے سہارا دیا گیا ہے اور نیلی ٹائیلوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ مسجد، بڑے گنبد کی مسجد کی نسبت کافی بڑی ہے اور تقریباً ایک سو پچیس

فٹ دراز ہے۔ یہ لودھیوں کے طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ سفید سنگ مرمر، سرخ ریتیلے پتھروں اور ٹائیلوں کو بلا احتیاط کے مخلوط طور پر استعمال کیا گیا ہے جس سے مسجد کے حُسن میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ پرسی براؤن کا خیال ہے کہ اس مسجد کی تعمیر میں بہت ہی ماہر کاریگروں نے حصہ لیا ہے جو دستکاروں کے کسی اچھے مکتب سے تعلق رکھتے تھے۔(8)

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب اس مسجد کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ:

"مبارک پور کوٹلے سے تھوڑی دور آگے یہ مسجد اور اُس کے ساتھ ایک کنواں ہے مگر یہ مسجد بہت نامی اور نہایت خوش نما چونے اور پتھر کی ہے۔ دروازہ اس کا مسجد سے بھی اچھا بنا ہوا تھا۔ سنگ مرمر میں آیات قرآنی کندہ تھیں مگر اب بالکل شکستہ اور خراب ہو گیا ہے۔ مشہور ہے کہ کسی شخص نے راہ چلتے میں زمین پر سے موٹھ کا دانہ اُٹھا لیا تھا اُس دانے کو بوایا، جو اُس میں خوشے لگے، دوسرے برس پھر سب کو بُوایا، یہاں تک کہ چند سال میں بہت روپیوں کی موٹھ ہو گئی۔ اُس کی یہ مسجد بنی اور اس سبب سے موٹھ کی مسجد مشہور ہے۔ کنوئیں کے اندر ایک کتبہ سنگ سرخ کے پتھر پر ہے۔ اُس کے اکثر حرف شور لگنے سے جھڑ گئے ہیں۔ جس قدر کہ باقی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد اور کنواں سلطان سکندر بن سلطان بہلول کے وقت میں یعنی تخمیناً 894 ہجری مطابق 1488 عیسوی کے بنے ہیں۔" (8-A)

سکندر لودھی پندرھویں صدی کا اعلیٰ ماہر تعمیرات تھا۔ شمالی ہندوستان کی مختلف عمارات پر اس کے کتبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تعمیرات میں بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے 3-1492 میں ایک نہر تعمیر کرائی تھی۔ اس کے علاوہ راجستھان میں ایک باؤلی کی تعمیر بھی اس کا اہم کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ لاہور، کرنال، ہانسی، مانک پور (ضلع کانپور) میں اس نے کئی مساجد تعمیر کرائیں۔ دہلی اور آگرہ میں اس کی تعمیر کردہ مساجد اس کے علاوہ ہیں۔(9)

اس کے علاوہ ایسی بہت سی بے نام مساجد اور مقابر موجود ہیں جن کا طرز تعمیر اوران میں استعمال ہونے والا مواد اسباب کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ سب لودھی حکمرانوں کے دور میں تعمیر ہوئے خاص طور پر سکندر لودھی کے دور میں۔ (10)

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب نے 3 مزید عمارتوں کی تفصیل بتاتی ہے:

''مقبرہ لنگر خان: موضع زمرد پور کے پاس رائے پور ایک گاؤں ہے۔ اُس کی سرحد میں یہ مقبرہ ہے۔ لنگر خاں سلطان بہلول لودھی کے وقت کے امیروں میں سے تھے، اُن کا یہ مقبرہ ہے اور اسی واسطے اس کی بنا تخمیناً 900 ہجری مطابق 1494 عیسوی کے خیال کی گئی ہے۔ یہ مقبرہ نہایت بھدّا چونے پتھر کا بنا ہوا ہے مگر اس کے اندر کی قبر اتنی اونچی بنائی ہے کہ اگر آدمی اس کے پاس کھڑا ہو کر ہاتھ اونچا کرے تو بھی انگلیاں قبر کے سرے تک نہیں پہنچتیں اسی مقبرے کے پاس ایک چوکھنڈی کی برجی اور ہے اور اس میں بھی کسی کی قبر ہے۔ شاید کہ انہی کے خاندان میں سے کسی کی ہوگی۔ بُرجہ: موٹھ کی مسجد کے پاس یہ تین برج برابر برابر ہیں۔ معلوم نہ ہوئے کہ یہ کس کے مقبرے ہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ سلطان سکندر کے عہد کے یعنی تخمیناً 900 ہجری مطابق 1494 عیسوی کے بنے ہوئے ہیں۔ یہ تینوں مقبرے چونے اور پتھر سے بنے ہوئے ہیں۔ پہلا مقبرہ اور مقبروں سے اچھا بنا ہوا ہے اور کہیں کہیں اُس میں سنگِ سرخ بھی لگا ہوا ہے۔ راجوں کی بائیں: نواحِ قطب صاحب میں کوٹھی دل کشا سے تھوڑی دور پرے یہ باؤلی ہے۔ 912 ہجری مطابق 1506 عیسوی کے سکندر شاہ کے وقت میں دولت خاں نے اُس کو بنایا۔ ساخت اس باؤلی کی بہت اچھی ہے۔ سر سے پاؤں تک چونے پتھر کی ہے اور اب تک سب جگہ سے ثابت ہے۔ اس کے پاس ایک مسجد ہے اور اس کے صحن میں گنبد ہے۔ پتھر کے ستون کھڑے کر کر اس پر برجی بنائی ہے۔ کسی زمانے

میں اس باؤلی کے مکانات میں راج آبسے تھے، جب سے راجوں کی بائیں مشہور ہے۔اس باؤلی کے برج کی پیشانی پر یہ کتب لگا ہوا ہے۔"

سکندر لودھی نے نہ صرف نئی تعمیرات کیں بلکہ اس نے پرانی عمارات کی مرمت بھی کرائی۔1492ء میں اس نے امیر خسرو کے مزار کو تعمیر کرایا۔1503ء میں اس نے قطب مینار کی مرمت کرائی البتہ اس کی مرمت کی نوعیت کا علم نہیں ہے۔(11)

مزید 3 عمارتوں کی تفصیل ڈاکٹر خلیق انجم نے یوں درج کی ہے:

پنج برجہ زمرد پور ایک گاؤں ہے۔شاہجہاں آباد سے چھ میل جانب جنوب۔ پہلے اس گاؤں کا نام کنچن سرائے تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سکندر بہلول کے وقت میں زمرد خاں کو جاگیر میں ملا۔جب سے زمرد پور نام پڑا۔اس گاؤں میں زمرد خاں کا قبرستان ہے اور قبروں پر چھوٹے اور بڑے بڑے برج ستون دار بنے ہوئے ہیں۔عمارت دیکھنے سے کچھ شک نہیں رہتا کہ عمارت سلطان سکندر کے وقت کی ہے۔اسی سبب سے اس قبرستان کی بنا بھی تخمیناً چودھویں صدی یعنی قریب 894 ہجری مطابق 1488 عیسوی کے خیال کی گئی ہے۔بستی باوڑی یہ مقبرہ ہے،قریب درگاہ حضرت نظام الدین کے سلطان سکندر بہلول کے وقت میں بستی خواجہ سرا تھا۔اُس نے اپنا مقبرہ قریب 894 ہجری مطابق 1488 عیسوی کے بنایا۔اس مقام پر ایک باولی بہت نفیس ہے۔اُس میں نیچے اوپر دالان بنے ہوئے تھے۔جانب غرب باؤلی کے،ایک مسجد ہے اور اُس پر چونے کی منبت کاری میں آیات قرآنی کندہ ہیں۔مسجد کی بغل میں بائیں طرف دروازہ ہے اور اُس پر بھی برج بنا ہوا ہے۔اُس دروازے کے سامنے قبر کا گنبد ہے۔پہلے تو بہت اونچا چبوترہ بنا کر اُس میں کمرے کے طور پر گھر بنائے ہیں اور اُس پر قبر بنائی اور قبر پر برج ہے۔برج مع لداؤ اور ستون کے سنگ سرخ کا بہت نفیس بنا ہوا ہے۔چبوترہ

بھی بہت خوب صورت ہے۔ اُس کے چاروں کونوں پر بھی خوش نمائی کے لیے چار بُرجیاں بنائی تھیں۔ اُن میں کی تین برجیاں قائم ہیں اور ایک ٹوٹ گئی ہے۔

مقبرہ سلطان بہلول لودھی: سلطان بہلول لودھی موضع بھداؤلی نواح سکیت میں 894 ہجری مطابق 1488 عیسوی کے مرا، اُس کی نعش مقام پر حضرت روشن چراغ دہلی کی درگاہ کے پاس لا کر دفن کیا اور سلطان سکندر اُس کے بیٹے نے یہ مقبرہ بنایا۔ یہ مقبرہ عجب قطع کا بنا ہوا ہے۔ نیچے تو بارہ در ہیں اور اوپر پانچ برج۔ ہیت مجموعی مقبرے کی بہت خوبصورت ہے۔ اس مقام پر اور بھی قبرستان بن گیا ہے اور سنگ سرخ کے کٹہرے میں قبریں بنی ہوئی ہیں۔ یہاں سے روشن چراغ دہلی کی درگاہ کی فصیل، جو محمد شاہ نے بنائی ہے اور ایک دروازہ فصیل کا بہت خوش نمائی سے دکھائی دیتا ہے۔ (11-A)

سلطان سکندر نے بڑی مہارت سے دھولپور کے پاس دریا پر ایک بند تعمیر کرایا تھا۔ بابر بادشاہ تحریر کرتا ہے کہ:

”صبح سلطان سکندر کے بند پر پہنچا۔ جس کے دوسرے موڑ پر اتنی بڑی سرخ پتھر کی چٹان کھڑی ہے کہ اگر اسے کھودا جائے تو اس میں ایک خوبصورت مکان بن جائے۔ میں نے سنگتراش شاہ محمد کو بلوایا اور اس سے فرمائش کی کہ اس چٹان کو کھود کر اس میں ایک مکان بنا دو اور اگر اس میں کہیں خلاء واقع ہو جائے تو اسے حوض کی شکل دے دو۔“ (11-B)

کچھ عمارات کی جانب ابراہیم لودھی نے بھی توجہ دی۔ ابراہیم لودھی نے 1522ء میں خواجہ خضر کا مقبرہ تعمیر کرایا۔ اس کے علاوہ اس نے ”راجون کی باولی“ بھی تعمیر کروائی اس کے ساتھ ایک مسجد بھی ہے۔ لیکن ابراہیم لودھی کی سیاسی مشکلات نے اسے اس جانب توجہ دینے کا زیادہ موقع فراہم نہیں کیا۔ (12)

لودھیوں کے دور میں ہی ان کی سلطنت سے باہر دیگر حکمرانوں نے بھی تعمیرات پر توجہ دی۔ ریاست جونپور میں سلطان ابراہیم شرقی کی تعمیر کردہ اطالہ مسجد قابل ذکر ہے۔ البتہ یہ مسجد 1408ء میں مکمل ہو گئی تھی۔ اس کی تعمیر میں پرانے مندر کا مواد استعمال ہوا ہے لال دروازہ مسجد جونپور سلطان محمد شاہ شرقی کے دور میں تعمیر ہوئی۔ سلطان حسین شرقی نے اپنے دور میں جامع مسجد جونپور تعمیر کرائی تھی۔ البتہ یہ دونوں مساجد اطالہ مسجد کے طرز پر ہیں۔ اس طرح کی کئی تعمیرات کالپی، بنارس، غازی پور اور اعظم گڑھ میں بھی نظر آتی ہے۔(13)

گوالیار کی ریاست لودھیوں کی باجگوار تھی۔ 1518ء میں سلطان ابراہیم کے دور میں اس ریاست کا سلطنت دہلی سے الحاق ہوا۔ یہاں کے راجہ "راجہ مان سنگھ" (1486-1518) نے گوالیار کی اونچی پہاڑی پر ایک قلعہ اور محل تعمیر کیا۔ اس کے بیٹے وکرم دتیہ نے اس کے ساتھ ایک اور محل بنایا۔ یہ تعمیرات بہت خوبصورت اور دلکش ہیں۔ جب بابر بادشاہ نے اس محل اور قلعہ کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔(14)

بنگال میں جلال الدین محمد شاہ (1414-1443) نے اخلاقی مسجد تعمیر کی۔ جو ایک زبردست شاہکار ہے۔ بنگال میں لودھیوں کے ہم عصر حکمران سیف الدین فیروز شاہ دوم (1488-90) نے 84 فٹ اونچا مینار تعمیر کرایا۔ رکن الدین باربک شاہ (1460-1474) نے قلعہ گور کا سلامی دروازہ تعمیر کرایا۔(15)

مالوہ پر اس دور میں غوری اور خلجیوں کی حکومت تھی۔ ان کا دارالحکومت منڈو تھا۔ سلطان محمود خلجی اول نے 1454ء میں جامع مسجد منڈو کی تعمیر مکمل کی۔ اگرچہ یہ بہت خوبصورت نہیں ہے مگر فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کے عقب میں ہی سلطان ہوشنگ شاہ کا مقبرہ ہے۔ منڈو کا "جہاز محل" دیگر تمام تعمیرات پر بھاری ہے۔ دیگر محلوں میں باز بہادر کا محل ہے جو 1509ء میں نصیر الدین خلجی نے تعمیر کرایا۔ روپ متی کی بارہ دری اور ہنڈولہ محل بھی قابل ذکر ہیں۔(16)

گجرات کے حاکم قطب الدین شاہ (58-1451) اور محمود اول بیگھارا (-1459
1511) کو بھی تعمیرات سے دلچسپی تھی۔ ان کے دور میں کئی مساجد اور مقابر تعمیر ہوئے
ہیں۔ محمود اول بیگھارا نے احمد آباد کے جنوب مغرب میں محمود آباد تعمیر کرایا۔ اس کے علاوہ
اس نے احمد آباد کی خوبصورتی پر بھی خاص توجہ دی۔ 1484ء کے قریب محمود آباد کے نزدیک
سید مبارک شاہ کا مقبرہ تعمیر کرایا۔ اس مقبرے میں لودھی حکمرانوں کا طرز تعمیر جھلکتا ہے اور
اغلب امکان ہے کہ یہ مقبرہ لودھیوں کاریگروں نے ہی تعمیر کیا ہو۔ 1492ء میں مسجد محافظ
خان تعمیر ہوئی لیکن زیادہ قابل ذکر مسجد سدوی سید ہے جو 1510 کے لگ بھگ تیار
ہوئی۔ (17)

دکن میں بہمنی حکمرانوں نے تعمیرات پر خاص توجہ دی اور گلبرگہ و بیدار میں مساجد تعمیر
کیں۔ البتہ سب سے دلکش تعمیراتی نمونہ بیجاپور میں ملتا ہے۔ سلطان محمد عادل شاہ کا مقبرہ
گول گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ترکی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔

وجے نگر اور راجپوتانے میں بھی کئی عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ راجستھان (راجپوتانہ) میں
رانا کمبھ کا محل قابل ذکر ہے۔ یہ میواڑ میں ہے۔

لودھیوں نے اپنے دور میں جو بھی عمارات تعمیر کیں اگرچہ وہ سائز میں ذرا چھوٹی تھیں مگر
بہت مضبوط تھیں اور ان کو سجایا بہت اچھے طریقے سے گیا تھا۔ کے ایس لال درج الفاظ میں
لودھیوں کو خراج تحسین دیتا ہے:

The use of blue enamelled tilings for decoration, surface ornamentation of inside plaster embellished with colours, lotus finials on domes, stunted turrets, guldastas, diminutive kiosks or chhatris, fuller domes and pimnacles are contributions of the Lodis

to Indo-Muslim architecture. The double dome was adopted by the Mughlas, so also the octagonal mausoleum. Sikandar Lodi's tomb enclosure anticipates the ornamental garden tombs of the Mughals."(18)

موسیقی

سلطان سکندر لودھی اگرچہ سخت مسلمان تھا لیکن اسے موسیقی سے بھی دلچسپی تھی۔ بادشاہ کے خاص امراء میں سے میران سید روح اللہ اور سید ابن رسول موسیقی کی سرپرستی کرتے تھے۔ ان دونوں کے خیمے سلطان کے حکم سے اس کے خیمے کے پاس ہی نصب ہوتے تھے۔ یوں ان خیموں میں جو رقص و سرود ہوتا اس سے سلطان اپنے کانوں کو بھی سکون دیا کرتا تھا۔ محل میں باقاعدگی سے ساز بجائے جاتے تھے۔ ہر رات 9 بجے کے قریب شہنائی بجائی جاتی تھی۔ بہت سے خوش گو گویے اور رقاص، مختلف آلات مثلاً چنگ، قانون، تنبور اور وینا پر گایا کرتے تھے اور رقص کیا کرتے تھے۔ سلطان کو ملکوس، کلیان، کنڈا اور حسین سُریں بہت پسند تھیں۔ احمد یادگار نے کیدار، ادانہ، حسینی اور رام کلی کا ذکر کیا ہے جبکہ رزق اللہ نے کلیان، کنادا اور مقام حسین کو اس کی پسندیدہ دھنیں قرار دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سلطان سکندر راگ میں تمام دھنیں سنا کرتا تھا۔(19)

سلطان سکندر لودھی کی موسیقی کی سرپرستی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے دور میں عمر یحییٰ نے موسیقی پر اپنی مشہور کتاب "لہجہ سکندر شاہی" تحریر کی اور اسے سلطان سے منسوب کیا۔ عمر یحییٰ عربی فارسی اور سنسکرت کا عالم تھا۔ اس نے سنسکرت کے رسالے سنگیت رتناکر، نرتیہ سنگرہ اور سنگیت کلپترو سے بہت استفادہ کیا تھا۔ لہجہ سکندری شاہی ہندوستانی موسیقی پر

پہلی فارسی کتاب ہے۔(20)

سکندر لودھی کے دربار سے وابستہ مولانا جمالی ایک ماہر موسیقار بھی تھے۔(21) علاوہ ازیں لودھی دور کے ایک اور بزرگ شیخ علائی بھی موسیقی سے بہت شغف رکھتے تھے۔ (22) اس سے ظاہر ہے کہ لودھی دور کے صوفیاء بھی موسیقی کی ترقی کا اہم ذریعہ تھے۔

سلطان سکندر لودھی کے ذاتی ملازمین میں سے 4 ملازم مختلف چار قسم کی موسیقی میں ماہر تھے۔ان اقسام کے نام چنگ، قانون، وینا اور تنبور ہیں۔(23)

تاریخ شاہی میں اس کی تفصیل یوں ہے:

''چونکہ وہ اہل ہنر کو دوست رکھتا تھا اور موسیقی کی طرف بہت زیادہ مائل تھا اس لیے اس کے عہد میں بے مثال، یکتائے روزگار، خوش گو اور خوش گلو گویے جمع ہو گئے تھے۔جب ایک پہر رات گزرتی وہ بزم سرود آراستہ کرتا۔ سرود شروع ہو تو پرندے فضا سے نیچے اتر آتے اور زہرہ آسماں پر پیچ و تاب کھانے لگتی۔ چار غلام زادے تھے جن کو اس نے ایک ہزار پانچ سو دینار میں خریدا تھا۔ان میں سے ایک چنگ نواز، دوسرا قانون نواز، تیسرا طنبورچی اور چوتھا بین کار تھا۔ان کے سرایسے جان نواز تھے جن کو سن کر مُردوں کے بدن میں جان آجاتی اور زندوں کی جان چلی جاتی۔حسن و زیبائی میں بھی دنیا میں ان کی نظیر نہیں تھی۔ان کے چہرے لطف الٰہی کی آیات تھے۔کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان کے سریلے نغموں کی آواز مجلس کے مہ جبینوں کو مدہوش کر دیتی کہ بے تاب شیشوں میں دھری کی دھری رہ جاتی۔چار سرنا نواز بھی تھے جو آدھی رات ہوتی تو سرنا بجاتے۔اول کیدارہ، دوم اڑانہ، سوم حسی اور چہارم رام کلی اور اس پر وہ محفل کو برخاست کر دیتے تھے۔''(24)

سلطان سکندر کی سلطنت کی حدود سے باہر بھی موسیقی کی اس دور میں بہت حوصلہ افزائی

ہوئی۔ سلطان حسین شرقی کو موسیقی سے بہت محبت کی۔ ساری رات رقص وسرود کی محفلیں جمتی تھیں۔ اس کے برعکس سلطان بہلول اپنی قبائلی خو کی بناء پر رقص وسرور سے دور رہتا تھا۔ یہی فرق دونوں کے سپاہیوں میں بھی تھا۔ گوالیار کا راجہ مان سنگھ موسیقی کے گوالیاری مکتب فکر کا بانی تھا۔ اس نے موسیقی کے دھروپد طرز کو دوبارہ زندہ کیا تھا۔ اس نے موسیقی پر ایک کتاب "مان کتوہل" بھی تحریر کی۔ اس نے "راگ درپن" کو بھی فارسی میں ترجمہ کرایا۔ اس کے دربار میں بیجو، پنڈوی اور لوہنگ جیسے استاد موجود تھے۔ تان سین جو اکبر کے دور میں گزرا اس کا تعلق بھی گوالیار سے تھے۔ اسی دور میں وجے نگر میں کرشنا دیورائے اور رام رائے جیسے موسیقار اپنے فن کا مظاہرہ کررہے تھے۔ (25)

ابراہیم لودھی کے دربار میں بہت ہی تربیت یافتہ رقاصائیں تھیں جو اپنے فن کا بہترین مظاہرہ کرتی تھیں۔ پانی پت کی جنگ کے بعد یہ رقاصائیں مغل بیگمات کے سپرد کردی گئیں۔ سکندر لودھی کا بھائی محمود لودھی جسے جنگ کنواہہ کے بعد پٹھانوں نے بہار کا بادشاہ بنایا تھا، وہ موسیقی کا بہت مداح تھا۔ (26)

علم وادب کی سرپرستی

برسر اقتدار آنے کے بعد سلطان سکندر نے ہر پہلو سے علم وادب کی سرپرستی کی۔

مخزن میں درج ہے کہ:

"اس زمانے میں علم وادب کا بہت چرچا ہوا اور امیروں وزیروں کی اولادوں کے علاوہ اکثر فوجیوں کو بھی علم وہنر کی فضیلت حاصل کرنے کا شغف تھا۔ مال دار اور دولت مند لوگ شریعت محمدی کے مطابق اپنے مالوں کی زکوۃ فقیروں مسکینوں اور مستحق لوگوں کو ادا کرتے تھے۔ سلطان بہلول کی وفات کے بعد جب رعایا نے

سلطنت سکندر کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تو ایک دن اُس نے قطب الاقطاب حضرت شیخ سماء الدین کنبوی دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی میں آپ سے "میزان الصرف" پڑھنا چاہتا ہوں اور اس کتاب کا ایک نسخہ بغل سے نکال کر شیخ کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے پڑھانا شروع کیا اور اس کا پہلا جملہ "بدان اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین" (اے وہ کہ تجھے خدا تعالیٰ دونوں جہانوں میں خوش نصیب کرے، جان لو کہ) پڑھا۔ سلطان نے شیخ سے عرض کی کہ آپ پھر یہی جملہ پڑھیں یہاں تک کہ تین مرتبہ اس کی تکرار کرائی۔ اس کے بعد کتاب اٹھاتے ہوئے حضرت شیخ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور کہا کہ میرا مقصود آپ کی زبان مبارک سے اپنے حق میں ان کلمات کا کہلوانا تھا۔ حضرت شیخ کو شہزادے کی یہ ادا اور حسن ادب بہت پسند آیا اور خوش ہو کر باطنی توجہ کی بنا پر فرمایا کہ تم اپنے وقت کے سکندر بنو گے۔ مخلوقِ خدا تجھ سے بے حد فیض یاب اور خوش ہو گی۔ اس دعا کو نیک فال سمجھتے ہوئے شہزادہ گھر کو لوٹا اور پھر اپنے رب کے فضل سے ایسے اعلیٰ مقام تک پہنچا جسے دنیا والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔" (27)

اپنی ریاست میں ہر جگہ پر مدارس قائم کروائے اور آگرہ اور دہلی کے مدارس میں اعلیٰ پائے کے علماء کا تقرر کیا۔ وہ عوام میں شرح خواندگی میں اضافے کا خواہاں تھا۔ خاص طور پر وہ افغانوں کو تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتا تھا اسی لیے اس نے اپنے فوجی افسران کے لیے لازمی تعلیم کے احکامات جاری کیے تھے۔ اخبار الاخبار میں درج ہے کہ سلطان نے عرب، فارس اور وسطی ایشیا سے علماء کو بلایا اور ان میں سے بہت سے یہیں پر سکونت پذیر ہو گئے۔ سلطان بہلول اور سلطان سکندر کے دور میں گزرے شیخ حسین طاہر کو چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا کہا جاتا تھا۔ شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ کو ملتان سے بلایا گیا۔ شیخ عبداللہ کو مدرسہ آگرہ اور شیخ عزیز اللہ کو مدرسہ سنبھل کا صدر مدرس مقرر کر دیا گیا۔ شیخ عبداللہ کے 40 مشہور شاگرد

تھے جن میں سے میاں لاڈھن، جمال خان دہلوی، میاں شیخ گوالیاری اور میاں سید بدایونی کے نام قابل ذکر ہیں۔ سکندر لودھی خود بھی اکثر شیخ عبداللہ کے لیکچرز سنا کرتا تھا۔ وہ بڑی خاموشی سے جماعت میں جا کر بیٹھ جاتا اور جب واپس نکلتا تو سلام کر کے نکلتا۔ شیخ عزیز اللہ کے دو مشہور شاگرد میاں حاتم سنبھلی اور شیخ الہ دیا جونپوری تھے۔(28)

سلطان نے متھرا اور نرور میں بھی مدرسے قائم کیے جہاں ذات پات کی تفریق کے بغیر سب لوگ تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔(29)

لودھی سلاطین کے دور میں تعلیم کے دو پہلو بہت اہم ہیں۔ اول یہ کہ تعلیم جو مدارس میں دی جاتی تھی وہ مذہبی زیادہ ہوتی تھی۔ ہندوؤں کی تعلیم کے لیے پاٹھ شالائیں تھیں جو زیادہ تر مناور میں ہوتی تھیں۔ ان میں وید، شاستر، رامائن اور مہابھارت وغیرہ پڑھائی جاتی تھیں۔ مسلمانوں کے مدارس میں پہلے قرآن، حدیث اور تفسیر کی تعلیم دی جاتی تھی۔ البتہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے ہاں ان کی اپنی زبانوں عربی، فارسی، سنسکرت کی گرامر ادب اور منطق بھی پڑھائی جاتی تھی۔ مسلمانوں کے ہاں فقہ پر بھی زور دیا جاتا تھا۔ شیخ سعدی کی گلستان اور بوستان بھی تعلیمی کتب تھیں۔

دوسرا اہم نکتہ یہ تھا کہ تعلیم اس دور میں بہت اعلیٰ ہوتی تھی۔ رٹہ لگانے کا رواج نہ تھا اور نہ ہی موجودہ امتحانی نظام تھا کہ جس کی وجہ سے گائیڈ سسٹم آ گیا ہے۔ تعلیم چونکہ لازمی نہیں تھی لہٰذا وہی لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے جو تعلیم سے دلچسپی رکھتے تھے۔ چونکہ پرنٹنگ پریس وغیرہ بھی نہ تھے لہٰذا طلباء اپنا تمام وقت اور اپنی تمام توجہ حصول علم پر صرف کرتے تھے اور اس غرض سے مدارس جاتے تھے یا پھر ان میں داخل ہی ہو جاتے تھے جہاں پر قلمی کتب موجود ہوتی تھیں۔ زیادہ زور کتب کو حفظ یا یاد کرنے پر دیا جاتا تھا۔ کسی زبان سے قبل اس کی گرامر سکھائی جاتی تھی اور یوں اس زبان میں طالب علم کو بولنے، لکھنے اور پڑھنے کی مہارت ہوتی

تھی۔یوں جو لوگ علم حاصل کرتے تھے وہ حقیقی عالم کے طور پر سامنے آتے تھے۔(30)
ایک اور خاص بات یہ تھی کہ تعلیم میں مذہب کی قید نہ تھی۔ بہت سے مسلمان، سنسکرت کے عالم تھے اور بہت سے ہندو فارسی عربی کے عالم تھے۔

سکندر لودھی کے دور میں سنبھل کا علمی وادبی ماحول:

سلطان سکندر لودھی کے دور میں سنبھل ایک اہم شہر بن گیا تھا۔سکندر لودھی اکثر سنبھل آتا تھا اور یہاں اس کے پاس بڑی تعداد میں علماء جمع ہوتے تھے جن کے ساتھ مذہبی اور علمی وادبی مسائل پر بحث ہوتی تھی۔ان علماء میں شیخ جمالی نمایاں شخصیت تھے۔خود سلطان سکندر لودھی کو بھی عالموں میں شمار کیا جاتا تھا۔وہ علماء کا بہت قدردان تھا۔اس نے گل رخ کے تخلص سے کئی نظمیں تحریر کیں۔(31)

اخبار الاخیار میں درج ہے کہ سلطان سکندر نے عرب، ایران اور وسطی ایشیا سے بہت سے علماء کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ان علماء میں سے اکثر ہندوستان میں ہی آباد ہو گئے۔تاریخ فرشتہ سے بھی اسبات کی تصدیق ہوتی ہے کہ سلطان کو علماء اور علمی مباحث سے بہت دلچسپی تھی۔اس کے عہد کے نامور علماء میں میاں قدیر بن شاہ خواجو، میاں عبداللہ بن اللہ داد ملتانی، سید محمد بن سعید خان دہلوی، ملا قطب الدین، ملا اللہ داد صالح سرہندی، سید امان، سید برہان اور سید احسن قنوجی کے نام قابل ذکر ہیں۔(32)

مولانا جمالی کی سنبھل آمد کے بارے میں یوں درج ہے:

سلطان کو فارسی شعر و شاعری سے بڑی دلچسپی تھی بلکہ خود بھی ایک پختہ گو شاعر تھا اور ''گلرخی'' تخلص کرتا تھا۔بادشاہ نے ہر روز چند گھنٹے اہل علم و فضل اور شعراء و ادباء کی محفل میں بیٹھنے کے لیے مقرر کر رکھے تھے۔اس محفل میں شعر و شاعری سے متعلق

بحث مباحث اور فقہ و نظر ہوتی تھی۔ سلطان نے جب حضرت شیخ جمالی کنبو دہلوی کی مثنوی "مہر و ماہ" کے چند اشعار سنے تو شیخ جمالی سے ملنے اور ان کی زیارت کا بہت اشتیاق ظاہر کیا۔ ان دنوں شیخ مذکور حج بیت اللہ کے لیے گئے ہوئے تھے۔ سلطان نے چند امراء کو تاکید کی کہ جیسے ہی شیخ جمالی دہلی تشریف لائیں، مجھے اطلاع دی جائے۔ کچھ عرصے کے بعد جب شیخ جمالی، ماوراء النہر، عراق، خراسان، آذربائیجان، روم اور شام کی سیر و سیاحت کرنے کے بعد دہلی واپس تشریف لائے تو اس کام پر مامور درباریوں نے سلطان کو اس کی خبر دی۔ اکثر شعر و شاعری کی محفلوں میں سلطان، شیخ جمالی کے اشعار پڑھتا اور حظ اُٹھاتا۔ کمال اشتیاق کی بنا پر ایک دن سلطان نے ایک قطعہ کہا اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر سنبھل سے دہلی بھیجا جس میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔ نیز "مہر و ماہ" کے ایک نسخے کے لیے بھی درخواست کی......

یہ خط آج بھی شیخ جمالی کے ورثاء کے پاس موجود ہے۔ شیخ جمالی نے یہ خط پڑھ کر فرمایا کہ فقیروں کو شاہوں کی مجلس میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ چونکہ ان حضرات کی فکر و نظر کا باز تو آسمانوں کی بلندیوں پر پرواز کر رہا ہوتا ہے اس لیے انہوں نے اس دنیاوی اعزاز، جس کی حیثیت ان کے نزدیک "مردار" سے زیادہ نہیں ہوتی، کی طرف التفات نہ کرتے ہوئے ایک منظوم خط سلطان کے خط کے جواب میں لکھ کر "مہر و ماہ" کے ایک نسخے کے ساتھ سلطان کی خدمت میں بھیج دیا جب یہ خط اور "مہر و ماہ" کا نسخہ سلطان نے پڑھا تو اس کے دل میں ملاقات کا اشتیاق اور بھی زیادہ ہو گیا بلکہ پہلے سے بھی ہزار گنا زیادہ وہ ملاقات کا متمنی ہوا۔ شیخ جمالی کو ملاقات پر آمادہ نہ دیکھ کر سلطان نے ایک خط، آسمان ہدایت کے

درخشندہ ستارے شیخ سماء الدین کنبو کی خدمت میں لکھا، جو شیخ جمالی کے پیرو مرشد اور خسر بھی تھے۔ اس خط میں بھی سلطان نے اشتیاق ملاقات کا اظہار کرتے ہوئے شیخ سماء الدین سے درخواست کی کہ جس طرح بھی ہو سکے وہ شیخ جمالی کو ہماری ملاقات کے لیے ضرور آمادہ کر کے دربار بھیجیں۔ شیخ سماء الدین نے سلطان کی اس درخواست پر ہمدردانہ بلکہ مشفقانہ غور کرتے ہوئے شیخ جمالی کو طوعاً و کرہاً سلطان کی خدمت میں روانہ کیا اور ساتھ ہی کہا کہ کبھی کبھی فقراء کا سلطان کے دربار میں جاتے رہنا حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ بھی محض رضائے الٰہی کی خاطر کرنا چاہیے تاکہ درباروں کی مخلوق بھی ان کے فیوضات سے بہرہ ور ہوتی رہے۔ چنانچہ حضرت شیخ جمالی دہلی سے سنبھل روانہ ہوئے۔ جب سنبھل کے قریب پہنچے تو سلطان نے حد درجہ اشتیاق ملاقات کی وجہ سے دو تین میل آگے آ کر شیخ کا پُر تپاک استقبال کیا اور اس قدر گرم جوشی سے پیش آیا کہ بیان سے باہر ہے۔ یہاں تک کہ سلطان کے آخری دم تک وہ دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد، ہمراز اور ہم زبان بنے رہے۔ سلطان کی وفات کے بعد حضرت شیخ قصیدے، ترکیب بند اور مرثیے وغیرہ جو کچھ بھی لکھتے تھے اہل علم و فن ایک مدت تک اُسے پڑھ پڑھ کر خون کے آنسو روتے رہے۔ دل کو موم کی طرح پگھلانے والا یہ سارے اشعار آج بھی شیخ جمالی کے دیوان میں منقول و موجود ہیں۔ (33)

مولانا جمالی کی ناراضگی:

افسانہ شاہان میں درج ہے کہ مولانا جمالی اور بادشاہ میں بہت دوستی تھی۔ ایک روز میاں حافظ نامی ایک مولانا بادشاہ اور مولانا جمالی کے حوالے سے کوئی بات ہی۔ بادشاہ اس وقت کچھ حفظ کرنے میں لگا تھا۔ اس نے جواب نہ دیا۔ مولانا جمالی سمجھے کہ بادشاہ میاں حافظ کی

طرف داری کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ دلگیر ہو کر خراسان چلے گئے۔ وہاں ان کی ملاقات مولانا جامی سے ہوئی۔ اس کے بعد مولانا جمالی کعبہ شریف کی زیارت کو چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے مولانا جمالی کو بلانے کو خط تحریر کیا مگر مولانا نے جواب نہ دیا۔ جب بادشاہ کو پتہ چلا کہ مولانا مکہ جا رہے ہیں تو بادشاہ نے مولانا جمالی کو آنے کی دعوت دی اور کہا کہ یہاں بہت دولت ہے۔ مولانا جمالی نے جواب بھیجا کہ ہماری دوستی دل سے تھی، مال و دولت کے لیے نہ تھی۔ اب چونکہ ہمارے درمیان تیسرا آ گیا ہے تو اس دل کے ٹکڑوں پر پیوند نہیں لگ سکتا۔ جس روز مولانا جمالی کا یہ خط دہلی آیا ان ہی دنوں سلطان کا انتقال ہو گیا۔ البتہ افسانہ کے اس بیان کی تصدیق کی اور تاریخی ماخذ سے نہیں ہوئی۔ (34) اتنا ضرور درج ہے کہ مولانا جمالی کی ناراضگی سلطان سکندر سے نہیں بلکہ سلطان ابراہیم سے ہوئی تھی۔ (35)

شیخ عزیز اللہ تلنبی کی سکونت سنبھل میں تھی۔ ان کے بھائی شیخ عبداللہ تلنبی دہلی میں قیام پذیر تھے۔ ان شیخ عبداللہ کے شاگرد میاں حاتم سنبھلی تھے جو بہت مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ (36)

افضال الرحمن خان صاحب تحریر کرتے ہیں کہ سلطان سکندر لودھی کے دور میں سنبھل کو ثقافتی طور پر وہی اہمیت حاصل تھی جو سلطان التمش کے دور میں بدایوں کو حاصل تھی۔ سکندر لودھی کے دور میں سنبھل کی ثقافتی بنیادوں کو آسانی سے خراب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان کے مطابق سنبھل کے اسی مسلم ثقافتی ماحول کے اثرات تھے جو اکبر کے دور میں علم و ادب پروان چڑھا اور مسلمانوں کو ثقافتی ترقی حاصل ہوئی۔ (37)

سکندر لودھی کے دور کے ایک مشہور عالم مولانا عثمان بنگالی تھے۔ ان کا تعلق بنگال سے تھا لیکن وہ سنبھل آ کر آباد ہو گئے۔ میاں حاتم سنبھلی ان کے بھی شاگرد تھے۔ (38)

فارسی ادب

لودھی دور میں فارسی ادب نے بہت ترقی کی۔ البتہ قابل افسوس بات ہے کہ اس دور میں تاریخ کے موضوع پر بہت کم کتب سامنے آئی ہیں۔ بلکہ صرف ایک کتاب "تاریخ ابراہیم شاہی" کا نام ملتا ہے۔ اس دور میں کشمیر کے بادشاہ سلطان زین العابدین (1420) نے مہابھارت اور راج ترنگنی کو سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کرایا۔ جون راجہ (متوفی 1459) نے کالہن کی راج ترنگنی کو اسی انداز میں تحریر کیا جبکہ اس کے شاگرد شری وارا نے اس میں 1486 تک کے واقعات کا اضافہ کیا۔ (39)

سلطان سکندر لودھی کے وزیر اعظم میاں بھوا کو بھی علم و ادب سے بہت دلچسپی تھی۔ اس نے بہت سے ہندوستان اور بیرونی علماء کو اکٹھا کیا اور ہر موضوع پر کتب تحریر کرنے کی ہدایت کی۔ اس نے ہندوستان اور خراسانی اطباء کو طب پر ایک کتاب لکھنے کی ہدایت کی۔ اس گروہ نے ہندوستانی حکماء میں سے چرک، سشرت، جانوکرن، بھوج، چنتامن، چکرورت، کیرت اور بہت سے دیگر کی کتب سے استفادہ کیا اور 1512ء میں "طب سکندری" کے نام سے ایک جامع وضخیم کتاب مرتب کی۔ اسے "معدن الشفاء سکندری" بھی کہتے ہیں۔ اس کتاب کے مصنفین میں سرکردہ نام خود میاں بھوا ولد خواص خان کا آتا ہے۔ عبداللہ نے جو تاریخ داؤدی میں لکھا ہے کہ یہ ایک سنسکرت کتاب "آیور مہاویدک" کا فارسی ترجمہ ہے غلط ہے کیونکہ اس کتاب کی تیاری میں بہت سی سنسکرت کتب سے استفادہ کیا گیا ہے اور کئی مصنفین اس کی تصنیف میں شراکت دار ہیں۔ رزق اللہ اور عبداللہ کا خیال ہے کہ اس دور میں اس سے بڑی کتاب طب کے موضوع پر پورے ہندوستان میں نہیں تھی۔ (40)

اسی طرح سے مشہور فارسی شاعر مولانا جامی کی یوسف وزلیخا کی طرز پر شری وارا نے

ہندی میں "کتھا کوتک" تحریر کی۔(41)

سلطان سکندر کے دور میں ہی مولانا محمد بن شیخ زین الدین نے "فرہنگ سکندری" (عرف تحفہ سادات) تیار کی۔ یہ کتاب 1510 میں مکمل ہوئی اور اسے سلطان سکندر سے منسوب کیا گیا۔ یہ فارسی کی بڑی ضخیم ڈکشنری ہے۔(42)

ایک اور اہم مصنف ظہیر دہلوی تھا۔ سلطان سکندر نے اسے ظہیر کا خطاب دیا تھا۔ اس کے علاوہ مولانا حسن نقشی، مولانا علی احمد نیشانی اور مولانا نورالحق بھی قابل ذکر ہیں۔ البتہ سب سے مشہور عالم شیخ جمالی کنبوہ تھے۔ وہ ایک صوفی، عالم، شاعر، مصنف اور سیاح بھی تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی کے مطابق ان کے دیوانوں میں 8 یا 9 ہزار اشعار تھے۔ ان کا اصل نام شیخ فضل اللہ عرف جمال خان تھا۔ ان کی کئی کتب سیر العارفین، مثنوی مہر و ماہ اور دیوان بہت مشہور ہیں۔ سیر العارفین میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے لے کر شیخ شمس الدینؒ (شیخ جمال کے پیر) تک تمام ہندوستانی صوفیاء کے حالات درج ہیں۔(43)

سکندر کی شاعری:

سلطان سکندر لودھی خود بھی اچھا شاعر تھا۔ اور شیخ جمالی سے اصلاح کیا کرتا تھا۔ مخزن افغانی میں اس کے درج ذیل اشعار درج ہیں۔

ای مخزن گنج لایزالی
وی سالک راہ دین جمالی

در گرد جہان بسی زدی سیر
در منزل خود رسیدی بالخیر

بودی تو مسافر زمانه
الحمد کہ آمدی بخانه

در مکہ و در مدینہ گشتی
گوہر بودی خزینہ گشتی

در شیخ ز دوستان بود سیر
تشریف نمودنش کشد دیر

باید کہ کتاب مہر و ماہم
ارسال دهد چنانچہ خواہم

ای شیخ بما برس بزودی
بسیار مسافت نمودی

بکشای بسوی درگہم گام
تا در یابی ز گلرخی کام

جانم بجمال تو طپانست
دل مرغ مثال در فغانست

اسکندرم و تو خضر مائی
آن بہ کہ بسوی ما بیائی

از مہر کشد دو دیدہ را نور

آن مہ نشود ز دیدہ ام دور

مسٹر بشیر حسین نے ان اشعار کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

(اے زوال ناپذیر خزانے کے موتی اور راہ دین کے سالک مولانا جمالی۔ آپ نے دنیا کی بہت سیر کی ہے اور اب خیریت سے گھر واپس آئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے تو دنیا بھر کا سفر کر کے گھر آیا ہے۔ تو نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی ہے جس سے تیری شخصیت کا موتی نکھر کر ایک خزانہ (مرجع خلائق) بن گیا ہے۔ اگر شیخ کا اپنے مریدوں سے جی بھر گیا ہو اور اپنی تشریف آوری سے مریدوں کو سرافراز فرمانے کا مستقبل قریب میں کوئی ارادہ نہ ہو تو مثنوی ''مہر و ماہ'' کا نسخہ ارسال فرمائیں کیونکہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اے شیخ آپ نے بڑا عرصہ سفر میں گزارا ہے اب جلد ہمیں زیارت کرائیں۔ غریب خانہ کی طرف قدم مبارک اُٹھائیں اور گلرخی کو خدمت کا موقع دیں۔ آپ کے ہجر میں میری جان ماہی بے آب کی طرح تڑپتی ہے۔ میں اسکندر اور آپ خضر کی مثال ہیں لہٰذا کبھی ہماری جانب آنے کا ارادہ بھی کریں۔ چاند اپنی آنکھوں کے لیے سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے اس لیے میرے اُس چاند کو میری آنکھوں سے دُور نہیں رہنا چاہیے)۔ (44)

نثر، علم، زبان

عربی و ادب

اس دور میں شیخ سعد الدین خیر آبادی متوفی 1477ء نے فقہ اور تصوف پر عربی میں کتب تحریر کیں۔ قاضی شہاب الدین (متوفی 1445) لودھی دور سے ذرا پہلے جونپور میں وفات پا گئے تھے۔ ان کو ملک العلماء کا خطاب ملا تھا۔ جونپور میں اسی دور کے مشہور عالم شیخ الہ دیا جونپوری تھے جنہوں نے الکافیہ کی شرح ''ہدایہ الفقہ'' تحریر کی۔ اور تفسیر المدارک پر

نوٹ لکھیے۔(45)

سنسکرت ادب:

سلطان سکندر لودھی کے دور میں سنسکرت ادب کو بھی ترقی ملی گو کہ اس ترقی کے منابع سلطان کی اپنی حدودِ سلطنت سے باہر تھے۔ بہلول لودھی کے دور میں مسادر مصرا نامی مشہور مصنف گزرا تھا جس نے ویواد چندرا تحریر کی تھی جس میں ہندو قانون پر بحث کی گئی تھی۔ اس کی ایک اور تصنیف "پدرتھا چندریکا" بھی مشہور ہے۔ یہ مصنف بہار میں گزرا تھا۔ اس کے بعد اس کے ایک جانشین وچسپتی مصرا نے ویواد چتامنی تحریر کی۔ وہ مقامی راجہ ہری نارائن اور ان کے بیٹے روپ نارائن کا مشیر تھا۔ اس کا دور 1500 کے لگ بھگ تھا اور یوں وہ سکندر لودھی کا ہم عصر تھا۔ 1510ء کے لگ بھگ گجرات میں سلطان احمد شاہ اول کی فوج کے ایک برہمن افسر دلپت رائے نے دھرم شاستر کے نام سے ایک انسائیکلوپیڈیا تیار کیا۔ اسی عہد میں بنگال میں سمرتی کا شارح رگھونندن مصرا گزرا۔ وجے نگر کی ریاست میں ہری ہرا دوم اور مادھو کے دور میں سنسکرت لٹریچر کو بہت فروغ ملا۔ (46) اس کے علاوہ گجرات اور راجپوتانے میں بھی سنسکرت ادب پر کافی کام ہوا۔

ہندی اور اردو زبان کا فروغ

لودھیوں کے دور میں ہندی یا اردو زبان کو بڑا فروغ ہوا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو سو سالہ امتزاج نے امیر خسرو کے اشعار کی شکل میں جس زبان کو پیدا کیا تھا اس دور میں اس زبان میں نکھار آنے لگا۔ سلطنت لودھی، سلطنت جونپور، سلطنت مالوہ، گجرات، دکن غرض ہر جگہ پر ہندوؤں اور مسلموں کا ملاپ ہو رہا تھا۔ مسلم بادشاہوں کی جانب سے سنسکرت کی سرپرستی کم تھی اور اکثر علاقوں پر وہی قابض تھے۔ اس کے برعکس عربی فارسی کی سرپرستی میں

وہ آ گئے تھے۔ لہٰذا عربی فارسی کے الفاظ مقامی بولیوں خصوصاً برج بھاشا میں اور دیگر مقامی زبانوں میں شامل ہونے لگے اور یوں جدید اردو کی بنیادیں قائم ہوئیں۔ لودھی جو قبائلی پٹھان تھے اور پشتو بولا کرتے تھے ان کا پہلا بادشاہ بہلول لودھی ایک سادہ شخص تھا۔ اس کے چالیس سالہ دور میں اس نے بھی مقامی زبان کو قبول کیا۔ اس وقت یہ زبان ہندی ہی کہلاتی تھی۔ اسے اٹھارہویں صدی ؁ ۔ اردو کا نام بھی دیا جائے گا۔

لودھی دور میں ہمیں کبیر اور رائے داس کے نام ملتے ہیں جو ہندی کے مشہور شاعر تھے۔ ان کے علاوہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے بھی الکھ داس کے نام سے ہندی میں شعر کہے۔ وہ بھی لودھی دور میں گزرے تھے۔ صوفیاء اور شعراء نے عوام سے رابطہ مقامی زبان میں کیا اور اس میں فوقیت ہندی اردو کو حاصل تھی۔ راجستھان میں مغربی ہندی کی ترقی ہوئی جو راجستھان کہلاتی تھی۔ مشرقی یوپی میں اودھی زبان سامنے آئی۔ جسے کھڑی بولی اور برج بھاشا بھی کہتے ہیں۔ پندرہویں صدی میں اودھی زبان میں کئی کتب تحریر کی گئیں۔ 1501ء میں مری گاوتی تحریر کی گئی جو شیخ برہان چشتی کے ایک شاگرد قطبن نے لکھی۔ (47)

کبیر اور جائسی کی تحریروں میں بھی ہمیں فارسی اور عربی الفاظ ملتے ہیں جس سے اس دور میں اردو کی بناوٹ کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس دور میں بنگال اور دکن کے مسلم بادشاہوں نے اپنی اپنی علاقائی زبانوں کی بھی سرپرستی کی تھی اور کئی کتب کے تراجم خصوصاً بنگالی زبان میں کرائے۔

اردو ادب

خاص لودھی سلطنت کے علاقے میں صوفیاء اور بھگتوں نے اردو کی ترقی میں کافی کام کیا۔ ان کی تصانیف گو کہ فارسی میں ہیں مگر ان میں ہمیں اردو کے الفاظ اور اردو اشعار ملتے ہیں۔ اگر یہی تصانیف اردو زبان میں ہوتیں تو ہمیں اس دور کی اردو کا بہتر اندازہ ہو جاتا۔

لودھی دور میں اردو زبان کی حوصلہ افزائی کے بہت اشارے ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ افغان سردار بھی ہندی / اردو کے شاعر تھے۔ گو کہ ان کا کلام ضائع ہو گیا ہے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے ایک افغان سردار بہلول صوفی سروانی کا کلام درج کیا ہے:

"بر پر بت کچ بسے ہمارو سیت"

(نامعلوم) ہمارا محبوب کس پہاڑ پر رہتا ہے (47-A)

اس دور کے دو اور ریختہ شعر کے نمونے ملے ہیں۔ ایک یوں ہے:

ہم تو ملی پیتم سون جائی

بوند گئی دریا سمائی

(47-B)

جبکہ ساکمی ہندوی شاعر نے ابراہیم کی شکست کی تاریخ ہندی میں یوں کہی ہے:

نو سی اوپر بڑھتا بتیا

پانی پتہ منہ بھارتہ دیا

چوتھی رجب شکر وارا

بابر جت براہم ہارا

(47-C)

993ھ میں میاں دولت خان لودھی نے جہانگیر کے دور میں درج ذیل ہندی دوہرہ کہا:

میں جو اچھر پیم کے کاگد لکھے بکھان

رستا کہیں نہ ان بین پھر کھر منہ سمان

(47-D)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی متولد 1455ء سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بڑے نامور صوفی گزرے ہیں۔ افغانوں کی بڑی تعداد ان کی مرید تھی۔ ان کی وفات 1538ء میں ہوئی۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ بہلول لودھی سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی کے دور میں گزرا ہے۔ انوار العیون، رسالہ قدسیہ، رسالہ انوار الھدی رسالہ قرۃ العین اور رشتہ نامہ کے مصنف ہیں۔ اپنی تصانیف میں الکھ داس کے تخلص کے ساتھ انہوں نے اپنے ہندوی یا اردو اشعار بھی درج کیے ہیں۔ ان کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ (48)

(شیخ گنگوہی کے اشعار)

ایک تھی اہت بھلی آپی آپ بیاہی
بجہ بجہ کیتا براتا ایام سرا جوائی

....

ایک اکیلا آپ سو جس تھیں یہ سنسار
آٹھ نیاتھ تھول سو سبھی ایک انکار

....

الکھ داس آکھے سن لوے
دوئی دوئی کہو مت بھائی کوئی
جل تھل مہیر سرپ ترنتر
کو رکھ ناتھ اکیلا سوئے

....

آپ کنوائیں پی ملے پی کھوئے سبھ جائے
اکتھ کتھا ہے پرم کی جسے کوئی بوجھے مائے

صدق رہبر، صبر توشہ، دشت منزل، دل رفیق
ست نگری، دھرم راجا جوگ مارگ

....

بھگت کبیر ایک مسلم گھرانے میں 1440ء میں پیدا ہوا۔ بعض کے نزدیک اس کی وفات 1492ء میں ہوئی اور بعض کے نزدیک 1518ء میں۔ بہر حال اس نے بہلول لودھی اور سکندر لودھی کے دور میں زندگی بسر کی۔ اس کی جائے پیدائش بنارس ہے۔ ایک طویل عرصہ سیاحت میں گزرا۔ اس نے اپنی ہندی یا اردو شاعری میں عربی فارسی کے الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ کچھ نمونے ملاحظہ ہوں:

کبیر اس سنسار کو سمجھاؤں کے بار
پوچھ تو پکڑے بھیڑ کی اتر جاوے پار

من کر مکہ قبلا کروی — بولنہار پرم گرو ایہی
کہورے ملا بانگ نواج — ایک مسیت دسے درواج
ھندو ترک کا صاحب ایک — کیا کرے ملا کیا کرے شیخ

ہمن ہیں عشق مستانہ ہمن کو ہوشیاری کیا
رہیں آزاد یا جگ میں ہمین دنیا سے یاری کیا۔

(49)

سکھوں کے مشہور مذہبی راہنما گرونانک 1469ء میں پنجاب میں پیدا ہوئے۔ 1538ء میں وفات پائی۔ ان کا عہد بھی لودھی حکمرانوں کے دور سے مطابق رکھتا ہے۔ گروگرنتھ میں ان کی شاعری پنجابی میں ہے مگر اس میں بہت سے عربی فارسی الفاظ کو بگاڑ کر ہندوستانی انداز میں لکھا گیا ہے مثلاً ساہا (شاہ) وکت (وقت) جور (زور)، سیکھ (شیخ)

بکشش (بخشش) وغیرہ۔

ان کا درج ذیل شعر بہتر اردو کا ایک نمونہ ہے:

من تن تیرا تو دھنی گربہ نواز سیکو
جن ایہہ جگت آپا یا ترھون کراکار
گر کہ چانن جانیے منکہ کمد نمار

....

صدق کرے سجدہ من کرے مقصود
جیہہ دھر دیکھا تیا پھر موجود

(50)

تاریخ داؤدی میں درج ہے کہ سلطان بہلول کے سامنے ایک بادفروش نے سلطان کے ایک امیر میاں محمود کو یہ دُعا دی تھی:

دان کھڑک محمود نے جو کا برج رہا سلطان

(51)

اس شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں سلطان بہلول کی سلطنت میں عوام کی اردو کیا تھی۔

لودھیوں کے دور میں اردو کا کتنا رواج ہوگیا تھا اس کا اندازہ اسبات سے لگایئے کہ بابر بادشاہ جس کی مادری زبان ترکی تھی اور وہ صرف 5 سال ہندوستان میں رہا، وہ بھی یہاں کے ماحول کے زیر اثر درج ذیل اردو شعر کہنے پر مجبور ہوگیا:

مجکا نہ ہوا کچ ھوس مانک و موتی
فقرا حلینہ بس بولغو سید ور پانی و روٹی

(52)

ایم اے غنی صاحب نے اپنی کتاب میں اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ ہندوستان آ کر بابر بھی بعض ہندوستانی الفاظ اپنی آپ بیتی میں استعمال کرتا ہے جیسے نیل گائے، کالا ہرن، ہاتھی، گھڑیال، لنگوٹی، ڈولی، گلہری وغیرہ (53)

ہندی ادب

ہندی ادب میں بھی لودھی حکمرانوں کے دور میں بہت اضافہ ہوا۔ بہلول لودھی اور سکندر لودھی کا ہم عصر بھگت کبیر جس کا اوپر ذکر گزرا ہے۔ اس سے کئی اشعار ہندی کے منسوب ہیں جن کا مجموعہ کبیر گرنتھاولی کہلاتا ہے۔ اس نے پوربی ہندی میں شاعری کی تھی۔ اس کی ہندی میں کھڑی، برج بھاشا، پنجابی، راجستھانی اور عربی فارسی کے الفاظ کا وسیع ذخیرہ ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سلطان سکندر نے ایک بار اسے سزا بھی دی تھی لیکن اس بات کی کہیں سے تصدیق نہیں ہوتی۔ (54) وہ کبھی خود کو پیر کہتا تھا، کبھی یوگی اور کبھی صوفی کہتا تھا۔

کبیر کے شاگردوں میں راجہ ویر سنگھ دیو کا نام ملتا ہے جو ایوا کا حکمران تھا اور سلطان سکندر سے اس کی کئی جنگیں بھی ہوئیں۔ یہ بھی ہندی کا اچھا شاعر تھا۔ دیگر شاگردوں میں باندوگڑھ کا ایک بنیا تھا جس کا نام دھرم داس تھا۔ اسی نے کبیر پنتھ کے نام سے نئے فرقے کی بنیاد رکھی۔ اس کا ایک اور شاگرد سورت گوپال تھا جس نے کاشی میں کبیر کی گدی سنبھالی۔ یہ سب لوگ سکندر لودھی کے دور میں تھے اور ہندی ادب میں ان کا اہم کردار ہے۔ کبیر کا اپنا بیٹا کمال تھا۔ اس کی بھی کچھ ہندی شاعری مل جاتی ہے۔

دھرم داس نے "دوادس پنتھ"، "نربھئے جنانہ" اور "کبیر وانی" کے نام سے ہندی کتب تحریر کیں۔ موخر الذکر کتاب 1464ء میں مکمل ہوئی۔ (55) جو بہلول لودھی کا دور تھا۔

گرو نانک متولد 1469ء بمقام ننکانہ (پنجاب) متوفی 1538ء کرتار پور (پنجاب) کی شاعری زیادہ تر ہندی میں ہے لیکن ہندی ادب میں بھی ان کا ایک حصہ ہے۔ ان کے

بہت سے اشعار ہندی یا ہندی پنجابی میں ملتے ہیں۔

سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی کے دور کے دیگر ہندی ادیبوں میں شمالی ہند میں سورداس، کیشو داس اور تلسی داس بڑے مشہور گزرے ہیں۔ اسی دور میں ودیاپتی گزرا ہے۔ وہ 1363ء میں پیدا ہوا تھا اور اس نے طویل عمر پائی۔ اس کی جائے پیدائش میتھلا میں بسا پی میں ہوئی اور وہ ترہوٹ کے راجہ شو کے دربار سے وابستہ ہوا۔ اس ریاست پر 1494ء میں سکندر لودھی نے قبضہ کر لیا تھا۔ ودیاپتی سنسکرت و ہندی کا مشہور عالم تھا۔ اس کی دو کتب "کیرتی لاتا" اور "کیرتی پتاکا" بہت مشہور ہیں۔ اس کی تمام تر ہندی شاعری پوربی ہندی میں ہے۔(56)

شمالی ہندوستان میں بھگتی تحریک کے کرشنا فرقہ کا ایک مشہور ودوان (عالم) گوسوامی ولبھ چاریہ 1473ء میں بہلول لودھی کے دور میں بندرابن میں پیدا ہوا۔ اس کی وفات 1530ء میں ہوئی۔ اسے ہم سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی کے دور کا اہم ہندی شاعر قرار دے سکتے ہیں۔ اس کی مشہور کتاب وشنو پد برج بھاشا میں تحریر کی گئی ہے۔(57)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اردو شاعری جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اسے ہندی شاعری بھی کہا جا سکتا ہے اور ہندی ادب میں بھی اسے نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ جونپور کے شیخ برہان چشتی کے شاگرد قطب علی عرف قطبن کی 1501ء میں تحریر کی گئی "میرگاوتی" بھی ہندی ادب کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ مثنوی خالص ہندی زبان میں تحریر کی گئی ہے اور اس میں ہندو کلچر کی عکاسی کی گئی ہے ہندوستان میں فرقہ مہدویت کے بانی سید محمد جونپوری (متولد 1444 متوفی 1495ء) بھی سلطان حسین شرقی کے دربار سے وابستہ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی شمالی ہند میں سیاحت میں گزاری۔ ان کی کتب میں بے شمار ہندی اشعار ملتے ہیں۔(58)

حواشی

(1) تاریخ شاہی ص19

(1-A) کے ایس لال: The tuilight of the Sultanate، ص229-230

(2) آثار الصنادید جلد اول ص5-94

(2-A) ایضاً ص230

(3) ایضاً

(4) ایضاً ص231

(5) ایضاً

(6) ایضاً ص232

(7) خلاصۃ التواریخ ص4-283

(8) کے ایس لال، مذکورہ بالا، ص3-232

(8-A) آثار الصنادید ص300

(9) کے ایس لال ص233

(10) ایضاً

(10-A) آثار الصنادید ص1-300

(11) کے ایس لال

(11-A) آثار الصنادید ص299-300

(11-B) بابر نامہ (اردو) ص240

(12) کے ایس لال

(13) ایضاً ص235

(14) ایضاً ص6-235: بابر نامہ از بابر بادشاہ، اردو ترجمہ رشید اختر ندوی ص256

(15) کے ایس لال، مذکورہ بالا، ص237

(16) ایضاً

(17) ایضاً ص239

(18) ایضاً

(19) ایضاً ص 1-240

(20) ایضاً ص 4-243

(21) JASP، اے جلیم 1956ء، ص 54-53

(22) ایضاً ص 54

(23) ایضاً ص 57

(24) تاریخ شاہی ص 9-48

(25) کے ایس لال، مذکورہ بالا، ص 3-242

(26) SASP اے جلیم 1956ء ص 57

(27) مخزن (اردو) ص 180

(28) کے ایس لال، مذکورہ بالا ص 5-244

(29) ایضاً ص 245

(30) ایضاً ص 6-245

(31) افضال الرحمٰن، Rohilkhand Territory in Medieval India ص 144

(32) ایضاً

(33) مخزن (اردو) ص 9-186

(34) افسانہ شاہان ص 6-55

(35) آب کوثر ص 463

(36) افضال الرحمٰن، مذکورہ بالا، ص 144

(37) ایضاً ص 145

(38) ایضاً

(39) کے ایس لال، مذکورہ بالا ص 7-246

(40) ایضاً ص 247؛ واقعات مشاقی ص 80-79

(41) ایضاً

(42) ایضاً

(43) ایضاً ص 248

(45) کے ایس لال، مذکورہ بالا، ص 249-50

(46) ایضاً 250-1

(47) ایضاً 253

(47-A) مکتوبات قدوسیہ ص 147

(47-B) تاریخ شاہی ص 107

(47-C) تاریخ شاہی ص 100

(47-D) مخزن ص 348

(48) شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات از اعجاز الحق قدوسی ص 415-9

(49) JASP اے جلد 1958ء ص 57-8

(50) ایضاً 59-61

(51) تاریخ داؤدی ص 58

(52) JASP اے جلد 1958ء ص 62

(53) ایضاً

(54) JASP اے جلد 1957ء ص 73

(55) ایضاً 75-76

(56) ایضاً 77-78

(57) ایضاً 80

(58) ایضاً 86-88

maablib.org

باب نمبر 28

صوفیانہ سلسلے

لودھی دورِ حکومت میں مسلمانوں کے صوفیاء بہت سرگرم تھے۔ چونکہ سلطنت دہلی سادہ لوح پٹھانوں کے ہاتھ میں تھی لہٰذا صوفیاء کرام کا عوام سے تعلق کسی سرکاری نگرانی کے تابع نہ تھا اور سلاطین کو صوفیاء اور عوام کے تعلقات میں کوئی دخل نہ تھا۔ البتہ بعض اوقات صوفیاء کرام سلاطین دہلی کی مدد بھی کر دیا کرتے تھے۔ اس دور میں سلطنت دہلی سے باہر صوفیاء کی جو خدمات تھیں پہلے ہم ان پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

سلطنت دہلی کے باہر صوفیاء کے اثرات:

سلطان محمد تغلق کے دور میں علماء اور مشائخ کا دہلی چھوڑ کر ملک کے دیگر حصوں میں آباد ہونے کا رجحان پیدا ہوا تھا۔ تیمور لنگ کے حملے نے اس کو اور تیز کر دیا۔ (1) سیاسی خلفشار اور معاشی بدحالی نے علماء مشائخ اور صوفیاء کو دیگر علاقوں میں جانے پر مجبور کر دیا۔

بنگال محمد تغلق کے دور سے خود مختار ہو گیا تھا۔ سلطان علاء الدین حسین شاہ حاکم بنگال نے پچیس سال حکومت کی۔ یہ اور اس کے جانشین بہت روادار تھے اور یہاں کے حکمرانوں کو صوفیاء سے بہت عقیدت تھی۔ بغرا خان پسر بلبن نے امیر خسرو کو لکھنوتی میں آباد ہونے کی کئی بار دعوت دی تھی۔ سلطان غیاث الدین نے خواجہ حافظ شیرازی کو بنگال آنے کی دعوت دی تھی۔ (2) جونپور 1394ء میں خود مختار ہو گیا تھا۔ سلطان ابراہیم شرقی کے دور میں

جونپور میں علماء کو بڑی پذیرائی ملی۔ بنگال کے صوفی نور قطب عالمؒ کے ایماء پر ایک بار سلطان ابراہیم شرقی نے بنگال پر چڑھائی بھی کرنی چاہی تھی۔(3) اسی دور میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی بڑے فقیہ گزرے جو سلطان ابراہیم شرقی کے دربار سے وابستہ تھے۔ ان کی وفات 1445ء میں ہوئی۔ مالوہ کی ریاست میں صوفیاء کرام کی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ مہدی جونپوری اور شیخ عبداللہ شطاری کی یہاں بڑی اہمیت تھی۔ صوبہ گجرات اور دکن میں بھی اس دور میں کئی صوفیاء کرام گزرے تھے۔ ان علاقوں میں اردو زبان کی ترقی کا سہرا جاتا ہی صوفیاء کے سر ہے۔(4)

سلطان بہلول کے صوفیاء سے تعلقات:

سلطان بہلول لودھی کے دور کے صوفیاء میں شیخ یوسف سجادہ نشین درگاہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ قابل ذکر ہیں۔ یہ ان کے دور میں دہلی آئے۔ ان کے بیٹے شیخ عبداللہ کی شادی سلطان بہلول کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ ان کی وجہ سے سہروردیہ سلسلے کی حمایت سلطان بہلول کو حاصل ہوئی۔ ایک دوسرے سہروردی بزرگ شیخ سماء الدین سہروردی ہیں۔ وہ سلاطین کی صحبت سے گریز کرتے تھے مگر پھر بھی سلطان بہلول کے ان پر احسانات تھے۔ شیخ سماء الدین نے سلطان بہلول کی سلطنت کے استحکام میں اسے مدد بھی دی۔ جب سلطان کے ایک سردار احمد جلوانی نے سلطان حسین شرقی کی حمایت کرنا چاہی تو شیخ نے اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ اور احمد جلوانی سلطان بہلول کا وفادار رہا۔(5)

سلطان سکندر کے صوفیاء سے تعلقات:

سلطان سکندر لودھی کو علماء و مشائخ سے جو محبت تھی اس کا ذکر اوپر کئی بار آچکا ہے راپڑی کے شیخ حسن کو اس سے بڑی محبت تھی۔ (6) تخت نشینی سے قبل وہ شیخ سماء الدین سہروردی کی

خدمت میں حاضر ہوا تھا۔(7) مذہب اسلام کے بارے میں سلطان بہت سخت تھا لیکن کسی عالم یا صوفی کو اپنے اوپر حاوی بھی نہ ہونے دیتا تھا۔ جب حاجی عبدالوہابؒ نے اس کو داڑھی رکھنے کی تاکید زور دے کر کی تو اس نے ان کا مذاق اڑایا۔(8) بہار کی فتح کے بعد وہ شیخ فخر الدین زاہدی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سے اسے بڑی عقیدت تھی۔ ان کا پورے بہار و بنگال پر اثر و رسوخ تھا۔(9) میاں بدی حقانی بھی سلطان کے ساتھیوں سے تھے۔ بہار میں سلطان نے شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے دربار پر بھی حاضری دی تھی۔(10) دیگر صوفیاء میں جو اس دور میں گزرے اور جن کا سلطان سے تعلق تھا شیخ عبداللہ اور ان کے بھائی شیخ عزیز اللہ تلنبی ملتانی تھے۔ اپنے دور کے بڑے عالم تھے۔ شیخ جمالی بھی ایک زبردست بزرگ اور صوفی تھے۔ سلطان سکندر ان کا خاص معتقد تھا اور شاعری میں بھی ان سے اصلاح لیتا تھا۔ شیخ حسام الدین عرف شیخ اوجھرؒ سلطان کی جانب سے محتسب اعلیٰ مقرر ہوئے تھے۔ سلطان ان کی کارکردگی سے بہت خوش تھا۔

میاں طہ اس دور کے ایک اور بزرگ تھے جن سے سلطان کو بہت عقیدت تھی۔ خطاطی، نقاش علم مقراض علم طب علم موسیقی ہر فن میں کمال تھا۔(11)

سلطان کے محل میں شیخ طاہر بھی ایک صوفی ہوتے تھے جن کا مرید فتح خان ولد سلطان بہلول تھا۔(12) شیخ حسن طاہر جوراجی حامد شہ کے مرید تھے وہ سکندر لودھی کے ایک بھائی کے پیر تھے۔ سلطان نے ان کو آگرہ بلوا لیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ دہلی چلے گئے وہیں ان کا مزار ہے۔(13)

سلطان ابراہیم کے صوفیاء سے تعلقات:

سلطان ابراہیم لودھی کے صوفیاء سے تعلقات کے بارے میں معلومات نہیں ملتیں البتہ یہ بات یقینی ہے کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کے مرید سلطان ابراہیم کے حمایتی تھے۔

سلطان ابراہیم کا بھائی جلال خان شیخ عبدالوہاب بخاری کی خانقاہ میں پناہ گزین تھا۔ سلطا نے اسے دھوکے سے مروادیا۔ اس پر شیخ اس کے خلاف ہو گئے۔ شیخ سے بھی سلطان ابراہیم کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ (14) البتہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے سلطان کے تعلقات اچھے تھے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

شیخ مخدوم محمد گیلانی:

جن بزرگان نے صوفیانہ تحریکوں کو فروغ دیا ان میں محمد گیلانی حلبیؒ قابل ذکر ہیں۔ یہ سلسلہ قادریہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ ایک عرصہ خراسان، ایران اور دیگر ممالک کی سیر میں گزارا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ہندوستان آ گئے۔ اور اچ شریف (پنجاب) میں متوطن ہوئے۔ سلطان سکندر لودھی بھی ان کا معتقد تھا۔ انہوں نے یہیں پر تبلیغ اسلام کی۔ شاعری میں آپ قادری تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے 1517ء میں اُچ میں ہی وفات پائی۔ (15)

شیخ عبدالقادر ثانی:

مخدوم محمد گیلانی حلبی کے صاحبزادے مخدوم عبدالقادر ثانی اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ شروع میں ان کو دنیاوی آرائشوں سے بہت لگاؤ تھا لیکن والد کی وفات کے بعد ان سب کو ترک کر دیا یہاں تک کہ سماع کی بھی ممانعت کر دی۔ ان کا دور سلطان ابراہیم لودھی اور بابر بادشاہ کا دور تھا۔ 1533ء میں فوت ہو گئے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی:

لودھی سلاطین کے عہد کے سب سے نامور بزرگ اور صوفی شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ

تھے۔آپ سلسلہ چشتیہ کی شاخ سلسلہ صابریہ کے بہت نامور صوفی تھے۔اس کے علاوہ بھی آپ نے کئی سلسلوں سے فیض حاصل کیا۔آپ کے خلفاء میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے والد مخدوم شیخ عبدالاحدؒ، شیخ جلال الدین تھانیسری اور شیخ عبدالغفور اعظم پوری قابل ذکر ہیں۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی 1455ء میں سلطان بہلول کے دور میں پیدا ہوئے۔ابتداء میں سکونت ردولی میں تھی لیکن جب وہاں ہندوؤں کا زور ہوا اور ردولی میں سور کا گوشت بھی بکنے لگا تو آپ 1490ء میں شاہ آباد ہو گئے اور وہاں طویل قیام کے بعد گنگوہ (سہارنپور کے پاس) آ گئے اور ہیں 1538ء میں آپ کا انتقال ہوا۔شیخ عبدالقدوس گنگوہی سماع کے قائل تھے۔سلطان سکندر کے محتسب شیخ حسام الدین اوجھر سماع پر احتساب کی غرض سے گنگوہ آئے تو شیخ عبدالقدوس کی صحبت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سب کچھ چھوڑ کر شیخ کے ہی مرید ہو گئے۔سلطان سکندر کو اس کا علم ہوا تو وہ بھی شیخ عبدالقدوس کا مرید ہو گیا۔انہوں نے سلطان سکندر کو ایک خط بھی تحریر کیا جس میں اسے علماء شیخ اور صوفیاء سے اچھا سلوک کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔اس کے علاوہ خواص خان، ہیبت خان سروانی، بہلول صوفی سروانی، شیخ سلمان فرملی، شیخ عمادج وغیرہ کئی افغانوں سرداروں کے نام ان کے خطوط میں موجود ہیں کہ جن سے افغانوں پر ان کے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔

شیخ عبدالقدوس واحد صوفی ہیں جنہوں نے سلطان سکندر یا ابراہیم سے کبھی کوئی فائدہ حاصل نہ کیا اور نہ ہی کبھی اس کے دربار میں گئے۔لیکن حکومت کی پوری امداد کی۔جب پانی پت کی جنگ ہوئی تو شیخ، سلطان ابراہیم کے لشکر میں چلے گئے۔جنگ کے بعد بابر نے ان کو گرفتار کر لیا اور ان کی ہتک کی۔مگر بعد میں رہا کر دیا۔بابر اور ہمایوں کو خطوط لکھ کر شیخ نے شعائر اسلام کو رواج دینے کی نصیحت کی مگر یہ دونوں بادشاہ زیادہ تر عیاشی میں مشغول رہے۔ شیخ نے اسی وجہ سے نیز سابقہ نسبت کی بناء پر ہمیشہ افغانوں کا ساتھ دیا۔وہ اور ان کے مرید بھی افغانوں کے ساتھ شامل ہے۔شیر شاہ کی فتح پر شیخ کے مریدوں نے خوشی کا اظہار کیا

تھا۔(16) شیخ کے جو مکتوبات افغان بادشاہوں اور سرداروں کے نام ہیں وہ مکتوبات قدوسیہ میں شامل ہیں۔ ان سے افغانوں کے ساتھ ان کے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔(17)

اگرچہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی شریعت کے بہت پابند تھے مگر وہ سراسر غیر متعصب تھے۔ الکھ داس کے نام سے ہندی زبان میں شعر کہا کرتے تھے۔ ان کے ایک خلیفہ رکن الدین گنگوہی بال ناتھ نامی برہمن سے بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔(18)

تحریک مہدویت:

سید محمد جونپوری ہندوستان میں مہدوی تحریک کے بانی تھے۔ وہ 1443ء میں پیدا ہوئے۔ آپ شیخ دانیال چشتی جونپوری کے مرید تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم ان سے اور دیگر علماء سے حاصل کیے سلطان حسین شرقی کی فوج میں شامل ہوئے اور گوڑ کے راجہ دلیپ رائے کو قتل کیا مگر اس قتل کے بعد تارک الدنیا ہو گئے۔ اس کے بعد کالپی، چندیری اور مانڈو وغیرہ گئے اور پھر دکن چلے گئے۔ ان کی دعا سے احمد نظام شاہ والئی احمد نگر کے اولاد ہوئی۔ کئی علماء ان کے مرید ہوئے۔ 1495ء میں حج کی سعادت حاصل کی اور وہیں مہدی موعود ہونے کا اعلان کیا۔ ہندوستان واپس آ کر اپنی مہدی ہونے کی تحریک شروع کی جس پر اکثر جگہ کے علماء اور لوگ ان کے مخالف ہو گئے لیکن ان کے معتقدوں اور مریدوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔ مختلف جگہ مثلاً پٹن، برلی، جالور، ناگور، جیلسیر گئے۔ پھر ٹھٹھہ گئے۔ اس کے بعد خراسان چلے گئے اور 1504ء میں فوت ہوئے۔ سید محمد جونپوری شمالی ہند میں بہت عرصے رہے اور بھگتی تحریک کا بھی ان دنوں بہت زور تھا۔ اسی چیز کے پیش نظر انہوں نے مہدویت کی تحریک شروع کی اور اپنے طریقے سے اسلام کی تشریح کی۔ اس تحریک کو کئی حکمرانوں کی حمایت بھی حاصل رہی اور اکثر اس کے مخالف بھی رہے۔(19)

حواشی

(1) آب کوثر ص445

(2) ایضاً ص446

(3) ایضاً ص447

(4) ایضاً ص447-453

(5) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص443-446

(6) تاریخ شاہی 31

(7) واقعات مشتاقی ص31؛ تاریخ داؤدی

(8) واقعات مشتاقی ص66-67؛ تاریخ شاہی ص64-66

(9) افسانہ شاہان ص46

(10) افسانہ شاہان ص46-7

(11) واقعات مشتاقی ص154تا163، 176تا181

(12) طبقات اکبری جلد اول ص462

(13) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص462

(14) ایضاً ص471-2

(15) رود کوثر 63-4

(16) ایضاً 73-77

(17) مکتوبات قدوسیہ ص147,142,140,136,134,133,125,98,89,77,76 وغیرہ

(18) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص451

(19) رود کوثر ص25-30

maablib.org

باب نمبر 29

بھگتی تحریک

بھگتی تحریک پندرہویں صدی میں ہی کیوں پیدا ہوئی؟

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بھگتی تحریک پندرہویں صدی میں ہی پروان چڑھی اور اس کے اکثر مبلغین کی سرگرمیاں لودھی حکمرانوں کے دور میں زوروں پر رہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے کہ یہ تحریک پندرہویں صدی میں ہی کیوں پیدا ہوئی ہمیں درج ذیل حقائق کا جائزہ لینا ہوگا۔

(1) ہندوستان میں مسلمانوں کی پہلی آمد 712ء میں محمد بن قاسم سے ہوئی مگر وہ سندھ تک محدود رہی۔ اس کے 200 سال کے بعد تقریباً 1000ء میں محمود غزنوی نے حملے کیے۔ مگر اس کے دور میں مسلمان شمالی ہند میں اور پنجاب میں بہت کم آباد ہوئے۔ 1192ء سے محمود غوری نے ہندوستان میں باقاعدہ مسلم سلطنت کی بنیاد رکھی۔ تو یہاں مسلمانوں کی آبادکاری شروع ہوئی۔ ابتدائی مسلم گروہ طبقہ اشرافیہ سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا عوام کے ساتھ ان کا اختلاط ذرا مشکل تھا۔ اسی دور سے مسلمان صوفیاء مختلف علاقوں سے ہندوستان آئے اور یہاں پر تبلیغ دین کا کام کیا۔ اس طرح سے عوام کے ساتھ مسلمانوں کے رابطے کا ذریعہ کھلا۔ ہندوؤں کی اعلیٰ ذاتوں میں مذہب کی بنیادیں بہت مضبوط تھیں لیکن پسماندہ طبقے کو مذہب کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی۔ اسی لیے صوفیاء نے سب سے پہلے پسماندہ

طبقوں کو اپنی جانب راغب کیا۔ صوفیاء نے شرعی اصول پڑھانے کی جگہ ان طبقوں کو طریقت یعنی عمل دکھا کر اسلام کی جانب راغب کیا۔ چونکہ اسلام میں ذات پات کا نظام نہیں ہے لہٰذا جو مسلمان ہو جاتا وہ عبادات اور دیگر معاشرتی امور میں دیگر مسلمانوں کے برابر ہو جاتا تھا۔ اسلامی مساوات بھی پسماندہ ہندو طبقوں کو صوفیاء کے ذریعے اسلام کی جانب کھینچ لائی۔ اس طرح سے پسماندہ ہندوؤں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا۔ اور معاشرتی طور پر ان کی عزت میں اضافہ ہوا کیونکہ اس وقت حاکم گروہ مسلمان تھے۔ مسلمان ہونے کے باوجود ان نومسلموں کا اپنے غیر مسلم رشتہ داروں سے رابطہ رہا اور مقامی نظام معاشرت میں وہ لوگ ایک قوم ہے۔ اس طرح سے دونوں مذہب کے ماننے والے ہر قوم میں پیدا ہو گئے۔ جیسے کہ میواتی قوم کی مثال واضح موجود ہے۔

یہ عمل یک دم نہیں ہوا بلکہ اس میں کافی وقت لگا اور تقریباً دو صدیوں کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کے معاشرتی ملاپ کی نوعیت کا رہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو اندازہ ہوا۔

(2) مسلم صوفیاء کی سرگرمیاں قیام سلطنت دہلی کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی اور ان کے سربراہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ تھے۔ صوفیاء کی سرگرمیوں اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافے سے ہندوؤں کو کافی عرصے کے بعد احساس ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ہندو کبھی تو نومسلم ہونے کی وجہ سے کم ہو رہے ہیں اور کبھی سلاطین کی راجوں پر یلغاروں کے نتیجے میں جنگوں میں مارے جا رہے ہیں۔ ہندوؤں کی کم ہوتی ہوئی آبادی اور اثر کو روکنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ خود ہندومت اور ہندو سماج کی اصلاح کی جائے۔ ہندوؤں کے اندر ایسی مساوات اور اصول پیدا کیے جائیں کہ جس سے کم ذات کے ہندوؤں کو

معاشرے میں عزت حاصل کرنے کی غرض سے مسلمان نہ ہونا پڑے۔اس بات کا احساس تب ہونا یقینی ہے کہ جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کو ایک عرصہ (یعنی دو صدیاں) بیت گئیں۔اس دوران میں دیکھا گیا کہ مسلمان محمود غزنوی کے گروہ کی طرح واپس نہیں گئے۔بلکہ یہیں آباد ہو گئے ہیں اور حکومت ان کے مضبوط ہاتھوں میں ہے۔

(3) 15ویں صدی میں شمالی ہندوستان میں اشرافیہ اخواص اور عوام دونوں سطح پر ہندوؤں اور مسلمانوں کا رابطہ قائم ہو چکا تھا۔مسلمانوں کے پاس اپنا فلسفہ تھا اور ہندوؤں کے پاس اپنا فلسفہ۔دونوں کے پاس علم بھی تھا اور کتب بھی تھیں۔اگرچہ مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کی تعداد کا ایک چوتھائی بھی نہیں تھی مگر وہ زور آور تھے اور ان میں قبائلی لوگ بھی تھے جو شہری ہندوؤں کی نسبت زیادہ حربی صلاحیت کے مالک تھے۔اس وجہ سے نہ تو مسلمانوں کو نکالا جا سکتا تھا اور نہ ہی ہندوؤں کو ختم کیا جا سکتا تھا۔دونوں ایک جگہ رہنے پر مجبور تھے اور ایک دوسرے کے علوم سے استفادہ کرتے تھے۔مسلمان خواص و عوام اب ہندوؤں کی بہت سی رسومات اختیار کر چکے تھے خواہ وہ مذہب اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔اس باہمی آمیزش نے دونوں کے درمیان اعتماد و افہام و تفہیم کو پیدا کیا اور دونوں گروہوں میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو اپنی دانست میں دونوں مذاہب کو قریب لانے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ اعتماد رفتہ رفتہ پیدا ہوا اور جب قائم و مضبوط ہو گیا تو اس وقت خاندان سادات و خاندان لودھی کا زمانہ آ گیا تھا۔

(4) بہلول لودھی کی پالیسی بھی بھگتی تحریک کے فروغ میں بہت معاون رہی۔ بہلول اور اس کا گروہ آزاد افغان قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔وہ اپنے مذہب پر سختی سے کاربند رہتے تھے مگر ہمیں آج تک ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ سلطان بہلول یا

اس کے گروہ کے کسی آدمی نے غیر مسلموں پر زیادتی کی ہو۔ یہ قبائلی لوگ بہت سادہ اور انصاف پسند تھے۔ یہ لوگ ''شہری مسلمانوں'' کی چالاکیوں سے اور منافقتوں سے دور تھے جو کہ سابقہ سلاطین اختیار کرتے رہے تھے۔ ان کے نزدیک ''میرے لیے میرا دین اور تمہارے لیے تمہارا دین'' والا اصول بہترین تھا۔ یہ کچھ حالات کا تقاضا بھی تھا کہ سلطان بہلو لنے جن مقامی حکام کو زیر کیا ان میں ایک دو کو چھوڑ کر سب مسلمان تھے۔ جس بڑی طاقت سے وہ مسلسل حالت جنگ میں رہا وہ بھی مسلمانوں کی تھی جو سلطنت شرقیہ جونپور کہلاتی تھی۔ اس کے خاتمے کے بعد سلطان بہلول نے گوالیار وغیرہ کے ہندو راجوں کی جانب توجہ دی اور فوجیں لے کر گیا مگر جیسے ہی ہندو راجے اطاعت کا اعلان کرتے اور خراج دیتے سلطان فوراً راضی ہو جاتا۔ اس کے چالیس سالہ دور میں اس کی بھی کسی ہندو حکمران سے جنگ نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک مورخین اور مصنفین میں اس پر متعصب ہونے کا الزام لگانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس ماحول میں یعنی تقریباً نصف صدی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو بغیر کسی سیاسی رقابت یا تصادم کے سکون سے باہم ملنے ملانے کا موقع ملا۔ اسی موقع سے بھگتی تحریک کو بھی فروغ ہوا۔ جب حاکم گروہ مذہبی امتیازی معاملات سے غافل تھا تو عوام کے درمیان فکر کی آزادی پروان چڑھ رہی تھی اور ایک قبائلی مسلم حکمران کے دور میں کبیر، گرونانک اور دیگر بھگتی مبلغین اپنے نظریات کا کھلم کھلا اظہار کر رہے تھے اور ان پر کسی حاکم یا عہدیدار نے کوئی پکڑ نہ کی۔

(5) سکندر لودھی اگرچہ مذہب کے معاملے میں متشدد تھا مگر اتنا زیادہ بھی نہیں تھا جتنا کہ اس کی فتوحات کو مذہبی رنگ دے کر بعد کے مصنفین نے اسے بنا دیا ہے۔ (اس پر تفصیلی بحث گذشتہ باب میں ہو چکی ہے)۔ اس کی شدت پسندی بھی بھگتی

تحریک کے فروغ کا ذریعہ بن گئی تھی۔ سکندر لودھی خود علماء اور صوفیاء کی صحبت میں رہتا تھا۔ وہ شریعت کا پابند ضرور تھا مگر طریقت کا مخالف نہیں تھا۔ اس نے کبیر سے از پرس ضروری لیکن اتنی عقل اس میں بھی تھی کہ کبیر کے نظریات اس کی رعایا کی اکثریت (ہندوؤں) کو پر امن رکھنے کی غرض سے ضروری ہیں۔ اس کی اسلام پسندی نے ہندوؤں کے اندر اپنے مذہب سے وابستگی کا احساس پیدا کیا اور اسکے لیے ہندوؤں میں بھی اپنی اصلاح کا احساس پیدا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بھگتی تحریک کے اکثر ماننے والے ہندو ہی تھے۔ یہ اصلاحات ہندوؤں میں ہی زیادہ کی گئیں۔ مسلمان ہندوؤں کے مقابلے میں بھگتی سے بہت کم متاثر ہوئے کیونکہ ان کے اپنے ہاں صوفیانہ تحریکیں شروع سے موجود تھیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ بھگتی تحریک پیدا ہی صوفیاء کی تحریک سے متاثر ہو کر ہوئی تھی۔

کتب تواریخ میں بھگتی اور صوفیانہ تحریک کے اثرات کے اشارے:

کتب تاریخ میں لودھیوں کے دور میں ہندو مسلم امتزاج اور بھگتی و صوفیانہ تحریک کے اثرات اشارے ملتے ہیں۔ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سکندر لودھی کے دور میں ایک با اثر ہندو مسلمان ہو گیا تھا۔

”اس موقع پر میاں سلیمان پسر خان خانان فرملی سے فرمایا کہ اپنے لشکر کو لے کر اونتگر کی طرف کہ جو سوئی سوپر کی سرحد ہے۔ حسن خان نومسلم کی مدد کے لیے روانہ ہو کر جس کا نام رائے دونگر تھا۔“ (1)

اسی طرح سے پتہ چلتا ہے کہ شمالی ہندو جہاں بھگتی تحریک زوروں پر تھی وہاں ایک قبائلی پٹھان کے بھی مرتد ہونے کی خبر ملتی ہے۔

"خبر ملی کہ احمد خان پسر مبارک خان لودھی حاکم لکھنوتی (لکھنؤ) کفار کی صحبت میں مرتد ہو گیا ہے اور دین اسلام سے پھر گیا۔ احمد خان کے بھائی محمد خان کے نام حکم صادر ہوا کہ اس کو قید کر کے ہمارے حضور میں روانہ کرو اور لکھنوتی کی حکومت اس کے بھائی سعید خان کے سپرد ہوئی۔" (2)

اس کے علاوہ بودھن (یا لودھن) نامی سادھو کا قصہ بھی اس بات کا غمازی کرتا ہے کہ لودھیوں کے دور میں بھگتی تحریک عروج پر تھی۔ بودھن کا قصہ ہم الگ بیان کر آئے ہیں۔ (3)

اسی طرح سے ایک چور کے سات سال تک قید میں رہنے کے بعد مسلمان ہو جانے کا ذکر بھی واقعات مشتاقی میں درج ہے۔ جب سلطان نے اس کو آزاد کرنے کے لیے کہا کہ اگر مسلمان ہو جاؤ تو آزاد کر دیں گے، اس پر چور نے جواب دیا کہ اگر سات روز کے بعد یہ بات کہتے تو آزادی کے لیے مسلمان ہو جاتا، اب تو میں اپنی رغبت سے ہی مسلمان ہو چکا ہوں۔ (4)

خود سلطان پر اس تحریک کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ کتب میں درج ہے کہ اس کی داڑھی نہ تھی۔ جب اسے داڑھی رکھنے کی نصیحت کی تو پہلے تو اس نے بہانہ بنایا پھر داڑھی رکھنے کی نصیحت کرنے والے ملا کا مذاق اُڑانے لگا۔ (5)

ایک اور ذکر کالپی کے ضابطہ نصیر خان کا طبقات اکبری میں ملتا ہے۔ اس کے بارے میں درج ہے کہ اس نے بھی ارتداد اختیار کیا تھا۔ نماز روزہ ترک کر دیا تھا اور مسلمان عورتوں کو ہندو نائکوں کے حوالے کر دیا تا کہ انہیں ناچ گانے کی تعلیم دیں۔ (6) اس کے علاوہ نسل عثمانی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے زنار دار ہندو بن جانے کا ذکر بھی افسانہ شاہان میں درج ہے (7)

تواریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شطاری سلسلے کے بزرگ سید محمد غوث گوالیار کے

ہندوؤں سے اچھے تعلقات تھے۔ وہ اپنی کتاب بحر الحیات میں ہندو مذہبی فکر کو سمجھنے اور سمجھانے کی بات کرتے ہیں۔(8)

ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک دوسرے کے علوم سیکھنے کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ رزق اللہ مشتاقی اور میاں طٰہٰ ہندو علوم کے ماہر تھے اور سنسکرت اور ہندو طب کے چوٹی کے عالم تھے۔ رزق اللہ ہندی اور فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک ہندو برہمن کو اسلامی علوم پر اتنا عبور تھا کہ وہ مسلمانوں کو درس دیتا تھا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی جو شریعت کے معاملے میں سخت تھے وہ بھی الکھ داس کے تخلص سے ہندی شاعری کرتے تھے۔ ان کے خلیفہ شیخ رکن الدین ایک جوگی "بال ناتھ" سے اسرار توحید معلوم کرتے تھے۔(9)

سلطان بہلول ودھی اور سلطان سکندر کے عہد میں ہندوستان میں ہندو مسلم تمدنی امتزاج کا ایک انوکھا اثر بھگتی تحریک اور دیگر اصلاحی تحریکوں کی شکل میں سامنے آیا۔ ہندوستان میں اسلام کی آمد کے بعد سے اسلام کے اثرات معاشرے پر پڑنے لگے۔ مذہب اسلام چونکہ ایک سادہ مذہب ہے اور اس میں معاشرتی رسومات کو مذہبی ارکان کا درجہ حاصل نہ ہے علاوہ ازیں جو مسلم ہندوستان آئے وہ ترکوں اور افغانوں کے سادہ قبائلی ماحول سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا ہندوؤں کے لیے اس مذہب میں ایک کشش تھی۔ صوفیاء کرام نے مقامی آبادی کو اسلام کے قریب تر لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ لوگوں کو اسلام کی جانب رغبت اور اسلام کی سادگی دیکھ کر ہندو مفکرین میں بھی اس بات کا احساس پیدا ہوا کہ خود ہندو مت میں ایسی اصلاح کی جائے کہ ہندو اپنے مذہب کے اندر ہی ذات پات کے نظام اور دیگر معاشرتی پیچیدگیوں سے باہر آجائیں۔ اس سلسلے میں پہلا قدم شنکر اچاریہ نے اٹھایا مگر عوام میں اسے زیادہ پذیرائی نہ ملی۔ اس کے بعد سنکار اور راما نوج سامنے آئے۔ ان لوگوں نے ہندوؤں کے آگے "واحد برتر ذات" کا تصور دیا جو مسلمانوں "خدا تعالیٰ" کے مترادف تھی۔ اس طرح سے ہندوؤں کو وحدانیت کی جانب لانے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر تارا

چند کے مطابق رامانوج اسلام سے بہت متاثر تھے۔

پندرھویں صدی میں ہندوستان میں بہت سے ہندو مصلحین سامنے آگئے۔ اسی دور میں مسلم صوفیاء کی بھی کثیر تعداد سامنے آئی۔ ان دونوں طبقوں نے عوام کو اپنی جانب کھینچنے کی کوشش کی۔ اور یوں دونوں جانب ہندو مسلم امتزاج میں تیزی آگئی۔ اگرچہ بعض صوفیاء کرام سلاطین دہلی کے قریب رہے مگر اکثر سلاطین سے دور رہے۔ ان کی سرگرمیاں غیر سرکاری تھیں۔ سلاطین شریعت پر زور دیتے تھے اور صوفیاء طریقت پر زور دیتے تھے۔

رامانند

رامانند پندرھویں صدی عیسویں میں شمالی ہندوستان میں گزرے۔ چونکہ بھگت کبیر ان کے شاگرد تھے اس لیے خیال ہے رامانند پندرھویں صدی کے وسط میں گزرے جو کہ بہلول لودھی کا دور بنتا ہے۔ ان کی پیدائش ایک برہمن خاندان میں پرایاگ میں ہوئی اور الہ آباد و بنارس میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے پہلے استاد کا نام شنکرن تھا مگر وہ ہرگھووندن کے شاگرد بنے۔ رامانند نے بہت سیر و سیاحت کی اور بہت علم حاصل کیا۔ بنارس میں وہ برہمنوں اور مسلمان عالموں سے بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ ان کی زندگی کے اکثر سال یہیں بسر ہوئے اور یہیں انہوں نے تبلیغ کا کام کیا۔ رامانند نے لوگوں کو بتایا کہ شری رام چندر کی جگہ وشنو کی پوجا کرنی چاہیے جو واحد اور حقیقی خدا ہے۔ رام چندر خدا کا پرتو ہیں نہ کہ خود خدا اس طرح سے رامانند نے برہمنوں کے پیچیدہ مذہبی جال کو توڑا۔ ان کے شاگردوں میں مرد عورتیں سب تھے اور ہندوؤں کے علاوہ بہت سے مسلمان بھی ان کے شاگرد تھے۔ انہوں نے سماجی مساوات کی تلقین کی اور تمام مذہبی کتب کی عزت کرنے کی تلقین کی۔ رامانند نے ذات پات کے امتیاز کی سختی سے مذمت کی۔ ان کے نامور شاگردوں میں کبیر، بھوانند،

آنند، سر سرا، پدماوتی، نرہری، رائے داس، دھنہ، پیپا، سین، سکھا اور سر سرا کی بیوی شامل ہیں۔ راما نند کی سرگرمیاں سید بادشاہوں اور سلطان بہلول کے دور میں گزریں۔ (10)

بھگت کبیر

کبیر ایک مسلم جولا ہے کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا نام نیما اور والد کا نام نیرو تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک برہمن عورت کی ناجائز اولاد تھے۔ جسے وہ چھوڑ گئی اور نیرو نیما نے ان کی پرورش کی مگر یہ بات کبیر کو ہندو ثابت کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ اصل میں وہ ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بھگت کبیر کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ بعض کے خیال 1398ء اور بعض کے خیال میں 1440ء ہے۔ ڈاکٹر تارا چند نے 1425ء درج کی ہے۔ جسے اکثر مصنفین درست تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی وفات کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے۔ ایک جگہ 1492 درج ہے اور دوسری جگہ 1518ء اکثر مورخین 1518ء کو ترجیح دیتے ہیں۔ بہر حال یہ ایک مسلمہ سچائی ہے کہ بھگت کبیر سلطان بہلول اور سلطان سکندر کے دور میں اپنے نظریات کی تبلیغ کر رہے تھے۔ کبیر نے مسلم گھرانے میں پرورش پائی اور بنارس میں ہندو ماحول سے بہت کچھ سیکھا۔ رسمی تعلیم حاصل نہ کی۔ صرف اپنے ذہن اور حالات کے مطابق کام کیا انہیں اسلام اور ہندو مت دونوں کے بارے میں وسیع علم حاصل تھا۔ راما نند کی شاگردی میں کبیر نے ہندو فلسفہ پڑھا۔ اور جولا ہے کا پیشہ اختیار کیا۔ کبیر کی تمام تر تعلیمات زبانی تھیں۔ کبیر نے معاشرتی اور مذہبی اصلاح پر زور دیا۔ انہوں نے بت پرستی، رسومات پرستی، یاتراؤں اور مذہبی کتب پر اندھا دھند گرنے کی مذمت کی۔ انہوں نے عدم برداشت اور ذات پات کے نظام کو بھی سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ وہ ذات پات اور نسل کی تفریق ختم کر کے ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ ان کے نزدیک شدت پسند پنڈت اور علماء

جاہل تھے جو اسلام اور ہندومت میں تفریق کرتے تھے۔ کبیر کے نزدیک خدا صرف ایک ہے۔ جسے رام، رحیم، اللہ، خدا، ہری، گووند اور اس طرح کے کئی ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی کوئی شکل وصورت نہ ہے۔ وہ ان صفات سے برتر ہے۔ وہ محبت کو خدا تک پہنچنے کا مقصد قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک خدا کو بے جان بتوں میں تلاش نہیں کرنا چاہیے۔ اس طرح سے خدا مندر مسجد میں نہیں ملتا بلکہ وہ تو محبت کرنے سے ملتا ہے۔ خدا کو تلاش کرنے کے لیے دوست استاد (گرو) کا انتخاب کرنا ضروری ہے۔ کبیر کے فلسفے میں گرو کا درجہ وہی ہے جو صوفیاء کے فلسفے میں پیر کا ہے۔ خدا بہت مہربان (دیالو) ہے۔ خدا کو تلاش کرنے کی غرض سے ترک دنیا کی ضرورت نہیں بلکہ اسی دنیا میں رہتے ہوئے دنیاوی لذتوں سے دور رہ کر اسے تلاش کیا جاسکتا ہے۔ کبیر نے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں سے ہی شدت پسندی ترک کرنے کی اپیل کی اور آپس میں پیار محبت سے رہنے کی تلقین کی۔ کبیر نے جو کچھ کہا وہ سادہ وہ شاعری کی شکل میں کہا لہٰذا لوگ بہت زیادہ تعداد مین جلد اس کی جانب راغب ہونے لگے۔ پندرھویں صدی میں کبیر کو بہت شہرت حاصل ہوئی اور آج تک اس کی شاعری کو خاص مقام حاصل ہے۔ اس کی شاعری اور تعلیمات نے سولھویں صدی میں بھی بہت اثرات مرتب کیے۔ کبیر کے شاگردوں نے اس کی شاعری اور تعلیمات کو تحریری شکل میں اکٹھا کیا۔

سلطان بہلول کے دور میں کبیر کے نظریات بہت فروغ پا چکے تھے۔ اس کی ان سرگرمیوں سے شدت پسند پنڈت اور مولوی پریشان تھے۔ 1495ء کے لگ بھگ جب سلطان سکندر بہار کی فتح میں مشغول تھا تو کچھ مولویوں اور پنڈتوں نے سلطان سکندر سے اس کی شکایت کی۔ سلطان نے کبیر کو بلایا۔ لیکن جب کبیر سے بحث ومباحثہ ہوا تو اس کی باتوں کو خلاف عقل نہ پایا۔ لہٰذا کبیر کو بنارس سے مگھر لے جا کر عارضی طور پر قید کر دیا گیا۔ بعد ازاں اسے چھوڑ دیا گیا۔ تاریخی طور پر تو سلطان سکندر اور کبیر کی ملاقات کا کوئی ثبوت

نہیں ہے البتہ اسی گروہ کے ایک بودھن نامی شخص کا سلطان سکندر کے حکم سے مارے جانے کا ذکر ہے اس لیے قیاس ہے کہ سلطان سکندر کی کبیر سے بھی ملاقات ہوئی۔(11)

دھنا، پیپا اور دیگر مبلغین

راما نند کے دیگر شاگردوں میں دھنا بھی قابل ذکر ہے۔وہ راجپوتانے میں ٹانک میں "دھون" نامی گاؤں میں پیدا ہوا۔وہ کسان تھا اور اسی حیثیت میں اپنے نظریات کی تبلیغ کرتا تھا۔وہ تقریباً 1415ء میں پیدا ہوا تھا اور سلطان بہلول و سکندر کا ہم عصر تھا۔

پیپا دراصل گگرون گڑھ کا راجہ تھا۔لیکن اس نے راما نند کی شاگردی اختیار کر لی تھی۔سین ایک نائی تھا۔اس کے گیت مراٹھی بھی ہیں اور ہندی میں بھی اس سے ظاہر ہے کہ وہ شمالی ہند اور جنوبی ہند کے مبلغین سے براہ راست متاثر تھا۔

روی داس یا رائے داس بنارس میں پیدا ہوا۔وہ ایک چمار تھا۔مگر اس کی باتوں میں اتنا اثر تھا کہ میواڑ کی ایک شہزادی جھالی رانی اس کی شاگرد بن گئی تھی۔

سنت کمال، کبیر کا لڑکا تھا۔اس نے بھی اپنے نظریات کی تبلیغ شمالی ہندوستان میں کی۔ ان سب لوگوں کو سلطان بہلول اور سلطان سکندر کے دور میں اپنے نظریات کی تبلیغ کا اچھا موقع ملا۔(12)

گرو نانک

گرو نانک 26 نومبر 1469ء کو تلونڈی گاؤں میں گوجرانوالہ کے قریب پیدا ہوئے۔ ان کو ہندی اور فارسی کی تعلیم دی گئی۔انہوں نے زراعت اور دکان داری کے پیشے اختیار کیے مگر دل نہ مانا۔18 سال کی عمر میں ان کی شادی ہو گئی اور یہ دو بچوں شری چند اور لکشمی چند کے باپ بن گئے مگر دل گھر میں نہ لگا اور یہ اپنے بچپن کے دو دوستوں بھائی بالا اور بھائی

مردانہ (جو مسلمان تھے) کے ساتھ حق کی تلاش میں نکل پڑے۔ انہوں نے ہندوستان کے علاوہ سری لنکا، عرب اور ایران کی بھی سیر کی۔ مکہ اور مدینہ بھی ایک فقیر کے بھیس میں گئے۔ 27 سال کی عمر میں یعنی 1496ء کے لگ بھگ یہ بھگت کبیر سے بھی ملے اور ان کے بہت قریب رہے۔ 1504ء میں وہ اپنے شاگردوں کے گرو بن گئے اور اگلے 34 سال پنجاب اپنے نظریات کی تبلیغ میں گزارے۔ کہتے ہیں کہ وہ دولت خان لودھی کے مخالف اور بابر کے حامی تھے مگر کہیں سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی۔ 1538ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ مسلمانوں نے ان کی یاد میں ایک مقبرہ بنایا تھا جبکہ ہندوؤں نے سمادھی بنائی تھی۔ یہ دونوں نشانیاں دریا راوی کی نظر ہو گئی ہیں۔

گرو نانک خود کو بھگوان کا اوتار کہتے تھے۔ ان کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کرنا تھا۔ ان کے دور میں پنجاب میں اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا۔ یہاں بیرونی حملہ آوروں کے علاوہ پٹھان بھی کثرت سے آباد ہو رہے تھے۔ تجارتی شاہراہ ہونے کی وجہ سے پنجاب پر مشرق وسطیٰ اور وسط ایشیا کے مسلمانوں کا بھی اثر پڑ رہا تھا۔ اسی وجہ سے یہاں کچھ مذہبی کشیدگی بھی پائی جا رہی تھی۔ وہ اس کشیدگی کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

گرو نانک سب سے پہلے یہ تعلیم دیتے کہ کوئی ہندو نہیں ہے اور کوئی مسلمان نہیں ہے۔ اس کا مطلب ایک تیسرا اور بیچ کا راستہ تلاش کرنا تھا۔ وہ خدا کی وحدانیت پر زور دیتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کے درمیان سے بت پرستی کا خاتمہ کیا۔ ان کے نزدیک خدا، اللہ، رب صاحب، ہری، گووند، رام، برھما وغیرہ سب ایک ہی ذات کے نام ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کی روح دراصل خدا کے نور کا پرتو ہے۔ دنیا میں آ کر آدمی انا اور غرور کا شکار ہو جاتا ہے۔ جو خدا کے عشق میں غرق ہو جائے وہ خدا کو پا لیتا ہے۔ انسان خود کو بھی تب پہچان سکتا ہے کہ جب وہ مکمل طور پر خدا کے آگے عاجز ہو کر آئے۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی توہمات کی سختی سے مذمت کرتے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کے ذات پات کے نظام کو

سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ گرونانک نے برائی کی ہمیشہ مذمت کی اور اچھائی کی ہمیشہ حمایت کی۔ ان کے نزدیک دوسری دنیا کو اس دنیا میں نیکی کے کام کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے گرونانک بھی ایک اچھے اور سچے استاد کی ضرورت واہمیت پر زور دیتے تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ سکھ مت ایک جداگانہ مذہب کی شکل اختیار کر گیا۔ اب سکھوں کے پاس ان کا ایک اوتار (گرونانک) ایک کتاب (گروگرنتھ) ایک عبادت گاہ (گرودوارہ) اور زکوۃ بھی تھی۔ کبیر نے تو معاشرتی برائیوں پر تنقید کی مگر گرونانک کے شاگردوں نے ان کی تعلیمات کو باقاعدہ مذہب بنا دیا۔ (13)

ولبھ چاریہ

ولبھ چاریہ 1479ء میں بنارس میں ایک تلنگانہ برہمن، لکشمن، بھٹ کے ہاں پیدا ہوئے۔ بڑے ہو کر انہوں نے وشنومت کی مخالفت کی اور وجے نگر کے راجہ کے دربار میں اس مذہب کے پنڈتوں کو شکست دی۔ وہ کرشنا (اوتار کرشن سے بہت متاثر تھے۔ ولبھ اچاریہ نے بھی وحدانیت کی تعلیم دی استاد یا گرو کی ضرورت پر زور دیا۔ ولبھ، بال گوپال (بچہ دیوتا) کی پرستش پر بھی زور دیتے تھے۔ ان کا علاقہ شمالی ہند تھا۔ (14)

چیتنیہ

چیتنیہ مارچ 1486ء میں نادیہ (نودیپ، بنگال) میں جگن ناتھ مصرا کے پیدا ہوئے۔ بچپن میں ان کو نامائی کہتے تھے۔ بنگال میں اس وقت مسلمانوں کی حکومت تھی اور ہندو مسلم معاشرتی امتزاج نظر آ رہا تھا۔ لڑکپن میں ہی چیتنیہ، بھگتی تحریک کا شکار ہو گئے اور کرشن جی کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ انہوں نے کرشن کو خدا کا روپ دیا اور بتایا کہ نجات کا اصل راستہ خدا سے محبت ہے۔ اس کے بعد چیتنیہ نے سنیاسی کا روپ اختیار کر لیا اور سادھوؤں اور

فقیروں سے ملنے لگےاور پورے ہندوستان کے دورے پر نکل پڑے۔وہ مسلمان صوفیاء کے سادہ طریقہ کار سے بہت متاثر تھے۔ان کا انتقال 48 سال کی عمر میں 1534ء میں ہوا۔

چیتیہ برھما کو خدائے تعالٰی قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک خدا کا تصور انسان جیسا ہے جو خیر اور محبت سے بھرپور ہے۔کبھی وہ اس کو بھگوان کہتے ہیں اور کبھی ہری کہتے ہیں۔ان کے نزدیک کرشن محبت کے دیوتا ہے۔ان کے نزدیک بھگتی اور محبت کی مثال کرشن اور رادھا کی سی ہے۔چیتیہ دنیاوی امور میں بھی شامل ہونے اور گھل مل جانے کی ہدایت کرتے ہیں۔(15) یوں وہ ترک دنیا کے مخالف ہیں۔

حواشی

(1) طبقات جلد اول ص 475

(2) طبقات جلد اول ص 474

(3) ایضاً ص 5-463

(4) واقعات مشتاقی ص 34-33

(5) تاریخ شاہی ص 5-64؛ واقعات مشتاقی ص 67-66

(6) طبقات اکبری جلد سوم ص 5-282

(7) افسانہ شاہان ص 36،43-42

(8) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص 451

(9) ایضاً ص 1-450؛ واقعات مشتاقی 184-163

(10) ڈاکٹر تاراچند Influences of Islam on Indian Culture اردو ترجمہ از مسعود الحسن خان روہیلہ ص 183-181

(11) ایضاً ص 207-184

(12) ایضاً ص 243-228

(13) ایضاً ص 225-212

(14) ایضاً ص 107

(15) ایضاً ص 9-276

باب نمبر 30

سلطان محمود لودھی (1528-1529)

سلطان محمود ولد سلطان سکندر لودھی کا عہد نہایت ہی مختصر رہا ہے۔ اس نے دہلی یا آگرہ کے تخت پر کبھی حکومت نہیں کی بلکہ اسے افغان قبیلوں نے بہار میں بادشاہ بنالیا تھا۔ افغانوں کا خیال تھا کہ سکندر یا ابراہیم کی طرح محمود بھی ایک ایسی شخصیت کا حامل ہوگا کہ جس پر سب کا اتفاق ہو جائے گا مگر معاملہ اس کے برعکس نکلا۔ محمود افغانوں کے پر آشوب دور میں منظر عام پر آیا۔ اس کے مقابلے پر ایک جانب تو بابر جیسا طاقتور بادشاہ تھا اور دوسری جانب شیر شاہ سوری جیسا طاقتور اور ہوشیار امیر و سردار تھا۔ ان دو کی موجودگی میں محمود لودھی کی دال بالکل نہیں گلی۔

مگر بابر نے اس کی بادشاہت کو افغانوں کی حد تک تسلیم کیا اور اسے سلطان محمود کے نام سے مخاطب کیا ہے۔ سلطان محمود کا لفظ دیگر افغان وغیر افغان مورخین نے بھی استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مشرقی علاقوں میں اس کی بادشاہی تسلیم کی جاتی تھی کیونکہ یہ بہت کم عرصہ رہی۔ اس لئے میں بھی اس کا الگ سے تذکرہ اس کتاب میں کروں گا۔

جب بابر نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا تو بہت سے لوگ خصوصاً پٹھان شہروں سے نکل گئے ان کا خیال تھا کہ بابر بھی تیمور کی طرح ہندوستان سے چلا جائے گا اور ہر علاقے کا بااثر شخص یا حاکم بابر کی واپسی کا منتظر تھا بابر کی فوج بھی واپسی پر زور دے رہی تھی مگر بابر بہت سخت قوت ارادی کا مالک تھا اپنے اکثر امراء کی مخالفت کے

باوجود وہ ہندوستان میں ہی رہا اور بہت استحکام سے کارروائیوں میں مصروف رہا بابر کے مستقل قیام نے لودھیوں کے اپنے لیے ایک الگ سربراہ مقرر کرنے کی ترغیب دی۔

محمود لودھی

محمود لودھی سلطان ابراہیم کا بھائی تھا کتب تواریخ میں صرف جلال خان لودھی کے بارے میں درج ہے کہ جلال خان اور ابراہیم لودھی ایک ماں کے پیٹ سے تھے محمود لودھی کی ماں کے حوالے سے کوئی معلومات نہیں ملتی کہ وہ کون تھی؟ آیا وہ ابراہیم لودھی کی ہی والدہ تھی یا پھر کوئی اور تھی۔ بہرحال سلطان سکندر لودھی کے دور میں محمود لودھی اپنے والد کے ساتھ رہا اور 923ھ بمطابق 1517ء میں سلطان ابراہیم لودھی نے اسے ہانسی کے قلعے میں نظر بند کر دیا تھا اور بعد ازاں اسے چھوڑ دیا تھا جیسا کہ ہم اوپر تذکرہ کر آتے ہیں جنگ پانی پت کے بعد محمود خان لودھی نے میراڑ کے رانا سانگا کے ہاں پناہ لی۔

ادھر بابر بادشاہ افغانوں کی دلجوئی کرنے کی کوشش کی سلطان ابراہیم کی والدہ کو لاکھ دم دیئے گئے شیخ گھورن حاکم دوآبہ علی خان فرملی شیخ بایزید فرملی فیروز خان سارنگ خانی اور قاضی ضیاء جو سلطان ابراہیم کے خاص ساتھیوں میں تھے انہوں نے بابر سے ہاتھ ملایا البتہ بہت جلد پر بابر کی مخالفت کی گئی اور راپری اور اٹاوہ پر بابر کو بزور قبضہ کرنا پڑا اسی طرح سے جونپور میں بھی لودھی امراء نے مغلوں کی مخالفت کے لیے اجتماع کیا بہار کے نوحامیوں نے بھی بابر اور مغلوں کی مخالفت کی بابر نے تمام مخالفین کو

برابر کا جواب دیا اور اکثر پر فتح پائی۔(1)

جنگ کنواہہ

ان حالات میں رانا سانگا جو میواڑ کا راجہ تھا وہ بہت طاقتور ہو گیا تھا محمود کان لودھی کے پاس دس ہزار افغان تھے وہ ان کو ساتھ لیکر رانا سانگا سے مل گیا بابر نے رانا سانگا کی جانب پیش قدمی کی اور ایک زبردست جنگ کے بعد بابر کو فتح حاصل ہوئی۔راجپوت اور افغان فرار ہو گئے اور محمود خان لودھی بہار چلا گیا (2) یہ جنگ 1527ء میں ہوئی اور جنگ کنوایہ کہلاتی ہے۔(3)

بابر کی فوج میں موجود لودھی

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بابر بادشاہ کی فوج میں بھی لودھی موجود تھے اس کی فوج کے بائیں بازو پر سلطان علاء الدین لودھی عالم خان بن سلطان بہلول تھا دائیں بازو میں خان خانان دلاور خان لودھی خلف دولت خان لودھی مرحوم گورنر پنجاب تھا کچھ ٹکڑیوں پر جلال خان وکمال خان لودھی پسران سلطان علاء الدین لودھی مقرر تھے ان افغان لودھی امراء کے ساتھ انکے قبیلے کے دیگر لودھی افراد بھی تھے۔

سلطان محمود لودھی کی تخت نشینی

جنگ کنوایہ میں رانا سانگا کی شکست کے بعد محمود خان لودھی چتوڑ بھاگ گیا تھا وہاں سے وہ ریوا چلا گیا اور مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا سلطان محمد لوحانی حاکم بہار کی 1528ء میں وفات کے بعد جلال خان پسر سلطان محمد کو حاکم بہار بنایا گیا مگر مختلف طاقتور افغان امراء اور سردار خود حکومت پر قبضہ کرنے کی تاڑ میں تھے جن میں

سے ایک شیر شاہ سوری بھی تھا ان حالات میں 1528ء میں مختلف افغان سرداروں نے ریوا سے محمود خان لودھی کو بلوایا اور اسے اپنا بادشاہ بنالیا اور وہ سلطان محمود لودھی کے نام سے تخت نشین ہوا۔(4)

سلطان محمود کی لشکر کشی

سلطان محمود نے وسعت سلطنت پر سب سے پہلے توجہ دی اسکے پاس ایک لاکھ سپاہی تھے اور شیر شاہ سوری بھی اس سے آن ملا تھا سلطان محمود نے تین افغان اور بایزید فرملی کی زیر کمان ایک فوج کو گورکھپور کی جانب روانہ کیا۔شیر شاہ سوری کو بنارس روانہ کیا جس نے وہاں سے بابر کے مقرر کردہ حاکم جلال خان شرقی کو نکال کر بنارس پر قبضہ کرلیا خود سلطان محمود لودھی فتح خان شروانی کے ساتھ چنار پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔بابر نے دسمبر 1528ء کو مرزا عسکری کی زیر کمان ایک فوج شیر شاہ کے خلاف روانہ کی شیر شاہ نے بنارس خالی کردیا جبکہ سلطان محمود لودھی چنار سے واپس آگیا۔بابر نے چنار اور گورکھپور پر قبضہ کرلیا اور سلطان محمود لودھی کی جانب روانہ ہوا غازی پور کے مقام پر ہی بڑے بڑے افغان امراء بشمول شیر شاہ سوری بابر بادشاہ آن ملے۔(5)

سلطان محمود کا فرار

بابر کے مقابلے پر سلطان محمود لودھی کی پوزیشن اب خراب ہونے لگی اسکے سپاہی ایک ایک کرکے فرار ہونے لگے اور آخر کار اسکے پاس صرف 2000 سپاہی رہ گئے سلطان محمود لودھی کے پاس اب فرار کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا وہ فرار ہوگیا اور

بنگال کے حاکم نصرت شاہ 1518-1532 کے پاس چلا گیا۔(6)

بنگال میں

سلطان محمود لودھی نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ بنگال میں پناہ لی تھی اسکے ساتھ سلطان ابراہیم لودھی کے گھرانے کے بھی بہت سے افراد تھے سلطان ابراہیم لودھی کی ایک بیٹی بھی اسکے پاس تھی جس سے حاکم بنگال نصرت شاہ نے شادی کر لی اور سلطان محمود لودھی کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا۔(7)

جلاوطنی

شیر شاہ کے بنگال پر قبضے کے بعد سلطان محمود لودھی کا وہاں رہنا مشکل ہو گیا وہ چونکہ تخت دہلی کا دعویدار تھا لہذا اسے اپنی جان کا خطرہ تھا لہذا وہ اڑیسہ چلا گیا جہاں پر بھی کرلانی افغانوں کی حکومت تھی۔(8)

وفات

سلطان محمود لودھی نے 949ھ / 1542ھ میں اڑیسہ میں جلاوطنی کی حالت میں انتقال کیا۔(9)

سلطان محمود کا تجزیہ:

سلطان محمود لودھی میں ایسی صلاحیت ہی نہیں تھی کہ وہ افغانوں کی سربراہی کر سکتا۔ سلطان سکندر کے دور میں اس نے شہزادوں کی سی زندگی گزاری۔ سلطان ابراہیم کے دور میں وہ ہانسی میں نظر بند رہا اور کنیزوں کے ساتھ عیاشی میں مشغول رہا۔ بابر کی فتح کے بعد وہ دیگر طاقتور امراء اور سرداروں کا سہارا لیتا تھا۔ اسکے اندر افغانوں کو جمع

کرنے انکو منظم کرنے فوج کو ترتیب دینے حربی حکمت عملی وضع کرنے وغیرہ وغیرہ کی اہلیت نہیں تھی۔ لوحانی پٹھان اس سے اس وجہ سے ناراض تھے کہ اس نے انکو ہٹا کر خود قبضہ کیا ہے۔ شیر شاہ اسلیئے ناراض تھا کہ اسکی جاگیر اور مال پر بھی اس نے قبضہ کرلیا تھا۔ سلطان محمود افغانوں کی عصبیت حاصل کرنے میں ناکام رہا اسکے اندر قائدانہ صلاحیتوں کا فقدان تھا اور افغان عصبیت سے بھی محروم تھا۔ یہی وجہ اسکی ناکامی کی بنیاد تھی اس کا خیال تھا کہ اسے افغان عصبیت حاصل ہو جائے گی مگر شاہو خیل افغان افغانوں کی عصبیت سے ہمیشہ کے محروم ہو چکے تھے۔ اب افغان عصبیت ان قبائل میں باقی رہ گئی تھی جنہوں نے لودھی دور حکومت میں خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا تھا لہذا آج بھی وہ نوازشات سے دور تھے ان میں ایک قبیلہ سور تھا جس سے شیر شاہ سوری کا تعلق تھا۔

حواشی

1 فرشتہ II ص 42-437

2 ایضاً ص 444

3 بابر نامہ ص 231-230

4 مخزن ص 4-223

5 ایضاً

6 ایضاً ص 273

7 طبقات اکبری جلد سوم

8 تاریخ شیر شاہی ص 259

9 ایضاً ص 259 مشمولہ تاریخ شمارہ نمبر 17

maablib.org

باب نمبر 31

بابر اور لودھی

بابر بادشاہ کو ہندوستان آنے کی دعوت دولت خان لودھی یوسف خیل نے دی تھی اسپر اور اسکی اولاد پر جو کچھ گزرا وہ ابراہیم لودھی کے ذکر میں آچکا ہے یہاں صرف اتنا دہرانا ضروری ہے کہ لودھی قبیلے کے بااثر افراد جو دولت خان لودھی کی وفات کے بعد بھی بابر کے ساتھ رہے ان میں ایک تو دلاور خان ولد دولت خان لودھی یوسف خیل تھا۔ یہ بابر کا بہت مقرب ساتھی اور پانی پت کی جنگ میں اس نے بہت بہادری دکھائی بابر بادشاہ نے اسے خان خانان کا خطاب دیا تھا دوسرے دو اشخاص جن کا تعلق لودھی قبیلے سے تھا وہ شاہو خیل سے تعلق رکھتے تھے کہ جن سے خود سلطان ابراہیم لودھی کا تعلق بھی تھا انھیں ایک سلطان علاء الدین عالم خان لودھی پسر سلطان بہلول لودھی تھا جو گجرات سے آگیا تھا دوسرا امین خان شاہو خیل تھا ان لوگوں کے ساتھ لودھی قبیلے کے دیگر عام سپاہی بھی تھے جو بابر کے ہمنوا تھے اس کے برعکس ابراہیم لودھی کے ساتھ عام و خاص لودھیوں کی اکثریت تھی جس کا اندازہ صرف اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بوقت شہادت ابراہیم لودھی کے اردگرد تقریباً پانچ ہزار لودھی افغان کٹے پڑے تھے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔

دولت خان اور غازی خان لودھی کی حرکتوں کی وجہ سے بابر لودھیوں سے خصوصاً اور افغانوں سے عموماً ہوشیار ہوگیا تھا ابراہیم لودھی کی والدہ نے جب بابر کو زہر دینے کی کوشش کی تو بابر لودھیوں سے اور ہوشیار ہوگیا جب محمود خان لودھی نے

سلطنت کا دعویٰ کیا تو بابر اور مغلوں پر یہ بات عیاں ہوگئی کہ لودھی چونکہ حاکم رہ چکے ہیں لہذا ان پر اعتماد کرنا غلطی ہوگا ان حالات میں صرف دلاور خان لودھی ایک ایسا شخص تھا جو بابر کا مستقل اور قابل اعتماد ساتھی تھا اور خان خانان کے اعزاز سے نوازا ہوگیا تھا تخت پر قبضے کے بعد بھی بابر نے افغانوں کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی اور جو افغان امراء اس کے پاس آئے انکی عزت افزائی کی مگر افغان امراء کبھی بابر سے مل جاتے اور کبھی اسکے خلاف ہو جاتے اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ افغان سلطنت کے خاتمے کو مکمل طور پر قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھے بابر کی جس طرح سے ہندو اور مسلمان راجے و حکام مخالفت کر رہے تھے افغانوں کا خیال تھا کہ ایک روز افغان سلطنت پھر سے قائم ہو جائے گی اور مغلوں کے مظالم سے انہیں نجات مل جائے گی۔ اس ذہنی کشمکش نے افغانوں کو بابر کے بہت زیادہ قریب نہیں آنے دیا۔ اسی دوران ببن خان شاہو خیل بابر سے متنفر ہوگیا اور اس نے سنبھل پر قبضہ کرلیا جسے شیخ گھورن سے وہاں سے بیدخل کیا۔

''جن سرداروں کو شیخ بایزید اور ببن راؤ کے تعاقب میں بھیجا تھا ان کے بارے میں خبر آئی کہ وہ دریا پار کرنے میں تامل کر رہے ہیں آدمی بھیج کر انہیں تاکید کی کہ تامل سے کام نہ لیں۔ دشمن سے متعلق خبر لانے کے لئے باقی شقاول کو ایک فوج دی باقی شقاول نے دوسرے دن واپسی اختیار کی اور خبر لایا کہ مبارک خاں حلوانی نے شیخ بایزید اور راؤ ببن سے لڑ کر ان کے بہت سے سپاہی مار ڈالے ہیں اور کئی کے سر کاٹ لئے ہیں اور انہیں شکست

فاش بخشی ہے۔"(1)

طبقات میں ہے کہ:

"اسی دوران میں قاسم سنبھلی کی عرضیاں پہنچیں کہ بہن باغی جو بادشاہی لشکر سے فرار ہو گیا تھا اس علاقے میں آ گیا ہے اور اس نے فوج جمع کر کے سنبھل کا محاصرہ کر لیا ہے شاہی فرمان صادر ہوا کہ امیر کنہ بیگ ملا قاسم برادر بابا قشقہ معول مع برادران مولانا آغنی شیخ گھورن دوآبہ کے ترکشی بندوں کے ہمراہ امیر ہندو بیگ یلغار کرتے ہوئے اس گروہ کے سر پر پہنچیں امراء حسب الحکم متوجہ ہوئے اور دریائے گنگا کو عبور کرنے میں مشغول ہو گئے ملک قاسم نے اپنے بھائیوں کے ہمراہ باقی لشکر کے مقابلے میں سبقت کی اور تقریباً ایک سو پچاس آدمی ظہر کی نماز کے وقت سنبھل پہنچ گئے بہن بھی فوج لے کر مقابلے پر آ گیا اور ملک قاسم نے فوراً جنگ شروع کر دی چشم زدن میں دشمن کو زیر کر لیا اور فتح ہو گئی بہت قتل عام ہوا چند ہاتھی اور گھوڑے اور مال غنیمت ہاتھ آیا دوسرے روز صبح کے وقت جب دوسرے امراء سنبھل پہنچے تو قاسم سنبھلی محاصرے سے فارغ ہو کر امراء کی خدمت میں حاضر ہوا اور اطاعت و فرمانبرداری سے پیش آیا۔(2)

"یہ لودھی حکمران خاندان کے ایک فرد کی جانب سے بغاوت کی ایک کوشش

تھی لہذا بابر نے اب افغانوں کو الگ الگ مقامات پر تعینات کرنے کی کوشش کی تا کہ وہ آپس میں مل کر سازشیں نہ کر سکیں چنانچہ کالپی کے عالم خان لودھی سلطان علاء الدین پسر بہلول لودھی کو گوالیا اور روانہ کر دیا گیا تا کہ وہ راجپوتوں سے گوالیا کر بچا سکے۔(3)

جنگ کنواہہ کے موقع پر بابر سے کئی افغان امراء الگ ہو کر مخالفین سے جا ملے مگر دلاور خان خان خانان سلطان علاء الدین لودھی کمال خان و جمال خان پسران سلطان علاء الدین لودھی بابر کے ساتھ رہیاور جنگ کنوایہ میں اہم کردار ادا کیا۔ مگر بابر کو خطرہ تھا کہ علاء الدین لودھی چونکہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور تخت کا دعویدار بھی رہ چکے ہے لہذا وہ کبھی بھی تخت کا دعویٰ کر کے اس کے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہے لہذا جنگ کنوایہ کے فوراً بعد بابر نے اسے قید کر کے بدخشان بھیج دیا۔(4) اس کے فوراً بعد حسن خان شاہو خیل لودھی کی بھی خبر لی گئی۔

''بڑی دشمن فوج جو رانا سانگا کی براہ راست ماتحت تھی ایک لاکھ سواروں پر مشتمل تھی اس کے علاوہ دس دوسرے علاقائی سواروں کے ساتھ بتفصیل ذیل نفری تھی۔

صلاح الدین	تیس ہزار سوار
اودے سنگھ کیسری	بارہ ہزار سوار
دمیدنی رائے	دو ہزار سوار
حسن میواتی	بارہ ہزار سوار
بارمل یدری	چار ہزار سوار

نیم پٹ ہرڈا   سات ہزار سوار

وستہ دی لمچی   چھ ہزار سوار

بردم دیو   چار ہزار سوار

نرسنگ دیو   چار ہزار سوار

محمود خاں ولد سلطان سکندر   دس ہزار سوار

شیخ زین ہی نے دشمن کی کل فوج دو لاکھ شمار کی ہے شیخ زین کے فتح نامہ ہی کی رو سے بادشاہ بابر کی فوج جب دشمن کی طرف بڑھی تو اس کی ترتیب حسب ذیل تھی۔

نظام الدین علی خلیفہ قلب کا سربراہ تھا دائیں ہاتھ پر تیمور سلطان سلیمان شاہ خواجہ دوست خاوند مقرب خاص یونس علی شاہ منصور برلاس درویش محمد ساربان عبداللہ کتابدار اور دوست ایشک متعین کیے گئے تھے بائیں ہاتھ پر سلطان علاؤ الدین علام خاں بن سلطان بہلول لودھی شیخ زین خوانی محب علی تردی بیگ شیرافگن ولد قوچ بیگ آرائش خاں اور خواجہ حسین نصب کیے گئے تھے۔

برانغار ہمایوں کے پاس تھا اس کی دائیں طرف قاسم حسین سلطان احمد یوسف ہندو بیگ قوچین خسرو کوکلتاش قوام بیگ پیر قلی سیستانی خواجہ بہلول مدخشی سلمان آقا ایلچی حسین ایلچی سیستانی کا تقرر ہوا اور بائیں طرف میر ہمہ کے لئے محمدی کوکلتاش اور اسد جام دار کھڑے کیے گئے۔ برنغار میں جن

ہندوستانی امراء کو متعین کیا گیا تھا ان کے نام یہ ہیں خان خاناں
دلاور خان ملک داد کرزانی شیخ الشائخ شیخ گوزن جرانفار سید
مہدی خواجہ عادل سلطان بن مہدی سلطان عبدالعزیز میر آخور
محمد علی جنگ جنگ قتلق قدم شاہ حسین بارگی بغل خانچی اور جان
بیگ آتکہ کو ملا ان کے ساتھ جرانفار میں کچھ ہندوستانی امراء بھی
تھے یہ جلال خاں کمال خاں علی خاں شیخ زادہ فرملی نظام خاں
تھے۔

جنوری 1525ھ میں بابر عالم خان لودھی کی دعوت پر اسکے گھر گیا اور اسے عزت افزائی بخشی (6)

اسی دوران میں سلطان علاء الدین لودھی بدخشان سے فرار ہو کر ہندوستان آ گیا اور اپنے بیٹے تاتار خان لودھی کے ساتھ مل کر گجرات چلا گیا اور وہاں بہادر شاہ حاکم گجرات کے ہاں پناہ گزین ہو گیا۔(7)

اسی دوران جب سلطان محمود لودھی پسر سلطان سکندر لودھی نے بہار میں بادشاہت کا اعلان کر دیا تو بہت سے افغان اسکے ساتھ جا ملے ان میں لودھی قبیلے کے
حسن خان شاہو خیل لودھی ابراہیم خان لودھی پسر احمد خان لودھی پسر مبارک خان لودھی یوسف خیل بھی شامل تھے جو لودھی حکومت کی بحالی کی آس میں تھے۔ البتہ بابر کے ساتھ اسوقت بھی ایک طاقتور لودھی امیر تھا۔ جس کا نام تاج خان سارنگ خانی پسر اعظم جمال خان لودھی سارنگ خانی تھا۔ وہ چنار کا قلعدار تھا سلطان محمود کے مقابلے میں بھی بابر فاتح رہا۔

"باقی نے اطلاع دی کہ محمود خان اپنی فوج کے ساتھ سون دریا کے کنارے پر اتر پڑا ہے عمائدین فوج سے مشاورت کی کہ اس پر حملہ کیا جائے طے ہوا کہ ابھی ذرا رکا جائے یہاں سے چلے تو نو کوس کی مسافت طے کی اور کدر یلوہ پر منزل کی پھر منزل پر منزل کرتے غازی پور پہنچے۔ جمعرات کو ابھی یہیں تھے کہ محمود خاں نوحانی حاضر خدمت ہوا آج جلال خان اور بہار خاں بھی حاضر ہوئے بلاول خاں شیر خاں سور نصیر خاں فرید خاں اور کئی دوسرے افغان سرداروں کے سفیران کی درخواستیں لے کر میرے حضور پیش ہوئے عبدالعزیز میر آخور آبدار کا عریضہ بھی آج ہی ملا جس میں اس نے لکھا تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی میرے اہل وعیال کے استقبال کے لیے نیلاب گئے اور وہاں سے چناب تک اس کے ہم رکاب رہا ہے چناب سے وہ ان سے جدا ہو کر لاہور آ گیا ہے۔"(8)

تجزیہ:

بابر ہندوستان میں اجنبی تھا۔ تخت ہندوستان پر قبضے کے بعد اس کے بہت سے ساتھی اسے چھوڑ گئے تھے۔ لہٰذا اس نے ہندوستان میں قدم جمانے کی غرض سے افغانوں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا۔ افغان اس امید پر تھے کہ بابر بھی واپس چلا جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ افغانوں کو اس سے بہت مایوسی ہوئی اور جو افغان بابر سے مل چکے تھے وہ اب اس کے خلاف ہو گئے اور بھاگ کر مشرق میں بہار کے علاقے میں جمع

ہو گئے۔لہذا بابر بھی ان سے محتاط ہو گیا۔سلطان محمود لودھی کے سلطان بننے کے بعد سے بابر کا لودھیوں پر سے اعتماد ختم ہو گیا اور لودھی بھی بابر سے متنفر ہو گئے۔اب صرف وہ لودھی بابر کے ساتھ رہ گئے جنہوں نے سابقہ لودھی سلطنت کو تباہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔جیسے کو خان خانان دلاور خان یوسف خیل جو دولت خان لودھی کا بیٹا تھا۔اس کے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔کوئی افغان اسے معاف کرنے اور قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔کیونکہ مغلوں کو ہند میں وہی لایا تھا اور اس نے ان کی بے پناہ مدد کر کے ان کو تخت دلایا تھا۔لہذا جیسے ہی وہ شیر شاہ سوری کے ہاتھ لگا اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔اسی طرح سے جو لودھی افغانوں سے متنفر تھے وہ مستقلاً بابر کیساتھ رہے مگر ان کی تعداد بہت کم تھی ۔ جب کہ لودھیوں کی اکثریت مشرق کی جانب بہار و بنگال یا پھر گجرات ہجرت کر گئی تھی۔

maablib.org

حواشی

1 بابر نامہ ص 5-284

2 طبقات II ص 44

3 بابر نامہ

4 بابر نامہ

5 ایضاً ص 3-582

6 ایضاً 590

7 اکبر نامہ I ص 8-294,297

8 بابر نامہ ص 273

maablib.org

باب نمبر 32

ہمایوں اور لودھی

1530ء میں بابر فوت ہو گیا اور اس کا بڑا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا اسکے ابتدائی دور میں افغانوں کی حالت وہی رہی جو بابر کے دور میں تھی البتہ شیر شاہ سوری کی شکل میں ایک نیا دعویدار حکومت سامنے آنے سے مغلوں کے لیے مشکلات بڑھ گئیں اور افغان بتدریج شیر شاہ کی حمایت کرنے لگے شیر شاہ نے چنار پر قبضہ کر لیا مگر اپنے لڑکے عبدالرشید کو مغل دربار میں بھیج کر ہمایوں کو ٹھنڈا بھی کر دیا۔(1)

دوسری جانب ببن خان شاہو خیل لودھی طاقتور ہو گیا اور سلطان محمود کے ساتھ مل گیا تو ہمایوں نے اسکے خلاف کارروائی کی ببن کا ساتھی بایزید مارا گیا اور ببن خان بنگال کی جانب فرار ہو گیا۔

> ''چونکہ اسی زمانے میں سلطان محمود بن سلطان سکندر لودھی ببن بایزید اور دوسرے افغان سرداروں کے ساتھ متفق ہو کر طاقت و غلبہ کی بنا پر علم مخالفت بلند کر چکا تھا اور ولایت جون پور اور اس کے مضافات پر قابض ہو گیا تھا لہذا ہمایونی لشکر اس کے دفع کرنے کے لیے روانہ ہوا عظیم منعقد کیا گیا اراکین سلطنت اور امراء میں سے ہر ایک کو فاضرہ خلعتیں اور تیز رفتار گھوڑے انعام میں دیے گئے۔''(2)

تاریخ شیر شاہی میں اسکی زیادہ تفصیل دی گئی ہے۔

''بعد اس کے سلطان محمود جو بیٹا سلطان سکندر کا تھا کہ جسے حسن خاں میواتی اور رانا سانگا اور بعضے پٹھانوں نے تخت پر بٹھایا تھا وہ فتح پور سیکری کے پرگنے میں جمشید ثانی ظل سبحانی بابر بادشاہ سے لڑا حسن خان بیٹا علاول خاں میواتی کا مارا پڑا اور راول نام راجہ دونگر پور کا تھا جب وہ بھی مارا گیا تب سلطان محمود اور رانا سانگا بھاگ کر چتوڑ میں آئے پھر سلطان محمود اس گردونواح میں مدت رہا بعد اس کے پٹنے میں جانے کہ یہ وجہ ہوئی کہ مسند عالی عیسیٰ خاں بیٹا مسند عالی عمر خاں لکھور کا جو حاکم لاہور کا تھا اور ابراہیم خاں اور احمد خاں اور پوتا مبارک خان یوسف خیل کا اور میاں چتن بیٹا میاں عطا شوہو خیل جو حاکم سرہند کا تھا اور میاں بایزید وغیرہ اس وقت باہم متفق تھے اور ملک پادشاہی میں خلل کرتے تھے لیکن میں تبن اور میاں بایزید صاحب جمعیت تھے اور مغلوں سے اکثر لڑتے تھے اور نام جوانمردی کا پیدا کیا تھا ان امیروں نے سلطان محمود کو پٹنے میں بلا کر پادشاہ کیا جب پادشاہ ان امیروں کے سمیت بہار کے ملک میں آیا تب شیر خاں کو بھی ضرور ہوا کہ ان امیروں سے دشمنی نہ کیا چاہیے کہ بیشتر ہیں اور بہت سا لشکر رکھتے ہیں اور شیر خاں پٹھانوں میں اتنا اعتبار نہ رکھتا تھا کہ ان سے دشمنی کر کے پیش لے جائے لاچار ہو کر سلطان محمود کی ملازمت میں آئی اور پٹھانوں نے بہار کا ملک آپس میں بانٹ

لیا اور شیر خاں کو کہا جب جونپور کا ملک مغلوں سے ہم لیں گے
تب بہار کا ملک تجھے دیں گے کہ تو نے بنگالیوں سے مار کے لیا تھا
کچھ اپنے دل میں وسواس نہ کر جس طرح کہ بہار کا ملک سلطان
سکندر نے دریا خاں کو مرحمت فرمایا تھا سلطان محمود نے بہار کا
ملک تجھے عنایت کیا ہے شیر خاں نے عرض کیا اگر بادشاہ نے اس
بندہ کو عنایت فرمایا ہے تو اس کا فرمان بندے کو مرحمت فرما دیں
بادشاہ نے حکم کیا کہ فرمان لکھ دو جب شیر خاں نے بہار کے ملک
کا فرمان حضور سے حاصل کیا اپنے لشکر کا سامان درست کرنے
کے واسطے کئی ایک مہینہ کی بادشاہ سے رخصت لے کر جاگیر میں
آیا۔ جب سلطان محمود نے اپنی فوج مکمل کی جونپور کی طرف کوچ
کا ارادہ فرمایا شیر خاں کو فرمان بھیجا کہ اس کے دیکھتے ہی جلدی
حاضر ہو اس نے عرضی لکھی کہ اپنی فوج کا سامان درست کر کے
حضور میں پہنچتا ہوں جب بادشاہ کے امراء شیر خاں کی عرضی کے
مضمون سے مطلع ہوئے عرض کی کہ وہ مغلوں سے اخلاص رکھتا
ہے بادشاہ کے ساتھ نہ جائے گا۔ مکر و حیلے کو اپنا پیشہ کیا ہے اور
اس کے کہنے اور لکھنے پر اعتماد نہ کیا چاہیے اسے نہ چھوڑیے اعظم
خاں ہمایوں سردانی نے عرض کیا کہ اس کے ساتھ لے چلنے کی
تدبیر سہج ہے کچھ اندیشہ نہ کیجئے کہ شیر خاں اپنی جاگیر میں ہے
جس جگہ وہ ہے کوچ فرما کے وہاں جایا چاہیے۔ اس کے نہ آنے

کی سزا یہ ہے کہ مہمانیاں خوب سی اس سے لے کر ہمراہ لے چلیے
پادشاہ نے اور اسا کے امراؤں نے اعظم خاں کی رائے عالم
آرائے پر بہت سی آفرین و تحسین کی اور کوچ بہ کوچ مہراؤں کے
پرگنے میں کہ شیر خاں جس مقام میں تھا۔
اس کے قریب پہنچے اس نے سنا کہ بادشاہ اپنے سارے لشکر
سمیت آتا ہے اور مجھے خواہ مخواہ ساتھ لے جائے گا اس بات
سے متفکر ہو کر اپنے دلخواہوں سے کہا کہ جو میں نے سوچا تھا وہ نہ
ہوا پادشاہ کے امیروں سے اعظم خان ہمایوں سروانی اور مسند
عالی عیسیٰ خان سروانی عاقل و دانا ہیں اور کاروبار ملکی میں نہایت
رسا ہیں اپنی قومیت کی شرم اور قرابت قریبہ کے سبب اس لشکر
کے ہمراہ ہیں لیکن جانتے ہیں ان لوگوں سے کچھ نہ ہو سکے گا
کیونکہ اس لشکر کے امیر آپس میں اتفاق نہیں رکھتے اور بے
اتفاقی سےکوئی کام نہیں ہو سکتا اور اس لشکر میں میاں بجن اور بایزید
فرملی جمعیت بہت سی رکھتے ہیں اور نام بھی جوانمردی سے مشہور
کیا ہے لیکن بے شعور ہیں اور امور ملکی کو نہیں پہنچ سکتے میں نے چاہا
تھا حیلہ وحوالہ سے ان کو یہاں سے روانہ کروں جب یہ میرے
ملک کی حد سے نکل کر آگے جاویں بعد اس کے ایک بہانہ کر کے
رہ جاؤں لیکن ان دونوں سروانیوں کے سبب پادشاہ اس راہ سے
آیا اب بہانہ کرنا مناسب نہیں یقینی اس لشکر کے ساتھ جانا ہوا تم

اپنے لوگوں سے کہو کہ کوچ کی تیاری کریں اور میں پادشاہ کے اور اس کے امیروں کے استقبال کو جاتا ہوں میں انہیں تسلی و دلاسا دے کر اپنی عذر خواہی کروں اور ان کو اپنے ساتھ لاؤں کہ مہمان عزیز ہیں لیکن تم ان کی مہمانی کا اسباب و اشیاء مہیا کرو بعد اس کے شیر خاں پادشاہ کا استقبال کر کے لایا اور ہر ایک امیر کے مرتبے کے موافق خوب سا مہمانی کا سامان اپنے گھر سے تیار کر کے بھیجا۔ اور پادشاہ کے واسطے پیش کش بہت سی اور مہمانی خوب سی بھیجی۔ اور مہمانوں کی انکی مہمانداری کی کہ سب نہایت راضی ہوئے۔ اور ذکر خیر کرنے لگے۔

شیر خاں نے پادشاہ سے عرض کی اگر تھوڑے دنوں حضرت توقف فرمائیں تو میں اپنے لشکر کا سامان درست کر کے ہمراہ رکاب کے ہوں پادشاہ نے شیر خاں کی عرض قبول کی اور چند روز وہاں دائرہ دولت رہا جب شیر خاں اپنے لشکر کی تیاری کر چکا تب پادشاہ اسے اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا جس وقت متصل جونپور کے پہنچا سردار مغلیہ کہ جونپور میں تھے وہاں سے چلے گئے جب جونپور پادشاہ کے ہاتھ آیا کتنے دنوں وہاں رہا اور اپنے لشکر کو آگے روانہ کیا بعد اس کے لکھنو اور ملک اس کے سرداروں کے ہاتھ آئے اس عرصہ میں سلطان محمود نے سنا کہ ہمایوں پادشاہ کے رایات ظفر آیات اس سمت کو چلے سلطان محمود نے بھی جونپور

سے کوچ کیا اور قریب لکھنو کے دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا ہر روز لڑائی ہوتی تھی مبازر طرفین سے نکل کر آتے تھے اور کارزار کرتے تھے۔

جس وقت شیر خاں نے معلوم کیا کہ پٹھانوں کے لشکر میں اتفاق نہیں ہر ایک سرخود ہے ہندو بیگ کو لکھا کہ میں خانہ زاد حضور کا ہوں اور یہ مجھے بزور ساتھ لائے ہیں لیکن لڑائی کے دن بدون لڑائی کے چلا جاؤں گا میرا احوال حضور معلی میں عرض کرنا کہ میں روز نبرد کے خدمت نمایاں کروں گا ان کے لشکر کی شکست کا باعث میں ہوں گا جب ہندو بیگ نے شیر خاں کی عرضی حضور میں گزرانی پادشاہ نے ملاحظہ کر کے شیر خاں کو فرمان اس مضمون کا لکھ کر بھیجا ان کے ساتھ جو تو آیا اس کا اپنے دل میں کچھ فکر و اندیشہ نہ کر اور جو کچھ تو نے اپنی عرضی میں لکھا ہے اگر وہ بات تجھ سے عمل میں آوے گی تو موجب تیری سرفرازی کا ہوگا کتنے ایک دنوں کے بعد دونوں لشکروں کی صفیں آراستہ ہوئیں اور کارزار ہونے لگا۔ شیر خاں بغیر لڑائی کے اپنی فوج کو ساتھ لے کر نکل گیا اور سلطان محمود کے لشکر کی شکست کا وہی باعث ہوا ابراہیم خاں یوسف خیل نے اس لڑائی میں بہت ساتر دد اور جوانمردی کی اور کوئی مرتبہ باقی نہ رکھا جب تلک کہ وہ جیتا رہا مغلوں کی جو فوج اس کے مقابل ہوتی تھی اسے پسپا کر دیتا تھا جب وہ شہید ہوا اور

میاں بایزید نے اس روز ایسی حد سے زیادہ شراب پی کر اس کے نشہ سے مست وبےخبر تھے چنانچہ اسی بےخبری میں مارے پڑے پھر سلطان محمود اور باقی امیر بھاگ کر بہار کے ملک میں آئے سلطان محمود صاحب ملک وخزانہ نہ تھا کہ لشکر اس کے طور پر رہے جن امیروں نے کہا سے تخت پر بٹھایا تھا ان میں سے اکثر لکھنوکی لڑائی میں مارے گئے اور بعضے جو جیتے رہے تھے مخالف کے باعث پراگندہ ہو گئے۔ سلطان محمود کو ناچ راگ سے بہت شوق تھا اور اکثر اوقات لہو ولعب میں مشغول رہتا پٹھانوں کی مخالفت کا تحمل نہ کر سکا اور پادشاہت سے دست بردار ہو کر پٹنے کے ملک میں جا کر بیٹھ رہا بعد اس کے کبھی سلطنت خیال نہ کیا اور نوسو انچاس ہجری میں اسکا وصال ہوا۔(3)

تاتارخان تاتارخان لودھی کے بارے میں طبقات اکبری میں درج ہے کہ:

''اسی زمانے میں بادشاہی لشکر گوالیار کی طرف روانہ ہوا ہوا دو مہینے سیر وشکار میں گزرے اور اس کے بعد واپسی ہوئی اتفاق سے اس موقع پر سلطان بہادر گجرات ومالوہ کے لشکر کے ساتھ قلعہ چتور کا محاصرہ کیے ہوئے تھا اور رانا سانگا سے جنگ تھی اور تاتارخاں لودھی کو جو اس سلطان بہادر گجراتی کے معزز امراء میں سے تھا اس کی بہادری اور دلیری کی بنا پر قلعہ بیانہ اور اس کے نواح کے فتح کرنے کے لیے بھیجا اس نے قلعہ بیانہ پر قبضہ کرلیا

اور آگرہ تک دست اندازی شروع کردی ہمایوں بادشاہ نے مرزا ہندال کو اس کی مدارعت کے لیے نامزد کیا اس کا بہت سا لشکر مرزا ہندال کے آنے کی خبر سن کر متفرق و منتشر ہوگیا وہ صرف تین سو آدمیوں کے ساتھ مقابلے پر آیا اور مرزا کی فوج خاصہ پر حملہ کر دیا سخت جنگ ہوئی اور مع اپنے ہمراہیوں مارا گیا اور بیانہ اور اس کے مضافات بادشاہی قبضے میں آگئے۔ سلطان بہادر اس خبر کو سن کر حیران و پریشان ہوا۔ اسی وقت ہمایوں بادشاہ نے سلطان بہادر کو سزا دینے کی تیاری کر دی ہمایوں بادشاہ آگرہ سے روانہ ہوا اور سلطان بہادر دوبارہ گجرات سے نکلا اور اس نے چتوڑ کا محاصرہ کرلیا اور اسی سال مرزا کامران لاہور سے قندھار پہنچا اور فتح حاصل کی۔" (4)

گجرات میں عالم خان لودھی اور تاتار خان پسر عالم خان پہلے سے موجود تھے اب مزید افغان گجرات آگئے اور وہاں کے بادشاہ بہادر شاہ کو اکسایا کہ وہ مغل سلطنت پر حملہ کرے مگر اسکی نوبت نہ آئی 153 ھ میں ہمایوں کی وفادار افغان امراء میں صرف 5 کے نام ملتے ہیں۔

1 خان خانان دلاور خان یوسف خیل لودھی

2 جلال خان پسر دریا خان نوحانی

3 جلال خان پسر ناصر خان نوحانی

4 محمود خان سروانی

5 شیر خان سور

نگران میں حقیقی معنوں میں وفادار صرف خان خاناں تھا اس نے کئی بار ہمایوں کو افغانوں سے محتاط رہنے کی کوشش کی اور شیر شاہ کے خلاف کارروائی کا مشورہ دیا مگر ہمایوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔

''جب حضرت ہمایوں پادشاہ گجرات سے آئے خانخانان یوسف خیل نے عرض کیا' شیر خاں سے غافل نہ رہیے کہ فتنہ ہے اور ملک کی تدبیر خوب جانتا ہے اور سب پٹھان اس کے پاس جمع ہوئے ہیں لیکن حضرت ہمایوں بادشاہ کو سلطنت کا از بسکہ غرور تھا' شیر خاں اس کی نظر میں نہ ٹھہرتا تھا''

(5) 1539ء میں خان خانان دلاور خان لودھی کو ہمایوں نے سفیر بنا کر حاکم بنگال سلطان محمود کے پاس بھیجا۔ جب 1539 میں ہی ہمایوں شیر شاہ کے خلاف روانہ ہوا تو اس نے مونگیر پر خان خانان کو گورنر مقرر کیا اور اسے وہاں پر رہ کر دفاع کرنے کی ہدایت کی بنگال پر شیر شاہ کے قبضے کے بعد خان خانان بھی وہاں سے چلا آیا جب چونہ کی جنگ ہوئی تو اس میں خان خانان کو شیر شاہ کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا اور شیر شاہ نے اسے قتل کر دیا:

''دوسرے سال حضرت ہمایوں پادشاہ کے باہر اور بنگالے کا ملک کی طرف رایات نصرت آیات روانہ ہوئے جب چنار کے قلعہ کے پاس پہنچے اپنے امراؤں سے پوچھا کہ ہم پہلے چنار کا قلعہ لیں یا گوڑ کی طرف جاویں کہ شیر خاں کے بیٹے نے محاصرہ

کیا ہے لیکن اس کے ہاتھ ابھی نہیں آیا ہے جو مغل کہ امیر تھے
انہوں نے عرض کیا کہ پہلے چنار کے قلعے کو لیجئے بعد اس کے
بنگالے کی طرف جایئے اور یہی تدبیر ٹھہری۔ جب خانخانان
یوسف خیل آیا ظل سبحانی ہمایوں بادشاہ نے اس سے پوچھا اور وہ
بھی سن چکا تھا کہ امرائے مغلیہ سے یہ صلاح ٹھہری ہے کہ پہلے
چنار کا قلعہ لیا چاہیے خانخانان یوسف خیل جو پٹھان کی قوم سے
تھا اس نے عرض کی کہ ایک تدبیر جوانانہ یہ ہے کہ پہلے قلعہ لیجئے
اور دوسری رائے پیرانہ ہے کہ گوڑ کے قلعے میں خزانہ بہت سا ہے
پہلے اسے لیا چاہیے بعد اس کے چنار کا قلعہ لینا آسان ہے ظل
سبحانی ہمایوں پادشاہ نے فرمایا کہ میں جوان ہوں مجھے رائے
جوانانہ پسند ہے قلعہ بن لیے نہ جاؤں گا میں نے خان خانان
یوسف خیل کے ان صاحبوں سے جو پٹھانوں سے معتمد اور اس
کے اسرار کے محرم تھے جب خانخانان اپنے ڈیرے میں آیا کہنے
لگا شیر خاں کے طالع بڑے زبردست ہیں کہ مغل گوڑ کی طرف نہ
گیا جب تلک یہ قلعہ لیں گے روہیلے گوڑ کو فتح کریں گے اور خانہ
ان کے ہاتھ آوے گا اور شیر خاں غازی خان سوار اور سلطان
برواتی جو چنار کے قلعے کے شقدار تھے ان کو چنار کے قلعے میں
چھوڑ کر اپنے اہل دعیال اور پٹھانوں کے جو اس کے ساتھ تھے
بھرکنڈھ کے قلعے میں ان کی گنجائش نہ ہوئی۔(6)..... جب

قبلہ عالم نے دو کوچ کیے خبر سنی کہ شیر خاں گوڑ کی طرف جاتا ہے
تب وہاں سے پھرے اور خانخانان یوسف خیل اور پری برلاس
جو پیشتر روانہ ہو شیخ یحییٰ کے پرگنہ منیر میں اترے ہوئے تھے سنا
کہ گوڑ کی پادشاہ سلطان محمود آتا ہے پری برلاس اس کے
استقبال کو گیا تھ ہنوز وہ اس کو اپنے مقام پر نہ لایا تھا کہ حضرت
ہمایوں پادشاہ منیر کے پرگنے میں تشریف لائے پری برلاس
سلطان محمود کو حضور اقدس میں لایا عالم پناہ نے جو اس کی خاطر
خواہ اعزاز و اکرام نہ کیا سلطان محمود اپنے آنے سے پشیمان
ہوا اور تھوڑے دنوں میں اس غم کی کوفت سے وفات پائی اور
پادشاہ نے منیر کے قصبے میں اپنے لشکر کا بندوبست کیا موئید بیگ
جو بیٹا سلطان محمود ولدی اور جہانگیر قلی بیٹا ابراہیم بیگ کا اور میر
نورگا اور ترقی بیگ اور پر برلاس اور مبارک فرملی وغیرہ اور امیر
قریب تیس ہزار کے جو تھے ان کو حکم کیا کہ ساتھ ساتھ کوس لشکر
سے آگے کریں..... جب شیر خاں رہتاس میں آیا جلال خاں کو
کہلا بھیجا کہ گڑھی کو چھوڑ کر رہتاس میں آ جب پادشاہ نے یہ سنا
کہ جلال خاں گڑھی کو چھوڑ گیا اور برسات کی شدت کے باعث
اردوی معلائے نصرت قریں کو مرزا ہندال کے ساتھ آگرے کی
طرف رخصت فرمایا اور آپ گوڑ کی طرف جو دارالسلطنت بنگالا
ہے توجہ فرما ہوئے اور گوڑ میں جا کر تین مہینے تک محل میں رہے

اور کوئی باریاب مجرے کا نہ ہوا اور شیر خاں نے بنارس میں آ کر
حاکم بنارس کو محاصرہ کیا اور وہاں سے خواص خاں کو مونگیر میں بھیجا
کہ جہاں کا خانخانان یوسف خیل حاکم تھا یکایک رات کے
وقت خواص نے شہر میں آ کر خانخانان کو باندھ کر بنارس میں لایا
بعد اس کے قلعہ بنارس کا فتح ہوا بیشتر مغل جو اس شہر میں تھے قتل
ہوئے۔" (8)

دلاور خان کے قتل کے بعد لودھی ہمایوں کے دربار سے بالکل بے دخل ہو گئے ہمایوں کے دوسرے دور حکومت میں کوئی بھی لودھی اسکے ساتھ نہیں تھا ہمایوں کا لودھیوں پر سے اعتبار بالکل ختم ہو گیا تھا اور لودھیوں کے لیے بھی مغل دروازے بند ہو چکے تھے یہاں تک کہ اکبر کی خودمختاری کا دور آ گیا جب اس نے اپنے باغی مغلوں کو توازن میں رکھنے کی غرض سے لودھی قبیلے کے بے اثر افراد کو اپنے امراء میں شامل کر لیا۔

maablib.org

حواشی

1 اکبرنامہ II ص288

2 طبقات II ص55

3 تاریخ شیر شاہی 256-259

4 طبقات II ص56-57

5 تاریخ شیر شاہی ص255

6 تذکرۃ الواقعات ص6-265

7 ایضاً ص272

8 تاریخ شیر شاہی ص275

maablib.org

باب نمبر 33

سوری عہد حکومت میں لودھی

ہمایوں کے بعد شیر شاہ سوری بادشاہ بنا اس کا تعلق لودھی قبیلے کی ذیلی شاخ سور سے تھا یوں شیر شاہ سوری بھی لودھی ہوا مگر لودھی عہد حکومت میں سوریوں اور نیازیوں کو حصہ نہ دیا جاتا تھا کیونکہ لودھی بادشاہوں کے نزدیک سوری شاخ کے لوگوں کے اندر حکومت حاصل کرنے کی خواہش نظر آتی تھی۔ بلکہ نیازیوں سے سلطان بہلول کا باپ ایک جھگڑے میں مارا گیا تھا لہذا انہیں دھوکے باز سمجھا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے عہد لودھی کے امراء جاگیداروں میں ان دو قبائل کے امراء کے نام بہت کم ملتے ہیں اور یہی بات ان شاخوں میں افغان عصبیت کے باقی رہنے کا سبب تھی چنانچہ سوری دور میں سور اور نیازی شاخوں کے افغان کثرت سے اعلیٰ عہدوں پر تھے۔

البتہ شیر شاہ کے دور میں لودھیوں کو یکسر نظر انداز نہیں کیا گیا حصول تخت کی جنگ میں قطب خان لودھی اور میاں بہن لودھی دو ایسے امراء تھے جو شیر شاہ سوری کے ساتھ تھے ان دونوں کا ہی تعلق شاہو خیل سے تھا میاں بہن نے ایک لمبے عرصے تک سنبھل وقنوج وغیرہ میں مغلوں کو تنگ کیا تھا اور قطب خان لودھی نے ہمایوں سے آخری لڑائی میں شیر شاہ کو اپنی جگہ قائم رہنے کی نصیحت کی تھی جس سے شیر شاہ کو فتح حاصل ہوئی۔ (1) اس جنگ میں میاں شیر خان لودھی بھی انکے ساتھ شامل تھا مخزن افغانی میں ہے کہ میاں شیر خان لودھی یوسف خیل اور اسکے بھائی پہلے سلطان محمود کے ساتھ تھے پھر جب شیر شاہ کا عروج ہوا تو اسکے ساتھ مل گئے:

''جب فردوس مکانی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ ہندوستان تشریف لائے اور سلطان ابراہیم لودھی نے پانی پت کے میدان میں شہادت پائی تو ہندوستان میں لودھی سلطنت کے زوال کی وجہ سے لودھی قبائل کے حالات بھی بہت ابتر ہو گئے تھے اس بنا پر ان تینوں بھائیوں نے مجبوراً پنجاب کی سکونت ترک کر کے بنگال کا سفر اختیار کیا جو ان کے لیے کسی طرح بھی سقر سے کم نہ تھا کچھ عرصہ وہ اپنے طور پر پٹنہ اور اس کے نواحی علاقے میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے دراصل وہ منتظر تھے کہ دیکھیں حالات کیا کروٹ بدلتے ہیں اور پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ جب بن بایزید اور کچھ دوسرے افغان سرداروں نے جمع ہو کر سلطان محمود بن سلطان سکندر کو جس نے سلطان ابراہیم لودھی کی شہادت کے بعد سے رانا سانگا کے ہاں پناہ لے رکھی تھی اور قلعہ چتوڑ کے نواح میں گذر اوقات کر رہا تھا بلا کر تخت پر بٹھایا اور رسم تاج پوشی ادا کی اور سلطنت کو وسیع کرنے کا عزم کیا تو اس عزم کے پورا ہونے کا زیادہ تر انحصار بن ارو بایزید کی عقل وہمت پر ہی تھا ہندوستان کے گوشے گوشے سے افغانوں نے ان کے جھنڈے تلے جمع ہونا شروع کیا میاں شیر خاں بھی اپنے بھائیوں اور سارے کنبے سمیت جا کر سلطان محمود کے ملازمین اور وفاداروں میں شامل ہو گئے بن اور بایزید ان کے آنے سے

بہت خوش ہوئے اور بڑے پرتپاک طریقے سے ان کا خیر مقدم
کیا انھی ایم میں جن اور بایزید نے بہار کا علاقہ شیر خاں سوری
سے لے کر افغان برادری کو جاگیر کے طور پر بانٹ دیا حالات
کے مطابق اس میں سے چند موضع شیر خاں لودھی اور اس کے
بھائیوں کو بھی تنخواہ کے طور پر دے دیے جب جن اور بایزید کے
مشورے سے سلطان محمود جونپور کو فتح کرنے کے ارادے سے
نکلا تو میاں شیر خاں بھی اپنے بھائیوں سمیت اس کے ہمراہ تھا۔
اتنے میں فردوس مکانی محمد بابر بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور ان کی
جگہ جنت آشیانی محمد ہمایوں بادشاہ ہند کے تخت پر جلوہ افروز
ہوئے انھوں نے جب یہ خبر سنی کہ سلطان محمود لودھی نے جونپور
پر چڑھائی کر دی ہے تو اس کے حملے کو پسپا کرے کے لیے جونپور
تشریف لائے دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہونے پر خونریز جنگ
ہوئی لیکن شیر خاں سور عرف شیر شاہ کی غداری کی وجہ سے سلطان
محمود کی فوج کو شکست فاش ہوئی جن اس جنگ میں مارا گیا اور
بایزید زخمی ہو کر بھاگ نکلا میاں شیر خان بھی اپنے بھائیوں
سمیت اس جنگ میں شریک تھا زخمی ہو کر میدان جنگ میں گرا
پڑا تھا اس کا بھائی میں نصرف خاں بھی پس تھا بہت ہی پریشان
ہوا کہ کیا کرے مغل فوج کے ہاتھوں کس طرح جان بچائی اور
اپنے زخمی بھائی کو کس طرح موت کے منہ سے نالے جائے اتنے

میں افغان فوج بھاگ کھڑی ہوئی مغل فوجوں کے دستے قریب
آن پہنچے اور انھوں نے میدان جنگ کے نزدیک ہی خیمے لگا دیے
میاں نصرت خان نے دلیری کر کے ایک مغل سپاہی سے چارپائی
چھینی اور میاں شیر خاں کو اس پر ڈال کر چار مزدوروں کا انتظام کیا
اور وہاں سے چل پڑا کچھ منزلیں طے کرنے کے بعد وہ اپنے
شکست خوردہ ساتھیوں سے جا ملا اور پٹنہ پہنچ گیا سلطان محمود کی
شکست کے بعد افغانوں کا شیرزاہ بری طرح بکھر گیا اور جس کا
جدھر کو منہ آیا نکل گیا میاں شیر خاں اور اس کے دوسرے دونوں
بھائیوں نے کچھ عرصہ کے لیے جنگجوئی اور سپاہی گری ترک
کر کے گوشہ تنہائی اختیار کیا اور عبادت کے ذریعے روزی کمانے
لگے۔ جب چوسا کی لڑائی میں شیر خاں سوری نے ہمایوں بادشاہ
کی فوج اور فتح و غلبہ حاصل کر لیا اور شیر شاہ کے لقب سے اپنے
نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا تو ہر طرف سے افغان اس کے دربار
میں جمع ہونے شروع ہو گئے اور اکثر نے اس کی ملازمت اختیار
کر لی میاں شیر خاں اور اس کے بھائیوں نے بھی شیر شاہ کے
دربار کا رخ کیا اور آ کر اس کے ملازمین میں شامل ہو گئے کیونکہ
سلطان محمود لودھی بن اور بایزید کے اقتدار کے زمانے میں وہ
ایک ساتھ شاہی ملازم رہے تھے اور ان کے درمیان دوستانہ
تعلقات استوار تھے شیر شاہ نے ان کا خیر مقدم کیا بڑی آؤ بھگت

کی اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہوئے اپنے
امراء میں شامل کرلیا۔"(2)

یہ میاں شیر خان لودھی شیر ساہ سوری کے بیٹے قطب خان کے ساتھ ایک دوسیر جنگ میں شہید ہوا جس کے صلے میں شیر شاہ نے اس کے بھائیوں اور بیٹوں کو نوازا۔

"شیر شاہ نے پڑھا لکھا جہان دیدہ اور سمجھ دار ہونے کے باوجود زمینداروں کی بات پر اعتماد کرلیا اور اپنے بیٹے قطب خاں کو ایک فوجی دستہ دے کر اس طرف روانہ کردیا میاں شیر خان کو اس کا اتالیق اور راہنما بنا کر اس، کے ساتھ بھیجا تاکہ ہر قسم کے حالات میں اسے مشورہ دے اور اس کا خیال بھی رکھے انھیں بھیج کر خود بنگال کی طرف روانہ ہوگیا۔

قطب خاں جب اندھیارا کشولہ پہنچا تو وہاں کے زمینداروں نے عہد شکنی اور بے وفائی کی اور اطاعت کرنے کے بجائے تلواریں سولت کر سامنے آگئے دراصل وہ مغل فوج کے ساتھ مل گئے تھے اور مرزا الغ بیگ کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ قطب خاں کے مقابلے میں بلا لائے تھے۔ جب قطب خاں کو ان کی غداری کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ شیر شاہ کو اللہ تعالیٰ نے بہتیرے لڑکے دے رکھے ہیں میں واپس جانے کے بجائے ان سے لڑوں گا چاہے مرجاؤں میری غیرت اجازت نہیں دیتی کہ اتنی

دور آ کر موت سے ڈر کر بھاگ جاؤں فوج کے اعلیٰ افسروں اور دوسرے امراء نے ہر چند نصیحت اور سمجھانے کی کوشش کی لیکن اور پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ ہتھیار لگا کر لڑائی کے میدان میں جا پہنچا وہ تو زمینداروں اور مغلوں کی فوج سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا لیکن باقی فوج بھاگ کھڑی ہوئی میاں شیر خاں کو قطب خاں کے شہید ہونے کی خبر ملی تو اس کے ساتھیوں نے جان بچا کر نکل جانے کا مشورہ دیا لیکن شیر خاں کہنے لگا کہ شیر شاہ نے اسے میرے سپرد کیا تھا میں اس سفید داڑھی کے ساتھ شیر شاہ کو کیا منہ دکھاؤں گا اور اسے کیا جواب دوں گا یہ فیصلہ کر کے وہ پلٹ کر دشمن پر جھپٹ پڑا اور صفیں چیرتا ہوا قطب خاں کی لاش کے قریب جا پہنچا اور وہیں اس نے موت کا خوشگوار پیالہ پیا۔

شیر شاہ کو جب میاں شیر خاں کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے اس کے بیٹوں کو بلایا شیر خاں کا بڑا لڑکا میاں محمود خاں اپنے تینوں بھائیوں کو ساتھ لے کر شیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا شیر شاہ ان سب کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی سے پیش آیا اور چاروں یعنی میاں محمود خاں میاں عمر خاں اور کمال خاں کو عراقی نسل کے گھوڑے فوجی تمغے جھنڈا اور نقارہ کے علاوہ کنپلا پٹیالی سکیتہ اور بھون گانوں کے پرگنے بھی جاگیر میں بخشے ان میں سے عمر خان کو اپنے دربار میں رکھا اور باقی تینوں کو اپنی جاگیروں

پر رخصت کیا اپنی لیاقت وفاداری اور نیک نیتی سے سارے
بھائی امارت کے جلیل القدر مرتبے تک پہنچ گئے۔"(3)

اس خاندان پر شیر شاہ نے خاص مہربانی کی اور عالم خان لودھی کی بیٹی سے میاں عمر خان کی شادی کرادی۔

"انھی ایام میں برہان پور اور اسیر گڑھ کے حاکم حبیب علی خاں کا سپہ سالار اور امیر الامراء میاں عالم خاں لودھی اپنی وہمی طبیعت کی وجہ سے اپنے حاکم سے بدظن اور ناراض ہو کر شیر شاہ کے دربار میں آ کر ملازم ہو گیا شیر شاہ اس کے آنے سے اس قدر خوش ہوا کہ اسے طرح طرح کے انعام واکرام سے نوازا بلکہ وہ مزید یہ بھی چاہتا تھا کہ اسے اپنے امراء، میں سے کسی کے ساتھ رشتہ ناتا کے ذریعے قرابت داری کے بندھنوں میں جکڑ دے تا کہ وہ پھر واپس جانے کا ارادہ بھی نہ کرے چنانچہ عالم خاں کی لڑکی بی بی لاجی کو میاں عمر خاں سے منسوب کر دیا عمر خاں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک عالی شان جشن منایا اور ایک سعد گھڑی میں بھی بھی لاجی سے نکاح کیا اس کے بعد شیر شاہ روز بروز شیر خاں کے بیٹوں پر پہلے سے زیادہ مہربان ہوتا گیا اور وہ لوگ اپنی جاگیروں پر عیش ونشاط اور سیر و شکار میں زندگی بسر کرتے رہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیر خاں کے بیٹوں کی جاگیروں کے آس

پاس کے چھوڑے جاگیرداروں نے شیر شاہ کے پاس شکایت کی کہ شیر خاں کے بیٹے اس علاقے کے غریبوں اور کمزور لوگوں پر زیادتی اور ظلم کرتے ہیں۔ لیکن شیر شاہ ہمیشہ یہی کہہ دیتا کہ ابھی تو شیر خاں کا خون بھی اس زمین سے خشک نہیں ہوا۔ جہاں اس نے شہادت پائی ہے۔ اس کی خدمات اور جاں نثاری کا حق ابھی میرے ذمے ہے۔ اس کے بیٹوں کو میں کیسے سزا دوں اور مرتے دم تک چار بیٹوں کی ہر ممکن طریقے سے پوری پوری سرپرستی کرتا رہا۔ چاروں بھائیوں میں سے میاں عمر خاں اکثر اوقات دربار میں بادشاہ کی خدمت میں رہا۔" (4)

اور اسلام شاہ کے دور میں بھی ان لودھی جاگیرداروں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

"جب قرآنی آیہ کل نفس ذائقۃ الموت کے مطابق شیر شاہ عالم فانی سے عالم باقی کی جانب رحلت کر گیا تو اس کا لڑکا اسلام شاہ بادشاہ بنا اسلام شاہ نے بھی ان چاروں بھائیوں کی سرپرستی اور قدر و منزلت جاری رکھی سب کو علم تمغے اور نقارہ وغیرہ جیسے انعامات کے علاوہ درباری امراء جیسے بلند عہدوں پر فائز کیا۔ بہر حال اس شفیق و مہربان بادشاہ کی توجہ اور عنایت کی برکت سے ان میں سے ہر ایک کو تمغے اور دیگر انعامات ملے اور ہر ایک ترقی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچا اس بادشاہ کے زمانے میں محمود خاں اور میاں عمر خاں اکثر پٹیالی میں رہا کرتے تھے۔

اسلام شاہ کی حکومت کے آخری دنوں میں عالم خاں کی بیٹی بی بی لاجی کے بطن سے سنہ ۹۵۸ ہجری میں حق تعالیٰ شانہ نے میاں عمر خاں کو ایک نہایت خوب صورت وخوب سیرت نیک بخت اور سعید اختر بیٹا عطا کیا اس بچے کی ولادت باسعادت گوالیار کے قلعے میں ہوئی جب نجومیوں اور برہموں نے زائچے کے لیے اور علم نجوم وستارہ شناسی سے تقریموں اور اسطرلابوں کی مدد سے حساب لگایا تو سب نے یہی بتایا کہ اکثر وبیشتر ستارے سعد اور شریف برجوں میں ہیں سب نے میاں عمر خاں کو مبارک بادیں اور خوش خبریاں دیں کہ یہ لڑکا بہت خوش نصیب اور لودھیوں کے نام کو چار چاند لگانے والا ہوگا اور اپنے وقت کی ایک بلند اقبال شخصیت کی سرپرستی میں بلند ترین مقامات پر پہنچے گا اس کے ہاتھوں خاص وعام کی فلاح وبہبود کے بڑے بڑے عظیم کام سے انجام پائیں گے اور کسی خوش نصیب وعالی وقار حاکم کے وسیلے سے معزز ترین عہدوں پر فائز ہوگا۔

میاں عمر خاں نے اس روح پرور خوش خبری کو سن کر ایک شان دار ضیافت کا انتظام کیا اور اس میں اکثر افغان سرداروں کو دعوت دی اور بہت ہی خوشی کا اظہار کیا بچے کی پیدائش کے دن اور گھڑی کے پیش اپنے نور چشم کا نام دولت خاں رکھا اور پھر اپنی آنکھوں کے اس تارے کی پرورش اور تربیت میں کوئی کسر اٹھانہ

رکھی جب تک اسلام شاہ زندہ رہا میاں عمر خاں اس کے بھائی اور دوسرے خویش و اقرباء بادشاہ کے امراء میں شامل رہے اور بڑے امن چین سے زندگی بسر کرتے رہے۔"(5)

عدلی شاہ کے دور میں اس خاندان سے سوریوں کے اختلافات ہو گئے مگر پانی پت کی جنگ میں حمیت قومی کی وجہ سے اس خاندان کے لوگ افغان بادشاہ کی جانب سے جنگ میں شریک ہوئے اور مارے بھی گئے جبکہ میاں عمر خان گجرات کی طرف فرار ہو گیا۔

جب اسلام شاہ نے عالم فانی کو الوداع کہہ کر عالم باقی جا بسایا تو مبارز خاں نے جس کی بہن اسلام شاہ کے نکاح میں تھی بغیر استحقاق کے اور محض ہوا و ہوس نفسانی کی بنا پر اپنے بھانجے کو قتل کیا اور ظلم و فریب سے سلطان محمد عادل کا لقب اختیار کیا اور بادشاہ بن بیٹھا ان چاروں بھائیوں میں سے کوئی بھیا سے تخت نشینی کی مبارک باد دینے قلعہ گوالیار نہ گیا بلکہ اپنی جاگیروں پر ہی رہے۔ان کے ایسا کرنے سے دشمنی اور حسد و کینے کا داغ سلطان کے دل پر بیٹھ گیا چنانچہ اس نے ان کی جاگیریں چھین کر دوسرے لوگوں میں بانٹ دیں جب سلطان محمد عادل نے شاہ محمد خاں کوریہ کے فتنے کو دبانے کے لیے جھپڑ کھنڈ کا رخ کیا اور ان کے درمیان لڑائی میں شاہ محمد کے مارے جانے کے بعد وہ لکھنو کی جانب روانہ ہوا تو عمر خاں اپنے بھائیوں کو ساتھ لے کر لکھنو

پہنچا اور عادل بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوا۔

عادل شاہ نے دیرینہ دشمنی اور کینہ کی وجہ سے ان سب کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دینا چاہا اتفاقاً اس سے اگلے روز میاں عمر خاں کے تینوں بھائی محمود خاں قاسم خاں اور کمال خاں کورنش بجا لانے کے لیے دربار گئے لیکن خود عمر خاں کسی وجہ سے نہ جاسکا سلطان محمد عادل نے حکم دیا کہ ان تینوں کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیں اور تاکید کی کہ ان پر کڑی نگرانی رکھی جائے اور ان کے باقی اہل وعیال کو قلعہ چنار بھیج دیا۔ میں عمر خاں کو جب حقیقت حال معلوم ہوئی تو اس نے عادل شاہ کی سلطنت میں رہنا خطرے سے خالی نہ دیکھا اور فوراً اپنے اہل وعیال کو لے کر بھٹہ کے راجہ کی راجدھانی کے نزدیک ایک قصبہ اریل میں پناہ گزین ہوا اور وہیں رہنے لگا بھٹہ کے راجہ نے میاں عمر خاں کے آنے کی خبر سنی تو اس کا خیر مقدم کیا اور بڑے حسن سلوک سے پیش آیا کئی طرح سے اس کی مدد کی چند گاؤں اس کے گھوڑوں اور ہاتھیوں کے خرچ کے لیے پیش کیے کچھ عرصہ وہ اریل میں مقیم رہا اس عرصے میں وہ اپنے بھائیوں کے حالات سے بھی غافل نہ رہا اور جہاں تک ہوسکا ان کی مدد کرتا رہا۔

کچھ عرصہ بعد عدلی کو معلوم ہوا کہ ظل الٰہی اکبر بادشاہ کی مجاہد فوجیں چنار کے اطراف کی طرف بڑھ رہی ہیں تو عدلی بھی

لکھنو چنار آ گیا اور اپنے معتمد وزیر اور سپہ سالار ہیموں بقال کو ایک بہت بڑی فوج دے کر شاہی لشکر کا مقابلہ کرنے لیے بھیجا میاں محمود خاں قاسم خاں اور کمال خاں کو بھی قید سے رہائی بخش کر انھیں شاہانہ انعامات واعزازات سے نوازا بڑی بری جاگیریں اور اونچے اونچے مرتبے دے کر ہیموں کے ہمراہ روانہ کیا پانی پت کے میدان میں اس کے اور شاہی فوجوں کے درمیان مقابلہ ہوا شدید اور خونریز لڑائی کے بعد ہیموں پکڑا گیا۔ اور کیفر کردار کو پہنچا۔اس کی جنگ میں محمود خاں اور قاسم خاں بھی شہید ہو گئے ۔لیکن کمال خاں بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

میاں عمر خاں نے جب اپنے بھائیوں کی شہادت اور لودھیوں کے زوال اور شیرازہ بکھرنے کے متعلق سنا تو بے حد مغموم ہوا ملک کے اکثر علاقوں میں چونکہ مغلوں کا طوطی بولنے لگا تھا اس لیے اس نے اب مغل سلطنت میں رہنا مناسب نہ سمجھا اور سنہ ۹۶۳ ھ کے اواخر میں اپنے اہل وعیال اور خویش واقربا کو لے کر گجرات کے دار الخلافہ احمد آباد کی جانب روانہ ہوا اس کا لڑکا میاں دولت خاں ۴۵۹ ان دنوں ابھی سات سال کا تھا۔"

مگر ہمیں شیر شاہ کے عہد کے کسی لودھی حاکم کا نام نہیں ملتا یعنی کوئی ایسا لودھی جسے شیر شاہ نے کسی علاقے کا گورنر یا ناظم مقرر کیا ہو بلکہ ہمیں لودھیوں میں صرف جاگیردار یا درباری امراء یا فوجی عہدے دار ہی دکھائی دیتے ہیں اسکی وجہ غالباً یہ تھی کہ

کے سابقہ حکمران تھے اگر انکو کسی علاقے کا حاکم مقرر کر دیا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ وہاں بغاوت کر دیتا اور پھر دلی حاصل کرنے کی کوشش کرتا یہی حال اسلام شاہ سوری کے دور کا ہے ہمیں اسکے دور کے کسی اہم لودھی امیر حاکم یا درباری کا نام نہیں ملتا اسلام شاہ کے بعد عادل شاہ سور کے دور میں ہمیں نظام خان شاہو خیل کا نام ملتا ہے جس کو بادشاہ عادل سور نے برباد کرنے کی کوشش کی۔

حقیقت یہ ہے کہ لودھیوں کی حکمرانی کا دور ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا تھا۔ ان کے اندر قبائلی خود بھی نہیں تھی جو وہ قبائلیوں کو اکٹھا کرتے۔ وہ مقامی ہندوستان متذہیب میں ضم ہو چکے تھے۔ اب وہ نام کے پٹھان تھے۔ وگرنہ وہ شہری ہندوستانی بن چلے تھے۔

maablib.org

حواشی

1 شوکت لودھی III ص 258

2 مخزن ص 335-334

3 ایضاً ص 336

4 ایضاً ص 8-337

5 ایضاً ص 9-338

6 ایضاً ص 40-339

7 تاریخ شیر شاہی ص

8 اے رحیم ص 120

maablib.org

باب نمبر 34

اکبر اور دولت خان لودھی

اکبر برسر اقتدار آیا جو اکی پٹھانوں سے مخاصمت تھی چونکہ وہ کم عمر تھا لہذا اسکے امراء اسیر غالب تھے اسے اس کے اہل خانہ اور امراء نے یہ بتایا تھا کہ پٹھان برے ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے ہمایوں سے حکومت چھینی تھی اور اس لیے بھی کہ ابھی اس کا مقابلہ ان پٹھانوں سے ہونا باقی ہے جو بنگال سے گجرات تک جگہ جگہ حاکم ہیں اکبر کے عہد میں اس پروپیگنڈے کا کھلا اظہار اکبر نامہ اور آئین اکبری کے ان مختلف حصوں سے ہوتا ہے جو کہ پٹھانوں سے متعلق ہیں یہی وجہ ہے کہ اکبر کو پٹھانوں سے یک گونہ نفرت تھی اسکے علاوہ پٹھان مختلف علاقوں پر قابض تھے اکبر نے اپنے عہد میں ان پر حملے کیے اور انکے علاقوں کو زیر نگیں کیا پٹھانوں نے حکومت جانے کے بعد بھی اپنی مزاحمت جاری رکھی جس کی وجہ سے اس کے امراء میں پٹھان بہت کم ملتے ہیں۔

خصوصا لودھی قبیلے کے لوگ تو بہت ہی کم نظر آتے ہیں دولت خان لودھی اور شہباز لودھی کے علاوہ دیگر کوئی لودھی افغان ہمیں اکبر کے دربار میں نظر نہیں آتا ایک سور افغان حکیم خان سور ہمیں میواڑ کے راجہ رانا پرتاب سنگھ کے دربار میں ملتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوری افغان اکبر کے مقابلے میں ایک غیر مسلم کی ملازمت کو فوقیت دیتے تھے (1) البتہ فتح خان سور اکبر کے دربار میں بھی نظر آتا ہے اکبر کے 1451 اہم امراء میں سے صرف 11 افغان تھے اور وہ بھی بڑی پوسٹ پر فائز نہیں تھے۔ اکبر کے مخالفین میں البتہ کثرت سے لودھی افغان تھے سلیمان کلانی جو مشرق میں

مشہور بادشاہ تھا اس کا امیر امراء لودھی پٹھان تھا جو بہت دانا اور تجربہ کار تھا داؤد کرلانی نے ناتجربہ کاری سے اسے قتل کر دیا اور زبردست نقصان اٹھایا۔

''خانخاناں کے نام بادشاہ کا فرمان صادر ہوا کہ داؤد کو سزا دے کر ولایت بہار پر قبضہ کر لے اس زمانہ میں داؤد حاجی پور میں تھا لودھی جو اس کا امیر الامراء تھا اس کا مخالف تھا اور وہ قلعہ رہتاس میں نہایت استقلال کے ساتھ رہتا تھا۔ منعم خاں خانخاناں فتح مند شاہی فوجوں کے ساتھ پٹنہ اور حاجی پور کے نواح میں پہنچا لودھی کو افغانوں کی بربادی کا یقین ہو گیا۔ باوجودیکہ داؤد خاں سے اس کو مخالفت تھی۔ مگر خانخاناں سے صلح کی تحریک اور قدیم شناسائی و تعارف کی بنا پر جو خانخاناں کو سلیمان سے تھی اس کو یاد کر کے یہ طے پایا کہ دو لاکھ روپیہ نقد اور ایک لاکھ کا دوسرا قیمتی ساز و سامان کپڑا وغیرہ نذرانہ میں پیش کرے اور خانخاناں شاہی فوجوں کو واپس لے جائے جلال خاں کروری کو بھیجا اور صلح کے شرائط سے داؤد خاں کو اطلاع دی۔

چونکہ داؤد خاں عیاش و اوباش طبع تھا اور امور دلیوی کا کوئی تجربہ نہ رکھتا تھا لہٰذا اس نے قتلو لوحانی کے ورغلانے سے جو مدتوں ولایت جگنات پوری پر قابض رہا تھا اور سربدھر نام بنگالی ہندو کے بہکانے اور اپنی ناسمجھی کی بنا پر لودھی کو جو امیر الامراء اور مدار الملک تھا گرفتار کر کے قید کر دیا اور اسے سربدھر بنگالی کے

سپرد کر دیا۔ لودھی نے قید خانہ میں قتلو اور سد بدھر بنگالی کو بلایا اور داؤد کو پیغام بھیجا کہ اگر ملک کی بہتری میرے قتل کرنے میں سمجھتے ہو تو یہ کام کر کے جلد اپنی طبیعت کو مطمئن کر لو اگرچہ میرے قتل کے بعد بہت پریشان و نادم ہو گئے میں چونکہ کبھی تمہاری خیر خواہی سے باز نہیں رہا ہوں اور ہمیشہ نصیحت کرتا رہا لہٰذا اب پھر نصیحت کرتا ہوں اس پر ضرور عمل کرو اس میں تمہاری بہتری ہے اور وہ نصیحت یہ ہے کہ میرے قتل کے بعد فوراً مغلوں سے جنگ کرنا یہاں تک کہ تمہاری فتح ہو جائے اگر تم نے یہ کام نہیں کیا تو مغل تم پر حملہ کریں گے اور پھر مرض لاعلاج ہو جائے گا۔

مدہ فرصت از دست گر بایدت
کہ گوئے سعادت ز میداں بری
کہ فرصت عزیز است چوں فوت شد
بدست حسرت بدندان گزی

مغلوں کی صلح کے دھوکے میں نہ آنا وہ موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے چونکہ داؤد کا بلکہ تمام افغانوں کا ستارہ اقبال گردش میں آنے والا تھا اور خدا تعالیٰ ان کی حکومت پر زوال لانے والا تھا اور اکبر بادشاہ کے عدل و انصاف کا سورج ولایت بنگالہ کے ستم رسیدوں پر چمکنے والا تھا لہٰذا داؤد کی یہ رائے ہوئی کہ لودھی کو درمیاں سے ختم کر دیا جائے تاکہ حکومت میں استقلال

کے ساتھ اطمینان ہو جائے۔ قتلو لوحانی اور سر بدھر بنگالی لودھی
کے مخالف تھے وہ جانتے تھے کہ اگر لودھی درمیان سے اٹھ گیا تو
وکالت وزارت کے عہدے ہم کو ملیں گے موقع کو غنیمت سمجھ کر
خود کو داؤد کے سامنے بے غرض ظاہر کیا اور ایسے معاملات داؤد
کے سامنے بار بار بیان کیے کہ جن کی بنا پر لودھی کا قتل لازمی
ہو جائے داؤد جو بادہ ارغوانی سے مست اور جوانی سے مغرور تھا
اپنے مشفق نصیحت کرنے والوں کی نصیحتوں پر متوجہ نہ ہوا اور اس
کو قتل کرا دیا اس کے ہاتھی خزانے اور تمام فوج پر قبضہ کر لیا چونکہ
نادان و احمق بھی تھا لہذا دشمن کے دفعیہ کی مطلق پروانہ کی اور اسی
صلح ناتمام پر جو لودھی سے ہوئی تھی اعتماد کیے رہا اور اکبر بادشاہ کی
پروانہ کی۔

جب لودھی کے مارے جانے کی خبر خانخاناں کی مجلس میں کہ جو مشہور امراء سے عبارت تھی مذکور ہوئی تو خانخاناں نے ولایت بنگالہ اور لکھنوئی کی فتح کا ارادہ کیا اور پٹنہ و حاجی پور کی طرف متوجہ ہوا وہ نہایت اطمینان کے ساتھ متواتر کرچ کرتا ہوا پٹنہ کے نواح میں پہنچا داؤد نے لودھی کے قتل پر افسوس کیا کیونکہ وہ حسن تدبر اصابت رائے اور دانش مندی سے مملکت بنگالہ کو دشمنوں سے محفوظ رکھتا تھا داؤد نہایت محزون و مغموم ہوا۔"(2)

اکبر کے درباریوں میں ہمیں ایک نام شہباز لودھی کا ملتا ہے جو اکبر کی جانب سے اسکے باغی بھائی مرزا حکیم سے لڑنے گیا تھا کہیں اس کا صرف نام ہی ملتا ہے

) جس شخص کا ہمیں نام خاص تذکرے کے ساتھ ملتا ہے وہ دولت خان لودھی ہے۔

دولت خان لودھی

دولت خان لودھی میاں عمر خان لودھی یوسف خیل کا بیٹا تھا اور بی بی لاجی دختر عالم خان لودھی شاہو خیل کے بطن سے تھا وہ 958ھ 1551ء کو گوالیار کے قلعے میں تولد ہوا اس کا والد میں عمر خان لودھی اسلام شاہ کے ساتھیوں میں تھا مگر عدلی شاہ کی اس خاندان سے دشمنی تھا اس نے میاں عمر کے بھائیوں محمود خان قاسم خان اور کمال خان کو قید کرلیا تھا مگر جنگ پانی پت دوم کے مواقع پر ان سب کو رہا کردیا اور یہ تینوں انکی جانب سے اس جنگ میں شریک ہوئے محمود خان اور قاسم خان لڑتے ہوئے مارے گئے جبکہ کمال خان جان بچا کر بھاگ نکلا میاں عمر اسوقت راجہ بھٹہ کے ہاں پناہ گزار تھا وہ جنگ کا حال سن کر احمد آباد گجرات روانہ ہوگیا احمد آباد میں تاتار خان ولد امین خان شاہی دربار میں تھا اسے عالم خان ثانی بھی کہتے تھے یہ میاں عمر خان کا سالا تھا اس نے میاں عمر کی مدد کی اور گجرات میں اسکے قیام کو یقینی بنایا اس عرصے میں جبکہ میاں عمر خان گجرات میں مقیم تھا تو میاں دولت خان لودھی بالغ ہوگیا اور اس نے حاجی خان لودھی کی ملازمت کرلی اور موضع اٹاوہ نزد احمد آباد اسے جاگیر میں ملا یہیں اسکی شادی بھی ہوگئی جب اکبر نے گجرات پر حملہ کیا تو میاں عمر ایک گجراتی امیر امیر محمد خان رشیر خان فولادی کی جانب سے لڑتا ہوا مارا گیا چونکہ میاں عمر کے مخالف کیمپ میں تھا لہذا وہ سورت کی جانب نکل گیا۔(4)

میاں دولت خان لودھی عرصے تک سورت میں ہی رہا پھر اپنے پیر شاہ ابوتراب کے کہنے پر احمد آباد گیا اور خان اعظم اتکہ خان گورنر گجرات کے درباریوں میں شامل ہوگیا۔ اسے چھالہ واڑ کا پرگنہ تنخواہ میں دیا گیا جب اکبر نے خان اعظم کو آگرہ طلب کیا تو دولت خان لودھی بھی اسکے ساتھ تھا راستے میں راجپوتوں سے جھڑپ ہوگئی جس میں دولت خان نے بہادری کا مظاہرہ کیا اور انکو شکست دی خان اعظم نے دولت خان کو انعام دیا دولت خان کا یہ قصہ اکبر تک بھی پہنچ گیا اور جب خان اعظم اکبر کے روبرو گیا تو اکبر نے دولت خان لودھی کو بھیج بلالیا اور اسکی عزت افزائی کی۔(5) کچھ عرصے بعد خان اعظم اتکہ خان کو زوال آگیا اور اسے گوشہ نشین ہونا پڑا اور اسی کی سفارش سے دولت خان لودھی سپہ سالار خان خانان کے ہاں ملازم ہوگیا۔

نواب سپہ سالار خان خانان کے ساتھ دولت خان 30 سال تک رہا اور یہی اسکے عروج کا دور تھا اسی دوران مصنف مخزن افغانی نعمت اللہ ہروی خان خانان کی لائبریری کا داروغہ تھا وہ بیان کرتا ہے کہ اس کے دور میں خان خانان اور دولت خان لودھی کی خط و کتابت محفوظ تھی۔(6) پھر وہ میں خان خانان اور نواب شہباز خان کھمبو رانا سانگا کی سرکوبی کے لیے گئے اور دولت خان لودھی بھی انکے ساتھ تھا اس مرحلے پر نواب شہباز خان کنبوہ اور دولت خان لودھی میں جھگڑا ہوگیا کچھ عرصے کے بعد خان خانان کی سفارش سے دولت خان لودھی کو دربار اکبری سرکاری ملازمت مل گئی اور وہ درباریوں میں شامل ہوگیا۔ 989ھ 1581ء میں جب اکبر نے خان خانان کو گجرات کو فتح پر روانہ کیا تو دولت خان لودھی بھی خان خانان کے ساتھ تھا۔ دراصل اسی فتح پر نواب سپہ سالار کو خان خانان کا خطاب ملا تھا چند برس بعد جب خان خانان واپس

جانے لگا تو دولت خان لودھی کو گجرات میں اپنا نائب بنا گیا پھر جب سندھ کی فتح کا حکم ملا تو خان خانان کی سربراہی میں دولت خان لودھی بھی ان مہمات میں شریک رہا۔ دولت خان نے کافی بہادری دکھائی اور اسے دو ہزاری کا منصب دیا گیا دکن کی فتح پر اکبر نے شہزادہ مراد کو روانہ کیا اسکی وفات کے بعد شہزادہ دانیال اس کام پر مقرر ہوا اسی دوران نواب خان خاں ان دونوں شہزادوں کا اتالیق اور راہنما رہا دراصل اصل کرتا دھرتا خان خانان ہی تھا جبکہ میاں دولت خان لودھی اس کا دست راست تھا دریائے بان گنگ کی جنگ میں دولت خان نے بڑی بہادری دکھائی اسکے بعد بھی دولت خان اپنے بیٹوں میاں محمد خان اور میاں پیر خان کے ساتھ شریک رہا اور میاں پیر خان ایک جنگ میں زخمی بھی ہو گیا میاں دولت لودھی کی بہادری دیکھ کر شہزادہ دانیال نے اسے خان خانان کے امراء سے نکال کر اپنے امراء میں شامل کر لیا اور دولت خان لودھی کو تین ہزاری کے منصب پر ترقی دے دی گئی اور شہزادے کی جانب سے اسے مسند عالی کا خطاب ملا اور اسے اور اسکے بیٹوں کو بھی پرگنے بطور جاگیر دیئے گئے مخزن میں اسکی تفصیل یوں ہے۔

"خانخاناں کے اس ایثار سے شاہزادہ بے حد خوش ہوا اور اس نے دولت خاں کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا اور اسے گلے لگا لیا دولت خاں کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اسی وقت انھیں خلعت خاص مرصع خنجر اور تلوار عراقی نسل کا گھوڑا اور چھ پرگنے جاگیر کے طور پر عنایت فرما کر تین ہزاری کے منصب پر ترقی دی یہ واقعہ صفر ۱۰۰۹ ہجری میں پیش آیا شاہزادے نے اپنے سارے امور کی

زمام اختیار میاں دولت خاں کے ہاتھ میں دی اور ساتھ ہی اسے مسند عالی کے خطاب سے بھی نوازا اور ان کے بیٹوں کو بھی اپنے درباریوں میں شامل کر کے انھیں اکثر باریاب ہونے کی اجازت بخشی اپنی محفلوں میں شاہزادہ انھیں ہم کلامی کا شرف بھی بخشتا بہت سے خسروانہ انعامات و اعزازات سے بھی انھیں سرافراز فرمایا اس طرح شاہزادے نے ان تینوں باپ بیٹوں کو شاہانہ عنایات سے اس قدر قریب کر لیا کہ پر بھر کے لیے بھی انھیں اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ دولت خاں کے بیٹوں کو بھی معزز عہدوں اور ان کی پسندیدہ جاگیروں سے نوازا۔

جو چھ پرگنے انھیں جاگیر کے طور پر دیئے گئے ان کے نام یہ ہیں۔

پرگنہ گاوی جو صوبہ گجرات میں واقع ہے پرگنہ ناکلور دکن سے علاقہ سورجے بردھن کڑہ بھی کہتے ہیں دکن کے پرگنہ دیول گانوں پرگنہ بھیل گانوں اور پرگنہ دھاوہ غرض اس قدر شاہانہ نوازشوں اور اعزازات کی بارش کی کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جب حضرت عرش آشیانی برہان پور تشریف لائے تو انھوں نے شاہزادہ کو اپنے حضور طلب کیا احمد نگر سے چلتے وقت شاہزادہ نے میاں دولت خاں کو تمام سرکاری و درباری امور کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لیے وہیں چھوڑا اور خود برہان پور روانہ ہو گیا شاہزادہ کی موجودگی میں میاں دولت خاں نے سارے فوجی اور انتظامی معاملات میں اپنے فرائض کو بڑی کامیابی سے انجام دیا۔" (7)

مگر اسکے کچھ ہی عرصے کے بعد میاں دولت خان لودھی کا 28 شعبان

1010ھ / سنہ کو انتقال ہو گیا۔

دولت خان لودھی کے حلقے میں بہت سے لودھی اور افغان سپاہی شامل تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سابقہ شاہی خاندان سے دولت خان لودھی کی کئی رشتہ داریاں تھیں۔ جب وہ سیاست میں آیا تو اس کا پورا کنبہ اس کے ساتھ تھا۔ اس کی اپنی فوج میں اس کے کئی بھائی، بھتیجے اور رشتہ دار تھے۔ اس کے ساتھ پورا ایک گروہ تھا جس میں اکثریت اسی قوم کے لوگوں کی تھی جیسا کہ اس دور کا رواج بھی تھا۔ اس کی طاقت اور اہمیت نے اس کے مرتبے میں اضافہ کیا تھا۔ اور اسی طاقت کی وجہ سے اسے عہدے ملے تھے۔ اس کے بیٹے خان جہان لودھی کی ترقی کی بنیاد بھی اس کا اپنا کردار و اقتدار تھا۔ دولت خان لودھی بہت باا ثر شخص تھا۔ کہتے ہیں کہ اکبر دولت خان لودھی سے پریشان تھا اور اسے ڈر تھا کہ یہ مغلیہ حکومت کو نقصان نہ پہنچائے مآثر الامراء میں درج ہے۔

''شاہزادہ سلطان دانیال نے بہت خواہش سے اس کو اپنے ملازمین میں شامل کر لیا اور دو ہزاری منصب سے سرفراز کیا جب شاہزادہ احمد نگر سے فتح اسیر کی مبارک باد کے لیے بادشاہ کی خدمت میں روانہ ہوا تو اس نے دولت خاں کر مرا شاہ رخ کی مدد کے لیے چھوڑ دیا کہ جو اس علاقے کی نگرانی کے لیے مقرر تھا۔ پینتالیسویں سال جلوس اکبری ۱۰۰۹ھ مطابق ۱۶۰۰ء کے آخر میں قولنج کی بیماری سے احمد نگر میں فوت ہو گیا وہ مرد شجاع اور دنیا کی بہادروں کا سردار تھا اکبر بادشاہ ہمیشہ اس کی

جرات وشجاعت سے متردد رہتا تھا کہتے ہیں کہ جب اس کے
انتقال کی خبر پہنچی تو اکبر نے فرمایا کہ آج شیر خاں سور دنیا سے گیا
اس کی عجیب عجیب حکایتیں بیان کی جاتی ہیں۔" (8)

میاں دولت خان لودھی کی وفات کے 4 سال بعد اکبر بادشاہ بھی فوت ہو گیا یوں ان دونوں کا عرصہ برابر رہا یعنی دونوں ہم عصر رہے۔

دولت خان لودھی کا کردار

دولت خان لودھی ایک پڑھا لکھا اور سمجھدار شخص تھا۔ چونکہ اس کے اجداد نے ہمیشہ مغلوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا لہذا اس نے مغلوں کی ملازمت اختیار کرنے میں بہت احتیاط برتی۔ اس نے مغل بادشاہ کی ملازمت اختیار نہیں کی بلکہ پہلے وہ خان اعظم کا ملازم رہا اور اس کے بعد وہ نواب سپہ سالار خان خانان کی ملازمت میں آ گیا۔

دولت خان نے جہاں بھی ملازمت کی بہت وفاداری اور ایمانداری سے کی۔ اس نے دوران ملازمت نہ تو کبھی دھوکہ کیا اور نہ ہی کسی قسم کا لالچ کیا۔ اس کے اندر حق اخلاق، شجاعت، سخاوت، حیاء، حلم، کرم اور جوان مردی کی خوبیاں موجود تھیں۔ ہندوستانی نژاد ہونے کی وجہ سے سلاطین کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے آداب سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔

مذہبی طور پر وہ کٹر مسلمان اور مفتی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ علماء صوفیاء کرام کی قدردانی کرتا تھا۔ شریعت کے کاموں میں پکا تھا۔ وہ ایک اچھا منتظم تھا۔ جب

شہزادہ دانیال بادشاہ سے ملنے گیا تو اس نے دکن کے مقبوضہ علاقوں کا تمام انتظام دولت خان لودھی کے سپرد کیا حالانکہ اس وقت اور بھی مغل موجود تھے مگر دولت خان کی صلاحیتیں کو مانتے ہوئے ان کو اس کام پر لگایا گیا۔ وہ ایک اچھا سپاہی بھی تھا اور بے خطر جنگ میں کود جاتا تھا۔ اس نے کئی مواقع پر بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے اور یہی چیز اس کی ترقی کا باعث بنی۔ اس نے شہباز خان کو ترکی بہ ترکی جو جواب دیا اس سے اس کی شجاعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ذیل میں مغل تذکرے "مآثر الامراء" سے اس کی بہادری کے کچھ واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ شہباز خاں کنبوہ ۹۸۶ھ مطابق ۱۵۷۸ع چوبیسویں سال جلوس اکبری میں رانا کی تنبیہ کے لئے مقرر ہوا وہ قاعدے اور قانون کی پابندی بہت کرتا تھا خود چند خادموں کے ساتھ آگے آگے چلتا تھا اور تمام منصب دار اور ملازمین اسلحہ لے کر چلتے تھے۔ اس قسم کا انتظام ہوتا تھا کہ کسی کا گھوڑا ایک کان بھر آگے نہ بڑھ سکے ایک دن خانخاناں عبدالرحیم جو مددگاروں میں تھا اس کے ساتھ گھوڑے پر سوار چل رہا تھا دولت خاں فوج سے نکل کر آگے بڑھ گیا اور نقیبوں کے کہنے کی پرواہ نہ کی شہباز خاں کے اشارے سے جو بہت ہلکی طبیعت رکھتا تھا اس کے بھائی عبدل خاں نے گھوڑے کو مہمیز کی اور دولت خاں کے گھوڑے کی تھوتھنی پر چھڑی ماری اس نے تلوار نکال کر اس کے گھوڑے کے چوتڑوں پر ایسا وار کیا کہ وہ زمین پڑا شہباز خان نے لشکریوں

سے کہا کہ پکڑ لو کہتے ہیں کہ دولت خاں نے اس روز بہت تیز دستی اور بہادری دکھائی اور مردانہ وار لشکر سے نکل آیا لیکن افغانوں نے گھیر لیا خانخاناں اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کی وجہ سے شہباز خاں کے دروازے پر شام تک بیٹھا رہا شہباز خاں گھر سے نکل کر خانخاناں سے بغل گیر ہوا اور گھر جانے کی اجازت دی دوسرے روز خانخاناں دولت خاں کو اس شہباز خاں کے مکان پر لے گیا اور اس کی سفارش کی شہباز خاں نے اس دولت خاں کو گھوڑا اور خلعت دے کر کہا کہ تم لشکر کے سردار ہو ہمیشہ آگے آگے چلا کرو۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ ابوالفضل مہمات دکن میں مقرر ہو کر آیا تو ایک روز شیخ نے کسی بار پر کہا کہ کتابوں میں شمشیر ہندی کا ذکر ہے مگر ہم نے نہیں دیکھی دولت خاں اس اشارے کو سمجھ گیا اور تلوار بلند کر کے کہا کہ ہندی تلوار یہ ہے اگر تیرے سر پر وار کروں ح تو تیری مقعد تک پہنچے گی اس جلسے میں خانخاناں بھی بیٹھا تھا خانخاناں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور باہر لے آیا شیخ ابوالفضل کو بہت ناگوار ہوا اس کے بعد خانخاناں معذرت اور عذر کے لئے شیخ کے مکان پر لے گیا اور معذرت کی شیخ اٹھ کر بغل گیر ہوا ہاتھی اور خلعت عنایت کر کے کہا کہ میرا یہ منشا نہ تھا۔ زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ذخیرۃ الخوانین میں تحریر ہے کہ جب شاہزادہ دانیال نے کہ جو خانخاناں سے رنجیدہ

خاطر تھا جوانی کے جوش میں اپنے شریر طبع ہم نشینوں میں سے ایک کی جانب اشارہ کیا کہ جس وقت خانخاناں آئے تو اس کے پہلو پر ایسا دھکا دو بینا کہ قلعہ برہان پور سے جو دریائے تاپتی پر واقع ہے نیچے گر پڑے چنانچہ ایک دن یہی سلوک خانخاناں کے ساتھ کیا گیا۔ اتفاق سے وہ خود قائم رہا لیکن پگڑی اس کے سر سے نیچے گر گئی شاہزادہ تو اوضع کے طور پر خود اٹھا اور خانخاناں کا ہاتھ پکڑ لیا اور معذرت کی نشے کی حالت تھی دولت خاں نے ہاتھ بڑھا کر شاہزادے کی دستار اتار کر خانخاناں کے سر پر رکھ دی اور اپنے مکان پر لے گیا باوجودیکہ یہ روایت خلاف عقل معلوم ہوتی ہے از نقل کے مطابق بھی نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس زمانے میں دولت خاں شاہزادے کی رفاقت میں تھا خانخاناں کے ہمراہ نہ تھا کمالا یخفی علی اہل التتبع جیسا کہ اہل تتبع سے پوشیدہ نہیں ہے۔

مگر اس جرات اور بہادری کے باوجود دولت خان لودھی نے اپنے آقاؤں سے ہمیشہ وفاداری کی۔ اس نے کس موقع پر غداری نہیں کی اور نہ ہی بغاوت کا خیال کبھی اس کے دل میں آیا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اکبر بادشاہ دولت خان لودھی کو اتنا بڑا خطرہ ہی سمجھتا تھا۔ جتنا بڑا کہ وہ شیر شاہ سوری کو خیال کرتا تھا مگر شاید دولت خان لودھی کو ہندوستان افغانوں کے

اندر عصبیت کے خاتمے کا احساس ہو چکا تھا۔ اس لئے اس نے کبھی بغاوت کرنے یا افغان سلطنت کے قیام کا نہیں سوچا۔ دولت خان بزرگوں کے تجربات اور اپنے حالات کے مشاہدہ سے اچھی طرح واقف ہو گیا تھا کہ مغل حکومت کو استحکام حاصل ہو چکا ہے اور اب ان سے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانا افغانوں کیلئے مشکلات پیدا کرنا ہے۔

حواشی

1 رئیا جوشی ص 78
2 طبقات II ص 4-303
3 اکبرنامہ III ص 520
4 مخزن ص 345-340
5 ایضاً ص 347-345
6 ایضاً ص 348
7 ایضاً ص 357-356
8 مآثر الامراء II ص 9
9 ایضاً ص 10-9

maablib.org

باب نمبر 35

خان جہاں لودھی (1): عہد جہانگیری

جب جہانگیر نے، اکبر بادشاہ کے خلاف بغاوت کی تو خان اعظم مرزا عزیز کوکہ اور راجہ مان سنگھ نے شہزادہ خسرو کا ساتھ دیا۔ جو جہانگیر کا بیٹا تھا مگر اس کا مخالف بھی تھا۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر کی جگہ خسرو تخت نشین ہو۔ اس طرح سے جہانگیر کو مغل دربار کے مغل اور راجپوت امراء کی خطرناک طاقت کا اندازہ ہو گیا تھا تخت نشینی کے بعد جہانگیر نے جو پالیسی اختیار کی اس می اس نے مغل و راجپوت امراء کی طاقت ک مقابلے پر افغان طاقت کو لانا چاہا جو مغلوں اور راج پوتوہ سے زیادہ شجاع اور طاقتور رہے۔ جہانگیر کے ابتدائی دور میں مشرق میں افغانوں کی سلطنت ختم ہو گئی اور اس نے ہر طرح سے افغانوں کی رام کیا۔ ان کو مراتب اور عہدے دیئے اور ان کو اعتماد میں لیا۔

جہانگیر کے پورے دور میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ قابل اعتماد اور اس کا چہیتا میر خان جہان لودھی تھا جو دولت خان لودھی کا بیٹا تھا۔ یہ شجاع اور بہادر بھی تھا اور قبائلی افغانوں کے علاوہ ہندوستان افغانوں کی ایک بڑی تعداد اس کے ساتھ تھی۔ اپنے باپ کے ساتھ رہنے سے اسے فوجی تجربہ بھی حاصل تھا اور انتظامی صلاحیت اس مُس موجود تھی۔ اس کے علاوہ رفاہ عامہ کے کاموں کی وجہ سے وہ عوام میں بھی ہردل عزیز تھا۔ ان ہی خاص کی بنا پر وہ ترقی کرتا گیا اور اسے جہانگیر نے اپنے بیٹے کا درجہ دیا۔

دولت خان لودھی کی وفات کے 4 برس بعد 1014ھ / سنہ میں اکبر بادشاہ بھی فوت ہوگیا اور اس کا بیٹا جہانگیر بادشاہ بنا دولت خان لودھی کے 2 لڑکے اس وقت بقیہ حیات تھے ایک کا نام میاں محمد خان لودھی تھا اور دوسرے کا نام میاں پیر خان لودھی تھا۔ دولت خان لودھی کی وفات کے بعد شہزادہ دانیال نے ان دونوں کو اپنے امراء میں شامل کرلیا اور ان دونوں کے بھی نواب سید سالار خان کا ان سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ میاں محمد خان 986ھ / سنہ میں پیدا ہوا تھا۔ اور میاں پیر خان 988ھ / سنہ میں پیدا ہوا تھا۔ گویا باپ کی وفات کے وقت ان دونوں کی عمریں بالترتیب 24 سال اور 22 سال تھیں۔

یہ دونوں بچپن میں ہی میاں دولت خان کے ساتھ ہی مختلف جنگوں میں شریک رہتے تھے کچھ ہی عرصے کے بعد میاں محمد خان شاہ عبداللہ سرمست ساکن برہان پور کا مرید ہوگیا اور اسی کی صحبت میں اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا۔ کچھ عرصے بعد کول اور بھیل لوگوں سے ایک مدبھیڑ میں مارا گیا۔ یہ 1011ھ / سنہ کا واقع ہے میاں محمد خان کے دو بیٹے میاں عزیز خان اور بہادر خان تھے۔

بنگال آمد

مآثر الامراء میں ہے کہ نوجوانی میں پیر خان اور محمد خان دونوں بھائی اپنے باپ سے ناراض ہو کر راجہ مان سنگھ کے پاس چلے گئے تھے اور وہاں انہوں نے راجپوتوں سے جنگیں کیں مگر راجہ مان سنگھ نے سمجھا کر واپس بھیج دیا۔

''وہ دولت خان لودھی شاہو خیل کا لڑکا ہے اس کا نام پیر خاں تھا

وہ آغاز جوانی میں اپنے باپ سے لڑ کر اپنے بڑے بھائی محمد خاں
کے ہمراہ راجا مان سنگھ کے پاس بنگالہ پہنچا ایک روز وہ دونوں
چاہتے تھے کہ دریا کو عبور کر کے شہر میں داخل ہوں کہ کشتیوں
کے کنارے کچھ جھگڑا ہو گیا اور پھر باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی
اتفاق سے راجا کے دو بھتیجے مارے گئے اس کے بعد راجا کو جب
یہ حال معلوم ہوا تو اس نے سابقہ جان پہچان کی وجہ سے تیس ہزار
روپیہ دے کر رخصت کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ راجپوتوں سے ان
کو تکلیف پہنچے۔"

مآثر الامراء میں ہے کہ شہزادہ دانیال نے اسے فرزند کا خطاب دیا تھا اور اسکے ساتھ بیٹوں کا سا سلوک کرتا تھا۔

"محمد خاں عین جوانی میں مر گیا اور پیرا اپنے اقبال کی مدد سے
شاہزادہ سلطان دانیال کا منظور نظر ہو گیا کہتے ہیں کہ اسے اس
قدر مصاحبت اور قرب حاصل ہوا کہ کوئی غیریت باقی نہ رہی اور
وہ طلبی کے وقت فرزند کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔" (6)

1012ھ میں شہزادہ دانیال کا انتقال ہو گیا۔ میاں پیر خان لودھی نے نواب سپہ سالار خان جہاں کی ملازمت اختیار کر لی اسکے بعد 1014ھ میں اکبر بادشاہ کا بھی انتقال ہو گیا اور جہانگیر بادشاہ تخت نشین ہوا جہانگیر کو پیر خان لودھی کے حالات اور خدمات معلوم تھیں اور اس نے عالم شہزادگی میں اسے بلایا بھی تھا مگر شہزادہ دانیال نے اسے اجازت نہ دی تھی۔

جہانگیر سے وابستگی:

جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو امرائے دکن کو طلب کیا انھیں سے ایک مغل امیر مرزا علی نے بادشاہ کے سامنے میاں پیر خان لودھی کی تعریف کی جہانگیر نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا میاں پیر خان لودھی لاہور میں آ کر جہانگیر سے ملا جہانگیر نے پیر خان کو انعامات دیئے اور کچھ عرصے بعد اسے دو ہزاری منصب اور صلابت خان کا خطاب دیا پھر جہانگیر کابل کے سفر پر گیا تو میاں پیر خان بھی اسکے ساتھ گیا کابل سے لاہور واپس آ کر جہانگیر نے اسے اپنا منہ بولا بیٹا (فرزند) بنالیا اور اسکے منصب کو بھی بڑھا کر پانچ ہزاری کر دیا اور خان جہاں کا خطاب عطاء کیا مخزن میں اس کی تفصیل یوں درج ہے:

"بادشاہ سلامت نے ان پر طرح طرح کی شاہانہ عنایات و نوازشات کی بارش کر دی اس کے علاوہ خلعت خاص اور ایک مرصع خنجر بھی عنایت فرمایا اس کے بعد روز بروز شاہانہ شفقتوں اور مہربانیوں میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصے میں شہنشاہ سلامت نے انھیں اپنی بزم خاص کے مصاحبوں اور ندیموں میں شامل کر لیا نیز انھیں صلابت خاں کا خطاب اور دو ہزاری منصب پر ترقی دے کر سرافراز فرمایا۔ کچھ دنوں بعد جب حضرت ظل الٰہی نے کابل کی سیر کا ارادہ فرمایا جو ارغوان زار کا نمونہ بنا ہوا تھا تو قبلہ نواب صاحب بھی ہمرکاب تھے اس سفر

میں بادشاہ سلامت ہر روز ان پر کوئی نہ کوئی نئی نوازش کر کے انھیں سر بلند فرماتے جب بادشاہ سلامت کابل کے سفر سے بخیر و عافیت دارالسلطنت لاہور واپس پہنچے تو انھوں نے نواب صاحب قبلہ کو اپنے منہ بولے بیٹے کا خطاب خانجہان کا لقب اور پانچ ہزاری منصب پر ترقی دے کر عزت افزائی فرمائی نواب صاحب موصوف کی انگوٹھی کے مندرجہ ذیل شعر بھی خود ہی مولانا احمد مہر کن کو جو اپنے فن میں یکتائے روزگار تھا نشا فرمایا جس سے حضرت خاقانی کی موزونی طبع کا پورا ثبوت ملتا ہے مولانا احمد وہ شعر انگشتری پر کندہ کر کے حاضر خدمت ہوئے شعر یہ ہے۔

فرزند خاص شاہ شد از قدرت الٰہ

خان جہان مرید جہانگیر بادشاہ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جہانگیر بادشاہ کا وفا شعار مرید خانجہان شاہ کا فرزند بھی بن گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بڑی شفقت سے وہ انگوٹھی نواب صاحب کو عطا کی اور انھوں نے اسے چوما ماتھے سے لگایا اور بادشاہ سلامت کی اس عنایت خاص کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انگلی میں پہن لیا اس کے بعد شاہ کی شفقتوں اور عنایتوں میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔" (7)

مخزن کیمیان میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے کیونکہ تزک جہانگیری میں بھی اس کا تذکرہ ہے جہانگیر نے پیرا خان کو اعزاز عطاء کرنے اور اس پر اعتبار کرنے کا تذکرہ اسطرح سے کیا ہے:

"۲ ذی الحجہ کو خرم کو ممتاز منصب عطا کر کے جاگیر عنایت کی اسی دن پیر خان ولد دولت خاں لودھی کو جو دانیال کے اہل و عیال کے ساتھ خاندیس سے آیا تھا صلابت خان کا خطاب دے کر ممتاز منصب پر سرفراز کیا۔ دولت خان صلابت خان کا چچا تھا جب ابراہیم لودھی بن سکندر لودھی نے اپنے عوام سے بہت بدسلوکیاں کرنی شروع کیں تو دولت خان نے اپنے چھوٹے بیٹے دلاور خان کو شہنشاہ بابر کی خدمت میں ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دینے کے لیے روانہ کیا۔ جب شہنشاہ بابر نے ہندوستان فتح کر کے لاہور میں قیام کیا تو دولت خاں ان کی خدمت میں حاضر ہوا دولت خان ایک نیک سیرت اور عمر رسیدہ آدمی تھا اسے دیکھ کر شہنشاہ بابر بہت خوش ہوئے اور انہیں اپنا باپ کہہ کر مخاطب کرتے تھے انہوں نے صوبہ پنجاب کی حکومت انہیں کے سپرد کی اور دلاور خاں کو لے کر واپس کابل چلے گئے دوسرے مرتبہ جب وہ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو دولت خاں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ عرصے کے بعد وہ فوت ہو گیا اس کی جگہ دلاور خاں کو خانخاناں کے خطاب سے سرفراز کیا یہ شہنشاہ بابر اور ابراہیم لودھی کی جنگ میں خدمت انجام دیتا رہا اس کے بعد شہنشاہ ہمایوں کی خدمت میں بھی رہا لیکن تھانہ مونگیر کے مقام پر شیر خان افغان کے ہاتھوں گرفتار رہوا۔ جس نے

اسے دیوار میں چنوا دیا عمر خان دلاور خاں کا چچازاد بھائی تھا سلیم شاہ ولد شیر خاں افغان کی وفات کے بعد یہ گجرات چلا گیا جہاں وہ خود بھی فوت ہو گیا۔ اس کے بیٹے دولت خان نے بیرم خان کے بیٹے عبدالرحیم خانخانان کے ساتھ وابستگی کر لی خانخاناں اسے اپنے بھائیوں سے بھی بڑھ کر سمجھتا تھا کیونکہ اس کی مردانگی اور شجاعت کی وجہ سے خانخاناں کو بہت سی فتوحات ہوئیں جب میرے والد بزرگوار نے خاندیس اور قلعہ اسیر کو فتح کیا تو شہزادہ دانیال کو وہاں کا حاکم مقرر کر کے خود آگرہ واپس آگئے دانیال نے دولت خاں چچی کو خانخاناں سے جدا کر کے اپنی ملازمت میں رکھ لیا اور اس پر طرح طرح کی مہربانیاں کیں حتی کہ دانیال کی خدمت کرتے کرتے وہ فوت ہو گیا اس کے دولڑکے تھے محمد خان اور پیر خاں محمد خاں تو اپنے والد کی وفات کے کچھ عرصے بعد فوت ہو گیا دانیال بھی کثرت شراب نوشی کی وجہ سے فوت ہو گیا تو میں نے پیر خاں کو اپنی خدمت میں بلا لیا اس کے ذاتی اوصاف اور خوبیاں دیکھ کر بلند مرتبہ سے سرفراز کیا۔

آج میری حکومت میں اس سے بڑھ کر کوئی معزز نہیں لوگوں کی خطائیں جو میں کسی کی سفارش سے نہیں معاف کرتا اس کی سفارش پر ضرور معاف کر دیتا ہوں۔"(8)

اقبال نامہ جہانگیری میں بھی اسکی تفصیل ہے۔

"اس زمانہ میں پیرا پسر دولت خاں لودھی جو عبدالرحیم خانخاناں کا خوش اطوار نوکر تھا اور آخر میں شاہزادہ دانیال نے اپنے یہاں نوکر رکھ لیا تھا اور اس کے بیٹے پیرا پر بہت عنایت کرتا تھا اور گفتگو میں فرزند کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ شاہزادہ مرحوم کے فوت ہونے کے بعد حسب الحکم بارگاہ سلطانی میں حاضر ہو کر منصب سہ ہزاری وخطاب صلابت خانی سے مشرف ہوا۔"

آگے جا کر تزک جہانگیر میں جہانگیر بادشاہ نے بھی اس خطاب کا خود ذکر کیا ہے۔

صلابت خان کو جسے میں اپنا بیٹا سمجھتا تھا خان جہاں کا خطاب دے کر حکم دیا آئندہ فرمانوں اور حکم ناموں میں اسے خان جہاں کے لقب سے لکھا جایا کرے۔" (10)

یہ ایسے بیانات ہیں جو خود جہانگیر کے اور مغل مورخین کے قلم کے ہیں۔ انہیں مبالغہ آرائی کی گنجائش بہت کم ہے۔ یہی بیانات مخزن کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہانگیر کی نذر میں خان جہان لودھی کی کیا قدر ومنزلت تھی اور اس پر اس کو کتنا اعتماد تھا۔ یہ اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ خان جہان لودھی نے قبائلی پٹھان کے فارس فتح کرنے کی پیش کش بھی ٹھکرا دی تھی کیونکہ اس سے جہانگیر کے دل میں شبہ آنے کا خطرہ تھا یعنی یہ کہ اس طرح سے خان جہان بغاوت کرنا چاہتا ہے یا خود بادشاہ کے ہم پلہ ہونا چاہتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

خان جہان کا خطاب:

اقبال نامہ جہانگیر میں ہے کہ کابل میں قیام کے دوران صلابت خان نے بادشاہ کو خسرو کی ممکنہ بغاوت سے آگاہ کیا جس کے بعد اسے خان جہاں کا خطاب ملا:

"ان بداندیشوں نے تصفیہ کیا کہ اثنائے راہ میں بادشاہ پر نرغہ کریں اور خسرو کو قید سے نکال کر علم فساد بلند کریں اتفاقاً ان میں سے ایک کسی بات پر اپنے رفیقوں سے ناراض ہوا اور اس نے یہ ہدایت توفیق خواجہ ویسی دیوان شاہزادہ خرم کو اس روز سے آگاہ کر دیا اس نے بے تحاشا شاہزادہ عالم کی خدمت میں پہنچ کر یہ ماجرا بیان کیا شاہزادہ عالم فوراً سوار ہو کر پدر عالی وقار کی خدمت میں پہنچے اور جو کچھ سنا تھا بیان کیا۔ اتنے میں آصف خان بھی خبر پا کر صلابت خاں کے گھر پہنچا اور یہ سرگزشت بیان کی شاہزادہ سے یہ حالات سن کر جہاں پناہ محل سے برآمد ہوئے اور صلابت خاں کو طلب کیا اور شاہزادہ سے سنے ہوئے واقعات بیان کیے صلابت خاں نے کہا کہ تھوڑی دیر پہلے آصف خاں میرے پاس آ کر یہ واقعات کہہ چکا ہے۔"

الغرض بادشاہ نے تخت فرمانروائی پر اجلاس کر کے ان خوں گرفتوں کے حاضر کرنے کا حکم دیا ان میں سے ایک میرزا محمد اوزبک تھا دوسرا ابداغ ترکمان جو اسی زمانہ میں عراق سے آ کر

شاہزادہ پرویز کا ملازم ہوا تھا صلابت خاں نے التماس کی کہ جب تک ان میں سے کسی کو نوید جاں بخشی سے اطمینان نہ ہو جائے ممکن نہیں کہ حقیقی واقعات کا علم ہو سکے حکم ہوا کہ میرزا محمد کو قول دے کر باز پرس کریں اس نے اطمینان قلب کے بعد حقیقت حال تفصیلات کے ساتھ بیان کی واقعات کے ثبوت کے بعد نورالدین محمد ولد آصف خاں محمد شریف پسر اعتماد الدولہ غلام اعتبار خاں اور بداغ ترکمان کو سولی پر کھینچا گیا پھر صلابت خاں نے دست بستہ گزارش کی کہ اگر جہاں پناہ اتنی سختی سے تفتیش اور باز پرس پر ملتفت ہوں گے تو بڑی دشواری ہوگی بہتر ہے کہ اعتبار خاں کے علام کو نوشتہ نظر میں نہ لائیں۔ بندہ حسب ارشاد سلطانی اس کو آگ بجھائے دیتا ہے تاکہ خدام کا پردہ ناموس وریدہ نہ ہو جہاں پناہ اس کی التماس قبول کر کے حکم دیا جائے کہ صلابت خاں کی تجویز کے مطابق عمل ہو اور اس طرح بہت سے لوگوں کی جان بچی اگر آصف خاں اس روز صلابت خاں کے پاس نہ پہنچتا تو یہ واقعہ نہ ہوتا زیادہ امکان اس کا تھا۔ کہ اس کا سر بھی سولی پر لٹکا ہوتا۔ پیر خان کا پسر دولت خان لودھی جو سہ ہزاری منصب و صلابت خانی خطاب کی عزت رکھتا تھا۔ خان جہاں کے خطاب عالی سے سرفراز ہوا۔(11)

خان جہان کا خطاب دراصل اسے وفاداری کے صلے میں ملا۔ اس نے

جہانگیر کے خلاف سازش کو دبانے میں جو کردار ادا کیا اور جس طرح سے اس بات کی خبر گیری کی جہانگیر اس سے بہت خوش ہوا۔ شہزادہ خسرو اس کا اپنا بیٹا تھا جو اس کی جان لینے کے درپے تھا۔ اب اس کی جگہ صلابت خان نے لے لی جن نے دشمن قوم کا ہونے کے باوجود بادشاہ سے وفاداری کی۔ اس کا صلہ تھا کہ اسے خان جہان کا خطاب دیا گیا۔

امراء کا دفاع

دربار جہانگیری میں آنے کے بعد خان جہاں لودھی نے بہت عقل مندی سے کام لیا اور سلطنت کے تمام ستونوں کو یکجا رکھنے کی کوشش کی خان جہاں لودھی چاہتا تو بہت سے امراء جنکو اس نے بچایا تھا انکو ہٹا کر خود اعلیٰ منصب حاصل کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک صلح پسند شخص تھا اور مغل سلطنت سے وفادار تھا اس نے سب سے پہلے تو خان اعظم مرزا عزیز کو کہہ کر اس کے عہدے اور مرتبے پر بحال کروایا جس کو جہانگیر نے شہزادہ خسرو کی بغاوت کے شبہ میں معزول کر دیا تھا۔ اسکے بعد جب امیر الامراء شریف خان ذہنی طور پر بیمار ہوا تو امراء نے جہانگیر سے کہا کہ امیر الامراء کو برطرف کر دیا جائے خان جہاں لودھی نے جہانگیر کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ جہانگیر نے اسکی رائے پر عمل کیا امیر الامراء 1021ھ / سنہ میں طبعی طور پر فوت ہو گیا۔ پھر جب جہانگیر نے مان سنگھ کو برطرف کرنا چاہا تو خان جہاں لودھی کے سمجھانے سے وہ باز رہا اور راجپوتوں اور مغلوں کے درمیان اختلافات کا دروازہ کھلنے سے قبل ہی بند ہو گیا۔ اسی طرح دکن میں نواب سپہ سالار خاناں نے قصبہ

جالنہ عنبر جیو حبشی کو دیدیا تھا امراء نے جہانگیر کو بجز کا یا کے اس طرح سے خان خانان دکن میں اپنی خود مختاری کی راہ ہموار کر رہا ہے جہانگیر خان خانان سے بدظن ہو گیا اور اسے برطرف کرنا چاہا مگر خان جہان نے دونوں کی غلط فہمی دور کر دی اور مغل سلطنت اپنے ایک اور وفادار سے محروم ہونے سے بچ گئی۔(16)

مخزن کے ان بیانات میں بھی صداقت ہے کیونکہ راجہ مان سنگھ کے عالم نوجوانی میں خان جہاں کے ساتھ احسان کیا تھا اور مدد فرمائی تھی جس کا ذکر مآثر الامراء میں ہے(17) اسی طرح نواب سپہ سالار خان خانان کے دولت خان سے تعلقات کا تذکرہ بھی اوپر ہو چکا ہے۔نواب سپہ سالار کے احسانات کا بدلہ اسطرح سے دینا فطری بات ہے۔خان جہان لودھی کی جلد ہی جہانگیر سے گہری دوستی ہو گئی اور جہانگیر اپنے خاندان میں اسکی شادی بھی کرنا چاہتا تھا مگر دولت خان نے خود ہی منع کر دیا مغل مورخ مصنف مآثر الامراء نے اسکی تفصیل یوں لکھی ہے:

"شہزادے کے مرنے کے بعد بیس سال کی عمر میں جہانگیر بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اس نے خاص قرب و منزلت حاصل کر لی اور پلے سہ ہزاری منصب اور صلابت خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا تھوڑے ہی دنوں میں اسے خاں جہاں کا اعلیٰ خطاب ار اصل و اضافہ کے بعد پنج ہزاری اعلیٰ منصب ملا۔رازداری اور اعتبار سخن میں اس کی یہ حیثیت ہو گئی کہ کوئی دوسرا اس معاملے میں اس کا شریک و سہیم نہ تھا بادشاہ نے دری خانہ میں بیٹھنے کا حکم فرمایا دو مرتبہ بادشاہ اس کو محل میں لے گیا اور

چاہتا تھا کہ بادشاہ اپنوں میں سے کسی کے ساتھ اس کی نسبت کر دے اور سلطان جہاں کا خطاب دے اس نے عرض کیا سلطانی شہزادوں کے لئے مخصوص ہے بادشاہ کے حضور میں بیٹھنا اور محل میں جانا بھی ان شاہزادوں کے لئے مخصوص ہے میں امید کرتا ہوں کہ یہ تکالیف مجھے معاف فرمائی جائیں اور محل کی نسبت بھی نہیں ہونی چاہیے۔ کہتے ہیں کہ جہانگیر بادشاہ اس کے ساتھ آقائی اور نوکری نہیں برتتا تھا بلکہ ہمیشہ دوستانہ سلوک کرتا تھا۔ لیکن وہ نوکری کا خیال رکھتا تھا اور اپنی حدود سے آگے قدم نہیں بڑھاتا تھا۔(18)

دکن کی مہمات:

1017ھ اسنہ میں ملک عنبر جیو حبشی نے بغاوت کر دی اور بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا کئی امراء اس پر قابو پانے میں ناکام رہے تو جہانگیر خان جہاں لودھی کو دکن کو فتوحات پر مامور کیا چونکہ ان مہمات میں خان جہان لودھی نے بہادری کے بڑے جوہر دکھائے۔ وہ ہر حال میں دشمن کو شکست دینا چاہتا تھا اور بادشاہ کے سامنے سرکرہ ہونا چاہتا تھا اور بادشاہ کے سامنے سرخروہ ہونا چداہتا تھا۔ اس کیلیے اس نے کوشش بھی بہت کی اور سخت جنگیں لڑیں۔

مخزن افغانی کا مصنف خان جہاں سے وابستہ تھا لہذا اس مہم کے واقعات وہاں سے نقل کرتے ہیں۔

''جس سنہ ۱۰۱۹ھ میں دکن کے حالات خراب ہونے شروع ہوئے اور عنبر جیو حبشی نے علم بغاوت بلند کر کے نظام الملک کی اولادوں میں سے ایک لڑکے کو وہاں کے تخت پر بٹھا دیا اور اکثر ان علاقوں اور پرگنوں پر جو شاہزادہ سلطان مراد اور سلطان دانیال مرحوم و مغفور کے وقت سے مغلیہ سلطنت میں چلے آئے تھے قبضہ جما لیا۔ چنانچہ شہنشاہ جم جاہ نے شاہزادہ سلطان پرویز کو دکن فتح کرنے اور عنبر جیو کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا نواب سپہ سالاری نے بھی اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ہر قسم کی تدبیریں اختیار کرنے اور شاہزادہ کی ہر ممکن مدد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن چونکہ پرگنہ جاتہ انھیں دے کر بہت بڑی سیاسی غلطی کر چکے تھے اس لیے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو رہی تھی اس بنا پر شہنشاہ سلامت اس بارے میں بہت فکر مند تھے اور خود بہت سی کوششیں اور تدبیریں فرما رہے تھے برابر بڑے بڑے امراء کو لشکر و اسلحہ وغیرہ دے کر شہزادہ کی کمک کو بھیج رہتے تھے اسی اثنا میں بعض وفا شعار امراء نے شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ چونکہ نواب خانجہاں دکن کے حالات اور مقامات سے پور طرح واقف ہیں نیز نواب سپہ سالاری کے ساتھ بھی ان کے

تعلقات بڑے دیرینہ اور قریبی رہے ہیں اس لیے اگر انھیں دکن
بھیج دیا جائے تو ان کی کوششوں اور آپ کے دم قدم کی برکت
سے وہاں کے بگڑے ہوئے حالات پر جلد قابو پایا جاسکے گا ان
کے جانے دکن کا صوبہ یقیناً دوبارہ فتح ہو جائے گا۔

حضرت ظل اللہ اگر چہ کسی قیمت پر بھی نواب صاحب کو اپنے سے
دور کرنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ایک لحہ بھر کے لیے بھی ان کی
جدائی گوارا نہ کر سکتے تھے لیکن دکن کو فتح کرنے کے چونکہ بہت
ہی خواہاں تے لہذا ناچار سات ذیقعد ۱۰۱۸ے کو بعض دوسرے
امراء اور پیادہ وسوار جاں بازوں کا ایک لشکر ارساتھ دے کر دکن
کی جانب روانہ کیا نواب صاحب نے سامان جنگ اور یہ پوری
طرح مسلح وتبرد آزما فوج ساتھ لی اور قلعہ زور قصبہ سرونج اور
سارنگ پور کے راستے دکن کی جانب روانہ ہوئے تقریباً دوماہ
تک سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد سترہ محرم ۱۰۱۹ھ کو
نواب صاحب برہان پور پہنچ گئے شہزادہ سلطان پرویز بھی ان
کے پہنچنے سے پیشتر ہی عنبر جیو کی سرکوبی کے لیے ملکاپور پہنچ چکا تھا
نواب صاحب نے سات روز تک برہان پور میں قیام کیا تاکہ
فوج کچھ ستا بھی لے اور سپاہیوں کو ان کی دوماہ کی تنخواہ وغیرہ
بھی ادا کی جاسکے۔

اس کام سے فارغ ہو کر چوبیں محرم کو شہزادہ کی خدمت میں پہنچے

کے ارادے سے ملکاپور کا رخ کیا اور چار صفر کو وہاں پہنچ جانا تھا جس دن صبح کو برہان پور سے کرچ کیا خبر ملی کہ آج برکی قبیلوں کے باغی دستے اکٹھے ہو کر شاہی فوج پر حملہ کرنے والے ہیں نواب صاحب نے جو پہاڑ کی طرح ثابت قدم اور اپنے مقصد سے نہ ہٹنے والے تھے بڑی بلند حوصلگی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے کوچ کے پروگرام میں کوئی تبدیلی نہ کی بلکہ میاں خضر خاں کو جو ایک طرح سے ان کے مدار المہام اور با اختیار وکیل کی حیثیت رکھتے تھے حکم دیا کہ فوج کو پورے طمطراق اور کروفر کے ساتھ روانہ کیا جائے کوئی پیادہ سپاہی گھوڑ سواروں سے آگے نہ ہو ساری فوج آہستہ آہستہ چلے جرانغار (دائیں بائیں دستے) غول (درمیان لشکر) ہراول (مقدمہ الجیش) اور چنداول (سب سے پچھلی فوج) وغیرہ سب شاہی امراء میں تقسیم کر کے فوج کو کوچ کا حکم دیا ابھی تین چار گھنٹے دن گزرا تھا کہ بد بخت برگیوں کے بیس ہزار سواروں نے ہر طرف ٹڈی دل کی طرح حملہ کر دیا شمشیر زنی کے علاوہ انھوں نے آگ کے گولے بھی برسانے شروع کر دیے چونکہ فوج کی دائیں جانب برگیوں کے حملے کا دباؤ بہت زیادہ تھا اس لیے نواب صاحب نے میاں خضر خان کو حکم دیا کہ وہ صرف دائیں جانب ہی کی حفاظت کریں اور فوج کو آہستہ آہستہ چلتے رہنے کی ہدایت کریں۔ ابھی تھوڑا ہی

فاصلہ طے ہوا تھا کہ برگیوں کے پانچ چھ ہزار سواروں نے میاں خضر خاں کی فوج کو تھوڑی اور کمزور تصور کرتے ہوئے بڑے زور کا حملہ کر دیا بلکہ بے تحاشا اپنے گھوڑے شاہی لشکر میں ڈال دیئے میاں خضر خاں اور اس کا لشکر اس حملے سے بالکل نہ گھبرایا اور پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جما رہا ان واقعات کا کمترین راقم بھی اس وقت میاں خضر خاں کے ہمراہ تھا اور یہ سارے واقعات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہم سب لوگ برگیوں کے حملے کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک برگی جوان آگے بڑھا اور اس نے عیسیٰ خاں بن فتح خاں پر نیزے کا وار کیا۔عیسیٰ خاں نے اس کے وار کو ڈھال پر روکا اور خود اس بے برگ پر تلوار سے وار کیا اس برگی کا گھوڑا چونکہ بہت چالاک تھا ایڑ لگاتے ہی سوار کو لے کر بھاگ نکلا۔عیسیٰ خاں نے بھی اپنا گھوڑا اس کے پیچھے لگا کر تعاقب کیا وہ برگی تو فرار ہو گیا۔لیکن ایک دوسرا باغی عیسیٰ خان کے مقابل آیا۔عیسیٰ خاں اسے اور اس کے اکثر ساتھیوں کو زخمی کر کے خود سلامت واپس لوٹا۔

اتنے میں ایک دوسرا برگی لٹیرہ زرہ پہنے شاہی فوج کے سامنے آ گیا شیخ یسین کے بھائی شیخ فیض نامی ایک بہادر نے ایک ایسا تیر چلایا جو سامنے کی طرف بغل کے نیچے پسلی میں پیوست ہو کر پچھلی طرف جا نکلا۔ایک ہی تیر کھا کر اس برگی کے اوسان ایسے

خطا ہوئے کہ تیر کو ہاتھ میں پکڑ کر پاؤں سر پر رکھ کر بھاگا اسی اثناء میں میاں خضر خاں نے بھی برگیوں پر جوابی حملہ کر دیا جس کی تاب نہ لا کر وہ سارے بھاگ کھڑے ہوئے اس سارے کارنامے کا سہرا میاں خضر خان کے سر پر رہا۔ چند روز کے بعد برگیوں کو ان کے مخبرین نے اطلاع دی کہ شاہی فوج کی داہنی جانب مرزا فتحو ری اور بعض دوسرے لوگ متعین ہیں نیز یہ کہ اگرچہ اس فوج میں پیادہ سپاہیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے تاہم مرزا فتحو ری اور ا کے ساتھ بہت پریشان بلکہ اپنے فرائض سے غافل بھی دکھائی دیتے ہیں۔ یہ خبر ملتے ہی برگی لٹیرے پھر نیزے لے کر شاہی فوج پر چل پڑے وہ لوگ اپنے نیزوں کو نیچا کر کے لائے جس سے ان کی نیت کا اندازہ نہ لگ سکا مرزا فتحو ری ثابت قدمی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک درخت کے نیچے کھڑے رہے برگی ظالموں نے آتے ہی کوئی تیس کے قریب پیادہ سپاہیوں اور دو سواروں کو بھی نیزے مار کر ہلاک کر دیا۔

میاں خضر خان کو اس حملے کی اطلاع ملی تو فوراً مدد کے لیے پہنچے اور سیدھے برگیوں کے گروہ میں گھس گئے ان کے آتے ہی برگی بھاگنے شروع ہو گئے برگیوں نے دو تین افغان جوانوں کو شہید کر دیا میاں خضر خاں نے برگیوں کا بہت دور تک تعاقب کیا اور ان کے متعدد آدمیوں کو قتل کر کے شکست کا طوق ان کے گلے میں

ڈالا۔ اسی اثناء میں نواب صاحب قبلہ کو خبر ہو گئی کہ برگیوں نے دوبارہ حملہ کر دیا ہے وہ کوندتی ہوئی بجلی کی رفتار سے وہاں پہنچے لیکن ان کے آنے سے پہلے ہی برگی شکست کھا کر بھاگ گئے تھے۔ چونکہ شہزادہ کا لشکر بھی وہاں سے دو تین کوس سے زیادہ دور نہ تھا اس لیے برگیوں کے ساتھ جھڑپوں کی اطلاع ملتے ہی نواب سپہ سالاری نے مرزا ایرج ارو مرزا داراب کو فوج دے کر بھیج دیا اور خود بھی ان کے پیچھے ہی جائے وقوعہ پر چلے آئے۔ ان کے بعد باقی امراء بھی اپنے طور پر وہاں پہنچ گئے جہاں جنگ واقع ہوئی تھی وہاں آموں کا ایک بہت بڑا باغ تھا جب مرزا ایرج اور داراب پہنچے تو نواب صاحب خانجہاں نے آم کے ایک درخت کے سایہ میں ڈیرا لگا کر ان سے ملاقات کی ابھی وہاں بیٹھے ہی تھے کہ نواب سپہ سالاری اور دوسرے امراء بھی آن پہنچے نواب صاحب خانجہاں نے ان کا بھی وہی استقبال کیا پھر وہاں نے اکٹھے سوار ہو کر شہزادہ کی خدمت میں باریاب ہونے کے لیے چل پڑے اور ایک سعد گھڑی میں بڑے شاہی لشکر کے ساتھ مل گئے اور شہزادہ کی خدمت میں جا پہنچے۔

اگلے روز یہ سب امراء عنبر جیو باغی کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے اگرچہ برسات کا موسم قریب آ رہا تھا تاہم گرمی اس شدت کی پڑ رہی تھی کہ گویا آسمان سے آگ برس رہی ہے نہ پانی آسانی

سے دستیاب ہوتا تھا نہ دچارہ اور ساری فوج بڑی تنگی میں بسر کر رہی تھی۔ جب دیول گاؤں کے قریب جو بالا گھاٹ پر واقع ہے پڑاؤ کیا گیا تو چارہ پانی کی قلت اور رسد کے نہ پہنچنے کی وجہ سے فوج کو سخت پریشان حالی کا سامنا کرنا پڑا غلہ کی گرانی کا یہ عالم کہ ایک من جوار ستائیس روپے میں بکنے لگی اور آٹا چالیس روپے من تک جا پہنچا اور گھی اسی روپے من فروخت ہونے لگا۔ گھاس کی ایک گٹھڑی ایک روپے سے کم نہ ملتی تھی علی ہذا القیاس باقی تمام اشیاء کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کرنے لگیں چونکہ ساون کا مہینہ اور برسات قریب تھی اللہ پاک نے دو تین رحمت کی بارشیں برسائیں بارشوں کی وجہ سے آتے دانے کی اور بھی قلت ہو گئی اور فوج کو بری مصیبت سے دوچار ہونا پڑا یہاں تک کہ فاقہ کشی کی نوبت آ گئی باقی قافلہ والے بھی بہت لاچار ہوئے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر برگی لٹیرے ہر طرح سے بڑا دکھ پہنچانے لگے۔ اس اثنا میں عنبر جیو نے موقعے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے صلح کے لیے درخواست کی۔

ارکان دولت نے بھی فوج کی حالت زار کے پیش نظر مصلحت اسی میں سمجھی کہ صلح کر لی جائے اگرچہ شہزادہ عالم اور نواب خانجہاں اس صلح کے حق میں نہ تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے راضی ہو گئے صلح اس شرط پر ہوئی کہ بالا گھاٹ سے احمد نگر جالنہ اور مونگی پٹن وغیرہ تک جو جو پرگنے شہزادہ دانیال کے زمانے میں مغل سلطنت کا

حصہ تھے وہ سارے واگذار کیے جائیں۔"(19)

خان جہاں کی دکن روانگی کا جہانگیر نے بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

"۲ ذیعقد کو خانخاناں اور دیگر امراء نے مجھے اطلاع دی کہ دکن کے لوگوں نے فوج جمع کر کے جنگ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اس لیے میں نے خود وہاں جانا مناسب سمجھا۔ اسی دوران میں آصف خاں نے بھی اطلاع دی کہ میرا بذات خود وہاں جانا زیادہ موزوں ہے اس سلسلے میں میں نے امرائے سلطنت سے مشورہ کیا لیکن خان جہاں لودھی نے عرض کی کہ باوجود اتنے امراء کے اس مہم پر متعین کرنے کیا آپ کا بذات خود تشریف لے جانا ضروری نہیں اگر اجازت ہو تو میں اس مہم پر جاؤں یہ نیک مشورہ سب کو پسند آیا گو میں اس جدائی سے خوش نہ تھا لیکن میں نے اسے اجازت دے دی اور وہ ۷ ذیعقد کو میرے پاس سے رخصت ہوگیا فدائی خان جو میرے خاص ملازموں میں سے ہے خان جہاں کے ساتھ مقرر کیا اور حکم دیا کہ اگر عادل خاں کے پاس کسی کو بھیجا جائے تو فدائی خاں کو بھیجا جائے عبداللہ خاں کی سرکردگی میں جو لشکر روانہ کیا تھا ان میں سے چار پانچ ہزار سوار خان جہاں کے تحت متعین کرنے کا فیصلہ کیا اور معمد خاں کو ان سواروں کے واپس لانے کے لیے رُوانہ کیا لشکر کے اخراجات کے لیے دس لاکھ روپے ہمراہ روانہ کئے بدیع الزماں

ولد شاہرخ کو ایک ہزاری ذات و پانچ سوار کے منصب پر فائز کر کے خان جہاں کے پاس دکن کی مہم پر روانہ کر دیا۔

مآثر الامراء میں ہے کہ بادشاہ نے روتے ہوئے خان جہاں کو دکن کی مہم پر روانہ کیا اور وہاں اس نے خوب کارنامے کئے۔ جب شاہزادہ پرویز راجا مان سنگھ اور شریف خان امیر الامراء کے ہمراہ خان خاناں کی مدد کے لئے روانہ ہوا تو اس سے کوئی کام انجام کو نہ پہنچا۔ ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹) میں خان جہان کو بارہ ہزار سواروں کے ساتھ شاہی لشکر کی مدد کے لئے بھیجا گیا رخصت کے وقت خود بادشاہ (جہانگیر) جھروکہ خاص و عام سے نیچے آیا اپنی دستار کو اس کے سر پر باندھا اور اس کے ہاتھ کو پکڑ کر گھوڑے پر سوار کرایا اور حکم ہوا کہ ہمارے حضور سے نقارہ بجاتا ہوا روانہ ہو اس طرف سے بادشاہ اور اس طرف سے خان جہاں جدائی کی وجہ سے بے اختیار رو رہے تھے ہر منزل پر بادشاہ کی طرف سے تحفے اور سوغات پہنچتے تھے۔

مآثر الامراء میں ہے کہ عنبر جیو کے مقابلے میں مغلوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا مگر اسکی تمام تر ذمہ داری خان خانان کی تھی البتہ بدنام خان جہاں ہو گیا اس نے بادشاہ کو ساری تفصیل لکھی اور گذارش کی ہے کہ اسے دکن کی فتح اور تمام اختیارات دیے جائیں۔

وہ بہت تواضع سے پیش آیا اور (خان جہاں کو) بالا گھاٹ لے گیا
چوں کہ بادشاہ کی طرف سے یہ بات طے ہو چکی تھی کہ ایک
طرف سے دکن کے لشکر کے ساتھ خان جہاں اور دوسری طرف
سے عبداللہ خاں زخمی گجرات کی فوج کے ساتھ دولت آباد
پہنچے۔ ملک عنبر کو درمیان میں لے لیں اور اس کو سخت سزا دیں
کہتے ہیں کہ ملک عنبر نے اس خبر سے پریشان ہو کر خان خاناں
سے سازش کر لی اور اس نے خاں جہاں کو لطائف الحیل سے ظفر
نگر میں اتنے عرصے تک مقیم رکھا کہ عبداللہ خاں دولت آباد پہنچ
گیا اور شکست خوردہ الٹے پاؤں واپس ہو گیا ملک عنبر کو اس سے
رہائی مل گئی اور خان جہاں کی فوج کا چارہ اور رسد لوٹنے مشغول
ہو گیا غلہ اس قدر گراں کہ ایک روپیہ فی سیر بھی نہیں ملتا تھا اس
کے علاوہ جانور مرنے لگے نہایت پریشانی کی حالت میں صلح
کر کے برہان پور کو واپس ہوا۔ یہ بدنامی خاں جہاں کے نام میں
لکھی گئی۔ خان جہان نے بادشاہ کو لکھا کہ یہ سب پرانے عملے
کے نفاق کی وجہ سے ہوا یا تو تمام معاملات اس سے متعلق کر
دیئے جائیں یا اس خاں جہاں کو اپنے حضور میں طلب کر لیں
تا کہ میں تیس ہزار سواروں کے ساتھ دو سال کے عرصے میں
اقبال شاہی سے اس ملک کے قلعوں کو فتح کر کے بیجاپور کو ممالک
محروسہ میں شامل کر دوں اگر ایسا نہ ہو تو میں درگاہ شاہی کے

خادموں کو منہ نہیں دکھاؤں گا اس بنا پر دکن کی جنگ کا اختیار کلیتا
خان جہاں کو دے دیا۔ خان اعظم کوکہ خان عالم اور دوسرے امرا
کے ساتھ کمک کے لئے مقرر کر دیئے گئے خان خاناں بادشاہ
کے حضور میں پہنچا لیکن سرداروں کا نفاق دور نہ ہوا اور کوئی کام نہ
بنا خاں جہاں معتوب ہر کر تھامیسر کی جاگیر اور ایلچپور میں قیام
کے لئے بھیج دیا گیا۔" (22)

امراء کا نفاق

دکن اور آگرہ کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ خبر آنے جانے میں ایک ماہ تک لگ جاتا تھا۔ دکن جا کر تمام امراء اور شہزادے آرام طلب ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے سے رقابتیں رکھنے لگے اور مخالف کو نیچا دکھانے میں سرگرم ہو گے۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ دکن کی مہم کا اعزاز مجھے ملے اور اسی غرض سے دوسرے کی ٹانگ کھینچتا تھا۔ جان جہان لودھی خصومات پر توجہ دیتا تھا مگر کوئی اس کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔ سرکاری خزانہ وہاں کی مجلسوں اور غیر منظم جنگوں پر حرف کیا جا رہا تھا۔ امراء کا نفاق عروج پر تھا۔

تزک جہانگیری میں بھی خان خاناں اور امراء کے نفاق کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ خان جہاں لودھی کے ایماء پر خان خان کو واپس بلایا گیا تھا۔

"۱۲ ماہ مہر کو مجھے خان جہاں نے اطلاع دی کہ خانخاناں اور
مہابت خاں واپس دربار شاہی میں حاضر ہونے کے لیئے روانہ
ہو چکے ہیں اور میر جمال الدین حسین عادل خاں کے نائبوں

کے ساتھ برہانپور سے بیجاپور کی طرف روانہ ہو چکا ہے ۲۱ ماہ مہر کو مرتضیٰ خاں کو پنجاب کا صوبیدار اور تاج خاں کو کابل کا حاکم مقرر کیا۔ ۲۲ ماہ آبان کو مہابت خان کے دربار میں پہنچنے کے بعد خانخاناں بھی میری خدمت میں حاضر ہوا چونکہ اس کے خلاف بہت شکایات تھیں اس لئے میں اس سے بہت بے التفاقی سے پیش آیا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مقررہ وقت میں دکن کی مہم سر کرے گا جس کی وجہ سے میں نے اس کو سلطان پرویز کے ساتھ اس مہم پر بھیجا تھا مگر اس نے برہانپور پہنچ کر فوج کے لیے رسد اور دوسری چیزیں فراہم کرنے میں لاپرواہی برتی جس کی وجہ سے فوج میں نا اتفاقی پھیل گئی اور مجبوراً سلطان پرویز کو دشمن سے عارضی صلح کر کے برہانپور واپس آنا پڑا۔ ابتدا میں تو مجھے اس بات کا یقین نہ آتا تھا لیکن جب خان جہاں نے مطلع کیا کہ فوج میں کشیدگی اور نا اتفاقی اس درجہ پھیل گئی کہ خانخاناں کا یہاں رہنا کسی صورت میں مناسب نہیں۔ میں نے مصلحت کی بنا پر دکن کی مہم پر متعین لشکر کی سرداری خان جہاں کے سپرد کر کے خانخاناں کو واپس دربار میں طلب کر لیا۔" (23)

اقبال نامہ جہانگیری سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ خان جہاں لودھی نے بادشاہ کو خط لکھا تھا۔

"دولت خواہوں نے یہ بات خانخاناں کی منافقت

وبداندیشی پر محمول کر کے جہانگیر کے پاس اطلاع بھیج دی اور خود علیحدہ ہو گئے خصوصاً خان جہاں نے لکھا کہ جو کچھ ہوا خان خاناں کے نفاق سے ہوا یا اس خدمت کو مستقلاً اس کے سپرد فرمادیں یا اپنے نواختہ و پرداختہ کو تسخیر دکن کی خدمت پر مقرر فرمائیں۔ اور تیس ہزار خوش اسپہ سوار اس فدوی کی مدد کے لئے متعین کریں تاکہ اقبال روز افزوں کی برکت سے تمام ملک بادشاہی کو جو غنیم کے تصرف میں ہے آزاد کر کے قلعوں پر قابض ہو اور سرحدوں کا ضبط وانتظام کرے بلکہ ولایت بیجاپور کو بھی جو عادل خاں کے تصرف میں ہے قبضہ میں لے کر ممالک محروسہ میں شامل کر دے اور اگر اس مدت میں یہ خدمت انجام نہ پائے تو سعادت کورنش سے محروم ہو کر بندگان خداوندی کو منہ نہ دکھائے گا۔

جب نوبت یہاں تک پہنچی تو لشکر کی سرداری خان جہاں کو تفویض ہوئی اور خانخاناں کو دربار میں طلب کر لیا گیا۔"

اس صلح کے بعد نواب سپہ سالار کو جہانگیر نے آگرہ بلالیا اور خان جہاں لودھی نے اسکے نائب کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا اور رفاہ عامہ کے بہت سے کام کیے 1021ھ میں خان اعظم مرزا کوکلتاش کو دکن کے امور سپرد کر دیے گئے اور خان جہاں لودھی نے خان اعظم کو تمام امور سپرد کر دیئے اور خود الگ ہو گیا۔ البتہ

شہزادہ پرویز کے دربار سے وابستہ رہا۔ خان اعظم دکن تو آ گیا مگر وہ بھی دکن فتح کرنے میں ناکام رہا اور امراء کا نفاق بھی برابر قائم رہا تزک جہانگیری میں اس کا ذکر یوں ہے:

''دکن کی مہم میں خان اعظم کی لاپرواہی اور عبداللہ خاں کی شکست کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے میں نے خواجہ ابوالحسن کو طلب کیا جس نے یہ بات ظاہر کی کہ اس شکست کی وجوہات عبداللہ خاں کا غرور تکبر جلد بازی مشورہ ماننا اور امرائے لشکر کا باہمی نفاق تھیں کیونکہ یہ طے ہوا تھا کہ عبداللہ خاں گجرات کے لشکر کے ساتھ ناسک ترہنک کی طرف سے دکن میں داخل ہو اور برار کی جانب سے راجہ مان سنگھ خان جہاں اور دیگر سردار ایک لشکر لے کر عنبر نظام الملکی کی سلطنت کی طرف بڑھے تاکہ دونوں لشکر ایک مقرر تاریخ اور مقررہ وقت میں دشمن کے لشکر کو گھیر لیں لیکن عبداللہ خاں جلد بازی میں مقررہ دن اور وقت کا لحاظ کیے بغیر آگے بڑھتا گیا رامداس نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا عنبر نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ خاں سے جنگ شروع کردی۔

عبداللہ خاں دشمن کی فوج کو پسپا کرتے ہوئے دولت آباد تک پہنچ گیا لیکن عنبر نے آتشیں اسلحہ جات اتنے استعمال کیے کہ عبداللہ خاں کو پسپا ہونا پڑا اور شاہی فوج کے بہت سے بہادر اور جوان

میدان جنگ میں کام آئے۔ علی مردان خاں زخمی ہو کر دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور ذوالفقار بیگ آتشیں تیر سے ہلاک ہوا اس شکست کے بعد عبداللہ خاں گجرات چلا گیا اور دوسرے سردار عادل آباد میں سلطان پرویز کے پاس چلے گئے آگرے میں مجھے اطلاع ملی تو بہت غصہ آیا اور چاہتا تھا کہ بذات خود جا کر ان بزدلوں کو سزا دوں مگر خواجہ ابوالحسن نے عرض کیا کہ دکن کی مہم کی پیچیدگیوں کو خانخاناں سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا اس لیے اسے دکن بھیجا جائے امرائے دربار نے اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ خانخاناں کے ساتھ خواجہ ابوالحسن کو بھی بھیجا جائے۔ چنانچہ اتوار ۷ ماہ اردی بہشت سن سات جلوس کو خانخاناں اور اس کے ہمراہیوں میں سے شاہنواز خاں خواجہ ابوالحسن رازق بردی ازبک کو انعام و اکرام دے کر اور ان کے مناصب میں اضافہ کر کے روانہ کیا۔(25)

مخزن میں خان اعظم کے دور میں خان جہاں کی جنگوں کی تفصیل یوں درج ہے۔

''دربار سے فرمان جاری ہوا کہ گجرات سے چل کر عبداللہ خاں فدوی دولت آباد کے شمال مغرب کی جانب سے اس شہر پر حملہ آور ہو اور عنبر جیو کو اس کی سرکشی کا مزہ چکھائے اور شہزادہ اپنی فوج کو ہتھیاروں سے آراستہ کر کے شمال مشرق کی طرف سے دولت آباد پر چڑھائی کرے اس فرمان کی تعمیل میں شہزادہ عالم اور

نواب خان اعظم سال مذکورہ کے شعبان کی انیس تاریخ کو بروز جمعرات برہان پور سے دولت آباد کی طرف روانہ ہوئے تاکہ عنبر جیو کی بغاوت کو فرو کریں ملکاپور پہنچ کر شہزادہ اور نواب خان اعظم کی فوجوں نے بعض وجوہات کی بنا پر چند روز تک سفر ملتوی کر دیا اور وہیں ٹھہری رہیں نواب صاحب قبلہ خانجہاں شہزادہ سے اجازت لے کر رو ہنکھیڑہ کی طرف چلے گئے تاکہ برگیوں کے ان جتھوں کی گوشمالی کریں۔ جنھوں نے صوبہ خاندیش کے پرگنوں میں لوٹ مار مچا رکھی تھی۔ برگیوں کے ساتھ نواب صاحب قبلہ کے خب کوب معرکے رہے۔ جن میں انھوں نے بہادری و شجاعت کے جوہر دکھائے برگیوں میں سے بعض بھاگ گئے۔ بعض کو قتل اور بعض کو قید کر کے نواب صاحب تقریباً بیس روز کے بعد شہزادہ کی خدمت میں واپس آن پہنچے۔

اتنے میں خبر ملی کہ یعقوب خاں حبشی آدم خاں اور دوسرے برگی سردار بیس ہزار سواروں کو ساتھ لیے بالا گھاٹ سے نیچے اتر کر خاندیش اور برار کے صوبوں کے نظم و ضبط اور امن و امان کو تہ و بالا کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر ہمارے نواب صاحب قبلہ نے شہزادے سے اجازت لی اور راجہ مان سنگھ اور بہت سے دوسرے امراء کو ساتھ لے کر باغیوں کی طرف کا رخ کیا یہ بھی طے پایا کہ بالا گھاٹ میں باغیوں کا قلع قمع کرنے کے بعد وہیں سے یہ

امراء دولت آباد کا رخ کریں اگر چہ دکنیوں نے اکثر دروں اور پہاڑی گذرگاہوں پرناکہ بندی کر رکھی تھی بلکہ ہر جگہ آتش بازی نصب کر رکھی تھی ان سب مشکلات کے باوجود نواب صاحب نے خدا کا نام لیا اور غیبی امداد پر یقین رکھتے ہوئے بالا گھاٹ کی طرف کوچ کیا۔ جب موضع دیہاری کے قریب پہنچے۔ تو اطلاع ملی کہ دکنیوں نے اس گذرگاہ کو مضبوطی سے روک رکھا ہے۔

نواب صاحب کو اس مشکل میں گرفتار دیکھ کر اس علاقے کے ایک زمیندار نے ایک دوسری راہ سے جو نسبتاً سیدھی اور آسان تھی گذار کر بالا گھاٹ پہنچا دیا۔ اس روز خود نواب صاحب ہر اول دستے کے ساتھ آگے آگے چلے راجہ مان سنگھ درمیان میں اور راجہ صورت سنگھ امیر الامراء خان اعظم اور کچھ دوسرے امراء چنداول کے ساتھ پیچھے چلے اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بغیر کسی خدشے اور دغدغے کے یہ سارا لشکر سلامتی سے بالا گھاٹ جا پہنچا۔ اس واقعہ سے سب کو بے حد خوشی و مسرت نصیب ہوئی ایک دن وہاں رکنے کے بعد اگلے روز پوری تیاری کے ساتھ عنبر جیو کے فتنے کو دور کرنے کے لیے دولت آباد کی طرف چل پڑے کیونکہ شہزادہ عالم کے ساتھ طے یہی ہوا تھا کہ مقررہ میعاد کے اندر ایک معین دن عبداللہ خاں فدوی ایک طرف سے اور نواب صاحب قبلہ دوسری طرف سے دولت آباد پر حملہ کریں تاکہ دشمن

کو دوہری گھبراہٹ کا سامنا کرنا پڑے۔ دکنیوں کی قسمت اچھی تھی خدا کا کرنا اس روز کی بارش ہوئی کہ لشکر کو دو تین دن ایک جگہ رکنا پڑا دوسرے تیسرے روز جب راستہ خشک ہوا تو شاہی لشکر کوچ در کوچ بڑی تیزی کے ساتھ پھر دولت آباد کی طرف روانہ ہوا اس سارے سفر میں برگی لٹیروں کے دستے ہر روز شاہی لشکر کے آگے پیچھے گھومتے رہے اور جہاں موقع ملتا لوٹ مار کرنے لگتے۔

ہوتے ہوتے دولت آباد سے سترہ کوس کے فاصلے پر جا کر شاہی لشکر نے خیمے لگا دیئے وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ عبداللہ خاں فدوی دولت آباد سے چھ میل دور آ کر شاہی فوج کا انتظار کرتا رہا آخر تھک ہار کر واپس لوٹ گیا ہے علی مردان بہادر جو اپنے دو بیٹوں اور بھتیجے کے ساتھ میدان میں رہ گیا تھا دشمن کے ہاتھ گرفتار ہو گیا ہے یہ خبریں سن کر تمام امراء سخت سٹ پٹائے اور بہت ہی بددل ہوئے۔ دو روز اسی طرح گذر گئے کہ جب جا کر نواب صاحب قبلہ کے ایلچی اور جاسوس صحیح صحیح خبریں لائے انھوں نے بتایا کہ چونکہ طے ہوا تھا عبداللہ خاں شمال مغربی جانب سے آئے قریب آ کر اسے چاہیے تھا کہ انتظار کرتا لیکن وہ جوانی کے نشے اور فوجی طاقت پر مغرور ہو کر بغیر انتظار کیے آگے بڑھا اور چاہتا تھا کہ اکیلا ہی دولت آباد کو فتح کر لے۔ دولت آباد کے قریب اس کی فوج

ایک تنگ درے سے پوری طرح گذر نے بھی نہ پائی تھی کہ عنبر باغی نے پچاس ہزار سوار لے کر اچانک اس پر حملہ کر دیا دولت آباد سے چھ میل باہر ایک موضع بیضا پور کے قریب عبداللہ خاں نے اس کا مقابلہ کیا۔ اس نے اپنے لشکر کے اردگرد کچا قلعہ بنا کر شبخون سے حفاظت کی عنبر نے بکن گاؤں کی طرف مورچے لگائے اور یاقوت خان حبشی نے اپنے سرداروں کو ساتھ لے کر عبداللہ خاں کے لشکر کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا اور دو تین راتیں متواتر اس قدر بارود کے گولے برسائے گویا آگ کے اولے پڑ رہے ہیں عبداللہ خاں کا لشکر بہت بے بس ہو گیا م قابلے کی تاب نہ لا کر وہاں سے بھاگ نکلا اور علی مردان بہادر مرزا بہادر مرزا برخوردار ملقب بہ خان عالم اور اکثر دوسرے امراء کو لشکر کے چنداول کے طور پر مقرر کیا کہ پیچھے پیچھے آئیں۔

دکنیوں نے بھاگتی ہوئی اس فوج پر پیچھے اس قدر زور سے حملہ کیا کہ علی مردان بہادر اپنی تمام تر شجاعت و بہادری اور معرکہ آرائی کے باوجود ان کے حملے کی تاب نہ لا سکا عبداللہ خاں کا لشکر چونکہ بہت آگے جا چکا تھا اس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا چنانچہ علی مردان نے بھی بھاگ کر جان بچانے کا ارادہ کر لیا لیکن شومیٔ قسمت سے یہ کوشش بھی ناکام گئی بھاگ رہا تھا کہ برگیوں کے دستے نے روک لیا گھوڑے سے اتر کر تلوار نیزے سے لڑتا ہوا

زخمی ہوا اور اپنے دو بیٹوں اور ایک بھتیجے سمیت پکڑا گیا۔ قبلہ نواب صاحب نے یہ ساری خبریں سن کر تمام امراء کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا ساتھ ہی اپنی رائے بھی ظاہر کر دی کہ اگر چہ دشمن کی فوج تعداد میں بہت زیادہ ہے اور اسی لیے عبداللہ خاں اپنی فوجی طاقت کے باوجود ان سے شکست کھا گیا ہے تاہم آپ لوگوں کو میدان چھوڑ کو واپس نہیں جانا چاہیے ان دنوں ہر پہوز برگی دستوں سے جھڑپیں بھی ہوتی تھیں نواب صاحب نے اس بارے میں بہت سوچ بچار کے بعد فرمایا کہ ہم عبداللہ خان کی امداد پر امید لگا کر نہیں آئے تھے بلکہ وہ ہماری امداد پر بھروسہ کر کے آیا تھا آگے کی مدد اور بادشاہ سلامت کی پشت پناہی ہمارے شامل حال ہے یہی ہمارے لیے کافی ہے۔ خدا کے فضل سے ہمارے پاس اتنی فوج ضرور موجود ہے جو عنبر کے دستوں کو نیچا دکھا سکے لیکن راجہ مان سنگھ امیر الامراء اور دوسرے اکثر سردار اس بات پر راضی نہ ہوئے بلکہ اصرار کرنے لگے کہ لوٹ چلنا چاہیے۔

راجہ مان سنگھ نے جب دیکھا کہ نواب خانخاناں کسی قیمت پر بھی واپس جانے کو تیار نہیں تو کہنے لگا کہ دشمن کے لشکر کی تعداد بے پناہ ہے ہمیں خوراک بھی نہیں پہنچ رہی جب کہ ان کے پاس ہر طرف سے فراواں غلہ پہنچ رہا ہے ہمارے اس طرح لوٹ جانے

سے دکن کی مہم کا کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ خدا ں کو استہ اگر کوئی دوسری صورت پیش آگئی تو بڑی توہین اور بددلی کا باعث ہوگا۔ قبلہ نواب صاحب نے فرمایا کہ آپ سب لوٹنا چاہتے ہیں تو لوٹ جائیں میں اپنے آدمیوں کے ساتھ ضرور دشمن کے مدمقابل جاؤں گا پھر جو اللہ کو منظور ہوگا وہ سامنے آجائے گا۔ اسی اثناء میں خبر ملی کہ خواجہ ابوالحسن پانچ چھ ہزار آدمیوں اور چند امراء کے ساتھ ترتم پٹیالہ کے درے پر بیٹھے ہیں۔ لیکن دشمن کے ڈر سے نہ واپس جاسکتے ہیں اور نہ شاہی لشکر سے آملنے ہی کی ہمت کر رہے ہیں۔ اس خبر کو سن کر راجہ مان سنگھ نے نواب صاحب کو مشورہ دیا کہ اگر آپ کو بہر حال پیش قدمی کرنا ہی ہے تو پہلے خواجہ ابوالحسن کے پاس جائیے۔ جو یہاں سے صرف سات کوس کے فاصلے پر بغیر کسی فائدے کے بیٹھا ہے۔

وہاں سے اس کے آدمیوں کو ساتھ لے کر پوری تیار کے ساتھ دولت آباد پر چڑھائی کریں تو بہتر ہوگا۔ اتنے میں خواجہ ابوالحسن کا خط بھی مل گیا جس میں یہی بات لکھی تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے آپ ضرور یہاں کوچ کر آئیں تاکہ ساری مہمات متحد ہو کر سر کی جائیں اس کے باوجود قبلہ نواب صاحب چند کوس پیچھے مڑ جانے پر بھی راضی نہ ہوئے لیکن راجہ مان سنگھ اور امیر الامراء نے ان کے در دولت پر جا کر معقول دلائل کے علاوہ ان کی

خوشامد کر کے انھیں ترنم لوٹ چلنے پر آمادہ کر لیا صبح ہوتے ہی سارا لشکر ترنم کی طرف کوچ کر آیا اور تین دن سفر کرنے کے بعد خواجہ ابوالحسن اور وزیر خاں وغیرہ سے آملا تین دن تک یہ ساری فوج اسی مقام ملاحان پر ٹھہری رہی۔

ان تین راتوں میں سے ایک رات تورگی دستے بار بار شاہی لشکر پر جھپٹتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے بارود کے ہزار گولے شاہی لشکر پر پھینکے برسنگھ دیو بندیلہ جو نواب صاحب کے لشکر کے ہراول کے دستے کا سردار تھا بہت نڈر اور بہادر تھا اپنی جوانمردی کی وجہ سے یہ سردار زمینداری سے پانچ ہزاری کے مرتبے تک پہنچا تھا دکن کے ان سفروں میں بھی اس نے اکثر معرکوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔اس گھپ اندھیری رات میں بھی اس نے بہادری کی مثال قائم کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو ساتھ لیا اور دشمن کے اس بارود کے گولے چلانے والے دستے پر پل پڑا۔ان میں سے چند کو تو قتل کر ڈالا اور باقیوں کو بارود کے بڑے بڑے دو تین گھڑوں سمیت زندہ گرفتار کر لایا۔دوسرے روز تمام سرداروں نے اکٹھے ہو کر قبلہ نواب صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ چونکہ تسخیر دکن اور یہاں کے تمام امور کی ذمہ داری خان اعظم کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔اور وہ شہزادہ عالم کے ساتھ ملکا پور میں مقیم ہیں

۔اور پے در پے خطوط کے ذریعے ہمیں پیش قدمی کرنے اور برگیوں سے الجھنے سے منع بھی کر رہے ہیں۔لہذا مناسب یہی ہے کہ ہم ان کی خدمت میں جا پہنچیں پھر جس طرح وہ حکم دیں اس پر عمل کر لیں گے لیکن قبلہ نواب صاحب (۵۱۹) نے فرمایا کہ میں اپنے اختیار سے ہرگز ایسا کرنے کو تیار نہیں ہوں اس پر راجہ مان سنگھ اور خواجہ ابوالحسن نے نواب صاحب کو چند کلمات کی ایک تحریر لکھ کر دی جس کا مضمون یہ تھا کہ نواب خانجہان واپس لوٹنے کو تیار نہ تھے لیکن ہم اس حقیقت کے پیش نظر کہ اس چھوٹی سی شاہی فوج کی مدد سے دکن کی مہم سر نہیں ہو سکتی بلکہ دشمن اسے خاطر ہی میں نہیں لاتا اور مقابلے کی صورت میں اس کے غالب آجانے کا خدشہ ہے اس بات کا ذمہ لیتے ہیں کہ اگر حضرت بادشاہ سلامت یا شہزادہ عالم اس لوٹ آنے پر خفا ہوں تو ہم جواب دہ ہوں گے۔"(6)

صوبہ برار اور ایلچپور کی گورنری

خان جہاں کی مسلسل ناکامی اس کے کیریئر پر اثر انداز ہوئی اور اسکو دکن سے ہٹا دیا گیا اور صوبہ برار کے حاکم کے مرزا رستم کو تبدیل کر کے نواب خان جہان کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا گیا یہ تقرری شہزادہ پرویز نے کی بعد ازاں جہانگیر نے اسکی توثیق کر دی اور ایلچپور کا علاقہ بھی خان جہان لودھی کے سپرد کر دیا۔

''چونکہ عادل شاہ اور ملک عنبر کی درخواستوں کے پیش نظر صلح طے ہو چکی تھی لہذا شہزادہ عالم نے ان کی درخواستوں کو شرف قبولیت بخشا اور خود برہان پور کی جانب واپس تشریف لے گئے اور محرم الحرام ۱۰۲۱ھ کی پہلی تاریخ کو برہان پور جا پہنچے۔

کچھ عرصہ تو قبلہ نواب صاحب نے برہان پور میں بڑے عیش و آرام سے گذارا لیکن جب مرزا رستم نے وہاں سے تبدیل ہو جانے کے بعد صوبہ برار خالی ہوا تو اس ڈر سے کہ دشمن وہاں کسی قسم کی دست درازی نہ کرے اور بد نظمی نہ پھیلائے شہزادہ عالم سلطان پرویز نے نواب خان اعظم کے مشورے سے قبلہ نواب صاحب خانجہاں کو ایک خلعت خاص خنجر مرصع تلوار اور عراقی نسل کا گھوڑا انعام دے کر صوبہ برار کی حفاظت اور نظم و نسق کے لیے روانہ کیا قبلہ نواب صاحب نے یہ سفر دو ربیع الاول ۱۰۲۱ھ بروز جمعہ کو شروع کیا اور ماہ مذکورہ کی انیس تاریخ بروز پیر بخیر و عافیت صوبہ برار کے دار الخلافہ ایلچپور میں قدم رنجہ فرمایا وہاں جا کر بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ اور حضرت ظل الٰہی کے تابع فرمان حکومت کے کاموں میں مشغول ہو گئے جب حضرت شہنشاہ سلامت جہانگیر بادشاہ کو ان کے ایلچپور جانے کا علم ہوا تو بڑی شفقت و محبت سے ایک فرمان پر خود دستخط فرما کر اس کے ذریعے نہ صرف نواب صاحب قبلہ کی ڈھارس بندھائی

بلکہ ایلچپور اور اس کے چند نواحی علاقے بھی جاگیر کے طور پر
انھیں بخش دیئے اس طرح روز بروز شاہ کی عنایات وانعامات
میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔" (27)

خان جہان لودھی کی دیگر مقامات پر تعیناتی

خان جہاں لودھی نے کچھ عرصہ تو برار میں ہی قیام کیا سکے بعد جہانگیر نے اسے خط لکھا کہ دکن کے معاملات کے اصل ذمہ داران شہزادہ پرویز اور نواب سپہ سالار ہیں لہذا تم دربار میں واپس آجاؤ۔ یہ فرمان دیکھ کر شہزادہ پرویز اور نواب سپہ سالار نے جہانگیر سے درخواست کی کہ ابھی خان جہان لودھی کی یہاں ضرورت ہے لہذا اسے کچھ عرصے تک طلب نہ کیا جائے جہانگیر نے انکی یہ درخواست قبول کر لی۔ البتہ خان جہان لودھی کو برار و ایلچپور سے ہٹا کر تھانیسر کا گورنر مقرر کردیا یہ واقعہ 1022ھ اسنہ کا ہے بعد ازاں جہانگیر کے حکم سے شعبان 1023ھ میں خان جہان لودھی شہزادہ پرویز کے دربار سے وابستہ ہوگیا (28) 9 ماہ بعد 1024ھ میں جہانگیر نے نواب دولت خان لودھی کو اپنے دربار میں بلالیا۔

جہانگیر کے دربار میں 1024ھ

خان جہان لودھی نے اجمیر شریف میں جہانگیر کے دربار میں حاضری دی اور اسکی بہت عزت افزائی کی گئی جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے اسے بیٹا بنایا تھا اور اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ لہذا جب خان جہان لودھی کی آمد کی اطلا آئی تو بادشاہ نے کسی امیر کی طرح نہیں بلکہ شہزادوں کی طرح اس کا استقبال کی

ے اعزاز کے ساتھ خان جہان دربار میں حاضر ہوا۔ جس کی تفصیل ہم مخزن افغانی سے نقل کرتے ہیں۔

''جب حضرت ظل الٰہی شہنشاہ جہانگیر کو نواب صاحب کے پہنچنے کی خبر ملی تو انھوں نے شاہانہ لطف و کرم کی بنا پر نواب اعتماد الدولہ کو جنھیں حضرت خاقان جہانگیر عادل کے سسر اور ملکہ نورمحل کے باپ ہونے کا شرف حاصل ہے اور ساری مغل سلطنت کے امرکا نظم و نسق ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور ان کے فرزند ارشد مرزا ابوالحسن کو جو حضرت خاقان کے سالا ہونے کی وجہ سے وزارت جیسے بلند مقام پر فائز میں یہ مقام سب عہدوں سے اونچا ہے اور انھیں آصف خاں کے لقب سے یاد کیا جات ہے اور نواب مہابت خان کو جو اس خاندان سلطنت کے سب سے بڑے اور عالی شان امیر ہیں اور ان کے علاوہ باقی سارے امراء اور اعیان سلطنت کو حکم ملا کہ خانجہاں کا ان کی شایان شان استقبال کر کے اعزاز و اکرام کے ساتھ انھیں دربار لایا جائے مذکورہ بالا سارے حضرات نے شاہانہ فرمان کی تعمیل میں بلکہ اپنی رضا و رغبت سے بھی اور خوشی خوشی تین چار کوس بلکہ اکثر نے ایک منزل آگے آ کر نواب خانجہاں کا استقبال کیا یہ سارے لوگ ایک دوسرے سے مل کر بے حد خوش ہوئے۔ چونکہ شہنشاہ سلامت کی بارگاہ میں باریاب ہونے کے لیے نماز عصر کے فوراً بعد کا وقت مقرر ہوا تھا

لہذا یہ سارے حضرت نواب خانجہاں کو اجمیر شریف کے نزدیک گورشاہ کے مقام پر ایک خاص طور پر آراستہ کیے گئے مکان میں ٹھہرا کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے حضرت بلقیس زمانی علیا حضرت بیگم نور محل نے خاص شفقت و مہربانی کی بنا پر ایرانی وافغنی باغات سے آئے ہوئے پھلوں کے چند تھال جو امام شہید یعنی حضرت امام رضا علیہ السلام کے شہر مشہد مقدس سے آئے اور جن میں خربوزے ناشپاتی نار آم اور سیب وغیرہ شامل تھے نواب صاحب کو بھیج کر سر بلند فرمایا اس کے علاوہ علیا حضرت نے شاہی مطبخ میں تیار شدہ کئی قسم کی لطیف و خوش نما شیرینی اور لذیذ لذیذ کھانے بھی ایک قابل اعتماد درباری کے ہاتھ بھیجے اسی طرح اعلیٰ حضرت شہنشاہ معظم نے بھی دوپہر کے کھانے کے وقت شاہی دستر خان کے تبرکات میں سے چند قسم کے لطیف و لذیذ کھانے بھیج کر سرافراز فرمایا۔ اسی طرح شام تک ہر گھڑی شاہ جم جاہ کی طرف سے کوئی نہ کوئی چیز عنایت کے طور پر آتی رہی۔ جب شاہی دربار میں باریاب ہونے کا وقت قریب آیا تو قبلہ نواب صاحب پوری زیب و زینت کے ساتھ نوجوان سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر آراستہ کر کے چند کوہ پیکر ہاتھی ساتھ لیے دارالخلافہ کی جانب چلے اور عصر کی نماز کے بعد جب کہ دو تین گھنٹے دن باقی تھا دارالامارت خاص و عام میں آئے جو شاہی محل کا ایک طرح

سے بیرونی صحن ہے اور جہاں اعلیٰ حضرت شہنشاہ جہانگیر ہر روز نماز عصر کے بعد جھروکہ درشن کے لیے رعایا کے سامنے تشریف فرما ہوتے ہیں اور (۵۳۵) جہاں پر خاص وعام کا سلام وکورنش قبول کر کے انھیں سرافراز کیا جاتا ہے اور لوگ ہاتھی گھوڑے اونٹ اور بیل وغیرہ پیش کرتے ہیں منصب دار اور کروڑی وہاں اپنی عرضیاں شاہ کے حضور پیش کرتے ہیں اور سلطنت کے حکام واہلکار سرکاری امور سے متعلق اپنی اپنی رپورٹیں عرض کرتے ہیں اور یہ قابل تعریف طریقہ حضرت عرش آشیانی اکبر بادشاہ کے وقت سے برابر رائج چلا آرہا ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہرگز نہیں ہوسکتی نواب صاحب جب اس دیوان میں داخل ہوئے تو انھوں نے دور سے اعلیٰ حضرت کو اپنے سامنے تشریف فرما دیکھا دیکھتے ہی شاہ کی طرف لپکے اور کورنش وتین سلام بجا لائے۔

جیسے ہی اعلیٰ حضرت کی نگاہ پر لطف نواب صاحب پر پڑی کمال توجہ اور مہربانی سے باآواز بلند فرمایا بابا خانجہاں خوش آمدید آگے آؤ۔ جھروکہ والی جگہ سے نواب صاحب تک کوئی ایک تیر پھینکنے کا فاصلہ تھا کوئی آدھ فرلانگ کے قریب شہنشاہ کی آواز مبارک سن کر انھوں نے تیز تیز قدموں سے وہ راستہ طے کیا اور اس احاطہ میں پہنچ گئے جو کلاں بار کے نام یاد کی جاتی ہے اور جہاں امراء

ارکان حکومت اور اعیان سلطنت کھڑے ہوتے ہیں اور ہر کوئی اپنے منصب ومقام کے مطابق جگہ پاتا ہے اس جنت نظیر جگہ پر قدم رکھ کر نواب صاحب دوبارہ کورنش بجا لائے اور تین تسلیم سلام خصوصی بھی پیش کیے جو قبول ہوئے اس جگہ پر جو پھولوں کی سیج گلستان بہشت کے لیے باعث رشک اور نگار خانہ چین کا نعم البدل بنی تھی اور مخلوق کی سجدہ گاہ تھی شاہ کو تعظیم کا سجدہ کیا جو ہر ملک وملت کے دین و آئین میں جائز ہے اور شاہ کی محفل کی بساط کو ادب سے بوسہ دیا۔

شہنشاہ سلامت نے جو اسی طرح شاداں وخنداں تھے فرحت و مسرت کی حالت میں شاہانہ نظر التفات وشفقت فرمائی اور جھروکہ کی جگہ پر جو دراصل بادشاہ کے بیٹھنے کا چبوترہ سا ہوتا ہے چڑھ آنے کو اشارہ کیا تاکہ انھیں آستانہ شاہی کو بوسہ دینے کا شرف و امتیاز بخشا جا سکے خواجہ ابوالحسن جو بخشی گری کے اونچے منصب پر فائز ہیں چغتائی دستور وروش کے مطابق نواب صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اوپر لے گئے اور شاہ کی پابوسی کا شرف بخشوایا شہنشاہ سلامت پہلے کی طرح کمال شفقت وعنایت سے اپنے دونوں گھٹنوں پر اٹھے اور نواب سے بغل گیر ہوئے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بڑی شفقت سے حال احوال دریافت کیا اس کے بعد اس روش کے مطابق جو اس شاہی خاندان میں رائج

ہے جھروکہ سے نیچے آئے اور اپنی مقررہ جگہ پر کھڑے ہو کر تین تسلیم اور سجدہ تعظیم بجا لائے اس کے بعد خان اعظم اپنی مقررہ جگہ پر جو تخت کے بالکل نزدیک تھی اٹھ کر کھڑے ہوئے اور نواب خانجہاں کی طرف سے چال لعل قیمتی پانچ مروارید اور سو جہانگیری اشرفیوں کے ساتھ فرماں بردار اور وفا شعار نوکر ہونے کے نشان کے طور پر پیش کیے اور شہزادہ عالم سلطان پرویز کے سجدات و تسلیمات بھی عرض کیے بادشاہ سلامت نہایت شفقت و محبت سے بار بار خیر خیریت دریافت کرتے اور عزت افزائی فرماتے یہاں تک کہ اس روز محفل برخاست ہونے تک شاہ نے کسی دوسرے معاملے کی طرف توجہ ہی نہ فرمائی۔(29)

دکن کا مسئلہ اور شہزادہ خرم (شاہجہان) سے تکرار

عرض کے اسی روز اسکے بعد جہانگیر نے چند خاص مصاحب مثلاً شہزادہ خرم خان اعظم میر بخشی وغیرہ کے ساتھ ساتھ خان جہان لودھی کو بھی دیوان خاص میں بلایا اور دکن کے معاملات پوچھے اسی موقع پر خان جہاں لودھی کی شہزادہ خرم سے تکرار ہو گئی مخزن میں ہے کہ۔

"جب سورج غروب ہوا تو اعلیٰ حضرت نے چوکیداروں کی تسلیم قبول کی اور محل کے اندر خصوصی دولت خانے میں جو خصوصی مجلس کی جگہ یا دیوان خاص ہے وہاں تشریف لے گئے سب سے پہلے

شہزادہ عالم سلطان خرم خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر دوسرے ارکان دولت اور اعیان سلطنت مثلاً خان اعظم نواب خانجہاں صاحب دیوان اعتماد الدولہ مہابت خاں آصف خاں خواجہ ابوالحسن میر بخشی اور بزم جہانگیری کے بعض دوسرے مقرب ومصاحب بھی جن کے متعلق پہلے ہی سے اجازت وطے ہوتا ہے وہاں حاضر خدمت ہوئے۔

بادشاہ سلامت نے وہاں بھی تمام تر توجہ قبلہ نواب صاحب کا حال احوال دریافت کرنے پر مبذول فرمائی اور بڑی شفقت سے سفر کی تکالیف اور حالات کے بارے میں بار بار پوچھتے رہے۔ کوئی گھنٹہ بھر بعد میں دکن کے معاملات زیر غور آئے شاہ نے فرمایا کہ چند سال سے ہمارے دل میں صوبہ دکن کو پوری طرح فتح اور زیر نگیں لانے کی خواہش پیدا ہو رہی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس صوبے کے صحیح صحیح حالات ہمارے حضور بیان کیے جائیں مثلاً ہم جاننا چاہتے ہیں کہ جب شاہی فوج نے پہلی بار بالا گھاٹ پر چڑھائی کی تو بغیر کوئی موثر کارروائی کیے کیوں واپس لوٹ آئی پھر دوسری بات جب عبداللہ خاں کی کمک نہ پہنچ سکی تو اس کی کیا وجہ تھی اس فوج کے برہان پور کی طرف لوٹ آنے کے متعلق تمام امراء خاص طور پر راجہ مان سنگھ اور امیر الامراء نے کس مصلحت کے تحت اسے لوٹ آنے کا مشورہ دیا

تھا۔ نیز دکن کے باقی سارے امور و مہمات کو سلجھانے کے لیے نواب سپہ سالاری کیا کیا کوششیں کر رہے ہیں۔ اس پر نواب خانجہاں نے ہر قسم کے ادب آداب کا خیال رکھتے ہوئے بڑی احتیاط و دانش مندی کے ساتھ تمام مہمات سے متعلق جو جو اسباب و حالات پیش آئے تھے سب من طن عرض کر دیئے اس کے علاوہ دکن کے دوسرے امور سے متعلق بھی ہر قسم کی باتیں ہوئیں۔

اہل مجلس میں سے ایک صاحب جو نواب خانخاناں سے قدرے کبیدہ خاطر اور کشیدہ تھے کہنے لگے کہ جب تک خانخاناں اس صوبے میں متعین ہے دکن کی کوئی مہم کبھی سر نہ ہو سکے گی اور وہاں کا کوئی معاملہ کبھی نہ سلجھ سکے گا اگر وہ اپنے ولی نعمت کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے خلوص و نیک نیتی کے ساتھ وہاں کے معاملات کو سلجھانے کی مقدور بھر کوشش کرتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ پورا دکن کا صوبہ اب تک بحسن و خوبی مغلیہ سلطنت کے زیر نگیں نہ آ گیا ہوتا نواب خانجہاں نے پیشتر اس کے کہ اس شخص کو مزید کچھ کہہ کر کیچڑ اچھالنے کا موقع ملے بات کرنا شروع کی اور ہر اعتراض کا ایسا مدلل و معقول جواب دیا کہ وہ اپنی بات پر پشیمان ہوا اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے نواب خانجہاں نے شاہ کے حضور عرض کی کہ دکن کے معاملات و حالات اسی قسم کی

خوشامدانہ باتوں اور ایسے لوگوں کے حقیقت کی تہ تک نہ پہنچ سکنے اور آپ ایسے جلیل القدر بادشاہ کی محفل میں بغیر سوچے سمجھے بات کردینے کی وجہ سے تسلی بخش طور پر سلجھ نہیں رہے ورنہ خانخاناں نے دکن کے قیام کی اس تمام مدت میں کسی قسم کی وفاشعاری اور جاں نثاری سے کبھی ذرہ برابر دریغ نہیں کیا اور اس نے ہر ممکن کوشش اور جدوجہد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن چونکہ بعض امراء نے بے احتیاطی اور بے تدبیری کا ثبوت دیا جس سے دشمن نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

دکن کے لوگ چونکہ سامنے آکر کھل کر تو لڑتے ہی نہیں جس سے ایک جوان کو بہادری کے جوہر دکھانے کا موقع مل سکے۔ یہ وجوہات ہیں کہ صوبہ دکن پوری طرح فتح نہیں ہو رہا۔ خانخاناں بے چارے کا اس میں کیا قصور ہے اور انشاءاللہ اعلیٰ حضرت کے قدموں کی برکت سے دکن کے معاملات کو وہی خانخاناں ماضی کے برعکس ایسی خوش اسلوبی سے سلجھائیں گے کہ دیکھنے سننے والے انگشت بدنداں رہ جائیں گے لیکن ہر کام کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہوتا ہے۔ نواب خانجہاں کی یہ تقریر سن کر شہنشاہ جہانگیر نے فرمایا کہ مجھے تخت سلطنت پر بیٹھے دس سال ہو رہے ہیں اس وقت سے آج تک بہت سے لوگ دکن میں متعین ہوئے اور وہ وہاں سرگرداں ہیں۔ زر کثیر خرچ ہوا اور ہو رہا ہے

لیکن اس کے باوجود ہنوز روز اول والی بات ہے جو شخص بھی وہاں سے آتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ خانخاناں کا اس میں کوئی قصور نہیں شاید یہ لوگ خود بھی حقیقت حال کو نہ سمجھ سکے ہوں۔

اتنا ضرور ہے کہ اگر وہ ایمان داری اور صدق دل سے کوشش کرتا تو زیادہ تر امکان اس بات کا تھا کہ وہ ہماری خواہش کو پورا کر سکتا۔ اس درمیان میں نواب قدسی القاب شہزادہ عالم سلطان خرم نے رشتہ سخن کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمایا کہ میرا خیال ہے خانخاناں نے دکنی امور کی طرف پوری توجہ نہیں دی اگر شہنشاہ سلامت اجازت بخشیں تو یہ حقیر گجرات کی طرف سے اور سلطان پرویز دکن کی جانب سے فوج کشی کرے تو مجھے پوری امید ہے کہ آپ کی دعاؤں اور برکت سے دکن کی مہم بہت جلد او بخیر وخوبی سر ہو جائے گی ان کی اس بات کے جواب میں نواب خانخاناں نے عرض کی کہ شہزادہ عالم سلامت رہیں سلطان پرویز بھی جہاں پناہ کا بڑا شہزادہ اور ولی عہد ہے اور کئی سالوں سے انھوں نے اس صوبے میں کوششیں کی ہیں اور اب بھی کوشش کر رہا ہے اور کسی وقت بھی وہ دکنی امور سے غافل نہیں ہیں۔ خانخاناں ان کے اتالیق ہیں اور شب و روز دکن کو پوری طرح فتح کرنے کے لیے کسی کوشش و کاوش سے دریغ نہیں کرتے آپ کو گجرات کی جانب سے بھیجا جائے تو ان دونوں کی

دل شکنی ہوگئی کہ شاید ہم اس کام کو سرانجام دینے کی کوشش نہیں کر رہے یا اس کے قابل نہیں ہیں مجھے امید ہے کہ اگلے سال انشاء اللہ دکنی مہمات خاطر خواہ طریقے سے سرہو جائیں گی اور شہزادہ عالم آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے بڑے بھائی کے متعلق دکنی امور سے اس طرح کی بے توجہی کا گمان کریں دکنی امور سے متعلق جب اس حد تک سیر حاصل بحث ہو چکی تو سب خاموش ہو گئے اس کے بعد شہنشاہ سلامت نے اس سلسلے کی مزید گفتگو سے کوئی دلچسپی نہ لی بلکہ بستر پر آرام فرمانے کے لیے تکیہ پر ٹیک لگالی۔تو تمام امراء اجازت لے کر اور سلام کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے ۔نواب خانجہاں بھی اٹھ کر مہابت خاں کے ساتھ ان کے ہاں چلے گئے ۔اور کوئی دو گھڑی رات ان کی صحبت میں گذار کر اپنے گھر لوٹے۔"(30)

"اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خان جہان لودھی نے شہزادہ پرویز کی حمایت میں شہزادہ خرم کی مخالفت کی یہی وجہ تھی کہ بعدازاں شہزادہ خرم (شاہجہان) اور خان جہا لودھی میں اختلافات پیدا ہو گئے جو خان جہان لودھی کی بغاوت اور انجام کا سبب ہوئے۔اگرچہ خان جہان لودھی کو شہزادوں کا درجہ حاصل تھا۔مگر وہ شہزادہ تھا نہیں ۔خرم کو معلوم تھا کہ وہ غیر قوم سے ہے اور مفلوہ کے درمیان مغل شہزادے کا درجہ کسی غیر شخص کو ملنا،شہزادہ خرم کے حسد اور جلن کا سبب تھا،م وہ بادشاہ کا صلبی بیٹا تھا۔اسے کب برداشت تھا کہ کوئی غیر شاہی خرد اسطرح سے اس کو لوٹ کر جواب دے۔

یہاں تک کے واقعات تو ہم نے مخزن افغانی سے نقل کیے ہیں جس کا مصنف خان جہان کا شریک تھا اور ان واقعات کا چشم دید گواہ اور راوی ہے آگے کے واقعات مخزن میں درج نہ ہیں لہذا انہیں دیگر بنیادی ماخذات سے نقل کیا جاتا ہے۔

مخزن کی تصدیق تزک جہانگیری سے بھی ہوتی ہے جہاں بادشاہ نے اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔

''۱۸ امرداد کو میر فرزند خان جہاں دکن سے آ کر میری خدمت میں حاضر ہوا اسے دیکھنے کو میرا جی چاہتا تھا اور دوسرے صوبہ دکن کے حالات معلوم کرنے تھے اس لیے میں نے اسے طلب کیا تھا اس نے میری خدمت میں ایک ہزار مہریں ایک ہزار روپے چار لعل بیس موتی ایک زمرد اور ایک مرصع پھول کٹارہ پیش کیا۔

''یاد رہے کہ جہانگیر نے ہر جگہ خان جہان لودھی کو فرزند یا میرا فرزند کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ مخزن میں جگہ جگہ درج ہے کہ جہانگیر خان جہان لودھی کو انعامات بھجواتا رہتا تھا۔ تزک میں بھی اس کا تذکرہ ہے کہ جہانگیر نے خان جہان کے لیے بھی دو موتی بھجوائے تھے جہانگیر کہتا ہے کہ مذکورہ بالا ملاقات کے بعد خان جہان لودھی کو واپس دکن روانہ کر دیا گیا۔''

''۵ ماہ مذکور کو مہابت خاں جو خان جہاں کے ساتھ دکن کی مہم پر متعین کیا گیا تھا۔ مرصع خنجر پھول کٹارہ خاص تلوار اور ہاتھی دے کر رخصت کیا ۹ ماہ مذکور کر خان جہاں و خاص خلعت زین سمیت گھوڑا خاص ہاتھی اور خاص تلوار مرحمت کرتے ہوئے

رخصت کیا۔اسی تاریخ میں مہابت خاں کے ایک ہزار سات سو سواروں کے دواسپ وسہ اسپ قرار دے کر تنخواہ جاری کرنے کا حکم دیا میں نے دکن کی مہم پر جن لوگوں کو متعین کیا تھا وہ یہ ہیں۔تین سو تین منصب دار تین ہزار احدی اور یماق سوار سات سو ذارک پٹھان تین ہزار اور لشکر کے ہمراہ تین لاکھ روپے توپ خانہ ار جنگی ہاتھی روانہ کئے۔شاہجہان نامہ میں ہے کہ جب شہزادہ خرم

''شاہجہان نے دکن فتح کیا تو خان جہان لودھی کو بھی اعزاز سے نوازا گیا۔

''اس کے بعد نامی سردار مثلاً خان جہاں عبداللہ خاں مہابت خاں راجا سورج سنگھ راجا بھاؤ سنگھ وغیرہ اپنے اپنے منصب کے مطابق بارگاہ شاہی میں پیش ہوئے اور اپنے اپنے درجے کے لائق بیش قیمت نذریں گزاریں۔(34)

گھوڑے کا انعام:

اس دور میں کسی کو گھوڑا عطاء کرنا بہت بڑے اعزاز کی بات تھی۔اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس شخص کی صلاحیتوں کو تسلیم کیا جارہا ہے اور اس کے عہدے میں اضافہ کیا جارہا ہے۔عراقی گھوڑے اس دور میں بہت قیمتی ہوئے تھے اور اکثر بادشاہ، شہزادے اپنے پاس ہی رکھتے تھے۔بادشاہ کی جانب سے کان جہان کو عراقی گھوڑا عطا کرنے کا مطلب تھا کہ وہ کسی شہزادے سے کم نہیں ہے اور بادشاہ کا جانشین بن سکتا

ہے۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بادشاہ نے اس کا رتبہ اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ بڑھایا ہوا تھا۔

1026ھ میں خان جہان لودھی بادشاہ کے پاس آگرہ آگیا بادشاہ نے اسے ایک عراقی گھوڑا دیا۔

> اس نے دو عاقی گھوڑے اور دکن و گجرات کے تیار کردہ پارچہ جات کے کچھ تھان میری ہنذر کئے۔ اسی دن میں نے یاک عراقی گھوڑا جان جہان کو عنایت کیا۔(35) مخزن میں اس کا تفصیلی تذکرہ ہے: ان شاہانہ نوازشات وعنایات میں سب سے بڑھ کر وہ نر گھوڑا تھا جو ایران کے فرمانروا شاہ عباس حسینی نے سات ہزار تومان میں جو اکیس ہزار روپے کے برابر ہوتے ہیں اپنی سواری کے لیے عراق سے خریدا تھا شکل وصورت صفات رنگ ڈھنگ قد کاٹھ طاقت وتوانائی میں زمانے بھر کے تاریخ نویسوں نے بھی کبھی نہ دیکھا تھا بلکہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ قدیم ایرانی پہلوان رستم کا گھوڑا (رخش۔رستم) اور حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب کے دیو ہیکل اونٹ کے بعد ایسا گھوڑا خدا نے کہیں پیدا ہی نہ کیا ہوگا۔شاہ عباس نے یہ گھوڑا تحفے کے طور پر اپنے ایک مقرب درباری کے ذریعے اعلیٰ حضرت شہنشاہ جہانگیر کو بھیجا تھا غرض عقل دوراندیش اس گھوڑے کی تعریف وتوصیف سے عاجز وقاصر ہے بلند اقبال شہزادہ سلطان خرم بھی اس گھوڑے کو

حاصل کرنے کے بہت متمنی رہے کئی بار انھوں نے اعلیٰ حضرت سے اس کے لیے التماس بھی کی لیکن شہنشاہ کو چونکہ اس کوہ پیکر ہوار فتار اور خوش اطوار حیوان سے بے حد انس تھا اس لیے شہزادہ کی اس درخواست کو شرف قبولیت حاصل نہ ہوسکا شاہ نے کمال شفقت وعنایات سے یہ گھوڑا نواب صاحب خانجہاں کو عطا فرمادیا اس کا سبب یہ تھا کہ کچھ عرصہ پیشتر ایک رات جب شاہ کی جود وعطا کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا تو اعلیٰ حضرت نے وعدہ فرمایا تھا کہ بابا خانجہاں ہم نے ایک عراقی نسل کا بہت اعلیٰ گھوڑا تمھیں بخشنے کی نیت سے اپنے خاص طویلے میں پال رکھا ہے شاہ کی مراد اسی گھوڑے سے تھی۔" (30)

شراب نوشی:

اس کے بعد خان جہان لودھی مسلسل جہانگیر کی صحبت میں ہی رہا اور غالبًا اسکے ساسفر پر بھی جاتا رہتا تھا۔ اسی کی صحبت میں خان جہان لودھی کو بھی شراب کی لت لگ گئی شراب نوشی کا تذکرہ مخزن میں نہیں ہے۔ چونکہ شراب نوشی اسلام میں حرام ہے اور مسلمانوں میں اسے ایک پسندیدہ فعل نہیں سمجھا جاتا لہذا نعمت اللہ ہروی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مخزن چونکہ خان جہنا لودھی کی تعریف میں لکھی گئی ہے۔ لہذا اس میں ہر اس چیز کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ جو خان جہان کے کردار و شخصیت پر منفی اثر ڈالے۔ 1029ھ میں خان جہان نے شراب ترک کردی جہانگیر نے ترک شراب نوشی کا

خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

"انہی ایام میں میرے فرزند خان جہان نے یک لخت شراب ترک کردی میں نے اس کو نصیحت کی کہ یک لخت شراب ترک کردینا مضر ہے مگر وہ نہ مانا اور اپنے نفس پر قابو پاکر اس مرحلے سے گزر گیا۔"

(37) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خان جہان لودھی مسلسل کئی برسوں سے جہانگیر کے ساتھ تھا اور اس دوران کسی جگہ تعینات نہیں ہوا تھا بلکہ وہ جہانگیر کے بخشی اور واقعہ نویس کے طور پر اسکی صحبت سے فیض یاب ہو رہا تھا۔

ملتان کی گورنری:

جہانگیر کو اب بھی شراب کی لت تھی لہذا اس نے خان جہان کی پرہیز گاری میں خلل ڈالنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے خاص آدمی کے طور پر اسے ملتان کے سرحدی صوبے کا گورنر مقرر کر دیا۔

"۱۲ دی ماہ کو خان جہان کو ملتان کا صوبے دار مقرر کر کے انعام واکرام سے سرفراز کیا اور ملتان جانے کی اجازت مرحمت فرمائی محمد شفیع کو اس جگہ بخشی اور واقعہ نویس مقرر کیا۔ (38)

قندھار کی مہم

1031ھ میں شاہ ایران نے قندھار کی جانب پیش قدمی کی خان جہان نے اسکی اطلاع جہانگیر کو دی اور جہانگیر نے شاہی افواج کی آمد تک اسے پیش قدمی

روکنے سے روک دیا۔

جس کی وجہ یہ تھی بادشاہت کے نظریئے کے مطابق ایک بادشاہ ہی دوسرے بادشاہ کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ یا اگر بادشاہ خود نہ جاسے تو وہ کس شہزادے کو بھیجتا ہے۔ اگر خان جہان لودھی خود شاہ ایران کے مقابلے پر چلا جاتا تو اس کے لئے تو یہ اعزیز کی بات ہوئی مگر مغلوں کو یہ قبول نہ تھا۔ کیونکہ شاہ ایران سے مقابلہ کرکے اکا درجہ بھی بادشاہ کے برابر ہو جاتا ہے۔ لہذا بادشاہ نے اسے خود پیش قدمی کرنے سے روک دیا۔

"اس سے پیشتر قندھار کے مقصدیوں کی عرائض سے معلوم ہو رہا تھا کہ شاہ ایران قندھار پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے لیکن اپنے آبائی روابط کی بنا پر مجھے یقین نہ آتا تھا حتی کہ خان جہان کی عرضداشت سے معلوم ہوا کہ شاہ ایران نے عراق اور خراسان کی فوجوں سے قلعہ قندھار کا محاصرہ کرلیا ہے میں نے فوراً خواجہ ابوالحسن کو لاہور روانہ کیا کہ جب شہزادے دکن گجرات بنگال اور بہار کی شاہی افواج کے ساتھ لاہور پہنچیں انہیں ملتان کی طرف خان جہاں کے پاس روانہ کریں اور چونکہ ملتان اور قندھار کا درمیانی علاقہ کم آباد ہے اس لیے رسد کی فراہمی کے لیے میں نے طے کیا کہ غلہ فروشوں کو جنہیں ہندوستانی بنجارہ کہتے ہیں شاہی لشکر کے ساتھ بھیجا جائے تاکہ راستے میں لشکر کو غلے کی کمی سے دوچار نہ ہونا پڑے اور خان جہاں کو فرمان بھیجا کہ شاہی افواج کے پہنچنے تک وہ قندھار کی طرف پیش قدمی نہ کرے بہادر

خان کو قندھار روانہ ہونے اور لشکر کی کمک پر متعین کیا۔

''اس کے بعد جہانگیر نے شہزادہ شہریار کو قندھار کی مہم پر روانہ کیا اور خان جہان لودھی کو آگرہ بلالیا۔(39)

''جمعرات کے مبارک دن میں شہریار کو قندھار کی مہم سپرد کر کے اسے دو ہزاری ذات دہشت ہزار سوار کے منصب پر سرفراز کیا۔(40)

''اسی دن خان جہان نے ملتان سے لاہور پہنچ کر شرف حضوری حاصل کیا۔(41)

مآثر الامراء میں اس واقعہ کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

''خان اعظم کو سردار کر دیا گیا ایک سال کے بعد جب خان جہان حضور میں پہنچا تو وہی قرب و منزلت حاصل ہوئی اور سرمو فرق نہ ہوا۔ یہاں تک کہ پندرہویں سال جلوس جہانگیری میں جب قزلباش قندھار کی فتح کے ارادے سے آگے بڑھا تو خان جہاں کو ملتان کی صوبے داری سپرد ہوئی سترہویں سال جلوس جہانگیری کے شروع میں جب شاہ عباس صفوی نے چالیس روز کے محاصرے کے بعد قلعہ قندھار پر قبضہ کر لیا تو خان جہاں حسب الحکم اس کام میں مشورے کے لیے نہایت تیزی کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں روانہ ہوا لیکن اس کی اس وقت واپسی کو لوگوں نے جو بادشاہ کے فرمان سے خبردار نہ تھے خان

جہاں کی شرمندگی اور نا قابلیت خیال کیا اور لوگوں کو یقین ہو گیا
کہ اس مرتبہ ضرور وہ اپنے منصب سے معزول ہو جائے گا بلکہ
(ممکن ہے) قتل کر دیا جائے حالانکہ دوبار اس کے پاس احکام
پہنچے کہ ہرگز قلعے کا قصد نہ کرنا اس لئے کہ بادشاہوں کے
مقابلے کے لئے سوائے بادشاہ کے دوسرا نا مناسب ہے جب یہ
سرکار میں پہنچ گیا تو یہ طے پایا کہ شہزادے کے پہنچنے تک ملتان
میں رہے اور اس مہم کو پورا کرنے میں کوشش کرے۔" (42)

"تزک میں ہے کہ بعد ازاں خان جہان کو واپس ملتان بھیج دیا
گیا۔ خان جہان کو جسے میں نے طلب کیا تھا واپس ملتان روانہ
کیا کہ وہ شہزادہ شہریار کے ملتان پہونچنے تک وہاں حکم ثانی کا
انتظار کرے الا داد خان افغان مرزا عیسیٰ خان ترخان مکرم خان
اور اکرام خان کو خان جہاں کے ساتھ روانہ کیا۔" (43)

اعمال صالح میں لکھا ہے کہ جہانگیر نے خان جہاں لودھی کو قندھار کا قلعدار
مقرر کر دیا تھا مگر نو جہاں کی سفارش سے اسے واپس ملتان بھیج دیا گیا۔"

جب شاہ عباس صفوی ایران کے تخت پر بیٹھا تو اسے بڑی آرزو
تھی کہ کسی طرح یہ قلعہ پھر ہاتھ آ جائے اس نے مدتوں بعد
جہانگیر بادشاہ کے عہد میں اپنے توشہ خانے کے داروغہ زنبیل
بیگ کو جو آخر میں سپہ سالاری کے مرتبے کو پہنچا خان عالم کے
ساتھ بطور سفیر بھیج کر التماس کی کہ یہ قلعہ ہمیں عنایت کر دیجئے

جہانگیر بادشاہ کے اس بات کا جواب نہ دیا خان جہاں لودھی کو جو
قوم اور قبیلے کی کثرت نیز ساز وسامان اور تجمل کی افراط کے سب
بادشاہوں کی سی شوکت رکھتا تھا وہاں کا قلعدار مقرر فرما دیا ان
دنوں حکومت کی عنان نور جہاں بیگم کے ہاتھ میں تھی وہ انجام کو تو
کیا کسی معاملے کے آغاز کو بھی نہ دیکھتی تھی۔ خان جہاں نے بیگم
کے وسیلے سے گزارش کی کہ مجھے ملتان کی صوبے داری عنایت
فرمائی جائے قندھار کی نگہبانی عبدالعزیز خاں نقشبندی کے سپرد
کیجئے اگر کسی وقت ایران کا تاجدار اس طرف حملہ کرے گا تو یہ
جانثار مقابلے کے لیے پہنچے گا اور جانفشانی کے جوہر دکھائے گا۔

افغان قبائل سے تعلق:

خان جہاں ملتان پہنچ گیا تو افغانی قبیلے اسکے گرد جمع ہو گئے اور اسکو ایران فتح کرنے کی پیش کش کی مگر خان جہاں لودھی نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اور انکو انکار کردیا مآثر الامراء میں ہے کہ:

"کہتے ہیں کہ قندھار کے نواح میں اکثر افغانی قبیلوں نے ملتان
آ کر خان جہاں سے کہا کہ ہم قومی کی حمیت سے اگر سرکار کی
جانب سے پانچ تنکہ فی سوار دو تنکہ فی پیادہ مقرر ہو جائے کہ
روزی کے لئے ضروری ہے تو آپ کی ہراولی میں کثیر تعداد کے
ساتھ صفاہاں تک ملک پر آپ کا قبضہ کرادیں اور وعدہ کرتے ہیں

کہ فی روپیہ پانچ سیر کے حساب سے اس وقت تک آپ کے لشکر کے لئے غلہ فراہم کرتے رہیں گے خان جہاں نے کہا کہ اگر کبھی بادشاہ اس قسم کا اتفاق دیکھے گا تو بجھ کر زندہ کیوں چھوڑے گا۔(45)

شاہجہان کی بغاوت

ابھی قندھار کی مہم شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ شاہجان نے بغاوت کر دی اور جہانگیر کو اس جانب توجہ دینی پڑی۔ آخر کار جان جہان لودھی کو مشورے کے لیے آگرہ بلا لیا گیا خان جہان نے جانے میں تاخیر کی کیوں کہ سخت بیماری کی وجہ سے وہ 13 روز تک بے ہوش پڑا تھا تزک جہانگیری میں ہے کہ

''اسی دن معزالملک نے جو خان جہان کو لینے کے لیے ملتان گیا ہوا تھا حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ وہ سخت بیمار اور کمزور ہو گیا ہے اس لیے اس نے اپنے بیٹے اصالت خان کو حاضر خدمت ہونے کے لیے روانہ کیا ہے''(46) مآثر الامراء میں ہے کہ:

اسی اثنا میں آسمان نے دوسرا انقلاب پیدا کر دیا کہ بادشاہ اور شہزادہ ولی عہد شاہجہاں کے درمیان کشیدگی ہو گئی اور جنگ وجدل تک نوبت پہنچی۔ فوجوں کا قندھار پر مقرر کرنا موقوف ہوا اور خان جہاں کی طلبی میں متواتر احکام صادر ہوئے آخر کار بادشاہ نے تحریر کیا کہ اس موقع پر اس عداوت کے باوجود اگر شیر

خاں سور ہوتا تو وہ بھی آ جاتا تم اس وقت تک نہیں آئے اتفاق
سے خان جہاں بیمار ہو گیا اور تیرہ روز تک بے ہوش پڑا رہا اس
کے بعد جب بادشاہ کے حضور میں پہنچا تو قلعہ آگرہ اور وہاں کے
خزانوں کی غرض سے فتح پور سیکری میں قیام کے لئے حکم
ہوا" (47)

بیماری کے بعد خان جہان خود آگرہ آیا جہانگیر لکھتا ہے کہ:

"اس وقت میرا فرزند خان جہان ملتان سے آیا اور خوش قسمتی
اسکی کہ آداب بجالایا۔ ان سے دس ہزار مہریں ایک لاکھ روپے
مالیت کی ایک روبی ایک ہیرہ اور دیگر جواہر نذر میں پیش
کیے۔" (48)

غرض کے اب خان جہاں لودھی کو خزانوں کی حفاظت کا کام سپرد کیا گیا نیز
جب آگرہ کے آس پاس گنواروں نے لوٹ مچائی تو خان جہان لودھی انکی سرکوبی کے
لیے مقرر ہوا۔

"اسی دوران مجھے بتایا گیا کہ جمنا کے اس پار گنوار اور کسان چور
اور ڈاکہ زنی سے باز نہیں آتے اس لئے میں نے خان جہان کو
حکم دیا کہ ان لوگوں کی اچھی طرح سرکوبی کی جائے۔" (49)

آگرہ کی حکومت:

خان جہان لودھی جہانگیر کے لیے اتنا قابل اعتماد تھا کہ ایک بار 1033ھ/

سنہ میں جہانگیر نے اسے آگرہ کا حاکم مقرر کیا۔

"احتیاط کے طور پر میں نے 2 اردبشت کو اپنے فرزند خان جہان کو آگرہ روانہ کیا کہ وہ اسکے گردونواح کی نگرانی کرے اور حکم کا انتظار کرے اگر اسے کسی خاص مدد کی ضرورت ہو اور اسے کچھ حکم دیا جائے تو وہ حالات کے مطابق خدمت سرانجام دے میں نے اسے خلعت خاص دو موتی والے بٹن کی نادری ایک مرصع تلوار دی اور اسکے بیٹے اصالت خان کو ایک خلعت خاص اور گھوڑا عنایت کیا۔(50)

اقبال نامہ جہانگیر میں ہے کہ:

"حزم واحتیاط پر نظر کر کے عمدہ سلطنت خانجہاں کو دارالخلافہ بھیجا کہ ان حدود میں رہ کر حکم کا انتظار کرے اگر کسی خدمت کی ضرورت ہو اور توجہ دلائی جائے تو فرمان کے مطابق کاربند ہو۔"(51)

گجرات کی حکومت:

1034/ سنہ میں جہانگیر نے حکام گجرات اعظم خان کی وفات پر خان جہان لودھی کو گجرات کا حاکم مقرر کردیا معتمد خان نے تزک جہانگیری کے تمتہ میں تحریر کیا ہے کہ:

"خان اعظم کی وفات کے بعد شہنشاہ جہانگیر نے خسرو کے بیٹے

داروبخش کر گجرات سے بلا کر خان جہان کو اس صوبے کا حاکم
متعین کیا۔" (52)

جب خان جہان لودھی گجرات کا گورنر تھا تو مہابت خان (جو شہزادہ پرویز کا اتالیق تھا) شہزادہ پرویز سے الگ ہو کر بنگال فرار ہو گیا خان جہان لودھی حسب ہدایت بادشاہ جہانگیر شہزادہ پرویز سے دکن میں جا ملا اور اس کا اتالیق بن گیا دکن میں اس نے شاہجہان کے ساتھی عبداللہ خان کی غلطی معاف کروائی۔

"اسی دوران میں فدائی خان نے مطلع کیا کہ مہابت خان شہزادہ پرویز سے رخصت ہو کر بنگال روانہ ہو گیا ہے اور خان جہان گجرات سے آ کر شہزادے کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہے۔ خان جہان کی عرضداشت ملی کہ عبداللہ خاں شاہجہاں سے الگ ہو کر اپنی ندامت اور خجالت کا اظہار کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے معافی کا خواستگار ہے اس عرضداشت کے جواب میں فرمان شاہی صادر ہوا کہ اس کی درخواست کو شرف قبولیت حاصل ہو گئی ہے کیونکہ بارگاہ شاہی سے کسی کو ناامید نہیں کیا جاتا ہے۔" (53)

اسی دوران شہزادہ پرویز درد قولنج کا شکار ہو گیا جس کی اطلاع خان جہان لودھی نے شہنشاہ جہانگیر کو دی اور آخرکار پھر اسکے انتقال کی خبر آئی۔

"اسی تاریخ کو شہزادہ پرویز کی بیماری کی اطلاع ملی وہ درد قولنج کے عارضے میں کافی دیر تک مبتلا رہا اس کے بعد خان جہاں نے

اطلاع دی کہ وہ دوبارہ اسی عارضے کا شکار ہو گیا اور اطبا نے اس کی بیماری مرگی تشخیص کی ہے جس میں شہزادہ مراد اور شہزادہ دانیال انتقال کر گئے تھے۔'' (54)

''بدھ ۷ ماہ صفر ۱۰۳۶ کی رات کے وقت شہزادہ پرویز اس دار فانی سے کوچ کر گیا وفات کے وقت اس کی عمر اڑتیس سال کی تھی۔ (55)

اقبال نامہ جہانگیری میں ہے کہ:

''اسی اثنا میں خبر آئی کہ شاہزادہ پرویز ماہ مذکور کی چوتھی کو مطابق ششم صفر 1035ھ عازم عدم ہوئے اس وقت فقیر حضرت شاہنشاہی کی خدمت میں حاضر تھا پرویز کی عمر اڑتیس سال سنہ شمسی کے حساب سے تھی اس مدت میں پدر عالی قدر کے خلاف مرضی سر مو تجاوز نہ کیا حضرت شاہنشاہی اس سے بہت خوش تھے وہ بھی ہمیشہ جہاں پناہ کی پیروی و اتباع میں کوشاں رہتا تھا یہاں تک کہ لباس پوشی پیالہ نوشی طعام اور شب زندہ داری وغیرہ خصوصیات میں حضرت شاہنشاہی کی تقلید بدرجہ اتم ملحوظ تھی لیکن قوت مستقلہ و متصرفہ کم تھی خان جہاں کو فرمان ہوا کہ فرزندوں اور اس کے پسماندوں کو حضور میں بھیج دے۔'' (56)

دکن کا مسئلہ

دریں اثنا عنبر حبشی جو فوت ہو چکا تھا اس کے بیٹے فتح خان نے نظام الملک وغیرہ سے مل کر دکن کے مغل علاقوں پر حملہ کر دیا جس کا خان جہان لودھی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر پھر صلح کر کے بارہ لاکھ کے عوض ایک معقول علاقہ نظام الملک کے سپرد کر دیا۔

"اسی دوران میں شہنشاہ کو اطلاع ملی کہ نظام الملک کے آدمیوں نے فتح خاں ولد عنبر کی سرکردگی میں چالاکی سے شاہی حدود میں داخل ہو کر شورش برپا کر دی چنانچہ خان جہان نے لشکر خان کو برہانپور کی حفاظت پر مامور کر کے ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے بالا گھاٹ کی طرف روانہ کیا جس نے ان لوگوں کو کھرکی تک دھکیل دیا جب یہ معلوم ہوا کہ خان جہاں دولت آباد پر حملہ کرنے کے لیے آ رہا ہے تو نظام الملک کا ایک حبشی غلام حمید خان بارہ لاکھ روپے لے کر خان جہان کے پاس پہنچا کہ احمد نگر کا قلعہ اور بالا گھاٹ کا تمام علاقہ نظام الملک کو دے دے خان جہاں نے یہ رقم لے کر تمام علاقے نظام الملک کے آدمیوں کے حوالے کر دیے لیکن سپہدار خان حاکم احمد نگر نے قلعہ کا قبضہ نہیں دیا یہ کہتے ہوئے کہ شاہی فرمان کے بغیر قلعہ حوالے کرنا ناممکن ہے اور حملے کی مدافعت کرنے کے لیے ڈٹ کر تیار ہو گیا۔ جب عادل خان

نے نظام الملک پر حملے کی تیاری کی تو حمید خان کی بیوی نے جو نظام الملک کی زندگی اور اقتدار پر حاوی تھی درخواست کی کہ اسے فوج کا سپہ سالار بنایا جائے تاکہ عدل خاں کو شکست ہو تو لوگ کہیں کہ عادل خان نے ایک عورت سے شرمناک شکست کھائی اگر اس کے برعکس ہوا تو بھی وہ عورت ذات سے فتح پا کر فخر نہیں کر سکتا اس طرح یہ عورت سپہ سالار بن کر فوج لے کر روانہ ہوئی جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو اس نے بڑی جوانمردی سے مخالف لشکر کو شکست فاش دی اور تمام جنگی ہاتھیوں اور توپ خانے پر قابض ہو گئی اسی اثناء میں اطلاع ملی کہ توران کے فرمانروا امام قلی خان نے اپنے ایلچی عبدالرحیم خواجہ کو تحفے تحائف دے کر شہنشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے کابل کے قریب حاکم کابل ظفر خاں نے اس کا شاندار استقبال کیا لاہور کے قریب موسوی خان نے شہنشاہ کی طرف سے استبال کیا۔(57)

آگے ایک جگہ درج ہے کہ شاہجہاں نے خان جہان لودھی کو اطاعت کی ترغیب دی تھی مگر خان جہان لودھی نے اسکی بات نہیں مانی۔

''یہ سن کر شاہجہان ۲۲ ربیع الاول ۱۰۳۷ھ کو گجرات کے راستے سے روانہ ہو گیا۔اور آصف خان کو فرمان کے ذریعے اپنی روانگی سے آگاہ کیا روانگی کے وقت شاہجہان نے ایک فرمان خان جہان کو بھی بھیجا جس میں اس نے اپنی عنایات کا امیدوار بنائے

ہوئے اطاعت کرنے کی ترغیب دی خان جہان نے بجائے اس فرمان پر عمل کرنے کے نظام الملک سے عہد پیمان کرکے دوستی نبھانے کا حلف اٹھایا اس کے بعد اس نے قلعہ احمد نگر کے سوا بالا گھاٹ کا سارا علاقہ نظام الملک کے حوالے کردیا۔" (58)

"اقبال نامہ جہانگیری میں ہے کہ: اس حادثہ سے طبیعت پر گرانی کے آثار نمایاں ہوئے سخت ملال کیا مگر چونکہ ٹھہرنے اور مراسم تعزیت ادا کرنے کا مقتضی نہ تھا نہ اتنی فرصت تھی مجبوراً مہابت خاں اور دوسرے خیر خواہوں کی التماس سے پنجشنبہ کے دن 23 ربیع الاول 1037ھ کو انجم شناسوں کے مشورہ کے مطابق گجرات کے راستہ سے مستقر خلافت کی طرف روانہ ہوا۔اور بنارسی کے پہنچنے اور خبریں پہنچانے اور اپنی روانگی کے حالات لکھ کر امان اللہ اور بایزید کے ہاتھ جو مستعد و وفادار خادم تھے آصف خاں کے نام ایک فرمان روانہ کیا اور جاں نثار خاں کو جو مزاج دانوں میں سے تھا نہایت مراحم و نوازش سے معمور ایک فرمان خان جہاں افغان کے نام دے کر خان جہاں کے پاس روانہ کیا جو اس وقت صوبہ دکن کا حاکم تھا تاکہ اس کو گونا گوں عنایات کی خوشخبری دے کر اس کے ارادے معلوم کرے۔" (59)

"پھر خان جہان لودھی نے عبداللہ خان کو یقین دلایا کہ بادشاہ جہانگیر نے اسے معاف کردیا ہے تاکہ وہ اسکے پاس برہان

پور آئے جب عبداللہ خان برہانپور آ گیا تو خان جہان نے اسے گرفتار کر لیا۔"

انہیں دنوں میں خان جہاں نے عبداللہ خان کو کئی خطوط لکھے کہ وہ برہانپور آئے عبداللہ اس کے وعدوں پر بھروسہ کر کے برہانپور پہنچ گیا تو خان جہان نے اسے ایک دن موقع پا کر گرفتار کر لیا اور قلعہ اسیر میں قید کر دیا اس عہد شکنی کے بدلے میں قدرت نے خان جہان کو بھی سزا دی اور وہ یہ کہ جہانگیر کی وفات کے بعد جب شاہجہان تخت نشین ہوا تو اس نے شاہجہان کی طرف سے طرح طرح کے خطرات محسوس کیے حتی کہ اتوار ۲ ماہ صفر ۱۰۳۹ھ کو رات کے وقت اپنے اہل وعیال اور ہمراہی لے کر آگرے سے فرار ہو گیا شاہجہان نے اس کے تعاقب میں لشکر روانہ کیا جس میں سے بہت سے سردار اور اس کے دو بیٹے مارے گئے مگر خان جہان زخمی حالت میں بچ کر نکل گیا اور نظام الملک کے پاس پہنچ کر شاہی قلمرو میں شورش برپا کرتا رہا اس کے بعد الہ آباد سے بیس کوس کے فاصلے پر عبداللہ خان فیروز جنگ کی فوج سے ٹکر ہوئی جس میں وہ اپنے دو بیٹوں سمیت قتل ہوا اور عبداللہ خان فیروز جنگ نے اس کا سر کاٹ کر شاہجہان کو پیش کر دیا۔"

(60)

"جہانگیر کے آخری دن: اسی دوران خان جہان لودھی نے مانڈو اور مالوے کے اکثر

علاقوں پر قبضہ کرلیا۔"

"جبکہ خان جہان فتنہ وفساد پھیلانے کا مکمل ارادہ کر چکا تھا اس موقع پر دریا خاں روہیلہ بھی اس کے پاس پہنچ گیا یہ شہنشاہ جہانگیر کی وفات کے بعد شاہجہان سے الگ ہو چکا تھا صوبہ دکن کا دیوان آقا افضل بھی شاہجہان کے خلاف ہو کر خان جہان کے پاس آگیا ان وجوہات کی بنا پر اس نے شاہجہان کے فرمان کا کائی جواب نہ دیتے ہوئے اس کے ایلچی کو واپس روانہ کر دیا اور اپنے اہل وعیال کو برہانپور میں چھوڑ کر خود ایک لشکر لے کر مانڈو پہنچا اور مالوے کی اکثر جاگیروں پر قابض ہو گیا ان جاگیروں پر قبضہ کرنے کے بعد وہ واپس برہانپور چلا گیا۔"

(61)

"جب مہابت خان شاہجہاں سے مل گیا تو جہانگیر نے خان جہان لودی کو نواب سپہ سالار کا خطاب عطا کر کے اسے سپہ سالار مقرر کر دیا مگر چند روز بعد ہی جہانگیر فوت ہو گیا۔"

"اسی زمانے میں جب مہابت خاں اپنی بدکرداری کو سوچ کر دربار شاہی سے نکلا اور جیر میں شاہجہاں سے جا ملا جہانگیر بادشا نے اس کا سپہ سالاری کا خطاب خان جہاں کو عنایت کر دیا چند روز نہیں گزرے تھے کہ جہانگیر بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔"

(62)

خان جہان لودھی اس بات سے بے خبر تھا کہ جہانگیر فوت ہونے والا ہے

اس دور کے محدود محدود ذرائع ابلاغ کی وجہ سے گجرات والوں کو کئی ہفتے بعد پتہ چلتا تھا کہ آگرہ میں کیا ہوا ہے۔خان جہان لودھی کے رہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ جہانگیر فوت ہو جائے گا اور شاہجہاں بادشاہ بن جائے گا اس نے حالات کا غلط اندازہ کیا پھر وہ جہانگیر کی نظر کرم ومحبت کی وجہ سے اس کا وفادار بھی تھا اگر جہانگیر زندہ بھی رہتا اور تب اسکی زندگی میں ہی شاہجہاں تخت حاصل کر لیتا اور ان دونوں میں جنگ ہوگی تو بلا شبہ خان جہان لودھی جہانگیر کا ہی ساتھ دیتا۔

28 صفر 1037ھ/10 اکتوبر 1627 کو جہانگیر لاہور میں فوت ہو گیا اس کے صرف 2 برس بعد خان جہان لودھی بھی مارا گیا جس کا ہم تفصیل سے اگلے باب میں ذکر کریں گے۔اس طرح سے ہم خان جہان لودھی کو جہانگیر کا ہم عصر کہہ سکتے ہیں۔

شہباز خان لودھی

جہانگیر کے دور میں ہمیں ایک اور اہم لودھی امیر کر ذکر ملتا ہے جو اکبر کے دور سے مغل حکومت سے وابستہ تھا اس کا نام شہباز خان لودھی تھا جہانگیر نے اس کے منصب میں بھی اضافہ کیا تھا۔(63) وہ عہد جہانگیری میں ہی ایک جنگ میں مغلوں کی جانب سے لڑتا تھا شہید ہو گیا تزک جہانگیری میں ہے کہ۔

''انہی ایام میں سندر کی عرضداشت ملی جس سے معلوم ہوا کہ جوہرمل جہنم رسید ہو گیا اس عرضداشت سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ شاہی لشکر نے ایک راجہ پر حملہ کرتے ہوئے احتیاط نہیں برتی اور بڑی دلیری سے آگے بڑھتے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ غنیم

سے لڑتے ہوئے جانی ومالی نقصان کے بعد پسپا ہونا پڑا اس جنگ میں شہباز خان جو لودھی پٹھانوں سے تعلق رکھتا تھا شہید ہوا اس کے علاوہ جمال خاں افغان اس کا بھائی رستم، سید نصیب بارہیہ اور کچھ دوسرے لوگ بری طرح زخمی ہوئے۔" (64)

حواشی

1 مخزن ص352
2 ایضاً ص3-352
3 ایضاً ص4-361
4 ایضاً ص364
5 مآثر ا ص5-494
6 ایضاً ص495
7 مخزن ص368-367
8 تزک ص90-89
9 اقبال نامہ ص228-227
10 تزک ص104
11 اقبال نامہ ص237-235
12 مخزن ص371
13 ایضاً
14 ایضاً ص372

maablib.org

15 ایضاً

16 ایضاً ص372-374

17 مآثر ا495

18 ایضاً

19 مخزن ص378-382

20 تزک ص116-117

21 مآثر ا495-6

22 ایضاً ص496

23 تزک ص120-121

24 اقبال نامہ ص250-251

25 تزک ص130-131

26 مخزن 384-388

27 ایضاً ص389

28 مخزن ص398-399

29 مخزن ص401-404

30 ایضاً ص404-407

31 تزک ص173

32 ایضاً ص171

33 ایضاً ص175

maablib.org

34 عمل صالح ص109

35 تزک ص216

36 مخزن ص408-409

37 تزک ص344

38 ایضاً ص353

39 ایضاً ص367-368

40 ایضاً ص369

41 ایضاً ص370

42 مآثر ا ص496

43 تزک 371

44 عمل صالح II ص219-220

45 مآثر ا ص497

46 تزک ص376

47 مآثر ا ص497

48 تزک انگریزی II ص281

49 تزک ص382

50 تزک (انگریزی) II ص295

51 اقبال نامہ ص195 مشمولہ تاریخ سہ ماہی

52 تزک ص393

53 ایضاً ص395

54 ایضاً ص398

55 ایضاً ص400

56 اقبال نامہ ص245 مشمولہ سہ ماہی تاریخ

57 تزک ص400-401

58 ایضاً ص405

59 اقبال نامہ ص261

60 تزک ص402

61 ایضاً ص405

62 مآثر 498

63 تزک 175

64 ایضاً ص345

maablib.org

باب نمبر 36

خان جہاں لودھی (2): آخری ایام اور شہادت

خان جہاں لودھی کے حوالے سے دو بنیادی مآخذ ہیں جو بہت اہم ہیں ایک مخزن افغانی دوسری تزک جہانگیری مگر یہ دونوں اسکے صرف ان واقعات سے متعلق ہیں جو جہانگیر کے دور میں ہوئے اور اسکے عروج کا زمانہ تھا اور تقریباً 25 سال پر محیط ہے۔ خان جہاں کے زوال کا زمانہ صرف 3 سال پر مبنی ہے اور اس عرصے کی تمام تر معلومات ہمیں شاہجان کے درباری مورخین کی تحریروں سے ملتی ہے جو اسکے مخالف ہے البتہ ان میں جل اسکی بہادری کی بڑی تعریف کی گئی ہے اور بہت کچھ سچائی کو تلاش کیا جاسکتا ہے یہاں یہ معلومات ہم عمل صالح از محمد صالح کنبوہ سے نقل کرینگے جو ہمارا قابل اعتماد مآخذ ہے۔

شاہجان کی اطاعت

جب خان جہاں لودھی نے دیکھا کہ شاہجہان نے اقتدار حاصل کرلیا ہے اور سب امراء وملازم وحکام نے اسکی اطاعت کرلی ہے تو اس نے بھی شاہجہان کی اطاعت کرلی اور اسکو نذر پیش کی۔

"خان جہاں کو جب تک اطلاع ہو کہ شاہجہاں گجرات کے راستے سے گزر گیا کہ اطراف وجوانب کے امراء اور راجے اس شاہجہاں کے پاس جمع ہو گئے اور ظاہر ہوا کہ داور بخش کا جلوس بھی اس کی سلطنت کی تمہید ہے جو آصف خاں نے کیا اب

وہ سمجھا کہ انہوں نے جو کچھ کیا درست تھا لیکن وقت گزر چکا تھا ندامت سے کیا فائدہ اس نے دلیل کو حضور میں بھیجا تخت نشینی کے بعد مروارید کے سہرے کا نذرانہ بھیجا شاہجہاں نے جو سراپا کرم و مروت تھا اس کی بدسلوکی کو نظر انداز کر دیا اور مالوہ کی صوبے داری اس کو بحال کر دی۔" (1)

دراصل خان جہان لودھی کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ شاہجہان کے سارے مخالف ایک ایک کر کے منظر سے ہٹ گئے تھے۔ چونکہ شاہجہان کا کوئی متبادل نہیں تھا لہذا خان جہان لودھی کے پاس اس کی اطاعت کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ خود بھی اپنی بادشاہت کا اعلان نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس حوالے سے اس نے کوئی بنیاد ورکھی ہی نہیں تھی۔ جہانگیر کے دور میں اسے شہزادہ کا سا درجہ حاصل تھا۔ جہانگیر اسے اپنا بیٹا کہتا تھا۔ اس نے بڑے عیش سے وقت گزارا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی حالات کی تبدیلی کا خیال کبھی نہیں آیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ سنہری دور ہمیشہ رہے گا؛ اور اس کی حیثیت ہمیشہ قائم رہے گی اس وجہ سے اس نے نہ تو کبھی بغاوت کا سوچا اور نہ ہی اس نے آئندہ کیلئے اس حوالے سے کوئی منصوبہ بندی کی تھی۔ اب جب وقت آیا تو اس نے نئے بادشاہ کی اطاعت میں ہی عافیت سمجھی۔

ججھار بندیلہ کی سرکوبی

شاہجہان کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال 1629ء میں بادشاہ کو ایک باغی ججھار بندیلہ کی سرکوبی کی جانب توجہ دینی پڑی اور اس مہم پر اس نے دیگر امراء کے ساتھ ساتھ خان جہان لودھی کو بھی بھیجا اور خان جہان نے بہت بہادری سے یہ مہم سر کی

یہ ایسا موقع تھا کہ خان جہان لودھی شاہجہان پر اپنی وفاداری ثابت کر سکتا تھا اور اس نے اس کی ہر ممکن کوشش کی اور بڑی بہادری اور ایمانداری سے بغاوت کو کچلا۔ عہد شاہجہانی کا یہی ایک واقعہ ہے جس میں اس نے حکومت کی خدمت کی۔ اس کے بعد وہ خود باغی کہلانے لگا۔ لہذا اس جنگ کا ہم تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں:

اسکی تفصیل عمل صالح میں یوں درج ہے:

"تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب بتاریخ ۲۴ دی ۱۴ جنوری ۱۶۲۹ء علاقہ گوالیار میں حضرت کی سواری آ کر قلعے کے نیچے خیمہ زن ہوئی تو آپ کا جی چاہا کہ آج ہی اس عالی شان قدیمی قلعے کی سیر کی جائے جو پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اور جس کی نظیر بہ لحاظ بلندی مضبوطی اور وسعت تمام ہندوستان میں نہیں ہے غرض آفتاب کی طرح اس پہاڑ سے طلوع ہو کر سارے علاقے کا بہ غور معائنہ فرمایا اور خوب تحقیق کر کے قلعے کی تمام چھوٹی بڑی باتیں معلوم کیں دانشمند جانتے ہیں کہ پاکیزہ طینت روشن ضمیر بادشاہوں کی ہر حرکت آفتاب کی حرکت کی طرح دنیا کو فیض پہنچاتی اور گلشن عالم کو شاداب کرتی ہے چنانچہ آفتاب اوج سلطنت حضرت صاحبقران ثانی کا گوالیار آنا اور پہاڑ قلعے کی سری کرنا اس کی مصداق ہے قلعے میں بے شمار قیدی مدت دراز سے نظر بند تھے کسی کو سان گمان نہ تھا کہ کبھی یہاں سے نکلیں گے جب یہ ابر رحمت اس پہاڑ پر چھایا تو ان قیدیوں کے جو حباب کی

ہوا کی طرح مقید تھے حالات معلوم کرنا چاہے بہ نفس نفیس
قیدیوں کا حال دریافت کر کے خوب غور فرمایا چونکہ یہ دریائے
فیض ہمیشہ موجزن رہتا ہے اس لیے ان فتنہ وفساد کے بانیوں
کے سوا جنھیں قید رکھنا اہل دنیا کی بہتری بلکہ خود ان کی سلامتی کے
لیے بھی لازمی ہے باقی تمام قیدیوں کو جو مدتوں سے وہاں آفت
ومصیبت میں مبتلا اور زمیں آسمان کو ایک نظر دیکھنے سے محروم تھے
یک قلم آزاد کر دیا گناہوں کو معاف کر کے سبھوں کو نئی زندگی
بخشی فرماں برداری کا قرار کر کے اس اس زندان بلا سے یوں
نکلے جیسے دل سے ارمان۔ جھجھار سنگھ کی تنبیہ کے لیے جو فوجیں
تلوار کے جوہر کی طرح پے در پے تعینات ہوئی تھیں اس کے سیاہ
قلب سپاہیوں سے ایسا لڑیں کہ انھیں زندگی سے مایوس کر دیا
حضرت کے گوالیار میں تشریف لانے کی خبر سے ساری بندیلہ قوم
ہیبت کے مارے دم بخود رہ گئی امرائے سلطنت چاروں طرف
سے قضائے آسمانی کی طرح اس علاقے پر ٹوٹ پڑے اور ساری
سرزمین کو روند کر گمراہ جھجھار سنگھ کو ایسا زچ کیا کہ اسے نہ لڑنے کی
تاب رہی نہ تدبیر کی عقل۔ گوالیار سے مہارت خاں برار سے
خان جہان لودھی اور کالی سے عبداللہ خاں دھاوے مار کر آئے
اور شیر افگن دلاور سپاہیوں نے بہادری کا حق ادا کر دیا تلوار کے
منہ پر چڑھ کر ہنگامہ رزم گرم کیا ان مسلح جوانوں کے خنجر زرہ میں

یوں اتر جاتے تھے جیسے پانی میں مچھلی اور تیر میں دل میں یوں
پیوست ہوتے تھے۔
جیسے مچھلی میں کارڈھال کو خدنگ اس طرح پھاڑے تھے جیسے
انگشت پیغمبرؐ سے چاند شق ہوا تھا غرض وہ مبارا مار ہوئی کہ تلوار کا
پانی آب سروں سے گزر گیا نیزہ وتیغ کے واروں سے ہزاروں کا
وارا نیارا ہو گیا تیر و پیکاں نے اپنا اپنا کام کیا بہادر خون میں نہا نہا
کر سرخرو ہوئے وہ تلواریں برسیں کہ جھجھار سنگھ بدبخت کو بھاگنے
کی راہ نہ رہی صف شکن فوج کی ہیبت سے جی چھوٹ گیا مجبوراً
عقل کی رہنمائی سے ارکان سلطنت سے رجوع کیا اور بغاوت کا
خیال دل سے نکالا ننگ وناموس بچانے کے لیے درگاہ والا کی
طرف رخ کیا یعنی عرضداشت بھیجی کہ اگر عفو وکرم کے پانی سے
میرے گناہ دھو دیے جائیں اور غلطیاں معاف کر کے امان دی
جائے تو پورے اعتقاد وانکسار کے ساتھ حاضر درگاہ ہو جاؤں اور
ہمیشہ فرماں بردار رہوں جو منصب اور جاگیر مجھے عنایت کیا
جائے گا اس کا شکر ادا کر کے اطمینان سے زندگی بسر کروں
گا۔ اسی اثنا میں عبداللہ خاں کے واقعہ نویس کا پرچہ پہنچا معلوم ہوا
کہ عبداللہ خاں فیروز جنگ بہادر خاں روہیلہ اور دوسرے جاں
نثاروں نے بتاریخ ۲۱ دی ۱۱ جنوری ۱۶۲۹ء ایرچ کو جو متانت و
رفعت میں بے نظیر ہے جھجھار سنگھ سے چھین لیا ہے یہ فلک بوس

قلعہ جس کی بلندی کا تصور وہم وخیال کو دشوار ہے راہ چلتے فتح ہوا اور ہر قسم کا مال غنیمت ہاتھ آیا تفصیل یہ ہے کہ عبداللہ خاں نے آصف خان کے بخشی محمد باقر کے ساتھ مشرق سے اور بہادر خاں سے شمال سے قلعے پر دھاوا کیا قلعے والے اپنے مضبوط برجوں اور فصیل نکل کر مقابلہ کرنے لگے عبداللہ خاں فیروز جنگ کا لشکر گھوڑوں سے اتر کر پیدل لڑنے اور قلعہ فتح کرنے بڑھا خندق میں کمر کمر پانی تھا اسے عبور کیا بعض آدمی موتی کی طرح پانی میں ڈوب کر وفاداری کا نام روشن کر گئے دوسرے کر کے اور خندق سے گزر کر اپنے جوہر دکھانے لگے۔

المختصر اس معرکے میں جسے جنگ خندق کا نمونہ کہنا چاہیے غازیوں کے بڑھتے ہی ہندو بید کی طرح کانپنے لگے تنگ قلعے میں ہونے کے باوجود بت پرستوں کے دل تھرا گئے زناد کی طرح پیچ وتاب کھا کر نا قوس کی مانند نالے کرنے لگے قلعے کی شمالی دیوار نہایت مضبوط تھی بہادر خاں کے سپاہی حملہ آور ہوئے تو قلعے والوں نے ہجوم کر کے سخت مقابلہ کیا آخر کار بہادر خاں نے خاص جاں نثاروں کو ساتھ لے کر ایک معرکہ آرا پرانے جنگی ہاتھی کے پیچھے سے قلعے کے پھاٹک ایسا حملہ کیا کہ اسے توڑ ڈالا اپنے وفادار بھائیوں اور سپاہیوں کو پیدل ساتھ لیے اس قلعے میں جو غنچہ لالہ کی طرح سیاہ قلب کافروں سے بھرا تھا اور جہاں ہوا کا

گزرنہ تھا گھس گیا سیہ فام ہندوؤں کا خون تیغ سیہ تساب سے بہا
کر سرخروئی حاصل کی تقریباً تین ہزار دشمنوں کو ہلاک کیا بادشاہ
ذیجاہ نے اس دلیری وجرات کے صلے میں بہادر خاں اور پہاڑ
سنگھ بندیلہ کو نقارہ عنایت کیا صفدر خاں اور نثار خاں کو علم عطا
فرمایا۔ ہواخواہان سلطنت کی گزارش کے موجب جھجھار سنگھ کی
خطاؤں سے درگزر فرما کر اس کی غیر معقول معذرت کو قبول
کرلیا۔

۳ جمادی الاولیٰ ۳۸ ۱۰ھ بمطابق ۲۹ دسمبر ۱۶۲۸ حضرت کا
اڑتیسواں جشن تلادان بڑی زیب و زینت سے منعقد ہوا فردوس
منظر انجمن بڑی آرائش کے ساتھ ترتیب دی گئی تخت نشینی کے
بعد یہ دوسرا اتلادان تھا کہ وہ روح مجسم پیکر متانت جس کا وزن
عرش معلیٰ بھی اٹھانے سے قاصر ہے مبارک گھڑی میں ترازو
کے پلڑے میں بیٹھ کر موتیوں میں تلا تا کہ محتاجوں اور مسکینوں کی
مرادیں پوری ہوں گویا حضرت آفتاب عالمتاب کی طرح برج
میزان میں جلوہ گر ہوئے جس سے مستحق بے نوا حاجت مندوں
کی ضرورتیں برآئیں سونا، چاندی اور مختلف اجناس فقیروں
مسکینوں کو تقسیم کر دی گئیں کابل کے تعیناتیوں میں سے سعید
خاں ولد احمد بیت خاں کو ترقی دے کر دو ہزاری ذات چودہ سو
سوار کے منصب پر سرفراز فرمایا خدمت پرست خاں اور خواص

خاں کو علم عطا کر کے سر بلندی بخشی۔

بتاریخ ۲۹ بہمن حضرت کی سواری گوالیار سے آگرے کو ہجری ۱۰ اسفندار کو نور منزل باغ سے ہو کر جو حضرت کے نور سے روشن ہوا تھا مبارک گھڑی میں دولت وسعادت کو جلو میں لیے آگرے کی شہر پناہ میں داخل ہوئے مہابت خاں خانخاناں جھجھار سنگھ بندیلہ کی مہم سر کر کے اس بد بخت کو ہمراہ لیے دربار میں حاضر ہوا۔ ۲۵۱ پہلے تو خود لشکر کے دوسرے سرداروں سمیت حضوری سے مشرف ہوا پھر نہایت عجز وانکسار سے گڑگڑا کر اس مایوس ناامید کی سفارش کی حضرت نے خانخاناں کی خاطر سے اس بھگوڑے معافی خواہ کو جو شرمندگی وخجالت سے پانی پانی تھا فطری عفو وکرم کے سبب حاضری کی اجازت دی اگرچہ وہ بدکیش سخت عذاب وسزا کا مستحق تھا لیکن آپ نے فطری درگزر سے کام لے کر اس کے تمام گناہ یک قلم معاف فرمائے اور حضور میں بلایا بخشیان عظام نے اسے معافی مانگنے والے مجرموں کی طرح کھڑا کر کے کورنش اور زمیں بوسی کا حکم دیا اس مایوس خرماں نصیب نے اس عنایت کے شکریے میں ہزار اشرفیاں ار ہزار روپے نذر میں اور پندرہ لاکھ روپے نقد بطور جرمانہ پیش کیے چالیس ہاتھی بہ سبیل پیشکش نظر انور سے گزارے حکم والا ہوا کہ جھجھار سنگھ اور اس کے باپ نے جتنا علاقہ پہلے دبا رکھا تھا اس

میں سے چار ہزاری ذات چار ہزار سوار کے منصب کی تنخواہ کے
بقدر علاقہ اس کے لیے بحال کر دیا جائے باقی علاقہ خاں جہاں
لودھی عبداللہ خاں رشید خاں سید مظفر خاں بارہہ اور پہاڑ سنگھ
بندیلہ کی تنخواہ میں مجرا ہو ججھار سنگھ کو حکم دیا کہ آس پاس کے
زمینداروں کو تنگ نہ کرے اور دو ہزار سوار دو ہزار پیادوں سے
ہمیشہ دکن کی مہم میں حاضر رہے۔" (2)

شاہجہاں سے بدگمانی

جب خان جہاں لودھی ججھار سنگھ کی بغاوت کچل کے شاہجہان کے پاس آیا تو بادشاہ نے اسکی عزت افزائی کی اور انعام دیا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے مگر پورے دربار میں امراء نے اسکو حقارت سے دیکھا۔ خان جہان لودھی کو جو عزت جہانگیر کے دربار میں ملی وہ اب نہ ملی اس لیے اسے اس کا بہت ملال ہوا اور واضح تفریق نے اسے حکومت وقت سے بدگمان کر دیا۔ مآثر الامراء میں ہے کہ:

"دوسرے سال جلوس شاہجہانی میں ججھار بندیلہ کو تنبیہ کرنے کے بعد وہ خان جہاں حضور میں پہنچا اگرچہ جہانگیر کے عہد کے دستور کے مطابق تمام امراء نے اس کی پذیرائی نہ کی لیکن بادشاہ نے اس کی رعایت سے جو ہمیشہ سے دائیں جانب کھڑا ہوا کرتا تھا مہابت خاں کو جو خان خاناں ہو کر کسی کو نہیں گردانتا تھا دہلی رخصت فرمایا۔

ع آں قدح بہ شکست وآں ساقی نماند

آقا کی وہ عزت افزائی اور نظر کرم کہاں تھی اور خاص
وعام کا وہ رجوع کہاں؟ ساتھ ساتھ طرفین کے قلوب بھی صاف
نہ تھے فرمان صادر ہوا کہ حضور میں حاضری کے وقت اس تمام
فوج کے ساتھ رکھنے کا کیا مقصد ہے؟ اس کو علیحدہ کر دینا چاہیے
اور بعض زیادہ آمدنی والے محال ۲۳ ے بھی کسی تقریب سے اس
سے لے لئے گئے اور آٹھ مہینے تک متواتر جب تک حضور میں رہا
اپنے مشکوک کردار کی وجہ سے غیر مطمئن اور مذبذب رہا۔" (3)

گوشہ نشینی

عمل صالح میں ہے کہ خان جہاں لودھی ایک شرارت کی وجہ سے شاہجہان سے بدگمان ہوا اور آگرہ سے فرار ہو گیا۔"

حضرت نے اس کی شوخ چشمی سے درگزر فرمائی اس کی غلطیاں
اس کے منہ پر نہ لائے بلکہ اتنی نوازش وعنایت کی کہ حاضرین
دربار حیران رہ گئے ان تمام باتوں کے باوجود وہ جو قاعدہ ہے کہ
باغی وسرکش اور خیانت ورذالت والے کے دل میں چور ہوتا ہے
خان جہاں کی طبیعت کی وحشت اور گمراہی برقرار رہی علاوہ
ازیں بیہودہ بکنے والوں کی باتیں چاروں طرف سے اس کے
کان میں پڑتی تھیں۔ جس سے وہم اور بڑھا انھیں دنوں مخلص

خان کے بیٹے لشکری نے کم عمری و نادانی کے سبب ایک شوشہ چھوڑا یعنی خان جہاں کے بیٹوں کی وحشت بڑھانے کے لیے ان سے کہہ دیا کہ کچھ اپنی فکر کر لو ورنہ ابھی دو تین روز میں قید خانے کے اندر بیٹھے ہاتھ ملو گے ان بیوقوفوں نے گھبرا کر یہ بات باپ کو جا سنائی چونکہ خان جہاں اپنی بدبختی کے سبب خود ہی وہم میں گرفتار رہتا تھا یہ بے بنیاد خبر سنتے ہی جو بھنگڑ خانے کی گپ سے بھی زیادہ لغو تھی وہم کے مارے زرد ہو گیا ہوش و حواس پراگندہ تھے۔ ہی دو تین دن میں اپنے عزیزوں اور نوکروں میں سے ایک ہزار بدمغز پٹھانوں کو جمع کر کے اور نیک بختی کا دروازہ بند کر کے اپنے گھر میں خانہ نشین ہو گیا۔

حضرت اس کی خانہ نشینی سے بے حد حیران ہوئے حاضری دربار خصوصاً آصف خاں سے حقیقت پوچھی انہوں نے تحقیق کے بعد سچی بات عرض کر دی حضرت کو کاں جہاں کی یہ حرکت پسند نہ آئی اسلام خاں کو اسکے پاس بھیج کر معلوم کروایا کہ ملازمت کی سعادت کس لیے ترک کر دی ہے اس مکار نے بڑی زاری و عاجزی سے پیغام بھیجا کہ اپنی مسلسل کوتاہیوں کے سبب مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ حضور کا دل مجھ سے پھر گیا ہے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا ننگ و ناموس جس کا لحد حمیت افغانی کے بموجب فرض عین ہے تباہ ہو جائے گا خوف و ہراس کے سبب

میری حالت خراب ہے ورنہ کون شقی ہے جو اپنی مرضی سے شاہ
وقبلہ گاہ کی کورنش سے محروم رہے اب حضور کی عنایات بے پایاں
سے یہ التجا ہے کہ مجھے بے آبروئی کے خوف سے نجات عطا
فرمایئے اور اس بوڑھے غلام کی خطاؤں سے درگزر کا نامہ دست
مبارک سے لکھ بھیجے ۲۶۶ جب اس گنہگار غلام کی جاں بخشی
کر کے ننگ وناموس کی حفاظت کا ذمہ لیا جائے تو اتنا اختیار اور
دیں کہ یہ غلام خواہ خدمت کرے خواہ گوشہ نشین ہو جائے۔

جاں جہاں لودھی کی عرضداشت عین الدولہ آصف خان کے
ذریعے شفاعت کا رنگ لیے حضرت کے سامنے پیش ہوئی شام
عالم پناہ نے اخلاق کریمانہ اور آصف خاں کی خاطر سے اس کی
التماس قبول فرمائی اس نے حضرت کا امان نامہ پا کر اسے
سعادت جاوید اور نجات کونین تصور کیا اسے حرز جاں نائے یمین
الدولہ کے ہمراہ حاضر دربار ہوا بساط بوسی سے سرفراز ہو کر کچھ
دنوں بدستور دربار میں آتا رہا۔ اگرچہ حضرت ہمیشہ اس کی دلجوئی
ومدارات کرتے تھے لیکن ازلی شقاوت اور ابدی گمراہی اس کے
سر پر سوار تھی یہ بھی قاعدہ ہے کہ انسان کو اپنے اعمال کیا پھل اسی
دنیا میں مل جاتا ہے غرض تقدیر اڑگئی کہ اس کی نابکار حرکتوں کا
خمیازہ یہیں دکھادے اس صورت میں حضرت کی دلجوئی اور پردہ
پوشی بے کار گئی وہ اپنے خرمن میں خود ہی آگ لگاتا رہا یعنی وہ

تیرہ بخت اس روز کے بعد اسی فکر میں رہا کہ نیک بختی کو خیر باد کہہ کر دربار سے فرار کر جانے اور دولت واقبال کو چھوڑ کر ادبار میں گرفتار ہو غرض سفر کے انتظام اور منصوبوں کی تیاری میں لگا رہتا تھا۔

جب سارا انتظام مکمل ہو گیا تو بتاریخ ۲۲ مہر ۱۱۲ اکتوبر فرار ہونے کا فیصلہ کیا آصف خاں کے بعض ملازموں کے خان میں بھنک پڑ گئی خان کو آگاہ کیا اتفاقاً اس روز چوکی پہرے کی باری آصف خاں ہی کی تھی جو اپنے آدمیوں سمیت دولت خانے کے سامنے حاضر تھا اپنے معاون انہ وردی خاں کو جو انتظام میں شریک تھا حضرت کی خدمت میں بھیجا تا کہ یہ کیفیت بیان کر کے اجازت حاصل کر کے کہ ۲۶۷ آصف خاں چوکی کے پہرے داروں کو ساتھ لے جا کر خاں جہاں کے گھر کا محاصرہ کرے اور اسے رفیقوں سمیت گرفتار کر لائے حکم ہوا کہ عہد و پیمان کا پاس کرنا خدا کے برگزیدہ بندوں کا شیوہ ہے بادشاہوں کو انتظام عالم کے لیے اس قاعدے کا خیال رکھنا لازم ہے ما بدولت ہمیشہ اسی قاعدے پر عمل فرماتے ہیں علاوہ ازیں جب تک کسی سے کوئی ایسی خطا سرزد نہ ہو جس کی تنبیہ و تادیب عقلاً واجب ٹھہرے ہم بلاوجہ سزا نہیں دیتے۔(4)

کہتے ہیں کہ جب ایک بار اعتماد ختم ہو جائے تو اس کا بحال ہونا مشکل ہوتا ہے۔ یہی

خان جہان لودھی کے معاملے میں ہوا۔ اگرچہ اسے امان نامہ بھی مل چکا تھا مگر اس کا اعتماد بحال نہ ہوا۔ اسے ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ جانے کب کہاں اسپر کوئی وار ہو جائے۔ اکبر کے قریبی ساتھی ابوالفضل کا قتل اس کے سامنے مثال بن کے گھومتا تھا جسے خود جہانگیر نے مروایا تھا۔ دربار کی ریشہ دانیوں اور سازشوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ درباریوں کے رویوں سے اسے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ جانے کب کیا ہو جائے۔ غرض کہ جو کچھ بھی ہوا وہ سارا کچھ اعتماد کی کمی کی وجہ سے تھا۔ دوسری جانب شاہجہان کا ذہن بھی الٹا کام کر رہا تھا۔ اسے یاد تھا کہ جب اس نے بغاوت کی تھی جو خان لودھی اس کے مخالفین میں سرفہرست تھا۔ دونوں جانب سے ماضی رذیوں کی بدگمانی تھی۔

مغلوں کا ناکام تعاقب

بادشاہ کو جب خان جہاں لودھی کے فرار کی اطلاع ملی تو اس نے کئی اہم امراء کو اسکے تعاقب میں روانہ کیا مغلوں نے اس کا تعاقب کیا ارایک جگہ اس سے مڈبھیڑ بھی ہوئی مگر ناکام رہے:

"غرض خان جہاں لودھی کو موقع مل گیا اپنے تمام متعلقین اور نوکروں چاکروں سمیت فرار ہو گیا ایک پہر رات گزرے آصف خاں نے حقیقت بیان کی خلافت پناہ نے اسی وقت خواجہ ابوالحسن سید مظفر خاں بارہہ نصیری خاں راجا جے سنگھ خاں زماں اللہ وردی خاں صفدر خاں معتمد خاں سردار خاں راجا بھارت بندیلہ

خواص خاں ظفر خاں راؤ سور بھورتیہ راجا بیٹھل داس میر آتش خدمت پرست خاں ، مادھو سنگھ، انی رائے، احدیوں کا بخشی مرحمت خاں ، برتھی راج راٹھور، احداد خاں مہمند، بھیم راٹھور، شادی خاں ازبک نیز دوسرے امرا اور منصب داروں کو لشکر جرار دے کر اس کے تعاقب پر مامور فرمایا حکم ہوا کہ انتہائی تیزی سے چل کر اسے جا پکڑو اور قضائے آسمانی کی مانند تمام ہمراہیوں سمیت گھیر کر ہاتھوں ہاتھ حضور میں حاضر کرو۔

گیارہ گھڑی ساڑھے چار گھنٹے رات گزرے ان امرا کو روانگی کا حکم ملا ان میں بعض شیر دل بہادر ایسے تھے کہ ہمراہیوں کے بغیر شیر نر اور نہنگ خونخوار کی طرح تن تنہا دشمن کی فوج پر جا پڑتے تھے چنانچہ پانچ دلاور یعنی سید مظفر خاں بارہہ راجا بیٹھل داس خدمت پرست خاں برتھی راج راٹھور اور خواص خاں ایسی چلتی تلوار نکلے کہ اپنی فوج کو ساتھ لینے کا خیال کیے بغیر شجاعت ذاتی اور ناموس بردانہ کے جوش میں اندھی کی طرح آڑے چلے گئے چھ گھڑی دو گھنٹے چوبیس منٹ دن چڑھا تھا جو یہ دلاور دھول پور کے نزدیک ان بدبختوں کے سرپا جا پہنچے اب خاں جہاں نے دیکھا کہ ایک طرف تو بہادروں کی تیغ آبدار کا سیلاب ہے اور دوسری طرف دریائے چنبل جان بچا کر بھاگ نکلنا ممکن نہیں غرض بخت برگشتہ کی طرح لڑائی کے لیے پلٹا اور آس پاس کی

ٹیکریوں ٹیلوں کو پناہ بنا کر ثابت قدمی کے ساتھ جم کر کھڑا ہوا شاہ سلیمان جاہ کی فوج نے تیر تلوار اور کمند سے ان دیوؤں کو مارنا اور باندھنا شروع کیا میدان کارزار کے بہت سے شیر ہنگامہ جنگ میں غیظ و غضب کے جوش میں ایسے لڑے کہ رستم و اسفندیار کے معرکوں کی یاد دلا دی مثلاً خدمت پرست خاں میر آتش کہ شعلے کی طرح بے خوفی سے مخالفوں کو تہس نہس کرنے میں مصروف تھا اور تلوار کی مانند آگ پانی میں سے گزر کر جان سے ہاتھ دھو کر تنہا دشمنوں کی محفلوں میں تیغ آزمائی کرتا تھا کمان کی طرح ابروؤں پر بن تھے سینے کو سپر بنائے مصروف کارزار تھا اس موقعے پر ایسی معرکہ آرائی کی کہ میدان کو خون سے سرخ کر دیا اس مارا مار میں اس کی کنپٹی پر ایک تیر آ کر لگا کہ وہیں گر پڑا جان گرامی اپنے بادشاہ پر نثار کر دی۔ راجا بیٹھل داس اور پرتھی راج راٹھور بھی اپنے بھائیوں سمیت راجپوتوں کے دستور کے مطابق گھوڑوں سے اتر کر پیدل لڑنے لگے خواص خاں۔ بہتی اور احدیوں کے بخشی مرحمت خاں بھی چند سواروں کو قتل کر کے زخمی ہو کر گرے سید مظفر خاں نے اپنے عزیزوں اور بھائیوں سمیت شجاعت ہاشمی کے وہ کارنامے دکھائے کہ مارا مار کے شور سے میدان جنگ کو میدان محشر بنا دیا ان دلاوروں نے اتنی جانفشانی کی کہ مظفر خاں کا پوتا انیس آدمیوں سمیت ناموس مردانہ پر قربان ہو گیا پچاس آدمیوں

نے مردانگی ودلاوری کا حق ادا کر کے محضر شجاعت پر کاری زخموں
کی مہر لگوائی راجا بیٹھل داس کے دو بھائیوں اور تقریباً سو مغل اور
راجپوت ناموس پرستوں نے جان کی قربانی دے کر نیک نامی
حاصل کی اسی مار کاٹ میں خاں جہاں لودھی تیر سے زخمی ہو کر
پرتھی راج سے آ بھڑا اگرچہ پرتھی راج پیدل تھا لیکن اس ادبار
زدہ سوار کے مقابلہ ہوا بڑی شدومد سے لڑنے کے بعد دونوں
ایک دوسرے کے نیزے کا زخم کھا کر جدا ہوئے خان جہاں کے
دو بیٹے عظمت اور رشید ساٹھ ممتاز بہادروں کے ساتھ اس لڑائی
میں کام آئے اس کا دامات شمس خاں نبیرہ عالم خاں لودھی جو
نہایت پرانا پٹھان سپاہی تھا اور راجی علی خان کے ساتھ سنبھل
میں مارا گیا تھا اپنے دو بھائیوں محمد خاں اور محمود خاں سمیت مارا
گیا۔ جب خاں جہاں کے دو کارگزار بیٹے اور داماد مارے گئے تو
بھاگنے کے سوا کچھ چارہ نہ دیکھا دو بیٹوں اور پانچ رفیقوں کے
ساتھ دریا عبور کر گیا دو بیویوں اور چند کنیزوں کو پہلے سے دریا پار
بھیج چکا تھا۔ باقی تمام اہل وعیال اور کنیزیں دریائے چنبل کے
سیلاب کی وجہ سے پار نہ ہو سکیں انھیں یہیں چھوڑ کر فرار ہو گیا باقی
سپاہی زخمی ہو کر کچھ دریا کے اوپر کے رخ اور کچھ نچلی طرف یا
ادھر ادھر بھاگ کر جان بچا لے گئے خان جہاں کے اہل وعیال
اور تمام مال اسباب لوٹنے والوں کے ہاتھ آیا البتہ اس کی چند

عورتیں جاہل پٹھانوں کے ہاتھ سے حفظ ناموس کی خاطر قتل ہو چکی تھیں سید مظفر خاں کو یہ اندازہ نہ تھا کہ خان جہاں کس طرف بھاگا ہے کچھ آدمیوں کو اس کی جستجو پر مقرر کیا اور خود مقتولوں کے دفن اور زخمیوں کی خبر گیری کے لیے ذرا ٹھہرا۔

اسی اثنا میں فدائی خاں معتمد خاں راجا جے سنگھ انی رائے اور خاں زماں پے در پے آ پہنچے خان جہاں کا سراغ لگانے کا فیصلہ کر کے سب اس کے تعاقب میں چلے دریائے چنبل پر پہنچے تو تیسرے پہر خواجہ ابوالحسن بھی ان سے آملا کشتی کے بغیر دریا پار کرنا مشکل تھا لہذا مناسب سمجھا کہ رات یہیں گزاریں کشتیاں راہم ہو جائیں گی اور گھوڑوں کو آرام مل جائے گا تو کل دوپہر کے وقت دریا عبور کر کے تعاقب کریں گے کافی تفتیش کے باوجود یہ معلوم نہ ہو سکا کہ خان جہان کس طرف بھاگا ہے۔ ناچار خواجہ ابوالحسن اور تمام امراء گوالیار انتری کے راستے دتیا پہنچے وہاں سے چندیری اور بھوراسہ ہوتے ہوئے گونڈوانے کے پرگنہ سلوانی میں پہنچ کر تمام حالات درگاہ شاہی میں لکھ بھیجے اس سفر کی وجہ یہ تھی کہ امرائے شاہی نے چنبل کے کنارے سات پہر کا جو توقف کیا اسے خان جہاں نے غنیمت سمجھا جھنجھار سنگھ کے علاقے کے جنگل میں گھس کر اس سے پناہ طلب کی راجپوت اپنی حمیت کے باعث دہائی دینے والے پناہ گیر کو بچانے کے لیے

جان و مال بلکہ آبرو تک سے دریغ نہیں کرتے۔ اسے پناہ دی اور ملازمین شاہی کی ہیبت سے ڈر کر جنگل کے غیر معروف راستوں سے اسے اپنی حد سے نکال کر گونڈوانے کے علاقے میں پہنچا دیا وہ گمراہ وہاں جنگلوں اور پہاڑوں کے غاروں میں سراسیمہ پھرتا رہا بالآخر برارسے ہوتا ہوا نظام الملک کے علاقے میں داخل ہو گیا چونکہ بد بخت جگراج نے شروع میں خان جہاں کو پناہ دے کر رہبری کی تھی دیہات کے آدمیوں کو ہدایت کر دی تھی کہ شاہی لشکر آئے تو اسے غلط راستے پر ڈال دیں شاہی ملازم اس مکار کے فریب سے آگاہ نہ تھے جنگلوں میں بے کار ہر طرف تگ و دو کرتے پھرے۔

لشکر شاہی کے تمام بہادر اس فتح کے انعام میں عنایات شاہانہ اور تحسین سے سرفراز ہوئے خصوصاً سید مظفر خاں راجہ بیٹھل داس پرتھی راج اور خواص خاں وغیرہ جو سخت زخمی ہوئے تھے حسب الحکم دربار میں حاضر ہو کر شہنشاہ کی عنایت سے ممتاز ہوئے سید مظفر خاں کو خلعت خنجر مرصع اور دو اسپ خاصہ عطا ہوئے ہزار سوار کے اضافے سے منصب پنج ہزاری ذات اور سوار مقرر ہوا راجا بیٹھل داس کو خلعت جمدھر مرصع ہاتھی گھوڑا اور نقارہ عنایت ہوئے پانچ سو سوار کی ترقی سے تین ہزاری ذات دو ہزار سوار کا منصب ملا پرتھی راج کو خلعت ہاتھی گھوڑا اور پانچ سو ذات دو سو

سوار کا اضافہ طلا دو ہزاری آٹھ سو سوار کا منصب مقرر ہوا۔"(5)

بہلول میانہ اور سکندر دوتانی کی شرکت

اسکے بعد بہلول میانہ اور سکندر دوتانی بھی خان جہان لودھی سے آن ملے۔"

افغانوں کے بارڑ لوگ اپنے ساتھ اپنے قبیلوں اور اپنے الحاقی قبیلوں کی بڑی تعداد رکھا کرتے تھے۔ بہلول کا تعلق میانہ قبیلے سے تھا اور سکندر کا تعلق دوتانی قبیلے سے تھا۔ ان کے پاس اپنے اپنے قبیلوں کے جفاکش موجود تھے جہان لودھی نے باقاعدہ بغاوت اور حصول تخت کی کوئی سازش نہیں کی تھی مگر دوسرے قبائل کے سرداروں کے آن ملنے سے ہندوستان میں ایک زبردست افغان مزاحمت کی بنیاد ڈالی جا سکتی تھی۔ اس موقع پر لگتا ہے کہ افغانوں میں حصول تخت کی خاطر متحد ہونے کا رجحان بڑھ رہا تھا ۔جیسا کہ آگے روہیلوں کی بغاوت سے بھی پتہ چلے گا۔

انہی دنوں سکندر دوتانی اور بہلول میانہ شاہی ملازمت سے منحرف ہو کر خان جہاں سے جا ملے تفصیل یہ ہے کہ بدطینت بہلول کو ہمیشہ یہ فکر رہتی تھی کہ کسی برگشتہ بخت کو ہاتھ میں لے کر فتنہ و فساد اور آشوب و شورش برپا کرے۔ جب اسے خاں جہاں کے نظام الملک سے جا ملنے کی خبر گئی تو اس وقت اپنی جاگیر بالا پور میں چار ہزاری منصب پر فائز تھا موقع پا کر بھاگ نکلا اور دولت آباد میں اس بدبخت سے جا ملا۔ سکندر دوتانی بھی خان

جہاں کا قریبی رشتے دار تھا یہ بھی بیہودہ منصوبے باندھتا جالنا پور
سے فرار ہو کر ان دونوں کم بختوں سے مل گیا۔“(6)

شاہجہان کی خان جہان لودھی کے خلاف روانگی

ربیع الثانی 1039ھ / نومبر 1629ء میں شاہجہان نے فوج تیار کی اور خود خان جہان لودھی کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ شاہجہان کا خود روانہ ہونا معنی خیز ہے۔ مغل بادشاہ جس شان و شوکت اور طاقت کے حامل تھے اس کے مطابق وہ صرف اپنے امراء یا گورنروں کو ہی بڑی طاقتوں کے بغاوت کچلنے کو بھیجتے تھے یا پھر اگر کوئی غیر ملکی بادشاہ حملہ کرتا تو خود اس کے مقابلے پر جاتے تھے۔ اس میں ان کی ایک آن ہوتی تھی کہ بادشاہ سے بادشاہ ہی مقابلہ کرے گا ج۔ عمل صالح کا مصنف اور دیگر مورخین کنے جس چیز کو خان جہان لودھی کا فرار قرار دیا ہے وہ دراصل ایک زبردست بغاوت کا پیش خیمہ تھی۔ اتنی زبردست بغاوت اور اتنا بڑا خطرہ کہ بادشاہ خود اس جانب روانہ ہوا۔ پھر خان جہان کا جہانگیر کے دور میں جو درجہ رہا اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ شاہجہاں خود اس کے مقابلے پر جائے۔ خان جہان کے پاس اب لودھی پٹھانوں کے علاوہ میانہ اور دوتانی پٹھان بھی بھی آن ملے تھے اور مغلوں کی دکھنی مقبوضات ان کے ہاتھ سے نکل رہی تھی۔ وہاں پر افغانوں کی کسی نئی سلطنت کی بنیاد رکھی جارہی تھی جس کو دکن کی ریاستوں کی حمایت حاصل ہوسکتی تھی۔ اور جو کسی بھی وقت دہلی کیلئے خطرہ بن سکتی تھی۔

”جب خان جہان فوج بادشاہی سے شکست کھا کر نظام الملک

سے جا ملا تو اس بدانجام نے اسے اپنی ولایت میں راستہ دے کر پناہ دی اور اس منافق کی امداد کرتا رہا حضرت کو اس حرکت سے سخت طیش آیا قہر و غضب سے فرمان قجا نشان جاری ہوا کہ لشکر جرار تیار کیا جائے آغاز ربیع الثانی ۱۰۳۹ھ (آخر نومبر ۱۶۲۹ء) ماہ دی مبارک گھڑی میں تسخیر دکن کے لیے جنوب کی طرف روانہ ہوئے مومن الدولہ اسلام خاں کو ایک ہزار کی ترقی دے کر چار ہزاری ذات تین ہزار سوار کا منصب عطا فرمایا اور آگرہ کی حفاظت اس کے سپرد کی اسلام خاں کا عہدہ بخشی گری دوم معتمد خاں کے حوالے کیا میرزا شجاع ولد شاہرخ کو نجابت خاں کا خطاب دے کر کول علی گڑھ کی فوجداری پر سرفراز فرمایا انتالیسواں جشن تلادان کا سرانجام کر کے کوچ در کوچ دکن کی طرف بڑھے جب لشکر شاہی خاندیس میں پہنچا تو ہجوم سپاہ کے سبب قیامت کا سا ہنگامہ برپا ہوا فوج ظفر موج کی ہیبت سے جنوبی علاقوں میں بالخصوص دکن کی فتنہ انگیز سرزمین میں کھلبلی مچ گئی خاندیس کا صوبے دار ارادت خاں تمام ملازموں سمیت حاضر خدمت ہوا یاقوت خان حبشی کو ہیکل مصحف مرصع مرصع کنگن اور شمشیر خاصہ نیز پچاس ہزار روپے مرحمت ہوئے کھیلوجی کو پچاس ہزار اور مالوجی نیز اوداجی رام کو چالیس چالیس ہزار روپے کے انعام سے سرفراز فرمایا۔

یہاں قہر وغضب کے ساتھ جو جہاں بانی وسلطنت کا لازمی جزو ہیں حکم والا صادر ہوا کہ دلیران جنگ آزمودہ کی تین فوجیں تین سپہ سالاروں کی ماتحتی میں دکن کی مہم پر بڑھیں پہلا سپہ سالار ارادت خاں مقرر ہوا جس کے ساتھ بڑے بڑے امرا اور منصب دار یعنی جھجھار سنگھ بندیلہ سید شجاعت خاں بارہہ رضوی خاں مشہدی راؤ دودا چندراوت میر عبداللہ اکرام خاں شیخ زادہ نورالدین قلی اصفہانی احمد خاں نیازی ستر سال کچھواہہ راجا دوار کا داس کرم سین راٹھور ملتفت خاں ولد ارادت خاں بلبھدر سنگھاوت مغول خاں ولد زین خاں شیسام سنگھ سیسودیہ اجہام خاں قدیمی رام چند باڈہ اودے سنگھ راٹھور تلوک چند ولد رائے منوہر جگن ناتھ راٹھور مکند داس جنادون رائے شریک ہوئے دکنیوں میں سے یاقوت خان بخشی کھیلوجی بھونسلا مالوجی بھونسلا کا بھائی مینساجی یسوی خاں جیریہ فخرالملک پرسوجی اور بسونت رائے شامل تھے اس فوج کا شمار احدیوں اور برق اندازوں سمیت بیس ہزار سوار تھا۔

دوسری فوج کی سرداری راجا گج سنگھ کو ملی اس میں بھی بڑے بڑے امراء اور منصب دار شامل تھے مثلاً نصیری خاں بہادر خاں روہیلہ سردار خاں راجا بھارت بندیلہ راجا بیٹھل داس گوڑ راجا من روپ لاچھواہہ انی رائے صفدر خاں یوسف خاں جاں نثار

خاں پرتھی راج راٹھور احداد خاں مہمند راول پونجا شریف خاں
قدیمی جہاں خاں کاکڑ راجا بیر نرائن بیر خاں میانہ شادی خاں
ازبک خنجر خاں حبشی خاں میر فیض اللہ رائے ہر چند گوکل داس
سیسودیہ کریم داد قاقشال جیرام ہرداس جھالا محمد شریف قدیمی محمد
شاہ قدیمی حسینی قدیمی اہل دکن میں سے اوداجی رام بیلاجی شرزہ
خاں شامل تھے منصب داروں کے ملازموں اور احدیوں اور
برق اندازوں سمیت یہ خوش اسپہ فوج پندرہ ہزار سوار شمار میں
آئی۔ تیسری فوج کا سردار شائستہ خاں ولد آصف جاہ تھا جس
کے ساتھ سپہدار خاں راجا جے سنگھ راؤ سور بھورتیہ فدائی خاں
پہاڑ سنگھ بندیلہ اللہ ویردی خاں بھیم راٹھور مادھو سنگھ ولد راؤ رتن
راجا روز افزوں مرحمت خاں کشن سنگھ بھدوریہ امام قلی محمد حسین
شیرزاد باقر خاں نجم ثانی کا بھائی جعفر حیات خاں تربن اور دیگر
منصب دار شریک تھے دکن والوں میں سے آتش خاں حبشی اور
راوت راؤ شامل تھے یمین الدولہ آصف خاں کے تین ہزار سوار
اور جگت سنگھ کے پانچ سو سوار ان کے علاوہ تھے احدیوں برق
اندازوں سمیت اس فوج کا شمار بھی پندرہ ہزار سوار ٹھہرا غرض
فوج کے یہ تین دریا جن کا تلاطم سمندر کے شور سے کم نہ تھا اور
جن کے پھیلاؤ سے روئے زمین کی وسعت تنگ تھی ۱۱۶ اسفندار
۲۰ رجب ۱۰۳۹ھ دمارچ ۱۶۳۰/۲۸ دریائے تاپتی کے ساحل

سے دکن کی تسخیر کے لیے فتح و نصرت کے ہم رکاب بالا گھاٹ کی طرف بڑھے ارادت خاں کو اعظم خاں کا خطاب اور تینوں فوجوں کی سپہ سالاری عطا ہوئی حکم فرمایا کہ راجا گج سنگھ اور شائستہ خاں کس کی ہدایت کے مطابق کام کریں ۲۳ اسفندار ۱۰ مارچ ۱۶۳۰ پیر کے روز نجومیوں کی مقرر کردہ ساعت میں یہ لشکر برہان پور میں داخل ہوا شاہ جہاں پناہ ایک خوش منظر ہاتھی پر سوار تھے اقبال رکاب میں تھا اور نصرت آگے آگے اہتمام کرتی چلی جا رہی تھی نامی گرامی سردار دونوں طرف پیدل چلتے تھے۔ آئین شاہی کے مطابق سواری بڑھتی تھی اور دستور کے موافق دونوں طرف موتیوں روپوں اشرفیوں کی بکھیر ہوتی جاتی تھی۔ دشت و در میں آب گوہر کا سیلاب سا آ گیا۔ اور روئے زمین پر چاندی کے سکے بکھرنے سے ملمع سا ہو گیا۔ حضرت کی تشریف آوری سے وہ خطہ ساری دنیا کی آبرو ٹھہرا برہان پور نے دارالسرور کا خطاب پایا۔ اس دارالسلطنت کا دولت خانہ جس میں حضرت نے شاہزادگی کے زمانے میں دلفریب نشیمن تعمیر کروائے تھے۔ آپ کی تشریف آوری سے رشک فردوس بن گیا یہیں خواجہ ابوالحسن جو خان جہاں کے تعاقب پر مامور تھا۔ دریا خاں اور دوسرے ملازموں سمیت بکلانہ سے آ کر حاضر خدمت ہوا۔ (7)

خان جہان لودھی کی فتح

مغل فوج سے خان جہان لودھی کی جو پہلی جنگ ہوئی اس میں اسکو فتح حاصل ہوئی اور مغلوں کا زبردست نقصان ہوا۔

''انھی یام میں فلک نا ہنجار کی نیرنگ بازی سے اعظم خاں کی فوج کے چنداول کو نظر بد لگی واقعہ یہ ہوا کہ جب غنیم کی فوج مناسب گوشمالی کے بعد خوف زدہ ہو کر مقابلہ کرنے کے قابل نہ رہی تو فوج ظفر موج کے ادھر ادھر کے فاصلے سے رہنے لگی اگر کبھی شجاعت کی ترنگ میں مقابلے پر آتی تو مریکہ پڑتے ہی حسب معمول فرار ہو جاتی۔اس وجہ سے لشکر اقبال اسے خاطر میں نہ لاتا اور قرطہور سے کچھ پروانہ کرتا تھا اتفاقاً اس روز اعظم خاں کا چنداول اس کے بیٹے معتقت خاں اور راجپوتوں یعنی راؤ دودا ستر سال راجا گردھر کرم سین بلبھدر وغیرہ پر مشتمل تھا قلب آ گے جا چکا تھا اور قلب و چنداول کے درمیان دو کوس کا فاصلہ ہو گیا تھا۔

ان بدبختوں کی فوج میں خاں جہاں لودھی دریا خان مقرب خاں اور بہلول تھے انہوں نے ایک بے سروپا جماعت کو آگے بھیج دیا کہ موقعے کی تاک میں لگی رہے اس جماعت نے جب یہ حال دیکھا تو سبھوں کو آگاہ کر دیا غنیم کا پورا لشکر چاروں طرف سے

یکا یک ایسا گھر کر آیا کہ چنداول کا راستہ روک لیا۔ ملازمان شاہی نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود آن بارہ ہزار پر شیروں کی طرح حملہ کیا دونوں طرف کے ناموس پرست بہادروں نے دلاوری کی داد دی فریقین کے بہت سے آدمی کام آئے اور بہت سے زخمی ہوئے مغل دلاوروں میں سے جاں سپار خاں کا بیٹا امام قلی اور شجاعت خاں عرب کا بیٹا رحمت اللہ کہ بڑے جاں نثار سردار تھے اپنے سپاہیوں سمیت نمک حلالی کی راہ میں کام آئے راجپوتوں میں سے راجا مان سنگھ کا بھتیجا راؤ ستر سال اپنے دو بیٹوں سمیت میدان کارزار میں زخمی ہو کر گرا۔ اسی طرح کرم سین راٹھور بلبھدر سنگھاوت راجا گردھر نبیرہ راجا جے مل مردانگی کی شان دکھا کر اور سینے پر زخم کھا کر معرکے میں گرے۔

جب شاہ حق شناس نے یہ واقعہ سنا تو جاں نثار سپاہیوں کی قدر دانی کے بطور ان کے پسماندوں پر عنایت فرمائی اور انکے بیٹوں کو اونچے منصوبوں پر سرفراز کر کے راجپوتانے یعنی ان کے وطن ہی میں جاگیریں عطا فرمائیں راجا دوارکا داس کو جو بڑی جانبازیاں دکھانے کے بعد زخمی ہو کر گرا تھا بڑے اعزاز اور دل جوئی کے ساتھ پانچ سو ذات دو سو سوار کا اضافہ عنایت کیا اور علم بخشا معرکے میں چنداول کے سردار ملتفت خاں اور راؤ دودا نے ثابت قدمی سے جی چرایا اور کوئی کارنامہ نہ دکھایا۔

خان جہان لودھی کا علاقہ روہ میں بغاوت کروانا

مغلوں کی توجہ ہٹانے کے لیے خان جہان لودھی نے علاقہ روہ کے پٹھانوں کو خط لکھے اور وہاں زبردست بغاوت کروائی جس کی وجہ سے مغل بہت پریشان ہوئے اگرچہ یہ بغاوت ناکام ہوگئی مگر اس سے ہندوستانی پٹھانوں کے سرحدی پٹھانوں سے رابطوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ افغان امراء کے اندر کس درجہ عصبیت موجود تھی اور کس طرح وہ ایک دوسرے کا خیال کرتے تھے۔ دریا خان روہیلہ بہلول اور سکندر روتانی اپنے اپنے عہد چھوڑ کر خان جہان سے جا ملے تھے۔ ان روہیلہ امراء نت کبھی یہی کیا اور صوبہ سرحد و پشاور کے علاقوں میں بغاوت کردی کہ جہاں پر اکبر بادشاہ نے بڑی مشکل سے حالات سنبھالے تھے۔ اس بغاوت کے ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر خان جہان لودھی نے پہلے سے کچھ منصوبہ بندی کرلی ہوتی تو اس کے لئے شاہجہان اور مغلوں سے تخت چھیننا مشکل نہیں ہوتا۔ افغان سردار، امراء اور سپاہی ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ موقع ان کیلئے بہت اچھا تھا مگر تنظیم کے فقدان کی وجہ سے ضائع ہوگئے۔

> "خان جہاں لودھی پر جب ادبار چھایا تو بالآخر جاہ کر کے چھوڑا بہتری کے یے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن زوال کی دلدل میں پھنستا چلا گیا ان دنوں اس نے دیکھا کہ خاقان دہر کا لشکر چاروں طرف سے اسکو گھیر چکا ہے دلدل میں پھنسے ہوئے گدھے اور بھنور کے تنکے کی طرح بہت زور لگایا۔ لیکن نکلنے کی راہ

نہ پائی بالآخر یہ سوچا کہ نامہ و پیغام کے ذریعے سرحد کے
بیہودہ پٹھانوں کو بھڑکا کر بغاوت کرا دے تا کہ فوج شاہی بلکہ
حضرت جہان پناہی کو ادھر متوجہ ہونا پڑے یہ نہ سمجھا کہ لشکر شاہی
کے سامنے چند کیڑے مکوڑوں کی کیا حیثیت ہے اور ان سے
حضرت کے خادموں کے دامن عزت پر کس طرح غبار پڑ سکتا
ہے۔ پہاڑ کو تقسیم کے جھونکے سے اور سمندر کو موج کی جنبش سے
کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔
المختصر خان جہاں نے کمال الدین ولد رکن الدین روہیلہ کو جو
حضرت جنت مکانی جہانگیر کے زمانے میں چار ہزاری منصب
اور شیر خاں کے خطاب سے سرفراز تھا بعد فریب خط لکھا جس میں
ہزاروں ترغیبیں درج تھیں وہ احمق اسے پڑھتے ہی آپے سے
باہر ہو گیا آس پاس کے پٹھانوں کو جمع کر کے فتنہ و فساد برپا
کرنے لگا سعید خاں اس وقت کوہاٹ میں مقیم تھا لشکر خاں کے
ایک ملازم داؤدکی نیز شمشیر خان کی تحریر سے اسے اطلاع ملی کہ
ناقص فطرت کمال الدین نے جس کے سر میں ہوا و ہوس بھری
ہوئی تھی اور پٹھانوں کی حکومت کے خواب دیکھا کرتا تھا اٹک
سے کابل تک کے پٹھانوں کو بھڑکا دیا ہے اور خود پشاور سے
بغاوت کا جھنڈا بلند کرنا چاہتا ہے یہ خبر پا کر سعید خاں ذوالقدر
خاں اور علی خاں بیگ بخشی کوہاٹ کو شادمان پکھلی وال اور خضر

گکھڑ نیز چند احدیوں اور ملازموں کے ساتھ کوہاٹ کی نگہبانی پر
مقرر کر کے ڈیڑھ پہر میں پشاور پہنچا شاہی دولت خواہوں کی
صلاح سے کمال الدین کو نصیحت نامہ لکھ کر نشیب و فراز سمجھایا اول
اول بظاہر تو اطاعت کا اقرار کیا لیکن در پردہ مخالفت بلکہ لڑائی کی
تیاری کرتا رہا مکاں زبان آور آدمیوں کو قبائلی سرداروں بالخصوص
عبدالقادر ولد احداد کریم داد کور پسر جلالہ اور محمد زماں ولد پیرداد
کے پاس بھیج کر سرکشی کی دعوت دی یہ لوگ بنو نغر تیراہ بنگش بالا
بنگش پائیں کے پٹھانوں نیز تمام خٹک چاوچی اور توری قبیلوں
کو جمع کر کے پشاور سے سات کوس دور موضع یولم گزر میں کمال
الدین سے مل گئے وہ بھی اس وقت تک پشاور کے نواحی پٹھانوں
اور اشغر محمد زئی گگیانی خلیق مہمند داؤدزئی ترکلائی وغیرہ آوارہ گرد
قبائل کو جمع کر چکا تھا ادبار سر پر سوار تھا ہی یکم مرداد منگل کے
روز یہ سب گمراہ بغاوت کر کے پشاور پہنچے اور اس سیاہ قلب فوج
نے پشاور کو گھیر لیا۔ سعید خاں اور بعض ملازمان شاہی مثلاً شمشیر
خاں شکر اللہ ولد لشکر خاں دلاور خاں کاکڑ کے ۸ بیٹے جمال اور
جلال اور سید مکھن وغیرہ نے چاہا کہ محصور ہو کر بیٹھنے کی بجائے
باہر نکل کر مقابلہ کریں لیکن دوراندیشی و احتیاط سے قطع نظر کرنا
مصلحت کے خلاف تھا لہٰذا احتیاطاً یہ فیصلہ کیا کہ کچھ عرصہ قلعہ بند
ہو کر مدافعت کرتے رہیں جب قلعے کی مرمت کر کے مطمئن ہو

جائیں تو یکبارگی حملہ کر کے آن اوارہ گرد بدبختوں کو تلوار کے
گھاٹ اتاریں سعید خاں نے جا بجا حفاظت کے لیے جنگ
آزمودہ سپاہی مقرر کر دیے تا کہ پھاٹکوں کی نگاہ داشت کریں خود
بیٹوں سمیت ایک دم آرام کیے بغیر بڑی کوشش سے حفاظت اور
نگہبانی میں مصروف رہا محاصرے کے دنوں میں بدعقل پٹھان
جب کبھی شجاعت کی ترنگ میں ہلہ کرتے شاہی بہادر توپ تفنگ
کی مار سے ان کے دھوئیں اڑا دیتے بعض بہادر مورچوں کی
حفاظت ہندوقچیوں کے حوالے کر کے باہر نکل آتے اور ان
منافقوں کو تلواروں سے جن میں دعائے سیفی کی تاثیر تھی فی النار
کرتے اقبال شاہجہانی کی برکت سے جو حزب البحر اور حرز تیانی
کا کام کرتا ہے ان باغیوں کو شکست دے کر صحیح سالم مال غنیمت
لے کر واپس آتے اس عرصے میں ان بغاوت شعار آوارہ
گردوں نے تختوں کی آڑ بنا کر قلعے پر دھاوا کیا۔ سعید خان تائید
ایزدی پر بھروسا کر کے اقبال بادشاہی کی برکت سے مورچوں کو
توپخانے والوں کے سپرد کر کے اپنے جنگ آزمودہ دلاوروں
سمیت قلعے سے نکلا اور ان بدبخت بے دینوں پر بجلی کی طرح جا
پڑا امداد الٰہی کی بدولت تھوڑی سی جانفشانی سے ان پر غلبہ پا کر
بہت سوں کو قتل کیا باقی آدمی اپنے نصیبے کی طرح پلٹ کر فرار
ہو گئے۔ سعد خان نے آن کا تعاقب مناسب نہ سمجھا کیونکہ

باڈی لشکر کا بہت سا حصہ شہر کے نواحی علاقے میں پڑا ہوا تھا اور اسے اپنے ساتھیوں کی شکست کی اطلاع نہ ملی تھی لہذا ملازمان سرکار نے ان پر حملہ کر کے بے شمار لوگوں کو ہلاک کیا۔ باقی فرار ہوگئے بہت سے باغی تلوار کی آنچ سے بچنے کے لیے مضبوط مکانوں میں گھس گئے تھے کہیں مکانوں میں آگ لگا کر بھونک دیا جب ادھر سے اطمینان ہوگیا تو شکست خوردہ لشکر کے تعاقب میں نکلے چھ کوس تک پیچھا کر کے بے شمار آدمی قتل کیے اور فتح وظفر کے ساتھ واپس آئے سارا واقعہ فتح نامے میں لکھ کر درگاہ شاہی کو اطلاع دی۔ حق شناس بادشاہ نے سعید خاں کو غائبانہ اپنی عنایت سے سرفراز کر کے خلعت فاخرہ اور شمشیر خاصہ عطا کیں منصب میں ہزار ذات پان سو سوار کا اضافہ کر کے چار ہزاری ذات ڈھائی ہزار سوار کا عہدہ عطا کیا۔" (9)

خان جہاں لودھی کی شکست

1040ھ / نومبر 1630ھ میں خان جہان لودھی کی آصف خان سپہ سالار افواج مغلیہ سے ٹکر ہوئی اور اسے شکست ہوئی۔ حکومت کے پاس پوری مشینری تھی، اسلحہ، رسد، جاسوس، ہاتھی، گھوڑے اور پھر خزانہ یہ سب کچھ حکومت کے پاس تھا جس کی مدد سے خان جہان کے خلاف کاروائی رہی تھی۔ خان جہان کے پاس وسائل کی کمی تھی۔ وہ ایک باغی تھا۔ اسے نظام الملک سے محدود امداد مل رہی تھی۔ اس کے

ماس اپنا علاقہ بھی نہ تھا۔ سرگردان پھر رہا تھا۔ حکومت کے مقابلے میں عددی قوت اور سامان حرب اور خزانے کی بہت کمی تھی۔ ان حالات میں شکست یقینی تھی۔ پہلے موکے کی فتح کے بعد ضروری نہیں تھا کہ ہر بار فتح ہو۔ حکومت کے سپاہی مرتے تھے تو اور بھرتی کر لئے جاتے تھے۔ خان جہان کے مرتے تھے تو مزید بھرتی کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ خان جہان اس شکست کیلئے ذہنی طور پر پہلے سے تیار تھا۔

ان دنوں اعظم خان کی فوج ظفر موج نے خان جہان لودھی پر حملہ کر کے اس بدبخت کو شکست دی تفصیل یہ ہے کہ برسات گزرتے ہی شاہی لشکر بڑے کثر وفر کے ساتھ کارزار پر مستعد ہو گیا اسی زمانے میں آصف خان سپہ سالار نے اعظم خاں کو ہدایات بھیجیں لہذا دریائے لشکر جس کا تلاطم بحر قلزم کا نمونہ ہے جوش مار کر نظام الملک بے نظام اور خان جہان تیرہ انجام کی طرف بڑھا پچاس ہزار سواروں کی حرکت سے سرزمین دکن پر بلکہ روئے زمی پر قیامت کا سا ہنگامہ برپا ہو گیا بہلول مقرب خاں اور تمام ملازمان نظام الملک جنھوں نے برسات جالناپور میں گزاری تھی لشکر شاہی کا دبدبہ سن کر حواس باختہ پاتھری کی طرف فرار ہوئے اعظم خاں نے اسی جوش و خروش میں خان جہان پر دھاوا کیا جو بیر کے نواح میں برسات گزار کر سرداروں کے جمع ہونے کا انتظار کر رہا تھا صف شکن خاں کو لکھا کہ اپنے کو لے کر قلعے نکلوا لشکر شاہی کے پہنچنے تک خان

جہاں کرذرا الجھائے رکھو۔

ایک روز خان جہاں موضع راجوری میں سوداگروں سے چھینا ہوا مال پٹھانوں میں بانٹ رہا تھا اعظم خاں نے لشکر کی بہیر اردو کو راجوری سے چوبیس کوس دور موضع مچھلی گاؤں میں چھوڑا یا قوت خاں مالوجی اکرام خاں میر عبداللہ اور رعایت خاں کو اس کا مہتم بنا کر ہدایت کی کہ ہمارے پیچھے آہستہ آہستہ چلے آنا خود تمام سرداروں یعنی سپہدار خاں راجا جھجھار سنگھ بہادر خاں راؤ سور سرفراز خاں خواص خاں جاں نثار خاں راجا بیٹھل داس راجا پہاڑ سنگھ انوپ سنگھ رانا کرن کے بھائی ارجن مرحمت خاں چندر من بندیلہ اہتمام خاں کھیلوجی اوداجی رام جدیو راؤ اور تمام دکنی امراء نیز تازہ دم گھوڑے والے احدیوں اور منصب داروں کو ساتھ لے کر ایک پہر رات گزرے خاں جہاں کی طرف روانہ ہوا اور صبح دم سے جاگیر اصف شکن خاں پہلے ہی اعظم خان کی ہدایت کے بموجب غنیم سے ایک کوس کے فاصلے پر اپنی فوج لے کر مستعد کھڑا تھا غنیم کی فوج موضع بیر سے چار کوس دور دامن کوہ میں پڑی تھی اس ذلیل خان جہاں کا بیٹا عزیز صف شکن خاں کے مقابلے کو بڑھا اتنے میں اعظم خاں بھی دھاوا مارتا وہاں آپہنچا۔ لشکر شاہی کے آتے ہی عزیز بدحواس ہر کر بھاگا بھاگا باپ کے پاس پہنچا۔ اور بتایا کہ پہلے جو فوج آئی تھی۔ وہ صف

شکن خاں کی تھی اب شاہی لشکر یلغار کر کے آ پہنچا ہے۔

بدبخت خان جہاں صاف سمجھ گیا کہ لشکر شاہی نے بڑا پیچ مارا ہے شکست بلکہ تباہی کی صورت صاف نظر آئی دل سے دھواں سا اٹھا مجبوراً تڑک کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ان ہزار ہا شعلوں شاہی دلاوروں کے مقابلے پر آیا حملہ کر کے ہنگامہ کارزار شروع کیا لشکر شاہی کی فوجیں یکے بعد دیگرے اس پر جھکیں پہلے تو ہراول کے سردار راجا جے سنگھ نے رانا بیٹھل داس انی رائے اور دوسرے راجپوتوں کے ساتھ اس پر حملہ کیا پھر میمنہ کا سردار سپہدار خاں ٹوٹ کر آپڑا اسپہدار خاں کے ساتھ دریا کا بیٹا بہادر خاں بھی تھا جو اپنے منافق باپ کے برعکس خلوص و وفا اور اخلاص وصفا کا پیکر تھا ان کے پیچھے خواص خاں سردار خاں احدیوں کا بخشی مرحمت خاں تاپخانے کا داروغہ اہتمام خاں اور تمام برق انداز اس پر حملہ آور ہوئے اور اسا کے بدنیت رفیقوں کو شکست فاش دے کر بھگا دیا وہ اپنا تمام مال و اسباب نیز سوداگروں کا سامان جسے آپ میں تقسیم کر رہے تھے چھوڑ کر پہاڑ کی طرف بھاگے اس وقت اکثر امراء کے سپاہی اور احدی مال لوٹنے مین ایسے مصروف ہوئے کہ لشکر کی ترتیب ٹوٹ گئی صرف وہی تھوڑے سے مسلمان اور رواجپوت معرکے میں موجود رہے جو نام اور ناموس کے پرستار تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ لشکر کے دوبارہ

صف آرا ہونے تک غنیم کی شکست خوردہ فوج موقع پا کر بھاگ نکلے گی۔

مجبوراً آمرانہ نے نامدار اسی حالت میں تھوڑے سے آدمیوں سمیت اقبال بادشاہی پر بھروسا کر کے پٹھانوں کے تعاقب میں پہاڑ کی طرف چلے جب خان جہاں نے دیکھا کہ بادشاہی دلاور قضائے آسمانی کی طرح نشیب وفراز کو یکساں سمجھتے چڑھے چلے آرہے ہیں اور باقی شاہی بہادر بھی کوہستانی سیلاب کی طرح ان کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں تو بدحواس ہو گیا لشکر شاہی کے سرفروش ایسے جانباز تھے کہ پہاڑ بھی ان کے سامنے سے ٹل جاتا تھا خان جہاں کیا مقابلہ کرتا بدحواسی کے عالم میں اپنے باقی ماندہ اہل حرم کو ہاتھی کی عماری میں بٹھا کر شیو گاؤں کے راستے چلتا گیا بہادر نامی بھتیجے کو جو پہلے دربار شاہی میں چار ہزاری ذات ہزار سوار کے منصب پر سرفراز تھا۔ اور جس کی بہادری پر اسے پورا بھروسہ تھا بہادر خاں اور دوسرے شاہی دلاوروں کے مقابلے پر متعین کیا بہادر خاں کے ساتھ مٹھی بھر رفیق تھے وہی گھوڑوں سے اتر کر لڑائی میں مشغول ہوئے تعداد کی کمی کے باوجود ان دلاوروں نے بہت سے دشمنوں کو جہنم رسید کیا بہادری کے وہ کارنامے دکھائے کہ رستم واسفندیار کی روحیں شاد ہو گئیں بادشاہ نامہ میں شاہنامے کی طرح ان سرفروشوں کے واقعات زندہ

جاوید رہیں گے۔

اس معرکے میں بہادر خاں روہیلہ نے شجاعت ذاتی کی بدولت پہاڑ کی طرح جم کر بری تیغ زنی کی بہت سوں کو ہلاک کیا اور کتنوں کو زخمی کر کے گرایا خود بھی ایک تیر چہرے پر اور ایک پہلو میں کھا کر سرخرو ہوا زبردست جھالا بھی چلتی تلوار بن کر ایسا لڑا کہ کئی دشمنوں کو ہلاک کر کے بہت سے راجپوتوں سمیت قربان ہو گیا سپہدار خاں خواص خاں مرحمت خاں نے میدان کارزار کو تنگ پا کر ایک سنگین دیوار کی آڑ لی جو پہاڑ کی بلندی پر واقع تھی۔ اس کی آڑ سے تیر اندازی کر تیر ہے میمنہ کی فوج کے پہاڑ سنگھ بندیلہ نے بہادر خاں کے پاس پہنچ کر خوب معرکہ آرائی کی۔ راجا جے سنگھ راجا بیٹھل داس اور نواب انوپ سنگھ دوسری طرف سے پہاڑ پر آئے تھے۔ یہ لوگ عین موقع پر رفیقوں کی مدد کے لیے پہنچے اعظم وآندھی کی طرح دامن کوہ میں پہنچا ملتفت خاں راؤ سور بھورتیہ اور چندر من بندیلہ وغیرہ بہادروں کو بڑی تاکید سے پہاڑ پر لے چڑھا دلجوئی و دلداری کر کے حوصلہ افزائی کی اب یہ تمام دلاور مردانگی وشجاعت کی داد دیتے ہوئے لڑائی میں مشغول ہو گئے غنیم بھی جان سے ہاتھ دھو کر ان چھری کٹاری ہو گیا اور کاری زخم کھانے لگا۔

چونکہ ہر حال میں تائید ایزدی حضرت شاہجہان کے ہوا خواہون

کا ساتھ دیتی ہے اس لیے شاہی دلاوروں کے پے در پے پہنچے
سے بہادر خاں کا جی چھوٹ گیا گھبرا کر بھاگا خاں جہاں کو اس
بھتیجے کا سہارا سب سے زیادہ تھا جب وہی بھاگ نکلا تو بے سردار
کی فوج کیا خاک ٹھہرتی۔ سب مکنہ موڑ کر دامن کوہ کی طرف
بھاگے شاہی لشکر قضائے آسمانی کی مانند ان کے پیچھے چلا تیر
انداز تیروں سے ان کے طائر روح کا شکار کرتے گئے حسن
اتفاق سے تیر ٹھیک نشانوں پر پڑتے رہے برق اندازوں نے
بندوقوں کو فتیلے دکھا دکھا ک ایسے فیر کیے کہ مخالفوں کا خرمن
حیات پھونک دیا ایس مارا مار میں ایک گولی بہادر خان کے لگی وہ
گرا ادھر سے پہاڑ سنگھ کا ایک راجپوت سپاہی پرس رام میت کا
فرشتہ بن کر اس کے سر پر جا پہنچا وہ نیم بسمل تو تھا ہی مرتے مرتے
جسدھر کا ایک ہاتھ پرس رام کی ران پر رسید کیا لیکن زخم کاری نہ
لگا پرس رام نے پورا زور لگا کر اس کے گلے پر ایسا جمدھر مارا کہ
کام تمام ہو گیا سر کاٹ کر اس بدنصیب کے ہتھیار گھوڑا اور مہر کی
انگوٹھی قتل کے ثبوت کے بطور اعظم خاں کے پاس لے آیا۔ خان
مذکور نے باقی تمام چیزیں پرس رام کو دے دیں۔ البتہ اس بد
انجام کی انگوٹھی نشانی کے بطور درگو والا میں روانہ کر دی شر سے
بھرے ہوئے سر کو قلعہ پیر کے دروازے پر لٹکوا دیا۔ شاہی جانباز
تین کوس تن ان بدبختوں کا پیچھا دابے چلے گئے۔ راستے میں

بہت سوں کو جہنم کی راہ دکھائی۔

اب اعظم خان نے تعاقب ترک کیا شاہی لشکر پہر بھر رات گزرے روانہ ہوا تھا ساری رات کا دھاوا دن بھر کی معرکہ آرائی اس تمام وقت میں تیس کوس سے زیادہ سفر طے کیا اور لگاتار جھڑپوں میں مصروف رہے۔ غرض اعظم خان نے مناسب سمجھا کہ میدان شجاعت کے ان شیروں کو نیز ان کے گھوڑوں کو جن کے سموں میں ہلال کو نعل بنا کر اور ستاروں کو میخ بنا کر لگا دیا جائے تو بجا ہے اتنا آرام دیا جائے کہ آسودہ ہو جائیں ممکن ہے اتنے عرصے میں باقی لشکر بھی آ پہنچے خان جہاں کے حق میں اتنا توقف نہایت غنیمت ہوا مقصد ہر چکا تھا لیکن اپنی سکت کے موافق تگ و دو کر کے تھکے ہوئے گوڑوں کو دوڑاتا بادصرصر کی طرح کس مخمصے سے جان بچا لے گیا اعظم خاں نے فی الفور درویش محمد دکنی کو جگسیو راؤ کے کچھ آدمیوں اور شاہی ملازموں کی ایک جماعت کے ساتھ اس کے تعاقت میں بھیجا گھوڑوں کے تھکے ہونے کے باوجود خود بھی شاہی سپاہیوں کو ساتھ لیے ان کے پیچھے چلا اس تعاقت میں بھی تین سو شیطان خصلت پٹھان اور ان کے اکثر اہل و عیال گرفتار ہوئے خاں جہاں نابکار کے جتنے جاں نثار باقی تھے وہ سامان اور کوتل گھوڑے جا بجا چھوڑتے بیک بنی و دو گوش نکل گئے۔ زخمی ساتھی بڑے رہ گئے خان جہاں

تھوڑے سے رفیقوں سمیت اپنی آدھی جان لے کر نکل گیا
عورتیں جو ہاتھی پر سوار تھیں انہیں مجبوراً عماری سے اتار کر
گھوڑوں پر سوار کیا اور دکن کے پہاڑوں میں سر چھپایا وہ تمام
رات عزت اور شوکت وحشمت محض ناشکری وحق ناشناسی کے
ہاتھوں برباد کر کے خواری ورسوائی سے دوچار رہا۔
درویش محمد نے وہ ہاتھی مع عماری اعظم خاں کے پاس بھیج دیا
شام تک فوج شامت اعمال کی طرح ان بدنصیبوں کا پیچھا کرتا رہا
جب رات کی سیاہی چھا گئی تو ان تیرہ بختوں کو پناہ ملی اعظم خاں
نے بھی فوج کو وہیں ندی کے کنارے پڑاؤ کا حکم دیا صبح ہوئی تو
اندازہ کیا کہ اب خاں جہاں کا تعاقب بے کار ہے علاوہ ازیں
یاقوت خاں اور اردو کیمپ والوں کی طرف سے بھی فکر مند تھا
جنہیں پچھلی گاؤں میں چھوڑ آیا تھا غرض مصلحت اور تدبیر یہی
سمجھی کہ خان جہاں کا تعاقب چھوڑ کر بیر کی طرف واپس
جائے جس روز اعظم خاں بیر میں آیا یاقوت کاں بھی اردو سمیت
آ پہنچا ان تمام واقعات کی خبر من وعن بارگاہ خلافت میں پہنچی شاہ
حق شناس نے اس خدمت کے صلے میں تمام سرداروں اور
منصب داروں کو کارگزاری اور مرتبے کے مناسب خلعت ہاتھی
گھوڑے اور اضافہ منصب عطا کر کے سرفراز فرمایا خاں جہاں
اور دریا خاں شیو گاؤں سے بیضا پور اور بھونسلا پہنچے جو نظام الملک

کے علاقے کے پرگنے ہیں لشکر شاہی کے آنے سے یہاں آبادی کا نام نشان نہ رہا تھا لہذا انہوں نے یہاں سے دولت آباد کا رخ کیا اعظم خان کو خبر ملی تو بیر سے بیس ہزار سواروں کے ساتھ شیو گاؤں کی طرف چلا۔(10)

ہم نے دیکھا ہے کہ کان جہان لودھی اور اس ک ساتھی کسی بہادری سے مڑے کہ دشمن نے بھی ان کی بہادروی کا اعتراف کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن کتنا طاقتور اور بہادر تھا اور یہی وجہ تھی کہ شاہجہان کو خود اس جانب متوجہ ہونا پڑا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ خان جہان لودھی کی فوج مٰں روہیلے بھی شامل تھے جو ابتک ہندوستانی نہیں بنے تھے۔ یہ سرنی قبائل خصوصا یوسف زئی قبیلے کے پہاڑی لوگ تھے اور اپنی ہندوستان آتا وار دہی ہوئے تھے۔ ان کے اندر جنگجوئی کی صلاحیت ہندوستانی پٹھانوں کی نسبت کہیں زیادہ تھی۔

خان جہاں کی سرحد کی جانب روانگی

خان جہاں لودھی نے اب فیصلہ کیا کہ وہ علاقہ سرحد ولایت روہ میں جائے اور سرحدی پٹھانوں سے مدد لے اس غرض سے اس آنے مالوہ کے راستے پنجاب کا رخ کیا مگر مغل فوج ہر جگہ اس کے آڑے آئی۔ گزشتہ باب میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ جب شاہ ایران نے قندھار پر حملے کا ارادہ کیا اور جہانگیر نے خان جہان لودھی کو اس جانب

پیش قدمی کا کہا تو روہ کے افغان قبائل نے اسے پیشکش کی تھی کہ اگر وہ انہیں معقول تنخواہ دے تو وہ اصفہان تک فتح کر سکتے ہیں۔ جہانگیر کے اپنے تعلقات اور اپنی حیثیت کا اندازہ کرتے ہوئے خان جہان نے یہ پیشکش رد کر دی تھی۔ مگر اب اسے یہی پیشکش یاد آئی۔ اس کے کہنے پر روہ میں کمال الدین روہیلہ بغاوت بھی کر چکا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ خود روہ میں موجود ہوگا تو بات کچھ اور ہوگی۔ دکن کی سرحد پر وہ محصور حالت میں تھا۔ بچاؤ کیلئے راہ فرار نہ تھی۔ جبکہ روہ کا علاقہ کھلا علاقہ تھا۔ اس کے پرے دیگر سلطنتیں تھیں۔ خود اس علاقے میں طویل پہاڑی سلسلہ موجود تھا۔ وہاں ہر خان جہان لودھی کے ہم وطن، ہم نسل اور ہم زبان لوگ تھے۔ وہاں عرصے سے ملتان میں گورنر رہا تھا لہذا قبائلیوں سے اس کے مضبوط تعلقات تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے روہ کا رخ کیا۔

"قاعدہ ہے کہ خیانت کار اور غدار کا دل ہمیشہ خوف زدہ رہتا ہے غداری اور خوف لازم و ملزوم ہیں ان دو بد انجام بدبختوں کی وجہ سے جو نظام الملک کے ذمے لگ گئے تھے دکن میں وہ ابتری پھیلی کہ نظام الملک کی قدیمی سلطنت تباہی کے کنارے آ گئی دونوں بد طینتوں کو نظام پر اعتماد نہ تھا دوراندیشی کی راہ سے سوچا کہ کہیں اپنی سلامتی کی خاطر ہمیں گرفتار نہ کروا دے اپنی بہتری اسی میں سمجھی کہ مالوے ہوتے ہوئے پنجاب میں جا نکلیں اور وہاں سرحدی پٹھانوں سے مدد لیں غرض صدر ایمل اور تمام افغانوں کو ساتھ لے کر خاں جہاں نواح دولت آباد سے تنور پہنچا

وہاں سے دھرن گاؤں جو یرہ انبہ پاتر کے راستے مالوے کا رخ کیا۔

کاتبان تقدیر نے ان بدبختوں کی تباہی عبداللہ خاں اور مظفر خان کے ہاتھ سے لکھ رکھی تھی غالباً یہی وجہ تھی کہ مظفر خاں بیمار ہو کر بالا گھاٹ سے درگاہ شاہی میں آ گیا تھا خاں جہاں کے حالات کی اطلاع ملتے ہی دربار سے مظفر خاں اور بائیں گھاٹ سے عبداللہ خاں ان کے تعاقب پر مامور ہوئے حکم والا صادر ہوا کہ دونوں سردار اپنی اپنی جگہ سے چل کر جس مقام پر مل جائیں بدنہاد خاں جہاں کی بربادی میں سرگرم ہوں اور اتفاق کی برکت سے جو تائید آسمانی کی موجب ہے اس بدطینت کی بنیادیں اکھیڑ کر پھینک دی اس معاملے میں حضرت کر اتنا اہتمام تھا کہ لشکر جرار تیار کر کے اس کا ساز و سامان درست کیا نجومیوں سے مبارک گھڑی مقرر کروانے کی بجائے خود ایک ساعت مسعود مقرر فرمائی اور بتاریخ ۹ ماہ دی ۳ جنوری ۱۶۳۱ اس لشکر کو روانہ فرمایا یہ لشکر بڑے بڑے امراء اور تمام منصب داروں مثلاً سرفراز خان دوار کا داس مادھو سنگھ ولد راؤ رتن یکہ تاز خان شیر زاد اگر سین چیام سنگھ جگن ناتھ راٹھور امیر بیگ پر مشتمل تھا نہایت بہادر شیر افگن سو گرز دار بھی اس فوج میں متعین تھے اور حکم دیا کہ بیجا گڑھ کے راستے منڈو پہنچیں راسے بھر مخالفوں سے ہوشیار رہ کر خان جہاں کے

ادبار زدہ گروہ کا سراغ لگاتے جائیں۔ مظفر خاں بڑی تیزی
دے منزلیں طے کرتا قصبہ تال گاؤں میں عبداللہ خاں سے
جاملا یہاں سے دونوں سردار فور آبادو باراں کی طرح ان بدبختوں
کی طرف بڑھے بتاریخ ۲۷ دی ۲۱ جنوری ۱۶۳۱ سرونج میں پہنچے
تو معلوم ہوا کہ وہ سیاہ بخت شاہی لشکر کے آنے سے دو روز پہلے
یہاں پہنچے تھے اوت شہر کو لوٹنا چاہتے تھے اتفاقاً خواجہ عبدالہادی
جو اپنے باپ صفدر خاں کی طرف سے اس علاقے کا حاکم تھا
خواجہ بابا اور کچھ سپاہیوں سمیت ان کمینوں کے آنے سے دو چار
گھڑی پہلے سرونج میں آپہنچا اور شہر کی حفاظت کر لی بدنصیب
خان جہاں اپنی تدبیر سے مایوس ہو کر وہاں سے پلٹا شاہی فیل
خانے کے دو حلقے جن میں ۵۶ ہاتھی تھے اس کے ہاتھ لگ گئے
جنھیں لے کر بھاگ گیا بتاریخ ۲۵ دی ۱۵ جمادی الثانی
۱۰۴۰ (۱۹ جنوری ۱۶۳۱) بدھ کے دن نہایت مبارک ساعت
میں جو پر زہرہ و مشتری کی نظر عنایت تھی حضرت کا چالیسواں
جشن تلادان بڑی زیب و زینت سے منعقد ہوا ہر وزرگار حضرت
کو عمر ابد عطا فرمائے ترازو کے ایک پلڑے میں حضرت بیٹھے اور
دوسرے پلڑے میں باری باری زر و گوہر اور نقد و جنس وزن
ہوتے گئے جنھیں تولنے کے بعد زمانے بھر کے محتاجوں مسکینوں
میں تقسیم کر دیا گیا۔"

خان جہان لودھی کو جو توقعات اور امیدیں علاقہ گروہ اور وہاں کے پٹھانوں سے تھیں اس کا اندازہ حکومت وقت کو بھی تھا۔ حکومت کو معلوم تھا کہ خان جہان کو دکن کی سرحد پر ان کے لئے اتنی مشکلات کھڑی کئے ہوئے ہے۔ اگر وہ گروہ پہنچ گیا تو اس مشکلات کھڑی کردے گا کہ حکومت کیلئے ان پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا جتنا زور جہان لودھی گروہ پہنچ کیلئے لگا رہا تھا۔ اب اتنا ہی زور مغل اس کو وہاں پہنچنے سے روکنے کیلئے لگا رہے تھے۔ لہٰذا شاہجہان نے اس کو ہر حال میں روکنے کا حکم صادر کیا۔

دریا خان کی شہادت

1040ھ / 1631 کے وسط میں مغلوں کی خان جہاں سے جنگ ہوئی اور خان جہان کا دست راست دریا خان روہیلہ مارا گیا:

> "بد بخت دریا خاں کے قتل کی سرگزشت سنیے خان جہاں پہلے پہل جب علاقہ بندیلہ میں وارد ہوا تھا تو جھجھار سنگھ کے بیٹے بکر ماجیت نے اس کا راستہ روکنے کے بجائے چشم پوشی سے کام لیا اس وجہ سے باپ بیٹے دونوں حضرت شاہجہاں کے معتوب ہر کر شرمندگی اور ادبار کے عالم میں زندگی گزارتے رہے فکر یہ تھی کہ جس طرح ممکن ہو یہ داغ دامن سے دھوئیں اور عمدہ خدمت انجام دے کر اپنا راستہ ہموار کریں۔ انھی دنوں دریا خاں اور خان جہاں نے ان کے علاقے میں وارد ہو کر کالپی پہنچنا چاہا۔ بکر ماجیت خدا سے چاہتا تھا کہ ایسا موقع ہاتھ آئے غرض فوج آراستہ

کر کے یکم بہمن (۲۱ جنوری ۳۱) بڑی تگ و دو کے ساتھ ان کا راستہ روکا دریا خاں بطور ہراول آگے تھا پہلے اسی سے جھڑپ ہوئی وہ بدعقل مغرور موت کے پنجے میں گرفتار تو تھا ہی بے محابا بکرماجیت کی فوج پر حملہ آور ہوا جانبازی کیساتھ دشمنوں کو زیر کرنا چاہتا تھا کہ قضارا بندوق کی ایک گولی سر پر لگی موت کا یہ طمانچہ ایسا پڑا کہ دریا خاں کی کشتی عمر کے واسطے گرداب فنا بن گیا۔ بندیلوں نے اسے خان جہاں سمجھ کر نرغے میں لے لیا یہ تو یہاں کھیت رہا ادھر خان جہاں کو فرار کی مہلت مل گئی اس لڑائی اور تعاقب میں دریا خاں اس کا ایک بیٹا اور چار سو پٹھان مارے گئے دو سو بندیلے بھی نمک حلالی کا ثبوت دے کر اپنے ولی نعمت کی خدمت میں کام آئے۔ بکرماجیت نے اس واقعے کی اطلاع اور دریا خاں اور اس کے بیٹے کے سر درگاہ شاہی میں بھیج دیے جو ۱۷ بہمن (۶ فروری ۱۶۳۱) کو پہنچے مدتوں سڑک پر پڑے ٹھوکریں کھاتے اور سرکشی کی باداش پاتے رہے بکرماجیت کو جگ راج کا خطاب خلعت شمشیر مرصع اور نقارہ عطا ہوئے۔" (12)

دریا خان روہیلہ اور اس کے ساتھیوں کی ہلاکت، خان جہان لودھی کیلئے ناقابل تلافی نقصان تھی روہیلے پہاڑی لوگ تھے اور ان کے اندر حربی صلاحیت دیگر افغان کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ یہ خان جہاں کے گروہ کا بہت اہم حصہ تھے۔ ان کی تباہی سے خان جہان لودھی کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ نفسیاتی طور پر کمزور ہو گیا۔ اس کا

بچاؤ اسی میں تھا کہ وہ جلد از جلد گروہ پہنچ جائے تا کہ اسے تازہ دم سپاہی اور دیگر امداد میسر ہو سکے۔ دوسری جانب دریا کان روہیلہ کی موت پر شاہی فوج مزید پر اعتماد ہو گئی۔

خان جہاں لودھی کا فرار

اب خان جہاں لودھی کی طاقت ٹوٹ گئی تھی لہذا اسکے پاس فرار ہونے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا لہذا وہ اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کے ساتھ بھاگ نکلا مگر مغل فوج نے اس کا پیچھا جاری رکھا:

> ''جب بندوق کے شعلے نے دریا خان کی شمع حیات گل کر دی تو خان جہاں بے قرار و بے تاب بلکہ مدہوش سا ہو گیا بے خودی کے عالم میں ہر روز کچھ فاصلہ طے کرتا لشکر شاہی اس ادبار زدہ کے پیچھے لگا چلا آتا تھا ۱۳ بہمن (۲ فروری ۱۶۳۱) کر پرگنہ بھانڈور کے موضع نیمی میں پہنچا جو سیہندہ سے پندرہ کوس ہے سرکاری نوکروں کو خبر لگی کہ وہ کوتہ اندیش آن سے صرف دس کوس کے فاصلے پر موجود ہے اس قصبے کو پاک کرنے کے لیے سب بڑی تیزی سے ادھر بھڑے۔ وہ بد بخت انقلاب روزگار کا مرا دن رات کی بھاگ دوڑ سے نیم جاں ہو رہا تھا نہ گھوڑوں میں سکت باقی تھی کہ سواروں میں بہت سے زخمی رفیق بھی ساتھ تھے جن کی وجہ سے کس روز روانگی میں اور دیر ہو گئی۔ شاہی فوج کو

موقع مل گیا تیزی سے اس پر جا پڑے مظفر خان ہراول تھا خان جہاں کو شاہی فوج کے آ پہنچنے کی اطلاع ملی تو سر سیمہ ہو کر رہ گیا ٹھہرنے کا موقع تو نہ تھا لیکن چار ناچار ثابت قدمی کے ساتھ کسی جگہ قائم ہوا زمانے کی دستبرد سے جو تھوڑا بہت خزانہ باقی تھا اسے اور زخمی ساتھیوں کو چند پٹھانوں کے ہمراہ جن کے گھوڑے مریل ہو چکے تھے آگے چلتا کیا اور پانچ سو جاں نثار پٹھانوں کو ہمرکام لے کر مقابلے پر مستعد ہو گیا۔

عبداللہ خاں فیروز جنگ نے شہامت ہاشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے برق و باد کی طرح اور بد بخت کی فوج پر حملہ کیا ادھر سے خان جہاں اپنے ناموس پرست حمیت شعار پٹھانوں کے ساتھ اس قضائے مبرم کے سامنے سینہ سپر ہوا جان سے ہاتھ دھو کر اس طرح لڑا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے شجاعت شعار بہادروں نے خونخوار شیروں نہنگوں کی طرح ایک دوسرے پر وہ تلواریں برسائیں کہ میدان کی زمین سرخ ہو گئی ہر لمحے دس بیس سوار گھوڑوں سے گرنے لگے موت کا بازار گرم ہوا اور جان ہار دلاوروں نے رستم اور سہراب کی داستان کو بھلا دیا۔ اشعار

(ترجمہ)

سپاہیوں نے جانبازی و دلاوری سے ہنگامہ جنگ گرم کیا

دونوں صفوں نے سیلاب کی طرح بڑھ کر ایک دوسرے کو فنا

کرنا شروع کر دیا بہادروں نے جو ہر تیغ کی طرح تلواریں

پکڑ پکڑ کر ایک دوسرے پر حملہ کیا تلواریں

خود بخود نیاموں سے یوں نکل پڑیں جیسے بجلی ابر سے کوندتی ہے اتنا گھمسان کا معرکہ تھا کہ دشمنوں کی تلواریں قینچی کی طرح باہم مل گئیں بالآخر اس غیر درمند سردار کی جانفشانی سے تلوار کے آئینے میں شاہد فتح کی صورت نظر آئی اقبال شاہجہانی کی خان جہاں کے اکثر ساتھی مارے گئے لشکر شاہی کے دلاوروں میں سے خان عالم کے داماد شیر زانہ نے بڑھ بڑھ کر وہ حملے کیے کہ آخر کار جان کو نثار کر دیا ستر سال کے پوتے راجا دوار داس نے بھی بہادری کا ایسا مظاہرہ کیا کہ کتنے ہی پٹھانوں کو عدم کی راہ دکھا کر خود بھی آقا کی راہ میں کام آیا خان جہاں کے بھی بیشتر رفیق زخمی اور مقتول ہوئے پھر جب اس کا بیٹا محمود اور ایک سردار صدر روہیلہ بھی جو اس کے قریب تر تھے اور پشت پناہ تھے مارے گئے تو اس کا دل ٹوٹ گیا خان جہاں نام کا دوسرا بیٹا بھی ران پر گولی کھا کر سخت زخمی ہوا خود خان جہاں نے پے در پے کئی زخم کھائے اب اسے میدان میں ٹھہرنے کی تاب نہ رہی بے اختیار بھاگا اور چاہا کہ جتنی دور نکل سکوں نکل جاؤں کوہ پیکر ہاتھی ساتھ تھے انھیں بھی جا بجا چھوڑتا گیا شاید ہی منصوبہ تھا کہ تعاقب کرنے والے لوٹ کے لالچ میں میرا پیچھا چھوڑ کر ہاتھیوں میں

مشغول ہو جائیں اور مجھے نکل جانے کا موقع مل جائے۔

اس تعاقب میں شاہی دلاوروں نے بیس ہاتھی پکڑے بھانڈور کے زمیندار راجا امر سنگھ نے باقی ہاتھی پکڑ لشکر شاہی میں بھیج دیے خان جہاں افتاں خیزاں کالنجر کے نواح میں پہنچا تھا کہ وہاں کے قلعہ دار سید احمد نے سرراہ اسے روک کر اس کے بہت سے رفیقوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ بہت سوں کو تو مان صوغ علم بائیس ہاتھیوں اور خان جہاں کے بیٹے حسین سمیت گرفتار کر کے درگاہ شاہی میں بھیجا اس دلاوری کے صلے میں جانباز خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا۔(۳۰۸) خان جہاں کمال اضطراب کے عالم میں بیس کوس تک گھوڑا مارے چلا گیا سہندہ کے تالاب کے قریب پہنچ کر کہ یہیں کی مٹی اس کے نصیب میں تھی ٹھہر ا رفیقوں سے کہا کہ آج تمھیں سچے دل سے اجازت دیتا ہوں چاہے میرے ساتھ رہا چاہے جان بچا کر کہیں نکل جاؤ۔ بلکہ اکثر کو تاکید کے ساتھ خود رخصت کر دیا جن وفاداروں کو افغانی حمیت اور نمک حلالی کا پاس تھا اور یہاں تک ساتھ آئے تھے انھوں نے یہاں بھی ساکھا کیا ساتھ نہ چھوڑا ہمراہ

رہے اور وفا کا نام روشن کر گئے۔(13)

خان جہاں لودھی کی شہادت

مغل فوج جو متواتر تعاقب میں لگی ہوئی تھی اس نے یکم رجب 1040ھ وبمطابق 3 قدوی 1613ھ بروز پیر خان جہاں کے لشکر کو جالیا جس میں وہ اسی روز بہادری سے لڑتا ہوا شہید ہوا مآثر الامراء میں ہے کہ خان جہاں لودھی دل برداشتہ ہوگیا تھا اور اس نے جنگ سے قبل ہی اپنے بہت سے ساتھی رخصت کر دیئے تھے:

"جب بھانڈیر کے ملک میں پہنچا تو شاہی فوج کا ہراول سید مظفر خان بارہہ قریب آگیا خان جہاں ساز وسامان کو روانہ کر کے ایک ہزار سواروں کے ساتھ مقابلے پر آگیا۔ اس کا لڑکا محمود خان ایک جماعت کے ساتھ مارا گیا خان جہاں لگام موڑ کر مجبوراً آگے بڑھا جب کالنجر کے علاقے میں اس کا لڑکا حسین خان گرفتار ہوگیا خان جہاں موت کے لشکر کو کھینچتا ہوا بیس کوس اور آگے بڑھا اور تالاب سہندہ کے کنارے پہنچ کر مقیم ہوگیا لوگوں سے کہا کہ فوج شاہی نے تعاقب ختم نہیں کیا ہے وہ پیچھے چلی آرہی ہے میں کب تک بھاگوں؟ میرے تمام اعزہ اور ہم قوم مارے گئے میں بھی زندگی سے سیر ہو چکا ہوں اب سوائے مارے جانے کے اور کوئی علاج نہیں ہے جس کا دل چاہے وہ چلا جائے جو کچھ اس کے پاس بچا تھا وہ سب کو تقسیم کر دیا بہت سے

علیحدہ ہو کر چلے گئے۔" اب خان جہان لودھی کی حالت بہت
پتلی ہوگئی۔ ایک ایک کر کے اس کے سارے ساتھی اور عزیز اور
بیٹے مارے گئے تھے جس کا بہت برا نفسیاتی اثر پڑا تھا۔ اس کی
عددی قوت ختم ہوگئی تھی۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس کا آخر وقت
قریب آگیا ہے۔ اب اس کی عقلمندی اسی میں تھی کہ لڑتا ہوا مارا
جائے۔ اس موقع پر ہتھیار ڈالنا دراصل جان سے جانا بھی تھا
اور ذلت اٹھانا بھی۔ اگر وہ ہتھیار ڈال بھی دیتا تو شاید عبداللہ
خان وغیرہ اسے بادشاہ کے پاس نہیں لے جاتے بلکہ اسے
راستے میں ہی مار ڈالتے۔ بادشاہ کی جانب سے بھی جان بخشی کی
امید نہیں تھی۔ اتنا کچھ ہونے کے بعد غیرت کا تقاضا یہی تھا کہ
لڑو اور مرو۔ ایسی زندگی کا کیا فائدہ جو اپنے تما ساتھیوں کو مروا کر
ذلت کے ساتھ ملی ہو۔ یہ سب کچھ وچ کر خان جہان لودھی اور
اس کے باقی ماندہ ساتھیوں نے مرتے دم تک تلوار اٹھانے کی
ٹھانی اور اتنی بہادری سے لڑتے لڑتے شہید ہوئے کہ دشمن بھی
اس کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عمل صالح میں اسکی بہادری اور شہادت کا اعتراف دشمن نے بھی کیا ہے۔"

فوج شاہی اس بدنصیب برگشتہ بخت کے تعاقب میں سائے کی
طرح لگی چلی آرہی تھی ہر شخص چاہتا تھا کہ جس طرح بھی یہ قصہ
پاک ہو جائے ۱۴ بہن یکم رجب ۱۰۴۰ھ ۳ فروری ۱۶۳۱ پیر کا دن

تھا کہ لشکر شاہی نے گرداب کی طرح اس آفت زدے کو نرغے میں لے لیا سب سے پہلے سید مظفر خان اور مادھو سنگھ دو سو گرز بردار سواروں اور چند دلاوروں کے ساتھ اس سیاہ بخت پر آپڑے خان جہاں اپنے سب سے پیارے بیٹے عزیز اور ایم وغیرہ خاص وفادار جاں نثار سرداروں کو رکاب میں لے کر مرنے مارنے کی نیت سے وہیں ڈٹ گیا راجپوتوں کے قاعدے کے مطابق تمام سوار تھوڑے چھوڑ کر پیدا ہوئے ایک ہاتھی کو سامنے رکھا اور شاہی فوج پر جھک گئے سب سے پہلے مادھو سنگھ چند گرز داروں کے ساتھ آگے بڑھ کر ان سے بھڑا انتہائی جرات و شجاعت سے کام لے کر کمان کی طرح تیر حوادث کے سامنے سینہ سپر ہو گیا دونوں صفیں پلکوں کی طرح ایک دوسرے پر آپڑیں اشعار (ترجمہ)۔

دریائے شجاعت کے نہنگ میدان میں آگئے اور
شیر ادھر ادھر پھرنے لگے لڑائی کا ہنگامہ ایسا
گرم ہوا کہ شور قیامت ہیچ معلوم ہونے لگا
تلواروں نے ایسی کاٹ دکھائی کہ زخموں کے
لب آفریں کہنے لگے دلاوروں کے ہاتھ سے
سوائے تیر کے کوئی بچ کر نہ نکل سکا میدان
جنگ میں ہر جگہ بہادروں کے مغز بکھرے

پڑے تھے۔

ٹھانوں کو یہ تو معلوم ہی تھا کہ بھاگنے کا موقع بالکل نہیں ہے تعداد کم ہونے کے باوجود تلواریں کھینچ کھینچ کر شاہی دلاوروں پر ٹوٹ پڑے دل میں غیظ و غضب کی آگ تھی اور تیوری پر مردانہ بل اجل رسیدہ خان جہاں جس کے سر پر تباہی منڈلا رہی تھی اور زندگی کا پیانہ چھلک رہا تھا جی توڑ کر ایسا لڑا کہ جان ہی لڑا دی جانتا تھا کہ سعی و کوشش بے سود ہے اور فلاح و بہبود کی ذرا امید نہیں پھر بھی قضائے الٰہی سے لڑتا گیا۔ تلواروں کو سینے پر اوشتا رہا نیزہ و شمشیر کے زخم کبھی اس پہلو پر لگتے کبھی اس پہلو پر اس دلاور نے ذرا پروانہ کی آخر کار مادھو سنگھ کا برچھا ایسا کاری پڑا کہ بیتاب ہو گیا تاہم جب تک طاقت رہی اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ڈٹا کھڑا رہا پھر شاہی بہادر جو خنجر سے زیادہ اس کے خون کے پیاسے تھے اس پر جھک گئے اتنے مظفر خان پہنچے ہی پہنچے اور اسے امان دے انھوں نے تلواروں کو پے در پے وار کر کے ٹکڑے اڑا دیے اس ہنگامے میں اس کے تیس آدمی بھاگ کر جان بچا لے گئے لیکن تقریباً سو دلاور ایسے سورما تھے۔ کہ مردانگی کے دامن پر فرار کا داغ نہ لگنے دیا ان کے نزدیک جان کوئی مال ہی نہ تھی۔ ثابت قدمی کے ساتھ اپنی جگہ جم کر مرتے مارتے رہے۔ عزیز ایمل اور چند دوسرے دلاور زندگی سے ہاتھ اٹھا کر

پروانوں کی طرح تلواروں کی آگ میں جل گئے۔ لشکر شاہی میں سے بھی مظفر خان کا پوتا سید ماکھن ابن عبداللہ ستائیس سرفروشوں سمیت کام آیا۔ جان دے کر نیک نامی جاوید حاصل کی۔ بہت سوں نے گہرے زخم کھا کھا کر مردانگی کے محضر پر مہریں لگوائیں۔" (15)

خان جہان لودھی کا سر

مغل فوج نے خان جہاں لودھی اور دیگر باغیوں کا سر کاٹ کر شاہجہان کے حضور میں اسوقت پیش کیا کہ جب وہ دریائے تاپتی کی سیر کر رہا تھا۔

"گرز برداروں نے ان بدنصیب مقتولوں کے سر نیزوں پر چڑھائے ہی تھے کہ پیچھے سے عبداللہ خاں فیروز جنگ تمام شاہی سرداروں سمیت آپہنچا اس فتح تازہ کا حال سن کر کارساز حقیقی کا شکر خلوص نیت سے بجالایا خان جہاں عزیز اور ایم کے سر اپنے بھتیجے خواجہ کامگار کے بدست درگاہ شاہی میں روانہ کیے خان جہاں کا بیٹا فرید اور بہادر خاں کا چھوٹا بھائی حالال زندہ گرفتار ہوئے جاں جہاں نے زخمی ہو کر دریا خان کی بیوی کے پاس پناہ لی تھی انھیں قید کر کے یکہ تاز خان کے سپرد کیا کہ شاہجہان کے حضور میں پہنچائے اشعار (ترجمہ)۔

یہ سر اس قابل تو نہ تھا کہ نیزے پر چڑھے

لیکن دوسروں کی عبرت کے لیے چڑھایا گیا

جس سر میں صندل لگانے سے درد ہوتا

تھا انقلاب دہر نے اس میں خس وخاشاک بھر

دیا گرفتار ہونے کے بجائے سر دے دیا

سرکشی کی معذرت کیا ہی خوب کی۔

۲۲ بہمن وسط رجب ۱۰۴۰ (۱۶ فروری ۱۶۳۱) پیر کے دن جو ہوا خواہوں کے لیے روز عید تھا خواجہ کامگار کس سیاہ بخت کا سر لیے ہوئے درگاہ والا میں حاضر ہوا معتمد خاں کو سب سے پہلے اطلاع ملی خوش خبری پہنچانے کے لیے فوراً بڑھا شاہ بحر وبر دریائے تاپتی پر کشتی میں بیٹھے مرغابیوں کے شکار سے محظوظ ہو رہے تھے کہ اس نے نوید فتح ونصرت جا سنائی حضرت نے خدائے کارساز کا بے انتہا شکر ادا کیا اور شگون کے بطور رسم مقررہ کے مطابق شادیانے کا نقارہ بجانے کا حکم دیا۔ ارکان دولت نے مبارک بادیں پیش کیں یمین الدولہ آصف خان مہابت خان خانخاناں تمام صوبے داروں اور امرائے سرحد کے نام فتح نامے روانہ ہوئے کہ بد بخت خان جہاں کا خاتمہ ہوا۔ عبداللہ بیگ کے ہاتھ عبداللہ خاں بہادر اور سید مظفر خان کے واسطے قیمتی خلعت او رعنائیوں سے بھرے ہوئے فرمان روانہ ہوئے معتمد خان کو بھی خوش خبری کے صلے میں خلعت خاصہ عطا ہوا۔

خواجہ کامگار کے منصب میں اضافہ ہوا اور خلعت خاصہ اور گھوڑے کی عنایت نیز عزت خاں کے خطاب سے سرفرازی پائی۔ مصلحت حکومت اور سرکشوں کی عبرت کے واسطے ان گستاخوں کے سر پرشور قلعہ برہان پور کے دروازے پر لٹکا دیے گئے۔ مدتوں وہیں لٹکے ہوئے ہوش مندوں کو عبرت کا اور شریروں کو عقل و ہوش کا سبق دیتے رہے پیر خاں یعنی خان جہاں کا سر دریا خان کے سر کے بعد آیا تھا اس مناسبت سے ابو طالب کلیم شاعر سحر بیاں نے یہ رباعی کہہ کر حضرت کو سنائی اور بھاری انعام پایا۔ (ترجمہ)

فتح کے دو مژدے پیہم بر محل پہنچے شراب
نشاط دو آتشہ ہوگئی دریا خان کے بعد
خان جہاں بھی قتل ہوا گویا اس کا سر
حباب دریا تھا۔ (16)

لودھی سیاست کا خاتمہ

خان جہاں لودھی کے قتل کے بعد لودھیوں نے اپنی حکومت کا خواب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ جو لودھی ہندوستان میں تھے اب انکے اندر عصبیت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ انکی تنظیم فوج حربی صلاحیت مکمل طور پر ختم تھی۔ اب وہ ہندوستانی میں معاشرے کا حصہ تھے پشتو زبان بھلا چکے تھے۔ لہذا آبائی وطن سے بھی ان کا رابطہ ختم

ہو گیا تھا۔اب علم وادب کی جانب انکی رغبت تھی جہاں کہیں ہندوستان میں افغانوں کی ریاستیں یا جاگیرداریاں قائم تھیں اب وہ وہاں جانے لگے۔شہروں میں آباد ہو گئے تلوار چھوڑ دی تجارت اور دیگر کاروباروں میں مصروف ہو گئے ۔ہندوستان میں لودھیوں کے گھرانے آج بھی ہیں مگر وہ سب پرسکون اور پرامن شہری ہیں۔لودھیوں کی حالت ہندوستان میں کسی قوم کے عروج وزوال کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔سوریوں نے بھی حکومت کی مگر ان کا دورانیہ لودھیوں سے کم تھا پھر آج اس کے نام لیوا بہت کم ہیں ۔لودھیوں کے نام آج بھی بہت سے ہیں کبھی نصف ہندوستان انکے تابع تھا مگر آج انکی اکثریت اس بات سے بھی بے خبر ہے۔اگرچہ دیگر افغان قبائل نے بھی حکومتیں قائم کیں مگر وہ سب محدود علاقوں پر تھیں یا پھر ان کا دورانیہ بہت کم تھا لودھیوں کی حکومت مضبوط و منظم اور طویل عرصے پر محیط تھی جبکہ انکے آثار قدیمہ آج بھی انکی عظمت کی گواہی دیتے ہیں۔

خان جہان لودھی پر ایک نظر

جہانگیر سے تعلقات:

خان جہان لودھی، بادشاہ جہانگیر کے مقربین میں سے تھا۔ جہانگیر نے ہر جگہ اسے فرزند کہا کہ مخاطب کیا ہے۔ یہ لفظ جہانگیر نے کسی اور امیر کے لئے استعمال نہیں کیا۔ بادشاہ اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ شاہی حرم کو اس سے پردہ نہ کراتا تھا بلکہ دوبار بادشاہ اس حرم میں بھی لیکر گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ خان جہان لودھی کی کسی مغل شہزادی سے شادی کردے مگر خان جہان نے خود ہی منع کر دیا۔ دونوں اکٹھے

شراب نوشی کرتے تھے مگر ایک وقت پر خان جہان نے یکدم شراب نوشی ترک کردی۔ بادشاہ کو اس پر بہت اعتماد تھا۔ جب شاہ ایران نے قندھار پر قبضے کا ارادہ کیا تو بادشاہ خان جہان لودھی کو اس پر قلعہ دار مقرر کیا۔ یہ ایک بہت ہی اہم منصب تھا۔ البتہ بعدازاں نور جہان کی سفارش پر اسے ملتان کے صوبے پر مقرر کیا گیا جو سرحدی علاقہ ہونے کی وجہ سے بہت اہمیت کا حامل تھا۔ خان جہان بھی جہانگیر سے وفادار رہا جب ملتان اور سرحد کے پٹھانوں نے اسے پیش کش کی کہ وہ ایرانی سلطنت فتح کر سکتے ہیں تو اس نے بادشاہ کی وفاداری میں اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ اگر خان جہان موقع پرست ہوتا تو آسانی سے ان کی مدد سے نہ صرف ایران فتح کر سکتا تھا۔ بلکہ پورے افغانستان اور پنجاب کو الگ کر کے اپنی علیحدہ سلطنت قائم کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہ کیا۔ گروہ کے پٹھانوں سے اس کے مضبوط ربط کا اندازہ رکن الدین روہیلہ کی بغاوت کے قصے سے لگایا جا سکتا ہے جن کی تفصیل اوپر گزری ہے۔ غرض کہ جہانگیر نے ہمیشہ اسے بیٹے کی طرح سمجھا، اس کی عزت افزائی کی، اعلیٰ مراتب عطا کئے۔ خان جہان نے بھی بادشاہ ہی سمجھا پر موقع پر اس کی مدد کی۔ اس کے احکامات کی تعمیل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جہانگیر کے آخری دنوں میں بھی اس کے ساتھ وفادار رہا اور اسی وفاداری کے نتیجے میں شاہجہان کا دل اس سے خراب ہو گیا جو انجام کار اس کی تباہی کا سبب ہوا۔

خان جہان لودھی نے اپنے کردار سے ثابت کر دیا کہ جب کسی رفاقت کی تو ٹوٹ کر کی اور جن کسی سے عداوت ہو گئی تو پھر صلح کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔

شاہجہان سے تعلقات:

خان جہان لودھی کے تعلقات شاہجہان سے اس کے عہد شہزادگی سے خراب تھے۔ اس کی وجہ سے یہ ہے کہ خان جہان لودھی شہزادہ پرویز کے کیمپ سے وابستہ رہا تھا۔ جب شہزادہ خرم (شاہ جہان) نے جہانگیر سے دکن پر حملہ کرنے کی اجازت مانگی تو خان جہان لودھی نے برجستہ خرم کو جواب دیا اور کہا کہ پرویز کی موجودگی میں آپ کا وہاں جانا پرویز پر عدم اعتماد کرنا ہے اور اس سے شہزادہ پرویز کے بھروسے کو ٹھیس لگے گی۔ غالباً یہ پہلا قع تھا کہ خرم اور خان جہان لودھی کے درمیان نفاق پڑا۔ اس کے بعد جب شہزادہ خرم نے دکن میں فتوحات کی تو خان جہان لودھی بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے پوری وفاداری سے ان جنگوں میں حصہ لیا ور اس مہم کو کامیابی سے ہم کنار کیا۔ جب شاہجہان نے بغاوت کی تو خان جہان لودھی نے جہانگیر کی وفات سے قبل شاہجہان نے خان جہان لودھی کو ساتھ ملانے کی کوشش کی تو اس نے جہانگیر سے وفاداری دکھائی اور شاہجہان سے ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا۔ یہ بات شاہجہان کے دل میں رہی۔ چند روز بعد جب جہانگیر کا انتقال ہو گیا تو اس نے نئے بادشاہ کی اطاعت کر لی۔ اور ججھار سنگھ کی بغاوت کچلنے میں حکومت کی بھرپور مدد کی۔ خان جہان لودھی کے اس طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حکومت وقت سے وفادار تھا۔ تخت پر جو بھی بیٹھتا خان جہان خود کو اس کا ملازم کہتا تھا چاہیے وہ جہانگیر ہو یا شاہ جہان ہو۔ خان جہان چاہتا تو جہانگیر کے انتقال سے قبل بھی شاہجہاں کے ساتھ مل سکتا تھا یا پھر شاہجہاں کی تخت نشین کے بعد جنور جہان بیگم یا دیگر مخالفین سے ہاتھ ملا

سکتا تھا۔ مگر اس نے خود غرضی اور موقع پرستی سے پرہیز کیا اور تخت آگرہ سے وابستہ رہا۔ یعنی جو بھی بادشاہ بنا اس کی ملازمت کی۔ جہانگیر اور شاہجہان کی باہمی کشمکش میں شاہجہان نے اس سے بدظن ہو گیا لہذا شاہجہان کے دربار میں اسے وہ عزت نہ ملی جو جہانگیر کے دربار میں تھی۔ عزت و توقیر میں تنزل سے خان جہان بدظن ہو کہ گوشہ نشین ہو گیا۔

خان جہان کی بغاوت کے حوالے سے ہمارے پاس ایسا کوئی مواد نہیں ہے کہ جو اس کے کسی ساتھی کا لکھا ہوا ہو۔ مخزن افغانی جو اسی کے ایک ملازم کی تحریر کردہ ہے وہ اس بغاوت سے کئی برس قبل ختم ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں ہمیں حالات کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا کہ خان جہان نے بغوت کیوں کی۔ ہم عصر مغل مورخین جو اس کے مخالف تھے وہ اس بغاوت کو ایک غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیئے ہیں کہ چونکہ کسی نے شرارت میں کہہ دیا کہ بادشاہ اسے قید کرنا چاہتا ہے تو وہ فرار ہو نکلا۔ خان جہان کی جانب سے کسی مورخہ کی عدم موجودگی کی صورت میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ محض ایک شرارت تھی؟ یا پھر بادشاہ سے اس کا اعتماد ختم ہو گیا تو پھر اس کے دوبارہ قائم ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ ماثر الامراء میں بغاوت کے بارے میں اس کے کردار کے حوالے سے ہے کہ:

اس زمانے کے لوگوں نے خان جہان کے حالات میں افراط تفریط کی ہے' بعض کی یہ رائے ہے کہ بغاوت اور خروج کا اسے بالکل خیال نہ تھا۔ جو کچھ ہوا یہ محض خودداری کی وجہ سے ہوا۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ اس کا مزاج ہمیشہ خودسری اور بغاوت پر مائل رہا اور اس پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔

اس کے مخالفین و موافقین سے قطع نظر کر کے اس کے حالات سے جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ وہ معقول انسان تھا' اس میں زمانہ سازی اور منافقت نہ تھی' زمانے کی ناموافقت سے بھی ناآشنا تھا۔ تنزلی کا حرف بھی اس کے کان میں نہیں پہنچا۔ سب اس سے حسد کرتے تھے اور اس کے دست نگر تھے' ہندوستان کا بادشاہ اس شان و شوکت کے باوجود اس کا شیفتہ و فریفتہ تھا' وہ غرور و بے نیازی کی وجہ سے آسمان اور بادشاہ کے سامنے سر نہیں جھکاتا تھا۔

ایک روز شاہجہاں نے کسی تقریب سے سید خاں جہاں بارہہ سے کہا کہ یہ اس شخص کا خطاب ہے کہ ہم اور تمام شاہزادے اس کی نگاہ کے آرزومند رہتے ہیں۔ (۳۰۷) اور وہ ایسا مستغنی ہے کہ کسی سے بات نہیں کرتا۔

یک بارگی نیرنگ چرخ نے نیا جہاں پیدا کر دیا اور فرش روزگار پر نئی صف بچھادی' وہ خصوصیت اور رازداری نہ رہی' وہ لوگ' جن کو اس کے یہاں سہلام کا موقع نہ ملتا تھا' اس کی برابری کرنے لگے۔ بلکہ بعض (اپنے کو) اس سے بلند مرتبہ خیال کرنے لگے' کچھ وہ حرکتیں' جو خلوص کے خلاف تھیں' دربار شاہی میں بغاوت پر محمول ہوئیں۔

یہی اسباب تھے کہ ہر ذلیل آدمی بھی اس کو حقیر سمجھنے لگا اور ہر بے ہودہ آدمی نامناسب باتیں کہتا تھا۔ وہ بہت غیرت مند اور شریف النفس تھا' اس لئے برداشت نہ کر سکا۔ کبیدہ خاطر اور دل برداشتہ ہو کر آوارگی اور جنگل کی موت کو ترجیح دی۔ ''جب تم بلاؤں میں گرفتار ہو تو ان میں سے آسان کو اختیار کرو۔'' صاحب غیرت و عزت کے لئے کوئی تکلیف و اذیت اس سے زیادہ نہیں ہوتی کہ عزت کے بعد اس کی ذلت ہو'

لہٰذا اس نے وہ اختیار کیا جو اس سے ہو سکا۔

شروع میں جو صعوبتیں اور مملکت پیش آئے' ان کا سبب پاس آبرو اور حفظ مراتب کے سوا کچھ نہ تھا' اس کے بعد کچھ اور اسباب بھی شامل ہو گئے بلکہ ضرورت نے اس وقت ملازم کر دیا کہ فوج کو جمع کرے اور نظام الملک سے اتفاق کر لے' اگر اس کا نقشہ صحیح بیٹھ جاتا اور زمانہ اس کے موافق ہوتا تو دنیاوی مراتب کی محبت کیوں اسے مجبور کرتی کہ وہ نوکری میں خوار ہو۔

مختصر یہ کہ خان جہاں بردبار اور باوقار تھا' کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کی تجویز نہیں کرتا تھا' اہل ایران کی صحبت سے بہت دلچسپی رکھتا تھا' حالانکہ سنی مذہب تھا' اس کا باپ شیعہ مشہور تھا مگر اس کا مقولہ ہے کہ مرتضیٰ علی کی غلامی کے بغیر شجاعت حاصل نہیں ہو سکتی۔ آخر میں شیخ فضل اللہ برہان پوری کی صحبت سے تصوف کا شائق ہوا' راتیں درویش اور علما کی صحبت میں گزارا اور دنیا سے اظہر نفرت کیا کرتا تھا۔ اس کی سرکار میں بدعت کی کوئی حات نہ ہوتی تھی۔ ہر مہینے اس کے اخراجات کبھی تین لاکھ روپے اور کبھی اس سے کم ہوتے' تھوڑا سا پس انداز بھی کرتا تھا' وہ خود کاموں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا اور ہندوؤں کی طرف التفات نہیں کرتا تھا۔ عاملوں سے حساب فہمی اور دوسرے معاملات اکثر ملتوی رہتے۔

اس کے لڑکے بہت تھے' چند لڑکے لڑائیوں میں مارے گئے۔ اصالت خاں، جس کا منصب سہ ہزاری تھا' آوارگی کے زمانے میں دولت آباد میں فوت ہو گیا۔ مظفر باپ سے علیحدہ ہو کر سرکار شاہی میں جا پہنچا، فرید و جاہس گرفتار ہو گئے اور عالم و احمد فرار ہو کر ایک عرصے کے بعد حضور میں پہنچے' اس کی اولاد میں سے اس وقت

تک کسی نے ترقی نہیں کی۔(17)

افغانوں سے تعلقات:

اگر چہ خان جہان لودھی مغلیہ حکومت کا وفادار ملازم تھا مگر وہ ایک قوم پرست پٹھان بھی تھا۔ اس کے اندر افغان حمیت قائم تھی۔ قبائلی پٹھانوں سے اس کے تعلقات بہت اچھے اور مضبوط تھے۔ ملتان کی گورنروں کے دوران قبائیلیوں نے اس کی ایران فتح کرنے کی پیش کش کی تھی جس کو اس نے رد کر دیا۔ بعد ازاں دوران بغاوت اس کے کہنے پر قبائیلیوں سے شاہجہان کے خلاف بغاوت کی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قبائیلیوں سے اس کے تعلقات کس قدر مضبوط تھے۔ حکومت سے وفاداری ایک الگ بات ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ خان جہان لودھی نے ہندوستان میں افغان حکومت کے قیام کا ایک نادر موقع کھو دیا۔ اگر وہ اس وقت قبائیلیوں کی بات مان لیتا تو جہانگیر کے بعد تخت شاہی پر وہ خود براجمان ہوتا اور اس کے بعد اس کی اولاد اور یوں ہندوستان کی تاریخ مختلف ہوتی۔

خان جہان کو ہندوستانی پٹھانوں کی بھی حمایت حاصل تھی۔ دوثانی اور میانہ شاخوں کے پٹھان بھی اس کے ساتھ تھے۔ لودھی قوم کے تو بہت سے لوگ اس کے اپنے ہی خاندان کے ہونے کی وجہ سے اس کے ہم رکاب تھے۔ اگر وہ ذرا طریقے سے کام لیتا تو بہت آسانی سے افغان حکومت پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔

جان جہان لودھی ایک اچھا منتظم تھا۔ اس نے جن جگہ حکومت کی وہاں کامیاب انتظام و انصرام کیا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جس جس جگہ وہ

تعینات رہا وہاں ہمیں کسی بدنظمی یا بدانتظامی کی خبر نہیں ملتی۔ ملتان، اٹھانیرؔ، آگرہ، ایلچپور، مالوہ وغیرہ کسی جگہ سے اس کے دور میں کسی بغاوت کی اطلاع بھی نہیں ملتی۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کے خلاف کبھی کسی بادشاہ کو شکایت نہیں ہوئی یعنی اس کے زیر اقتدار علاقے کے کسی سرکاری ملازم یا عام آدمی نے اس کے خلاف ظلم وستم یا جبرو استبداد کی شکایت بادشاہ کو نہیں بھیجی، خان جہان کی خوش انتظامی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ رفاہِ عامہ کے کاموں پر بہت توجہ دیتا تھا اور لوگوں کی خبر گیری کرتا تھا۔ جس کی تفصیل مخزن افغان میں بھی درج ہے۔

ان چند واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے قبلہ نواب صاحب، صاحب خانجہاں کو حضرت ظلِ الٰہی کی ملازمت میں نیکی، رفاہِ عوام اور خلقِ خدا کی خیر خواہی خصوصاً امراء کے بگڑے ہوئے کاموں کو سنوارنے کی اتنی زیادہ توفیق عطا رکھی تھی کہ کسی دوسرے امیر کے حصے میں یہ سعادت نہ آسکی۔ جو بات کرتے اُس سے کسی نہ کسی کی بھلائی مقصود ہوتی اور جو کام کرتے اس سے کسی نہ کسی کی مشکل کشائی منظور ہوتی۔(18)

maablib.org

حواشی

1 مآثر الامراء ا ص499

2 عمل صالح ا ص299-304

3 مآثر الامراء ا ص499

4 عمل صالح ا ص319-322

5 ایضاً ص322-326

6 ایضاً ص327

7 ایضاً ص337-40

8 ایضاً ص342-3

9 ایضاً ص347-50

10 ایضاً ص353-359

11 ایضاً ص365-367

12 ایضاً ص368

13 ایضاً ص368-371

14 مآثر الامراء ا ص502

15 عمل صالح ا ص371-372

16 ایضاً ص373-375

17 مآثر ۓ ص503-4

18 مخزن ص374

باب 37

لودھی پٹھان 1640ء تا 2010ء

لودھی اور متاخرین مغل بادشاہ

لودھی پٹھان خان جہان لودھی کے دور تک تو کسی نہ کسی طرح معزز رہے اور اعلی عہدوں پر فائز رہے مگر اسکے بعد مغلوں نے انکو بالکل نظر انداز کر دیا۔ شاہجہان کے دربار میں خان جہان لودھی کے کچھ بیٹے آئے مگر انکو کوئی اعزاز نصیب نہ ہوا۔ خان جہان لودھی کا ایک لڑکا حسن خان لودھی انگریزی ملازمت میں چلا گیا اسکی اولاد آج مردان میں ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ بہت سے لودھی پٹھان روہیکھنڈ چلے گئے اور خصوصا بریلی میں آباد ہو گئے۔ ان کو گزارے کے لیے چھوٹی چھوٹی جاگیریں مل گئی ہوشیارپور اور جالندھر میں بھی کچھ لودھی آباد ہو گئے ان کا تذکرہ بھی آگے آئے گا۔

شاہجہان

شاہجہان کے دور میں خان جہان لودھی کے ایک لڑکے عظمت خان کی 800/400 سوار کا منصب حاصل تھا یہ بغاوت میں شریک تھا محمد صالح کمبوہ نے اس کا ذکر کیا ہے (1) اسکے علاوہ مزید کسی لودھی افغان کا ذکر نہیں ملتا خان جہان کی بغاوت کے بعد تمام لودھی سرکاری عہدوں اور جاگیروں سے محروم کر دیئے گئے۔

اورنگ زیب

اورنگ زیب کے دور میں ایک درباری مظفر خان کا نام ملتا ہے۔ جو

3000/2500 کے منصب پر فائز تھا۔(2)اورنگ زیب نے اسے 1857ھ میں لودھی خان کا خطاب دیا تھا (3)1658ھ میں اسے شاہی تلوار عطا کی گئی ۔(4)۔اسکے علاوہ کمال خان لودھی کا نام بھی ملتا ہے اورنگ زیب نے اسے 2000/500 کا منصب دیا تھا اورنگ زیب نے اسے 1657ھ میں ہر بز خان کا خطاب دیا تھا۔(5)۔

دیگر مغل بادشاہ

اورنگ زیب کے بعد جو دیگر مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ان میں سے کسی کے دور میں کسی لودھی امیر یا خاص عہدیدار کا نام نہیں ملتا۔

دیگر حالات

لودھی پٹھان مغل دربار سے تو فارغ ہوگئے مگر وہ ہندوستان میں ہی رہے ۔جب سے انکے اجداد ہندوستان میں آباد ہوئے وہ تب سے یہیں پر آباد رہے۔اب ان کا جینا مرنا ہندوستان میں تھا وہ ہندوستانیوں کے نزدیک پٹھان اور پٹھانوں کے نزدیک ہندوستانی تھے۔اسی لئے ان کے لیے ہندوستانی پٹھان کی اصطلاح استعمال کی جانے لگی۔جب روہیلوں کو عروج ہوا تو لودھی پٹھان انکے ساتھ شامل ہوگئے اور مختلف جنگوں میں شریک رہے یہاں تک کہ 1857ھ کی جنگ میں بھی وہ روہیلوں کے ساتھ شامل ہوگئے۔چونکہ لودھی پٹھانوں کا سیاسی کردار ختم ہو چکا تھا لہذا اب انکے حالات صرف مقامی روایات اور خاندانی روایات تک محدود ہوگئے لہذا انکے بارے میں ہمیں جو کچھ ملتا ہے وہ محض خاندانی روایات کے ذریعے سے ملتا ہے ذیل میں ہم

شمالی ہند یعنی اتر پردیش کے مختلف اضلاع میں لودھیوں کی تعداد کے بارے میں ایک رپورٹ نقل کرتے ہیں جو 1891ء کی ہے۔

U.P میں 1891ء لودھی پٹھانوں کی آبادی

کروک نے اپنی کتاب میں 1891ء میں اتر پردیش میں پٹھانوں کی آبادی کا حساب کتاب دیا ہے۔ 1891ء کے بعد سے آج تک ہندوستان میں کسی جگہ قبائلی بنیادوں پر پٹھانوں کو تقسیم کر کے انکی آبادی کا اندازہ نہیں لگایا گیا لہٰذا ہم ذیل سے 1891ھ میں یوپی میں لودھی پٹھانوں کی آبادی کا تخمینہ درج کرتے ہیں جس سے آج کے دور میں بھی انکی آبادی کا ہر ضلع میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے یاد رہے کہ چند سال قبل اتر پردیش کے چند اضلاع پر مشتمل ایک نیا ضلع اترا کھنڈ بنا دیا گیا ہے وہ اضلاع بھی اس رپورٹ میں شامل ہیں:

نام ضلع	آبادی
دہرہ دھون	248
سہارنپور	1172
مظفرنگر	1719
میرٹھ	770
بلندشہر	641
علی گڑھ	3636
متھرا	737

آگرہ	3469
فرخ آباد	1281
مین پوری	890
اٹاوہ	1118
ایٹہ	2120
بریلی (روہیلکھنڈ)	1144
بجنور (روہیلکھنڈ)	707
بدایوں (روہیلکھنڈ)	1131
مرادآباد (روہیلکھنڈ)	1435
شاہجہانپور (روہیلکھنڈ)	549
پیلی بھیت (روہیلکھنڈ)	849
کان پور	2455
باندہ	1578
فتح پور	618
حمیر پور	266
الہ آباد	6381
جھانسی	291
جلاؤن	548
للت پور	74

maablib.org

بنارس	1741
مرزاپور	3529
جون پور	4159
غازی پور	2045
بلیہ	1333
گورکھپور	6037
بستی	6237
اعظم گڑھ	2058
کمایوں	
	———
گرہوال	101
ترائی	73
لکھنو	2678
اناؤ	2175
رائے بریلی	3609
سیتاپور	3306
ہردوئی	1538
کھیری	2812
فیض آباد	2800
گونڈہ	8080

maablib.org

بہرائچ	4427
سلطان پور	2621
پرتاب گڑھ	6028
بارہ بنکی	3778
کل میزان	106992

(6)

اسکے علاوہ ریاست رام پور میں لودھی پٹھانوں کی تعداد 245 تھی۔(7) شمالی ہند اور مغربی ہند میں لودھی افغانوں کے کچھ حالات دستیاب ہوئے ہیں جو مقامی روایات پر مبنی ہیں انہیں وہیں سے نقل کیا گیا ہے۔

روہیلکھنڈ

روہیلکھنڈ میں لودھی پٹھان سید بلبن کی حکومت کے دور سے آباد ہیں یہ وہاں کے مختلف اضلاع میں آباد ہیں ان کا ایک خاندان مراد آباد میں کئی صدیوں سے آباد ہے جس ماسٹر نوالنبی خان کا تعلق تھا۔ رام پور کے لودھی پٹھانوں کے بارے میں کلب علی فائق نے تحریر کیا ہے کہ وہ سلطان ابراہیم لودھی کی نسل سے ہیں وہ تحریر کرتے ہیں کہ۔

> ''یہ لودھی خاندان رستم خان دکنی و شاہ جہاں کے ایماء سے 1040ھ میں رامپورہ نامی گاؤں میں آکر آباد ہوا۔ متصل ہندوؤں کی بستی محلہ راج دوارہ تھی۔ شاہجہانی عہد میں یہاں کچھ

دیہات کی معافیات بطور مدد معاش ملیں۔ سب سے پہلے رہنے کے لیے پختہ حویلیاں تعمیر کی گئیں اور ایک دیوان خانہ تعمیر ہوا ۔جس کے کچھ حصے ابھی تک محفوظ ہیں عقب جامع مسجد رام پور ۔اس خاندان کے متوسلین بھی ساتھ آئے نواب فیض اللہ خان کے عہد میں درمایہ وظیفہ ان سب کا مقرر تھا فیض اللہ خان نے اپنے رہنے کے لیے جو کچا قلعہ تعمیر کیا وہ ہمارے مکانات کے متصل تھا۔1180ھ میں نواب فیض اللہ خان نے جامع مسجد کے لیے زمیں ہمارے بزرگوں سے مانگی۔ سنا ہے کہ موجودہ جامع مسجد کی جگہ ہمارے احاطے کا باغیچہ تھا اس میں سے زمین دی گئی۔موجودہ قلعہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے خاندان کا قبرستان تھا روایۃ سلطان ابراہیم لودھی کی نسل سے یہ افراد تعلق رکھتے تھے اور نوابان رام پور احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔" (8)

بریلی میں لودھیوں کی آبادکاری اور آبادی کے حوالے سے ڈاکٹر عبادت بریلوی تحریر کرتے ہیں کہ۔

"اس بستی کے محلوں میں سے ایک محلہ ہمارا بھی تھا یہ لودھیوں کا محلہ یا لودھی ٹولہ کہلاتا تھا اور اس محلے میں بیشتر مکان لودھی پٹھانوں کے تھے یہ محلہ صرف چند مکانوں پر مشتمل تھا اور یہ سب ہمارے ہی خاندان والوں کے مکان تھے۔ہمارے آباء اجداد نے اپنی آسانی کے لیے زمینیں وغیرہ کاشت کرنے کی غرض سے

اپنے مکانوں کے متصل کچھ دھنیوں جلاہوں اور کاشت کاروں کو
بھی آباد کر دیا تھا ان کے علاوہ دور دور تک وہاں آبادی نہیں تھی
صرف ہمارے میدان کھیت اور باغات تھے ہمارے خاندان
کے لوگ اپنے آپ کو لودھی کہتے تھے اور اپنے لودھی پٹھان ہونے
پر فخر کرتے تھے بزرگوں سے یہ سنا کہ ہمارے آباؤ اجداد
افغانستان سے ہجرت کر کے کئی سو سال قبل ہندوستان میں آئے
تھے اور پہلے لاہور ملتان اور پھر دہلی آباد ہوئے اور پھر دہلی میں
اپنی سلطنت قائم کی بعض بزرگوں کو یہ کہتے سنا کہ ان کا سلسلہ
بہلول لودھی سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی سے ملتا ہے لیکن اس کا
کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں مغلوں کے حکمراں ہونے کے
بعد ہمارے خاندان کے بہت سے افراد روہیل کھنڈ کی طرف
ہجرت کر کے آئے اور زیادہ تر بریلی کی سرزمین پر آباد ہوئے یہ
علاقہ انھیں اس لیے پسند تھا کہ یہاں سکون تھا آب و ہوا خوش
گوار تھی اور ہمالیہ کے دامن میں واقع ہونے کی وجہ سے بریلی
اور اس کے آس پاس کے علاقے حد درجہ زرخیز اور سرسبز شاداب
تھے ان بزرگوں کی یادگار ہمارے علاقے میں ایک مسجد تھی جو
جہان خاں کی مسجد کہلاتی تھی اور جس کو ہمارے آباؤ اجداد میں
سے ایک خدا رسیدہ بزرگ جہان خاں نے تعمیر کروایا تھا۔ یہ مسجد
ابھی تک موجود ہے اور جامع مسجد کی ضرورت کو پورا کرتی ہے

مسجد سادہ لیکن کشادہ ہے اس لیے کہ یہ لوگ درویش صفت تھے اور آرائش وزیبائش انھیں پسند نہیں تھی ان بزرگوں نے بڑے بڑے عالی شان مکان تعمیر نہیں کیے اس لیے کہ انھیں یہ بات بھی ناپسند تھی جو مکان بھی تعمیر کیے وہ سادہ لیکن کشادہ تھے اور ان سادہ مکانوں میں یہ لوگ حد درجہ سادہ اور نمود ونمائش سے پاک درویشوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ ان کی نسلی خصوصیت اور خاندانی وصف تھا۔'' (9)

1857ء اور لودھی: 1857ء میں جنگ کے حوالے سے انہوں نے تحریر کیا ہے کہ

''دادی اماں کہتی تھیں کہ تمہارے دادا کا خاندان کئی سو سال قبل افغانستان سے دہلی اور پھر دہلی سے بریلی میں آکر آباد ہوا البتہ میرے خاندان کو آئے ہوئے کوئی ڈیڑھ دو سو سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا یہی وجہ ہے کہ ابھی تک ہماری زبانوں پر پشتو کے الفاظ ہیں اپنے والد عمر دراز خاں کی زبانی میں نے بہت سے الفاظ پشتو کے سنے اور اب وہ میری زبان میں بھی موجود ہیں۔ تمہارے دادا کا خاندان نو بھائیوں کا خاندان مشہور ہے بریلی کا سارا شہر ان سے واقف ہے یہ بھائی بڑے ہی خوش شکل وجیہہ نیک شریف اور بہادر تھے تمہاری پردادی خنداں بیگم تھیں جن کے نو سو چوراسی گاؤں تھے وہ باغی ہو گئی تھیں انھوں نے انگریزوں کے ساتھ جنگ کی تھی اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

میں سینکڑوں انگریزوں کو تہ تیغ کیا تھا انھیں کی اولاد میں تمہارے پرداداتھے جن کو لوگ پیار سے نتھو خاں کہتے تھے وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے ویسے ان کا نام غلام مصطفےٰ خان یا مصطفےٰ یار خاں تھا ان کے بیٹوں میں تمہارے دادا اللہ یار خاں اور ان کے بڑے بھائی ہادی یار خاں تھے جن کے بیٹے راحت یار خاں ہیں اور جنھوں نے اب درویشی اختیار کر لی ہے.....اور میں مزید کریدتا کیا ہوا تھا دادی اماں تمہارے پردادا اور پردادی دونوں یہ بیان کرتے تھے کہ ہر شخص باغی ہو گیا تھا عورتیں تک یہ کہتی تھیں کہ فرنگیوں کو یہاں سے نکال کے دم لیں گے چنانچہ جنگ ہوئی بے شمار فرنگی مارے گئے اور معلوم ایسا ہوتا تاھ کہ اس سرزمین پر فرنگی کا نام ونشان باقی نہیں رہے گا پہلے سردار بہادر خاں نے بریلی میں آزادی کا اعلان کیا اور سلطنت کا انتظام سنبھالا وہ بڑے بہادر آدمی تھے اور ہر شخص ان سے محبت کرتا تھا ان پر جان چھڑکتا تھا پھر بخت خاں دلی گئے اور شاہ وقت سے ملے وہ بھی بڑے بہادر آدمی تھے۔ ہماری ساری قوم ان کے ساتھ تھی لیکن خدا جانے کیا ہوا کہ وہ جو کچھ چاہتے تھے وہ نہ ہو سکا وہ دلی سے واپس آئے تو لڑائی نے اور بھی زور پکڑا ہماری پردادی تھیں خنداں بیگم ان کے نو سو چوراسی گاؤں تھے اچھی خاصی ریاست تھی انھوں نے کچھ پروانہ کی وہ بھی باغی ہو گئیں انکے ساتھ

پٹھانوں کا اچھا خاصا لشکر تھا سن رسیدہ تھیں لیکن وہ خود گھوڑے
پر بیٹھ کر اس لشکر کی کمان کرتی تھیں بہادری اور جرات مندی ان
پر ختم تھی انھوں نے فرنگیوں کو بہت مارا کشتوں کے پشتے لگا دیئے
اور انھیں یقین ہو گیا کہ فرنگی ہندوستان سے بھاگ گئے لیکن
بچے پھر خدا جانے کیا ہوا کہ باہر سے گوروں کا لشکر آ گیا گھمسان
کی لڑائیاں ہوئیں ان لڑائیوں میں دونوں طرف کے بے شمار
لوگ مارے گئے خنداں بیگم بھی شہید ہو گئیں گوروں کو شانوں
نے بڑا ظلم ڈھایا ہزار ہا بے گناہ شہید کر دیئے گئے کیسے کیسے کڑیل
اور خوبصورت جوان تھے۔ اور پھر جب لڑائیاں ختم ہو گئیں تو تمام
کے مقدمے چلائے گئے بغاوت کا الزام لگایا گیا گھروں سے
لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لے گئے ہزاروں کو قید کیا گیا اور بے شمار لوگوں
کو پھانسیاں دے دی گئیں خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے
سردار بہادر خاں کو کوتوالی کے سامنے پھانسی دی گئی۔ شہر میں
تہلکہ مچ گیا میں یہ سب باتیں سنتا اور پھر پوچھتا اس کے بعد کیا
ہوا؟ اور وہ کہتیں جو باقی بچ گئے تھے ان کا حال بہت برا ہوا
جاگیریں ضبط کر لی گئیں جائدادیں چھن گئیں سرکار نے زمینوں
پر قبضہ کر لیا گھروں پر پہرے بیٹھا دیئے گئے لوگوں کو آمدنی کا
کوئی ذریعہ باقی نہ رہا لوگ پیسے پیسے کو محتاج ہو گئے روٹی کا ملنا
مشکل ہو گیا یہ سب کچھ تو میں نے اپنے آنکھوں سے

دیکھا۔ عورتیں گھروں میں گوٹا بننے اور سلائی کرنے لگی تھیں چرخے کاتنے لگی تھیں اس طرح جو کچھ سامان دن بھر کی محنت کے بعد تیار ہوتا اس کو شام کے وقت بازار میں بکوا دیتی تھیں اس سے جو پیسے ملتے تھے اس سے خرچ چلتا تھا روکھی سوکھی کھا کے سو جاتے تھے اور کبھی کبھی تو یہ روکھی سوکھی بھی نصیب نہیں ہوتی تھی برسوں یہی حالت رہی میں نے ہوش سنبھالا تو یہی سب کچھ دیکھا میری عمر جب چار پانچ سال کی ہوئی تو مجھے اپنے گھر میں یہی مناظر نظر آئے میری اماں گھنٹوں گوٹہ بنتی تھیں اور میں پاس بیٹھی دیکھا کرتی تھی بڑے برے دن تھے بیٹا! اور پھر میں سوال کرتا لیکن دادی اماں حالت سدھری کیسے اور وہ جواب دیتیں برسوں بعد معافی کا اعلان ہوا اس اعلان کی وجہ سے کچھ زمینیں بحال کر دی گئیں اور اب جو یہ سب کچھ تم دیکھ رہے ہو زمینیں باغات ارو کھیت یہ سب کچھ ہمیں عام معافی کے بعد ہی واپس ملے ہیں یہ سب کچھ نہ ہوتا تو ہم فقیر ہی رہتے اللہ میاں کا لاکھ لاکھ شکر ہے یہ نہ ہوتا تو ہم کیا کرتے اور دادی اماں کی یہ باتیں سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے اور میں منہ چھپا کر تنہائی میں اتنا روتا تھا کہ ہچکیاں آنے لگتی تھیں...... دادا میاں باتیں کم کرتے تھے لیکن اگر کوئی کچھ پوچھے تو اس کا جواب اختصار کے ساتھ اس طرح دیتے تھے کہ وہ مطمئن ہو جاتا

تھا۔ میں نے ایک دن ان سے پوچھا دادا میاں آپ کب کس سن میں پیدا ہوئے تھے کہنے لگے سن اور تاریخ کا تو مجھے علم نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ جب غدر پڑا ہے اور پٹھانوں اور فرنگیوں میں لڑائی ہوئی ہے اس وقت میں گیارہ سال کا تھا۔ غدر میں آپ پر کیا گزری تھی بریلی میں گھمسان کی لڑائی ہوئی آپ پاس سے بھی لڑائی کی خبریں آتی تھیں ہر شخص یہ کہتا تھا کہ اب ہندوستان میں فرنگیوں کا نام ونشان باقی نہیں رہے گا ہر ایک شخص باغی ہو گیا تھا بس ایک ہی نعرہ تھا کہ فرنگیوں کو ہندوستان سے نکالو۔ یہ سن کر میں کہتا کیا آپ بھی اس جنگ میں شریک ہوئے تھے اور وہ کہتے میں تو اس وقت بہت چھوٹا تھا مجھے اور دوسرے بچوں کو حفاظت کے خیال سے بریلی سے کچھ فاصلے پر تہہ کے گاؤں میں کچھ عزیزوں کے پاس بھیج دیا گیا تھا ہم کئی مہینے وہاں رہے خبریں آتی رہیں کہ بریلی شاہجہاں پور بجنور اور لکھنو میں قیامت برپا ہے زمین اور آسمان سے خون برس رہا ہے پھر آپ بریلی کب واپس آئے جب جنگ ختم ہوگئی تو ہمارے عزیزوں نے ہمیں بریلی پہنچا دیا بریلی آکر دیکھا ہر شخص جنگ کی باتیں کر رہا ہے جو لوگ کام آگئے ان کا ذکر ہو رہا ہے پٹھانوں کی بہادری کے واقعات بیان کیے جا رہے ہیں فرنگیوں کے مظالم کی تفصیلات سنائی جا رہی ہیں بے گناہ لوگوں کی پھانسیوں کا تذکرہ ہو رہا ہے

یہ سب باتیں سن کر میری طبیعت پریشان ہو جاتی تھی کیا کرتا
میاں کوئی بات بس میں نہیں تھی اور پھر میں پوچھتا گذر بسر کیسے
ہوتی تھی۔ دادا میاں کہتے زمینیں بحق سرکار ضبط کر لی گئی تھیں
ہمارا خاندان اس فیصلے سے سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا بڑی ہی
کس مپرسی اور پریشانی کا عالم تھا کئی سال اسی عالم میں گزرے
پھر عام معافی کے بعد کچھ سامان پیدا ہوا میں اب سن شعور کو پہنچ
گیا تھا اس لیے میں نے حالات کا جائزہ لے کر یہ فیصلہ کیا کہ
مجھے کوئی ملازمت کر لینی چاہیے چنانچہ کلکٹر بک گنج کے دیا سلائی
کے کارخانے میں مجھے ایک ملازمت مل گئی اور میں نے اس
ملازمت کو غنیمت جانا۔" (10)

علی گڑھ

محمد عبدالحکیم خان لودھی مصنف شوکت افغانی نے اپنے بزرگوں کے حالات تفصیل سے شوکت افغانی المعروف حیات لودھی میں درج کئے ہیں انکے جد امجد کا نام شاہین خان ولد فیروز خان ولد بہرام خان ولد احمد خان ولد شاہو افغان تھا۔ اسی کی اولاد سے سلطان بہلول لودھی تھا ملک بہرام خان پر شاہین خان اور سلطان بہلول نسب نامہ مل جاتا ہے شاہین خان لودھی 1439ء میں سلطان بہلول کی جانب سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا اسکی اولاد شاہی خاندان سے وابستہ ہو گئی انکے واقعات بھی چونکہ خاندانی روایت پر مبنی ہیں لہذا انہیں حیات لودھی سے ہی نقل کیا جاتا ہے۔

''شاہین خان نے ملک سکندر تحفہ کے لشکر کا آگا روکنے میں جو سلطان بہلول لودی اور دوسرے افغانوں کی گرفتاری کے لئے پہاڑ پر بھیجا گیا تھا۔ ۸۴۳ھ۔ ۱۴۳۹ء کو اپنی جان قوم اور قومی ہیرو سلطان بہلول پر نثار کی جیسا کہ سلطان بہلول لودی کے حالات میں لکھ آیا ہوں تو اس وقت اس کا فرزند شیر خان رحم مادر میں یتیم ہو گیا تھا جب پیدا ہوا تو اس در یتیم کو سلطان بہلول لودی نے اپنے چچازاد بھائی کی یادگار سمجھ کر بیٹوں کی طرح پالا اور شیر خان نام رکھا کچھ عرصہ تو شیر خان آغوش مادر میں اپنے چچا کے ساتھ لوٹ مار میں شریک رہا اور جب سلطان بہلول نے ملک سکندر تحفہ کو شکست دیکر سرہند پر پانی پت تک قبضہ کر لیا تو شیر خان سلطان بہلول کے قبائل کے ساتھ سرہند میں چلا آیا سلطان نے اس کی مدد معاش کے لئے ایک جاگیر عطا کی۔ شیر خان جب نابالغی کے مرحلے طے کر چکا تو نوجوانی کی امنگ اور شجاعت فطری کے جوش نے ترغیب دی کہ اپنے محسن کا لڑائیوں میں ہاتھ بٹاؤ اس ترغیب سے وہ سلطان بہلول کا ہر ایک معرکہ میں مثل بہادر سپہ سالار کے قوت بازو رہا۔ بعد انتقال سلطان بہلول کے سلطان سکندر نے اس بہادر سپہ سالار کو اپنے امیروں میں داخل کیا مگر قضا نے اس منصب پر زیادہ عرصے نہ رہنے دیا اور ۹۱۰ھ۔ ۱۵۰۴ء میں فوت ہو گیا شیر خان کے دو فرزند محمد

خان اور احمد خان تھے۔ سلطان سکندر نے منصب امارت محمد خان کو دیکر باپ کا جانشین کیا اور احمد خان کو ہزار سواروں کا سپہ سالار بنایا سلطان سکندر کے بعد جب سلطان ابراہیم تخت نشین ہوا تو یہ دونوں انہیں منصبوں پر مقرر رہے ۹۳۲ھ۔ ۱۵۲۵ء میں سلطان ابراہیم پانی پت کے مقام محمد بابر سے لڑکر مارا گیا۔ تو احمد خان نے سلطان ابراہیم کا ساتھ دیا محمد خان بھائی کی مفارقت دائمی اور اس انقلاب سلطنت سے متاثر ہو کر سرہند میں چلا آیا۔ اور فرط غم سے ترک دنیا کر کے گوشہ نشین ہوا اور ۹۵۰ھ۔ ف ۱۵۴۳ء کو لاولد فوت ہو گیا اسد اللہ خان احمد خان کا فرزند سرہند میں تھا کہ نیر اقبال شیر شاہی طلوع ہوا شیر شاہ نے بذریعہ قطب خان لودی اسد اللہ خان کو بلایا اور ہزار سواروں کی افسری دیکر ملک بہار میں جاگیر عطا کی اسد اللہ خان سلیم شاہ کے عہد تک اوسی منصب پر رہا مگر جب عدلی جانشین ہوا تو اس نے اسکی جاگیر کو ضبط کر لیا اس بات پر آزردہ ہو کر سرہند میں چلا آیا اور پھر یہاں سے سکندر سوری حاکم پنجاب کے پاس چلا گیا اس نے بھی قدر و منزلت سے رکھا مگر اس قدر منزلت کا بہت جلد خاتمہ ہو گیا۔ سکندر سور نے سرہند کے مقام ہمایوں سے شکست کھائی اور پنجاب کو چلا گیا اسد اللہ خان بھی لاہور تک گیا اور پھر سرہند زمین واپس آ کر ۹۶۳ھ۔ ۱۵۵۵ء کو فوت ہو گیا اسکے دو

فرزند حفداد خان اور رحمان خان تھے رحمان خان تو مالوہ باز بہادر کے پاس چلا گیا اور حفداد خان آگرہ میں آکر اکبر بادشاہ کی فوج میں ملازم ہوا اور یہاں ہی متاہل ہو کر سکونت مستقل اختیار کی اور ۱۰۱۷ھ۔۱۶۰۶ء میں فوت ہو گیا اس کا فرزند رحیم داد خان باپ کے عہد پر ۱۰۴۹ھ۔۱۶۳۹ء تک رہ کر فوت ہو گیا اس کا فرزند احمد یار خان تھا جسکا انتقال ۱۰۸۰ھ۔۱۶۶۹ء میں ہوا سکے تین فرزند سعد اللہ خان کمال خان عالم خان تھے باپ کے مرتے ہی ان تینوں کا شیرازہ جمعیت پریشان ہوا۔ سعد اللہ خان کول (علی گڑھ) آکر عالم کول کا ملازم ہو گیا عالم خان اور کمال خان سنبل اور جونپور چلے گئے سعد اللہ خان کا ۱۱۲۰ھ۔۱۷۰۰ء میں انتقال ہو گیا اور اسکا فرزند اللہ یار خان علی گڑھ سے آگرہ چلا آیا اور یہاں ۱۱۶۰ھ۔۱۷۴۷ء کو فوت ہو گیا اس کا فرزند عبداللہ اور انکے فرزند محمد شیر خان تھے محمد شیر خان کے ہاتھ سے ایک خانہ جنگی میں دو آدمی مارے گئے اور یہ بخوف باز پرس آگرہ کو خیر باد کہ کر مہابن ضلع متھرا میں چلے آئے اور یہاں اپنے فرزند محمد نور خان کو معہ بیش قیمت سرمایہ کے چھوڑ کر دہلی میں چلے گئے اور وہاں بادشاہی فوج میں افسر ہو گئے اتفاقاً ایک لڑائی میں مارے گئے محمد نور خان شہزور قد آور سپاہی تھے بچپن سے ہی انکو ورزش اور کشتی کا شوق تھا انکی شہ زوری کی روایتیں اس زمانہ میں مبالغہ

کبھی جائینگی اس واسطے قلم انداز کی گئیں غرضکہ جب انکو ہر ایک
فنون سپہ گری میں کامل مہارت ہوگئی تو انہوں نے بیانہ وغیرہ
دیہات سے چند افغانوں کو ملازم رکھ کر مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر
کی رفاقت اختیار کی اور ایک عرصہ تک اپنی بہادرانہ خدمات سے
مہاراجہ موصوف کو خوش رکھا مگر جب خورشید اقبال سرکار انگریزی
طلوع ہوا تو محمد خان کے دل میں ادائے خدمات سرکار انگریزی
کا شوق پیدا ہوا آخر ادای خدمات سرکار انگریزی کے جوش میں
رفاقت مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر ترک کرے بحضور لارڈ لیک
صاحب بہادر حاضر ہوگئے لارڈ موصوف اس خیال سے کہ ان کو
آئندہ بہت سے معرکہ کارزار دیکھنے کا اتفاق ہوگا اپنی فوجی
طاقت کو بہادر افسر اور سپاہیوں کی افزائش اور پرورش سے ترقی
دینا چاہتے تھے اس لئے دل سے شہزور قد آور تنومند شجاع دلیر
افسر اور سپاہی کے شایق تھے اور یہ صفتیں خاص طور پر محمد نور خان
میں جمع تھیں جسکا شہرہ بحالت رفاقت مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر
لارڈ موصوف کے کانوں تک پہنچا تھا اس لیے لارڈ موصوف نے
انکو ایک پلٹن کا کمیدان مقرر کیا اور انکے رفیقوں کو بھی عہدے
دیئے ۱۲۱۹ھ ۱۸۰۴ء کو لارڈ لیک صاحب بہادر نے قلعہ بھر
تپور کا محاصرہ کیا تو اس محاصرہ میں محمد نور خان شریک تھے ایک
دفعہ محمد نور خان چند ماتحتوں کو لیکر فصیل قلعہ پر چڑھے مگر پیچھے سے

مدد کے نہ آنے سے اور گولیوں کی بوچھار سے نیچے اتر آئے مگر
جسم گولیوں سے چھلنی تھا اس بہادری کے صلہ میں لارڈ لیبن
صاحب بہادر نے ایک گاؤں ضلع مرہٹہ میں عطا کیا جو ابتک انکی
اولاد کے قبضہ میں ہے اسکے بعد اور بھی جاگیریں حین حیات وقتاً
فوقتاً عطا ہوتی رہیں جو انکی وفات کے بعد ضبط ہو گئیں محمد نور
خان نے ۱۲۴۰ھ سے ۱۸۲۴ء میں انتقال کیا انکے دو فرزند محمد اللہ داد
خان محمد حسن خان تھے محمد اللہ داد خان نے علاوہ علم عربی و فارسی
کے سرویر کے کام کو حاصل کیا اور بعہدہ نیٹو سرویر ملازم گورنمنٹ
ہو کر علیگڑھ میں مامور ہوئے آپ کی شادی علی گڑھ میں ماموری
سے پہلے ہو چکی تھی اس واسطے انہوں نے سکونت مستقل علیگڑھ
میں اختیار کر کے کچھ جائیداد پیدا کی۔ علی گڑھ کی ماموری کے
بعد آپ کی ماموری مختلف مقامات پر ہوتی رہی اخیر ماموری
آپ کی بغرض تعین سرحدیں روئے ستلج ممالک گورنمنٹ و دیگر
روسا کے ہوئی اور آپ واسطے تصفیہ سرحد گورنمنٹ و سرکار پٹیالہ
و سرکار نابہ ملوہ علاقہ ریاست نابہ میں آئے تو مائی چند کور صاحبہ
رانی مہاراجہ جسونت سنگھ صاحب بہادر نے جو بوجہ نابالغی اپنے
پوتے مہاراجہ ہرپور سنگھ صاحب بہادر منتظم ریاست نابہ تھیں محمد
اللہ داد خان کی کارگذاری و ذہانت کی قدر فرما کر اپنی ملازمت
میں لے لیا پہلے تحصیلدار املوہ مقرر ہوئے چند روز کے بعد مائی

صاحب نے ان کو تاکید کی کہ اپنے قبائل کو بلالیں آپ نے اپنے
فرزند محمد اوصاف علیخان کو بلالیا اور وہ آتے ہی تھانہ دار املوہ مقرر
ہوئے غدر ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ انگریزی گونمنٹ کی طرف
سے انتظام ضلع لودیانہ مہاراجہ بہر پور سنگھ صاحب بہادر والی
ریاست نابہہ کے تفویض ہوا تو مہاراجہ صاحب بہادر ممدوح نے
محمد اللہ داد خان کو پولیٹکل افسر فوج ماموره ضلع لودہانہ کا مقرر فرمایا
محمد اللہ داد خان نے زیر حکم مہاراجہ صاحب بہادر ممدوح بمشورہ
اپنے بھائی محمد حسن خان سررشتہ دار رکسٹ صاحب بہادر ڈپٹی
کمشنر ضلع لودھیانہ ایسا انتظام کیا کہ بغاوت کی ہوا تک ضلع
لودہانہ میں نہ آنے دی تمام ضلع میں اور نیز شہر میں امن وامن رہا
ایک دفعہ باغی حملہ کرکے شہر لودھیانہ میں آنا چاہتے تھے کہ حسب
الحکم ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر محمد اللہ دادا خان فوج ریاست کو لیکر
باغیوں کے سدراہ ہوئے اور موقعہ پر کچھ سپاہی اور افسر ریاست
نابہہ کے قتل وزخمی ہوئے اور باغی نقصان اٹھا کر لودیانہ سے بالا
بالا چلے گئے محمد اللہ دادا خان کی اس کارگذاری سے حضور مہاراجہ
صاحب بہادر ممدوح بہت خوش ہوئے بعد رفع عذر محمد اللہ داد
خان حاکم جوڈیشل ریاست نابہہ مقرر ہوئے اور محمد اوصاف علی
خان پرائیویٹ سکرٹیری مہاراجہ صاحب بہادر اور محمد اللہ داد خان
کے دوسرے فرزند محمد منور علیخان تھانہ دار املوہ مقرر ہوئے۔ محمد

اللہ داد خان حاکم جوڈیشل ریاست نابہہ سے ترقی پا کر میر منشی
محکمہ عالیہ اجلاس خاص اس محکمہ میں حضور مہاراجہ صاحب بہادر
ممدوح بذات خاص بغرض انتظام ریاست دادرہی رعایا کہ
اجلاس فرماتے تھے مقرر ہوئے۔ اور محمد اوصاف علیخان عہدہ
پرائیویٹ سیکرٹری سے ترقی پا کر اپنے والد کی جگہ حاکم جوڈیشل
ہوئے۔ محمد اللہ داد خان کا ۵ جون ۱۸۶۳ھ کو انتقال ہوا تو بجائے
ان کے محمد منور علیخان میر منشی محکمہ عالی اجلاس خاص اور راقم تیسرا
فرزند محمد عبدالحکیم خان وظیفہ خواروں میں بوجہ خوردسالی منسلک ہوا
کچھ دنوں کے بعد محمد منور علیخان معتمد حاضر باش محکمہ عالیہ
لیفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر پنجاب ہوئے اور راقم انکی جگہ اور محمد
اوصاف علی خان بدستور حاکم جوڈیشل رہے اسی اثناء میں مقدمہ
قتل سردارنی مہتاب کو بیوہ سردار ارجن سنگھ رنگڑ ننگل والیہ وزہر
خورانی مہارراجہ ہیرا سنگھ صاحب بہادر ہوا اس مقدمہ میں محمد
اوصاف علی خان اور سردار گوربخش سنگھ و سردار بلونت سنگھ سوتیال
فرزند سردار نے مذکور ریاست سے علیحدہ ہوئے محمد اوصاف
علیخان ریاست سے علیحدہ ہو کر علی گڑھ اپنے وطن میں چلے
گئے۔ ۲۰ مئی ۱۹۰۱ء کو محمد اوصف علی خان کا انتقال ہوا انکے تین
فرزند قاسم علی خان ہاشم علیخان خورشید علی خان ہیں قاسم علیخان
اہلمد ہر مراتبہ وغیرہ محکمہ بخشی خانہ ریاست نابہہ میں مقرر ہے اور

ہاشم علی خان گھر پر اور خورشید علیخان ریاست پٹیالہ میں تھانہ دار
ہے محمد منور علیخان معتمد محکمہ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب سے بصلہ حسن کا
رگذاری مقدمہ قتل سردارنی مہتاب کور بیوہ سردار اجن سنگھ تنگل
والہ ترقی پا کر دیوان صدر ریاست نابہ ہوئے اور جب راجہ
اجگان مہاراجہ ہیرا سنگھ صاحب بہادر جی۔سی۔ایس۔آئی۔
جی۔سی۔آئی۔اے۔ مسند آرائے ریاست نابہ ہوئے تو محمد منور
علیخان۔ناظم ضلع پھول۔ضلع املوہ ضلع باول ہو کر حاکم جوڈیشل
ریاست نابہ ہوئے اب حضور مہاراجہ صاحب بہادر بالقابہ کی
نظر پرورش اور قدر ردانی سے ممبر کونسل محکمہ عالی اجلاس خاص میں
آپ کے دو فرزند محمود علی خان جو انسپکٹر پولیس ریلوے ہیں انکا
فرزند محمد لیاقت علی خان ہے جو فوج میں وظیفہ خوار ہے۔حامد علی
خان تھا جس نے ایف اے تک محمد کالج علی گڑھ میں تعلیم پائی اور
پھر ریاست کی طرف سے وظیفہ خوار ہو کر بغرض تعلیم ڈاکٹری
میڈیکل کالج لاہور میں داخل ہوا منجملہ پانچ سال کے تین سال
کی پڑھائی ختم کر لی تھی کہ درد گردہ شروع ہوا اور حسب تجویز
پرنسپل کالج مذکور نابہ میں چلا آیا اور بعد کیسقدر رفاقہ کے بغرض
تبدیل آب وہوا علی گڑھ گیا وہاں فالج ہو گیا اور اسی عارضہ میں
۲۳ جولائی ۱۹۰۰ء کو عین جوانی میں فوت ہو گیا تیسرا فرزند محمد اللہ
داد خان کا محمد عبد الحکیم خان مولف تاریخ ہذا بدنام کنندہ نکونامے

چند ہے البتہ فخر حاصل ہے کہ حضور راجہ راجگان مہاراجہ ہیرا سنگھ مالوندر سادر کا قدیمی نمک خوار ہے اور وکالت ممالک متحدہ کا پس شدہ وکیل ہے محمد حسن خان فرزند دویم کے کمیدان محمد نور خان آپ نے علاوہ تعلیم عربی و فارسی کے کارروائی محکمہ جات مال بندوبست وتحصیلداری وغیرہ میں مہارت پیدا کی اور بتلاش معاش اپنے وطن سے پہلے اپنے بھائی محمد اللہ داد خان کے پاس املوہ میں آئے یہاں سے لودہانہ میں جا کر ڈپٹی کمشنر لودہانہ رکنس صاحب بہادر کی برشتہ دار ہو گئے عذر ۱۸۵۷ء میں ڈپٹی کمشنر صاحب موصوف کے سرشتہ دار تھے پھر بعد حسن کارگزاری ایام عذر صدر قانون گولوہانہ ہوئے اور پر تحصیلدار ہمرالہ ضلو لودہان ہ ہو گئے عہدہ تحصیلداری سے حسب الطلب مہاراجہ پہر پور سنگھ صاحب بہادر سرگباش ریاست نابھہ میں چلے آئے یہاں آکر معتمد حاضر باش محکمہ اجنٹ صاحب بہادر بنالہ ہوئے اس عہدہ سے تبدیل ہو کر مختلف عہدوں پر مامور ہوتے رہے اور بعد مہاراجہ بھگون سنگھ صاحب بہادر سرگباس ارالمہام ریاست نابھہ ہوئے اور بعہد مہاراجہ ہیرا سنگھ صاحب بہادر بالقابہ کچھ عرصہ بدستور دارالمہام رہے اور پھر مہتمم بندوبست ہوئے بعد اختتام بندوبست ۱۸۸۰ء کو سفر مجاز اختیار کیا اور بعد حصول زیارت حرمین شریفین واپس آکر ۱۸۸۱ء کو فوت ہو گئے۔ آپ کے ایک

فرزند محمد عنایت اللہ خان ہیں اور ان کے دو فرزند حبیب اللہ خان

اور عزیز احمد خان ہیں۔" (11)

ضلع ہوشیار پور

ہوشیار پور پنجاب میں ہے آج کل یہ بھارتی مشرقی پنجاب کا اہم شہر ہے 1947ء سے قبل یہاں مسلمانوں کی آبادی بہت تھی جو تقسیم کے وقت ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آگئی۔ ہوشیار پور میں لودھی پٹھانوں کی کئی بستیاں تھیں انکے آباء واجداد سلطان بہلول لودھی کے دور سے یہاں پر آباد تھے۔ محمد ایوب خان نے اپنی کتاب افاغنہ ہوشیار پور میں ان بستیوں کی تفصیل سے نشاندہی کی ہے ہم حسب ضرورت وہاں سے اقتباسات پیش کرتے ہوئے آگے چلیں گے۔

بستی کلاں

یہ بستی بھی ضلع ہوشیار پور میں تھی۔ اور یہاں 3 یا 4 لودھی خاندان آباد تھے۔ جو 1947 کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔ (12)

شمس پور لودھیان

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ کسی شمس نامی لودھی افغان نے آباد کیا تھا مگر اب انکے حالات بالکل گمنامی میں ہیں محمد ایوب نے تحریر کیا ہے کہ۔

"بظاہر لودھی افغانوں کا یہ ایک مختصر سا موضع شہر سے جانب جنوب تقریباً چھ میل کے فاصلے پر واقعہ تھا یہ لوگ کیا تھے؟ ان کے بزرگوں کے تاریخی کارنامے گوشہ گمنامی میں کیونکر معدوم

ہوئے؟ ان لوگوں کی عظمت و شان کیا تھی افسوس ان تمام واقعات پر مبنی ریکارڈ حملوں کے دوران ان لوگوں کے ساتھ ہی پیوند خاک ہو کر رہ گیا تھا شمس پور ایک لودھی سردار کے نام سے موسوم تھا اور لودھی حکمرانوں کے اسلاف واجداد کے ساتھ ان لوگوں کی بھی قرابت داریاں تھیں زمانے کے نشیب و فراز کہہ لیں کہ یہ لوگ گوشہ گمنامی میں اس طرح داخل ہوئے کہ ان کے حزم و حشم کی داستان داستان پارینہ ہو کر رہ گئی شمس پور کے لودھی خاندان بڑے صالح عابد غیور اور بہادروں میں شمار ہوتے تھے یہ لوگ بدلے ہوئے حالات کے تحت اپنا تحفظ کر سکتے تھے مگر قریب دیہاتوں کے سکھ دوستوں اور حکومت ذمہ دار افسران کا فریب کھا گئے اور اس امید پر کہ انہیں تحفظ دیا جائے گا یہ لوگ اپنے گھوروں میں ہی مقیم رہے ان بہادروں اور شہیدوں میں جلال الدین خان اور ان کا بیٹا جعفر خان سردار کان انکا بھتیجا بہادر خان رحمے خان اور بولے خان فضل محمد خان خلف بہادر خان یہ تھے ایک ہی خاندان کے چند افراد جو شمس پور کے مالکان تھے ان کے ہمراہ دیگر اقوام کے لوگ آباد تھے۔" (13)

اس سے زیادہ معلومات ان کے بارے میں نہیں ملتی۔

بستی جوڑہ

بستی جوڑہ تحصیل وضلع ہوشیار پور کی مشہور بستی ہے جہاں پر کثرت سے لودھی افغان آباد تھے محمد ایوب صاحب نے اس کی تاریخ پر اسطرح سے روشنی ڈالی ہے۔

وہ تحصیل ہوشیار پور میں واقع لودھی افغانوں کی یہ مشہور آماجگاہ جو اپنے خصوص ومحاسن کی بنا پر کہکشاں میں ایک درخشندہ ستارے کی مانند نمایاں تھی ان تاریخ ساز اور مبارک ہستیوں کی آباد کردہ تھی جن کے اجداد کو اس برصغیر میں افغان حکومت کی بنیاد قائم کرنیکا شرف اولین حاصل تھا۔ ان لوگوں کے عروج و زوال کی داستان اپنے اندر قوموں کی حیات وحمات کی ایک عبرت انگیز اور سبق آموز داستان متصور ہوتی ہے تاریخ کے اس فراموش کردہ خاندان کا تعلق براہ راست سلطان بہلول لودھی کے ایک فرزند یعقوب خان کی نسل سے تھا سلطان بہلول کی وفات ۱۴۸۸ء کے بعد سلطان نظام الدین خان (سکندر لودھی) جب سربر آرائے سلطنت ہوا تو جانشینی کے تنازعہ نے اس قدر طول پکڑا کہ تمام شہزادے اور دربار امراء منتشر ہو کر متعدد گروہ بندیوں میں تقسیم ہو کر رہ گئے سکندر لودھی

کے مخالفین میں یعقوب خان بھی اپنے دوسرے بھائیوں کا رفیق
وندیم تھا سلطان نظام الدین خان چونکہ بڑا بہادر تجربہ کار اور
دوراندیش واقع ہوا تھا لہذا اس نے فرک وتدبر اور طاقت کے
زور پر اپنے مخالفین کو ابھرنے اور سر اٹھانے کا موقع نہ دیا۔اس
کی وفات ۱۵۱۷ء کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابراہیم لودھی جب
اس کا جانشین مقرر ہوا تو اسے بھی مذکورہ اختلافی صورت حال
سے دوچار ہونا پڑا مگر اس کے عدم تدبر اور سخت گیرانہ آمریت
نے سب کو گوشہ گمنامی میں عافیت کوش ہونے پر مجبور کر دیا ۱۵۲۶ء
میں مغل حکمران بابر کے ہاتھوں ابراہیم لودھی کی شکست کے
باعث جب اس حکمران خاندان کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے
لیے گل ہوا تو اس خاندان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھنے
والے افراد پھر کسی مروت یا التفات وعایت کے سزاوار سمجھے نہ
گئے ان کا ہمائے اقبال اب مغلوں کے سر پہ محو پروانہ دکھائی
دینے لگا اور یہ لوگ بہار بنگال ماوہ گولکنڈہ اور دکن وغیرہ کے دور
دراز علاقوں میں گردش ایام اور زمانے کی صاعقہ ریزیوں کا شکار
ہو کر رہ گئے لیکن اس خاک کے خمیر میں زندگی کی وہ چنگاریاں جو
ابھی سلگ رہی تھیں شہنشاہ جہانگیر ۱۶۰۵ء کے عہد میں ایک بار
پھر انہیں تپش وخلش پیدا کرنیکا موقعہ ملا کبیر خان یعقوب خان
کی نسل کا ایک نوجوان جہانگیر کے اںک درباری وزیر نواب خان

جہان خان لودھی کی سفارش سے شاہی فوج میں ملازم ہوا اس طرح ایک مدت کے بعد اس خاندان کو گمنامی کے اندھیروں سے نکل کر زندگی کے اجالوں میں نمایاں ہونے کا موقع ملا انہی ایام میں شہزادہ خرم (شاہجہاں) نے اپنے باپ جہانگیر کے خلاف دکن میں بغاوت کا علم بلند کیا اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے خان جہان خان لودھی کو مقرر کیا گیا اس فوجی مہم میں کبیر خان مذکور کو پہلی بار اپنی مضمر صلاحیتوں کو نمایاں کرنے کا موقع ملا شاہجہان کو قدم قدم پہ شکست ہوئی اور اس نے اپنے باپ کے قدموں پہ گر کر جان بخشی کرائی اس کامیابی پر بادشاہ نے جہاں اوروں کو انعام واکرام سے نوازا کبیر خان کا دامن بھی نوازشات شاہی سے مالا مال ہوا بادشاہ نے اسے لودھی خان کے خطاب سے عہدہ منصبداری نوازا لیکن جہانگیر کی وفات کے بعد جب اس کے بیٹے شاہجہان کو تخت شاہی پر براجمان ہونے کا موقع ملا تو اس نے اپنے تمام مخالفین کو راستے سے بتدریج صاف کرنا شروع کیا خان جہاں لودھی کے ساتھ کبیر خان لودھی خان کو بھی عتاب شاہی کے خطرات محسوس ہونے شروع ہوئے۔ انہوں نے احمد نگر کے حکمران سے درپردہ سمجھوتا کرتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ مرہٹے اور گولکنڈہ کے حاکم نیز جگہ جگہ بکھرے ہوئے افغان حکمران ان کا ساتھ دیں گے خان جہان لودھی نے

شاہجہاں کے خلاف علم بلند کردیا شہاجہاں نے اپنے جلو میں عصا کر قاہرہ لیے ان کے تعاقب میں روانہ ہوا خان جہان کے تمام دوست جن پر اسے بھروسہ تھا جلال پادشاہی سے خوفزدہ ہو کر نہ صرف اس کا ساتھ چھوڑ گئے بلکہ شاہی فوجوں کے ساتھ خان جہان خان کا راستہ روکنے میں بھی پیش پیش دکھائی دینے لگے خان جہاں لودھی ہر طرف سے مایوس ہو کر اجین سے ہوتا ہوا بندھیل کھنڈ پہنچا شاہی فوج نے چاروں طرف سے اس کے گرد گھیرا تنگ کردیا اس نے اپنے تمام جاں نثاروں اور تعلقداروں کو جمع کر کے رخصت ہونے کی اجازت دی لیکن اس مصیبت اور امتحان کے وقت میں کچھ ایسے بھی تھے جو اس کے دامن سے پیمان وفا باندھ چکے تھے ان میں ایک کبیر خان (لودھی خان) بھی تھا۔ کان جہاں جو پوری طرح شاہی افراج کے چنگل میں گھر چکا تھا اس کے لیے راہ نجات کا صرف ایک ہی راستہ باقی تھا یا تو وہ شاہی افواج کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا مرگ باشرف یا گرفتار ہو کر ذلت و رسوائی کی موت قبول کرے اس نے اول الذکر راستہ اختیار کیا اور اپنی افغان روایات کو قائم رکھتا ہوا اپنے دو فرزندوں کے ہمراہ مغل فوج سے لڑتا اور مردانگی کے جوہر دکھاتا ہوا کام آیا اسی طرح کبیر خان اور اسکے بیٹے عظمت خان نے بھی اپنے اس محسن کے نقش قدم پر اپنی جانیں قربان

کرتے ہوئے جریدہ ہستی پر اپنے نقوش وفاداری مرتسم کئے۔ نور احمد چشتی اپنی کتاب میں اس واقعہ پر اجمالاً تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کبیر خان (لودھی خان) کے اہل خانہ کو جب ان باپ اور بیٹے کے انجام کی خبر پہنچی تو اس سوختہ سامان خاندان کو غیور خواتین نے اپنے خاندان کے وقات اور تحفظ ناموس کے پیش نظر اپنے اپنے تیز دھار خنجروں سے ایک دوسرے پر وار کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے اپنے تئیں موت کی آغوش میں سلادیا شاہجہاں کو جب اس المناک واقعہ کا علم ہوا تو اسے بہت افسوس اور تعجب ہوا اس خاندان کا اکلوتا بچہ نصرت خان خلف کبیر خان جو اتفاقاً زندہ بچ رہا تھا شاہی حکم سے اس کا وظیفہ مقرر ہوا اور اسے مالوہ میں مقیم اس کے قرابت داروں کے پاس پہنچا دیا گیا۔ نصرت خان نے جب بلوغت میں قدم رکھا تو اس کا وظیفہ بند کرتے ہوئے اورنگ زیب کے حکم سے شاہی فوج میں ملازم رکھالیا گیا۔ نصرت خان مذکور کے دو بیٹے یکے بعد دیگرے شاہی افواج میں شامل ہوئے بڑا سکندر خان آسام اور بنگال کی مہمات میں دلیر خان سپہ سالار کی زیر کمان جنگ میں لڑتا ہوا کام آیا۔ چھوٹا شمس کان کا اکلوتا بیٹا سلطان خان جو ایک بہادر سرکشیدہ اور خوبصورت نوجوان تھا اپنے والد کی زندگی ہی میں فرخ سیر کی ملازمت میں داخل ہو کر فوج میں ممتاز عہدے پر فائز

تھا پنجاب میں سکھوں کی اٹھتی ہوئی بغاوت اور بندہ سنگھ کی تباہ کاریوں کے سد باب میں اس نے اہم کردار ادا کیا بعدہ جب بہادر شاہ سکھوں کی سرکوبی کے لیے لاہور میں آ کر مقیم ہوا تو ان دنوں سلطان خان ،پنجاب میں سرکاری ذمہ داریاں انجام دینے کا موقع ملا وہ سامانہ اور نبور کے علاقوں میں فوجدار مقرر رہوا اور اس کی شادی نبور کے ایک شرف گھرانے میں ہوئی جس سے اس کا ایک فرزند محمود خان تولد ہوا بہادر شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ کے عہد ۱۷۵۱ء میں ایک سکھ سردار مانی سنگھ نے سکھوں کو منظم کر کے لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع کیا اس کی تباہ کاریوں کا مرکز ست سمٹا کر شوالک کے دامن کا میدانی اور پہاڑی علاقہ تھا اس کی سرکوبی کے لیے سلطان خان کو نبور سے ہوشیار پور میں تعینات کیا گیا جس نے مانی سنگھے اور اس کی منظم سکھ گروہ بندیوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر کے اس علاقے میں امن و امان قائم کیا سلطان خان کو اس جگہ کی آب و ہوا اور افغان قبائل کی موجودگی نے اسی جگہ قیام کرنے پر مجبور کیا چنانچہ اس نے واپس جانے کی بجائے وزیر خان (نواب خان بہادر) سے اس جگہ اپنی اور اپنے افراد خاندان کی بود و باش کی خواہش کا اظہار کیا لہذا اس کی درخواست پر نہ صرف اسے اس جگہ رہنے کی اجازت حاصل ہوئی بلکہ وزیر (نواب خان

بہادر) کی سفارش پر اسے بجواڑہ سے متصل موضع بجاور کی جاگیر بھی تفویض ہوئی سلطان خان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے محمود خان نے اپنی جاگیر میں ایک نیم پختہ قلعہ تعمیر کیا اور اپنے افراد خاندان کے ہمراہ آسودہ شگفتہ اس جگہ رہائش پذیر ہوا۔ محمود خان اپنے دور کی ایک نابغہ اور علاقے بھر میں ایک ممتاز معروف شخصیت تھی آدینہ بیگ کے زمانہ گورنری میں موصوف اس کا مقرب خاص سمجھا جاتا رہا ایک موقعہ پر آدینہ بیگ نے جب محمود خان کو جھومتے اور لہراتے ہوئے آتے دیکھا تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا وہ آرہے ہیں ہمارے مستے خان چنانچہ آدینہ بیگ کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ مستے خان محمود خان کی وفات کے بعد بھی اس کا نام کا لاحقہ رہا۔

رنجیت سنگھ کے عہد میں جھنڈا سنگھ کا ٹھ گڑھیا سردار کا پوتا خوشحال سنگھ جس نے رنجیت سنگھ کی فتوحات میں اہم کردار ادا کیا تھا اس کا تمام علاقے میں طوطی بول رہا تھا ڈاکہ زنی سرقہ دھونس دھاندلی اس کے معمولات بن چکے تھے۔ ایک دفعہ اس کے آدمیوں نے ان لودیوں پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام ہوئے اور ان کے کچھ آدمی ان لودیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس بنا پر خوشحال سنگھ اور ان لوگوں کے مابین تنازعہ نے طول پکڑ کر جنگ کی صورت اختیار کی ضلع کی آبادی دو گروہوں می

تقسیم ہو کر آمادہ پیکار دکھائی دینے لگی ایک طرف افغان اور تمام
مسلمان تھے تو دوسری طرف سکھوں کے گروہ تھے رنجیت سنگھ نے
پیش آمدہ جنگ کے خطرات کو ٹالنے کے لیے بجاور کا قلعہ ان
لودیوں سے خالی کرا کر وہاں اپنی ایک مضبوط فوجی چوکی قائم کر
دی اور ان لودیوں کو تین سو ایکڑ اراضی بشکل انعامی دے کر انہیں
اس جاگیر میں آباد ہونے کا مشورہ دیا۔ یہ رنجیت سنگھ کا انصاف تھا
جس کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ وہ سب کو بمچہ ایک آنکھ
سے ہی دیکھا کرتا تھا۔

یہ روایت عموماً سننے میں آتی رہی ہے کہ دو توام بھائی تھے ایک نے
بسی کلاں اور دوسرے نے بسی جوڑہ آباد کی یہ دو بھائی کون
تھے؟ ہنوز تشنہ وضاحت ہے دوسری روایت ہے کہ جب یہ لوگ
بجاور سے اپنی اس نئی جگہ منتقل ہوئے تو ابتداً انہوں نے اس جگہ کا
نام اپنے بزرگ محمود خان کی نسبت سے محمود پور رکھا لیکن بجاور
جسے عرف عام میں بجوڑ پکارا جاتا تھا ان لوگوں کو بجوڑے کہا
جانے لگا جو بعدہ صوتی تبدیلی سے جوڑے مشہور ہو کر رہ گیا۔ یہ
بسی اور اس جگہ آباد لودیوں کا یہ واحد خاندان تھا جس کا براہ
راست تعلق افغان سلطنت کے بانی سلطان بہلول لودھی کینسل
سے تھا اسے بے مہری زمانہ کہہ لیں یا گردش لیل ونہار کہ اورنگ

جہانبانی کا تاج تو ان سے چھین گیا لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کی کجکلاہی ان کی دریا دلی وسیر چشمی ان کی عطوفت و مروت بہادری و بے خوفی ان کی عزت نفس اور دردمندی اور ان کے خدوخال ان لوگوں کی شناخت کے کچھ ایسے روشن پہلو ہیں جو صدیاں گزرنے اور زمانے کی صاعقہ ریزیوں کے باوجود آج بھی ان کی عملی زندگی کے لزوم وخصائص سمجھے جاتے ہیں۔اس بستی کی کل آبادی دو ہزار افراد پر مشتمل تھی اس میں تین خاندان تو افغان مالکان کے تھے باقی دیگر کاشتکار اور پیشہ ور اقوام سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد تھے لودیوں کا بڑا خاندان جموخان اور رحمو خان کے نام سے مشہور تھا تو بقیہ دو خاندان گلاب خان اور ویڑے والا کے نام سے موسوم تھے یہ جگہ نہایت زرخیز سرسبز اور چاروں طرف طرح طرح کے ثمر بار باغات کے وسط میں واقعہ ایک پر بہار پر امن اور طمانیت قلب کے لیے فردوس جمال سمجھی جاتی تھی آبادی سے کوئی ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر آموں کے گھنے باغات اور راندر نصرت خان عرف ننھے خان کے سات سعادتمند بیٹوں کی ایک عالیشان کوٹھی تھی جو پورے ضلع میں اپنی مثال آپ اور ان سات بھائیوں کی محبت مودت اخوت اور طاقت کی مظہر اتم تھی۔" (14)

بستی ارندایان

ابراہیم لودھی کی شکست کے بعد شام چوراسی کی جنگ میں بھی مغلوں کو فتح ہوئی اور یہاں ایک لودھی سردار شیخ راندے ایک ہزار افغانوں کی قیادت کر رہا تھا اسکو بھی شکست ہوئی اور وہ بھی مفرور ہوگیا برسوں کے بعد شیخ راندے نے ضلع ہوشیاپور تحصیل دسوحہ میں ایک بستی کی بنیاد رکھی جو اسی کے نام سے بستی ارانداں مشہور ہوئی اور اسکی اولاد 1947ء تک وہیں آباد رہی اور پھر قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے مختلف شہروں میں آباد ہوگئی (15)۔

بستی عمر خان ترین

یہ بستی بھی لودھی دور حکومت میں آباد ہوئی اور ترین افغانوں کے آباد کیا تھا بعدازاں بستی جوڑہ سے ایک خاندان لودھی قوم کا آکر یہاں آباد ہوگیا جو میاں قادر خان لودھی کا خاندان کہلاتا تھا۔(16)

افغان رہ کی مغلاں

یہ آبادی بھی ضلع ہوشیار پور میں تحصیل گڑھ شنکر میں ہے یہاں بھی لودھی خاندان آباد تھے جو 1947ء تک یہیں پر آباد رہے پھر پاکستان چلے آئے۔(17)

بستی غلام حسین سرک

یہ بستی ضلع ہوشیار پور میں ہے یہاں بھی لودھی افغانوں کا ایک خاندان آباد تھا جو 1947ء کے بعد پاکستان آگیا یہ غلام محمد خان لودھی کا خاندان کہلاتا تھا۔(18)

بجاور

یہ بستی بھی ہوشیار پور ضلع میں بجواڑہ کے پاس تھی اسکے حالات محمد ایوب نے
تحریر کئے ہیں۔

''بجواڑہ کے قریب وجوارم یں لودھی سردار محمود خان المعروف
سرمست خان غازی کی یہ ایک رہائش گاہ قلعہ نما شکل میں آباد تھا
مغل حکومت کے زوال وانحطاط کے دوران جب سکھا شاہی کا
دور دورہ تھا تو کاٹھ گڑھیا اور سردار تارا سنگھ کے متعدد حملوں کی بنا
پر اس قلعہ کو شکست وریخت کا شکار ہونا پڑا۔ مگر اس جگہ کے
افغانوں نے بہادری اور جوانمردی کا ثبوت دیتے ہوئے ہر بار
حملہ آوروں کو پسپا ہونے پر مجبور کیا راجا رنجیت سنگھ کے عہد
۱۸۳۱ء میں تارا سنگھ کاٹھ گڑھیا کے بیٹے خوشحال سنگھ نے جس کی
رشتہ داری سردار لہنا سنگھ مجیٹھیہ سے قائم ہو چکی تھی ہر طرف لوٹ
مار شروع کر دی لہذا ایک اندھیری شب میں خوشحال سنگھ کے کچھ
آدمیوں نے بجاور پر ڈاکہ ڈالا ڈاکوؤں کے چند آدمی ان
افغانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے خوشحال سنگھ نے انتقامی کارروائی
کرتے ہوئے بجاور پر حملہ کیا علاقے کے تمام افغانوں نے
عبداللہ خان اور فرید خان کی قیادت میں حملہ آوروں کا ڈٹ کر
مقابلہ کیا اس لڑائی میں فریقین کے متعدد آدمی کام آئے جن میں

عبداللہ خان کا نوجوان بھائی عزیز خان بھی زخمی ہو کر واصل بحق ہوا چونکہ خوشحال سنگھ نے رنجیت سنگھ کی فتوحات میں اہم کردار ادا کیا تھا نیز سردار لہنا سنگھ کے ساتھ اس کی قرابت داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے راجا مذکور نے ان لودھی افغانوں سے قلعہ چھین کر اس جگہ اپنی ایک مختصر سی چھاؤنی قائم کر دی تا کہ ان علاقوں کے افغانوں پر اس کا غلبہ و تصرف قائم رہے اور اشک شوئی کے طور پر ان افغانوں کو معاوضے میں تین سو ایکڑ پر مشتمل ایک جاگیر تفویض کی لہذا ان لودھی افغانوں نے اپنے قلعہ بجاور سے دست بردار ہو کوئی بسیات آباد کیں جو بعدہ بستی کالاں۔ بجاور اور بستی جوڑہ کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ انگریز حکمرانوں کی آمد اور سکھوں کی شکست کے بعد اس جگہ کی ارضیات پر سکھ اور گوجر اقوام کے لوگ قابض ہوئے بعدہ نورنگ آباد کے افغانوں اور سرک افغانوں نے سکھوں اور گوجروں سے اراضیات خرید کر آہستہ آہستہ اس جگہ اپنے قدم جمانے شروع کیے چنانچہ ان افغانوں میں ولی محمد خان ولد محمد خان سرک، رلئے خان، خلف سلطان، خان اور جیون خان وعثمان خان پسران محمد رمضان خان قیام پاکستان تک اس جگہ کے مالکان میں شمار ہوتے تھے۔" (19)

ضلع جالندھر

ہوشیار پور کی طرح سے جالندھر بھی مشرقی پنجاب کا ایک اہم شہر ہے اور ضلع بھی اسی نام سے منسوب ہے یہاں پر لودھی پٹھان سلطان بہلول کے دور سے آباد ہیں محمد ایوب خان نے اپنی ایک دوسری تصنیف افاغنہ جالندھر میں یہاں کی لودھی بستیوں اور شخصیات کی تفصیل سے نشاندہی کی ہے چونکہ یہ معلومات مقامی روایات پر مبنی ہیں لہذا انکو بھی وہاں سے نقل کیا جاتا ہے۔

"جالندھر میں پٹھانوں کے بارہ کوٹ مشہور تھے جو ستارویں صدی عیسوی میں تعمیر کیے گئے تھے ان میں سے دو کوٹ خان جہان خان اور کوٹ فضل کریم خان تو برکیوں کے تعمیر کردہ تھے ایک کوٹ یعنی کوٹ محمد امین خان غز پٹھانوں کا تعمیر کردہ تھا باقی آٹھ کوٹ لودھیوں کے تھے ان میں سے صرف کوٹ اچھی کوٹ بہادر خان اور کوٹ فضل کریم خان پر مسلمانوں کا پورا قبضہ تھا کوٹ محمد افضل خان کا کاغذات میں ذکر آتا ہے لیکن اس کی تفصیلات کا کچھ علم نہیں ہو سکا باقی تمام کوٹ ہندوؤں کے تصرف میں تھے۔

1۔ کوٹ بھورے خان:

یہ کوٹ جالندھر کے جانب شمال واقع تھا جسے ایک لودھی سردار بھورے خان نے تعمیر کیا تھا روایت ہے کہ یہ کوٹ سب سے

پہلے آباد ہوا تھا اس کوٹ کے نشانات تو مرورِ زمانہ کے ہاتھوں مٹ چکے تھے مگر مسجد بھورے خان کی وجہ سے اس کا نام بدستور زندہ تھا یہ مسجد اگرچہ ایک یادگار کی حیثیت سے قائم ضرور تھی مگر شہر سے دور واقع ہونے کی وجہ سے اس میں نہ تو کبھی کسی نے اذان کہی تھی اور نہ ہی کبھی نمازیوں نے جا کر وہاں سجود و قیام کیا تھا اس مسجد کی حفاظت کے فرائض غلام محمد لاٹھی مار ایک ارائیں انجام دیتا تھا جو ۱۹۴۷ء میں بعمر ستر سال اس کی حفاظت کرتا اور سکھ جتھیداروں سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔

2۔کوٹ پہاڑ خان:

یہ کوٹ محلہ کرار خان میں واقع تھا محلہ کرار خان برکی یا انصار دانشمندی افاغنہ کی آمد سے پہلے لودھیوں کا مضبوط مرکز متصور ہوتا تھا لیکن جب برکیوں نے اسے اپنا مسکن بنایا تو اس جگہ کے قدیم مالکان یعنی لودھیوں نے یہ کوٹ اور اس کے باغات نئے آبادکاروں کے ہاتھ فروخت کر دیئے۔کوٹ پہاڑ خان کی خستہ حالت دیکھ کر برکیوں نے یہاں ایک اور کوٹ تعمیر کیا جسے تعمیر کنندہ کی نسبت سے کوٹ خان جہاں خان کہہ کر پکارا جاتا تھا لیکن سکھوں کے اس پر حملہ آور ہونے کی وجہ سے یہ کوٹ جل کر راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا اسی جگہ خان جہان خان کے پوتے فضل

کریم خان سوداخیل نے ایک نئی عمارت تعمیر کی جو کوٹ فضل کریم
خان کے نام سے مشہور تھی اس جگہ نہ تو کوئی لودھیوں کا گھر آباد
تھا اور نہ ہی اس محلے میں کوئی ہندو رہائش پذیر تھا یہ محلہ مسلمانوں
کی واحد ملکیت تھا۔

3۔کوٹ قاسم خان:

لودھی افغانوں کا یہ کوٹ جالندھر کے جانب شمال مسجد بھورے
خان سے متصل سڑک رونده ہوشیار پور پر واقع تھا جب ہندوؤں
نے اس پر زر کثیر خرچ کرنے کے بعد قبضہ کیا تو اس کا نام تبدیل
کر کے کوٹ کشن چندر رکھ دیا گیا اس کوٹ میں صرف دو تین گھر
مسلمانوں کے تھے جو مزدور پیشہ تھے تبادلہ آبادی کے وقت ان کی
ایک پردہ نشین عورت کو شہادت کا جام نصیب ہوا مرد لڑتے
لڑاتے جان بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

4۔کوٹ محمد امین خان:

یہ کوٹ دروازہ پنج پیر سے متصل اور محلہ رستہ کے ملحق مشرق کی
جانب واقعہ تھا اس کوٹ کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ
اس کے اصل مالکان کون تھے نہ تو لودھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ
کوٹ ان کے کسی بزرگ امین خان نے تعمیر کیا تھا اور نہ ہی
جالندھر کے دانشمندی انصار اسے اپنی ملکیت تصور کرتے تھے

البتہ ڈاکٹر جہانگیر خان کی یہ رائے ہے کہ یہ کوٹ غزافغانوں کا تعمیر کردہ تھا۔ اگر اسے درست تسلیم کرلیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس جگہ ہندو اکثریت کے ساتھ کیسے مالک بن گئے تھے کیونکہ غزافغانوں کی خدانانی روایت کے مطابق یہ لوگ مرتو سکتے تھے لیکن بنی ہوئی چیز فروخت کرنا ان کے عقیدے کی رو سے کفر سمجھی جاتی تھی اس کوٹ میں مسلمانوں کے صرف چند مراثی لوگ آباد تھے جنہیں بروقت نکال کر محفوظ جگہ منتقل کردیا گیا تھا اس کوٹ میں مسلمانوں کی دو مساجد تھیں جن میں پانچ وقت اذان کے بعد نماز باجماعت ادا ہوتی تھی۔

5۔ کوٹ پشکہ:

یہ کوٹ لودھیوں کی ایک شاخ یعنی پشکہ افغانوں کے مورث اعلیٰ عبداللہ خان پشکہ نے ستارہویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا تھا عبداللہ خان ایک جابر قسم کا سردار تھا جس نے اپنی فوج کے ساتھ مغلوں کے خلاف بغاوت کر کے جالندھر کے ایک حصے پر قبضہ کرلیا تھا یہ کوٹ جالندھر کے جانب جنوب محلہ رستہ سے متصل واقع تھا۔ عبداللہ خان کی نسل کے یہ پشکے افغان تمام لودھیوں سے زیادہ سرخ وسفید ار جابر قسم کے لوگ تھے ان لوگوں کے متعلق ایک روایت مشہور ہے کہ ان کے بیاہ شادیوں کے موقعہ

پر عایا کے لوگ کانجی تیار کرنے کی خدمت انجام دیا کرتے تھے اتفاق کی بات کہ یکے بعد دیگرے مسلسل دو چار ایسی شادیوں کی وجہ سے موضع کھیوڑہ کے لوگ تنگ آچکے تھے انہوں نے ایک شادی کے موقع پر بجائے کانجی کے پیشاب اور غلاظت کے بھرے ہوئے مٹکے انہیں بھجوا دیئے پٹھانوں نے ان کی اس حرکت سے مشتعل ہو کر اس موضع کو آگ لگا دی اور تمام زندہ انسانوں اور جانداروں کو جلا کر خاک کر دیا تھا اسی کوٹ پر گورو بزبھاگ سنگھ نے حملہ کیا تھا اور یہی وہ پٹھان تھے جنہوں نے خوف کے مارے کوٹ کے دروازے بند کر لیے تھے لہذا کوٹ کے دروازے بند ہو جانے کی وجہ سے سینکڑوں مجاہدین اسی جگہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تھے.....ان کا مورث اعلیٰ عبداللہ خان پشکہ کے متعلق گزیٹیر نویس لکھتا ہے کہ یہ شخص بڑا بہادر اور صحب علم ونقارہ تھا اس کے جلوس میں ہمیشہ پانچ صد سوار شامل رہتے تھے اس کی آمد ورفت کے موقعہ پر نقارہ گونجا کرتا تھا اور علم بلند ہوتا تھا........

کوٹ بہادر خان:

بہادر خان لودھی کا آباد کردہ یہ کوٹ جالندھر شہر کے جانب جنوب اڈہ نکودر کے متصل واقع تھا بہادر خان مذکور کے متعلق اس کی نسل

سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی فرد ایسا نہیں جو یہ بتا سکے کہ بہادر
خان کون تھا؟ صرف چند ایک روایات سے پتہ چلتا ہے کہ
عبداللہ خان پشکہ اور بہادر خان باہم رشتہ دار ہمعصر اور لودھیوں
کی مقتدر شخصیات تھے ایک عرب سیاح نے اپنے سفرنامہ میں
صرف اس قدر لکھا ہے کہ ستارہویں صدی کے آخری ایام میں
جب اس کا گذر جالندھر سے ہوا تو ان دنوں جالندھر کا ایک
منصب دار بہادر خان اپنے پورے عروج پر تھا اس کے علاوہ
تذکرہ الانصار میں بھی حضرت شیخ میر داد خان متوفی ۱۱۰۵ھ
لغائت ۱۶۹۵ء خلف حضرت میاں شیخ درویش علیہ الرحمت کے
حالات میں بہادر خان کا ذکر پایا جاتا ہے جو آپ کا بے
حد عقیدت مند تھا ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بہادر خان
اورنگ زیب عالمگیر اور اس کے بیٹے معظم بہادر شاہ یعنی شاہ عالم
کے عہد میں ہوا ہے۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ عالم
گیر کی وفات کے بعد جب مغلیہ حکومت زوال پذیر تھی اور ہر
طرف تھی اور ہر طرف طوائف الملوکی کے بادل چھائے ہوئے
تھے بہادر خان اور عبداللہ خان پشکہ نے جو کہ ان دنوں جالندھر
میں اعلٰے عہدوں پر فائز تھے اپنی اپنی فوج تیار کر کے جالندھر
کے بیشتر حصوں پر قابض ہو گئے تھے مگر یہ مقبوضہ علاقے ان کے
تصرف سے کیوں کر خارج ہوئے اس کی تفصیلا - معدوم ہیں

بہادر خان کے متعلق پٹھان بچیاں گیند کے ساتھ کھیلتے وقت عام طور پر یہ گایا کرتی تھیں۔

ماراں گے جی ماراں گے دہلی کوٹ سنواراں گے بہادر خان نے ماری چوٹ دتی ہوگئی لوٹ پوٹ۔

یہ بچیوں کے ایک کھیل کا گانا ہوا تا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہادر خان کوئی بڑا حاکم یا عہدیدار ضرور تھا۔ بہادر خان کا مقبرہ کوٹ کے جانب جنوب چوکی پولیس رسالہ والی عقب عدالت تحصیلدار ایک قدیم باغ میں بلند چبوترہ کی صورت میں واقع تھا۔

اولاد

بہادر خان کی اولاد کے متعلق حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی ایک بیٹی اچھی کے علاوہ اس کا کوئی بیٹا بھی تھا یا نہیں البتہ لودھیوں کی ایک قدیم دستاویز میں مکرم خان کا ذکر پایا جاتا ہے جو بہادر خان کے وارثان بازگشت میں لکھا گیا ہے یہ اس کا بیٹا تھا یا بھتیجا اس کے متعلق آج تک وضاحت نہیں ہوسکی۔ بہادر خان کی دختر اچھی جسے عرف عام میں بوا اچھی کہا جاتا ہے اس کی شادی لودھیوں کے گھرانہ میں ہوئی تھی روایت ہے کہ برات کے رخصت ہوتے وقت خاندانی مراثیوں نے دلہن کے سسرال

کے ایماء پر جب وداع کے چند حسب ذیل بول ادا کیے

وهیاں دے ہوئے لیکھ پرائے نہ کوئی آئے نہ کوئی جائے

ویرے دے سب قول نبھائے مینوں دتا دیس میرے بابلا

اج میں تیری پردنی ہوئی میرے بابلا

تو بہادر خان نے ڈولی کو روک لیا اور حکم دیا کہ جب تک اچھی کی رہائش کے لئے عالیشان عمارت تیار نہیں ہو جاتی برات رخصت نہیں ہوگی چنانچہ بیٹی کی خواہش پر کوٹ بہادر کان کے متصل ایک عالی شان عمارت تیار کی گئی اور اچھی کی برات کو رخصت کیا گیا یہ کوٹ بوا اچھی کے نام سے آج تک مشہور ہے......

کوٹ بوا اچھی

بوا اچھی کا یہ کوٹ جسے بہادر خان نے تعمیر کر کے اپنی بیٹی (اچھی) کو جہیز میں دیا تھا اڈہ نکودر سے متصل اور جالندھر کی تحصیل کے بالمقابل واقع تھا اس کوٹ سے ملحق ایک بہت بڑا باغ تھا جسے پکا باغ کہہ کر پکارا جاتا تھا یہ پختہ باغ بھی اچھی کی نسل سے تعلق رکھنے والے لودھی افغانوں کی ملکیت تھا جو ایک خوبصورت آبادی کی شکل میں تبدیل ہو کر قیام پاکستان تک محلہ پکے باغ کے نام سے موسوم تھا۔ اس محلے میں اگرچہ اکثریت مسلمانوں کی تھی تاہم ہندو روساء بھی اس محلے میں آباد تھے

بوا اچھی کا مزار بابو غلام محی الدین خان وکیل کے دیوان خانے سے متصل پختہ چار دیواری کے اندر واقع تھا جہاں نہ کبھی کسی نے پھول چڑھائے تھے اور نہ ہی کبھی دیا جلایا جاتا تھا بوا اچھی کی نسل سے تعلق رکھنے والے لودھی افغانوں کے علاوہ متعدد دوسرے افغان خاندان بھی اسے محلے میں آباد تھے....

افاغنہ کوٹ بلند خان

یہ کوٹ جالندھر شہر کے شمال مغرب میں محلہ کرار خان اور دروازہ ملکاں سے متصل واقع تھا پرانی دستاویزات کی رو سے اس کوٹ کو بلند خان نامی ایک لودھی سردار نے ستارھویں صدر عیسوی میں تعمیر کر کے اس جگہ اپنی رہائش اختیار کی کوٹ کے چار برج اور ایک صدر دروازہ تھا۔ سکھوں کے پے در پے حملوں کی وجہ سے اگرچہ یہ کوٹ تقریباً مسمار ہو چکا تھا۔ تاہم اس کے آثار قیام پاکستان تک موجود تھے۔ بلند خان کے ہمراہ جاٹ قوم کی خاصی تعداد بھی یہاں آباد ہوئی تھی اس لئے اسے محلہ جٹ پورہ کہہ کر بھی پکارا جاتا تھا اس خاندان کی ایک معروف شخصیت پیر محمد خان گھوڑوں کی تجارت کے باعث روسائے شہر اور جالندھر کے ممتاز ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے اس کا تعمیر کردہ دیوان خانہ اس کے نام کی نسبت سے قیام پاکستان تک مشہور تھا پیر محمد خان

کی نسل کے لوگ افغانان بلند خانیئے پکارے جاتے تھے یہ تین شاخوں میں تقسیم تھے...

افاغنہ کوٹ سعادت خان

کوٹ سعاد [illegible] روضہ حضرت امام ناصر الدینؒ کے جنوب مشرق کی سمت واقع تھا یہ جگہ اٹھارویں صدی کے نواب سعادت خان گورنر جالندھر نے اپنی رہائش کے لیے تعمیر کی تھی اور اس کے اردگرد بڑے عالیشان باغات تھے جو بعد میں متعدد آبادیوں میں تبدیل ہو کر رہ گئے تھے لیکن یہ کوٹ بدستور قیام پاکستان تک اپنی عظمت رفتہ کی یاد تازہ کیے ہوئے تھا اگرچہ اس کا بیشتر حصہ ہندو ساہو کاروں نے خرید لیا تھا لیکن کچھ حصے پر ان لودھی پٹھانوں کا بدستور قبضہ تھا جو نواب سعادت خان کی دختری اولاد تھے...

افغانان محلہ نیلے محل

یہ محلہ لودھی افغانوں کی ملکیت بیرون محلہ ملکاں متصل محلہ کرار خان و محلہ کوٹ بلند خان واقع تھا افغان رؤساء کے خوب صورت محلات نیلے رنگ کے روغنی اینٹوں اور رنگارنگ نقش و نگار سے مزین تعمیر کا حسین مرقع تھے اسی لئے اس محلے کا نام محلہ نیلے محل مشہور تھا۔ ان لودھی پٹھانوں کے مورث اعلیٰ حضرت میاں

باغ علی عرف باگھے خان" سلسلہ قادریہ کے بہت بڑے صوفی بزرگ تھے ان کی ایک ہمشیرہ عبدالرحمان خان (دھوگڑی) کی زوجہ تھیں اور بیٹی نیاز محمد خان وکیل دھوگڑی کے نکاح میں تھی۔ایک دوسرے داماد کا نام غلام محمد خان تھا جو اسی محلے میں سکونت پذیر رہا۔غلام محمد خان کے دو فرزند تھے ایک کا نام عبدالعزیز خان اور دوسرے کا نام عبدالحفیظ خان تھا۔عبدالحفیظ خان اچھے ادیب اور شاعر تھے تاثیر تخلص تھا جب ۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت زوروں پر تھی انہوں نے چند دوستوں کے ساتھ ترک موالاوت کر کے کابل کی طرف ہجرت کی لیکن کچھ عرصہ کابل گورنمنٹ کے مصائب برداشت کرنے کے بعد اپنے مشن میں ناکام واپس لوٹ آئے قیام پاکستان کے بعد راولپنڈی میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں انتقال ہوا......

افغانان لودھی محلہ چوک قادے شاہ و محلہ عالی کلاں

یہ لودھیوں کا عددی لحاظ سے بڑا اور معروف خاندان تھا۔اس خاندان کے مورث اعلےٰ کا نام شاہ ولی خان تھا شاہ ولی خان کے اسلاف بجواڑہ اور ہریانہ کے بڑے جاگیردار تھے جنہیں ہمایوں بادشاہ نے جاگیریں ضبط کر کے جالندھر کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔شاہ ولی خان کے دو صاحبزادے جعفر

خان اور واحد خان اس خاندان کی معروف ومقتدر شخصیات ہوگزری ہیں میاں جعفر خان ریاست جھجر کے ناظم اعلیٰ تھے اور میاں عبدالواحد خان ریاستی افواج کے کمانڈر انچیف ریاست کی ملازمت سے فارغ ہو کر جب میاں جعفر خان جالندھر میں سکونت پذیر ہوئے تو انہیں سرکار برطانیہ نے جالندھر کی ذیلداری تفویض کی آپ تادم مرگ اسی منصب پر فائز رہے۔

افغانان لودھی بڑپگے

یہ جالندھر کا ایک قدیم اور اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے لودھیوں کا منفرد اور ممتاز خاندان تھا ایک روایت کے مطابق چونکہ ان کے اسلاف بڑی بری پگڑیاں باندھ کر باہر نکلا کرتے تھے اس لیے بڑپگے پٹھان مشہور ہوئے محلہ بڑپگیاں چوک سوداں اور تکیہ کروڑ سے شاہ سے متصل واقع تھا ان پٹھانوں کا تذکرہ الانصار میں بھی ذکر ہے پس یقینی بات ہے کہ یہ محلہ سولہویں صدی عیسوی سے قبل بھی آباد تھا یہ لوگ رنجیدہ متین غیور اور مہمان نواز تھے ان کی رشتہ داریاں جالندھر کے علاوہ دھوگڑی کے افغانوں کے ساتھ بھی قائم تھیں اور نواب فخر الدین خان وغیرہ کے خاندان کی باہم رشتہ داریاں بھی قائم تھیں۔اس خاندان کے مورث اعلےٰ آدم خان لودھی تھے جو یہاں کے نامور سردار تھے اور لودھیوں کے عہد حکومت میں متعدد مقامات پر ممتاز

منصب داروں میں شمار ہوتے تھے چنانچہ اس خاندان کے لوگ جو بڑیچے مشہور ہوئے آدم خان کے دو بیٹوں محمد خان اور احمد خان کی نسل سے ہیں یہ دونوں بھائی سلسلہ نقشبندیہ کے ایک صوفی بزرگ حضرت شیخ علی گجراتؒ کے ارادتمندوں میں بھی شامل تھے یہ بزرگ صاحب کشف و کرامات تھے۔اس خاندان کی وسیع وعریض اراضیات اور باغات جو بستی نو اور بستی شاہ قلی خان سے ملحق واقع تھے ان پر سکھوں نے اپنے عہد حکومت میں جبراً قبضہ کر کے اس جگہ کا نام سری باغ رکھ دیا تھا اس باغ کی آمدن کا ایک حصہ مندر کے لئے وقف تھا لیکن جب انگریز حکمرانوں نے ۱۸۴۹ء میں جالندھر پر قبضہ کیا تو سر جان لارنس کے حکم سے یہ تمام باغات اور اراضیات سکھوں سے واپس لے کر ان پٹھانوں کو دے دیئے گئے چنانچہ سکھوں اور ہندوؤں نے ان پٹھانوں کے خلاف پریوی کونسل تک مقدمہ جاری رکھا لیکن ہر عدالت میں انہیں ناکامی ہوئی اور یہ باغات واراضیات ان بڑیچے پٹھانوں کی ملکیت قرار دے دیئے گئے جن پر ان کا قبضہ اور تصرف تھا۔

بستی محلہ کرار خان

افغانوں کی یہ قدیم بستی جالندھر شہر سے جانب شمال محلہ کرار خان کے نام سے مشہور تھی۔جالندھر گزیٹیر کی رو سے اس محلے کو شیخ

الاکرم حضرت شیخ احمد غوث نور اللہ مرقدہ نے سکندر لودھی کے دور حکومت میں آباد کر کے اس کا ابتدائی نام محلہ البرک رکھا تھا لیکن تذکرہ الانصار میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ احمد غوثؒ اس جگہ وارد ہو کر ان برکی افغانوں کے پاس مقیم ہوئے تھے جو اس جگہ پہلے ہی سے آباد تھے اس کے برعکس اس محلے میں رہنے والے برکیوں کی قدیم دستاویزات میں اس قسم کے شواہد بھی پائے جاتے ہیں کہ برکیوں کے آنے سے پہلے یہ جگہ رؤسائے لودھی افاغنہ کی جلوہ گاہ تھی اس جگہ لودھی امراء کا تعمیر کردہ ایک کوٹ حویلی امیر کان اور موجودہ محلہ کرار خان کے وسط میں واقع کوٹ پہاڑ خان کے نام سے موسوم تھا اور اس کوٹ کے جانب شمال کچھ ہی فاصلے پر کوٹ بھورے خان واقع تھا یہ دونوں کوٹ اگرچہ مرور زمانہ کے ہاتھوں شکست و ریخت کا شکار ہو چکے تھے لیکن ان کے باقی ماندہ آثار اب تک کسی نہ کسی شکل میں کہیں کہیں بدستور پائے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ لودھی افاغنہ کے وہ باغات جو برکی یا غزافاغنہ کی خرید کردہ ملکیت میں شامل ہو چکے تھے قیام پاکستان تک اعلےٰ حالہ قایم تھے ان واقعات سے یہ ثابت ہے کہ اس جگہ لودھی افاغنہ پہلے ہی سے آباد تھے پھر یہ جگہ برکی افاغنہ کا مسکن قرار پائی اور بعدہ شیخ الاکرم حضرت شیخ احمد غوث علیہ الرحمت نے اپنے افراد خاندان اور ارادت مندوں

کے ساتھ اس جگہ نزول اجلالی فرما کر نور اسلام کی شمع فروزاں کی
اور اس جگہ کو تاریخی اعتبار سے یہ فخر بھی حاصل ہے کہ بایزید
انصاری پیر روشان اس جگہ پیدا ہوئے۔ اس معمورہ ہست و بود
میں شیخ الاکرم حضرت شیخ احمد غوثؒ کا مزار واقع ہے اور آپ کے
مزار سے متصل اسی خاک میں روشنائی تحریک کے عظیم مجاہدوں
کے جسم اور احدداد خان روشنائی کا سر مدفون ہیں اسی خطہ زمیں
میں بڑے بڑے جلیل القدر اولیائے اکرام اور صوفیائے عظام
پیدا ہوئے اسی سرزمین کے ذروں کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ
احمد شاہ ابدالی جب تین لاکھ مرہٹوں کو شکست دے کر واپس
لوٹ رہا تھا تو اس نے اس جگہ کے پٹھانوں کی دعوت قبول
کرتے ہوئے قیام کیا تھا۔ جالندھر گزٹیئر کی رو سے عثمان خان
سداخیل کے دو پوتوں یعنی کرار خان اور اس کے چھوٹے بھائی
خان جہان خان کی بدولت اس محلہ کو اور فروغ حاصل ہوا اسی
کرار خان کے نام سے محلہ کرار خان موسوم ہوا اور خان جہان
خان نے اس جگہ ایک کوٹ تعمیر کیا جو کوٹ خان جہان خان کے
نام سے مشہور تھا لیکن ۱۷۵۷ء میں جب کرتار پور کے گرو بڑ
بھاگ سنگھ نے اس محلہ پر حملہ آور ہو کر اسے نذر آتش کیا تو یہ کوٹ
معہ دیگر آبادی کے جل کر خاکستر ہو گیا تھا اور کچھ عرصہ بعد اسی
جگہ خان جہان خان کے پڑپوتے میں فضل کریم خان نے ایک

دوسرا کوٹ تعمیر کیا جو قیام پاکستان تک کوٹ فضل کریم خان کے نام سے مشہور تھا۔ احمد شاہ ابدالی کی فتح مندیوں پر مبارک باد پیش کرنے کی دعوت اور احمد شاہ کا اس جگہ کے پٹھانوں کو سندات وغراعات سے نوازنا شورش پسند اور شوردیہ سر سکھوں کے لئے ایک ناقابل برداشت حادثہ تھا۔ اتفاق کی بات کہ انہیں ایام میں پٹھانوں نے اپنی ایک نجی تقریب کے سلسلے میں ایک گائے ذبح کرلی۔ اس ذبح گاؤ کا علم جو سکھوں کو ہوا تو چند ایک مغضوب الغضب سکھوں نے اچانک پٹھانوں پر حملہ کر دیا۔ فریقین کے مابین اس جھڑپ میں چند پٹھان زخمی اور دو سکھ قتل ہوئے سکھوں نے اپنے مقتولین کی ان نعشوں کو جب کرتار پور کے گورو بڑبھاگ سنگھ کے دربار میں پہنچایا تو مذکروہ سکھ گورو جو پہلے ہی سے ان پٹھانوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں کے لئے شعلہ جوالا بنا ہوا تھا اس نے اس واقعہ سے فائدہ اٹھا کر سکھ مذہب کے نام پر اپنے چیلوں اور سکھوں کو مشتعل کر کے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ اس محلہ پر شب خون مرا اس اچانک حملے کا مقابلہ کرنا اگرچہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا تاہ غیور نوجوانوں نے اپنی غیرت وحمیت کا ثبوت دیتے ہوئے قدم قدم پر حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا چنانچہ اس محاربت ومجادلت میں بے شمار نوجوان شہید ہوئے جن میں حضرت بہلول

برکی علیہ الرحمت کے اکلوتے بیٹے حضرت یحیٰے خان بھی شامل
تھے سکھوں کے ہاتھوں نہ صرف مسلمانوں کا قتل عام ہی ہوا بلکہ
انہوں نے اس محلے کو آگ لگا کر خاک کا ڈھیر بھی بنا دیا یہ واقعہ
جالندھر گزٹیئر کی رو سے سمبت ۱۸۱۸ مطابق ۱۷۵۷ء کو پیش آیا
تھا اس عظیم المیہ کے بعد پٹھانوں نے دوبارہ اس کی شکست
وریخت کو درست کیا کوٹ فضل کریم خان اور حویلی امیر خان
وغیرہ کے علاوہ رعایا کو آباد کیا۔

افاغنہ پٹی کوٹ

تاریخ شواہد کی روشنی میں اگر کوئی بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے تو
صرف اس ایک تارتار خان کے متعلق کہی جاسکتی ہے جو بہلول
لودھی ناظم سرہند کے عہد میں جالندھر کا جاگیردار اور پانچہزاری
مقرر تھا اس تارتار خان کے متعلق سادات وکوہا جالندھر کے
مورث اعلیٰ حضرت سید خیر الدین شاہ المعروف درویش چرم
پوش علیہ الرحمہ کے حالات زندگی کے مطالعہ سے ثابت ہے کہ
افاغنہ دھوگڑی کے مورث اعلیٰ تارتار خان جو ایک تاجر تھے
حضرت موصوف کے دامن عقیدت سے وابستہ رہتے ہوئے
موصوف کے ہمراہ ترمز کے علاقہ سے روانہ ہو کر ابتدا جب
بمقام سمانہ سکونت پذیر ہوئے تو بہلول لودھی بھی حضرت

موصوف کے فضائل علمی اور کمالات باطنی سے متاثر ہو کر عقید تمندوں میں داخل ہوا اور اس نے حضرت موصوف کی مدد معاش کے لئے وکوہا جالندھر کی جاگیران کی خدمت میں پیش کی نیز اسی بزرگ کی سفارش سے بہلول نے تارتار خان مذکور کو نہ صرف جالندھر کا جاگیردار مقرر کیا بلکہ اسے پانچہزاری کے اعزاز سے بھی نوازا اس تارتار کان کی آٹھویں یا نویں پشت پر یعنی اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایک تارتار خان ثانی بھی اس خاندان کی ایک باعظمت شخصیت ہو گزری ہے اس کے چار لڑکے تھے ایک نام آدم خان تھا جس کی نسبت سے آدم پور مشہور تھا دوسرا سکندر خان تھا جس نے سکندر پور آباد کیا تھا اور سب سے چھوٹے کا نام امام علی خان تھا جس کی نسل کے لوگ پتی کوٹ کے مالکان تھے اس پتی کے لوگ اپنے ایک صدیوں پرانے قلعے میں رہائش رکھنے کی بنا پر کوٹ والے مشہور تھے یہ خاندان اپنی وسیع وعریض اراضیات کی بنا پر ضلع بھر میں ایک ممتاز خاندان سمجھا جاتا تھا شہر میں ان کی کم وبیش دو ہزار کنال اراضی پر انگریز حکومت نے قبضہ کر کے سرکاری عمارات وباغات مثلاً برلٹن پارک پرانی پولیس لائن جیل ڈسٹرکٹ کورٹس اور کمپنی باغ وغیرہ تعمیر کر رکھے تھے اس کے باوجود بھی ان لوگوں کا طرہ امتیاز بلند تھا۔

پٹی عالم پور

یہ خاندان احمد خان خلف دلاور خان کی نسل سے متعلق تھا جو علاولپور سے نقل مکان کرتا ہوا اس جگہ آباد ہوا یہ پٹی اسی خاندان کے ایک بزرگ عالم خان کی نسبت سے پٹی عالم پور مشہور تھی اس پٹی کے افاغنہ بمقابلہ دوسرے لودیوں کے سرخ وسفید لمبے اور تنو مند ہونے کے باوصف افرادی قوت کے اعتبار سے بھی سب سے نمایاں حیثیت کے حامل تھے اور یہ خاندان اگرچہ متعدد خانوادوں میں منقسم تھا لیکن رسالدار غلام حسن خان معروف بہ علی خان کا خانوادہ سب سے زیادہ مقتدر اور ممتاز سمجھا جاتا تھا۔

پٹی خاص (علاولپور)

اس پٹی کے افاغنہ عالم پوریوں کی مانند پڑھے لکھے اور خصوصیت کے ساتھ پولیس کے اعلیٰ عہدیداروں میں شمار ہوتے تھے ان کے مورث اعلیٰ کا نام فقیر اللہ خان بتایا جاتا ہے جس کا تعلق محمد خان خلف دلاور خان کی نسل سے تھا فقیر اللہ خان کو اس علاقے کا تعلقدار اور لودیوں کا سربراہ ہونے کا اعزاز حاصل تھا فقیر اللہ مذکور کے بعد اس کا بیٹا رجب علی خان باپ کی جگہ تعلقدار مقرر ہوا۔ لیکن رنجیت سنگھ نے چند ایک عہد شکنیوں کی بنا پر اسے نہ صرف تعلقداری سے علیحدہ کیا بلکہ علاولپور کا علاقہ اس سے

چھین کر ہمت سنگھ جلیانوالہ کی تعلقداری میں دے دیا اس واقعہ کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ رجب علی خان نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا اور تبدیلی مذہب کی بنا پر اس کے تمام رشتہ دار اور پٹھان برادری کے لوگ اس سے متنفر ہو گئے تھے دوسرے جب رنجیت سنگھ نے سید احمد شہید اور مجاہدین اسلام کے خلاف لڑنے کے لئے سواروں کی مقررہ تعداد طلب کی تو رجب علی اپنے پٹھان برادری کے لوگوں کی مخالفت کی بنا پر رنجیت سنگھ کی اس شرط کو پورا نہ کر سکا لہذا اس کو تاہی یا نا اہلی کی بنا پر رنجیت سنگھ نے اسے تعلقداری سے علیحدہ کر دیا۔ رجب علی کی وفات کے بعد اس کا فرزند عبدالرحمان رجب جالندھر کے ناظم شیخ کریم بخش کی خدمت میں حاضر ہو کر ملازمت کا خواہاں ہوا تو ناظم مذکور کے حکم سے تکون کے قطب الدین چوہدری (کلید بردار قلعہ پھلور) کی ماتحتی اسے حاصل ہوئی۔ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد جب سکھوں اور انگریزوں میں باقاعدہ جنگ کا سلسلہ شروع ہوا تو قطب الدین مذکور نے اسی عبدالرحمان کی معرفت قلعہ پھلور کی چابیاں انگریزوں کے سپرد کر کے ایک بڑی جاگیر اور تین صد روپیہ ماہانہ تاحیات کا پروانہ حاصل کیا لیکن عبدالرحمان کے لئے صلہ خدمت گزاری میں تین صد روپیہ سالانہ کا الاونس مقرر ہوا چنانچہ یہی عبدالرحمان

تھے جن کی اولاد کا سلسلہ جاری ہوا اور یہ لوگ پٹی خاص کے مالک کہلائے۔"(20)

مردان اور صوابی کے لودھی پٹھان

ضلع مردان و ضلع صوابی میں مغداوہ ایک قدیم علاقہ ہے جو آج ضلع مردان کے پار ہوتی علاقہ میں آتا ہے۔ یہ تقریباً 1500 سال پرانا ہے۔ آج بھی جب کسی مکان یا جگہ کی کھدائی کی جائے تو یہاں سے بدھ مت کے آثار ملتے ہیں۔ چند میل دور تخت بھاء پر بدھ مت کی عبادت گاہ بھی ہے۔ اغلب الکان ہے کہ یہاں پر کبھی کوئی تجارتی شاہراہ گزرتی ہوگی۔ مسلمانوں نے بھی اس جگہ کو اپنی گزرگا بنایا۔ اور اس وجہ سے اکثر نشانات آثار قدیمہ تباہ ہوگئے۔(21)

تقریباً 1700ء کے لگ بھگ یہاں پر بغداد گئی نامی ایک بوڑھی عورت نے اپنی جھونپڑی بنائی جو پاس کے کنویں سے قافلوں کے لوگوں کو پانی پلاتی تھی اور بچوں پر دم درود وغیرہ کرتی تھی۔ اسی کی نسبت سے اس علاقے کو بغدادہ کہا جانے لگا۔ یہ ایک بہت ہی نیک بڑھیا تھی۔ رفتہ رفتہ یہاں لوگوں نے جھونپڑیاں ڈالنا شروع کر دیں اور پھر بغدادہ باقاعدہ آباد ہوگیا۔ الوقت اس علاقے میں یوسف زئی اور دیگر افغان قبائل کے علاوہ گوجر اور اعوان بھی آباد تھے۔ جب احمد شاہ ابدالی آیا تو اس علاقے میں افغانوں کا زور ہوگیا۔ مگر اسکے بعد سکھوں کا دور آیا تو یہاں پر سکھ بھی آ کر آباد ہوگئے۔ مسماۃ بغدادہ گئی طویل عمر پائی اور 100 سال سے زیادہ زندہ رہی۔ 1750ء کے لگ بھگ جب احمد شاہ ابدالی کی جانب سے نواب عبدالرحیم خان لودھی یہاں آیا تو اسکی

بغداد گئی سے ملاقات ہوئی۔ وہ اس وقت تک زندہ تھی۔ (22)

خان جہاں لودھی کی اولاد

نواب خان جہان لودھی 1639ء مین مارا گیا۔ اسکے کئی لڑکے بھی جنگوں میں کام آئے مگر ایک لڑکا حسن خان لودھی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور وہ دکن میں انگریزوں کے پاس چلا گیا انگریزوں نے اسکی مدد کی۔ اس کا بیٹا شادی خان لودھی انگریزی فوج میجر ہوگیا۔ اس نے انگریزی تعلیم حاصل کی تھی۔ انکی رہائش سورت میں تھی۔ جب انگریزوں نے دکن میں اپنا اثر ورسوخ جمایا تو میجر شادی خان لودھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں ملازم تھا۔ 1692ء میں اس نے کمپنی کی جانب سے حیدر آباد دکن پر حملہ کیا اور اس جنگ میں لڑتے ہوئے مارا گیا۔ انکی وفات پر برطانیہ کی ملکہ میری دوم (1694-1683) نے شادی خان کے وارثان کیلئے تعزیتی خط اور ایک تلوار روانہ کی جو آج بھی ان لوگوں کے پاس موجود ہے۔ میجر نواب شاہ خان کے تین لڑکے تھے پہلا نواب عبدالرحیم خان دوسرا نواب عبدالکریم خان اور تیسرے کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ انکی ایک بیٹی بھی تھی۔ نواب میجر شادی خان کو برہان پور میں آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (23)

لودھی برادران

نواب عبدالرحیم اور نواب عبدالکریم والدہ کی جانب سے بھی لودھی پٹھان تھے۔ انکی والدہ جونپور کے نواب جمال خان لودھی کی اولاد سے تھیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کو مدرسہ رحیمیہ دہلی میں تعلیم دلوائی۔ اسی دوران انہوں نے ایک روہیلہ یوسف

زئی سردار سے فنون حرب سیکھے ۔ پھر انہوں نے نواب جونپور کے لودھی خاندان میں شادی کر لی اور پھر نواب عبدالرحیم خان برہان پور کے نواب بنا دیئے گئے انہی دنوں پانی پت کی تیسری لڑائی 1761ء میں ہوئے ۔ ان لوھدی برداران نے احمد شاہ ابدالی کا شاتھ دیا۔ اور سرہند میں افغان بادشاہ سے ملاقات کی ۔ جنگ پانی پت میں ان لوگوں اپنے تین ہزار سپاہیوں کے ساھت شرکت کی اور اس کے نتیجے میں احمد شاہ ابدالی نے انکو موجودہ چارسدہ ، مردان اور صوابی میں جاگیریں دیں۔ لودھی برادران اب برہان پور اور دکن سے اٹھ کر یہاں آگئے اور یہیں پر آباد ہو گئے ۔ انکے ساتھ انکے سپاہی ملازمین اور دیگر رشتہ دار وغیرہ بھی آگئے اور یہیں پر آباد ہو گئے ۔ انہوں نے ہشت نگر میں لودھی اباد کے نام احمد شاہ ابدالی کے بعد نواب عبدالرحیم خان ہوتی میں اور نواب عبدالکریم خان توپی میں آباد ہو گئے ۔ (24)

نواب عبدالرحیم خان جہاں لودھی

نواب عبدالرحیم کو "نواب عبدالرحیم خان جہاں لودھی" بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے ہوتی اور گوجر گڑھی کے سنگم پر اپنی حویلی بنائی ۔ یہ وہی حویلی ہے جو آج فقیر بن کا قلعہ بھی کہلاتی ہے۔ اور دریائے کلپانی کے کنارے پر آباد ہے۔ اسکی تعمیر برہان پور اور دکن سے آنے والے انجینئر زنے ہے اور اسی لیئے یہ سکن کے لودھی آثار قدیمہ سے مشابہ ہے ۔ 1864ء تک یہ حویلی لودھیوں کے قبضے میں ہی رہی ۔ نواب عبدالرحیم لودھی کے علاقے کے افغان سرداروں خصوصا یوسف زئی بہت اچھے تعلقات تھے ۔ اسکے علاوہ غیر افغان مسلم وغیر مسلم اقوام میں بھی بہت عزت کی نگاہ سے

دیکھے جاتے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ علماء و فضلاء اور صوفیاء سے انکو بہت لگاؤ تھا۔ انکی مجالس میں ہر وقت مکتبہ فکر اور ہر مذہب کے لوگ آتے تھے۔ مہمان نوازی میں سب سے آگے تھے اور دن رات مہمان نوازی چلتی رہتی تھی۔ ملاقات پر کوئی پابندی نہیں تھی اور ہر کوئی کسی بھی وقت جا کر ان سے مل سکتا تھا۔ عبدالرحیم خان 1784ء میں ایک سو چھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (25)

نواب اشدعلی خان لودھی

نواب عبدالرحیم کی وفات کے بعد انکے بڑے بیٹے اشدعلی خان نواب بنے۔ عابد خان لودھی نے تحریر کیا ہے کہ ان کو سیاست سے دلچسپی نہ تھی اور ان پر تہذیبی اثرات زیادہ تھے۔ ان کو شکار کا بہت شوق تھا اور کئی کئی شادیاں کی تھیں مزاج میں بہت سختی تھی اور انہی وجوہات پر خاندان کے دیگر افراد سے تعلقات اچھے نہ تھے۔ انکی اولاد بھی تعلیم حاصل نہ کر سکی یوں ان کی اولاد میں اکثریت ان پڑھ رہ گئی۔ البتہ نواب اشدعلی خان میں مہمان نوازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہر وقت مہمانوں کا رش لگا رہتا تھا۔ سخاوت بھی ان کی صفات میں شامل تھی اور منہ مانگی خیرات کرتے تھے۔ (26)

انگریزوں کا قبضہ

سکھوں کو شکست دینے کے بعد 1849ء میں علاقہ یوسف زئی پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا اور مردان میں چھاؤنی قائم کی گئی۔ جسے جلد ہی تحصیل کا درجہ دے دیا گیا۔ ان دنوں پشاور ضلع تھا جہاں کا کمشنر سر جارج لارنس تھا۔ اس نے مردان

کا دورہ کیا اور تقریباً تمیں کے قریب سرداروں اور معززین سے ملاقات کی۔ انہیں نواب اشدعلی خان بھی شامل تھے۔ جارج لارنس نے انکی بہت مہمانداری کی مگر عوامی شکایات کی وجہ سے وہ جانتا تھا کہ نواب کو عوام کی حمایت حاصل نہیں ہے لہذا وہ نواب صاحب سے مطمئن نہیں تھا۔

کرنل واربرٹن اور نواب اشدعلی خان

البتہ ایک انگریز فوجی افسر کرنل واربرٹن کی نواب اشدعلی خان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ اکثر شکار کیلئے آتا تھا اس لیئے دونوں اکھٹے شکار کرتے دونوں میں بہت گہری دوستی ہوگئی۔ نواب اشدعلی اس کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ انہوں نے واربرٹن کو پشتوں زبان اور پشتوں موسیقی سکھائی۔ نواب اشد علی خلاف سارے لودھی انگریزوں کے خلاف تھے۔ (27)

1857ء کی جنگ آزادی:

جب 1857ء کی جنگ آزادی شروع ہوئی تو لودھیوں نے انگریزوں کی زبردست مخالفت کی۔ اور پشاور و مردان کی فوج میں جو ٹکڑیاں باغی ہوئیں ان کی لودھیوں نے پوری پوری حمایت کی۔ انگریز کم تھے لہذا بھاگ کر پشاور چلے گئے مگر جلد ہی انگیریزوں نے پر قبضہ کرلیا۔ اور لودھیوں اور انگریزوں میں تناؤ بڑھ گیا۔

(28)

لودھی اقتدار کا خاتمہ

1860ء میں جنگ آزادی کے اثرات ختم ہوگئے جس کے بعد لودھیوں

کے منظر سے ہٹانے کی جانب توجہ دی گئی۔ مقامی لوگ نواب اشد علی کے رویوں سے نادان تھے ۔انگریزوں نے ان کو استعمال کیا۔ لودھی نوابوں کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے ۔رفتہ رفتہ مقامی قبائل بھی انکے خلاف ہوتے چلے گئے ۔1862ء میں ان کے خلاف باقاعدہ تحریک شروع ہوگئی ۔جس کی قیادت ایک سکھ بابا کرسنگھ نے کی۔ اور صوابیدار میجر؟ ان آفریدی بھی بابا کرم سنگھ کے ساتھ مل گیا۔ باب کرم سنگھ گڑھی کپورہ مردان میں پیدا ہوا تھا۔اور 1846ء میں انگریز فوج میں بھرتی ہوا تھا مگر 1861ء میں اس نے استعفیٰ دیدیا۔ انگریزوں نے اسکو لودھی مخالف تحریک کا سربراہ بنا دیا۔ ہندو، مسلم اور سکھ سب بابا کرم سنگھ کی عزت کرنے لگے ۔1864ء میں جب تحریک عروج پر پہنچ گئی تو بابا کرم سنگھ نے مقامی لوگوں کو اکھٹا حویلی نواب صاحب کا محاصرہ کرلیا۔نواب صاحب نے بھرپور مزاحمت کی مگر حالات ہاتھ سے نکل چکے تھے لہذا ایک رات نواب اشد علی خان خاموشی سے رات کی تاریکی میں حویلی سے فرار ہوگئے اور بابا کرم سنگھ نے حویلی پر قبضہ کرلیا۔اس کے بعد ہوتی، گڑھی کپورہ وغیرہ میں نواب کی جائیدادوں کو مقامی لوگوں میں تقسیم کردیا گیا۔خود بابا کرم سنگھ نے اپنی حویلی میں سکونت اختیار کر لی ۔ بابا کرم سنگھ کی وفات کیبعد اس حویلی کو سکھوں کا گردوارہ بنا دیا گیا۔اور اب یہ لوگوں میں گردوارہ کرکے مشہور ہے۔

اس زوال کیبعد نواب اشد علی کی اولاد بغداوہ مردان میں آکر آباد ہوگئی۔(29)

ٹوپی کے لودھی

ٹوپی کے لودھیوں نے تعلیم اور مذہب کی جانب زیادہ توجہ دی۔ ان لوگوں

نے مقامی لوگوں خصوصاً صاحبزادگان میں رشتہ داریاں کی اور آہستہ آہستہ ان میں ضم ہو گئے۔ ان میں علم وادب اور مذہب کا شہرہ زیادہ رہا۔(30)

حواشی

(1) عمل صالح II

(2) ریناجوشی ص205

(3) ایضاً ص221

(4) ایضاً ص234

(5) ایضاً ص221

(6) The tribes and Castes of the Northern India by crooke, Vol: iv

(7) رام پور اسٹیٹ گزیٹیئرز

(8) خط کلب علی خان فائق (قلمی)

(9) یادِ عہدِ رفتہ ص19-20

(10) ایضاً ص22-34

(11) حیات لودھی جلد دوم ص164-179

(12) افاغنہ ہوشیار پور ص336

(13) ایضاً ص342

(14) ایضاً ص319-323

(15) ایضاً ص600

(16) ایضاً ص371

(17) ایضاً ص349-351

(18) ایضاً ص300

(19) ایضاً ص318

(20) افاغنہ جالندھر ص 49تا 59، 64تا 77، 193تا 196، 466تا 476.

(21) تاریخ لودھی از عابد حسن خان (قلمی)

(22) ایضاً

(23) ایضاً

(24) ایضاً

(25) ایضاً

(26) ایضاً

(27) ایضاً

(28) ایضاً

(29) ایضاً

(30) ایضاً

maablib.org

باب نمبر 38

شخصیات

اس باب میں ہم قوم لودھی کی اہم شخصیات پر روشنی ڈالیں گے بہت سی شخصیات کا ہم گذشتہ ابواب میں ذکر کر چکے ہیں مثلاً حمید لودھی، دولت خان لودھی، حاکم دہلی سلطان بہلول لودھی، سلطان سکندر لودھی، سلطان ابراہیم لودھی، دولت خان گورنر پنجاب، دلاور خان خانان یوسف خیل، دولت خان امیر خان خانان، خان جہان لودھی، نواب عبدالرحیم خان جہان لودھی وغیرہ ان سب کے حالات کی تفصیل گذشتہ ابواب میں گذر چکی ہے لہذا یہاں پر ان کا تذکرہ نہیں کیا جائے گا۔ انکے لئے وہیں پر رجوع کریں علاوہ ازیں ان شخصیات خصوصاً بادشاہان کے امراء کی تفصیل کے لیے الگ باب بنائے گئے ہیں مثلاً امراء کے معاشرتی حالات یا بادشاہوں سے امراء کے تعلقات۔ ان امراء کے حالات کے لیے بھی وہاں رجوع کیجئے۔ ذیل میں ہم صرف ان شخصیات کا ذکر کرینگے کہ جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں نہیں آیا ہے یا پھر کم آیا ہے۔

شیخ احمد لودھی

انکے حالات مخزن افغانی سے نقل کیے جاتے ہیں۔

"پابند شریعت اور بہت زیادہ عبادت گزار تھے کہتے ہیں کہ زبدۃ العارفین شیخ احمد نوحانی ایک دفعہ حاجی پور پٹنہ کے کسی مقام پر مقیم تھے کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ اس وقت کے سارے

اولیاء اللہ شیخ احمد لودھی کے پاس جمع ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ مالک الملک حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنا ملک جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کو بخش دیا ہے وہ بھی اس فیصلے اور حکم کو مان لیں ہر چند سارے اولیاء شیخ احمد لودھی کو سمجھا رہے ہیں کہ وہ یہ بات مان لیں۔ وہ اس بات کو مان نہیں رہے جب بہت سی بحث وتمحیص ہو چکی اور رات بھی ختم ہونے کو آئی تو تمام اولیاء نے کہا کہ فخر موجودات اور سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی ہو گئے ہیں لہذا آپ بھی اسے منظور فرمالیں یہ سن کر انھیں مجبوراً اس فیصلے کو ماننا پڑا۔ صبح اٹھ کر حضرت شیخ احمد نوہانی نے مریدوں اور احباب کو اپنا خواب سنایا اور مشورہ دیا کہ سب لوگ اپنے اہل وعیال کو جہاں کہیں کسی کا کوئی مخلص وعزیز رہتا ہو اس کے پاس بھیج دیں کیوں کہ آج رات خدا تعالیٰ نے افغان سلطنت کی بساط لپیٹ دی ہے اور ملک مغلوں کو بخش دیا گیا ہے اسی طرح حضرت شیخ احمد لودھی نے بھی اسی صبح کو اپنے مریدوں اور قبیلے والوں کو رات کے خواب کا حال سناتے ہوئے اپنے اہل وعیال کو اپنے آبائی وطن کی جانب روانہ کیا اس کے چند ہی روز بعد مغلیہ فوج چڑھ آئی اور اس نے پٹنہ کا علاقہ فتح کر لیا۔ (1)

شیخ علی سرور لودھی شاہو خیل

شیخ علی سرور لودھی شاہو خیل ان کے حالات بھی مخزن افغانی سے نقل کیے جاتے ہیں۔

لودھی خاندان کے بزرگوں میں سربرآوردہ اور اپنے وقت کے قطب تھے قصبہ کھلوڑا جو ملتان سے چالیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے ان کا جائے سکونت تھا اور سہروردی سلسلے میں بیعت تھے بہت عجیب وغریب کرامات کے مالک تھے بہت بڑے ریاضت کرنے والے اور عبادت گزار تھے ایسے مستجاب الدعوات کہ جو دعا کرتے وہ قبول ہو جاتی ان کی ایک ہی نظر توجہ سے فیض حاصل کر کے لوگ ولایت کے مرتبے کو پہنچ جاتے تھے اور اس علاقے کے سارے لوگ ان کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ان کی محفل میں کسی نے ذکر کیا کہ شیخ نجم الدین کبری جس کسی پر نظر لطف کرتے ہیں وہ ولایت کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے اس پر حضرت شیخ تبسم فرمانے لگے تھوڑی ہی دیر میں نواحی گاؤں سے ایک حجام وہاں پر آپہنچا اور آکر آئینہ شیخ کے دست مبارک میں دیا فرمانے لگے بیٹھو حجامت بناؤ تعمیل ارشاد میں وہ حجام حجامت بنانے لگا کام سے فارغ ہو کر جب اٹھا تو اس پر ایک عجیب حالت طاری تھی اور روحوں کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں کرتا تھا جن کا تعلق علم غیب سے ہوتا ہے شیخ نے اسے دستار خلافت پہنائی اور اجازت بخشی کہ لوگوں سے بیعت بھی لے۔ چنانچہ اس نے اپنا کام چھوڑ چھاڑ کر سلک وسلوک کی وادی میں قدم رکھا اور بہت سی مخلوق خدا کو اپنے

حلقۂ ارادت میں شامل کر کے انھیں خدا طلبی کی راہ پر گامزن کردیا اس طرح وہ ایک نظر توجہ سے ولایت کے عظیم مرتبے تک پہنچ گیا تھا بیت۔"

آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشۂ چشمی بما کنند (حافظ)

(وہ جو ایک نظر کرم سے خاک کو کیمیا بنادیتے ہیں اے کاش وہ ہم پر بھی کبھی رحم کی نگاہ ڈالیں؟)

"ان کی اور بھی بے شمار کرامات لوگوں میں مشہور ہی کہتے ہیں ان کے مرید کچھ لکڑیاں لائے تاکہ ان کے گھر کی حفاظت کے خیال سے ارد گرد رکھ دی جائیں گاؤں کے کچھ سردار جو آپ سے کد رکھتے تھے رات کو اٹھے اور ان میں سے کچھ لکڑیاں چرا کر چلتے بنے اور چاہتے تھے کہ کہیں چھپادیں اپنی منزل مقصود پر پہنچ کر انھوں نے لاکھ چاہا کہ لکڑیاں پھینک دیں لیکن کوشش کے باوجود وہ لکڑیاں اپنے سروں سے گرا نہ سکے بلکہ ان کے سروں سے چمٹی رہیں آخر پریشان ہو کر واپس لے آئے اور وہیں رکھ دیں جہاں سے اٹھائی تھیں اور اس طرح اس مصیبت سے رہائی پائی۔ روایات میں آتا ہے کہ انھوں نے پورے تیس سال کبھی آنکھ جھپک کر نہیں دیکھی اور دن رات عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے ایسی ایسی کرامت ان سے ظہور پذیر ہوتی

تھیں جو کسی نے نہ کبھی دیکھی نہ سنی ان کا خاندان آج بھی مرجع
خاص وعام ہے اور ان کی اولادیں مسند خلافت پر جلوہ افروز
ہیں۔" (2)

شیر علی خان لودھی

شیر علی خان لودھی شاہجہان بادشاہ و اورنگ زیب کے دور میں گزرے ۔انہوں نے علم عروض وموسیقی وشعر پر ایک نادر کتاب لکھی جس کا نام مراۃ الخیال ہے یہ بڑی نایاب کتاب ہے اور اپنے موضوع پر ایک اتھارٹی ہے یہ کتاب انہوں نے اپنے والد اور بھائی کی شہادت کے بعد لکھی۔شیر علی خان کے بھائی کا نام عبداللہ خان تھا جبکہ اس کے والد کا نام علی امجد خان (3) تھا۔شیر علی خان کے والد علی امجد خان 1084ھ/1673ء میں ایک جنگ میں مارے گئے ۔جبکہ اس کا بھائی عبداللہ خان 1087ھ/ 1691ء میں کابل کے پاس پہاڑوں میں دوران جنگ مارا گیا تھا۔مراۃ الخیال 1102ھ/1691ء میں مکمل ہوئی ۔اور 1313ھ میں بمبئی سے شائع ہوئی۔

حکیم ثناء اللہ خان فراق

لودھی پٹھان تھے نواب نجیب الدولہ کے عہد حکومت امارت دہلی میں زندہ تھے اور جوان تھے ہدایت اللہ خان ہدایت کے بھتیجے ہیں حکمت اور طباعت کا پیشہ اختیار کیا مگر شعر وشاعری سے بھی شوق تھا خواجہ میر اور ہدایت اللہ ہدایت کے شاگرد تھے

اسکے درج ذیل اشعار قدرت اللہ قاسم نے نقل کیے ہیں۔

کروں کیا وصف میں صیاد تیری خوش نگاہی کا ہر ایک دام نگہ میں جال ہے (بس) پشت ماہی کا

متاع دل فراق ارزاں ہے یوں بازار خوباں میں کہ جیسے مال بکتا ہو کسو مفلس سپاہی کا

قتل کا انکار گر تونے کیا تو کیا ہوا یہ ترا دست نگاریں ہم کو دست آویز تھا

ہمکو بتخانہ تمہیں کعبہ مبارک ہو شیخ ہم اودھر جائینگے اور آپ ادھر جایئے گا

گلزار کہاں کے یہ چمن زار کدھر کا دیکھوں ہوں تماشا میں گل زخم جگر کا

(ہر) ذرہ میں (جلوہ ہے تری) جلوہ گری کا ہر شیشے میں یہاں رنگ جھلکتا ہے پری کا

توسن ناز پہ یہانتک بت بے باک چڑھا گیند خورشید کی دی بر سر افلاک چڑھا

خرق افلاک پہ مت بحث ادھر دیکھ حکیم اوج گردوں پہ نہ تو طائر ادراک چڑھا

صاف عینک سے گذر جائے ہے جوں نور نظر بام افلاک پہ یوں صاحب لولاک چڑھا

فراق اپنا ارادہ قصر دل کے ہے بنانے کا محل کی فکر ہے ہم کو نہ غم دیوا(نخا)نے کا

دل غرق ہوا لخت جگر بہ گئے سارے ایک قافلہ اس اشک کے طوفان میں ڈوبا

اوس لعل کے ہونٹوں پہ پسینہ (جو) بہے ہے آیا ہے گہر شہر بدخشان میں ڈوبا

یہ شیشہ دل تجکو نہ دینا تھا ستمگر پھوٹے مرے طالع کی تری شان میں ڈوبا

داغ دل رکھتے ہیں گو ہووے نہ پر کا تکیا یعنی کافی ہے سپاہی کو سپر کا تکیا

زانوئے یار پہ سر یوہیں میرا رہنے دے ہم نشیں میں نہیں گر سر سے یہ سر کا تکیا

دل کے ٹکڑوں کا پر(یو)ش نہیں انبار لگا تیرے کوچے میں یہ ہے آئنہ بازار لگا

ہاتھ سے عشق کے میں سخت اذیت کش ہوں دل میں ہے تیر لگا پاؤں میں ہے خار لگا

نہ بیگار پھرا وہاں سے نہ کوئی آشنا آیا عدم کے جانیوالوں کو ولا درپیش کیا آیا

خونچکاں نخجیر کب تڑپھے ہے اس انداز سے پاس سے ٹک دیکھیو تو ظالم میرا دل ہووے گا

ہائے فرمائے میں تم سے یہ پوچھوں ہوں فراق — آپ اب آئے کہاں سے ہیں کیدھر جائیے گا

(4)

نصر اللہ خان وصال

یہ حکیم ثناء اللہ خان فراق کے بیٹے ہیں لودھی پٹھان ہیں نواب نجیب الدولہ جب دہلی کے گورنر تھے تب یہ جوان تھے قدرت اللہ قاسم نے انکے درج ذیل اشعار نقل کئے ہیں۔

آئینہ گھور نے کو سب سے نرالا نکلا — مونہہ تو دیکھو یہ بہڑ چاہنے والا

گرمی عشق (کا کیا) کیجئے بیاں تجھ سے وصال — (دل) جلا جسم جلا جیب میں چھالا نکلا

(5)

ہدایت اللہ خان ہدایت

اردو زبان کے ابتدائی مشہور شعراء میں سے ایک ہیں لودھی پٹھان تھے یہ نواب نجیب الدولہ کے عہد میں زندہ تھے۔ حکیم ثناء اللہ خان فراق کے حقیقی چچا تھے دہلی میں رہتے تھے قدرت اللہ قاسم کی کتاب سے انکے درج ذیل اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

ترے بھی عشق میں کیا کیا میں دلستاں دیکھا — جو کچھ خدانے دکھایا سو ہاں میاں رکھا

اے عالم امکاں کو شرف ذات سے تیری — اے تیرے سوا کون مکیں کون دمکاں کا

بیدار اپنے خواب عدم سے کیا مجھے — یارب برا ہو ہستی خانہ خراب کا

جسے کہ زلف سیہ نے تری ڈسا ہوگا — غرض وہ مرہی گیا ہوگا کیسا جیا ہوگا

بھلا بتاؤ مری جان کچھ ہدائت نے　　تمہارے جور سے شکوہ کبھو کیسا ہوگا
مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو　　کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا
گر عشق کی آتش ہے تو گلزار کے مانند　　گھر اپنا جلا دیکھ مری جان تماشا
اپنا تو ایک دل تھا سو بیگانہ ہوگیا　　کیونکر (کسی کے ہوتے) ہیں دو چار آشنا
کیا ہے خون جو مستوں نے آبگینے کا　　ہوا ہے بزم میں کیا خوب کام مینے کا
نہ پیو(ے) خضر پلاوے اگر جو آبحیات　　مزا پڑا ہو جسے خون دل کے پینے کا
بتاں سے فائدہ اے یار دل لگانے کا　　خدا سے کوئی کسو کو نہیں ملانے کا
کجی کو چھوڑ سر زلف راست کہہ مجھے　　یہ کچھ سبب بھی بھلا پیچ وتاب کھانے کا
مرید ہوں میں تری چشم کے گھرانے کا　　یہ مجکو عہد ہے ابتک مرے گھر آنے کا
وصال دل کو ہدائت فراق آنکھوں کو　　نہیں شریک کسو کے کوئی نصیبوں کا
یہ تیر عشق دل کے تو اب پار ہو چکا　　ہوتا جو کچھ کے تھا سو مرے یار ہو چکا
(لو) اونا ز سب کر(تے) ہیں خوبان جہاں لیکن　　میاں یہ بھی کوئی ڈھب ہے کسو کے جی جلانے کا
کیا حسن سے اپنے آگاہ اوسکو　　الٰہی ہو خانہ خراب آرسی کا
ابرو وچشم بتاں کو بھی ہدائت عشق ہے　　جس جگہ مسجد (بنی) ساتھ اوسکے میخانہ بنا
بزار ہو تو مری جان عاقبت دل ہے　　یہ آئینہ نہ ہو کوئی بلا سے ٹوٹ گیا
آتش سے داغ دل کے سراپا تو جل گیا　　گلنار پھولے کیا کہ بدن سارا پھل گیا
اللہ رے انکھڑیاں کہ جنہیں دیکھ بزم میں　　شیشے کا پانو مستی سے اکثر نکل گیا
ایسا ہی جو دل خفا کرے گا　　جی لے گا اور کیا کرے گا

ڈاکٹر عبادت بریلوی

عبادت یار خان ابن حکایت یار خان ابن اللہ یار خان ابن غلام مصطفٰی یار خان از نسل جہان خان قوم لودھی پٹھان (7) عبادت بریلوی 14 اگست 1920 کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بریلو اور لکھنو میں حاصل کی، گورنمنٹ جوبلی کالج لکھنو سے میٹرک اور انٹر کیا۔ لکھنو یونیورسٹی سے بی اے کیا یہیں سے 1941 میں بی اے آنرز 1942 میں ایم اے اور 1947ء میں پی ایچ ڈی کیا۔ 1942ء میں یو پی سیکرٹریٹ میں ملازمت کر لی۔ 1944 میں اینگلو عربک کالج دہلی میں لیکچرار اردو مقرر ہوئے۔ 1949ء میں اورینٹل کالج لاہور سے پیشکش آئی اور 1950 میں پاکستان آ کر لیکچرار اردو اورینٹل کالج لاہور مقرر ہو گئے۔ 1960ء میں یہاں پر ریڈر ہو گئے اور 1980ء میں بطور پرنسپل اورینٹل کالج ریٹائر ہوئے۔ عبادت یار خان بریلوی نے اورینٹل کالج لاہور میں 30 سال ملازمت کی اس دوران لندن بھی گئے مختلف یورپی لائبریریوں سے استفادہ کیا بہت سے مخطوطے مرتب کر کے شائع کروائے۔ اردو ادب اور خصوصاً تنقیدی ادب کیلئے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اگر ڈاکٹر عبادت بریلوی اورینٹل کالج لاہور میں صاحب اختیار نہیں ہوتے تو شاید اقبالیات کے علاوہ یہاں سے کچھ اور شائع ہی نہیں ہوتا۔ پاکستان میں یو پی کے اردو ادب کو زندہ رکھنے اور شائع کرنے کا کام دو ہی اشخاص نے کیا ہے اول کلب علی خان فائق اور دوم ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ ڈاکٹر روبینہ شائستہ نے انکے کیے ہوئے کاموں کی ایک فہرست دی ہے جو یہاں پر بیان کی جاتی ہے۔

محترم شائستہ لکھتی ہیں کہ ڈاکٹر عبادت بریلوی کی ادبی زندگی کی ابتداء اسی وقت ہو چکی تھی جب وہ لکھنو یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے ابتداء میں شاعری کا شوق پیدا ہوا مختلف موضوعات پر نظمیں کہیں سخن گوئی کا یہ شوق 1938ء سے 1944ء یا 1945ء تک کے زمانے پر محیط ہے۔ جس میں عبادت ہی تخلص کرتے تھے (7-A) ان کی ذاتی لائبریری میں ان کا مرتب کردہ ایک مسودہ موجود ہے جسے انہوں نے 1938ء میں مرتب کرنا شروع کیا اس میں ان کی دو نظمیں موجود ہیں۔ منزل نامی نظم پر ۲۱ فروری ۱۹۴۳ء کی تاریخ رقم ہے دیگر نظمیں انتظار سر راہے بہار کی شام (ترجمہ) اور صبح کی دیوی اور نوجوان (ترجمہ) سد راہ زندانی گردش کروٹ پانچ نظمیں پانچ افسانے اعتراف پژمردگی انقلاب ترقی پسند ادب اور بازگشت ہیں۔ (8) ۱۹۴۲ء میں ایم اے اردو کرنے کے بعد عبادت بریلوی لکھنو یونیورسٹی ہی سے پی ایچ ڈی کی اور ان کا موضوع اردو تنقید کا ارتقا تھا۔ روبینہ شائستہ کے نزدیک تنقید سے تحقیق کی طرف رجوع ان کی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے تحقیق کرنے والا اپنی تحقیق کو تنقیدی نظر ہی سے پرکھتا ہے مومن اور مطالعہ مومن ان کی تحقیقی وتنقیدی تصنیف تھی لیکن تحقیق کا اصل کام انہوں نے لندن میں کیا۔ ۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر عبادت بریلوی اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز یونیورسٹی آف لندن میں اردو کے استاد مقرر ہو گئے اور تقریباً ۲۲ نادر قلمی نسخوں کو تحقیق کے بعد مرتب کیا۔ ان کا ایک کارنامہ غالب کے جشن صد سالہ کا انعقاد ہے جو ۱۹۷۰ء میں منایا گیا اس وقت عبادت صاحب اورینٹل کالج کے پرنسپل تھے اورینٹل کالج کے جشن صد سالہ کا انعقاد مارچ ۱۹۷۳ء میں ہوا۔ ۱۹۷۷ء میں علامہ اقبال کا جشن صد سالہ قومی سطح پر منایا گیا

ڈاکٹر عبادت بریلوی علامہ اقبال نیشنل کمیٹی کے ممبر تھے۔ڈاکٹر عبادت بریلوی کی ایک کتاب اقبال کی اردو نثر اقبال اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوئی اور اقبال احوال وافکار مکتبہ عالیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔(9) محترم ڈاکٹر روبینہ شائستہ نے تحریر کیا ہے کہ:

"ڈاکٹر عبادت بریلوی نے شعبہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند کے اعزازی ڈائریکٹر کے طور پر بھی کام کیا اور تاریخ ادبیات کی شائع شدہ انیس (۱۹) جلدوں کا اشاریہ مرتب کیا ایک جلد مقدمے کی اور پانچ جلدیں اشاریے کی شائع کیں اس شعبے کے بند ہو جانے کے بعد ادارہ ادب وتنقید کے نام سے عبادت صاحب نے ذاتی ریسرچ پراجیکٹ کو جاری رکھا جسے وفاقی حکومت سے گرانٹ ملتی رہی اور اس ادارے کے ذریعے انہوں نے اپنی بیشتر تنقیدی وتحقیقی کتابیں شائع کیں۔"

(10) ڈاکٹر عبادت بریلوی کی کل کتابیں ۸۳ ہیں۔

1 ۔اردو تنقید کا ارتقاء۔2 ۔تنقیدی زاویے۔3 ۔خطبات عبدالحق (مرتبہ)۔4 ۔روایت کی اہمیت۔5 ۔غزل اور مطالعہ غزل۔ 6 ۔کلیات مومن (مرتبہ)۔7 ۔کلیات میر (مرتبہ)۔8 ۔تنقیدی تجربے۔9 ۔انجمن گل۔10 ۔آزادی اور تہذیب (مولفہ) جان ڈیوی (ترجمہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔11 ۔جدید شاعری۔12 ۔مومن اور مطالعہ مومن۔ 13 ۔دیانت داری کیا ہے (مولفہ) تھیڈلیس۔بی کلارک (مترجمہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی و بیگم فہمیدہ عبادت۔ 14 ۔دیوان

والا (مولفہ) مظہر علی خان والا۔(مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ 15
۔شکنتلا (مولفہ) مرزا کاظم علی جوان (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ 16۔مختصر
کہانیاں (مولفہ) سید حیدر بخش حیدری دہلوی مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی۔17
۔مقدمات عبدالحق (مولفہ)۔ 18 ہفت گلشن (مولفہ) مظہر علی خان
والا۔(مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ 19 ۔شاعری اور شاعری کی تنقید۔ 20
۔رسالہ کائنات (مولفہ) خلیل علی خاں اشک (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔21
۔مادھونل اور کام کندلا (مولفہ) مظہر علی خان والا (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔22
۔دیوان حیدری (مرتبہ)۔ 23 ۔گلزار چین (مولفہ) خلیل علی خاں
اشک (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔24 ۔ارض پاک سے دیار فرنگ تک۔25
۔دیوان جبلا (مرتبہ)۔26 ۔چار گلشن (مولفہ) بنی نارائن جہاں (مرتبہ) ڈاکٹر
عبادت بریلوی۔ 27 ۔تذکرہ حیدری گلشن ہند (مولفہ) حیدر بخش
حیدری (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ 28 ۔غالب کا فن۔ 29 ۔ممتاز
الامثال (مولفہ) نواب فیض علی خان ممتاز (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔30
۔غالب اور مطالعہ غالب۔31 ۔نقلیات ہندی (جلد اول و دوم)۔32 ۔شکوہ فرنگ
(مولفہ) آغا محمد شرف (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ 33 ۔انتخاب خطوط
غالب (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی و مشرف انصاری ایم اے۔34 ۔جشن صد سالہ
پنجاب یونیورسٹی اور ینٹل کالج لاہور (رپورتاژ)۔35 ۔جشن نامہ یونیورسٹی اورینٹل
کالج۔36 ۔مراثی جرات (مرتبہ)۔37 ۔مرقع مخلص (مولفہ) رائے آنندرام مخلص
(مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔38 ۔گلزار دانش (دفتر اول و دوم) (مولفہ) حیدر

بخش حیدری (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ 39۔خطوط عبدالحق (ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے نام) (مرتبہ)۔40۔اقبال احوال وافکار۔ 41۔اقبال کی اردو نثر۔42۔اورینٹل کالج میگزین (اردو) اقبال نمبر (مرتبہ)۔43۔اورینٹل کالج میگزین (انگریزی) اقبال نمبر (مرتبہ)۔ 44۔جشن نامہ اقبال (اردو) (مرتبہ)۔45۔جشن نامہ اقبال (انگریزی) (مرتبہ)۔

Poems of Dr. John Gilcarist: Edited by Dr. ۔46 Ebadat Brelvi.

47۔جشن اقبال نئی دہلی ۔رپورتاژ۔ 48۔سحر البیان (ایک تنقید مطالعہ)۔ 49۔آوارگان عشق۔50۔افسانہ عشق یعنی قصہ نل دمن۔ 51۔پاکستان کے تہذیبی مسائل۔52۔رہ نوردان شوق۔53۔نالہ درد (مولفہ) خواجہ میر درد (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ 54۔نکات الشعراء (مولفہ) میر تقی میر (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ 55۔میر تقی میر۔ 56۔دیوان فارسی (مولفہ) میر درد (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔57۔ولی اورنگ آبادی۔58۔سیاحت نامہ (مولفہ) نواب کریم خان (مرتبہ) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔59۔ادب اور ادبی قدریں۔60۔حضرت خواجہ میر درد دہلوی۔61۔تنقید اور اصول تنقید۔62۔خطوط عبدالحق بنام ڈاکٹر عبادت بریلوی۔63۔جلوہ ہائے صد رنگ۔64۔جہان میر۔65۔افسانہ اور افسانے کی تنقید۔66۔ترکی میں دو سال۔ 67۔دیار حبیبؐ میں چند روز۔68۔آزادی کے سائے میں۔69۔یاد عہد رفتہ۔70۔یاران دیرینہ۔71۔شاعری کیا ہے؟۔ 72۔بلا کشان محبت۔ 73۔فیض احمد فیض۔جدید اردو

شاعری (مرتبہ)۔ 74۔ آہوان صحرا۔ 75۔ غزالان رعنا۔ 76۔ شجرہائے سایہ دار۔ 77۔ لندن کی ڈائری (جلد اول)۔ 78۔ خطوط پروفیسر سید احتشام حسین۔ 79۔ خطوط محمد حسن عسکری۔ 80۔ لندن کی ڈائری (جلد دوم)۔ 81۔ خطوط احمد ندیم قاسمی۔ 82۔ ڈاکٹر عبا ، بریلوی کے تنقیدی و تحقیقی مقدمات (دو جلدیں)۔ 83۔ مولانا حسرت موہانی۔ 84۔ آغا حسن عابدی۔

کلب علی خان فائق

کلب علی خان فائق رام پور کے ساکن تھے اور لودھی پٹھان تھے۔ انکے والد امیر علی خان خلف نیاز علی خان ضبط تھے اور والدہ اکبری بیگم بنت حافظ غلام نبی خان تھیں۔ غلام نبی خان نواب محمد افضل خان کے پوتے تھے اور یہ نواب محمد افضل خان نواب نجیب الدولہ کے چچازاد بھائی تھے۔ کلب علی فائق نے مدرسہ عالیہ رام پور میں تعلیم حاصل کی۔ 1933 میں عدالت عالیہ رام پورمیں بطور اہلمد اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ خاندان میں شروع سے علم وادب کا چرچہ تھا لہذا فائق بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ رضا لائبریری رام پور اور صولت پبلک لائبریری سے مخطوطات کے اقتباسات نقل کرنے سے تحقیقی زندگی کا آغاز کیا 1954ء میں پاکستان آ گئے پہلے گوجرانوالہ کے ایک اسکول میں ٹیچر رہے۔ پھر مجلس ترقی ادب لاہور میں صحیفہ کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے 1961ء سے 1984 تک وہاں کام کرتے رہے اور تمام اہم شعراء کے کلیات اور دیوان مرتب کر کے شائع کیے۔ 1988ء میں لاہور میں انتقال کیا مشرقی علوم کے حوالے سے ہندوستان میں جو مقام امتیاز علی خان عرشی کو حاصل تھا

وہی مقام پاکستان میں کلب علی فائق کو حاصل تھا۔ پاکستان میں یوپی وغیرہ کے اردو ادب کو زندہ رکھنے اور انکو شائع کروانے کا سہرا جن دو حضرات کو جاتا ہے وہ عبادت بریلوی اور کلب علی فائق ہیں یہ دونوں روہیکھنڈ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اتفاق سے دونوں ہی لودھی پٹھان تھے کلب علی فائق کی علمی خدمات کی ایک فہرست ذیل میں دی جاتی ہے۔

(1) کلیات مومن مقدمہ از ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب۔

(2) آرائش محفل۔ از میر شیر علی افسوس (سوانحی مقدمہ از ڈاکٹر سید قریشی صاحب۔

(3) کلیات نظام۔ از سید نظام شاہ رامپوری شاگرد شیخ علی بخش بیمار (ف ۱۲۷۱ھ)۔

(4) کلیات شیفتہ۔ از نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ ف ۱۲۸۶ھ شاگرد مومن وغالب۔

(5) کلات تسیم۔ از نواب اصغر علی خاں تسیم دہلوی ف ۱۲۸۲ھ شاگرد مومن۔

(6) کلیات سالک از مرزا قربان علی بیگ دہلوی شاگرد مومن وغالب ف ۱۲۹۷ھ۔

(7) کلیات قلق۔ از غلام مولیٰ عرف مولا بخش قلق میرٹھی۔ شاگرد مومن ف ۱۲۶۷ھ۔

(8) تذکرہ گلشن بیخار از نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ شاگرد مومن ف ۱۲۶۷ھ۔

(9) کلیات میر جلد اول۔ دیوان اول مع ترجمہ مقدمہ ف ۱۲۲۵ھ شعبان۔

(10) تاریخ لاہور از کنہیا لال ہندی انجینئر لاہور ف ۱۸۸۵ء۔

(11) کلیات میر جلد دوم ادیوان دوم، سوم، چہارم طبع ہو گئے۔

(12) تاریخ پنجاب۔از کنہیا لال ہندی انجینئر لاہور ف ۱۸۸۵ء۔

(13) سخن شعرا۔از عبدالغفور شاخ شاگرد۔

(14) حدائق الحسنیفہ۔از فقیر محمد جہلمی۔

تصانیف غیر مطبوعہ

(1) قائم: حیات اور شاعری۔ڈھائی سو صفحات۔

(2) حیات شیفتہ ایضاً۔

(3) پاکستان کی تشکیل میں اردو کا حصہ۔تقریباً ڈیڑھ سو صفحات۔

(4) مشاعرہ کی مجمل تاریخ۔تقریباً ڈھائی سو صفحات۔

مضامین مطبوعہ

(1) تاریخ ولادت سے ورود رامپور تک رسالہ نگار لکھنو داغ نمبر جنوری فروری ۱۹۵۲ء۔

(2) رامپور کا ادبی مرکز ایضاً اپریل ۵۳ء۔

(3) یادرفتگاں ایضاً جون ۵۳ء۔

(4) دیوان شیفتہ (مرتبہ مولانا صلاح الدین پر تبصرہ رسالہ نئی تحریریں لاہور دسمبر ۵۶ء۔

(5) دلی کا دبستان شاعری پر ایک ریویو (مولفہ نورالحسن ہاشمی) اورینٹل کالج

میگزین لاہور۔ اگست ۵۷ء۔

(6) اردو کے طرحی رسالے۔ ایضاً نومبر ۱۹۵۷ء۔

(7) آبرو (شاہ نجم الدین ف ازمبارک آبرو) دو قسطوں میں ایضاً ص ۹ تا ۲۶۔ ۳۷ تا ۵۴۔

(8) انجام۔ (عمدۃ الملک نواب امیر خاں انجام) ایضاً ص ۱ تا ۴۳۔

(9) شور (سید محمد میر دہلوی) ایضاً ص ۱۷ تا ۱۰۷۔

(10) حیات مومن (حکیم محمد مومن خاں دہلوی) ایضاً ص ۱ تا ۹۴۔

(11) میر ادبی معرکے میں رسالہ سہ ماہی صحیفہ لاہور ستمبر ۵۷ء۔

(12) تاریخ کی صحیح عمر رسالہ سہ ماہی صحیفہ لاہور مارچ ۵۸ء۔

(13) میر ایک نقاد رسالہ سہ ماہی صحیفہ لاہور دسمبر ۵۸ء۔

(14) جرات اور اس کی شاعری (دو قسطوں میں) رسالہ سہ ماہی صحیفہ لاہور جنوری / اپریل ۶۲ء۔

(15) سید عبدالحیٔ تاباں (ف ۱۱۶۴ھ) رسالہ سہ ماہی صحیفہ لاہور اکتوبر ۶۲ء۔

(16) ممنون / حیات اور شاعری (سید نظام الدین ممنون دہلوی) رسالہ سہ ماہی صحیفہ جولائی ۶۳ء۔

(17) حیات خواجہ حسن (خواجہ حسن مودودی دہلوی الاصل) رسالہ سہ ماہی صحیفہ لاہور جنوری، اپریل، جولائی، اکتوبر ۱۹۱۸ء۔

(18) حیات سودا (مرزا محمد رفیع سودا دہلوی ف ۱۱۹۵ھ) چار قسطوں میں رسالہ سہ ماہی صحیفہ جنوری، اپریل، جولائی، اکتوبر ۱۹۱۸ء۔

(19) سودا کے سفر (قسط اول ماہ نو کراچی میں بھی بقیہ حصہ نہ چھپا پا واپس کی) رسالہ ماہ نو کراچی دسمبر ۵۵ء۔

(20) کچھ تلامذہ امروہوی۔

(21) سعادت امروہوی رسالہ اقبال سہ ماہی لاہور ص ۵۳ تا ۶۷۔

(22) نواب یوسف علی خان ناظم اور شاگردی مومن رسالہ تحریک دہلی مئی ۱۹۷۰ء ص ۱۹ تا ۲۳۔

(23) تبصرہ بر کتاب مرزا محمد رفیع سودا۔ تالیف خلیق انجم طبوعیہ رسالہ صحیفہ ص ۱۱۶،۱۵۵۔

(24) تبصرہ بر مطبوعات مجلس یادگار غالب پنجاب یونیورسٹی ایضا۔

اس کے علاوہ کئی تحقیقی تنقیدی مضامین بھی شائع ہوئے۔

اظہر عنایتی

اظہر عنایتی لودھی پٹھان ہیں رام پور کے ساکن ہیں ۔ اظہر عنایتی شعبہ وکالت سے وابستہ ہیں مگر انکی اصل شہرت انکی شاعری سے ہے۔ انکے شعر حقیقت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں انکی شاعری کا موضوع انسان ہے۔ جس میں وہ نوع انسانی کے اختیارات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ آپ 1946ء میں رام پور میں پیدا ہوئے ۔ نیاز علی خان ضبط کے پر پوتے ہیں۔ کم عمری سے ہی شاعری کر رہے ہیں۔ محشر عنایتی کے شاگرد ہیں جدید رنگ شاعری کی ترجمانی کرتے ہیں خود کلامی اور اپنی تصویر نامی دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اظہر کو اپنی شاعری کی وجہ سے عالمی شہرت حاصل ہے

امریکہ، برطانیہ،اور خلیجی ریاستوں میں مختلف عالمی مشاعروں میں ہندوستان کی نمائندگی کرتے رہے ہیں۔انکے بارے میں پاکستان اور ہندوستان کے دانشوروں شعراء،ادباء اور مصنفین کی قیمتی آراءیں ایک کتاب کی شکل میں شائع ہوچکی ہیں جس کا نام اظہر عنایتی ایک سخنور ہے۔

شیداعلی خان

رام پور کے ساکن تھے اور لودھی پٹھان تھے کلب علی خان فائق اسی خاندان سے تھے۔شیدا علی خان وکیل 1891ء میں رام پور میونسپلٹی کے عوامی / منتخب شدہ نمائندوں میں سے تھے شعبہ وکالت سے وابستہ تھے(11)۔

محمد علی خان حسرت وبسل

نیازعلی خان ضبط کے لڑکے محمد علی خان حسرت 1272ھ میں پیدا ہوئے جوانی میں ہی شعر کہنا شروع کردیا تھا انتخاب یادگار میں ان کا یہ کلام درج ہے۔

اس لیئے آہ شرربار کو کرتا ہوں میں ضبط
خوف یہ ہے نہ دھواں یار کے گھر تک پہونچے

(12)

جب داغ کی شاگردی اختیار کی تو تخلص بدل کر بسل رکھ لیا۔(خط کلب علی فائق)1927ء میں فوت ہوئے۔(13)

سعیداللہ خان عیش

رام پور کے ساکن تھے لودھی پٹھان تھے انعام اللہ خان کے بیٹے تھے اور نیاز

علی خان ضبط کے خاندان سے تھے منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی کے شاگرد تھے اور غزلیں کہتے تھے (خط کلب علی فائق) 1920ء میں فوت ہوئے۔ (14)

عزیز اللہ خان عزیز

انعام اللہ خان کے بیٹے اور سعید اللہ خان عیش کے بھائی تھے۔ شاعری سے شغف تھا رام پور کے ساکن تھے 1926ء یا 1927ء میں عزیز نے رام پور میں طرحی مشاعرہ منعقد کروایا تھا اسمیں محشر لکھنوی بھی شریک تھے ان کا ایک شعر ہے۔

طالب کلیم طور معافی ہے اے عزیز
اس کا کلام وہ ہے کہ دیکھا کرے کوئی (15)

1931ء میں فوت ہوئے۔

منشی حافظ مظہر علی خان شمس

نیاز علی خان ضبط کے خاندان سے تھے لودھی پٹھان تھے شاعری سے شغف تھا اور سید عابد حسین اوج خلف سید احمد علی رسا رام پوری کے شاگرد تھے طرحی گلدستوں میں غزلیں بھیجتے تھے۔ (16)

احمد علی خان ضابط

سلطان ابراہیم لودھی کے خاندان سے تھے نیاز علی خان ضبط کے بیٹے تھے۔ 1282ء میں رام پور میں پیدا ہوئے پندرہ برس کے عمر میں شعر کہنے میں مہارت حاصل کر لی تھی امیر مینائی نے ان کا ذکر کیا ہے ایک شعر ان کا نقل کیا جاتا ہے۔

تشنۂ دیدار ہوں جی بھر کے دیکھوں گا تجھے
شکر ہی قاتل روانی آب خنجر میں نہیں (17)

نیاز علی خان ضبط

نیاز علی خان ابن کریم اللہ خان رام پور کے ساکن تھے اور نواب محمد سعید خان ونواب کلب علی خان رام پوری کے ہم عصر تھے۔ شاعر تھے اور ریاست رام پور میں ملازم بھی تھے مولوی عبدالقادر خان غمگین سے اصلاح لیتے تھے ان کا نمونہ کلام امیر مینائی نے انتخاب یادگار میں دیا ہے (18)۔ 1297ء میں 55 سال کی عمر تھی ایک شعر یہاں نقل کرتا ہوں۔

کیا میں دیوانہ تھا جو لیتا بلائیں چاند کی
اے قمر طلعت تیری صورت کا دھوکا ہو گیا

1894ء میں فوت ہوئے (19)۔

ماسٹر نور النبی خان

نور النبی خان ولد احمد نبی خان مراد آباد محلہ مقبرہ کے ساکن تھے 1919ء میں پیدا ہوئے اور ہویٹ مسلم کالج مراد آباد سے تعلیم حاصل کی اور تدریس کے پیشے سے وابستہ ہوئے۔ زیارت غوث پاک مقبرہ کے پاس ان کا گھر تھا اور وہیں پر پڑھایا کرتے تھے۔ قبل ازیں کچھ عرصہ مختلف اسکولوں میں بھی پڑھایا تھا مراد آباد میں ان سے اچھا انگریزی دان و انگریزی خوان کوئی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ 24 دسمبر 1990ء بمطابق 5/6 جمادی الثانی (اتوار پیر کے درمیان شب کی) کو مراد آباد میں ہی وفات

پائی اور اپنے گھر کے پچھواڑے قبرستان میں اپنے والدین کے پاس سپرد خاک ہوئے۔ کچی قبر آج بھی موجود ہے انہوں نے 3 شادیاں کیں جو ناکام رہیں۔ تیسری شادی سے ایک لڑکی شگفتہ تولد ہوئی یہ لڑکی بڑی ہو کر بعد از زچگی اپنے بیٹے کے ساتھ ہی فوت ہوگئی۔ نورالنبی خان لٹھ بہت خوب چلایا کرتے تھے یہ اور انکے دیگر دو چھوٹے بھائی مشتاق نبی وارشاد نبی خان مراد آباد کے لٹھ بازوں میں مشہور تھے۔ یہ لوگ تیراکی کے بھی بہت ماہر تھے۔ سابق صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کی بیٹی کے معالج ڈاکٹر مظہر کا تعلق بھی مراد آباد سے تھا اور وہ ماسٹر نورالنبی کے شاگرد رہے تھے۔ نورالنبی خان کی والدہ شہر بانو بیگم تھیں اور انکے نانا کا نام عبدالرحمٰن شاہ خلف محمد نور خان تھا جو حضرت عبدالرحیم شاہ مراد آبادیؒ کے برادر حقیقی تھے راقم الحروف (سعود الحسن خان روہیلہ) کے دادا احمد حسن خان نورالنبی خان کے حقیقی ماموں تھے جب نورالنبی خان 1963ء میں پاکستان آئے تو لاہور میں اپنے ماموں جان کے ہاں ہی قیام کیا۔

میجر خورشید احمد خان لودی

آپ ڈی اے وی کالج جالندھر کی فٹ بال ٹیم کے کپتان تھے۔ بعد ازاں پھر جالندھر ڈسٹرکٹ خالصہ کالج امرتسر اور پنجاب یونیورسٹی ٹیم کے کپتان رہے۔ ہندوستان کے بین الصوبائی مقابلوں میں شہرت حاصل کی۔ اور مدارس اولمپک میں ۲۲۰ گز دوڑ کا ریکارڈ رکھا ملٹری ملازمت کے دوران اپنے کھیل کی بدولت بہت مقبول تھے۔ (20)

محمد ارشد خان لودی

آپ چشتیہ چشتیہ ہائی اسکول کے کپتان گورنمنٹ کالج کے کلر ہولڈر یونیورسٹی کے تین سال بلیو ممبر رہے تین سال لاہور ڈویژن ٹیم کے کپتان رہے جبکہ پانچ سال رینجرز فٹ بال کلب کی کپتانی کے فرائض انجام دیتے رہے۔(21)

عبدالرشید خان لودی

ریلوے میں ملازمت تھے اور ریلوے فٹ بال ٹیم کے کپتان کی حیثیت سے دو سال مسلسل کپ جیتے۔(22)

ستارہ جرات فرخ شہید لودھی

۸ دسمبر ۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئے قرآن پاک اور دینیات کی ابتدائی تعلیم والدین سے حاصل کی۔ آٹھویں جماعت سے لے کر بی ایس سی آنرز تک سکالرشپ حاصل کی۔ فوجی ملازمت میں ۱۳ نومبر ۱۹۷۱ء میں کمشن حاصل کیا۔ ۵۱ پنجاب رجمنٹ کے انچارج کی حیثیت سے کشمیر میں پونچھ کے محاذ پر جو ہر دکھائے۔ اور پہاڑی کا ناقابل تسخیر مورچہ آپ کی بے مثال قربانی سے فتح ہوا۔ آپ نے اس مورچے کو فتح کرنے کے لئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔(23)

صاحبزادہ عبدالقیوم خان

صاحبزادہ عبدالقیوم کا تعلق لودھی قوم سے ہے اور وہ خان جہان لودھی کی اولاد ہیں۔ آپ 1863ء میں پیدا ہوئے انکے والد عبدالروف خان تھے جو فقہ اصول حدیث اور تفسیر میں بہت بڑے عالم تھے اور سیر امیر کوٹہ ملا کے داماد تھے اسی رشتہ داری

کی وجہ سے لوگ انکو وہابی سمجھتے تھے اور اسی جرم میں انکو شہید کر دیا گیا۔نواب صاحبزادہ عبدالقیوم خان اسوقت 4 یا 7 سال کے تھے انہوں نے ابتدائی تعلیم مشن ہائی اسکول پشاور سے حاصل کی اسکے بعد نائب تحصیداری کے عہدہ پر ملازم ہوئے آخر کار ترقی کرتے کرتے پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوگئے اور پھر سلسلہ ملازمت ترک کر دیا۔شعبہ تعلیم سے انہیں بہت دلچسپی تھی حاجی صاحب ترنگ زئی کے ہاتھوں انہوں نے اسلامیہ کالج پشاور کی بنیاد رکھوائی۔ صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے صوبہ سرحد جیسے علاقے میں جدید علوم کو متعارف کروایا اور لوگوں میں جدید تعلیم کا شعور پیدا کیا نواب صاحب کو انگریزی پشتو فارسی اور اردو پر قدرت کاملہ حاصل تھی آپ نے 1893ء میں ڈیورنڈ کمیشن میں بھی خدمات سرانجام دیں 1898ء میں انکو خان بہادر کا خطاب ملا 1901ء میں آپ نے قاضی عبدالغنی کے ساتھ پشتو گرائمر مرتب کی جو انگریز افسران کے لیے پشتو سیکھنے کی غرض سے تیار کی گئی 1913ء میں اسلامیہ کالج پشاور کی بنیاد رکھی گئی اور اسی سال کالج نے کام شروع کر دیا 1922 میں آپ ہندوستان کی مرکزی مجلس قانون ساز کے ممبر بنے اور 1931ء میں صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے 1936ء میں دوبارہ صوبے کے وزیر اعلیٰ بنے نواب صاحب نے مختلف قبائلی مزاحمتوں میں انگریزی فوج کے ملازم کی حیثیت سے شرکت کی اور قبائلی مزاحمتوں کے خلاف کاروائی میں حصہ لیا آپ کی تعلیمی خدمات کے حوالے سے اللہ بخش یوسفی نے تحریر کیا ہے کہ۔

”تعلیمی معاملات میں ان کی دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں اس میدان میں کارگذاریوں کی وجہ سے سرسید سرحد

پکارا گیا۔ پشاور دارالعلوم (اسلامیہ کالج پشاور) جس کا سنگ بنیاد مشہور مجاہد حاجی صاحب ترنگ زئی کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا تھا آپ ہی کی ہمت و محنت اور استقلال کا نتیجہ ہے تعلیمی معاملات میں دلچسپی لے کر آپ نے صوبہ سرحد کے پسماندہ علاقہ کو نہ صرف صوبجات ہند کے برابر لا کھڑا کیا بلکہ کئی حیثیتوں سے وہ بعض دوسرے صوبوں پر سبقت بھی لے گیا اور یہ انہی کی ان تھک کوشش و سعی کا نتیجہ ہے جو صوبہ سرحد میں علوم جدیدہ نے عروج حاصل کیا اور سیاسیات میں وہ اکثر دوسروں کی رہنمائی کرتا رہا۔ سیاسی حیثیت میں صوبہ سرحد کے اکثر خوانین آمریت پسند طبیعت کے مالک تھے اس وجہ سے انہوں نے ہر اس تحریک کی مخالفت کی کہ جس سے عوام کے معیار زندگی کے بلند ہونے کی توقع کی جا سکتی تھی یا جس سے عام میں بیداری اور طلب حقوق کے جذبہ کو اجاگر کرنے کا جذبہ دکھائی دیتا تھا برخلاف ازیں نواب مرحوم طریقہ جمہوریت کے طرفدار تھے وہ سرکاری ملازمت کے دوران میں اور اس کے بعد بھی مسلسل پٹھانوں کے حقوق کے لئے نبرد آزما رہے انھوں نے اکثر عوامی قومی تحریکات سے وابستگی یا دلچسپی کا اظہار کیا صوبہ سرحد میں انہیں تعلیم یافتہ طبقہ کے قائد کی حیثیت حاصل تھی اور عوامی تحریکات میں عوامی کارکنوں سے تعاون کرنے یا انہیں اپنے مفید مشوروں

اور امداد دینے سے آپ نے کبھی تغافل نہ برتا انگریز نے صوبہ
سرحد کو مخصوص حالات کا ڈھونگ رچا کر باقی ہندوستان سے الگ
تھلگ کھڑا کر رکھا تھا۔ نواب صاحب موصوف وقتاً فوقتاً اس کے
خلاف آواز بلند کرتے رہے اور جب مجلس خلافت نے حصول
اصلاحات کے لئے منظم طریقہ پر تگ ودو شروع کی تو نواب
مرحوم کی پوری امداد اس تحریک کی تقویت کا باعث بنی تا آنکہ
جب ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کی مرکزی مجلس آئین ساز میں یہ
سوال پیش ہوا تو اس ایوان میں محرکین تحریک کو سب سے زیادہ
امداد نواب مرحوم ہی کے توسط سے ملی تھی۔ بعدازاں جب گول
میز کانفرنس میں صوبہ سرحد کو دیگر صوبہ جات ہند کے ساتھ
برابر کے حقوق دینے کا سوال زیر بحث آیا اور جس سوال کی
اہمیت ہی رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم کو شدید ترین
علالت کے باوجود اس کانفرنس میں شرکت کا ایک باعث بنی تو
نواب مرحوم ہی مرد میدان دکھائی دیئے اس سلسلہ میں انھوں نے
لندن کی گول میز کانفرنس میں جو تقریر کی تھی وہ ان کے خلوص اور
قابلیت کا ایک زندہ ثبوت ہے توسیع اصلاحات کے بعد آپ
صوبہ سرحد میں پہلے وزیر کی حیثیت سے نامزد ہوئے اور دوبارہ
انتخابات ۱۹۳۵ء کے بعد پہلے وزیر اعظم بنے۔" (24)

صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے 4 دسمبر 1937ء کو دماغی رگ پھٹ جانے کی

وجہ وے وفات پائی اور آپ کو آپکے آبائی مسکن موضع ٹوپی تحصیل و ضلع صوابی میں سپرد خاک کیا گیا۔

مولانا غلام ربانی لودھی

"مولانا غلام ربانی لودھی ۱۸۹۹ء میں ہزارہ کے ایک گاؤں سرائے صالح میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام برکت اللہ ہے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں پائی۔ قرآن مجید حفظ کیا اور ۱۹۱۶ء میں گورنمنٹ ہائی سکول ایبٹ آباد سے میٹرک پاس کیا اسلامیہ کالج پشاور میں داخلہ لیا۔ ۱۹۲۰ء انگریز حکمرانوں کے خلاف عدم تعاون کی تحریک شروع ہوگئی۔ اسلامیہ کالج پشاور کے بہت سے طلبا نے انگریز کے امداد یافتہ کالج کو چھوڑ کر جامعہ ملیہ دہلی میں داخلہ لے لیا جو قوم پرست مسلمانوں نے قائم کیا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر محمد عالم اور مولانا محمد بن یوسف صورتی جیسے مسلمان زعماء استاد تھے۔ ترکوں کی حمایت میں جب تحریک خلافت کا آغاز ہوا تو غلام ربانی لودھی نے ضلع ہزارہ کے ایک ایک گاؤں کا دورہ کر کے تحریک خلافت کے مقاصد سے روشناس کیا۔ ۱۹۲۱ء میں انھیں ایبٹ آباد میں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ انھوں نے صحافت کا پیشہ اختیار کیا روزنامہ وکیل امرت سر روزنامہ زمیندار لاہور اور روزنامہ

انقلاب لاہور میں کام کیا۔ ۱۹۲۷ء میں راولپنڈی سے ہفت روزہ شہاب سے تحریک آزادی کو فروغ دینے میں کوشاں رہے ۔پھر انھوں نے تدریسی شعبہ اختیار کیا آپ عربی فارسی اور اردو کے ممتاز عالم تھے وہ اورینٹل کالج سری نگر اینگلو محمڈن ڈگری کالج امرتسر اور ایم اے او کالج میں لیکچرار رہے اور اس دوران بہت سی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ اور 11 اپریل 1974ء کو ایبٹ آباد میں انتقال کر گئے اپنے آبائی گاؤں سرائے صالح میں سپرد خاک ہوئے۔"(25)

عابد حسین خان لودھی

عابد حسین خان لودھی خان جہان لودھی کی اولاد سے ہیں۔ بغدادہ مردان کے ساکن ہیں آپ 1966ء میں پیدا ہوئے۔ لودھی قوم سے محبت اور بزرگوں کے ذخیرے کی حفاظت آپ کو وراثت میں ملی ہے۔ لودھی تاریخ سے بہت دلچسپی ہے اور مردان کے لودھیوں پر آپ نے بہت تحقیق کی ہے۔ مردان کے لودھیوں پر سب سے زیادہ مواد آپ کے پاس ہی ہے۔ جس کو آپ نے تاریخ لودھی کے نام سے مرتب کیا ہے جس کی ایک نقل میرے پاس بھی ہے اور میں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ عابد خان کے پاس مردان وصوابی کے لودھیوں کے شجرے نایاب تصاویر، قیمتی دستاویزات ہیں۔ آپ نمبردار کے عہدے پر فائز ہیں اور ضلع دیر میں تعینات ہیں اسکے باوجود آپ مردان کے لودھیوں پر تحقیق کے لیے سرگرم رہتے ہیں اور اس غرض

سے سفر کی تکالیف بھی برداشت کرتے ہیں آپ کے دو بیٹیاں عصمہ لودھی اور ہما لودھی اور دو بیٹے حسن خان لودھی اور خضر خان لودھی ہیں وہ دونوں بھی لودھیوں کی تاریخ میں بہت دلچسپی رکھتے ہیں حسن خان لودھی نے www.afghanlodhi.com کے نام سے ایک ویب سائٹ قائم کی ہے جس پر مردان کے لودھیوں کے حوالے سے بہت سی معلومات درج ہیں۔ حسن خان اس سائٹ کو مزید Develop کرنے پر کام کر رہے ہیں۔ عابد خان لودھی اس حوالے سے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ وہ قلمی تحقیق کر رہے ہیں تو انکے بیٹے اس تحقیق کو کمپیوٹر پر منظر عام پر لا رہے ہیں عابد خان میں بخل نہیں ہے بلکہ جو علمی سرمایہ انکے پاس ہے وہ اسے سب کے ساتھ بانٹتے ہیں۔ انکے پاس موجود مواد کا میں نے نہ صرف خود مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے بلکہ انکی مختلف ذرائع مثلاً کتب تاریخ، ریکارڈ مال خانہ، ریکارڈ کچہری وغیرہ سے تصدیق بھی کی ہے مردان کے لودھیوں سے متعلق اکثر معلومات مجھے ان ہی سے ملی ہیں۔ (26)

میر بہادر خان

میر بہادر خان لودھی کا تعلق بھی مردان سے ہے آپ نیوی میں لیفٹیننٹ رہے ہیں پٹھان قوم کی تاریخ سے بہت دلچسپی ہے اور زبانی تاریخ کی کئی روایات انکو یاد ہیں (27)۔

پایو دین لودھی

یہ بھی بغدادہ مردان کے ساکن ہیں ان کا تعلق عوامی نیشنل پارٹی سے ہے اسفند یار ولی خان کے احباب میں شمار ہوتے ہیں اور ANP بغدادہ (مردان) کے

صدر ہیں (28)۔

دربار علی لودھی

دربار علی لودھی مردان کے ساکن ہیں۔ سوشل ویلفیئر سے ان کا تعلق ہے اور سحر ویلفیئر ٹرسٹ کے نام سے ایک NGO کے صدر ہیں۔ (29)۔

شاہنواز خان لودھی

شاہنواز خان لودھی کا تعلق بھی مردان سے ہے انہوں نے شعبہ پولیس Join کیا ہے اور حلقہ سٹی پشاور کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس رہے ہیں 2009ء میں شدت پسندی کی ایک کارروائی میں زخمی بھی ہوئے مگر اپنے فرائض کو چھوڑنا گوارانہ کیا اور تاحال ایمانداری سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ (30)۔

حبیب الرحمٰن خان لودھی

حبیب الرحمٰن لودھی گوجر پور گڑھی مردان کے ساکن ہیں اور خان جہاں لودھی کی اولاد سے ہیں۔ حبیب الرحمٰن نادرہ میں انسپکٹر ہیں علم وادب سے خاص دلچسپی ہے انکے پاس ان لودھیوں کے شجرے محفوظ ہیں جو مردان چارسدہ صوابی ٹوپی رشکئی اور نوشہرہ میں آباد ہیں۔ مردان اور صوابی کے لودھیوں کے اکثر شجرے مجھے انہیں سے ملے ہیں جن کی میں نے ریکارڈ مال اور دیگر دستاویزات سے تصدیق بھی کی ہے۔ ان کے خاندان کے شجرے اس کتاب میں الگ سے شامل ہیں۔ (31)

اسلام الدین لودھی

اسلام الدین خان کا تعلق بغدادہ مردان سے ہے۔ سیاست میں سرگرم ہیں

اور 1967ء سے پاکستان پیپلز پارٹی سے وابستہ ہیں۔ PPP بغدادہ مردان کے جنرل سیکرٹری ہیں۔(32)۔

اختر خان لودھی

اختر خان لودھی کا تعلق بغدادہ مردان سے ہے آج کل امریکہ میں مقیم ہیں آپ خان جہان لودھی کی نسل سے ہیں جس کی تفصیل شجروں کے باب میں درج ہے ۔اختر خان کو تاریخ وعلم وادب سے دلچسپی ہے اور کئی نایاب مخطوطے آپ کو وراثت میں ملے ہیں۔ (33)۔

ظاہر شاہ خان لودھی

ظاہر شاہ خان لودھی سرور خان لودھی کے بیٹے ہیں۔سرور خان لودھی کا تعلق لعلمیر خان کے خاندان سے ہے۔آپ ایوب خان کے دور میں کونسلر بھی رہے ہیں ۔ظاہر شاہ ایک علمی وادبی شخصیت ہیں گورنمنٹ کالج نمبر 2 (ڈاگئی) مردان میں فزکس کے لیکچرار ہیں۔ (34)۔

عارف خان لودھی

عارف خان کا تعلق مردان کے لودھیوں سے ہے آپ مرتضٰی خان لودھی کے بیٹے ہیں۔سائنسی علوم سے دلچسپی ہے اور امریکہ میں بائیوکیمسٹری میں Ph.D کررہے ہیں۔(35)۔

عاطف خان لودھی

عاطف خان عارف خان کے بھائی اور مرتضٰی خان کے بیٹے ہیں آجکل

اسپین میں ہیں اور کمپیوٹر سائنس میں Ph.D کر رہے ہیں۔(36)۔

اشتیاق احمد خان لودھی

اشتیاق خان کا تعلق ٹوپی صوابی کے لودھی خاندان سے ہے آجکل اسلام آباد میں مقیم ہیں غلام اسحٰق خان انسٹیٹیوٹ سے وابستہ ہیں اور لودھی تاریخ سے بہت دلچسپی رکھتے ہیں۔(37)۔

صاحبزادہ امتیاز خان لودھی

امتیاز خان لودھی کا تعلق بھی صوبہ سرحد سے ہے مگر آج کل وہ اسلام آباد میں ہیں وزارت خارجہ اسلام آباد سے وابستہ ہیں امتیاز خان صدر ضیاء الحق کے دور میں صوبہ سرحد کے چیف سیکرٹری رہ چکے ہیں۔(38)۔

ارشد خان لودھی

آپ شعبہ وکالت سے منسلک تھے۔آپکے بزرگ امرتسر سے آکر نوشہرہ میں آباد ہو گئے۔چند سال قبل آپ کا انتقال ہوا ہے۔(39)۔

شاہد خان لودھی

شاہد خان لودھی بغدادہ مردان کے ساکن ہیں اور پاکستان مسلم لیگ (قائد اعظم) ضلع مردان کے صدر ہیں۔(40)۔

خالد خان لودھی

خالد خان لودھی بھی بغدادہ مردان کے ساکن ہیں۔اور مردان وارڈ نمبر 58 میں پاکستان پیپلز پارٹی کے صدر ہیں۔(41)۔

ڈاکٹر ملیحہ لودھی

ڈاکٹر ملیحہ لودھی کی شہرت انکی سفارتی سرگرمیوں سے ہے۔ 1968ء میں لاہور میں پیدا ہوئی اور لاہور اور راولپنڈی میں اسکول کی تعلیم حاصل کی۔ LSE سے BS.C کا امتحان پاس کیا اور پھر لندن اسکول آف اکنامکس سے ہی 1980 میں Ph.D کی کچھ عرصہ تدریس کا پیشہ اختیار کیا پھر صحافت میں قدم رکھا اور جنگ گروپ کے مشہور انگریزی روزنامے The News International کی Founding Editer بن گئیں۔ اس روزنامے سے آپ 1990 سے 1993ء تک اور پھر 1997ء سے 1999ء تک وابستہ رہیں۔ 1994 سے 1997ء تک اور اسکے بعد 1999ء سے 2002ء تک یعنی دوبار امریکہ میں پاکستانی سفیر کے طور پر تعینات رہیں۔ 2001ء سے آپ کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے اس مشاورتی بورڈ کی ممبرز ہیں جو Disarmament Affairs سے متعلق تھا۔ اس کے بعد 2003ء سے 2008ء تک برطانیہ میں پاکستان کی ہائی کمشنر تعینات ہوئیں۔ 2002ء میں آپ کو ہلال پاکستان کا صدارتی تمغہ ملا۔ کئی مضامین تحریر کیے ہیں جن میں سے کچھ مجموعوں کی شکل میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ (42)

عبدالحفیظ جالندھری

عبدالحفیظ خان ولد غلام محمد خان زوجہ دختر میاں باغ علی عرف باگے خان قادری لودھی یہ محلہ نیلے خیل جالندھر کے ساکن تھے ماں باپ دونوں کی طرف سے پٹھان تھے ماں کی طرف سے لودھی پٹھان تھے اچھے ادیب اور شاعر تھے تاثیر تخلص تھا

1920 میں ہجرت کی تحریک کر کے ہجرت کر کے کابل گئے مگر بعدازاں واپس آ گئے۔1948 میں پاکستان آ گئے اور پاکستان کا قومی ترانہ تحریر کیا راولپنڈی میں سنہ میں انتقال کیا۔(43)

نواب فخرالدین خان فخریار جنگ بہادر

"ولد غلام احمد خان ولد سربلند خان وعبدالرحمٰن ولد رجب علی لودھی جالندھر آپ کی پیدائش ۲۹ دسمبر ۱۸۸۲ء ہے۔ ۱۸۹۵ء میں سیالکوٹ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا پھر بی اے کا امتحان علی گڑھ سے پاس کیا۔ سر جیمز ڈنلپ سمتھ کی کوشش سے ریاست پٹیالہ میں بندوبست کی ٹریننگ کے لئے روانہ ہوئے مختصر سے عرصہ کے لیئے آپ کابل میں اتاشی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ سر جیمز ڈنلپ سمتھ کی کوششوں سے آپ کو زمینوں کی گرانٹ بھی حاصل ہوئی دھوگڑی میں آنریری مجسٹریٹ کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ حیدرآباد دکن کے محکمہ تعمیرات میں ایک جگہ خالی ہوئی تو نواب معشوق یار جنگ کے توسط سے اس جگہ شعبہ شماریات میں تعینات ہوئے اور جلد ہی نائب صدر محاسب اور پھر صدر محاسب پھر سیکرٹری فنانس اور اس سے آگے وزارت مالیات کے عہدے پر فائز ہوئے حیدرآباد میں کرنسی نوٹوں کا اجرا آپ نے ہی کیا۔ آپ کو اعلیٰ کارکردگی کی بنا پر ۱۹۲۳ء میں فخر

یار جنگ کا خطاب حاصل ہوا سقوط حیدر آباد کے بعد آپ کراچی تشریف لائے اور ۲۰۔ جولائی ۱۹۵۶ء کو لاہور میں آپ نے داعی حق کو لبیک کہا۔"

(44)

الحاج نواب مشتاق احمد خاں

"موصوف نواب فخر الدین فخر یار جنگ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ مڈل پاس کرنے کے بعد علی گڑھ میں داخل ہوئے یہاں سے انگلینڈ روانہ ہوئے اور ۱۹۲۲ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے معاشیات کی ڈگری حاصل کی آپ حیدر آباد دکن کے محکمہ مواصلات میں ملازم ہوئے قیام پاکستان کے فوراً بعد حیدر آباد حکومت کے ایجنٹ جنرل برائے پاکستان مقرر ہو کر کراچی میں تعینات ہوئے۔ لاہور میں آپ نے ٹرانسپورٹ بورڈ کے صدر کی حیثیت سے ملازمت شروع کی۔ حیات فخر اور کاروان حیات ایسی معرکتہ الآرا کتابیں آپ کی کلک نزہت افزا کا شاہکار ہیں جن میں آپ نے اپنے اور اپنے خاندان کے حالات بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان کئے ہیں۔"

(45)

بریگیڈیر عابد علی اکبر خان

"ولد رسالدار علی خان جالندھری" آپ کو گورنمنٹ کالج لاہور

سے بی ایس سی کا امتحان پاس کر کے اپنے والد کے رسالہ میں سوار بھرتی ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں آپ کو کمشن حاصل ہوا دوسری جنگ عظیم میں پانچویں انڈین ڈویژن میں منسلک ہو کر مصر قبرص اور عارق وغیرہ کی جنگوں میں شامل رہے سٹاف کالج کورس مکمل کرنے کے بعد جی ایچ کیو انڈیا میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر فائز رہے زاں بعد فرسٹ مرہٹہ فوج میں شامل ہو کر جاپان کے محاذ پر خدمات سرانجام دیتے رہے پھر مرہٹہ پلٹن 1/5 کی کمان ہاتھ میں لی اور اسی پلٹن کے ہمراہ ہندوستان کے ساحل بمبئی میں اترے چنانچہ ہندوستانی گورنمنٹ کے حکم سے آپ کو جوا گڑھ پر قبضہ کرنے کے احکام صادر ہوئے مگر آپ نے چونکہ پاکستانی قومیت قبول کر رکھی تھی اس لئے مذکورہ فوجی کمانڈ سے علیحدہ ہو گئے اور کراچی پہنچ کر ۱۴ پنجاب میں شامل ہوئے کچھ دنوں بعد آپ اسی فوج کی کمانڈ کرتے ہوئے محاذ کشمیر میں خدمات انجام دیتے رہے کچھ مدت بعد جی ایچ کیو میں ڈپٹی ملٹری سیکرٹری مقرر ہوئے اسی دوران آپ انگلینڈ میں اپنا فوجی کورس پورا کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور واپسی پر ڈپٹی ایم جی او تعینات ہوئے اسی طرح کچھ عرصہ بعد آپ بریگیڈیئر کے عہدے پر فائز رہتے ہوئے ریٹائر ہوئے اور پنشن کے بعد آپ کو ستارہ خدمت کا اعزاز حاصل ہوا۔" (46)

شمشیر بہادر خان محمد اکبر علی خان

"آپ رسالدار علی خان لودھی کے سب سے بڑے لڑکے جراتمندی بہادری اور رعنائی و جمال کا ایک مرقع تھے ہر انگریز آفیسر آپ کا دلدادہ ہوتا تھا موصوف رسالدار بھرتی ہوئے لیکن جلد ہی رسالدار میجر بنا دیئے گئے موصوف کو اعلیٰ کارکردگی اور بہادری کے صلہ میں آرڈر آف برٹش انڈیا (او، بی، آئی) اور سردار بہادری کے خطاب و اعزاز حاصل تھے لارڈ چمسیفورڈ وائسرائے ہند نے آپ کو اپنا اے ڈی سی مقرر کیا ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو آنریری مجسٹریٹ کے طور پر ذمہ داریاں انجام دیتے رہے تیسری افغان وار میں آپ کی دوبارہ خدمات حاصل کی گئیں تو آپ کمانڈر کے اے ڈی سی مقرر ہوئے اور اس لڑائی میں کامیابی کے بعد آپ کو انڈین آرڈر آف میرٹ اور شمشیر بہادر کے علاوہ آنریری کپتان کے اعزازات حاصل ہوئے نیز صلہ خدمت گزاری میں ایک وسیع جاگیر بھی تفویض ہوئی۔ موصوف نیزہ بازی شو جمپنگ اور پاگل سواری کے نامور کھلاڑی تھے پولو کے میدان میں موصوف نے ہمیشہ کامیابی کے پرچم بلند کئے چنانچہ شاہ جارج پنجم کی رسم تاجپوشی کے موقعہ پر جب آپ کو ہندوستان کی پولو ٹیم کا کپتان بنا کر لندن روانہ کیا گیا

تو آن نے یورپین ٹیموں کو شکست دے کر اپنا اور ہندوستان کا نام روشن کیا اس فتح مندی کی بنا پر آپ کو سنہری تمغہ جات و دیگر نوعیت کے کئی ایک انعامات حاصل ہوئے۔" (47)

نواب سعادت خان اور ان کی اولاد

""نواب سعادت خان لودھی بہت بہادر دور اندیش اور حکومت کے کاروبار میں حد درجہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔ یہ شخص میر منور گورنر لاہور کے عہد میں ایک فوجدار کی حیثیت سے ملازم ہوا آدینہ بیگ ناظم جالندھر نے اس کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اپنے پاس جالندھر بلا لیا تھا آدینہ بیگ اور میر منور کی وفات کے بعد سردار تیمور شاہ خلف احمد شاہ ابدالی نے جو پنجاب کا حکمران تھا شورش پسند اور باغی سکھوں کی یورش و یلغار سے جالندھر کو محفوظ رکھنے کی خاطر سعادت خان موصوف کو نواب کا خطاب دے کر ناظم مقرر کر دیا یہ وہی بہادر ناظم تھا جس نے جسا سنگھ اہلو والیہ کو جالندھر کی سرزمین میں قدم تک رکھنے نہیں دیا تھا سعادت خان موصوف کی صرف دختری اولاد کا سلسلہ آگے بڑھا یہاں کے افاعنہ سعادت خان کی دختری اولاد ہیں۔" (48)

لودھیوں کے اس خاندان کی معروف شخصیات حسب ذیل ہیں۔ (کوٹ بوا

اچھی۔جالندھر)۔

ارشاد حسین خان

"آپ نہ صرف جالندھر بلکہ تمام لودھی افغانوں میں ایک ممتاز شخصیت ہیں۔جن دنوں آپ ہوشیار پور میں تعینات تھے وہاں دو ملٹری کے مفرور فوجی ذیل سنگھ ذیلا اور لابھ سنگھ نے قتل اور ڈکیتی کی مسلسل وارداتوں سے عوام کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔خان ارشاد حسین کو ان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا چنانچہ جالندھر اور ہوشیار پور اضلاع کی تاریخ میں یہ مقابلہ مال پور باڑیاں میں وقوع پذیر ہوا اس مقابلہ میں لابھ سنگھ تو مارا گیا مگر ذیل سنگھ بچ کر محاصرہ سے نکل گیا۔آپ نے دو ماہ کے عرصہ کے اندر اندر ذیلا کے تمام پناہ دہندگان اور اس کی پارٹی کے جملہ افراد کو حراست میں لے کر ذیلے کے متعلق معلومات حاصل کیں اور بنگال سے گرفتار کر لیا۔اس صلہ بہادری میں آپ کو سندات وطلائی تمغہ جات حاصل ہوئے۔آپ نے ملازمت سے فارغ ہو کر ہڑپہ ضلع منٹگمری میں اپنی زندگی کے باقی ایام پورے کئے اور آخر کار زندگی کی ستر بہاریں گزارنے کے بعد اسی جگہ عدم کی گم گشتہ وادیوں میں کان کا کمبل اوڑھ کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔محمد صادق خان، محمد اسلم خان، محمد ارشد خان آپ کے

بیٹے ہیں۔" (49)

محمد اسلم خان

"محمد اسلم خان بی اے پنجاب میں ہاکی کے مشہور معروف کھلاڑی رہ چکے ہیں لوگ عام طور پر آپ کو بھایا اسلم خان کہہ کر پکارتے ہیں۔ آپ اپنی فیاضی خلوص اور پسندیدہ عادات کے اعتبار سے اپنے باپ کے ہو بہو نقش ثانی ہیں۔" (50)

خان محمد ارشد خان ایم پی اے.

"آپ خان ارشاد حسین خان کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ بی اے ایل ایل بی کرنے کے بعد اپ نے ضلع ساہیوال میں پیشہ وکالت کی ابتداء کی اور پاکستان پیپلز پارٹی کی رکنیت حاصل کر کے سیاسی میدان میں متعارف ہوئے آپ کی شہرت اور مقبولیت کے پیش نظر آپ کو پنجاب اسمبلی کی نشست کا انتخاب لڑنے کے لئے ٹکٹ دیا گیا چنانچہ اس انتخابی مقابلے میں آپ نے ہزاروں ووٹوں کی اکثریت سے اپنے مخالفین کو شکست دے کر کامیابی حاصل کی آپ پنجاب کی ممتاز ترین اور لودھی برادری کی معروف ترین شخصیت سمجھے جاتے ہیں۔"

"محمد ارشد خان لودھی پنجاب اسمبلی کے رکن ہیں اور

حلقہ PP-224 (ساہیوال) سے منتخب ہوئے ہیں ۔ انکی پیدائش 1937ء میں چیچہ وطنی میں ہوئی ۔۔ اور شعبہ وکالت سے منسلک ہو گئے ۔ بعدازاں پاکستان مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے ۔ ضلع کونسل کے چیئرمین بھی رہے ۔ آپ 1997-99, 1990-1993, 1988-1990, 1985-88, 1972-77 میں بھی پنجاب اسمبلی کے رکن رہے اور مختلف شعبوں و محکمہ جات میں خدمات سرانجام دیتے رہے ۔" (51)

مولوی فتح محمد خان جالندھری

"آپ ۱۸۶۲ء میں ناٹدہ ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے جالندھر شہر میں آپ نے پرورش پائی سولہ سال کی عمر میں آپ نے تمام علوم متداولہ میں تکمیل کی علم و ادب میں آپ کا مرتبہ بہت بلند مانا جاتا ہے آپ نے یکے بعد دیگرے جالندھر تین اردو زبان کے رسالے جاری کیے ۔ آپ کی لکھی ہوئی تفسیر القرآن اور ترجمہ قرآن ایک مستند حیثیت رکھتی ہے جو تاج کمپنی لاہور سے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے اور ہر سال شائع ہو رہی ہے اس کے علاوہ مصباح القواعد صرف و نحو حمائل شریف ارشاد القرآن الیاقوت والمرجان منہاج القواعد نفاس القصص عمدۃ القواعد زبدہ القواعد اور بچوں کے لئے نفیس اور اخلاق

وادبی کہانیاں نفیس تحفہ لطیف آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔" (52)

غلام محی الدین خان

"آپ بستی دانشمند کے مشہور صوفی بزرگ حضرت میاں عبدالغفور نوراللہ مرقدہ کے حقیقی بھائی میاں نور احمد خان کی چوتھی پشت پر خان شرف الدین خان کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ایل ایل بی کا امتحان پاس کرنے کے بعد جالندھر شہر میں اس وقت کے وکالت شروع کی جبکہ جالندھر کی فضا پر ہندو وکلاء پوری طرح مسلط ہو چکے تھے اس لحاظ سے آپ پہلے مسلمان وکیل تھے۔

آپ کے اکلوتے بیٹے غیاث الدین خان جالندھر کی ایک معروف شخصیت ہیں آپ نے علی گڑھ کالج سے تعلیم حاصل کی آپ نہ صرف فٹ بال ہی کے بہترین کھلاڑی تھے بلکہ زندگی کے ہر کھیل میں آپ کی ماہرانہ صلاحیتوں کا لوہا آج بھی جلوت و خلوت میں مانا جاتا ہے خود ہنسنا اور دوسروں کو ہنسانا بات سے بات پیدا کرنا آپ کے معمولات میں داخل ہے آپ ہر ایک کے دوست اور ہر محفل کی جان سمجھے جاتے ہیں کرنل اعجاز احمد خان آپ کی اولاد نرینہ ہیں۔" (53)

ساحر لودھی

ساحر لودھی 21 مئی کو کراچی میں پیدا ہوئے اور 14 سال تک امریکہ میں

مقیم رہے آپ نے پٹرولیم انجینئرنگ میں ماسٹرز کیا ہے۔اسکے والد کا نام علی گوہر لودھی
اور والدہ کا نام روشن تاج لودھی ہے۔علی گوہر لودھی کے تین بیٹے عامر لودھی ساحر لودھی
اور طاہر لودھی ہیں۔انکی ایک بہن شائستہ لودھی ہیں جو اب شائستہ واحدی کہلاتی ہیں
اور ARY ڈیجیٹل T.V پر ایک پروگرام پیش کرتی ہیں۔

ساحر لودھی نے اپنے کیریئر کا آغاز چائے ٹائم سے کیا۔اسکے بعد ڈراموں کھیلوں ٹیلی فلموں اور ڈرامہ سیریل وغیرہ میں انکو بہت موقع ملا۔بچھڑیں گے اب کیسے، بکھرنے سے پہلے، تم میرے، ہو خدو حال، ادھورے خواب اسکے مشہور سیریل ہیں۔(54)

شفیق احمد خان لودھی:

پنجاب یونیورسٹی لاہور میں تعینات رہے اور شعبہ امتحانات کے سربراہ یعنی کنٹرولر تھے بہت خوش اخلاق اور ملنسار آدمی تھے۔(55)

شیر احمد خان لودھی

پروفیسر شیر احمد خان لودھی پنجاب یونیورسٹی لاہور میں استاد تھے آپ نے باطنی میں Ph.D کی تھی اسکے بعد پنجاب یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے۔1947ء سے 1971ء تک مسلسل 25 سال شعبہ باطنی پنجاب یونیورسٹی لاہور کے صدر (چیئرمین) رہے ہیں۔اپنی علمیت کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔(56)

حواشی

(1) مخزن افغانی ص583-584

(2) ایضاً ص605-606

(3) مراۃ الخیال

(4) مجموعہ نغز ص50-51

(5) ایضاً ص296

(6) ایضاً ص318-319

(7) یادِ عہدِ رفتہ ص40-1

(7) عبادت بریلوی از شائستہ ص48

(8) ایضاً ص50

(9) ایضاً ص52

(10) ایضاً ص54

(11) خط کلب علی فائق (قلمی)

(12) انتخاب یادگار ص111

(13) خط کلب علی فائق (قلمی)

(14) ایضاً

(15) ایضاً

(16) ایضاً

(17) انتخاب یادگار ص205

(18) ایضاً ص206-205؛ خط کلب علی فائق قلمی۔

(19) تذکرہ کاملان رام پور جلد دوم ص578

(20) افاغنہ ہوشیار پور ص561-560

(21) ایضاً ص561

(22) ایضاً ص561

(23) ایضاً ص529-528

(24) یوسف زئی افغان ص551-550

(25) شخصیات سرحد از محمد شفیع ص632-631

(26) ذاتی انٹرویو از عابد خان لودھی

(27) ایضاً از عابد خان لودھی وحبیب الرحمٰن لودھی

(28) ایضاً

(29) ایضاً

(30) ایضاً

(31) ایضاً

(32) ایضاً

(33) ایضاً

(34) ایضاً

(35) ایضاً

maablib.org

(36) ایضاً

(37) ایضاً

(38) ایضاً

(39) ایضاً

(40) ایضاً

(41) ایضاً

(42) انٹرنیٹ معلومات

(43) افاغنہ جالندھر

(44) ایضاً ص477

(45) ایضاً ص481-480

(46) ایضاً ص469

(47) ایضاً ص469

(48) ایضاً ص67

(49) ایضاً ص61-59

(50) ایضاً ص62-61

(51) ایضاً ص62

(52) ایضاً ص63-62

(53) ایضاً ص

(54) - انٹرنیٹ معلومات

(55) پنجاب یونیورسٹی وریکارڈ

(56) ایضاً

باب نمبر 39

لودھیوں کے نسب نامے

ابتدائی نسب نامے

(ماخوذ از مخزن افغانی)

لودھی بن متی کی اولادوں کا ذکر:

حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کرم سے لودھی کو تین بیٹے عطا کیے۔ بڑے کا نام نیازی، دوسرے کو سیانی کہتے تھے اور تیسرا دوتانی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ بعض روایتوں کے مطابق دوتانی اس کا منہ بولا بیٹا تھا۔

نیازی بن لودھی کی اولادوں کا ذکر:

اس کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا باہی، دوسرا جال جسے جام بھی کہتے تھے اور تیسرا خاکو، ان میں سے باہی کی اولادیں بعد کی نسلوں تک برابر باہی ہی کہلاتی رہیں اور ان سے کوئی دوسرا قبیلہ الگ نام سے نہ بنا۔ باہی کی اولادوں کی تفصیل (بھی نہیں ملتی)۔

جال ولد نیازی کے ہاں آٹھ بیٹے تھے۔ جن کے نام بندرا، سنبل، خان خیل، دولت خیل، عیسیٰ خیل، علی خیل، مرہیل خیل اور جکی خیل تھے۔ یا بندرا ولد جام وغیرہ، سنبل ولد جام، خان خیل ولد جام، دولت خیل ولد جام، عیسیٰ ولد جام، علی ولد جام، مرہیل ولد جام اور جکی ولد جام۔ ایک دوسری روایت کے مطابق جو زیادہ صحیح ہے۔ جال ولد نیازی کے تین بیٹے تھے جن کو جام، پکا اور رہیم کے ناموں سے پکارتے تھے۔

جام ولد جال کی دو بیویاں تھیں: ایک نازی قبیلے سے تھی جس کا نام رومی تھا۔ اس کے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا عیسیٰ خیل، دوسرا علی خیل اور تیسرا دولت خیل۔ جام کی دوسری بیوی سروانی کی اولادوں میں سے تھی۔ اس کا نام ترکسری تھا۔ اس کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ بڑے کا نام سنبل اور چھوٹے کا نام بہزاد تھا۔ بی بی رومی کی اولاد اب تک باقی ہے۔ سنبل کو سنیل بھی کہتے ہیں۔ (اس کی اولادوں کا علم نہیں) لیکن بہزاد کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا خان خیل، دوسرا عیسیٰ خیل اور تیسرا موسیٰ خیل۔ یہ تینوں قبیلے آج تک باقی ہیں۔

پکا بن جال کے ہاں تین بیٹوں نے آنکھ کھولی۔ ایک کا نام مربکل خیل، دوسرے کا نیلا اور تیسرے کو جکی کہتے تھے۔ ان تینوں قبیلوں کی اولادیں آج بھی موجود ہیں۔

ہیم بن جال کی اولادیں بھی اب تک باقی ہیں اور انہیں ہیم کہتے ہیں۔

خاکو ولد نیازی کے پانچ بیٹے تھے۔ ایک کا نام عیسیٰ، دوسرے کا موسیٰ، تیسرے کا مہیار، چوتھے کا سد اور پانچواں حذر کہلاتا تھا۔

عیسیٰ ولد خاکو کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا کو لالا اور دوسرے کو کندی کہتے تھے۔ لالا بن عیسیٰ کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک سود اور دوسرا سہرنگ۔ سود کے بھی دو بیٹے تھے جن کا نام جام اور سوری تھا۔

جام کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے عطا کیے۔ پہلا نیکو اور دوسرا شیخ مچھن کے نام سے یاد ہوتا تھا۔ ان سب میں سے سود بن لالا کی اولادوں نے گانے بجانے کا پیشہ اختیار کیا اور اب تک یہ قبیلہ ولایت روہ یعنی افغانستان میں ہر شادی اور غم کے موقع پر لوگوں کی خدمت کرتا ہے۔

موسیٰ ولد خاکو، مہیار بن خاکو، اس ولد خاکو اور حذر ولد خاکو کی اولادوں کے متعلق کوئی معلومات ہم تک نہیں پہنچیں۔

سیانی بن لودھی بن بی بی متو کی اولادوں کا ذکر:

سیانی بن لودھی کے ہاں دو بیٹوں نے جنم لیا۔ ایک کا نام اسمٰعیل تھا اور دوسرے کا پرنگی۔

اسمٰعیل ولد سیانی کے گھر تین بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کو سور، دوسرے کو نوحانی اور تیسرے کو مہپال کے نام یاد کرتے تھے۔

سور ولد اسماعیل کے ہاں چار بیٹوں نے آنکھ کھولی پہلا یونس دوسرا ابجی تیسرا اسادھو اور لالہ کہلاتا تھا۔ یونس بن اسمعیل بن سور کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے اور ایک بیٹی۔ ایک بیٹے کا نام محمود زئی، دوسرے کا نیسین زئی اور بیٹی کا نام ترکی تھا۔ اس بیٹی کی اولادوں کو ترکی کہتے ہیں۔ ترکیوں کے دو قبیلے ہیں ایک کا نام قبیلہ تور اور دوسرا قبیلہ سور کہلاتا ہے۔ یہ دونوں ترکی قبیلے آج تک موجود ہیں۔

محمود بن یونس ولد سور کے چار بیٹے تھے۔ پہلا داؤد خیل، دوسرا دولت خیل، تیسرا شادی خیل اور چوتھا میرا خیل کہلاتا تھا۔

داؤد بن محمود بن یونس کے چار بیٹے تھے جو کوئی، بہرام، خولی اور نورا خیل کے ناموں سے پکارے جاتے تھے۔ یہ چاروں قبیلے اب تک باقی ہیں۔ ان میں سے نورا خیل کی اولادوں میں سے آگے چل کر محمد خاں پیدا ہوا جو اسلام شاہ (سوری) کے بعد بنگالہ کا بادشاہ بنا اور اسنے اپنے آپ کو محمد شاہ کا خطاب دیا تھا۔ یہ محمد شاہ، 'چپر گھٹہ' کے مقام پر عدلی کے خلاف جنگ کرتا ہوا مارا گیا تھا۔ اس کے بعد محمد شاہ کے لڑکے سلطان بہادر نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ اس نے 964ھ میں عدلی کے خلاف جنگ کی اور اس پر فتح یاب ہوا۔ اس نے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لیتے ہوئے عدلی کا قتل کر دیا تھا۔

کوکی ولد داؤد، بہرام ولد داؤد، موتی ولد داؤد، نورا ولد داؤد اور شادی خیل ولد محمود کی اولادوں کے متعلق تفصیلات نہیں ملتیں۔

سیر اولد محمود بن یونس بن سور بن اسمٰعیل بن سیانی بن لودھی کے ہاں ایک ہی بیٹا پیدا ہوا جس کا نام 'اتمان' رکھا گیا۔ اتمان نے دو بیویاں کیں۔ بڑی بیوی سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اس نے 'محمد' رکھا۔

محمد بن اتمان کے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ بڑے کا نام بہاؤالدین منجھلے کا صدر الدین اور تیسرے کو رکن الدین کہتے تھے۔

بہاؤالدین بن محمد بن اتمان بن شیرا بن محمود بن یونس بن سور بن اسمٰعیل بن سیانی بن لودھی کو خدا تعالیٰ نے ایک ہی فرزند عطا کیا جس کا نام ابراہیم تھا۔

ابراہیم کے ہاں بھی ایک ہی بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اس نے حسن رکھا۔ اس حسن نے دو شادیاں کیں۔ اور ان دونوں بیویوں کے بطن سے آٹھ بیٹے ہوئے۔ ایک بیوی کا نام افغاناں تھا اس کے دو بیٹے تھے اور دوسری بیوی پرستاراں چھ بیٹوں کی ماں بنی۔

حسن ولد ابراہیم بن بہاؤالدین کی اولادوں کا ذکر:

حسن بن ابراہیم کے آٹھ بیٹے تھے۔ پہلا فرید، دوسرا نظام، یہ دونوں بی بی افغانی کے پیٹ سے تھے۔ تیسرا سلیمان، چوتھا احمد، پانچواں مدا، چھٹا علی، ساتواں یوسف اور آٹھواں شادی خاں۔ یہ آخری چھ، بی بی پرستاراں کی اولاد تھے۔

فرید بن حسن شیر شاہ کے لقب سے 946ھ میں ہندوستان کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔

فریدالدین بن حسن مخاطب بہ شیر شاہ کی اولادوں کا ذکر:

فرید (شیر شاہ) کے دس بیٹے تھے۔ پہلا عادل خاں، دوسرا اسلام خاں، تیسرا قطب خاں، چوتھا نصرت خاں، پانچواں کمال خاں، چھٹا سلیم خاں، ساتواں رکن خاں، آٹھواں رشید خاں، نواں نور خاں اور دسواں قائم خاں کے نام سے مشہور تھا۔

نظام بن حسن کی اولادوں کا ذکر:

نظام بن حسن کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام اُس نے ممیز خاں رکھا۔ اس (ممیز خاں) کی بہن اسلام خاں کے نکاح میں تھی۔ اس نے اسلام شاہ کی وفات کے بعد سات سالہ بھانجے کو اسلام شاہ کا بیٹا تھا اور اسلام شاہ کی موت کے بعد لوگوں نے اسے فیروز شاہ کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا تھا، قتل کر کے خود محمد شاہ عادل کا لقب اختیار کر کے تخت سلطنت پر قابض ہو گیا تھا۔ لوگ اسے عادل یا عدلی یا اندھلی کہتے ہیں۔

یٰسین ولد یونس بن سور کی اولادوں کے بارے میں معلوم نہیں۔ ترکی بنت یٰسین کی اولادوں کو ترکی کہتے ہیں۔ بھگی ولد سور بن اسمٰعیل، سادو ولد سور بن اسمٰعیل، لالہ ولد سور بن اسمٰعیل کی اولادوں کی تفصیلات معلوم نہیں۔

صدر الدین بن محمد بن احمان بن شیر ابن محمود بن یونس بن سور بن اسمٰعیل بن میانی بن لودھی کے ہاں صرف ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام خواجہ رکھا گیا۔ خواجہ بن صدر لادین کے ہاں بھی ایک ہی بیٹا تھا۔ جسے بارک کہتے تھے۔ بارک بن خواجہ کو خدا تعالیٰ نے دو بیٹے عطا کیے ایک کا نام نصو اور دوسرے کا سید تھا۔ نصو بن بارک کا بھی ایک ہی فرزند تھا جس کا نام اس نے غازی رکھا۔ غازی بن نصو کے ہاں بھی ایک

ہی نرینہ اولاد ہوئی جس کا نام ابراہیم خاں تھا۔ یہ ابراہیم خاں، اسلام شاہ کے بعد سلطان ابراہیم کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ بنا۔

سید بن بارک بن کواجہ بن صدرالدین کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام احمد خاں اور دوسرے کا محمد خاں تھا۔ جب احمد خاں کو حکومت ملی تو اُس نے اپنے آپ کو سلطان سکندر کا خطاب دیا اور اپنے بھائی محمد خاں کو اُس نے کالا پہاڑ کا لقب دیا۔ جس کا ذکر سطور بالا میں بھی گزر چکا۔

نوحانی کی اولادوں کا ذکر:

نوحانی بن اسمٰعیل کا اصلی نام "نوح" تھا اور (اسی مناسب سے اسے) نوحانی بھی کہتے تھے۔ اس کی دو بیویاں تھیں جن میں سے ایک کا نام "توری" اور دوسری کا "سری" تھا۔

توری کے بطن سے جو نوحانی کی بڑی بیوی تھی، پانچ لڑکے پیدا ہوئے۔ پہلا مما، دوسرا میا، تیسرا اتور، چوتھا شیخ خیل اور پانچواں ہود کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

مما بن نوحانی کے تین لڑکے تھے۔ بڑا لیسین خاں، دوسرا حیدر خیل اور تیسرا یعقوب خیل۔

لیسین بن مما کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام دولت خیل اور دوسرا ذکو خیل، بورا خیل، ابراہیم خیل اور کنذرزئی تھے۔ حسن خیل، ولد لیسین، یعقوب ولد مما کو یعقوب خیل کہتے تھے۔ ذکو ولد حذر، بوزا خیل ولد حذر، ابراہیم ولد حذر اور کوردی ولد حذر کی اولادوں کا حال کسی کو معلوم نہیں ہے۔

میا بن توری کی اولادوں کو میا خیل کہتے ہیں۔ اس کے ہاں دو بیٹوں اسوب خیل اور موسیٰ خیل نے جنم لیا۔ خواجہ عثمان نوحانی جو ایک عرصے تک بنگالہ کا حاکم رہا اور اسوب اور موسیٰ جو صوبہ بہار میں سلطان سکندر لودھی کے امراء میں سے تھے اور

بہادر خاں جس نے صوبہ بہار کے تخت پر قبضہ کر کے وہاں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا، اسی میا بن توری کی اولادوں میں سے تھے۔

تور بن توری کی نسلوں کو تور خیل کہتے ہیں۔ شیخ خیل ولد توری اور ہود توری (کی اولاد کا کہیں ذکر نہیں ملتا)۔

نوحانی کی دوسری بیوی سری کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اُس نے "مروت" رکھا۔ اس کی اولادوں کو بھی مروت (خیل) ہی کہتے ہیں۔ اس کی نسلوں میں سے کوئی دوسرا قبیلہ پیدا نہیں ہوا یعنی کسی نے کسی دوسرے نام سے کوئی الگ قبیلہ نہیں بنایا۔

سیانی بن لودھی کی اولادوں کا ذکر:

کہتے ہیں مہپال (ولد اسمٰعیل بن سیانی) کی بیوی کا نام نپی تھا اور اس کی اولادیں بھی اپنی ماں کے نام پر مشہور ہوئیں اور انہیں نپی ہی کہتے ہیں۔

پرنگی ولد سیانی ولد لودھی کی اولادوں کا ذکر:

پرنگی ولد سیانی بن لودھی کے ہاں سات بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا عمر، دوسرا دیدی، تیسرا اندر، چوتھا ارند، پانچواں راندی، چھٹا زتون اور ساتواں ترغندی۔

عمر ولد پرنگی کے دو بیٹے تھے ایک کا نام اسحٰق اور دوسرے کا سرک تھا۔ اسحٰق بن عمر کے ہاں بھی دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام ملک شاہو اور دوسرے کو ملک یوسف کہتے تھے۔

ملک شاہو بن اسحٰق بھی دو بیٹوں کا باپ تھا۔ ایک کا نام ٹیین اور دوسرے کا احمد تھا۔

ٹیین ملک ولد شاہو کی اولادوں کو ٹیین خیل کہتے ہیں۔ اس کے بیٹوں کے نام معلوم نہ ہو سکے) احمد ولد ملک شاہو کے گھر تین بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام ملک بہرام دوسرے کا

ملک محمود اور تیسرے کو ملک موجی کہتے تھے۔

ملک بہرام بن احمد کے ہاں دو بیٹے تھے۔ ایک کو "الا" اور دوسرے کو "کالا" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ الا بے اولاد مرا لیکن چھوٹا بھائی کالا بن ملک بہرام دو لڑکوں کا باپ تھا۔ اس نے ایک کو محمد اور دوسرے کو بہلول کے نام سے موسوم کیا یہ وہی بہلول ہے جس نے ایک لمبے عرصے تک ہندوستان پر حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا اور پھر نواسہ بادشاہ بنا۔ ان تینوں کے عہد حکومت کی مدت کو جمع کریں تو ستتر سال بنتی ہے۔

سلطان بہلول بن ملک کالا کے پانچ بیٹے تھے۔ پہلا نظام خاں جو سلطان سکندر کے لقب سے ہندوستان تے تخت پر بیٹھا۔ دوسرا باربک شاہ، تیسرا خواجہ بایزید، چوتھا عالم خاں اور پانچواں فتح خاں۔

سکندر شاہ بن سلطان بہلول کے چھ بیٹے تھے۔ پہلا سلطان ابراہیم، دوسرا جلال خاں، تیسرا اسمٰعیل خاں، چوتھا حسن خاں، پانچواں محمود خاں اور چھٹا دولت خاں۔

ملک محمود بن احمد کی اولاد یں قصبہ بلوت میں مقیم ہیں اور انھیں محمود خیل کہتے ہیں اور موجی کی اولادوں کو موجی خیل کے نام سے شہرت حاصل ہے۔

ملک یوسف کی دو بیویاں تھیں۔ ایک جام ولد نیازی کی بیٹی تھی اور دوسری اشو کاکر کی لڑکی تھی۔ نیازی قوم والی بیوی سے ملک یوسف کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلے کا نام پائی خیل دوسرے کا تاجی خیل اور تیسرے کو نسو خیل کہتے تھے۔ ملک یوسف کے ہاں کاکر قوم والی بیوی سے بھی تین لڑکے پیدا ہوئے۔ بڑا خیرو، دوسرا مانی اور چھوٹا انجی کے نام سے مشہور تھا۔ خیرو کی نسلیں زیادہ نہیں بڑھیں بلکہ بہت کم رہیں، البتہ مانی بن ملک یوسف کی آل اولاد اتنی بڑھی کہ [ے۔ ے] اس کے پانچ الگ الگ قبیلے بنے جو بجواڑہ میں بستے ہیں اور نواب صاحب قبلہ، خانجہاں لودھی

خیرو کی نسل سے ہیں کہتے ہیں کہ اس قبیلے کے صرف دو تین گھر اور کنبے ہیں۔ قصبہ روپڑ میں آباد شیخ محمد اور عادل خاں، ملک یوسف کے چھوٹے بیٹے انجی کی اولادوں میں سے ہیں۔

ملک پائی بن ملک یوسف کہ جسے ملک بیو بھی کہتے ہیں، کے ہاں چار بیٹے تھے۔ ایک کا نام بہدین، دوسرے کا علاؤ الدین، تیسرے کا شمو یا شمون اور چوتھے کو غوری کہتے تھے۔

شمون بن ملک بیو کے ہاں بھی دو بیویاں سے چار بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام میر علی، رکن الدین، فیروز شاہ اور رستم تھے۔ پہلے تین لڑکے جن کے نام میر علی، رکن الدین، فیروز شاہ اور رستم تھے۔ پہلے تین لڑکے ایک ماں سے تھے جو دولت خیل نوحانی کی لڑکی تھی اور چوتھا لڑکا رستم ایک مغلانی بیوی کے بطن سے تھا۔

فیروز شاہ بن ملک شمون کو خدا تعالیٰ نے دو بیٹوں سے نوازا۔ ایک کا نام محمد خاں اور دوسرے کا تتار خاں تھا۔ محمد خاں کی اولادوں کو محمد خانی کہتے ہیں۔ تتار خاں کی اولادیں تتار خانی کہلاتی ہیں۔ تاج الدین کی اولادیں تاج خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ نسو بن ملک یوسف کی اولادوں کو نسو خیل کہا جاتا ہے۔ ملک بیو کی نسلیں بائی خیل کہلاتی ہیں۔ بہدین کی اولادوں کو بہدین خیل کہتے ہیں۔ علاؤ الدین کی اولادوں کو علاء الدین خیل کہا جاتا ہے۔ شمو کی آل اولاد، شمو خیل کے نام سے مشہور ہے۔ غوری کی اولادیں غوری خیل کہلاتی ہیں۔ میر علی کی نسلیں میر علی خیل کے نام سے پکاری جاتی ہیں اور نکردیں کی اولادوں کو نکردین خیل کہتے ہیں۔

سرک یا برک بن عمر بن پرنگی بن میانی بن لودھی کی اولادوں کا ذکر:

سرک ولد عمر بن پرنگی کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام نور اور دوسرے کا سور تھا۔ ایک

دوسرے قول کے مطابق اس کے تین بیٹے تھے اور تیسرے بیٹے کا نام جواحکندی تھا۔

تور ولد سرک کے دو بیٹے تھے۔ ایک توجی اور دوسرا محمود زئی کہلاتا تھا۔ توجی ولد تور کے ہاں تین بیٹے تھے۔ ایک کا نام احمد خیل دوسرے کا نام مندی خیل، تیسرے کا گدائی خیل۔

احمد، مندی اور گدائی خیل کی اولادوں کے [نام معلوم نہیں ہو سکے]۔ محمود زئی کے دو بیٹے تھے ایک کا نام زکریا خیل اور دوسرے کا ایف خیل تھا۔ زکریا خیل اور ایف خیل [کے ناموں کا بھی علم نہ ہو سکا]۔

سور ولد سرک کے ہاں چار بیٹے تھے۔ پہلا حسن زئی، دوسرا اسحاق زئی، تیسرا ابو سعید اور چوتھا سیدو زئی۔

حسن بن سور کے تین بیٹے تھے جن کے نام یوسف خیل بیا خیل اور عمر خیل تھے۔

یوسف، بیا اور عمر کی اولادوں کے نام معلوم نہیں۔

اسحٰق بن سود کا ایک لڑکا تھا جسے شیخ زئی کہتے ہیں۔ ابوسعید بن سود کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے ایک دادی خیل اور دوسرا چنگ زئی۔ دادی اور چنگ کی اولادوں کے بارے میں علم نہیں۔

سیدو زئی ولد سود کا ایک لڑکا تھا اور اسے موسیٰ زئی کہتے تھے۔ موسیٰ ولد سیدو کی اولادوں کے بارے میں علم نہیں۔

دوتانی کی اولادوں کا ذکر جو لودھی کا تیسرا بیٹا تھا۔ دوتائی کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک بیٹا عطا کیا تھا جس کا نام معلوم نہیں۔

سروانی بن میمی بن شاہ حسین ولی بی متو کی اولادوں کا ذکر:

خدا تعالیٰ نے سروائی کو تین بیٹے عطا کیے تھے۔ پہلا سوتی دوسرا سرپال اور تیسرا پلی کہلاتا تھا۔ سوتی اور پلی ایک ماں سے تھے اس لیے دونوں بھائی سوتی ہی کے نام مشہور رہے۔ پلی کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ سوتی بن سروانی کے پانچ بیٹے تھے۔ تین تو اس کے سگے بیٹے تھے لیکن دو لے پالک تھے جنھیں اس نے اپنے بچوں کے ساتھ پالا پوسا تھا۔ ابوالفرج، ایک اور بوبک سگے بیٹے تھے جبکہ حسن اور ہدیا لے پالک تھے۔ ان سب میں سے ایک اور بوبک کے ہاں اولاد نہ تھی لیکن بعض کا قول ہے کہ ان کے ہاں اولاد تو تھی لیکن بہت ہی کم تھی۔

حسن کی اولادوں کو حسن خیل اور ہدیا کی اولادوں کو ہدیا خیل کہتے ہیں اور یہ دونوں قبیلے اب تک باقی ہیں۔

ابوالفرج بن سروائی کو خدا تعالیٰ نے تین فرزند عطا کیے۔ پہلا یونس، دوسرا شہباز اور تیسرا سرمیر تھا۔ ان تینوں کی اولادیں الگ الگ قبیلوں کے نام سے آج تک موجود ہیں۔

یونس بن ابوالفرج کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ بڑے کا نام یوسف اور چھوٹے کا نام متا تھا۔ دونوں کی اولادیں اب تک سلامت ہیں۔

یوسف بن یونس کو خدائے پاک نے دو بیٹوں سے نوازا۔ ایک کا نام اسمٰعیل اور دوسرے کا نام "اچا" تھا۔ دونوں کی اولادیں آج تک باقی ہیں۔

اسمٰعیل بن یوسف کے پانچ بیٹے تھیں۔ کہتے ہیں اسمٰعیل کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام پی پی اور دوسری کا مانو تھا۔

بی بی کے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام ہدو، استوزئی اور سام تھے ان

سب کی اولادیں اب تک موجود ہیں۔

مجا بن اسمٰعیل پانچ بیٹوں کا باپ بنا۔ پہلا علی، دوسرا فیروز، تیسرا الہرب، چوتھا خبا اور پانچواں شام [یا سام؟] کہلاتا تھا۔

سام کے تین بیٹے تھے۔ پہلا اما، دوسرا بہدین اور تیسرا ہوتی کے نام سے مشہور تھے۔

بہدین بن سام کے لیکن ایک دوسرے قول کے مطابق ہوتی بن سام کے چار بیٹے تھے۔ ایک ایک، دوسرا احمد ک، تیسرا الک اور چوتھا کدا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

ایک بن بہدین کے سات بیٹے تھے۔ پہلا ملک وشی، دوسرا جال، تیسرا رکن الدین، چوتھا علاؤالدین۔ ان چاروں کی اولادیں اب تک باقی ہیں۔ پانچواں منا تھا جس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ چھٹا اللہ داد جس کی نسلیں اب تک موجود ہیں اور ساتواں بارک کہلاتا تھا جو لاولد مرا۔

ملک وشی بن ایک کے ہاں ایک ہی بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ولاور خاں تھا۔ ولاور خاں بن ملک وشی کے ہاں بھی ایک ہی لڑکا تھا جسے احمد خاں کہتے تھے۔ اس احمد خاں کو سلطانی سکندر لودھی نے اعظم ہمایوں کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا اور وہ ایک زئی قبیلے میں سے تھا۔

احمد ک، الک، کدا اور منا ولد یونس کی اولادوں کے بارے میں معلوم نہیں۔

شہباز بن ابوالفرج کے ہاں بھی اکلوتا بیٹا تھا جس کا نام اس نے خضر رکھا۔

خضر بن شہباز کو خدا نے چھ بیٹے عطا کیے۔ چار سگے اور دو لے پالک۔ پہلا اسوت، دوسرا اسنجر، تیسرا اخبازئی، چوتھا زکوزئی، (یہ چاروں سگے بیٹے تھے)۔ پانچواں رستم اور چھٹا تاہرزئی تھا۔ یہ آخری دونوں لے پالک تھے۔

اس کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے، پہلا چنری، دوسرا احمد اور تیسرا اسوری۔

چنری یا چنری کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اسی طرح احمد بھی لاولد ہی رہا۔

سورہ ولد سرپال کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا گکھور، دوسرا شہباز اور تیسرا ہیبت۔
گکھور بن سوری کے چھ بیٹے تھے۔ پہلا ابراہیم، دوسرا اسید، تیسرا اوپی، چوتھا الوت، پانچواں سنکت اور چھٹا ملانا کہلاتا ہے۔
ابراہیم بن گکھور کے ہاں تین فرزند پیدا ہوئے سب سے بڑا محمود منجھلا ہارون اور چھوٹے کو کندوی کہتے تھے۔
محمود بن ابراہیم کے ہاں موسیٰ نام کا اکلوتا بیٹا تھا۔ البتہ موسیٰ بن محمود کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا اجو، دوسرا الو اور تیسرا احمد۔
اجو اور الو کی اولادوں کے بارے میں علم نہیں۔
شیخ احمد جو گکھور کے نام سے مشہور تھا اور جسے احمد جوانمرد بھی کہتے ہیں، کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا ہدو، دوسرا ممو اور تیسرا شیخ سلیمان دانا۔
ممو بن احمد جوانمرد کا ایک ہی لڑکا تھا جسے متا کہتے تھے۔ متا بن ممو کے ہاں بھی ایک ہی لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عمر خاں تھا۔ یہ عمر خاں سلطان سکندر لودھی کا وزیر تھا۔
عمر خاں بن متا کے چار بیٹے تھے بڑے کا نام سعید، دوسرے کا ہیبت خاں، تیسرے کا بابو خاں اور چوتھے کو ابراہیم خاں کہتے تھے۔
کہتے ہیں کہ سلطان سکندر لودھی نے ایک دن اسی ابراہیم خاں بن عمر خاں کو بلا کر حکم دیا کہ جاؤ کابل کو مغلوں کے قبضے سے رہا کراؤ۔ اس نے حکم کی تعمیل کی اور بابر بادشاہ کے ساتھ جنگ کرتا ہوا پکڑا گیا اور مغلوں نے اسے قید کر لیا۔
شیخ سلیمان دانا بن احمد جوانمرد کے ہاں تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ پہلا شیخ محمود حاجی، دوسرا شیخ ملی قتال اور تیسرا احسن سرمست۔ لڑکیوں میں ایک کا نام بی بی دودیہ تھی جو مہند بن غوری بن گوند کے نکاح میں تھی اور دوسری کا نام بی بی پیاری تھا جو شیخ متی بن شیخ عباس بن شیخ عمر بن خلیل کے ساتھ بیاہی گئی۔

شیخ محمود مذکور کی اولادوں کے بارے میں معلوم نہیں۔ شیخ ملی قتال بن شیخ سلیمان دانا کے دو بیٹے تھے۔ شیخ علی شہباز اور شیخ بایزید دریا۔

شیخ علی شہباز بن شیخ ملی قتال کو خدا تعالیٰ نے ایک بیٹا دیا جسے شیخ احمد جوانمرد کہتے ہیں۔

شیخ احمد جوانمرد کے ہاں چار بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا صدر جہاں مالیزئی، دوسرا شاہ سکندر، تیسرا شیخ خواجہ اور چوتھا علی شیر۔

ہارون ولد ابراہیم اور کزوی ولد ابراہیم کی اولادوں کے بارے میں علم نہیں۔

صدر جہاں مالیزئی کے حالات کو ہم سروانی قبیلے کے مشائخ اور صوفیہ کے حالات کے ساتھ، اس تاریخ کے آخر میں مختصر طور پر بیان کریں گے۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خدا رسیدہ بزرگوں کے ظاہری و باطنی حالات و مقامات کو سمجھنے اور بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سید ولد لکھپور، یوپی ولد لکھپور، الوت ولد لکھپور، سنکت ولد لکھپور کی اولادوں کے بارے میں معلوم نہیں۔

شہباز ولد سوری کو خدا تعالیٰ نے تین بیٹے عطا کیے۔ پہلا ایوب، دوسرا ملکیار اور تیسرا دوی۔

ایوب ولد شہباز کے بھی چار بیٹے تھے۔ ایک کا نام علی، دوسرے کا حنیف، تیسرے کا ظہیر اور چوتھے کا تندک تھا۔

ہیبت بن سوری بن سرپال کو اللہ تعالیٰ نے سات بیٹے عطا کیے تھے۔ سب سے بڑا حسن، دوسرا بدو، تیسرا املانا، چوتھا تنا، پانچواں ودود، چھٹا بلخان اور ساتواں شیخ سعد کے نام سے مشہور تھا۔"

خانجہان لودھی کا شجرہ نسب

لودھی بن متی تک اس کا سلسلہ نسب اس طرح سے ہے۔ ملک احمد بن ملک عنبر بن ملک علی بن ملک اچک بن ملک مانا بن ملک یوسف بن اسحاق عمر بن پرنگی بن سیانی بن لودھی بن متی۔ ملک احمد لودھی کے 4 بیٹے تھے۔ سب سے بڑا دولت خان جو شیر خان کے لقب سے مشہور تھا۔ دوسرے نصرت خان تیسرے پہاڑ خان اور چوتھے موسیٰ خان۔

میاں شیر خاں ولد ملک احمد کی اولاد

اس کی چار بیویوں سے آٹھ بیٹے تھے ایک سے میاں عمر خاں میاں عمر خاں کے ہاں میاں دولت خاں ہوا اور آگے ان کے دو بیٹے عزیز خاں اور بہار خاں تھے۔ اسی بیوی سے میاں دولت خاں کا دوسرا بیٹا میاں پیر خاں المخاطب بہ خانجہاں ہے میاں پیر خاں (خانجہاں) رستم خان جس کا بادشاہی لقب اصالت خان ہے دوسرے بایزید خان جس کا لقب خانجہاں ہی ہے تیسرے حسین خاں جس کا سرکاری لقب لشکر شکن ہے۔ اور ایک روایت میں اس کا نام حسن خان لودھی درج ہے۔ چوتھے عظمت خان پانچویں دولت خاں، چھٹے خانجہاں ساتویں موسیٰ خاں اور آٹھویں ہیبت خاں جبکہ دوسری بیوی سے میاں دولت خاں (شیر خاں) کمال خاں اور چھوٹے داؤد خاں تھے۔ ان میں سے کسی کی کوئی اولاد نرینہ زندہ نہ بچی۔ تیسری بیوی سے محمود پیدا ہوا۔ محمود کے ہاں الہداد خاں اور اس سے سلیم خاں اور پھر اس سے محمد خاں پیدا ہوئے۔ چوتھی بیوی سے میاں دولت خاں کے ہاں فتح خاں، قاسم خاں اور

شادی خاں تھے۔قاسم خاں اور شادی خاں کا کوئی بیٹا زندہ نہ رہا البتہ فتح خاں کے ہاں ایک لڑکا تا تار خاں پیدا ہوا۔

میاں نصرت خاں ولد ملک احمد کی اولاد

میاں نصرت خاں کے چار بیٹے تھے کالو خاں علاول خاں جمال خاں اور قتلو خاں۔کالو خاں کے تین بیٹے پہلے بہادر خاں دوسرے بدو خاں اور تیسرے مبارز خاں۔بہادر خاں ولد کالو خاں کے ہاں چار بیویوں سے گیارہ بیٹے تھے ایک بیوی سے مصطفیٰ محمد خاں گوہر اور داؤد تھے۔دوسری بیوی سے شیر خاں نصرت خاں اور پہاڑ خاں۔تیسری بیوی سے شہباز خاں اور حبیب خاں۔چوتھی بیوی سے بایزید خاں اور اسمٰعیل خاں۔بلو خاں ولد کالو خان کے ہاں صرف ایک ہی لڑکا سکندر خان تھا۔علاول خان ولد نصرت خان کے بیٹے رائے حسین، دوسرے محمد خاں، تیسرے احمد خاں، چوتھے عبدالکریم اور پانچویں عبداللہ خاں تھے۔رائے حسین ولد علاول خاں کے محمود خاں اور نصرت خان تھے جن سے کوئی اولاد باقی نہ رہی محمود خاں کے دو بیٹے تھے یعنی بہار خاں اور شیر خاں۔محمد خاں ولد علاول خاں کے 7 بیٹے تھے اول علی خاں، دوسرے عمر خاں، تیسر ابراہیم خاں، چوتھا عبدالرسول، پانچواں مصطفیٰ، چھٹا ابا بکر اور ساتواں یعقوب علی خاں دو بیٹے بہار خاں اور حسن خاں تھے۔عبدالرسول ولد محمد خاں کا ایک بیٹا ہے احمد خاں ولد علاول خاں کے دو بیٹے فتح خاں اور عبداللہ تھے عبدالکریم ولد علاول خان کے بھی شہباز خاں اور عبدالکریم تھے۔عبداللہ خاں ولد علاول خاں کا ایک بیٹا فتح خاں تھا جمال خاں ولد نصرت خاں کے ہاں بھی دو بیٹے

نصرت خاں اور فیروز خاں تھے نصرت خاں کے ہاں ایک بیٹا چھجا تھا۔ قتلو خاں ولد نصرت خان کے چار بیٹے تھے احمد خاں جلال خاں شہباز خاں اور پہاڑ خاں لیکن ان چاروں میں سے کوئی بھی سلامت نہ بچا احمد خاں ولد قتلو خاں کے دو رسول خاں اور جلال خاں تھے جلال خاں ولد قتلو خاں کے چار بیٹے رستم خاں نصرت خاں حاجی محمد اور احمد خاں تھے۔ پہاڑ خاں ولد ملک احمد کے چھ لڑکے تاتار خاں علاول خاں مبارک خاں علی خاں فتح خاں اور حسن خاں تھے۔ تاتار خاں کے ہاں دو بیٹے قطب خاں اور احمد خاں تھے ان دونوں میں سے کسی کے ہاں مزید کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی اور لاولد رہے۔ قطب خاں ولد تاتار خاں کے ابراہیم خاں حسن خاں باز خاں قاسم خاں عمر خاں پیدا ہوئے ابراہیم ولد قطب خاں کے گھر علی خاں اور حسن خاں پیدا ہوئے۔ علاول خان کے اسد خاں پیدا ہوا۔ اسد خاں کا ایک ہی بیٹا شاہ محمد تھا شاہ محمد کے دو بیٹے شہباز خاں اور مبارک خاں تھے مبارک خان ولد پہاڑ خاں کے نظام خاں اور کبیر خاں تھے۔ نظام خاں کی صرف ایک اولاد محمد خاں ہے اور محمد خاں کا اکلوتا بیٹا سرمست خاں تھا۔ علی خاں ولد پہاڑ خاں کے تین بیٹے فرید خاں عالم خاں۔ جس کی کوئی اولاد زندہ نہ رہی اور فرید خاں تھا۔ فرید خاں ولد علی خاں کے دس بیٹے تھے آدم خاں جلال خاں عالم خاں کمال خاں راجو خاں جہاں خاں محمد خاں احمد خاں علاول خاں اور مولانا۔ فتح خان ولد عبدالرسول عبدالغفور سلیم خاں شیخ محمد احمد خاں محمود خاں تھے عبدالغفور کے گھر بہادر خاں ہوا بہادر خاں کے ہاں سلیم خاں اور شہباز خاں پیدا ہوئے جن کے ہاں آگے کوئی اولاد نہیں۔ جبکہ شیخ محمد کا لڑکا بارا خاں محمود خاں ولد فتح خاں کے واحد خاں اور احمد خاں تھے۔ موسیٰ خاں ولد ملک احمد کی اولاد موسیٰ خاں کے ہاں چار

بیٹے خاں جہاں (یا جہان خاں) جلال خاں ابراہیم خاں اور حسین خاں تھے۔ان میں سے جلال خاں کے تین بیٹے نعمت خاں جس کی مزید کوئی اولاد زندہ نہ بچی محمد خاں اور تیسرا میاں خضر خاں تھے۔ (۵۴۷) محمد خاں کے دو بیٹے ہیبت خاں اور محمود خاں تھے خضر خاں ولد جلال خاں کے بیٹے اسمٰعیل خاں منصور خاں اور تیسرا حسین خاں تھے۔حسین خاں ولد خضر خاں کے چار بیٹے راجو خاں علاول خاں عالم خاں اور علی خاں تھے۔(2)

نسب نامہ اولاد خان جہان لودھی

نواب خان جہاں لودھی کے ایک بیٹے حسن خان لودھی تھے۔ان کا بیٹا میجر شادی خان لودھی تھا جو 1692ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے لڑتے ہوئے ایک جنگ میں مارا گیا اس کی وفات پر ملکہ برطانیہ میری دوم نے اپنی تصویر پر ایک تعزیت نامہ بھیجا تھا جو اس کتاب میں شامل ہے میجر شادی خان لودھی کی اولاد میں دو بھائی نواب عبدالرحیم خان جہان لودھی اور نواب عبدالکریم خان لودھی تھے عبدالرحیم لودھی احمد شاہ ابدالی کی فوج میں شامل تھا ان دونوں کو ضلع مردان (صوبہ سرحد) میں جاگیریں عطاء کی گئیں اور 1761ء میں یہ دونوں مستقلاً مردان آ گئے۔عبدالرحیم خان نے بغدادہ مردان میں وفات پائی جبکہ عبدالکریم نے ٹوپی (صوابی۔مردان) میں 1801ء میں وفات پائی جس کی اولاد ٹوپی صوابی میں آباد ہے۔نواب عبدالرحیم خان لودھی کے دو بیٹے اشد علی خان اور ڈیرو خان تھے اشد علی خان کی اولاد بغدادہ مردان میں آباد ہے ڈیرو خان کی اولاد گوجر گڑھی مردان میں

آباد ہے۔

بغدادہ مردان کے لودھی

اشدعلی خان کے تین بیٹے شاہ علی خان اکبرعلی خان اور محبت خان تھے۔شاہ علی خان کا بیٹا زیارت خان تھا زیارت خان کے دو بیٹے ظاہر شاہ اور میرافضل (متولد 25 دسمبر 1895 متوفی 08 جنوری 1956ء) تھے۔ظاہر شاہ (زیر شاہ) کے 4 لڑکے رحمت شاہ لودھی (متوفی 1971ء بمبئی) سرورشاہ لودھی، معروف شاہ لودھی (لاولد) اور محمود شاہ تھے رحمت شاہ کے دو بیٹے تھے۔جبکہ سرورشاہ کا ایک بیٹا پرویز خان تھا محمود شاہ کے 5 بیٹے خالد خان زاہد خان مقصود خان جاوید خان اور عارف خان ہیں۔

میرافضل ولد زیارت خان لودھی کے چار لڑکے پیر سید لودھی (لاولد فوت شد 1963۔بغدادہ) شاہ حسین خان لودھی (1932-1977) شیرافضل خان لودھی (لاولد) اور ظاہر شاہ لودھی ہیں۔شاہ حسین لودھی کا ایک بیٹا عابد حسین خان لودھی (متولد 1966) ہیں جو نمبردار ہیں اور تاریخ لودھی کے مصنف ہیں انکے دو بیٹے حسن خان لودھی اور خضر خان لودھی اور دو بیٹیاں عصمہ لودھی و ہما لودھی ہیں ۔ظاہر شاہ کے دو بیٹے عامر شیراز اور یاسر شیراز ہیں۔

محبت خان لودھی کے 3 لڑکے مدت خان آست خان اور کپور خان (لاولد فوت شد) ہے۔آستہ خان کے ملک ہشم خان پیدا ہوا اور اسکے ملک شمروز خان پیدا ہوا جو پولیس میں SHO تھے۔ملک شمروز خان کے شمشاد خان (لاولد) ناصر

خان(لاولد)شاہ نواز خان(D S P پشاور پولیس ہیڈ کوارٹرز)صفدر خان(لاولد)منیر خان اور رب نواز خان (لاولد) پیدا ہوئے۔

مدت خان کے سعادت خان یعقوب خان عزت خان دلیل خان سکندر خان (لاولد) پیدا ہوئے سعادت خان کے مطقاب الدین اشرف الدین اور مہتاب الدین پیدا ہوئے۔مہتاب الدین کے اسلام الدین (لاولد) اور نوشاد خان پیدا ہوئے نوشاد خان کے عباس خان اور بلال خان پیدا ہوئے اشرف الدین کے بابوالدین محمد ایوب اور عزیز خان (لاولد) پیدا ہوئے ۔بابوالدین کے یوسف خان شاہ خلیل عارف خان پیدا ہوئے یوسف خان کے زارق خان پیدا ہوئے شاہ خلیل کے حارث خان زکریا خان اور ابوبکر خان پیدا ہوئے مطقاب الدین کے لطاب الدین پرویز اسرارالدین شاہجہان ارشاد خان اور کشور خان پیدا ہوئے پرویز کے رحمان علی اور رضوان علی پیدا ہوئے۔

دلیل خان ابن مدت خان کے پھلیل خان اور فقیر شاہ پیدا ہوئے پھلیل خان کے تاج محمد خان شاہ محمد خان اکرم خان اور شیر بہادر پیدا ہوئے تاج محمد خان کے نثار علی خان ممتاز علی خان جمیل خان و پرویز خان پیدا ہوئے شاہ محمد خان کے شیر علی لیاقت علی افتخار علی اور دربار علی پیدا ہوئے۔شیر علی خان کے نوید خان وحید خان اور نواز خان پیدا ہوئے لیاقت علی خان کے شہاب خان اور جنید خان پیدا ہوئے۔اکرم خان کے مسماۃ شیدہ لودھی (زوجہ عابد حسین خان لودھی مصنف تاریخ لودھی) مختیار علی خان بختیار علی نان سردار علی خان اور 6 لڑکیاں دیگر تولد ہوئیں شیر بہادر خان کے اسد علی خان عمر روق خان زبیر احمد خان اور آصف خان پیدا ہوئے۔

فقیر شاہ ولد دلیل خان کے انور خان اور شمس القمر پیدا ہوئے انور خان کے واجد علی خان ارشد علی ابرار علی اور فقیر علی پیدا ہوئے شمس القمر کے شاہد حیات اجمل حیات اشفاق احمد اور احمد حیات پیدا ہوئے شاہد حیات کے زریاب خان اور زارق خان پیدا ہوئے۔

عزت خان ابن مدت خان کے مشال خان پیدا ہوا مشال خان کے سید کمال سیف الرحمٰن شمس الدین نور جمال ریحان الدین اور سید رحمان (لاولد) پیدا ہوئے۔

سید کمال کے سبحان الدین شمشاد خان اور زرشاد پیدا ہوئے سبحان الدین کے غفران الدین میاں شاد اور ذاکر الدین پیدا ہوئے شمشاد خان کے گل شاد اور طارق پیدا ہوئے زرشاد کے ساجد خان پیدا ہوا۔

سیف الرحمٰن کے شمس الرحمٰن اور نصر اللہ پیدا ہوئے شمس الرحمٰن کے واجد خان فیاض خان اور ایکا ذالدین پیدا ہوئے نصر اللہ کے سمیع اللہ اور سلمان پیدا ہوئے۔

شمس الدین کے فارس خان وارث خان اور افضل خان پیدا ہوئے فارس خان کے زبیر خان عارف خان اور آصف خان پیدا ہوئے۔وارث خان کے 7 بچے پیدا ہوئے۔افضل خان کے حارث خان پیدا ہوا۔

نور جمال کے محمد شیر خان ابراہیم خان خالد خان اختر زیب پیدا ہوئے محمد شیر خان کے بابر زیب ذیشان حیدر پیدا ہوئے ابراہیم خان کے شاہ زیب منظور احمد اور علی خان پیدا ہوئے خالد خان کے محمد وقاص اور عزت خان پیدا ہوئے اختر زیب کے تیمور زیب کمال زیب اور عادل زیب پیدا ہوئے۔

ریحان الدین کے احمد زیب راحت زیب طاہر زیب اور خان زیب پیدا ہوئے احمد

زیب کے عبداللہ پیدا ہوا راحت زیب کے عصلال اور جلال پیدا ہوئے طاہر زیب کے زوھیب پیدا ہوا۔(3)

گوجر گڑھی کے لودھی

ڈیرو خان کی اولاد بغدادہ سے کچھ فاصلے پر گوجر گڑھی مردان میں آباد ہے
ڈیرو ابن نواب عبدالرحیم خان جہان لودھی کا اصل نام نواب ظاہر علی خان (زیر علی خان) تھا اس کا ایک ہی بیٹا بشیر خان تھا بشیر خان کے 5 بیٹے پذیر خان تاج میر قدیر خان امیر خان اور شاہ میر خان تھے۔

پذیر خان کے لعل میر، خان میر (عرف معروف) اور شاہ پسند پیدا ہوئے لعل میر کے حیدر خان سردار خان سرفراز خان (عرف اکرم خان) شمشو بی بی، خان خیلہ بی بی (زوجہ اکبر خان ولد شاہ پسند خان لودھی) زرکیشہ بی بی اور اکبرو بی بی پیدا ہوئے حیدر خان کے شہباز خان مرتضی خان، ممتاز بی بی پیدا ہوئے۔شہباز خان کے زبیر خان وقار خان عبید خان احد خان اور 3 بیٹیاں پیدا ہوئیں مرتضی خان کے عارف عاطف آصف کاشف اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔

سردار خان کے منظر خان پیدا ہوا منظر خان کے منصور خان سلمان خان اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں سرفراز خان کے مشل خان پیدا ہوا مشل خان کے ہارون اور فیاض پیدا ہوئے۔

خان میر خان ولد پذیر کے میرا خان شہزادہ طاؤس خان گل شمع بی بی بدمہ بی بی اور راجیر سلطانہ بی بی پیدا ہوئے۔شاہ پسند خان کے اکبر خان (زوجہ خان خیلہ بی

بی) میاں حسن شاہ پیدا ہوئے اکبر خان کے جمشید خان انور خان شوکت بیگم (زوجہ حبیب الرحمٰن لودھی افسر NADRA مردان) اور نثار اختر پیدا ہوئے انور خان کے جیاد انور اور کشش انور پیدا ہوئے میاں حسن شاہ کے ریاض خان ہمایوں خان یسار خان اور 2 بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

امیر خان ابن بشیر خان اب ڈیرہ خان کے دولڑ کے نواب خان اور کبیر خان پیدا ہوئے کبیر خان کے زوجہ اول سے قمر الدین عمر دین زیور دین اور بکر الدین پیدا ہوئے جبکہ اسکی دوسری بیوی سے ضمیر گل اور انظر گل پیدا ہوئے۔

قمر الدین کے ہمیش گل پیدا ہوا ہمیش گل کے حستم خان اور غفور خان پیدا ہوئے حستم خان کے قیوم خان وطائر خان وغیرہ پیدا ہوئے غفور خان کے عزیز الرحمٰن وعنایت الرحمٰن وغیرہ پیدا ہوئے عمر دین کے حبیب گل شاس گل اسرار الدین نذر دین عرف نظر گل اور عثمان الدین پیدا ہوئے حبیب گل کے دو بیٹیاں ہیں اسرار الدین کے نور محمد پیدا ہوا نذر دین کے ظاہر الدین اور ہنار الدین پیدا ہوئے عثمان الدین کے مراد علی شاہ اور ولایت شاہ پیدا ہوئے۔

زیور دین کے محمد گل پیدا ہوا محمد گل کے وحید گل زہراب گل ریدی گل اور امیر زادہ پیدا ہوئے۔ وحید گل کے قیصر خان وروشن خان پیدا ہوئے زہراب گل کے بھی اولاد ہے ریدی گل کے سدھیر گل اور 2 لڑکیاں ہیں امیزادہ کے شکیل احمد خان وغیرہ پیدا ہوئے۔ بکر الدین ولد کبیر خان کے تازہ دین اور ضیاء الدین پیدا ہوئے تازہ دین کے آدم خان عالم خان اور رحیم داد خان پیدا ہوئے ضیاء الدین خان کے جہانگیر خان وغیرہ پیدا ہوئے۔

ضمیر گل ولد کبیر خان کے میراد گل جنت گل صائب گل و محراب گل وغیرہ پیدا ہوئے انظر گل ولد کبیر خان کے لطاب گل مہتاب گل اور ایک لڑکا اور پیدا ہوا لطاب گل کے مسلم شاہ تاج بر شاہ امیر رحمٰن اور غنی الرحمٰن پیدا ہوئے مہتاب گل کے سید ولی شاہ امیر ختم شاہ اور احمد علی شاہ پیدا ہوئے انظر گل کے تیسرے لڑکے (جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا) کے دلبر شاہ اور مبارک شاہ پیدا ہوئے مبارک شاہ کے عنایت علی شاہ راج ولی شاہ سخاوت علی شاہ اور جنید علی شاہ پیدا ہوئے۔

نواب خان ولد امیر خان ولد بشیر خان کے پہلی بیوی سے رحم الدین سعد الدین (لاولد) اور رفیع الدین پیدا ہوئے اور دوسری بیوی سے شیر محمد (لاولد) پیدا ہوا۔ رحم الدین ولد نواب خان کے پہلی بیوی گل جان سے زرجان بی بی حسینی بی بی اور زربی بی پیدا ہوئے جبکہ دوسری بیوی امیر زادگئی سے سلطانہ بی بی پیدا ہوئی۔

رفیع الدین کے احمد خان اور محمد خان پیدا ہوئے۔ احمد خان کے حبیب الرحمٰن خان لودھی اور خلیل الرحمٰن خان پیدا ہوئے حبیب الرحمٰن خان لودھی نادرہ میں آفیسر ہین اور لودھی شجروں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ انکے یاسر حبیب لودھی فواد حبیب لودھی مسماۃ اسماء حبیب لودھی اور مسماۃ ارسہ حبیب لودھی پیدا ہوئے خلیل الرحمٰن خان کے آفتاب لودھی انتخاب لودھی اور عائشہ لودھی پیدا ہوئے محمد خان ولد رفیع الدین کے محتاج الدین پیدا ہوا محتاج الدین کے عبدالحیات عبدالسلام عبدالباسط حماد محمد حیات جاہد اور ثمرین پیدا ہوئے۔

شاہ میر خان ولد بشیر خان ولد ڈیرو خان کے سید امیر، تجیر ا اور وزیر پیدا ہوئے۔ وزیر خان کے مقدمہ شاہ اور منتظر شاہ پیدا ہوئے۔ مقدر شاہ کے سرور

شاہ (سابق کونسلر) رحیم شاہ سرفراز خان اکبر شاہ عنبر شاہ اور انور شاہ پیدا ہوئے سرور شاہ
کے ظاہر شاہ (لیکچرار فزکس) حق نواز، اختر علی، یٰسین اور 2 لڑکیاں پیدا ہوائے رحیم
شاہ کے ایک ہی بیٹی ہے سرفراز خان کے شکیل، ہمایوں اور امتیاز پیدا ہوئے اکبر شاہ
کے عباس علی لیاقت علی مراد علی محمد یونس اور ارشد پیدا ہوئے عنبر شاہ کے عامر شہزاد عمران
شہزاد عدنان اور کامران خان (الیکٹریکل انجینئر) پیدا ہوئے انور شاہ کے طلحہ خان
لقمان اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئے۔ (4)

ٹوپی،صوابی کے لودھی

ٹوپی صوابی کے لودھی پٹھان نواب شادی خان کے دوسرے لڑکے نواب
عبدالکریم خان کی نسل سے ہیں۔ نواب عبدالکریم خان کے قاضی احمد، شرف الدین
، صدر الدین اور شمس الدین پیدا ہوئے۔ شمس الدین کے بہرام خان پیدا ہوا بہرام
خان کے صالح محمد پیدا ہوا صالح محمد کے اللہ نور اور عبداللہ (لاولد) پیدا ہوئے اللہ نور
کے محب نور اور حضرت نور پیدا ہوئے۔

شرف الدین کے قطب الدین جلال الدین اور ابراہیم خان پیدا
ہوئے۔ قطب الدین کے جمال الدین اور علاء الدین پیدا ہوئے۔ جمال الدین کے
معراج الدین قطب عالم (یا قطب علی) اور رواج الدین پیدا ہوئے قطب عالم کے
عبدالرؤف پیدا ہوئے عبدالرؤف کے نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان پیدا ہوئے
جو اسلامیہ کالج پشاور کے بانی ہیں اور سرحد کے وزیر اعلیٰ رہ چکے ہیں انکی اولاد نہیں تھی
غالباً شادی ہی نہیں کی۔

علاء الدین ولد قطب الدین کے پہلی بیوی سے بہاوالدین اور دوسری بیوی سے معارج الدین اور بدیع الدین پیدا ہوئے بہاؤ الدین کے مجید الدین محب الدین (لاولد) اور ضیاء الدین پیدا ہوئے مجید الدین کے ابراہیم خان وعبدالرحیم خان پیدا ہوئے معارج الدین کے حمید الدین پیدا ہوا اور بدیع الدین کے عبدالحمید پیدا ہوا۔

قاضی احمد خان ولد نواب عبدالکریم خان کی اولاد میں وجوہ الدین ابن سعادت خان ابن محب خان ابن ہاشم خان ابن قاضی احمد خان تھا۔وجوہ الدین کے پہلی بیوی سے روح الدین (لاولد) فصیح الدین اور عطاء الدین جبکہ دوسری بیوی سے نظام الدین (لاولد) معین الدین اور تیسری بیوی سے امین الدین اور معاض الدین اور معراج الدین پیدا ہوئے۔فصیح الدین کے سلطان محمد پیدا ہوا سلطان محمد کے سیدعمر پیدا ہوا جولاولد رہا۔

عطاء الدین کے ضیاغ الدین سعد الدین (لاولد) یادالدین (لاولد) اور محی الدین ہیں ضیاء الدین کے لائق الدین اور حضرت الدین پیدا ہوئے حضرت الدین کی اولاد میں ابصارخان وانصارخان پسران شفیق الدین ولد مصباح الدین ولد حضرت الدین ہیں۔

محی الدین کے حنیف اللہ (لاولد) رحیم اللہ قیمت شاہ اور سلیمان شاہ (لاولد) پیدا ہوئے۔رحیم اللہ کے فضل قدیم پیدا ہوا فضل قدیم کے محمد طیب، محمد حنیف محمد اکرام، محمد عمران اور محمد عرفان پیدا ہوئے محمد طیب کے اویس انیس اور عمیر پیدا ہوئے قیمت شاہ کے شمس الحق پیدا ہوا شمس الحق کے سعید الحق، احسان الحق، سجاد آفتاب ضہیب احمد اور کامران پیدا ہوئے۔

عین الدین کے سید رسول شاہ لطیف شاہد (لاولد) اور سید لطیف پیدا ہوئے سید رسول کے اسرائیل (لاولد) سید اصغر سید محمود عبدالواحد اور علی اصغر پیدا ہوئے سید محمود کے مہربان شاہ وصف شاہ اور رحیم شاہ پیدا ہوئے مہربان شاہ کے محمد زمان خلیل الرحمٰن اور حسین شاہ پیدا ہوئے محمد زمان کے کاشف زمان اور عتیق زمان پیدا ہوئے خلیل الرحمٰن کے طارق زمان وحید زمان اور گوہر زمان پیدا ہوئے وحید زمان کے احمد اور ابوسفیان پیدا ہوئے گوہر زمان کے عاشر اور حسین پیدا ہوئے حسین شاہ ولد مہربان شاہ کے آصف زمان اور مشتاق احمد پیدا ہوئے مشتاق احمد کے اعزاز پیدا ہوا۔

وصف شاہ ولد سید محمود ولد سید رسول کے شہزادہ امیر زادہ اور زیور شاہ پیدا ہوئے شیر زادہ کے فیض محمد رب نواز اور محمد نواز پیدا ہوئے امیر زادہ کے عمر حضرت حسین اور حضرت معروف پیدا ہوئے زیور شاہ کے صاحبزادہ، ہارون، عفا، رشاہ اور حماد پیدا ہوئے صاحبزادہ کے ہلال حلال اور عماد پیدا ہوئے۔

علی اصغر ولد سید رسول کی اولاد میں زلف ساہ وصاحب شاہ ومنتظر شاہ ومزمل شاہ ومکمل شاہ پسران مصحب شاہ ولد علی اصغر ہیں اور شیراز وفیروز شاہ ولد اکبر شاہ ولد علی اصغر ہیں۔

سید لطیف ولد عین الدین، سید احمد، سید اکبر اور فضل احمد پیدا ہوئے۔ سید احمد کے سید حسن، حبیب شاہ اور گل احمد پیدا ہوئے۔ حبیب شاہ کے ایم زرین، ایم شیرین اور رحمت شاہ پیدا ہوئے۔ گل احمد کے محمد امین، محمد عثمان اور محمد اسمٰعیل پیدا ہوئے۔ محمد امین کے محمد ابراہیم پیدا ہوا، محمد عثمان کے شہباز، بلال اور محمد سلیمان پیدا ہوئے، محمد اسمٰعیل کے فیاض، شہاب اور فیاض پیدا ہوئے۔

امین الدین ولد وجوہ الدین کا ایک لڑکا صاحب (صاف) الدین تھا۔

معاض الدین ولد وجوہ الدین کے قمر الدین اور تاج الدین پیدا ہوئے۔ قمر الدین کی اولاد میں رحمان الدین، محمد عثمان اور محمد شاہ پسران عیث الدین ولد قمر الدین تھے۔

رحمان الدین کے محمد ایوب، محمد اقبال، محمد امین، محمد شیر اور محمد سردار پیدا ہوئے۔ محمد ایوب کے شہر یار، امر، شیر علی پیدا ہوئے۔ محمد اقبال کے اظہر اور جنید پیدا ہوئے۔ محمد امین کے عبدالصبور، واجد اقبال، ساجد اقبال اور ابرار احمد پیدا ہوئے۔ ابرار احمد کے یاور خان اور آفاق احمد پیدا ہوئے۔

محمد شیر کے بشیر احمد اور منظور احمد پیدا ہوئے۔ محمد سردار کے حامد اقبال اور عابد اقبال پیدا ہوئے۔ عابد اقبال کے محمد یوسف اور نبیل احمد پیدا ہوئے۔

محمد عثمان ولد عیث الدین ولد قمر الدین کے ارشاد اور محمد ریاض پیدا ہوئے۔ ارشاد کے ایاز اور شہباز پیدا ہوئے۔ محمد ریاض کے اسرار، فہیم اور عادل پیدا ہوئے۔

محمد شاہ ولد عیث الدین ولد قمر الدین کے محمد جمیل، عمر زمان، اسد اور نثار پیدا ہوئے۔ محمد جمیل کے اجمل پیدا ہوا۔

تاج الدین ولد معاض الدین ولد وجوہ الدین کے رحم الدین پیدا ہوا۔ رحم الدین کے حیات شاہ و سرور شاہ پیدا ہوئے۔ حیات شاہ کی اولاد میں عباس و احمد پسران نصیر احمد ولد حیات شاہ ہیں۔ سرور شاہ کے بیٹے حیدر شاہ، فقیر شاہ، فرخ سیر، زبیر اور امجد ہیں۔

حیدر شاہ کے وقار احمد، باسط علی، محسن علی اور عزیز احمد پیدا ہوئے۔ فقیر شاہ

کے فیصل احمد اور عباد احمد پیدا ہوئے۔فرخ سیر کے محمود احمد پیدا ہوا۔زبیر کے بھی اولاد ہوئی۔اور امجد کے زوہیب زمان پیدا ہوا۔

معراج الدین ولد وجوہ الدین کے قدرت شاہ (لاولد) اور الیاس الدین پیدا ہوئے۔الیاس الدین کے یعقوب شاہ اور حسن شاہ پیدا ہوئے۔

یعقوب شاہ کے نادر شاہ، انور شاہ اور محمد سلیم پیدا ہوئے۔نادر شاہ کے عاطف، ناصر، عامر، عارف شاہ اور فاروق شاہ پیدا ہوئے۔عارف شاہ کے عبداللہ، حمزہ اور بابر پیدا ہوئے۔فاروق شاہ کے زین العابدین اور صلاح الدین پیدا ہوئے۔

انور شاہ کے اشفاق احمد، اشتیاق احمد، امتیاز احمد، سہراب احمد اور وقاص احمد پیدا ہوئے۔امتیاز احمد کے محمد زریاب خان پیدا ہوا۔محمد سلیم کے شکیل احمد، عقیل احمد، محمد عاصم اور محمد وسیم پیدا ہوئے۔

حسن شاہ ولد الیاس الدین ولد معراج الدین کے صابر شاہ، شمس القمر اور زاہد شاہ پیدا ہوئے۔صابر شاہ کے ثاقب بادشاہ پیدا ہوا۔شمس القمر کے توقیر احمد، تنویر احمد، نوید احمد اور سجاد احمد پیدا ہوائے۔زاہد شاہ کے عبدالرحمان پیدا ہوا۔(5)

رشکئی اور نوشہرہ کے لودھی

رشکئی اور نوشہرہ میں بھی لودھی آباد ہیں مگر انکے نسب نامے مجھے نہیں مل سکے۔

انتباہ

ان نسب ناموں میں جو نام پرانی نسلوں کے ہیں انکی میں نے ریکارڈ مال و کتب سے تصدیق کی ہے اور جدید نسلوں کے نام زبانی روایات و مشاہدے پر مبنی ہیں گر کچھ نام چھوٹ گئے ہیں تو وہ غیر دانستہ طور پر رہ گئے ہیں میں نے اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کی ہے کہ سارے نام دوں۔ رہ جانے والے نام آئندہ ایڈیشن میں لگائے جائیں گے۔ نیز خواتین کے نام بیان کرنے میں افغان چونکہ برا مانتے ہیں لہذا اکثر خواتین کے نام مجھے فراہم نہیں کیے گئے لہذا وہ شامل نہ ہو سکے ہیں جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

مراد آباد کا لودھی خاندان

مراد آباد میں محلہ مقبرہ میں ایک لودھی خاندان آباد ہے۔ اسمیں دو بھائی تھے نجو خان اور علی محمد خان ایک دوسری روایت کے مطابق اس نجو خان کا اصل نام فتح محمد خان ولد شمو خان تھا۔ واللہ اعلم۔ علی محمد خان کے دو لڑکے احمد نبی خان اور محمد نبی خان تھے۔ محمد نبی خان کے دو لڑکے امتیاز محمد خان اور دلشاد محمد خان تھے۔ دلشاد محمد خان کے ضیاء النبی، نسیم النبی، سلیم محمد اور اسلم محمد خان جبکہ ایک لڑکی عابدہ تھیں۔ امتیاز محمد خان کے دو لڑکے شمیم محمد خان اور اسلام محمد خان ہیں۔ شمیم محمد خان پاکستان میں ہیں انکے بیٹے صابر خان وغیرہ ہیں اسلام محمد خان مراد آباد میں ہیں انکو مسٹر نور النبی خان (جن کا نسب آگے آتا ہے) نے متبنیٰ کر لیا تھا انکی شادی نزہت پروین دختر عزیز دولہا بن افت علی خان سے ہوئی۔ اس سے انکے ذوالفقار نبی خان، زبیر نبی خان، ظل ہما بیگم

اور ظل رحمت بیگم ہیں۔

احمد نبی خان کی شادی حضرت شاہ عبدالرحیم مراد آبادی (سلسلہ صابریہ کے مشہور بزرگ) کی بھتیجی شہر بانو دختر عبدالرحمٰن قوم یوسف زئی پٹھان سے ہوئی۔اس سے انکے کلثوم بیگم ماسٹر نورالنبی خان، ارشاد نبی خان اور مشتاق نبی خان پیدا ہوئے۔ماسٹر نورالبنی مراد آباد میں انگریزی کی تدریس میں مشہور تھے انکی تین شادیاں ہوئیں جونا کام رہیں وہ کہتے تھے کہ تیسری بیوی سے انکی ایک لڑکی شگفتہ نامی تھی۔وہ لڑکی زچگی میں ہی فوت ہوگئی ارشاد نبی خان کے شیر علی، بختیار نبی اقبال نبی بختیار نبی اور حیدر نبی خان ہیں۔بختیار نبی کے شاہین بیگم مختار بیگم ممتاز نبی اور شہزاد نبی خان ہیں حیدر نبی کی بیٹی سمرین بیگم ہے یہ سب مراد آباد میں ہے۔نجو خان کے محمد نبی خان ،ولایت حسین (ٹیلی گراف انسپکٹر)، نیازی بیگم (زوجہ الطاف حسین ولد طالب حسین شیخ) بجو بیگم، قدو بیگم (زوجہ محمد رضا خان) پیدا ہوئے۔محمد نبی خان کی اولاد گوجرانوالہ میں برتنوں کے کاروبار سے منسلک ہے انکے بیٹے محمد امیر خان، محمد شفیق خان، محمد رفیق خان، محمد حنیف خان، محمد رئیس خان اور محمد نور خان ہیں۔ولایت حسین کے ارشاد حسین پیدا ہوئے جو لاہور میں تھے ان کے بیٹے غلام حسین خان ہیں غلام حسین خان نے ایک بار اپنا شجرہ یوں بیان کیا ہے غلام حسین خان ولد ارشاد حسین خان ولد ولایت حسین خان ولد فتح محمد (نجو خان) ولد شمو خان۔

maablib.org

بریلی کا لودھی خاندان

بریلی میں کثرت سے لودھی پٹھان آباد تھے اور ابھی ہیں. ان ہی میں ایک

خاندان کے جد امجد جہان خان تھے یہ جہان خان کون تھے اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لودھی حکمرانوں کے دور میں تقریباً ہر لودھی کسی نہ کسی بڑے یا چھوٹے عہدے پر فائز تھا۔ ابراہیم لودھی کے ساتھ پانچ یا چھ ہزار سپاہی قتل ہوئے تھے جو خاص اسی کے قبیلے کے تھے مغلوں کی حکومت میں لودھی روہیکھنڈ آگئے اور زیادہ تر بریلی میں آباد ... میں ہی کوئی جہان خان تھی تھے اس نام کے کئی پٹھان تھے مثلاً خان جہان لودھی جو جہانگیر کا اہم امیر تھا اس کا ایک لڑکا بھی جہان خان نامی تھا۔ جہاں خان اور اس کا بھائی فرید خان گرفتار ہو گئے تھے یہ شاہجہان کا دور تھا۔ مظفر خان عالم خان واحمد خان بھی اسکے بھائی تھے وہ بھی شاہجہاں کے دربار میں پہنچ گئے تھے اصالت خان آوارگی کے عالم میں دولت آباد میں فوت ہو گیا تھا (7) مخزن میں بھی خان جہان لودھی کے ایک لڑکے کا نام جہاں خان درج ہے (8) اسلیئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ جس جہان کان نے بریلی میں مسجد کی بنیاد رکھی وہ کونسا جہان خان تھا آیا ان دونوں میں سے کوئی ایک تھا یا انکے علاوہ کوئی اور تھا۔

جہان خان کی اولاد میں ایک خندان بیگم تھیں جو 1857ء میں بہت ہی ضعیف تھیں اور اس ضعیفی میں بھی جنگ میں انگریزوں کے خلاف لڑی تھیں ان خندان بیگم کے بیٹے غلام مصطفےٰ خان تھے جن کو مصطفےٰ یار خان بھی کہتے تھے اور انکی کنیت نتھو خاں تھی (9) انکے دو بیٹے تھے اللہ یار خان اور ہادی یار خان، ہادی یار خان کے بیٹے راحت یار خان تھے۔ غلام مصطفےٰ خان کے 7 بھائی اور بھی تھے جن کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ اللہ یار خان کی تقریباً 100 سال کی عمر ہوئی انکے 7 بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں ایک بیٹے کا نام حکایت یار خان تھا باقی کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ حکایت یار خان کی اولاد کی

ترتیب اسطرح سے ہے۔ڈاکٹر عبادت یار خان بریلوی، فہمیدہ خان، سعادت یار خان، وجاہت یار خان، نبوت یار خان، نزہت یار خان، دیانت یار خان، نسیمہ خان، نگہت یار خان، نزرت یار خان۔

ڈاکٹر عبادت یار خان کے ایک متبنیٰ فرحان عبادت خان ہیں جن کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے باقی نئی نسلوں کے نام مجھے مل نہیں سکے۔ڈاکٹر عبادت بریلوی پنجاب یونیورسٹی کالج لاہور کے پرنسپل رہ چکے ہیں اور ان کا تذکرہ شخصیات کے ضمن میں آچکا ہے۔(10)

رام پور کا لودھی خاندان

تاریخ میں ابراہیم لودھی کے صرف ایک بیٹے کا ذکر ہے جسمیں اسکی عمر سات سال بیان کی گئی ہے مگر نام نہیں دیا گیا اسکی ایک بیٹی کا ذکر بھی ہے جو نصرت شاہ حاکم بنگال کی بیوی تھی اسکے علاوہ اسکے کسی بیٹے کا ذکر تاریخ میں نہیں ہے جسکی وجہ غالباً یہ ہے کہ اسکی اولاد اور بھائیوں کا تاریخ میں سیاسی کردار ختم ہو چکا تھا اس لیے انکے نام ذکر ہونا رہ گئے رام پور کے جس لودھی خاندان کا ہم یہاں پر نسب پیش کر رہے ہیں وہ سلطان ابراہیم لودھی کی نسل ہونے کا دعویدار ہے اس خاندان سے مرزا عبدالقادر غمگین اور نواب نجیب الدولہ کے خاندان کی رشتہ داریاں اور نوابان رام پور کی جانب سے انکے لئے احترام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خاندان کا قدیم شاہی لودھی خاندان سے تعلق ضرور رہا ہوگا۔خاندانی روایات کے مطابق سلطان ابراہیم لودھی کی اولاد دہلی سے شاہجہان کے دور میں رستم خان دکھنی کے ساتھ یہاں آکر آباد ہوگئی۔ان کے جد

اصلی کا نام اسمٰعیل خان تھا۔ اسکی اولاد کریم اللہ خان خلف مشرف خان ابن بولے خان ابن محمد رضا خان ابن اسمٰعیل خان تھے۔ انکی شادی امینہ بیگم بنت محمد اکرم آشنا سے ہوئی جبکہ انکے ایک دوسرے رشتہ دار عبداللہ خان عرف اجو خان خلف اکبر خان ابن مکرم خان ابن بولے خان کی شادی انتظام بیگم بنت مولوی عبدالقادر غمگین خلف محمد اکرم آشنا سے ہوئی کریم اللہ خان کے بیٹے نیاز علی خان تخلص ضبط تھے کریم اللہ خان کے ایک بھائی محمد علی خان حسرت وکیل تھے جبکہ عبداللہ خان عرف اجو خان کے بیٹے علیم اللہ خان تھے علیم اللہ خان کے بیٹے احمد اللہ خان عرف چندا خان تھے۔

نیاز علی خان ضبط کے تین بیٹے تھے ایک محمود علی خان دوسرے حامد علی خان اور تیسرے امیر علی خان امیر علی خان کے بیٹے کلب علی خان فائق تھے جو اردو ادب کے مشہور ادیب گزرے ہیں انکے صاحبزادے عثمان علی خان ہیں۔ جو صاحب اولاد ہیں محمود خان علی خان کے بیٹے صفدر علی خان تھے جن کے بیٹے اظہر علی خان ہیں جو اظہر عنایتی کر کے مشہور ہیں اور اردو کے مشہور شاعر اور ادیب ہیں۔

اسی خاندان سے مشہور شاعر سعید اللہ خان عیش خلف انعام اللہ خان کا تعلق تھا جو مشہور شاعر تھے انکے بیٹے عزیز اللہ خان عزیز اچھے شاعر گزرے ہیں رام پور سے نیرنگ انہوں نے ہی شروع کی۔ اسی خاندان سے احمد علی خان ضابط خلف نیاز علی خان ضبط تھے جو مشہور شاعر گزرے ہیں۔ ایک دوسرے شاعر فدا علی خان عاقل خلف بندہ علی خان ابن کریم اللہ خان منشی حافظ مظہر علی خان شمس، شیدا علی خان وکیل ابن بندہ علی خان ابن کریم اللہ خان تھے جو رام پور کی نامور شخصیات گزرے ہیں۔ (11)

علی گڑھ کے لودھی

یہ خاندان سلطان بہلول لودھی کے چچا فیروز خان کی نسل سے ہے۔فیروز کان لودھی کا بیٹا شاہین خان تھا جو 1439ء میں سلطان بہلول کی جانب سے لڑتا ہوا مارا گیا اس کا بیٹا شیر خان لودھی تھا جو 1504ء میں فوت ہوا اسکے دو بیٹے محمد خان (لاولد متوفی 1543ء) اور احمد خان تھے احمد کان جنگ پانی پت میں سلطان ابراہیم کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا احمد خان کا بیٹا اسد اللہ کان (متوفی 1555ء) تھا اسد اللہ خان کیدو بیٹے رحمان خان اور حقداد خان تھے حقداد خان 1606ء میں فوت ہوا اس کا بیٹا رحیم داداخان 1639ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا احمد یار خان تھا جس کے تین بیٹے سعد اللہ خان وکمال خان وعالم خان تھے سعد اللہ خان علی گڑھ آگیا عالم خان سنبھل جبکہ کمال خان جونپور چلا گیا۔سعد اللہ خان کا بیٹا اللہ یار خان تھا اس کا بیٹا عبداللہ خان اور اس کا بیٹا محمد نورا کس تھا محمد نورخان نے انگریزی ملازمت اختیار کرلی اور لارڈ لیک کی جانب سے اسے جاگیر ملی اس نے 1824ء میں انتقال کیا اسکے دو بیٹے محمد اللہ داد خان اور محمد حسن خان تھے اللہ داد کان کے 3 بیٹے محمد اوصاف خان، محمد منور علی خان اور محمد عبدالحکیم خان تھے یہ محمد عبدالحکیم خان شوکت افغانی المعروف حیات لودھی کے مصنف ہیں منور علی خان کے دولڑکے محمود علی خان وحامد علی خان ہوئے محمود علی خان کے لیاقت علی خان پیدا ہوا اصاف علی خان کے قاسم علی، ہاشم علی اور خورشید علی پیدا ہوئے۔محمد حسن خان ولد محمد نورخان کے عنایت اللہ خان پیدا ہوا عنایت اللہ خان کے حبیب اللہ کان وعزیز احمد خان پیدا ہوئے۔(12)

بہاول پور کے لودھی

لودھیوں کا ایک خاندان بہاول پور میں بھی ہے دیپال پور اور بہاول پور میں بہلول لودھی کے دور سے لودھی آباد تھے اور یہ علاقے انکے زیر حکومت رہے ہیں یہاں کے لودھی خاندان کی روایت مطابق یہ لوگ سلطان ابراہیم لودھی کی نسل سے ہیں اور اپنا نسب نامہ یوں بیان کرتے ہیں مخدوم سردار محمد حسین خان لودھی ابن سردار لعل خان ابن دولت خان ابن عیسن خان ابن حاجی کان ابن دولت خان ابن حاجی خان ابن حمید خان ابن محمد حسین خان ابن علی سرور خان شاہو خیل یہ علی سرور خیل مشہور بزرگ گزرے ہیں جن کا ذکر مخزن میں بھی ہے انکی خاندانی روایت کے مطابق علی سرور شاہو خیل سلطان ابراہیم لودھی کے بیٹے تھے مگر اس بات کی تصدیق کہیں اور سے نہیں ہوتی البتہ علی سرور شیخ کا شاہو خیل ہونا ثابت ہے۔ سردار محمد حسین خان لودھی ریاست بہاولپور میں وزیر تھے انکی اولاد سے سردار علی امین خان لودھی ابن معین الدین ابن مخدم امین خان ابن سردار محمد حسین خان لودھی تھے انکے دو بیٹے مخدوم زادہ سردار نورالدین محمد وارث خان لودھی اور مخدوم زادہ سردار معین الدین محمد علی خان لودھی ہیں۔(13)

ہوشیار پور کے لودھی

بستی جوڑہ کا لودھی خاندان

یہ خاندان یعقوب خان خلف سلطان بہلول لودھی کی نسل سے ہونے کا دعویدار ہے روایت کے مطابق یعقوب خان کی نسل میں کبیر خان تھا جو نواب خان

جہاں لودھی کی فوج میں ملازم ہو گیا تھا جسے جہانگیر نے لودھی خان کا خطاب دیا تھا کبیر خان اور اس کا بیٹا عظمت خان دونوں خان جہاں لودھی کے ساتھ مارے گئے کبیر کے اکلوتے بچے نصرت خان کی پرورش کے لیے شاہجہان نے وظیفہ مقرر کر دیا نصرف کے دو بیٹے سکندر خان اور سلطان خان تھے سلطان خان کی وفات کے بعد اس کا لڑکا محمود خان گورنر پنجاب آدینہ بیگ کا مقرب خاص بنا محمود خان کو مستے خان بھی کہتے تھے محمود خان کے دو بیٹے شہباز خان اور شرف الدین خان تھے۔

بستی غلام حسین سرک کا لودھی خاندان

اس بستی میں ایک لودھی افغانوں کا خاندان رہائش پذیر تھا اس خاندان کے سرخیل غلام محمد خان لودھی ایک بہادر اور دیانتدار تھانیدار مشہور تھے۔ موصوف ۱۹۴۸ء نومبر میں اپنے بیٹوں کے پاس کراچی میں فوت ہوئے۔ ان کے تین صاحبزادے ہیں غلام دستگیر خان اور غلام یٰسین خان دونوں بھائی کراچی پولیس میں تھانیدار ہیں۔ (14) غلام محمد خان کے تیسرے صاحبزادے پبلک کے دفتر میں ملازم ہیں افسوس ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ شہباز خان کی نسل میں نمبرداری متوارث طور پر جاری رہی شرف الدین خان کی نسل اسکے بیٹوں فقیر اللہ خان اور عبداللہ خان سے جاری ہوئی فقیر اللہ خان کے دو بیٹے ہمو خان اور جمو خان تھے ان کی نسبت سے یہ خاندان ہمو خان و جمو خان مشہور تھا عبداللہ خان کا تیسرا بیٹا نصرت خان (گھاسی خان) اپنے علاقے کی ایک دلیر اور معروف و ممتاز ہستی تھے ان کے سات فرزندان تھے۔

ڈاکٹر رحمت علی خان

۱۹۱۷ء کے انفلوئزا میں مبتلا ہو کر اور اپنے پیچھے دو بیٹوں محمد ارشد خان اور محمد امجد خان کو چھوڑ کر فوت ہوئے۔ دو سعادت مند بیٹے ہیں بڑے کرنل ادیب ارشد خان اور چھوٹے کرنل معین ارشد خان۔

محمد امجد خان

ڈاکٹر رحمت علی خان کے صاحبزادے ہیں۔ ان کے فرزندان راشد اللہ خان اور شمس اللہ خان۔

عنایت محمد خان

آپ ڈاکٹر رحمت علی خان کے چھوٹے بھائی آپ نے ۱۹۳۵ء میں داعی حق کو لبیک کہا اور اپنے پیچھے چار فرمانبردار تربیت یافتہ اور سعادتمند لڑکو چھوڑا۔ دونوں بھائی سکھوں کے حملوں کے دوران کام آئے۔ ان شہیدوں میں ناصر خان اور اس کی زوجہ محترمہ اقبال خانم بچوں میں عطیہ خانم محمد شاکر خان اور اس کا چھوٹا بھائی حبیب اللہ کان اس کی زوجہ محترمہ صفیہ بیگم بچوں میں نجمہ حبیب، بدانساء بیگم اور نجیب اللہ خان اور والدہ محترمہ چچی غلام بی شہادت عظمیٰ سے مشرف ہوئے۔ محمد اکمل ان کے اکلوتے صاحبزادے انجم اکمل خان پی ایچ ڈی یورپ کی کسی مشہور فرم میں براجمان ہیں۔

امان اللہ خان

امان اللہ خان موصوف کے چار صاحبزادے ہیں۔

1۔ محمد ابراہیم خان

2۔ صالح ندیم خاں

3۔ محمد ناصر خان

4۔ محمد حبیب اللہ خان

ولائیت محمد خان

خلف نصرت خان موصوف کے چار صاحبزادگان ہوئے۔

1 ۔نادر خان ۔ان کے دو صاحبزادے عبیداللہ خان اور عبدالواحد خان ہیں۔2 ۔نصراللہ خان ملٹری۔ان کے تین بیٹے اسداللہ خان دوبئی میں اور سمیع اللہ خان سعودی عرب میں ملازم ہیں سیف اللہ پاکستان میں ہیں۔3 ۔محمد اصغر خان۔4 ۔ضیاء اللہ خان مرحوم۔موصوف ولائیت محمد خان مذکورہ بالا کے برادر اصغر اور نجھے خان کے فرزند تھے۔

جعفر خان۔جعفر خان موصوف کے دو لڑکے تھے۔محمد سرور خان۔ان کے دو صاحبزادے ہیں محمد جاوید سرور خان اور اقبال سرور خان۔ محمد اظہر خان۔کے دو صاحبزادے محمد انور کمال پاشا اور محمد عادل خان تھے۔مہدی خان۔ان کے دو صاحبزادے ہوئے ایک حارث خان جو سکھ حملوں کے دوران شہید ہوئے دوسرے خالد خان۔

خاندان جمو خان

اس خاندان کا تعلق شرف الدین خان کے بڑے بیٹے فقیر اللہ کان کی نسل سے تھا فقیر اللہ خان کے دو بیٹے حمو خان اور جمو خان تھے حمو خان کا صرف ایک لڑکا نیاز

محمد خان تھا جو لاولد فوت ہوا جمو خان کے تین بیٹے کثیرالاولاد ہوئے۔یار محمد خان کے چھ فرزند ہوئے اور علی محمد خان کے بفضل تعالیٰ دس صاحبزادے اور احسان محمد خان کے دو لڑکے ہیں۔(16)

خاندان دیپڑے والا

یہ ایک مختصر سا خاندان تھا ان لوگوں کے مفصل حالات معلوم نہ ہو سکے دو بھائی نظام الدین خان عرف جامی خان اور امیر خان اچھے خاصے زمیندار تھے نظام الدین خان کا پوتا فقیر محمد خان گوجرانوالہ میں آباد ہے اسی طرح امیر خان کے تین بیٹے سلطان خان اعظم خان اور افضل خان کاروباری اور ملازمت پیشہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں اور اس خاندان کے فاروق خان خلف ارشاد خان ملتان میں ہیں۔(17)

خاندان گلاب خان

اس بستی میں لودیوں کا یہ دوسرا خاندان تھا جو گلاب خان کے نام سے مشہور ہوا تھا گلاب خان کی اولاد سے کامدار خان اور امیر خان دونوں بڑے نامور بہادر اور مرنجاں مرنج بزرگ ہستیوں میں شمار ہوتے تھے ان کی نسل کا شجرہ حسب ذیل ہے۔(18)

بستی کلاں کے لودھی

لودھی افغانوں کی یہ بستی جو کہ تحصیل ہوشیار پور میں شہر سے جانب جنوب کوئی 6/7 میل کے فاصلے پر واقع تھی اس تحصیل میں مقابلہ دیگر بسیات کے سب سے بڑی بستی تھی اس میں لودھی افغانوں کے تین چار خاندان قدیم ایام ہی سے آباد

چلے آرہے تھے۔افغان نسلوں کے اسلاف کا براہ راست نہ سہی بالواسطہ طور پر ان خاندانوں سے تعلق ضرور تھا جنہوں نے اس سرزمین ہند میں افغان سلطنت کی بنیادیں قائم کی۔

خاندان نمبر 1 عبدالرحمٰن خان

عبدالرحمٰن خان ذیلدار سفید پوش اور اس بستی کے بڑے زمیندار تھے ان کے دو بیٹے منظور احمد خان اور ظہور احمد خان تھے منظور احمد خان قیام پاکستان سے چند سال قبل جالندھر سے ہوشیار پور آتے ہوئے موٹر کے حادثے میں جاں بحق تسلیم ہوئے ان کی کوئی اولاد نہ تھی ظہور احمد خان نمبردار اور سفید پوش تھے قیام پاکستان کے بعد فیصل آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

خاندان نمبر 2 نظام الدین خان

اس خاندان کے مورث اعلیٰ نظام الدین خان کے تین پوتے تھے تھے خان بہادر خان اور رحیم خان تھے بہادر خان لاولد فوت ہوئے۔عبدالغنی خان خلف تھے خان تنویر احمد خان اور تفسیر احمد خان۔تنویر احمد خان کے پانچ صاحبزادے ہیں تفسیر احمد خان اور تقدیس احمد خان توقیر احمد خان، توحید احمد خان، معظم الٰہی خان۔

شیر محمد خان خلف رحیم خان شہید

موصوف کی بیوی ان کے تین سعادت مند بیٹوں اور تین معصوم بیٹیوں نے حملے کے دوران شہادت حاصل کی ان کے ایک فرزند نصر اللہ خان۔دوسرے سعد اللہ خان ہیں۔

سلطان احمد خان خلف رحیم خان

متعلقین بقیہ۔ السیف غازی اور مجاہد ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کے چک نمبر ۲۹۷ ء ت ۔ ب میں آباد ہیں ان لوگوں میں ظفر احمد خان لودھی برادر سلطان احمد خان خلف رحیم خان ہیں۔

خاندان نمبر 3 فوجدار خان لودھی

اس خاندان کے مورث اعلیٰ فوجدار خان لودھی تھے۔ان کے دو فرزندان امام الدین خان اور فتح الدین خان ۔امام الدین خان کے دولڑکے مہتاب خان اور گلاب خان تھے گلاب خان لاولد رہے مہتاب خان مذکور کے آگے تین صاحبزادے سردار خان،عبدالحمید خان اور مشتاق احمد خان ہوئے۔سردار خان کے بیٹے بشیر احمد خان ہیں۔عبدالحمید خان خلف مہتاب خان کے برادر اصغر مشتاق احمد خان سندھ میں ہیں۔فتح دین خان خلف فوجدار خان کے پانچ فرزندان برکت علی خان ہیں۔اوران کے اکلوتے بیٹے عبداللطیف خان دوسرے ہیں۔محمد علی خان تیسرے رحمت علی خان چوتھے احمد علی خان اوچھوٹے بابو خان ہیں۔بابو خان مذکور کے ایک بیٹے رشید احمد خان دوسرے حبیب احمد خان اور تیسرے اعجاز احمد خان احمد علی خان کے فرزندان بشیر احمد خان عبدالاحد خان اور منظور احمد خان وغیرہ سب بھائی کاروبار کرتے ہیں۔

خاندان عمر خان

عمر خان موصوف کے دو فرزندان حشمت علی خان اور محمد امین خان ہیں۔حشمت علی خان مذکور کے دولڑکے عبدالمجید خان اور عبدالحمید خان اور محمد امین خان کے پانچ

فرزندان ہیں۔کامیاب خان،سرفراز خان،عمر دراز خان،بابر خان اور آفتاب احمد خان ہیں۔ان افغانوں میں ایک گھرانہ محبوب خان لودھی کا بھی تھا محبوب خان گوجرانوالہ میں کاروبار کرتے ہیں۔غلام محمد خان لودھی ایک صاحب علم وفضل ہستی تھے موصوف ایک یوروپین لائبریری میں فسٹ آفیسر تعینات تھے۔(19)

بستی رڑکی مغلان کے لودھی

یہیں کے لودھی خاندانوں میں محمد عالم خان اوراس کے بھائی محمد افضل خان پسران سردار خان اور نیاز احمد خان،عبدالستار خان اور محمد اشرف خان پسران غوث محمد خان،رڑکی کی ممتاز اور معروف شخصیات تھے۔رنگو خان کے خاندان کے جلال خان اور میاں رحیم خاں بڑی مرنجاں مرنج۔متورع اور مہمان نواز بزرگ ہستیاں مشہور تھیں۔اسی طرح محمد اعظم خان اور عبدالاحد خان پسران فیض محمد خان اپنی خصوصیات کے اعتبار سے عنداللہ وعندالناس مقبول ومشہور لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔(20)

بستی جوڑہ کا لودھی خاندان

اس خاندان کے تین بھائی سردار خان،امیر خان اوروزیر خان تھے۔وزیر خان کے بیٹے مبارک مند خان تھے سردار خان کے بیٹے عبداللہ خان وعبدالرحمن تھے۔مذکورہ بالا لودھی خاندان بستی جوڑہ سے منتقل ہوکراس جگہ آباد ہوااس خاندان کی ایک معروف اور مشہور شخصیت میاں غلام قادر خان لودھی تھے۔ان کے دو بیٹے شیر زمان خان وشاہ زمان خان تھے۔اس خاندان کے مفصل حالات دستیاب نہ

ہو سکے۔(21)

بستی ارندایاں (افاغنہ لودھی تحصیل دسوھہ)

تحصیل دسوہہ میں واقعہ لودھی افغانوں کی یہ بستی ان لوگوں کی ایک برگزیدہ ہستی حضرت شیخ راندے علیہ الرحمت کے نام سے راندایاں موسوم تھی۔

نمبر 1 خاندان الف خان

اس خاندان کے مورث اعلیٰ الف خان کا تعلق حضرت شیخ راندے" کی آٹھویں پشت پر تھا۔ان کے سات لڑکوں سے اس خاندان کا سلسلہ جاری ہوا ان میں سے آپ کے تین صاجزادے تھے خان چراغ محمد خان اور علی محمد خان لاولد فوت ہوئے۔شاہ محمد خان کے چور فرزندان ہوئے۔عزیز الرحمٰن خان عتیق الرحمان خان شکیل الرحمان خان اور محمد اقبال خان کراچی میں ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی محمد مطرب خان منسٹری آف فنانس میں ہیں۔فتح محمد خان خلف الف خان کے چار فرزندان ہیں بڑے عبداللہ خان جن کے لڑکے عبدالمجید خان تحصیل پھالیہ گجرات میں نمبردار ہیں۔عبداللہ خان کے بھائی عبدالغنی خان سلطان محمد کان ہیں۔اور الف خان کے ایک اور لڑکے شمیم احمد خان ہیں۔

فضل محمد خان خلف الف خان

کے پانچ سعادت مند بیٹے ہوئے جن میں سے سب سے چھوٹے عبدالحفیظ خان ہیں۔

دوسرا خاندان

حضرت شیخ رانڈےؒ کی نسل سے متعلق یہ دوسرا خاندان میں بڈھے خان امانت خان اور سلامت خان کی اولادوں پر مشتمل تھا۔ میں بڈھے خان کے بیٹے عبداللہ خان پھالیہ کے چک مذکور ہیں نمبردار تھے ان کے پانچ فرزندان عبدالمجید خان عبدالرشید خان محمد سعید خان اور محمد یونس خان ہیں۔ امانت خان برادر بڈھے خان کے دولڑکے ولایت خان اور خان محمد خان ہیں۔ اسی طرح سلامت خان کے چار صاحبزادگان جن میں سے محمد ظفر خان پاکستان نیوی میں ملازم ہیں۔ مزید برآں۔ چراغ محمد خان اور نیاز محمد خان دونوں بھائیوں کا تعلق بھی اس خاندان سے ہے۔ (22)

جالندھر کے لودھی (23)

پٹی خاص علاوپور (جالندھر) کے لودھی

اس خاندان کے لوگ دلاورخانب خلف دولت خان لودھی یوسف خیل گورنر پنجاب بعہد سلطان ابراہیم لودھی کی نسل سے ہیں دلاور خان خانان یوسف خیل کے دو بیٹے احمد خان ومحمد خان تھے۔ احمد خان کی اولاد پٹی عالم پور میں ہے۔ اور محمد خان کی نسل سے پٹی خاص کے لودھی ہیں انکی اولاد میں دو بھائی شہباز خان وعبدالرحمٰن خان پسران رجب علی خان ابن فقیر اللہ خان ابن یار محمد خان ابن علاول خان ابن محمد خان ابن دلاور خان تھے شہباز خان کی اولاد میں فضل الرحمٰن وعبدالرحمٰن پسران عطاء الرحمٰن بن عطا اللہ خان ابن تورنگ خان ابن شہباز خان ہیں۔ عبدالرحمٰن خان خلف

رجب علی خان کی اولاد میں سے مبارک احمد وتبارک احمد وبشارت احمد وصداقت احمد پسران عبدالرزاق ابن محمد اشرف ابن عبدالرحمٰن اور شفیق احمد وخلیل احمد وجمیل احمد پسران غلام ودستگیر ابن محمد اشرف ابن عبدالرحمٰن اور حیدر سلطان وشہید سلطان پسران صدیق احمد ابن عطا جیلانی خان ابن محمد اشرف اور محمد احمد ومحمود احمد ومودود احمد ومشہود احمد پسران عزیز احمد بن عطا جیلانی خان ابن محمد اشرف اور اعجاز احمد والطاف احمد پسران ولاور خان ابن محمد حسین خان ابن محمد اشرف اور محمد اسحٰق واسمٰعیل خان پسران محمد حسین خان ابن محمد اشرف اور غلام حافظ خان ابن محمد اشرف ابن عبدالرحمٰن خان ہیں۔ اسکے علاوہ نصیر احمد وحبیب احمد ورشید احمد وبشیر احمد وعلی احمد پسران نیاز محمد خان ابن سربلند خان ابن عبدالرحمٰن خان اور فخرالدین ونیاز رسول خان وعبدالقیوم خان وعبداللطیف خان پسران غلام احمد خان ولد سربلند خان بن عبدالرحمٰن خان اور غلام فرید خان اب سربلند خان ابن عبدالرحمٰن خان اور عبدالصمد خان ابن عبدالرحمٰن خان ابن رجب علی خان بھی اسی خاندان سے تھے نیاز رسول خان ابن غلام احمد خان کے ارشاد احمد خان پیدا ہوا اور عبدالقیوم خان ابن غلام احمد خان ابن سربلند خان کے شمیم احمد خان پیدا ہوا۔ فخرالدین خان کا خطاب فخریار جنگ بہادر تھا اور آپ حیدرآباد دکن میں وزیر مالیات رہے۔ اور وہاں بہت خدمات سرانجام دیں انکے بیٹوں میں مشتاق احمد خان و اشفاق احمد کان ومستغاث احمد خان وعشاق احمد خان ورفیق احمد خان اور توفیق احمد خان ہیں مشتاق احمد خان حیدرآباد دکن اور پاکستان میں مختلف عہدوں پر فائز رہے ہیں۔

کوٹ پشکہ جالندھر کا لودھی خاندان

ان کا جد اعلیٰ عبداللہ خان پشکہ لودھی پٹھان تھا اسکے دو بیٹے شیر محمد خان اور عبدالعزیز خان تھے شیر محمد خان کی اولاد سے سلامت علی و نیا محمد و محمد اشرف عرف حے خان اور سردار محمد خان پسران گامے خان خلف شیر محمد خان تھے۔ سردار محمد خان کی اولاد میں بوٹے خان و سلامت خان و سعید خان و رشید خان پسران نذر محمد خان ولد سردار محمد خان ہیں نیا محمد خان کی اولد امیں رشید خان و بشیر خان پسران اقبال ولد نیا محمد خان اور احد خان ابن تھے خان ابن نیا محمد خان اور انور خان و اکبر خان پسران عبداللہ خان خلف نیا محمد خان ہیں سلامت علی کی اولاد میں نیامت خان ولد سلامت علی خان اور قمر خان و زمان خان پسران عمر خان ولد سلامت علی ولد گامے خان ہیں۔ اسکے علاوہ نصیر خان ولد یعقوب خان ولد نواب خان ابن ابوکان ابن شیر محمد خان ہے۔ اور امین خان و پرویز خان پسران اختر خان ولد نواب خان ولد ابو خان ہیں۔ عبدالعزیز ابن عبداللہ خان پشکہ کی اولاد میں صادق حسین و شاہد حسین حلف عبدالرشید خان ان عبداللہ خان ابن بوڑے خان ابن روڑے خان ابن عبدالعزیز خان ہیں اسکے علاوہ اسکی اولاد میں ہی عبدالعزیز خان و حامد مجید خان پسران عبدالمجید خان ابن عبداللہ خان ابن جوڑے خان ہیں۔

کوٹ بواچھی جالندھر کے لودھی

بہادر خان لودھی عبداللہ خان پشکہ کا رشتہ دار قریبی تھا اسکی اولاد نرینہ کا شجرہ نہ ملا سکا البتہ اسکی ایک لڑکی بوا اچھی نامی تھی جس کی شادی بھی لودھیوں میں ہوئی

تھی۔ یکرم خان نامی ایک لودھی بھی بہادر خان کی نسل سے تھا بوا اچھی کی اولاد سے خان ارشاد حسین خان تھے۔ انکے تین لڑکے محمد اسلم خان، محمد صادق خان اور محمد ارشد خان ہیں محمد ارشد خان پہلے PPP میں تھے اب مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے ممبر ہیں۔ کوٹ بوا اچھی میں ہی بوا اچھی کی اولاد سے مولانا فتح محمد خان جالندھری تھے جو ٹانڈہ ہوشیار پور میں پیدا ہوئے اور جالندھر میں پرورش پائی آپ نے قرآن پاک کا اردو ترجمہ اور تفسیر لکھی جو بہت مقبول ہے انکے 5 بیٹے نذیر احمد خان، محمد افضل خان، محمد احمد خان ذاکر، اقبال احمد خان اور اسحاق احمد خان تھے۔ نذیر احمد خان کے فقیر اللہ خان منہاس اور اقبال احمد خان کے اعجاز احمد خان فیاض احمد خان، الیاس احمد خان، ارشاد احمد خان اور احمد رضا خان ہیں۔

کوٹ بلند خان کے بلند خانیئے لودھی

کوٹ بلند خان کا لودھیوں کا بانی بلند خان لودھی تھا۔ اسکی اولاد میں ولدار خان، بیدار خان اور فوجدار خان تھے۔ ولدار خان کی اولاد میں محمد اشرف خان و اکرم خان پسران عبدالعزیز خان ابن مسمات بیگم بنت قارے خان بن درے خان بن ولدار خان ہیں۔ اور تنویر احمد وحبیب احمد پسران محمد امین خان ابن مسماۃ بیگم بھی اسکی اولاد سے ہے۔ نیز عبدالحمید خان، عبداللطیف، عبدالرشید، عبدالعزیز، عبدالحق پسران رحمت علی ابن غلام قادر ابن فوجدار خان ابن ولدار خان بھی اسکی اولاد ہیں۔ جھنڈو خان ونواب خان پسران غلام قادر خان ولد فوجدار خان ابن ولدار خان لاولد فوت ہوئے۔ شمشاد علی خان علی احمد خان محمد افضل اور محمد احمد خان پسران کرامت

علی ابن امام علی خان ابن شمس الدین خان عرف شمے خان ابن مقبول خان ابن دلدار خان بھی اسی خاندان سے ہیں۔ فتح دین خان بن مقبول خان ابن دلدار خان کی اولاد سعادت خانی لودھی کہلاتی ہے۔

جالندھر کے سعادت خانی لودھی

نواب سعادت خان لودھی کے اولاد نرینہ نہ تھی۔ انکی ایک نواسی بھاگ بھری تھی۔ اس نے فتح دین خان ابن مقبول خان ابن دلدار خان ابن بلند خان کو متبنّی کر لیا اور اس کی اولاد سعادت خان پٹھانی کہلائی، فتح دین خان کی اولاد میں اسد اللہ خان ابن سردار محمد بن جیون خان ابن فتح دین خان ہیں اسکے علاوہ محمد انور خان وسیف الرحمٰن خان وعزیز الرحمٰن خان پسران شیر محمد خان ابن جیون خان ابن فتح دین خان بھی ہیں۔ محمد اکبر خان ومحمد اسلم ومحمد افضل وعبدالمالک وعبدالخالق و خالد سعید وشاہد سعید پسران دوست محمد خان ابن جیون خان ابن فتح دین خان بھی اسی خاندان سے ہیں محمد اکبر خان کے بیٹے پرویز اکبر وجاوید اکبر ہیں۔

محلہ نیلے محل جالندھر کے لودھی

محلہ نیلے محل کے لودھیوں کے جد اعلیٰ میاں باغ علی عرف باگھے خان قادری تھا انکی بہن عبدالرحمٰن خان دھوگڑی ولاے کی بیوی تھی اور انکی بیٹی کی شادی نیاز محمد خاں وکیل دھوگڑی سے ہوئی انکے اک دوسرے داماد کا نام غلام محمد خان تھا غلام محمد خان کے بیٹے عبدالعزیز خان اور عبدالحفیظ خان تاثیر جالندھری تھے جنہوں نے پاکستان کا قومی ترانہ لکھا۔

محلہ علی کلاں کے لودھی

جالندھر کے محلہ عالی کلاں کے لودھی شاہ ولی خان کی اولاد سے ہیں شاہ ولی خان کے دو بیٹے تھے جعفر خان جو ریاست جھجھر کے ناظم اعلیٰ تھے اور واحد خان جو جھجھر کی فوج میں تھے۔ واحد خان کی ایک ہی بیٹی وزیرانساء بیگم تھی جس کی شادی نورنگ خان سے ہوئی جو محلہ عالی کے سکندر خان کی اولاد سے تھا اس کا شجرہ الگ درج ہے۔ جعفر خان کی اولاد سے عبدالرحمٰن و عبدالرزاق پسران نیاز محمد خان وکیل ابن جعفر خان اور ریاض احمد وارشاد احمد و محمد احمد و محمد حسن پسران شاہ زمان ابن عطاء محمد بن جعفر خان اور طفیل محمد واقبال وشندو نیاز خان پسران فیض محمد ابن سندھی خان ابن جعفر خان اور فتح محمد و محمد علی و گامی خان و علی محمد خان پسران رنگے خان ابن جعفر خان ہیں۔ فتح محمد خان کی صرف بیٹیاں ہیں۔ محمد علی کی اولاد سے سردار خان، سہیل خان واقبال خان پسران فضل محمد بن محمد علی خان ہیں۔ گامی خان کی بھی ایک دختر ہے علی محمد خان کی اولاد سے خطیب احمد، نصیر احمد، احمد خان، حنیف احمد، شفیق احمد، حبیب احمد پسران نذیر احمد ابن علی محمد خان اور آفتاب احمد و کامران پسران بہار احمد ابن عبدالغنی خان ابن علی محمد خان اور دوست محمد خان (لاولد) ابن علی محمد خان اور وقار احمد خان ذوالفقار ابن بشیر احمد خان ابن علی محمد خان ہیں۔ محلہ عالی میں ہی ایک اور لودھی سردار سکندر خان لودھی رہتے تھے انکی اولاد سے عبدالرشید و عظیم و جاوید و منظم احمد پسران عبدالحمید ابن سراج الدین ابن نورنگ خان (زوج وزیرانساء) ابن محمد بخش ابن عصمت خان ابن سکندر خان اور نفیس احمد و توقیر احمد و جہانگیر احمد پسران فقیر محمد بن سراج الدین بن نورنگ

خان اور عبدالمجید وعبدالرشید پسران جلال الدین ابن نورنگ خان ہیں۔ سکندر خان لودھی کے دوسرے لڑکے خداداد خان کی اولاد سے فرحت نواب وعابد نواب پسران اقبال احمد ابن نیاز احمد خان ابن نواب خان ابن ہاشم خان ابن خداداد خان، دختر عبدالستار ابن نواب خان ابن ہاشم خان اور مشتاق خان وفیض خان پسران عبدالغفور خان ابن ہاشم خان ہیں ہاشم خان مذکور کی ایک بیٹی بھی تھی۔ محلہ عالی خورد کے ایک پٹھان سردار عطاء محمد خان لودھی تھے انکی اولاد میں آج سردار خان واللہ یار خان واحمد یار خان پسران گلاب خان ابن امیر خان ابن عطا محمد خان اور ولی محمد خان وولایت خان طفیل خان پسران دوست محمد خان ابن امیر خان اور یعقوب خان ومحمود خان پسران لال خان ابن امیر خان اور مہتاب خان (لاولد) ابن امیر خان ہیں اسی خاندان سے رشید احمد وخورشید احمد ولیق احمد وسعید پسران محمد احمد خان ابن عبدالعزیز خان ابن کرم خان ابن بدر بخش ابن عطاء محمد خان اور خلیق احمد ابن بشیر احمد ابن عبدالعزیز ابن کرم خان اور محبوب عالم واقبال احمد پسران سلطان خان ابن جھنڈ خان ابن بدر بخش اور عالم خان ابن کرم خان ابن بدر بخش ہیں۔

جالندھر کے بڑ پگے لودھی

ان کا جداعلیٰ آدم خان لودھی تھا اس کی نسل سے مسعود ریاض احمد خان ومحمود ریاض احمد خان وشاہد ریاض احمد پسران ریاض احمد خان ابن سیف الدین ابن شمشیر خان ابن فوجدار خان ابن مجیع دین خان ابن محمد خان ابن آدم خان لودھی تھے۔ انکے علاوہ اسی خاندان سے جاوید احمد وپرویز احمد وافتخار احمد پسران عزیز احمد بن سیف

الدین ابن شمشیر خان ابن فوجدار خان اور الطاف احمد (لاولد) وحفیظ احمد وعبدالغنی پسران سیف الدین ابن شمشیر خان ہیں۔ حفیظ احمد کا بیٹا جاوید احمد خان ہے۔ اسی خاندان سے جھنڈے خان ابن محمد خان ابن فوجدار خان ہے۔ اسی خاندان کی دوسری شاخ سے سلطان خان ابن حیات خان ابن شادی خان ابن اسد اللہ خان ابن سرمست خان ابن احمد خان ابن آدم خان لودھی اور دولت خان (لاولد) ابن احمد خان ابن آدم خان لودھی اور سرفراز خان (لاولد) و بہاول خان (لاولد) پسران سکندر خان ابن امین خان ابن سرمست خان اور عیسیٰ خان (لاولد) ابن سرمست خان ابن احمد خان اور جاوید حبیب ابن حبیب احمد خان ابن جلال الدین ابن بہادر علی خان ابن الف خان ابن عبداللہ خان ابن شاہ باز خان ابن سرمست خان اور توصیف احمد خان ابن توقیر احمد خان ابن نذیر احمد ابن جلال الدین ابن بہادر علی خان ابن الف خان اور محمد بخش (لاولد) و بلند خان (لاولد) اور امیر خان پسران الف خان ہیں۔

پٹی کوٹ کے لودھی

پٹی کوٹ کے جالندھر کے لودھیوں کا جد اعلیٰ تاتار خان لودھی تھا جس کے دولڑکے امام علی خان اور رحمت خان تھے۔ انکی اولاد میں طارق و نسیم و خالد پسران غلام رسول خان ابن غلام حسن ابن وزیر علی ابن امام علی خان اور ظفر حسین خان ابن غلام حسن خان ابن وزیر علی خان اور ناصر خان و خالد خان پسران غلام سرور خان ابن غلام حسین خان ابن وزیر علی اور حمید عالم و غلام عباس پسران غلام حسین خان ابن وزیر علی اور عبدالشکور خان ابن عبدالمجید خان ابن غلام غنی خان ابن وزیر علی خان اور عبدالغفور

وعبدالرؤف وعبدالاحد وعبدالصمد پسران عبدالحمید ابن غلام نبی خان ابن وزیر علی خان ابن امام علی خان اور غلام محمد خان ابن امام علی خان ہیں۔

پٹی عالم پور کے لودھی

پٹی عالم پور میں لودھیوں کے پانچ گھرانے آباد ہیں۔ پہلے گھرانے کے جد امجد غلام حسن خان المعروف سردار علی خان تھے انکی اولاد سے مصطفےٰ کمال اکبر و محمد علی اکبر پسران محمد عابد اکبر علی خان ابن اکبر علی ابن غلام حسن خان و زاہد علی اکبر ابن حامد اکبر علی ابن اکبر علی ابن غلام حسن خان اور محمد امین اکبر علی ابن اکبر علی ابن غلام حسن خان و محمد انور و محمد اطہر و محمد اظہر پسران برکت علی ابن غلام حسن خان اور محمد شیر علی و محمد اصغر علی پسران غلام حسن خان ہیں۔ دوسرے خاندان کے جد اعلیٰ شرف الدین خان تھے جن کی اولاد سے حبیب احمد بن حفیظ خان بن فتح دین ابن شرف الدین اور شفیق احمد و توفیق احمد و ادیب احمد پسران رشید خان ابن فتح دین اور اشراق احمد و اشتیاق احمد پسران نثار احمد ابن ضیع دین ہیں۔ تیسرا خاندان علی خان کا ہے جسکی اولاد سے سہیل خورشید ابن خورشید احمد بن کرم علی اور آفتاب احمد و سلطان احمد و صداقت احمد پسران ارشاد احمد ابن کرم علی خان اور ریاض احمد و محمود احمد و مقبول احمد پسران کرم علی خان ہیں۔ چوتھے خاندان کا جد اعلیٰ ولایت علی ہے اسکی اولاد سے صلاح الدین ابن حمید احمد ابن محبوب احمد ابن ولایت خان اور وحید احمد بن رشید احمد بن محبوب احمد اور فخر الزمان و قمر الزمان و شیر زمان و خلیق الزمان پسران محمد افضل ابن محبوب احمد اور عارف امین و پرویز سلطان و جاوید سلطان پسران طفیل احمد ابن محبوب احمد ہیں اسی

خاندان کی دوسری شاخ سے مظہر احمد و یونس خان پسران محمد رفیق ابن ولی عہد خان ابن ولایت خان اور خطیب احمد و شفیق احمد و حسیب احمد پسران محمد لطیف ابن ولی عہد خان اور نعیم احمد و یلم احمد و وسیم احمد پسران محمد حنیف ولد محمد شریف ابن ولی عہد خان ابن ولایت خان ہیں۔ پانچواں خاندان باجے خان لودھی کا تھا جن کی اولاد سے شیر احمد خان لودھی (پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور) و ظہور احمد خان پسران امیر خان ابن باجے خان ہیں ظہور احمد خان کے بیٹے عبدالغفور خان ڈپٹی ڈائریکٹر وٹنری ڈیپارٹمنٹ ہیں۔ چھٹا خاندان واجد علی خان ابن احمد خان کا ہے واجد علی کے عبدالجبار خان و احمد حسن خان پیدا ہوئے۔ احمد حسن خان کی اولاد میں نسیم احمد خان و فہیم احمد و سلیم احمد و کلیم احمد و علیم احمد پسران کریم احمد خان ابن احمد حسن خان ہیں۔

maablib.org

حواشی

(1) مخزن افغانی ص 443-457

(2) ایضاً ص 414-410

(3) شجرہ ہائے نسب مملوکہ عابد حسن لودھی وریکارڈ بندوبست بغدادہ تحصیل وضلع

مردان

(4) شجرہ ہائے نسب مملوکہ حبیب الرحمٰن لودھی وریکارڈ بندوبست گوجر گڑھی

مردان

(5) شجرہ ہائے نسب مملوکہ عابد حسن لودھی

(6) شجرہ نسب مملوکہ ڈاکٹر مسعود الحسن خان روہیلہ وریکارڈ ضلع کچہری کلکٹریٹ

مراد

آباد 1942ء تا 1946ء

(7) مآثر ا 504

(8) مخزن ص 411

(9) یادِ عہد رفتہ ص 23-20

(10) ڈاکٹر عبادت بریلوی از محترمہ شائستہ

(11) تذکرہ کاملان رام پور حصہ دوم مطبوعہ پٹنہ اور خط کلب علی خان فائق قلمی

(12) حیات لودھی جلد سوم ص 179-163

(13) نوائے پٹھان لاہور دسمبر 2005 ص 102

(14) افاغنہ ہوشیار پور ص300

(15) ایضاً ص324

(16) ایضاً ص324-334

(17) ایضاً ص334

(18) ایضاً ص334

(19) ایضاً ص335-341

(20) ایضاً ص351

(21) ایضاً ص371

(22) ایضاً ص600-601

(23) ماخوذ از افاغنہ جالندھر

maablib.org

باب نمبر 40

لودھی اور افغان تاریخ نویسی

پٹھانوں کے قبائل میں لودھی پہلا قبیلہ تھا جس کو عروج حاصل ہوا اور حکومت ملی ۔ یہی وجہ ہے کہ اس قبیلے کو تہذیب یافتہ ہونے کا موقع جلد ملا اور اسی وجہ سے اس قبیلے میں علم وادب بھی پھیلا ۔ لودھیوں کو افغان تاریخ نویسی میں ایک اہم مقام حاصل ہے افغانوں کی ابتدائی تواریخ یا تو لودھیوں نے لکھی ہیں یا پھر انکے ایماء پر لکھی گئیں ہیں ۔ سب سے قدیم تصنیف کا نام الاعلام اللوذعی فی اخبار اللودی ہے جس کا مصنف شیخ احمد بن سعید اللودی بیان کیا گیا ہے ۔ جس کا ذکر پٹہ خزانہ میں ہے اور نام سے ظاہر ہے کہ یہ لودھی قبیلے کے حالات پر لکھی گئی ہے البتہ چونکہ پٹہ خزانہ کی اصلیت مشکوک ہے لہذا اس کتاب کے حوالے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا نیز اس کتاب کا نہ تو کوئی نسخہ موجود ہے اور نہ ہی اس کا کسی اور کتاب میں کوئی حوالہ ملتا ہے ۔ پہلی مستند کتاب تاریخ ابراہیم شاہی ہے ۔ جس میں لودھی حکمرانوں کے حالات درج ہیں ۔ بعد کے تمام افغان مصنفین نے اس سے استفادہ کیا ہے ۔ یہ کتاب سلطان ابراہیم لودھی کے ایماء پر مولانا محمود بن ابراہیم کاتوانی نے 1518ء میں تحریر کی تھی طبقات اکبری میں اور مخزن میں اسکے اقتباسات درج ہیں اس وقت تک اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہ ہوا ہے دوسری مستند کتاب تواریخ دولت شیر شاہی ہے یہ پوری کتاب ناپید ہے مگر اس کے کچھ اجزاء بچ گئے تھے جو شائع ہو چکے ہیں ۔ اس کے باقی ماندہ حصوں سے بہت سی نئی معلومات سامنے آسکتی ہیں ۔ اسمیں لودھی افغانوں کی شاخ سوری کے حالات شیر شاہ

تک درج ہیں افغانوں کے نسب پر بھی تفصیل سے بحث کی گئی ہے یہ کتاب 955ھ میں تحریر کی گئی ہے تیسری مستند کتاب تاریخ خان جہانی ومخزن افغانی نعمت اللہ ہروی کی تصنیف ہے۔ جو خان جہان لودھی کے حکم پر 1613ء میں مکمل کی گئی۔ بعدازاں اسمیں کچھ اضافے بھی کیے گئے۔ یہ بہت اہم کتاب ہے۔ جس میں افغانوں کے نسب، قبائلی تقسیم، قبائلی حالات، سیاسی حالات، افغان بادشاہوں کے حالات، مغل دور میں انکی خدمات اور انکے اولیاء اور شجروں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے یہ کتاب افغانوں کی تاریخ کے بنیادی مآخذوں میں سے ایک ہے۔ آئیندہ مورخین نے اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ایک اور قابل ذکر کتاب مراۃ الافاغنہ ہے جو مخزن کی تصنیف کے بعد خان جہان لودھی نے خود تصنیف کی ہے اسمیں اس نے نت نئی معلومات پیش کی ہیں جو پہلے کہیں نہیں ملتی تھیں۔ مصنف کے دادا اور اسکے اوپر کے تمام اجداد لودھی اور سوری حکمران افغانوں کے قریب رہے ہیں لہذا مصنف نے خاندانی معلومات سے بہت استفادہ کیا ہے اور مغل حکمرانوں پر بھی تنقید کی ہے یہ کتاب تقریباً 1630ء کی تحریر ہے۔ مراۃ الافاغنہ کے مصنف کے مارے جانے کے بعد لودھیوں کا سیاسی کردار ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اسلئے اسکے بعد انکے اندر تصانیف کا فقدان نظر آتا ہے۔ البتہ انفرادی طور پر ایسی کوششیں پھر بھی ہوتی رہی ہیں۔ 1102ھ میں شیر محمد خان لودھی نے مراۃ الافاغنہ میں جستہ جستہ اپنے خاندان کے حالات درج کیے ہیں۔ 1910ء میں عبدالحکیم خان لودھی نے شوکت افغانی لکھی۔ تو اس کو حیات لودھی کا نام بھی دیا۔ اسکے چند صفحات میں اپنے خاندان کے حالات بھی لکھے۔ مردان میں آباد ہونے والے لودھیوں میں عابد حسین خان لودھی نے اپنے

خاندان کی تاریخ مرتب کی ہے۔ جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔اور اردو میں 2008ء کے لگ بھگ تحریر کی گئی ہے۔لودھیوں پر پٹھان دیگر قبائل واقوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ان میں عبدالشکور ارشاد کی لودھی پشتانہ قابل ذکر ہے۔ جو پشتو کی واحد کاوش ہے۔سر عبدالرحیم کی History of the Lodi Sultans of Dehli Agra بھی ایک بہت اچھی تحقیق ہے۔راقم الحروف (سعود الحسن خان روہیلہ) کی تین تحقیقی تصانیف سلطان بہلول لودھی، سلطان سکندر لودھی،اور سلطان ابراہیم لودھی کے نام سے زیر طبع ہیں۔اسکے علاوہ یہ تاریخ لودھی بھی ہے۔ جو پورے قبیلے کی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے۔دیگر کتب میں مختلف افغان تواریخ ہیں جو قوم کا احاطہ کرتی ہیں اور ان میں لودھیوں کا تذکرہ بھی تفصیل سے ہے۔ایسی کتب کی تعداد بہت ہے۔جن میں سے بعض کا تذکرہ ابتدائی باب میں آچکا ہے۔

maablib.org

ضمیمہ اول

ہندوستان کے سماجی و سیاسی حالات از ظہیر الدین بابر بادشاہ

(اردو ترجمہ رشید اختر ندوی)

جب ظہیر الدین بابر نے ہندوستان کے تخت پر قبضہ کیا تو وہ اپنی خودنوشت ''تزک بابری'' تحریر کر رہا تھا اور یہ تصنیف اس کی وفات سے چند ماہ قبل تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ ہندوستان آمد پر ظہیر الدین بابر نے ہندوستان کے جو سماجی، جغرافیائی، معاشی اور معاشرتی حالات مفصل درج کیے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں کیونکہ اتنی شرح وبسط سے سولہویں صدی کے آغاز پر کیں اور ہندوستان کا منظر نامہ تحریر میں نہیں ملا۔ ہمارے موضوع تحریر یعنی لودھی پیریڈ کے حوالے سے بھی اس کی بہت اہمیت ہے کیونکہ بابر نے وہ سب کچھ تحریر کیا ہے جو سکندر لودھی صرف 8 سال قبل چھوڑ کر گیا تھا اور ابراہیم نے اسے من وعن (علاوہ سیاسی حالات کے) قائم رکھا تھا۔ یہ حالات عہد لودھی کے ہندوستان کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔ اس لیے انہیں بطور ضمیمہ پیش کیا جا رہا ہے:

''یہ ہندوستان جس کی بادشاہت مجھے نصیب ہوئی ہے۔ بہت وسیع اور آباد ملک ہے۔ اس کے مشرق وجنوب بلکہ مغرب کے ایک حصے تک سمندر ہی سمندر پھیلا ہے۔ شمال میں کوہ ہمالیہ واقع ہے۔ جس سے کوہ ہندوکش اور کوہستان کشمیر پھیلا ہے۔ شمال میں کوہ ہمالیہ واقع ہے۔ جس سے کوہ ہندوکش اور کوہستان کشمیر وکافرستان ملحق ہیں۔ اس کے شمال مغرب میں،

قندھار اور غزنی کے علاقے ہیں۔

اس کا سب سے اہم شہر دہلی ہے۔ جب سے سلطان شہاب الدین غوری کا عہد شروع ہوا ہے۔ اس وقت سے لے کر فیروز شاہ تغلق کے زمانہ تک دہلی ہی پایہ تخت تھا اور تقریباً وہ سارے ہندوستان پر یہیں سے حکومت کرتے تھے۔

میرے قبضہ کے وقت پانچ مسلمان بادشاہ اور دو ہندو راجے یہاں کے حکمران تھے۔ گو ان کے علاوہ کئی اور چھوٹے راجے، پہاڑوں اور جنگلوں میں خود مختاری کے مزے لوٹتے ہیں، تاہم یہ بڑے ہیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔

ان میں سے پہلے پٹھان لودھی تھے۔ جن کی حکومت بھیرہ سے لے کر یہاں تک پھیلی تھی۔ لودھی پٹھانوں سے پہلے جونپور سلطان حسین شرقی کے تابع تھا۔ جس کے آباؤ اجداد سلطان فیروز شاہ تغلق کے درباری تھے۔

فیروز شاہ تغلق کا انتقال ہوا، تو سلطان حسین شرقی کے آباؤ اجداد نے جونپور میں خود مختار حکومت قائم کر لی۔ سلطان بہلول لودھی اور اس کے بیٹے سلطان سکندر لودھی نے جونپور کی خود مختار حکومت ختم کی۔ اور جونپور اور دہلی کی حکومت ایک کر دی۔ میرے آنے سے پہلے سلطان مظفر گجرات کا بادشاہ تھا۔ جس کی موت ابراہیم لودھی سے پہلے وقوع میں آئی ہے۔ سلطان مظفر بڑا دیندار، نیک بادشاہ تھا۔ اس کے بزرگ بھی سلطان فیروز شاہ تغلق کے درباری تھے۔

سلطان کا انتقال ہوا تو انہوں نے گجرات میں خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ دکن میں بہمنی سلطنت تیسری ہندوستانی بادشاہت ہے۔ اس وقت بہمنی سلطنت زوال سے دو چار ہے۔ اور اس کے بعض امراء نے مطلق العنانی کی رسم اختیار کر لی ہے۔ اور بادشاہ سے کی حیثیت محض یک تماش کی ہے۔ چوتھی بادشاہت، مالوہ کی بادشاہت ہے۔ میرے آنے سے پہلے یہاں کا فرمانروا بادشاہ محمود تھا۔ اس کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں ہے۔ رانا سانگا نے اس کی

قلمرو کے بہت سے حصے اس سے چھین لیے ہیں۔

پانچویں حکومت بنگالہ کی ہے۔ جہاں نصرت شاہ کا سکہ رواں ہے۔ اس کے باپ کا نام سلطان علاؤالدین ہے۔ وہ سیدوں میں سے تھے۔ سلطان علاؤالدین سے پہلے بنگال کا بادشاہ ایک حبشی تھا۔ علاؤالدین نے اس کو قتل کیا اور اس کی جگہ خود لے لی۔ بنگالی صرف تخت کے وفادار ہوتے ہیں۔ انہیں شخصیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ جو بھی بادشاہِ وقت کو مار کر اس کے تخت پر تشریف فرما ہو جائے۔ بنگالی اُمراء اسے اپنا بادشاہ مان لیتے ہیں اور کوئی عذر نہیں لاتے۔

نصرت شاہ نے بنگال کی حکومت اپنے باپ علاؤالدین سے ورثہ میں پائی ہے۔

ہندوؤں میں سب سے بڑا راجہ بیجا نگر کا راجہ ہے۔ دوسرا راجہ سانگا ہے۔ جس نے اپنی دانائی و ہوشمندی اور جرأت و بہادری سے اپنے اقتدار کی عمارت کھڑی کی ہے۔ وہ اصل میں چتوڑ کا راجہ ہے۔ جس نے ہندو بادشاہوں کے انحطاط سے فائدہ اٹھا کر رنتھمبور، رنگ پور، اور چندیری اپنے قبضہ میں کر لیے ہیں۔

ان دونوں ہندو راجوں کے علاوہ کئی ہندو ریاستیں اور بھی ہیں۔ ان میں سے بعض تو مسلمان بادشاہوں کے تابع ہیں اور بعض دور دراز کے علاقوں میں خود مختاری کے مزے لوٹتے ہیں۔

ہندوستان۔ اقلیم اول، دوئم اور سوئم میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ہمارے لیے بالکل اجنبی ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے پہاڑ، اس کے جنگل، اس کے دریا، جانور حتیٰ کہ نباتات تک ہماری طرف کی نباتات سے مختلف ہیں۔ یہاں کی زبان بھی الگ ہے اور آب و ہوا بھی ہماری آب و ہوا سے کوئی میل نہیں کھاتی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ کابل کا علاقہ گرم سیر، ہندوستان کے بعض علاقوں سے مماثلت رکھتا ہے۔ مگر جیسے ہی دریائے سندھ کو عبور کر کے ہم ادھر حصہ کے ملک میں داخل

ہوتے ہیں، ہر چیز مختلف دکھائی دیتی ہے۔ ہندوستان کے شمال کی طرف دریائے سندھ کے پرے جو پہاڑ واقع ہے۔ اس کے تقریباً اکثر مقامات پر لوگ آباد ہیں۔ یہ پہاڑ کشمیر سے لے کر بنگالہ تک بڑھا چلا گیا ہے اور اس میں بے شمار گاؤں دیہات اور قریے آباد ہیں۔ جن میں مختلف قومیں بستی ہیں۔ ہندو اس پہاڑ کو سوالک پربت کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستانی زبان میں سوا، چوتھائی کو، لک سو ہزار کو اور پربت پہاڑ کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ پہاڑ سوا لاکھ پہاڑوں پر مشتمل ہے۔

اس پہاڑ کے بعض حصوں پر ہمیشہ برف جمی رہتی ہے۔ لاہور، سرہند اور ڈیرہ اسماعیل کے اونچے مقامات پر کھڑے ہو کر یہ برف دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ پہاڑ وہی ہے جو کابل کے علاقے میں پہنچ کر، کوہ ہندوکش کا نام پالیتا ہے۔ اور کابل سے مشرق کی سمت پھیلتا جنوب کو آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا ہے۔ اس پہاڑ کے شمال میں تبت اور جنوب میں ہندوستان واقع ہے۔ ہندوستان کے اکثر دریاؤں کے منابع اسی پہاڑ میں واقع ہیں سرہند سے اس طرف شمال میں چھ دریاؤں کا راج ہے۔ جن میں سندھ سب سے بڑا ہے۔ اس کے بعد چناب، جہلم، راوی، بیاس اور ستلج ہیں۔ یہ سارے پہاڑ کوہ ہمالیہ سے پھوٹتے اور پنجاب کے میدانوں کو سیراب کرتے ملتان کے قریب ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور وہاں سے سندھ کا نام پا کر ایک ساتھ آگے بڑھتے ہیں اور ٹھٹھہ کے علاقہ میں سے ہو کر بھیرہ، عمان میں شامل ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کے دریاؤں میں ان دریاؤں کے علاوہ گنگا، جمنا، کودی، سرو اور کندک بھی مشہور دریا ہیں۔ یہ سارے دریا کوہ سوالک سے نکلتے ہیں۔

ہندوستان کے کئی دریا، چنبل، بناس، بن بوٹی اور سون وسطی پہاڑوں سے نکلتے ہیں اور گنگا میں مل جاتے ہیں۔ وسطی ہند کے پہاڑوں پر برف بالکل نہیں جمتی ان میں سے ایک پہاڑ دہلی سے شروع ہو کر جنوب کی طرف میوات کی طرف پھیل گیا ہے۔ میوات سے اس

پہاڑ کی بلندی بڑھ گئی ہے۔ میوات سے بیانہ تک رسائی پاتا ہے۔ سیکری، باڑی، دھولپور، گوالیار، رنتھمبور، چتوڑ، مانڈو اور چندیری کے پہاڑ اسی طویل سلسلہ کوہ کی مختلف شاخیں ہیں۔ یہ پہاڑ مسلسل نہیں ہیں۔ کہیں کہیں ان کے مابین سات سات آٹھ آٹھ کوس تک خلل واقع ہے۔ بعض دریا ان پہاڑوں سے بھی نکلتے ہیں۔

جتنے شہر اور میدانی علا۔ ‌ ‌ ‌ ‌روستان میں ہیں۔ کسی اور ملک میں نہیں ہیں۔ یہاں کے کھیت عموماً دریاؤں سے سیراب ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں دریاؤں سے نہریں نکال کر شہروں تک پہنچائی گئی ہے۔ جن کی وجہ سے بعض باغات خوب سرسبز و شاداب ہیں۔

عموماً ہندوستان کی فصل خریف کا انحصار برسات پر ہے۔ یہاں کی یہ کچھ عجیب خصوصیت ہے کہ برسات بعض اوقات نہیں بھی ہوتی تو فصل ربیع بوئی جاتی ہے۔ برسات کا انتظار نہیں کیا جاتا۔

پھل آور درختوں کو صرف پہلے دو برس تک پانی دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعد میں زمین خود خوراک پہنچاتی رہتی ہے۔

سبزیوں کو البتہ پانی ضرور دینا پڑتا ہے۔ لاہور، دیپالپور، اور سر ہند کے علاقوں میں رہٹ کی مدد سے کھیتی باڑی کی جاتی ہے۔ کھیتوں کو زیادہ تر پانی، ان راہٹوں کی مدد سے ہی پہنچایا جاتا ہے۔

رہٹ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جتنا کنواں گہرا ہوتا ہے اتنے ہی لمبے رسی کے دو حلقے تیار کر لیے جاتے ہیں۔ پھر ان حلقوں میں لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس طرح باندھ دیے جاتے ہیں کہ دونوں حلقے ایک ساتھ مل جائیں۔ پھر ان لکڑیوں کے ساتھ مٹی کی لٹیا باندھ دی جاتی ہیں۔ کنویں کے منہ پر جو چرخ لکڑی سے تعمیر کیا جاتا ہے۔ یہ "حلقے" اس پر چڑھا دیے جاتے ہیں۔ بیل جب چرخ کو گھماتے ہیں، تو لٹیاں کنویں کی تہ میں ڈوب کر پانی سے بھر جاتی ہیں۔ اور پھر چرخ کی مدد سے گھومتی ہوئی ادھر آجاتی ہیں۔ اور اوپر کی سطح

سے کنویں کے منہ پر تالاب نما برتن میں انڈیل دیتی ہیں اور اس برتن کے ساتھ ملحقہ ایک نالی پانی کو مطلوبہ جگہ پہنچا دیتی ہے۔

دہلی، آگرہ اور بیانہ میں زیادہ تر چرس کا رواج ہے۔ چرس کی صورت یہ ہے۔ کہ کنویں کے منہ پر ایک دو شاخہ لکڑی گاڑ دی جاتی ہے۔ دونوں شاخوں کے درمیان چرخی نصب کردی جاتی ہے۔ ایک بڑا سا رسہ ایک سرے میں ڈول باندھ کر اس چرخی پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ دوسرا سرا بیلوں کی جوڑی کے گلے میں پڑے ہوئے جوئے سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اس چرس کے لیے بیلوں کی جوڑی کے علاوہ دو آدمی درکار ہوتے ہیں۔ ایک آدمی ڈول کو جبکہ وہ کنویں کے منہ پر کھینچ کر پہنچتا ہے، نالی میں انڈیلتا ہے۔ دوسرا بیلوں کو ہانکتا ہے۔ بیل جب آتے جاتے ہیں اور ڈول کو کھینچتے ہیں تو رسہ ان کے گوبر اور پیشاب میں لت پت ہو جاتا ہے۔ پھر بھی رسہ کنوئیں میں اترتا ہے۔ کہیں کھیت ڈیکی سے بھی سیراب کیے جاتے ہیں۔

ہندوستانی شہروں کی وضع قطع میں عموماً مشابہت پائی جاتی ہے۔ عموماً شہر غلیظ ہیں۔ یہاں باغوں کے گرد دیواریں بنوانے کا رواج نہیں ہے۔ زیادہ تر باغات میدانی علاقہ میں واقع ہیں۔ برسات کے دنوں میں دریاؤں، نہروں اور ندیوں کے کناروں پر جہاں عموماً گھاس اگی ہوتی ہے۔ سخت دلدل ہو جاتی ہے۔ آمدورفت آسان نہیں ہوتی۔ بعض مقامات پر نچلی جگہوں میں پانی بھر جاتا ہے۔ اور تالاب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ان مقامات کے باشندے ان ہی سے آبی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ یہاں کے شہر اور آبادیاں جلد آباد ہو جاتی ہیں۔ اور جلد ہی ویرانوں کی شکل بھی اختیار کر لیتی ہیں۔ خطرے کے وقت یہاں آبادیوں کے باشندے اس طرح بھاگ جاتے ہیں کہ اپنا نشان تک پیچھے نہیں چھوڑتے۔

اگر یہاں کے لوگ کہیں بسنا چاہتے ہیں تو یا تو کنویں کھود لیتے ہیں یا تالاب بنا لیتے ہیں اور پھر پھونس اور بانس یا لکڑی کی مدد سے جھونپڑیاں کھڑی کر لیتے ہیں۔

نہ دیواریں اٹھانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ اینٹیں اور پتھر تراشنے کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بستیاں آباد ہو جاتی ہیں۔

ہندوستان کے مخصوص حیوانات میں ہاتھی انتہائی خصوص رکھتا ہے۔ ہاتھی کالپی کے جنگلات سے دستیاب ہوتا ہے۔ جوں جوں جنگل کے اندر آگے سفر اختیار کیا جائیگا اتنے ہی ہاتھی زیادہ نظر آئیں گے۔ لوگ اسی جنگل سے ہاتھی پکڑتے ہیں۔ آگرہ اور ناگپور کے درمیانی علاقہ کے تیس چالیس گاؤں کے باشندے تو زیادہ تر ہاتھی پکڑنے کا کام کرتے ہیں۔ حالانکہ ہاتھی عظیم الخلقت حیوان ہے لیکن سدھ جانے کے بعد بڑا وفادار ہوتا ہے۔ جو مالک چاہے وہی کرتا ہے۔ ہاتھی بڑا قیمتی جانور ہے۔ اس کی قیمت مختلف ہوتی ہے۔ جتنا جثہ ہوگا اتنی ہی قیمت ہوگی۔ عموماً یہاں کے ہاتھی چار گز سے اُونچے نہیں ہوتے۔ البتہ کہا جاتا ہے کہ بعض جزیروں میں اس سے بھی قدآور ہاتھی پائے جاتے ہیں۔

یہ عجیب الخلقت جانور سونڈ کے ذریعہ ہی خوراک کھاتا اور اسی کے ذریعہ پانی پیتا اور اسی کے ذریعہ چیزیں پکڑتا ہے۔ اس کے منہ کے اگلے حصہ میں دو بڑے سے دانت باہر کو نکلتے ہوتے ہیں۔ ان ہی دانتوں کے ذریعہ ہاتھی دیواروں کو چھیدتا اور درختوں کو توڑ لیتا ہے۔ یہ دانت ہاتھی کے مرنے کے بعد بہت سے کام آتے ہیں۔ ہاتھی دانت کی صفت نے اس کا نام پایا ہے۔

یوں بھی ہاتھی بہت مفید اور کارآمد جانور ہے۔ دریاؤں کے اندر گھس جاتا ہے اور اس کی پیٹھ پر جو کچھ لاد دو اسے دوسرے کنارے پر پہنچا دیتا ہے۔ بعض ایسے چھکڑے جنہیں کھینچنے کے لیے کئی کئی سو آدمی درکار ہوتے ہیں۔ انہیں دو تین ہاتھی بڑی آسانی سے کھینچ لے جاتے ہیں۔

اس کی خوراک بہت زیادہ ہے۔ تین چار اونٹوں کی خوراک وہ اکیلا کھاتا ہے۔ ہاتھی کے بعد گینڈا ہے۔ خاصا بڑا حیوان ہے۔ دو تین بھینسوں کے برابر موٹا اور جسیم ہوتا ہے۔ اس

کے ماتھے پر پانچ انگل برابر ایک سینگ اگا ہوتا ہے۔اس کی کھال بہت موٹی ہوتی ہے۔ البتہ کہیں کہیں زیادہ موٹی نہیں ہوتی۔ایسی جگہوں پر اگر تیر برسائے جائیں تو یہ کھال کے اندر گھس جاتے ہیں۔

گھوڑے کی طرح اس کا پیٹ بھی ہلکا اور چھوٹا ہوتا ہے۔اس کی دم بھی گھوڑے سے مشابہ ہے۔جس طرح گھوڑے میں ہڈی ہوتی ہے۔اس میں بھی ہوتی ہے۔گھوڑے کے اگلے پاؤں میں بھی گٹے پائے جاتے ہیں اوراس کے بھی۔

ہاتھی کی نسبت یہ زیادہ خوفناک اور موذی جانور ہے۔سدھارنے پر سدھرتا نہیں۔نہ اس میں ہاتھی جیسی وفا ہے۔پشاوراور ہشتنغر کے جنگلوں اوردریائے سرود کے آس پاس پایا جاتا ہے۔گینڈے کے بعد بھینسا بڑا حیوان ہے۔وہ بھینس سے شکل وصورت کے لحاظ سے بہت ملتا جلتا ہے۔جسامت کے سوائے اور کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

بھینسے کے بعد نیل گائے قابل ذکر ہے۔اس کا سر نیلا اور قد گھوڑے کے برابر ہوتا ہے۔جسم گھوڑے سے کافی نازک ہے۔مادہ کا رنگ ویسا ہی ہوتا ہے جیسے کہ بارہ سنگے کا۔ چونکہ اس کا سر نیلا ہوتا ہے۔اسی وجہ سے اسے نیل گاؤ کا نام ملا ہے۔

اس کے سر پر دو سینگ اُگے ہوتے ہیں۔گردن میں چار پانچ انچ لمبے بالوں کا ایک گچھا ہوتا ہے۔کوہان کی نسبت سے گائے سے مشابہ ہے۔

کوتہ پا بھی یہاں کا مخصوص جانور ہے۔یہ ہرن کی شکل اور قد وقامت رکھتا ہے۔البتہ ہاتھ اور پاؤں ہرن کے پاؤں سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔چونکہ ٹانگیں چھوٹی ہوتی ہیں۔اس لیے تیز دوڑنا اس کے بس کا روگ نہیں ہے۔جنگل میں چھپا رہتا ہے۔پاؤں کے چھوٹے ہونے کے سبب ہی اُسے چھوٹے پاؤں والا نام ملا ہے۔ایک اور ہرن کو کلہرہ کا نام دیا گیا ہے۔کیونکہ اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔عجیب بات ہے۔نر کا رنگ تو سیاہ ہوتا ہے۔مگر مادہ کا رنگ سفید ہوتا ہے۔یہ ہرن عموماً پالا جاتا ہے۔اور بڑی آسانی سے سدھ جاتا ہے۔

ہرنوں میں ایک چھوٹے ہرن کی بھی خاص قسم ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ ایک سالہ میمنے کے برابر ہوگا۔اس کا جسم بہت لذیذ ہوتا ہے۔ یہاں چھوٹے قد کی گائے بھی حیوانات کی ایک خاص قسم ہے۔ بندر کو ہندوستان کے جانوروں میں بہت امتیاز نصیب ہے۔اس کی عجیب الخلقتی اور نرالی حرکات کے سبب لوگ اسے پال لیتے ہیں۔ بازیگر اسے نچاتے اور پیسے کماتے ہیں۔ جو بندر زیادہ تر باہر بھیجا جاتا ہے اُسے لنگور کہتے ہیں۔اس کا منہ سیاہ اور بال سفید ہوتے ہیں۔

سیاہ رنگ کے بندر بھی پائے جاتے ہیں۔ان کا منہ بھی کالا اور بال بھی کالے ہوتے ہیں۔

نیولا بھی یہاں کا مخصوص جانور ہے۔ گلہری بھی یہاں کی مخصوص شے ہے۔ مور تو ہندوستان کا خاص الخاص پرندہ ہے۔اس کے پر اور بال رنگدار ہوتے ہیں۔ مگر قد وقامت رنگ سے موزونیت نہیں رکھتے۔ نر کے سر پر تین انچ کے برابر ایک تاج ہوتا ہے۔مادہ اس تاج سے خالی ہوتی ہے۔ مادہ نر کی نسبت کچھ خوبصورت نہیں ہوتی۔ پر بھی رنگین نہیں ہوتے۔

بعض مور خاصے قدآور ہوتے ہیں۔ چونکہ زیادہ اڑ نہیں سکتا۔اس لیے پہاڑی جنگلوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔

حنفی مذہب کی رو سے ان کا گوشت حلال ہے اور خوب مزیدار ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا گوشت کھاتے وقت لوگ کراہت محسوس کرتے ہیں۔

طوطی بھی یہاں کا مخصوص جانور ہے۔ جسے یہاں کے لوگ پال لیتے ہیں اور بولیاں سکھاتے ہیں۔ باجوڑ اور سوات کے نواح میں اس کی بڑی کثرت ہے۔ پانچ پانچ چھ چھ ہزار کی قطاریں اِدھر سے اُدھر فضا میں اکثر اُڑتی نظر آتی ہیں۔ جو طوطی عموماً سدھایا جاتا ہے۔ اس کا سر سرخ اور پروں پر بھی سرخی ہوتی ہے۔ جو طوطی بولیاں بولتے ہیں۔ان کی چونچیں سُرخ ہوتی ہیں۔

مینا بھی پالتو جانور ہے۔ طوطے کی نسبت ذرا دیر سے باتیں سیکھتی ہے۔ بنگالے کی مینا باتیں سیکھنے میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔ اس کا رنگ بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ چونچ اور پاؤں زرد ہوتے ہیں۔ اور آنکھیں سُرخ۔ خوب باتیں بناتی ہے۔

بوقلمون بھی یہاں کے عجیب جانوروں میں سے ہے۔ عموماً سر سے دم تک پانچ چھ رنگ اس کے جسم کو رنگین بنائے ہوتے ہیں۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر عموماً اڑتی نظر آتی ہیں۔ لیکن جاڑے کے دنوں میں پہاڑ کے دامنوں میں آجاتی ہے۔ اور چونکہ جاڑے کے سبب زیادہ اڑ نہیں سکتی اس لیے لوگ اسے پکڑ لیتے ہیں۔

ہمارے ملک میں ہر سال چار موسم ہوتے ہیں۔ مگر ہندوستان میں صرف تین موسم ہیں۔ چار مہینے گرمی رہتی ہے۔ چار مہینے سردی بہار دکھاتی ہے۔ اور چار مہینے برسات رہتی ہے۔ یہاں کے مہینے چاند کے مہینے کے وسط سے شروع ہوتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

چیت، بیساکھ، جیٹھ، اساڑھ، ساون، بھادوں، کوار، کاتک، اگن، پوس، ماہ، پھاگن۔

یہاں کے لوگوں نے ہر موسم میں دو دو مہینے گرمی، برسات اور سردی کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں۔ جیٹھ اور اساڑھ گرمی کے لیے ساون، بھادوں، برسات کے لیے پوس اور ماہ، سردی کے مخصوص مہینے ہیں۔

ہندوستان میں دنوں کے نام یہ ہیں۔

سنیچر۔ ایت وار۔ سوموار۔ منگل۔ بدھوار۔ برسپتھ وار اور شکروار۔

ہمارے وطن میں دن رات چوبیں حصوں یا گھنٹوں پر تقسیم کیے گئے ہیں۔ ہر گھنٹے ساٹھ دقیقے ہوتے ہیں۔ لیکن ہندوستان کے لوگوں نے رات دن کو سات حصوں پر بانٹ رکھا ہے۔ ہر حصہ گھڑی کہلاتا ہے۔ رات بھی چار پہروں اور دن بھی چار پہروں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ جس کا اعلان گھڑیال کے ذریعے گھڑیالی کرتے ہیں۔

یہاں گھڑیال بڑے اہتمام سے بجایا جاتا ہے۔ طباق کے برابر پیتل کے ایک گول

ٹکڑے میں جو دو انچ موٹا ہوتا ہے۔ اوپر کی سمت میں سوراخ کر کے اُسے کسی اُونچی جگہ لٹکا دیا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ ایک موگری بھی ہر وقت لٹکی رہتی ہے۔ گھڑیال کے نیچے ایک تندولہ پانی سے بھر دیتے ہیں اور ایک کٹوری کے پیندے میں سوراخ کر، پانی کی سطح پر تیرا دیتے ہیں۔ کٹوری کے پیندے میں جو سوراخ ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے پانی آہستہ آہستہ کٹوری میں بھرنے لگتا ہے۔ جب کٹوری بھر جاتی ہے تو گھڑیالی اس کٹوری کو الٹا دیتے ہیں اور موگریے گھڑیال پر ضرب لگاتے ہیں۔ یہ اعلان ہوتا ہے اس بات کا کہ ایک گھڑی بیت گئی ہے۔

یہ سلسلہ صبح سویرے سے شروع ہوتا ہے۔ ایک کٹوری بھر جانے پر گھڑیالی گھڑیال پر موگری سے ایک ضرب لگاتا ہے۔ دوسری بار کٹوری بھرتی ہے تو گھڑیال دوسری بار بجتا ہے۔ اور یہ سلسلہ ایک پہر تک چلتا ہے۔ پہر ہو جانے پر گھڑیال پر مسلسل اتنی ضربیں پڑتی ہیں۔ جتنی گھڑیاں گذر گئی ہوتی ہیں۔ اس مسلسل ضرب کو گجر کا نام ملا ہے۔ اگر پہلے پہر کا گجر بجے گا تو کسی قدر رک کر۔ ایک جرب پورے ٹھہراؤ کے ساتھ گھڑیاں پر پڑے گی۔ یہ اعلان ہوگا اس امر کا دن کا ایک پہر گزر گیا ہے۔ دوسرے پہر پر گجر بجانے کے بعد دو ضربیں پہلے ایسے انداز میں لگائی جائیں گی۔ یہ دو پہر کے گذر جانے کا اعلان ہوگا۔ اسی طرح تین پہر گزرنے پر تین ضربیں۔ چار پہر گزرنے پر جبکہ شام ہو جاتی ہے اور سورج غروب ہو جاتا ہے۔ چوتھے پہر کا گجر بجتا ہے۔ اور گھڑیال پر گھڑیالی چار ضربیں لگاتا ہے۔ یہ دن کے تمام ہو جانے کا اعلان ہوتا ہے۔ یہی کیفیت رات کی گھڑیوں اور پہروں کے اعلان کی ہوتی ہے۔

میں نے اس میں ترمیم کی اور حکم دیا کہ ہر پہر کی گھڑیاں بجانے کے بعد کسی قدر رک کر اس پہر کا اعلان بھی کیا جائے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ گھڑیاں پہلے پہر کی ہیں۔ یا دوسرے تیسرے یا چوتھے کی۔ یہ ترمیم مفید رہی۔

ہر گھڑی ساٹھ پلوں پر تقسیم کی گئی ہے۔ پل کا تخمینہ ایک بار آنکھ بند کرنے اور کھولنے

سے کیا گیا ہے۔اس طرح ایک دن رات میں ستر ہزار دو سو پل ہوتے ہیں۔

ہندی وزن کے حساب سے آٹھ رتی ہیں ایک ماشہ، چار ماشہ کا ایک ٹانگ، پانچ ماشہ کا مثقال، چالیس رتی، بارہ ماشے کا ایک تولہ، اور چونسٹھ تولے کا ایک سیر، اور چالیس سیر کا ایک من۔ بارہ من کی ایک مانی۔ اور سو من کا ایک مینا سا۔ ٹوٹک عموماً جواہر اور موتی تولنے میں استعمال ہوتا ہے۔

ہندوستانیوں کی گنتی کا حساب یہ ہے۔ کہ دس سو کا ایک ہزار۔ سو ہزار کا ایک لاکھ۔ سو لاکھ کا ایک کروڑ۔ اور سو کروڑ کا ایک ارب اور سو ارب کا ایک کھرب، اور سو کھرب کا ایک نیل۔ سو نیل کا ایک پدم اور سو پدم کا ایک سانک بنتا ہے۔

ہندوستان میں مجھے لطافت کی کمی کا بہت احساس ہوا۔ یہاں کے لوگ کچھ خوبصورت بھی نہیں ہیں۔ نہ ملنے جلنے کے آداب ہی سے آشنا ہیں۔ ذہن بھی پست ہے۔ مروت اور خلق اور وضعداری میں ہیٹے ہیں۔ ہنروں اور پیشوں کی ترتیب اور تقسیم بھی موزوں نہیں ہے۔ یہاں کا گھوڑا اچھا نہیں ہوتا۔ گشت بھی مزیدار نہیں ہے۔ نہ انگور یہاں کے اچھے ہوتے ہیں۔ نہ خربوزے اور نہ دوسرا پھل ہی لذیذ ہوتا ہے۔ نہ یہاں برف ملتی ہے نہ گرمیوں میں ٹھنڈا پانی ہی مہیا ہوتا ہے۔ بازاروں میں بکنے والی روٹی بھی خراب ہوی ہے اور سالن بھی مزیکا نہیں ہوتا۔

نہ یہاں حمام ہیں۔ نہ مدرسوں کا رواج ہے۔ گھروں میں شمعیں، مشعلیں اور شمعدان بھی استعمال نہیں کیے جاتے۔ البتہ چیکٹ کا رواج ہے۔

باغوں اور مکانوں میں نہریں جاری کرنے کا رواج نہیں ہے، بڑے دریاؤں اور ندیوں کے سوائے پانی کہیں اور جاری نہیں رہتا۔ یہاں کی عمارتیں نہ ہوادار ہوتی ہیں اور نہ خوش وضع ہی کہی جاسکتی ہیں۔ عوام عموماً ننگے پاؤں رہتے ہیں۔ کمر کے گرد حصہ اسفل میں لنگوٹی عموماً باندھ لیتے ہیں۔ البتہ عورتیں ساڑھی استعمال کرتی ہیں۔ جس کا ایک حصہ جسم سے لپٹا

ہوتا ہے اور دوسرا حصہ سر کو چھپاتا ہے۔

ہندوستان کی بس ایک ہی خوبی ہے۔ یہ کہ بہت وسیع ملک ہے۔ اس میں سونے چاندی کی بہتات ہے۔ برسات کے موسم میں جو ہوا چلتی ہے۔ وہ بہت لطف دیتی ہے۔ یہاں کی برسات میں کبھی کبھی تو ایک دن میں دس دس پندرہ پندرہ، بیس بیس بار آسمان سے مینہ برستا ہے۔ برسات میں ہر طرف جل تھل ہو جاتے ہیں۔ جہاں پانی کی بوند نہیں، وہاں ندی نالے بہنے لگتے ہیں۔

بارش کے دوران اور بارش کے بعد خاص دلفریب اور تفریح بخش ہوا چلتی ہے۔ یہاں کی برسات کی عجیب خصوصیت ہے کہ تیر بالکل بے کار ہو جاتے ہیں۔ تیروں پر کیا موقوف، کتابیں، لباس اور سامان بھی سیلائے جاتے ہیں۔

کبھی کبھی برسات کے دنوں کے علاوہ گرمی میں بھی ہوا خوب چلتی ہے۔ بعض اوقات تو اتنا زور پکڑتی ہے کہ آندھی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

ہندوستان میں پیشوں کی تقسیم خوب ہے۔ ایک ہی پیشہ کے لوگ بکثرت ہوتے ہیں۔ اور ضرورت پر ہزاروں آدمی ایک ہی کام کرنے والے دستیاب ہو جاتے ہیں۔ ملا شرف الدین یزدی، ظفر نامہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحبقرآن نے جب پتھروں سے جمعہ مسجد تعمیر کی تو دو سو سنگتراش، آذربائی جان فارس اور ہندوستان سے جمع کیے تھے۔

اس کے مقابلہ میں ہندوستان میں سنگتراشوں کی کثرت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ میں نے جو عمارت آگرہ میں بنوانا شروع کی ہے۔ اس کے لیے صرف آگرہ ہی میں سے چھ سو اسی سنگتراش جمع کر لیے گئے ہیں۔ مزید برآں میں نے سیکری، بیانہ، دولت پور، گولیار اور کول میں جو عمارتیں شروع کر رکھی ہیں۔ ان میں چودہ سو اکانوے سنگتراش مشغول ہیں۔

<u>اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے مخصوص پیشوں میں کتنے ہزار افراد</u>

مصروف رہتے ہیں۔

میں نے اس وقت تک جو ملک فتح کیا ہے اس کی حدود بھیرے سے شروع ہوتی اور بہار تک وسیع ہیں۔ اس ملک کی سالانہ آمدنی باون کروڑ روپے ہے۔ انیس کروڑ آمدنی کے علاقے براہِ راست، راجوں اور مقامی رئیسوں کے ماتحت ہیں۔ وہ باقاعدہ مجھے خراج ادا کرتے ہیں۔

یہ رجب کی انیسویں تاریخ تھی اور ہفتہ کا دن تھا۔ جبکہ میں نے بعض خزانوں کی تقسیم کی۔ ہمایوں میرزا کو ستر لاکھ روپے تو صرف ایک خزانے سے دیے۔ اس کے سوا کئی خزانے سربمہر ہی اس کے سپرد کر دیے۔ کتنے امرا کو دس دس لاکھ، آٹھ آٹھ لاکھ اور چھ چھ لاکھ روپے یک مشت بخشے۔ فوج کے سپاہیوں کو بھی حصہ رسدی، نقدی عطا کی۔ رضا کاروں میں جو طلبا و تاجر اور اسی قسم کے لوگ شامل تھے انہیں بھی محروم نہیں کیا۔

بعض وہ اعزاء جو اس جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ تقسیم کے وقت فراموش نہیں ہوئے۔ مثلاً کامران میرزا، جو کابل میں تھا۔ اسے ستر لاکھ روپے بھجوائے۔ محمد زمان کو پندرہ لاکھ، ہندواں کو بھی اسی قدر اور عسکری کو بھی یونہی نوازا گیا۔ انہیں روپے بھی بھجوایا، اشرفیاں اور قیمتی ملبوسات بھی ارسال کیے۔

سمرقند اور خراسان کے مشائخ اور علماء کو بھی نذرانے بھجوائے۔ مکہ، مدینہ میں بھی اشرفیوں اور روپوں کے توڑے روانہ کیے۔ کابل کے سارے باشندوں کو ایک ایک شاہرخی فی کس عطا کی۔ تاکہ یہ لوگ بھی اس فتح کی خوشی میں شریک ہو جائیں۔

میں جس وقت آگرہ پر قابض ہوا ہوں۔ اور میری فوج شہر میں گھسی ہے۔ تو یہاں کے لوگ اس سے بہت خائف تھے۔ جہاں کہیں، کسی سپاہی کو دیکھ لیتے ڈر کے مارے چھپ جاتے۔ یوں بھی یہاں کے لوگوں کو ہم سے نفرت تھی۔ اور ان کے دلوں میں ہمارا احترام جاگزین نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کئی مقامات پر خاص شدید مخاصمت کے مظاہرے ہوئے۔

دہلی، آگرہ اور دوسرے علاقوں کے قلعوں میں مخالف امراء نے مورچے قائم کر لیے۔ دور دراز کے علاقوں میں بھی باقاعدہ مخالفت کی گئی۔ جن جگہوں اور جن لوگوں نے اس میں نمایاں حصہ لیا۔ ان میں سنبجل میں، قاسم سنبھلی میوات میں حسن خاں میواتی، بیانہ میں نظام خاں، گوالیار میں تاتار خاں، رابری میں حسن خاں تو خانی، اٹاوہ میں قطب خاں، کالپی میں عالم خاں، دریا خاں کا بیٹا ہے۔ اور اسے قنوج کے پٹھان امراء نے اپنا بادشاہ مان لیا ہے۔ اور سلطان محمد کا خطاب بخشا ہے۔

جب میں نے آگرہ فتح کیا ہے۔ تو یہ گرمی کا موسم تھا۔ اور آگرہ کے نواح کے دیہات کے لوگ دہشت کے مارے بھاگ کر جنگلوں میں جا چھپے تھے۔ میری فوج کو اپنے لیے اناج اور گھوڑوں کے لیے چارہ روزانہ مہیا کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ کچھ اس وجہ سے اور کچھ اس لیے کہ گرمی اپنے پورے شباب پر تھی۔ ہوا تو بڑے زور کی چلتی مگر سورج خوب برساتا تھا۔ میری فوج کے اچھے اچھے سپاہی جی چھوڑ گئے تھے۔ ہندوستان میں ٹھہرنے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا۔ سپاہی تو خیر سپاہی تھے۔ اچھے اچھے معتمد امراء نے حوصلے ہار دیے۔ حوصلے ہارے والوں میں خواجہ کلاں جیسا اونچا امیر بھی تھا۔ اور احمد پروانچی اور ولی خازن جیسے معتمد سپاہی بھی تھے۔

مجھے ان لوگوں کی ذہنی حالت کا علم ہوا۔ تو میں نے ان کو اکٹھا کیا۔ اور سمجھایا کہ اللہ نے اتنی جدوجہد کے بعد تو یہ دن دکھایا ہے۔ کہ ہم اتنے وسیع ملک کے مالک بن گئے ہیں۔ اگر ہم اس وقت اس ملک کو چھوڑ جائیں اور کابل واپس ہو جائیں اور تنگی ترشی کی زندگی اپنے اوپر سوار کر لیں تو اس سے کیا حاصل ہوگا۔" (ص 120-195 مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

کتابیات

بنیادی مآخذات

(1) واقعات مشتاقی از رزق اللہ مشتاقی، 1572ء (فارسی) مرتبہ اقتدار حسین صدیقی و وقار الحسن صدیقی، 2002ء، رام پور، رضا لائبریری۔

(2) افسانہ شاہان از محمد کبیر بن شیخ اسمٰعیل حزیانی، 1605ء تقریباً، (فارسی) مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر حسین خان، 2005ء، پشاور، سوئی پرنٹرز

(3) تاریخ مبارک شاہی از یحیٰی بن احمد بن عبداللہ سرہندی، 1434ء (فارسی سے انگریزی ترجمہ) مترجم ایچ بیورتج، ری پرنٹ 1996ء، دہلی، لو پرائس پبلی کیشنز

(4) تاریخ مبارک شاہی از یحیٰی بن احمد سرہندی، 1434ء (فارسی سے اردو ترجمہ) مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر، ری پرنٹ 2004ء، لاہور، اردو سائنس بورڈ

(5) تاریخ داؤدی از عبداللہ 1605ء تقریباً، (فارسی) مرتبہ شیخ عبدالرشید، 1954ء، علی گڑھ، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی

(6) تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی از خواجہ نعمت اللہ ہروی، 1612ء (فارسی)، مرتبہ سید محمد امام الدین، 1960ء، دو جلدیں، ڈھاکہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان۔

(7) تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی از خواجہ نعمت اللہ، 1612ء، اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین، 1978ء، ری پرنٹ 1986ء، لاہور، اردو سائنس بورڈ۔

(8) Niamat Ullah's History of the Afghans, English trans: by B.Dorn, London, Susilgupta.

(9) تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہ، 1611ء، اردو ترجمہ و ترتیب، عبدالحئی خواجہ و ڈاکٹر عبدالرحمٰن، ری پرنٹ 2004 لاہور، المیزان۔

(10) تاریخ شاہی از احمد یادگار 1605ء (فارسی متن) مرتبہ ہدایت حسین ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ، 1939ء

(11) تاریخ شاہی یا تاریخ سلاطین افاغنہ از احمد یادگار 1605، (فارسی سے اردو ترجمہ) مترجم سید نذیر نیازی، 1939، ری پرنٹ، لاہور، اردو سائنس بورڈ۔

(12) طبقات اکبری از خواجہ نظام الدین احمد، 1593، اردو ترجمہ و ترتیب از محمد ایوب قادری، 1990ء، لاہور، اردو سائنس بورڈ۔

(13) آئین اکبری از علامہ ابوالفضل، 1597ء، اردو ترجمہ از مولوی محمد فدا علی طالبؔ، ری پرنٹ 1988ء، لاہور، سنگ میل

(14) تذکرۃ الابرار والاشرار از خوند درویزہ، 1595ء، (فارسی) پشاور۔

(15) تاریخ شیر شاہی از عباس خان سروانی، 1572ء، (فارسی) مرتبہ سید محمد امام الدین، 1964ء، ڈھاکہ، یونیورسٹی آف ڈھاکہ۔

(16) خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے بھنڈاری بٹالوی، 1697ء، (فارسی سے اردو ترجمہ) مترجم ناظر حسن زیدی، 2002ء ری پرنٹ، لاہور، اردو سائنس بورڈ۔

(17) تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی، اردو ترجمہ ڈاکٹر سید معین الحق، 1991ء لاہور، اردو سائنس بورڈ۔

(18) آثار الصنادید از سرسید احمد خان، 1847ء، ایڈیشن 2003ء، دہلی، قومی کونسل

براے فروغ اردو زبان

(19) Babar Nama by Babar Badshah, translated from Turki text by Annettes. Beveridge, 1921, reprint 2003, Delhi, Low Price Publications.

(20) تزک بابری از ظہیر الدین بابر اردو ترجمہ از رشید اختر ندوی، مئی 1969ء لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز۔

(21) سیر العارفین از مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی، اردو ترجمہ وحواشی از ڈاکٹر محمد ایوب قادری، لاہور، اردو سائنس بورڈ

(22) تواریخ دولت شیر شاہی از حسن علی خان مشمولہ Medieval India Quarterly، Vol. 1-2, 1950

(23) مآثر الامراء از شاہنواز خان اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری مطبوعہ اردو سائنس بورڈ، لاہور 2004ء

(24) مراۃ الخیال از شیر علی خان لودھی 1102ھ مطبوعہ بمبئی 1313ھ۔

(25) ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم اردو ترجمہ رشید اختر ندوی مطبوعہ سنگ میل لاہور۔

(26) تذکرۃ الواقعات از جوہر آفتاب چی از ترجمہ سید معین الحق 1955ری

پرنٹ 2006ء فکشن ہاؤس لاہور۔

(27) سفرنامہ ازابن بطوطہ اردو ترجمہ مولوی محمد حسین 1913ء ری پرنٹ 1993ء تخلیقات لاہور۔

(28) تزک جہانگیری از نورالدین جہانگیر بادشاہ اردو ترجمہ سید احمد علی رام پوری مطبوعہ سنگ میل لاہور 1966ء۔

(29) اقبال نامہ جہانگیری از مرز معتمد خان اردو ترجمہ محمد زکریا مشمولہ سہ ماہی تاریخ 2005 شمارہ نمبر 23 تا 25 فکشن ہاؤس لاہور۔

(30) تاریخ شیر شاہی از عباس خان شروانی اردو ترجمہ مظہر علی ولاء مطبوعہ سلمان کیڈمی کراچی 1936ء۔

31) تاریخ شیر شاہی از عباس خان شروانی اردو ترجمہ مظہر علی ولاء مشمولہ سہ ماہی تاریخ 2003ء شمار نمبر 15 و 17 فکشن ہاؤس لاہور۔

(32) شاہ جہان نامہ المعروف عمل صالح از محمد صالح کنبوہ لاہوری 1660ء اردو ترجمہ، ناظر حسن زیدی اردو سائنس بورڈ لاہور 1960ء۔

(33) پٹہ خزانہ از محمد بن داؤد ہوتک، مطبوعہ کابل، 1960ء۔

ثانوی ماخذات

(1) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ری پرنٹ 1990ء، لاہور، نگارشات۔

(2) Some Aspects of Afghan Despotism in India by Iqtidar Hussain Siddiqui, 1969, reprint, Lahore, Book Traders.

(3) Sher Shah Suri by Dr. Hussain Khan, 1987, Lahore, Ferozsons.

(4) The Afghan Nobility and the Mughals by Rita Joshi, 1985, Delhi, Vikas Publishing House.

(5) Mughal Relations with the Indian Ruling Elite by Iqtidar Hussain Siddqui, 1983, Delhi, Munshiram Manohar Lal.

(6) جام جم از سرسید احمد خان مشمولہ مقالات سرسید جلد نمبر 16۔ 1961ء، لاہور، مجلس ترقی ادب۔

(7) Medieval India Quartirly, vol.I, July, Oct, 1950

(8) History of the Lodhi Sultans of Delhi and Agra by Abdul Halim, 1974, Delhi, Idara Adabiyat-i-Delhi

(9) The History of India as told by its own Historians, ed: and translated by H.M. Elliot and John Dowson, 1867-1877, reprint 2001, Delhi, Low Price Publications, 8 vols.

(10) Twilight of the Sultanate by K.S. Lal, 1963, Delhi, Asia Publishing House.

(11) خلاصۃ الانساب از حافظ رحمت خان، 1761ء، (فارسی سے اردو ترجمہ) مترجم سعود الحسن خان روہیلہ، 2002، لاہور، افغان ریسرچ سنٹر۔

(12) قصہ و احوال روہیلہ از رستم علی بجنوری، 1776ء، مرتبہ قاضی عارف حسین 1989ء، واہ کینٹ، شعبہ تصنیف و تالیف۔

(13) رود کوثر از شیخ محمد اکرام، طبع دوازدھم 1988ء، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ۔

(14) آب کوثر از شیخ محمد اکرام، طبع سیزدھم 1988ء، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ۔

(15) شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات از اعجاز الحق قدوسی، 1961ء، کراچی، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

(16) Journal of Asiatic Society of Pakistan, vol.I no.I, 1956, Vol.II, 1957, vol III 1958, vol; VII, 1961

(17) The Chronicles of the Pathan Kings of Delhi by Edward Thomas, 1871, London, Trubner & co.

(18) کنز التاریخ از رضی الدین بسمل، 1907ء، بدایوں، نظامی پریس

(19) ہندوستانی ثقافت پر اسلام کے اثرات از ڈاکٹر تارا چند، اردو ترجمہ مسعود الحسن خان روہیلہ، 2007ء، کوئٹہ، غزنوی کتب خانہ

(20) مکتوبات قدوسیہ از شیخ عبدالقدوس گنگوہی ترجمہ و تشریح از واحد بخش سیال چشتی صابری، جون 2004ء، لاہور، الفیصل۔

(21) Rohilkhand Territory in medieVal India by M. Afzal-ur-Rehman Khan, 1995, Delhi, Kanishka Publishers.

(22) تقویم تاریخی مرتبہ عبدالقدوس ہاشمی، 1987ء، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی۔

(23) The Muqaddimah by Ibn Khaldun, eng: trans: by Franz Rosenthal, 3 vols, 1967, Prinston, University Press.

24- Sher shah Suri by Dr. Hussain Khan, Ferozsons -Lahore . 1987.

25- Bibliographical Index to the Historians of Muhammadan India by Sir, Henry M.Elliot, 1850, reprint 1976, Idara Adabiyate-e-Delli , Delhi.

26- Non - Persion Sources on Indian Medieval History by B.P Ambastha, Idara Adabiyat-e-Delli, Delhi. 1984.

27- On yuan Chwang's Travels in India by Thomas watter, Royal Asiatic Society London, 1904-5.(Reprinted by Low Price Publication, Delhi, 2004).

28- An account of the Kingdom of Caubul by M. Elphinstone, 1815, reprint 1972, Oxford university Press, Karachi.

(29) یادِ عہد رفتہ از ڈاکٹر عبادت بریلوی، ادارہ تنقید و ادب لاہور 1986ء۔

(30) تذکرہ کاملان رام پور حصہ دوم جلد دوم، مرتبہ ڈاکٹر شعائر اشد خان و عابد رضا بیدار، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، 1982ء۔

(31) شوکت افغانی المعروف حیات لودھی از عبد الحکیم خان لودھی، 1910ء ری پرنٹ 1994ء سنگ میل لاہور۔

(32) افاغنہ ہوشیار پور از محمد ایوب خان، مطبوعہ فاران پبلی کیشنز لاہور 1985ء۔

(33) افاغنہ جالندھر از محمد ایوب خان مطبوعہ لاہور شرٹرل کوآپریٹو سٹور لاہور 1975ء۔

(34) انتخاب یادگار از امیر مینائی، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو۔

(35) یوسفزئی افغان از اللہ بخش یوسفی، محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی کراچی 1961ء۔

(36) شخصیات سرحد از محمد شفیع، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور، سال نامعلوم۔

(37) تاریخ لودھی از عابد حسین خان لودھی (قلمی) مملوکہ عابد حسین، 2008ء۔

(38) لودی پشتانہ از عبد الشکور رشاد مطبوعہ افغانستان۔

(39) پشتون تاریخ کے آئینہ میں از بہادر شاہ ظفر کاکاخیل، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، 1981ء۔

قلمی مواد و شجرے:

(34) خط کلب علی خان فائق (قلمی) مملوکہ ڈاکٹر مسعود الحسن خان روہیلہ

(لاہور)۔

(35) نقل شجرات خاندان لودھی مملوکہ عابد حسین لودھی (مردان)

(36) نقل شجرہ خاندان لودھی مملوکہ حبیب الرحمٰن لودھی (مردان)

(37) نقل شجر خاندان لودھی مملوکہ ڈاکٹر مسعود الحسن خان روہیلہ (لاہور)

(38) نقل شجرہ خاندان لودھی مملوکہ عثمان علی خان خلف کلف علی خان

تق (لاہور)

ریکارڈز:

(39) ریکارڈ کلکٹریٹ کچہری مراد آباد 1942 تا 1946ء۔

(40) ریکارڈ کلکٹریٹ کچہری مردان

(41) ریکارڈ پنجاب یونیورسٹی (شعبہ باٹنی)

(42) ریکارڈ پنجاب یونیورسٹی شعبہ امتحانات۔

ذاتی انٹرویوز:

(1) انٹرویو از ان صاحبزادہ مسعود الحسن خان صابری 1986ء۔

(2) انٹرویو از ان محمد امیر خان 1984ء۔

(3) انٹرویو از ان ماسٹر نواب النبی خان 1986ء، 1998ء۔

(4) انٹرویو از عابد حسین لودھی 2008ء۔

(5) انٹرویو از حبیب الرحمٰن لودھی 2009ء۔

(6) انٹرویو از عثمان علی خان خلف کلب علی خان فائق 2005

رسالے:

ماہنامہ نوائے پٹھان لاہور، دسمبر 2005ء

انٹرنیٹ معلومات:

غزنوی پبلشرز کی چند اہم کتابیں جون 2011

نامور پشتون تاریخ کے آئینے میں رائٹر: انجینئر ملک اسد خان ترین صفحات 500 قیمت 500 روپے

تاریخ خواسیہ (عہد صدیقی (۱۱ھ) سے معاویہ ثانی (۶۴ھ) تک خواسیہ کی خدمات کا جائزہ)

مصنف ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ صفحات 431 قیمت 380 روپے

عالمی انٹرنیٹ ڈائریکٹری ترتیب روز الدین غزنوی صفحات 204 قیمت 150 روپے

جعفر شجرہ نسب اور جعفر پٹھان کا تحقیقی جائزہ صفحات 176 قیمت 200 روپے

مصنف محمد اقبال مندوانی جعفر

مختصر تاریخ افغانستان تحریر پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ صفحات 296 قیمت 250 روپے

وزیر اعظم شاہ ولی خان پوپلزئی مؤلف عبد القدوس دورانی

صفحات 260 بمعہ رنگین تصاویر قیمت 240 روپے

دی مولی سینٹرز بہترین ناول رائٹر: پروفیسر راز محمد خان صفحات 120 قیمت 110 روپے

تبلیغی جماعت کا آغاز ونشونما تبلیغی جماعت کی تاریخ ونظریات پر Ph.D مقالہ (ایک تقابلی مطالعہ)

رائٹر یوگیندر سکند ترجمہ ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ صفحات 336 قیمت 240 روپے

تاریخ خواسیہ انساب اور ابتدائی حالات مصنف ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ صفحات 128 قیمت 120 روپے

آپ بیتی ابن خلدون (التعریف بابن خلدون ورحلتہ شرقاً وغرباً) کا مکمل اردو ترجمہ تصنیف۔ علامہ عبد الرحمٰن ابن خلدون

ترجمہ و تحقیق: ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ صفحات 516 قیمت 420 روپے

ہندوستانی ثقافت پر اسلام کے اثرات مصنف ڈاکٹر تارا چند

ترجمہ ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ صفحات 400 قیمت 360 روپے

گھامڑ کا سودا چیخوف کے منتخب افسانے ترجمہ یعقوب شاہ غرشین صفحات 160 قیمت 120 روپے

maablib.org

پشتون۔

قدیم روایات، نئے نظریات اور قدیم متون پشتونوں کے نسب، نام، زبان، ابتدائی، معاشرتی زندگی اور ملک کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

تحریر ڈاکٹر حبیب اللہ تحوی ترجمہ شوکت ترین صفحات 230 قیمت 200 روپے

تاریخ بڑیچ ،(افغان قبیلہ بڑیچ کے سیاسی وسماجی حالات کی تفصیل) معنف ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

بمعہ شجرہ خاندان احمد رضا خان بریلوی صفحات 350 قیمت 350روپے

پٹہ خزانہ نامور افغان شعراء کا قدیم تذکرہ تصنیف محمد ہوتک بن داؤد

اردو ترجمہ ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ قیمت 500روپے

دی گریٹ پشتون (انگلش)

سیاست کے سرخیل بابائے پشتون عبدالصمد خان اچکزئی شہید کے نادر و نایاب پریس کانفرنسوں، ادب، جمالیات اور اخباری بیانات اور انٹرویوز پر مشتمل انگریزی کتاب۔ مرتب: شوکت ترین صفحات 150 قیمت 150روپے

حضرت محمد ﷺ کے بارے میں انجیل (بائبل) کیا کہتی ہے؟ معنف: احمد دیدات

ترجمہ: شیر محمد صفحات 64 قیمت 60 روپے

سائے علم سائے عشق تحریر بہادر خان سفیر صفحات 90 قیمت 100روپے

حیوانات کی دنیا کا حیرت کدہ۔

اس کتاب میں آپ بہت ساری نئی چیزوں کے بارے میں جانیں گے جن میں سے چند ایک آپ ابتک دیکھی بھی نہ ہوں گی جوں جوں آپ یہ کتاب پڑھتے جائیں گے حیران ہوتے جائیں گے کہ یہ پیاری سے مخلوقات اتنے مشکل کام کیسے سرانجام دیتی ہے۔

صفحات 128 کلر قیمت 450 روپے

نوادرات خطاطی۔ یونیورسٹیوں، کالجوں اور عام شائقین کے لئے یکساں مفید

(معنف: مقصود علی جواہر رقم (انٹرنیشنل گولڈ میڈلسٹ خطاط) صفحات 100 قیمت 150روپے

تاریخ لودھی پٹھان معنف ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ صفحات 1063 قیمت 1000روپے

اصلی پرانے چھاپے کا بڑا اندر جال با تصویر معنف: پنڈت راجیشو کمار چادری بازار دہلی

یہ ایک ایسا علم ہے کہ کوئی سفلی اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ بنگال میں بہت جادوگر ہوا کرتے تھے خاص کر عورتیں کہ وہ آدمی کو سفلی شکتی سے بکرا، مینڈھا، طوطا، پتہ نہیں کیا کیا بنا کر اپنی قید میں رکھتی تھی۔ تو یہ بھی اہل علم وفن ہے جس کا عملی طور پر کرنا کفر ہے، جس کو اب بھی کچھ نادان لوگ کرتے ہیں۔ لہٰذا عاملوں کا کام ہے کہ اس علم سے آگاہ رہیں تا کہ روحانی طور پر اس کا توڑ کر سکیں اس کتاب میں جادوگروں کے کرتوتوں کے توڑ لکھے ہیں جن پر عمل کر کے وہ لوگوں کو اپنے بس میں کر لیتے تھے۔ جس میں۔ موہنی جنتر، بھوت پریت بنگالی جنتر، مداری بنگالی جادو جنتر، سرپ ناشک جنتر، وشی جنتر، چندر بھرمن، دیو چار، سپاری منتر، پان منتر، کامروپ جادو، غرض یہ کہ ہر قسم کے خفیہ منتر، دیو چار جنتر، تنتر وغیرہ درج ہیں سینکڑوں قسم کی کاریگریاں اور چار ترپن کا بھنڈار یہ کتاب ہے۔ صفحات 255 قیمت 300روپے

maablib.org

Ghaznavi

PUBLISHERS & BOOK SELLERS

سمنگلی پلازہ نزد زبیری مسجد جناح روڈ کوئٹہ

فون: 0812005872 - موبائل 0321-4879704

ghaznavikitabtoon@yahoo.com